نوجوانوں کی حکایات پر ایک چشم کشا اور انقلاب آفریں کتاب

نوجوانوں کی حکایات

(انسائیکلوپیڈیا)

مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی
دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

خواجہ بک ڈپو
دھلی

......: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :......

نوجوان ہی دراصل کسی معاشرے کا مستقبل ہوتے ہیں وہ چاہیں تو
اپنے حسن عمل اور جذبۂ خیر وصلاح سے دنیا کو رشکِ فردوس بنا دیں
اور چاہیں تو نمونۂ جہنم۔ ملاحظہ فرمائیں ایک چشم کشا اور انقلاب آفریں کتاب

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

نوجوانوں کی حکایات
اِنسائیکلوپیڈیا

[جلد اوّل]

-: تالیف :-

محمد اَفروز قادری چریاکوٹی
دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

بِأَبِي أنتَ وأمِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيکَ أيُّهَا النَّبِيُّ الأمِّيُّ

تفصیلات

کتاب : نوجوانوں کی حکایات کا اِنسائیکلوپیڈیا

موضوع تعمیر سیرت وکردار-اور-تزکیہ قلب وباطن

تالیف : ابورِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی.....................

پروفیسر: دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

ایڈیٹر: چراغِ اُردو، ماہانہ اُردو میگزین، ساؤتھ افریقہ

afrozqadri@gmail.com

تصویب : مبلغ رشدوہدایت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری

کتابت : قادری کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ سینٹر، چریاکوٹ، مئو

صفحات : ایک ہزار بارہ (1012)

اشاعت : 2014ء - ۱۴۳۵ھ

قیمت : /روپے

ناشر : اکبر بک سیلرز، اُردو بازار، لاہور، پاکستان

o رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أنْتَ السَّمِيْعُ العَلِيْمُ o

قوم کے جوانوں کے نام

اس اُمید پر کہ کاش! اُن کی جوانیاں حضورِ الٰہ میں کھڑی ہونے کی عادی ہوجائیں۔

وہ شب خیزی اور اَشک ریزی کی گراں مایہ دولت سے بہرہ ور ہوجائیں۔

اُن کے سینوں کے محراب میں قرآن وسنت کی چاندنی اُتر جائے۔

اُن کے قلب وباطن، فراستِ مومنانہ سے آباد ہوجائیں۔

اُن کی آنکھوں میں غیرت وحیا کے کنول کھل اُٹھیں۔

اُن کی زبانیں صداقت کے پھولوں کی ٹہنی بن جائیں۔

اُن کے کانوں کے دَر ہر ناروا آواز کے لیے بند ہوجائیں۔

اے کاش! دل کی اُجڑی ہوئی وادیاں عشق رسول کی پروائیوں سے

پھر لہلہا اُٹھتیں، اور روح کے ویران صحرا پھر رشکِ چمن زار بن جاتے!۔

دعاگو ودعاجو

اَبورفقہ محمد اَفروز قادری چریاکوٹی

عرضِ ناشر

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم أما بعد !

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا ☆ شباب جس کا ہو بے داغ، ضرب ہو کاری

یہ ایک تاریخی حقیقت اور ناقابل انکار سچائی ہے کہ نوجوان ہر قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ جو قومیں اپنی نوجوان نسل کی مناسب تعلیم و تربیت کا اِہتمام نہ کر سکیں وہ اپنی عزت و وقار سے محروم اور اپنے روشن مستقبل سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ بدقسمتی سے آج اُمت مسلمہ کے جوان اسی علمی و تہذیبی اور اخلاقی و ثقافتی بحران کے شکار ہیں، جس کے باعث ہمارا دبدبہ و وقار رخصت ہو گیا اور نتیجے میں زوال و ادبار کے بادل ہم پر سایہ کناں ہو گئے۔ جب کہ بیدار مغز قیادت کا یہ خاصہ رہا ہے کہ وہ ہمیشہ نسل جدید کے لیے ایسا ماحول فراہم کرتی ہے جس میں اپنے بنیادی عقائد و نظریات کی آبیاری کا بھرپور سامان موجود ہو۔ صحت مند معاشرہ کی یہ نمایاں خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنی منزل کا تعین کر کے یکسوئی کے ساتھ خود اس کی جانب گامزن اور اپنے تابناک ماضی سے آنے والی نسلوں کا رشتہ جوڑے رکھنے کا بہترین اہتمام و اِنصرام کرتا ہے۔

جن اُمتوں کا حال اُن کے ماضی سے لاتعلق ہو، ان کا مستقبل ہمیشہ تزلزل اور بے یقینی کا شکار ہوا کرتا ہے۔ آج کے بچے کل جوان ہوں گے اور آج کے نوجوان کل معاملاتِ ملکی و ملی کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ معمارِ قوم و ملت، عارفِ مشرق، مفکر اسلام ڈاکٹر اقبال نے اپنی نظم و نثر میں قوم کے جوانوں کو جا بجا جھنجوڑا ہے۔ اس تعلق سے وہ کس قدر فکر مند تھے اور جوانانِ ملت کو وہ کیسا دیکھنا چاہتے تھے، ذیل میں ان کے ناصحانہ اِقتباسات بغور دیکھیں :

> اے رازِ حیات سے ناواقف نوجوان! تو زندگی کے آغاز اور انجام سے غافل ہے۔ تو دشمنوں کا خوف دل سے نکال دے۔ تیرے اندر ایک قوتِ خوابیدہ موجود ہے، اسے بیدار کر۔ جب پتھر اپنے آپ کو شیشہ سمجھنے لگتا ہے تو وہ شیشہ ہی بن جاتا ہے اور شیشے کی طرح ٹوٹنے لگتا ہے۔ جب مسافر اپنے آپ کو کمزور سمجھتا ہے تو وہ اپنی جان کی نقدی بھی راہزن کے سپرد کر دیتا ہے۔ تو اپنے آپ کو کب تک پانی اور مٹی کا پتلا سمجھتا رہے

گا۔ تجھے چاہیے کہ اپنے اندر سے شعلۂ طور پیدا کرے۔ یوسف کی طرح خودشناس ہو تا کہ اَسیری سے شہنشاہی تک پہنچے۔

اے غافل جوان! قوم اپنے ماضی کی سرگزشت (تاریخ) سے روشن ہوتی اور اسے یاد رکھنے سے ہی خود کو پہچانتی ہے۔ اگر وہ اپنی سرگزشت بھول جائے تو پھر وہ نیست و نابود ہوجاتی ہے......اے مستقبل کے معمار! اپنی تاریخ کو محفوظ کر اور پائندہ ہوجا، گزرے ہوئے سانسوں سے زندگی پا جا۔ گزرے ہوئے کل کو آج سے مربوط کر، زندگی کو سدھایا ہوا پرندہ بنالے، اَیام کے رشتے کو ہاتھ میں لے لے؛ ورنہ تو دن کا اندھا اور رات کا پجاری بن جائے گا۔ تیرے ماضی سے ہی تیرا حال وجود میں آتا ہے اور پھر حال سے تیرا مستقبل سنورتا ہے۔ اگر تو حیاتِ جاوداں کا خواہاں ہے تو مستقبل اور حال سے ماضی کا رشتہ نہ توڑ۔ تسلسلِ ادراک کی موج ہی میں بقا ہے، مے کشوں کے لیے شورِ قلقل ہی میں زندگی ہے۔

یہ کتاب دراصل نوجوانوں کو اپنے درخشندہ ماضی سے جوڑنے اور انھیں تابندہ و پائندہ مستقبل فراہم کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ حکایتوں کی زبان چونکہ وعظ وتلقین اور پند ونصائح کے لیے بہت ہی مؤثر مانی گئی ہے، نیز اسے بھرپور دلچسپی اور قلبی لگاؤ کے ساتھ پڑھا اور سنا جاتا ہے؛ اس لیے حکایتوں اور سبق آموز کہانیوں پر مشتمل صالح لٹریچر کا فروغ ہماری اوّلین ترجیح ہے۔

ہندوستان کے خطہ ٔ چریا کوٹ کے معروف عالم ربانی مولانا محمد افروز قادری؛ اہل سنت وجماعت کے اُبھرتے ہوئے ہر دل عزیز قلم کار ہیں، اپنی عمر سے آگے بڑھ کر کام کر رہے ہیں، اور چھوٹی سی عمر میں کافی شہرت ومقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی تحریریں بہت شوق سے پڑھی جاتی ہیں، خصوصاً نسل نو اُن کی فکری توانائیوں سے بھرپور اِستفادہ کرتی ہے، اور ان کی نئی کتابوں کے لیے راہیں تک رہی ہوتی ہے۔ تو یہ لیں ہم ان کا ایک تازہ شاہ کار پیش کر رہے ہیں اِس اُمید پر کہ نوجوان نسل اس کی روشنی میں زندگی کے رہنما خطوط متعین کرکے اُمت مسلمہ کے لیے گراں مایہ اور ناقابل فراموش کارنامہ اَنجام دینے کا فخر واِعزاز حاصل کرے گی۔ -اللہ بس باقی ہوس-

خیر اندیش: محمد اکبر قادری۔ ۴/رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ-۲/جولائی ۲۰۱۴ء

فہرست

مُقَدِّمَہ کاش نوجوانوں کو معلوم ہوتا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، والصلوٰۃ والسلام علی صفوۃ الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحابتہ اجمعین. امابعد!

یارب! دلِ مسلم کو وہ زِندہ تمنا دے ☆ جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے ☆ دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

نوجوان ہی دراصل کسی قوم کا قیمتی اَثاثہ، نفع بخش سرمایہ اور تابناک مستقبل ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں تو اپنے حسنِ عمل اور جذبۂ خیر وصلاح سے دنیا کو رشکِ فردوس بنادیں اور چاہیں تو نمونۂ جہنم۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کسی قوم کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کے لیے اُس کے سیم وجواہر اور دیگر معدنیات کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا؛ بلکہ اُس کے نوجوان دیکھے جاتے ہیں کہ وہ کن کاموں میں مشغول ہیں۔ اگر وہ اَصحابِ تقویٰ وورع ہوں، دین کے اَوامر ونواہی پر کماحقہ کاربند ہوں، عظیم مقاصد میں شب وروز بسر کرتے ہوں، اور فضل وکمال کے دامن سے وابستہ ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ قوم بڑی عظیم وجلیل قوم ہے، اور اس کی عظمت ورفعت کو دنیا کی کوئی طاقت کبھی چیلنج نہیں کرسکتی۔ ڈاکٹر اِقبال نے کیا خوب منظرکشی کی ہے ؎

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا

شباب جس کا ہو بے داغ، ضرب ہو کاری

لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو۔ نوجوان اَخلاق وکردار سے عاری ہوں، گھٹیا سوچ کے مالک ہوں، لایعنی کاموں میں جٹے ہوئے ہوں، رذیل اور اَخلاق سوز چیزوں پر اِس طرح ٹوٹے پڑتے ہوں جس طرح مکھیاں' کوڑا کرکٹ پر پڑی غلاظت پر گرتی ہیں تو پھر یقین کرلینا چاہیے کہ اُس اُمت کا مستقبل تاریک ہے، اُس کی بنیادیں کھوکھلی ہوئی جاتی ہیں، پُرزے کمزور پڑ رہے ہیں، اور کسی وقت بھی اُس کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکا جاسکتا ہے۔ ایسے نوجوان دراصل ننگِ قوم وملت ہوتے ہیں، اُن کی وجہ سے اُمت کے مُقدّسات کی تحقیر ہوتی ہے، اُس کی عظمتیں گہنا جاتی ہیں، اور اُس کی تاریخ وثقافت کا چہرہ مسخ ہوکر رہ جاتا ہے۔

نوجوان بلاشبہہ قوموں کا مقدر ہیں وہ چاہیں تو درخشندہ مستقبل اور روشن اُمیدوں کے سورج اُجال دیں اور چاہیں تو اُن پر جہالت ورذالت کی کبھی نہ ختم ہونے والی شب تیرہ مسلط کردیں۔ تاریخ کی پشت ایسی شہادتوں سے بوجھل ہے۔

آیئے میں آپ کو دکھاؤں کہ قرآن کریم نے خیروتقویٰ کے حامل نوجوانوں کی حکایتِ پُرشوق اور داستانِ دعوت وعزیمت کتنے اچھوتے انداز میں بیان فرمائی ہے۔

یہ ہیں اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنھوں نے اپنی قوم سے داعیانہ خطاب کیا، خیروشر کے نمایاں فرق کو سمجھایا، اور انھیں نہ صرف بت پرستی سے روکا؛ بلکہ اُن کے بتوں کو پاش پاش کرڈالا، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ بالکل عنفوانِ شباب میں تھے۔ قرآن گواہی دیتا ہے :

قَالُوا سَمِعْنَا فَتىً يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ اِبْرَاهِيْمُ ۝ (سورۂ انبیاء:۲۱/۶۰)

(کچھ) لوگ بولے: ہم نے ایک نوجوان کا سنا ہے جو اُن کا ذکر (اِنکاروتنقید سے) کرتا ہے، اسے اِبراہیم کہا جاتا ہے۔

یوں ہی آلِ فرعون کا وہ نوجوان بندہ جس کے دل میں اِیمان نے گھر کرلیا تھا، اور جسے حق کا اُجالا نصیب ہوگیا تھا، وہ ظلم وتعدی کی طویل شب کو برداشت نہ کرسکا، اور ایمان وعرفان کی نکھری ہوئی صبح دیکھنے کا شدت سے منتظر تھا سو وہ برسرعام آکر کہنے لگا۔ اس جوان کی باتیں در اصل اتنی پیاری تھیں کہ قرآن نے اسے ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا :

وَ قَالَ رَجُلٌ مُؤمِنٌ مِنْ اٰلِ فِرْعَونَ يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ أَ تَقْتُلُوْنَ رَجُلاً أَنْ يَّقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَاءَ كُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۝ (سورۂ غافر:۴۰/۲۸)

اور ملتِ فرعون میں سے ایک مردِ مومن نے کہا جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا: کیا تم ایک شخص کو قتل کرتے ہو (صرف) اس لیے کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے، اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے۔

یوں ہی 'اصحاب اُخدود' کا وہ نوخیز جوان جو ایمان کا جام حلق سے نیچے اُتار چکا تھا، اور جس کا نشہ اُس کے رگ وریشے میں سما گیا تھا۔ عمائدین سلطنت نے ایمان کی شمع اُس کے دل سے بجھانے کے لیے کیا کیا تدبیریں نہ کیں؛ مگر سب ناکام رہیں، بالآخر نہایت جارحانہ طریقے

پر اسے قتل کر دیا گیا؛ مگر اللہ کی شان دیکھیں کہ اُدھر اس نوجوان کی جان نکلی اور اِدھر ساری قوم دائرۂ اِیمان میں داخل ہوگئی☆۔

(☆) واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت عرصہ پہلے ملک شام میں ایک ظالم وجابر بادشاہ تھا جس کی سلطنت ایک جادوگر کے زورِ جادو سے قائم تھی۔ جب جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میری موت قریب آگئی ہے، کسی لڑکے کو میرے پاس بھیج دیا کرو جسے میں یہ ہنر سکھا جاؤں تاکہ میرے بعد تیرے ملک کو زوال نہ آئے۔
بادشاہ نے ایک نوخیز لڑکا متعین کر دیا جو اس کے بعد جا کر جادو کی تعلیم پانے لگا۔ اس لڑکے کے راستہ میں دینِ مسیحی کا ایک راہب رہتا تھا، لڑکا اس کے پاس بھی بیٹھنے لگا۔ اس مقبولِ خدا راہب کے فیضِ صحبت سے لڑکے کا دل روشن ہوگیا۔ ایک دن راستہ میں ایک زبردست اژدہا ملا جس نے راستہ بند کر رکھا تھا، لڑکے نے یہ کہہ کر سانپ کو پتھر مارا کہ الٰہی اگر راہب کا دین سچا ہو تو اسے ہلاک کر دے؛ چنانچہ وہ سانپ مر گیا، اس واقعہ کے باعث لڑکے کا بہت شہرہ ہوگیا اور پھر یہ لڑکا ایسا مقبول الدعا ہوا کہ جو بھی بیمار اس کے پاس آتا لڑکے کی دعا کی برکت سے صحت یاب ہو جاتا اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا۔ بادشاہ کا وزیر اندھا ہوگیا، پھر لڑکے کی دعا سے اچھا بھی ہوگیا اور مومن بھی۔
جب بادشاہ کے دربار میں یہ وزیر پہنچا تو بادشاہ نے صحت یابی کا سبب پوچھا۔ وہ بولا: مجھے میرے رب نے اچھا کر دیا۔ بادشاہ نے کہا: میرے سوا تیرا رب کون ہے؟۔ اور تو یہ دین کہاں سے سیکھ آیا؟۔ اس نے لڑکے کا پتا دیا اور لڑکے کے ذریعہ راہب کا سراغ ملا۔
بادشاہ نے اس راہب اور وزیر کو تو فوراً ہی آرے سے چروا دیا۔ پھر لڑکے کو اسلام چھوڑنے کی ترغیب دی مگر وہ ایک نہ مانا اور اسلام کا دامن کسی طور اپنے ہاتھ سے چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ بادشاہ نے پولیس کے ہاتھوں اسے پہاڑ کی چوٹی پر بھجوا کر اوپر سے گرانے کا حکم دیا۔ وہاں پہنچ کر لڑکے نے دعا کی تو پہاڑ کانپ اُٹھا جس کی دہشت سے پولیس کا دستہ تو وہیں ہلاک ہوگیا مگر لڑکا بالکل محفوظ رہا۔ پھر بادشاہ نے اسے دریا میں ڈبونے کا حکم جاری کیا۔ کارندے اسے لے کر جب وسط دریا میں پہنچے تو لڑکے کی دعا سے وہ وہیں آپ غرق ہوگئے اور لڑکا صحیح سلامت باہر چلا آیا۔
آخر کار اس لڑکے نے بادشاہ کو خود سکھایا کہ میں تیرے مارے نہ مروں گا۔ اگر مجھے مارنا ہے تو سب لوگوں کو جمع کرو، اور سب کے سامنے مجھے کھجور کی ٹہنی پر سولی دو اور ''بسم اللہ رب الغلام'' کہہ کر مجھے تیر مارو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا، اس نے دایاں ہاتھ دائیں کنپٹی پر رکھا اور جان جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔ یہ نظارہ دیکھ کر تمام لوگ مومن ہوگئے۔ مگر بادشاہ غصے سے پاگل ہو اُٹھا، اس نے خندقیں کھدوا کر اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو اسلام نہ چھوڑے اسے اس بھڑکتی ہوئی آگ میں بے دردی کے ساتھ ڈال دیا جائے۔ سارے لوگ یکے بعد دیگرے آگ میں پڑتے رہے۔ موت کو گلے لگا لیا مگر اپنا دین چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ ایک عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا وہ کچھ جھجکی تو شیر خوار بچہ بول اُٹھا: اماں! آپ نہ جھجکیں، آپ حق پر ہیں اور یہ (آگ) نار نہیں نور ہے۔ پھر اس آگ کا شعلہ ایسا بھڑکا جس نے بادشاہ سمیت سارے وزرا اور عمائدینِ سلطنت کو جلا ڈالا۔ (صحیح مسلم، تفسیر عزیزی، تفسیر خازن، خزائن العرفان، بحوالہ نور القرآن: ۹۷۴)

قرآن کریم کی سورۂ بروج دراصل اسی نوجوان کے نام خراج ہے :

وَ السَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَ الْيَومِ الْمَوعُودِ وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُودٍ قُتِلَ أَصْحَابُ الأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الوَقُودِ إِذْ هُمْ عَلَيهَا قُعُودٌ o

برجوں والے آسمان کی قسم۔ اوراس دن کی قسم جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جو (اس دن) حاضر ہوگا اس کی قسم اور جو کچھ حاضر کیا جائے گا اس کی قسم۔ خندقوں والے (لوگ) ہلاک کر دیے گئے۔ (یعنی) اس بھڑکتی آگ (والے) جو بڑے ایندھن سے (جلائی گئی) تھی۔ جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے۔

یوں ہی ''اصحاب القریہ'' کا معاملہ تھا جن کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے پاس تین پیغمبر مبعوث فرمائے، جن کی اُن بدبختوں نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ انھیں قتل ہی کر ڈالا؛ مگر اُن کا یہ عمل قوم کے اُس نوجوان کا دل چھلنی کر گیا جس کا دل نورِ ایمان سے منور ہو چکا تھا اور وہ جادۂ حق کا راہی بن چکا تھا؛ ابتداءً وہ اپنا ایمان چھپا تا رہا کہ جب یہ لوگ پیغمبروں کو نہیں بخشتے تو مجھ پر کب ترس کھائیں گے؛ مگر اس کی غیرتِ ایمانی اور خروشِ جوانی نے گوارہ نہ کیا کہ نائبانِ الٰہی تہِ تیغ کر دیے جائیں اور ہم چپکی سادھے بیٹھے رہیں یہ اُٹھ کھڑا ہوا، میدان میں نکل آیا، اور فلک شگاف انداز میں حق کا آوازہ بلند کیا☆ جسے قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے :

(☆) وہ نوجوان دراصل حضرت حبیب بن مری تھے، قوم کی بغاوت و سرکشی کو دیکھتے ہوئے وہ کسی غار میں جا کر عبادت گزیں ہو گئے تھے؛ مگر جب انھیں معلوم ہوا کہ قوم نے انھیں گھیر لیا ہے تو وہ گوشہ عبادت چھوڑ کر بھاگتے ہوئے یہاں پہنچے اور وہی جملہ کہا جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔
تفسیر روح البیان میں ہے کہ حبیب بن مری' سکندر رومی کی اولاد میں سے تھے اور یہی وہ خوش بخت حبیب ہیں جن سے مدینہ منورہ آباد ہوا تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کسی سفر میں وہ اس سرزمین سے گزرے جو اس وقت میدانی تھی تو اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ مجھے اس جگہ سے رسولِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بو آرہی ہے، یہ جگہ خاتم النبیین کے قیام کی ہے۔ اس وقت ان کے ساتھ بارہ ہزار آدمی تھے جن میں سے چار ہزار علما و حکما تھے۔
یہ ایمان افروز بات سن کر وہ پیغمبر رحمۃ للعالمین کے انتظار میں وہیں آباد ہو گئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حبیب ہی کی اولاد سے تھے جنھیں تاجدارِ کائنات کی خدمت و ضیافت کی خصوصی سعادت سے حصہ ملا۔ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان وہی تھا جہاں حبیب نے اپنا خیمہ لگایا تھا۔ (نور العرفان: ۹۴۳)

وَ جَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اتَّبِعُوا مَنْ لاَ يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ وَ مَا لِيَ لاَ أَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِي وَ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o (سورۂ یٰس:۳۶/۲۰تا۲۲)

اورشہر کے پرلے کنارے سےایک آدمی دوڑتا ہوا آیا،اس نے کہا:اے میری قوم! تم پیغمبروں کی پیروی کرو۔ایسے لوگوں کی پیروی کرو جوتم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔اور مجھے کیا ہے کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہےاورتم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

کچھ یہی معاملہ''اصحابِ کہف'' کےنوجوانوں کا ہے جنھیں اپنے ایمان کے دیے کو بچانے کے لیے اُس معاشرے سے راہِ فرار اِختیار کر کے غار میں پناہ گزیں ہوجانا پڑا جہاں ہرسو کفرو طغیان کی بادِصرصر چل رہی تھی؛ تاکہ خلوت کی یکسوئی خلوصِ قلب کے ساتھ مالک ومولا کی بندگی کا موقع فراہم کرسکے۔اُن جوانوں کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا اور صلے میں اُن پر کیا کیا اِنعاماتِ خداوندی ہوئے،ساری تفصیل قرآن حکیم نے (سورۂ کہف کے اندر آیت نمبر۹ سے ۲۵ تک) محفوظ کررکھی ہے :

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدىً ، وَرَبَطْنَا عَلىٰ قُلُوبِهِمْ اِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَ مِنْ دُونِهِ اِلٰهاً لَّقَدْ قُلْنَا اِذاً شَطَطاً o (کہف:۱۸/۱۳تا۱۴)

(اب) ہم آپ کواُن کا حال صحیح صحیح سناتے ہیں، بیشک وہ (چند) نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے لیے(نورِ) ہدایت میں اوراضافہ فرما دیا۔اورہم نے ان کے دلوں کو(اپنے ربط ونسبت سے) مضبوط ومستحکم فرمادیا،جب وہ (اپنے بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے:ہمارارب توآسمانوں اورزمین کارب ہے،ہم اس کے سواہرگزکسی (جھوٹے) معبود کی پرستش نہیں کریں گے(اگرایسا کریں تو) اس وقت ہم ضرورحق سے ہٹی ہوئی بات کریں گے۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب بات کہی تھی ؎

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے

ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

یوں ہی ہمارے آقا و مولا محمد مصطفےٰ - روحی فداہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی متدین، رب کی طاعت میں پروان چڑھنے اور خشیت مولا رکھنے والے نوجوانوں کی بطورِ خاص حوصلہ اُفزائی اور اُن کی تعریف و ستائش فرمایا کرتے تھے، اور اہم اُمور کی انجام دہی کے لیے نوجوانوں ہی کا انتخاب فرماتے تھے؛ کیوں کہ یہی وقت ہوتا ہے کچھ کر گزرنے کا، اور زندگی کے اِس پُر شباب موڑ پر جسمانی طاقت اور قوتِ ارادی اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ اب اگر اس عمر میں نوجوان کے روبرو کوئی عظیم مقصد اور معرکہ آرا منصوبہ ہو تو وہ اسے بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔

یہ دیکھیں ہجرتِ مدینہ کا موقع ہے، نفسانفسی کا عالم ہے، کفار و مشرکین کے مظالم عروج پر ہیں، اُن کی دل دہلا دینے والی صعوبتیں نگاہوں کے سامنے ہیں۔ آج شب ہجرت ایک عظیم و خطیر ذمہ داری سونپی جانے والی ہے۔ قریش کے ستر (۷۰) کڑیل نوجوان دروازۂ نبوت کے باہر خون کے پیاسے کھڑے ہیں، ہر پل اِنتظار ہے کہ کب محمد عربی (ﷺ) باہر نکلیں اور اُن پر شیر ببر کی طرح ٹوٹ پڑیں۔

ایسے نازک موقع پر نگاہِ نبوت نے ایک ایسے جوانِ رعنا کا اِنتخاب کیا جسے دنیا مولا علیٰ شیر خدا کے نام سے جانتی ہے۔ انھیں حکم فرمایا کہ آج بستر نبوت پر شب باش ہو جاؤ، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہجرتِ مبارکہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت علی - کرم اللہ وجہہ - (م۴۰ھ) اُس رات کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ 'خدا کی عزت کی قسم! اُس رات سے زیادہ چین کی نیند میں اپنی پوری زندگی میں کبھی نہیں سویا!'۔

یوں ہی مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر مدینہ کے اندر دعوت وتبلیغ کی عظیم ذمہ داری نوجوان صحابی مُصعب بن عمیر (م۳ھ) کے کاندھے پر رکھتے ہیں جو ابھی عمر کے بالکل اِبتدائی مرحلے میں ہیں؛ مگر ابن عمیر کی غیرت وشجاعت کو سلام جس نے نہایت خوش اسلوبی سے پیغمبر کے سونپے ہوئے فرائض کو سر انجام دیا اور قریباً سارا مدینہ اس کی بے تکان جدو جہد اور سرفروشانہ عزم کے سبب نورِ ایمان سے منور ہو گیا۔

یوں ہی جنگ اُحد کے تعلق سے جب کئی رائیں سامنے آئیں اور اختلاف ہوا کہ جنگ اندرونِ مدینہ لڑی جائے یا بیرونِ مدینہ، تو پیارے آقا رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے نازک موقع پر جوانوں کے موقف کو شیوخ کی آراء پر مقدم رکھتے ہوئے مدینہ سے باہر دشمنوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

تاریخ اِسلام کے صفحات ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جو اس بات کے غماز ہیں کہ اَمن و جنگ ہر موقع رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہوں میں مشکل وپُر خطر کاموں کی انجام دہی اور بلند و بالا عہدہ ومنصب پر سرفرازی کے وقت نوجوانوں کا انتخاب اوّلین ترجیح تھی۔ آپ موقع بہ موقع انھیں شہ دیتے ہوئے، اور اُن کی حوصلہ افزائی فرماتے نظر آتے ہیں۔

پھر آپ کے اُسوۂ حسنہ کی اتباع میں، آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور آپ کی سنت و شریعت کو فروغ دینے کے لیے اَسلافِ اُمت نے بھی نوجوانوں کو اہم اُمور سونپنے اور اعلیٰ مناصب پر فائز کرنے کا بے نظیر کارنامہ انجام دیا۔

آقاے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیا سے رحلت کے بعد اُمت کو مختلف اَسباب کے باعث سب سے نازک معاملہ جمع قرآن کا درپیش ہوا۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۱۳ھ) کی نگاہِ انتخاب' پاک باز نوجوان صحابی حضرت زید بن ثابت (م ۴۵ھ) پر پڑتی ہے۔ اُن کے اَخلاق وکردار اور عادات واطوار کی ستائش کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے جمع قرآن کی خدمت اُن کے حوالے کردی، اور انھیں جمع و ترتیب کی مہم سر کرنے والے صحابہ کرام کا رئیس واَمیر نامزد فرمایا۔

نوجوانانِ ملت! ذرا سوچیں کہ ان جوانوں نے دین کی سرفرازی اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے کیسے کیسے کارنامے کر دکھائے ہیں۔ عہد رسالت مہد اور ماضی کے درخشندہ اَدوار میں نوجوانوں نے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیے ہوئے وعدے کی لاج رکھ لی، اور فروغِ اسلام، تحفظ دین اور تبلیغ ودعوت کے حوالے سے وہ وہ کام کر ڈالے ہیں جن کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے!۔

☆ یہ دیکھیں اُسامہ بن زید-رضی اللہ عنہ-(م۵۴ھ) ہیں جو ابھی عمر کی دوسری دہائی میں ہیں، کوئی بیس سال کی عمر ہے؛ مگر عالم یہ ہے کہ جنگ موتہ کی قیادت کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے اکابر و اَجلہ صحابہ آپ کے لشکریوں میں شامل ہیں، اور زبانِ رسالت اُن کی قائدانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہونے کی سند فراہم کررہی ہے :

و إنه لخليق بالإمارة (أي يقدر عليها) (۱)

یعنی اُسامہ اِمارت و قیادت کا پورے طور پرمستحق ہے اور اس کے اندر قائدانہ صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں، (اور آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی)۔

یوں ہی آپ کا سینہ فرموداتِ شاہِ مدینہ کا خزینہ تھا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب کسی بات میں شک ہوتا تو وہ اس کی تحلیل کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔(۲)

☆ اس اُمت کے جلیل القدر فقیہ، قاضی یمن، اور حلال وحرام کے بارے میں ماہرانہ شان رکھنے والے عالم ربانی حضرت معاذ بن جبل-رضی اللہ تعالیٰ عنہ-(م۱۸ھ) عین جوانی کے عالم میں انتقال فرما گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر یہی کوئی ۳۳ سال تھی!۔

حضرت ابوادریس خولانی بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوخیز جوان موجود ہے، اس کے دانت موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں، لوگ اس کے گرد ایسے ہی حلقہ بنائے بیٹھے ہیں جیسے چاند کے گرد ستارے اپنی کہکشائیں سجائے ہوتے ہیں۔ اگر کسی معاملے میں اختلاف ہوتا ہے تو سیدھا اس نوجوان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے قول ورائے کو آخری فیصلہ تصور کرتے ہیں۔ عنفوانِ شباب کی اس بے پایاں قابلیت پر مجھے بہت رشک آیا اور میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ صحابی رسول معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

جب کل ہوئی تو میں نے چاہا کہ آج کچھ پہلے مسجد چلتے ہیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ جوان مجھ سے پہلے مسجد پہنچ آیا ہے اور نماز پڑھنے میں مشغول ہے۔

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۲۴۹/۹ حدیث: ۱۵۵۴۲...... الروض الانف: ۳۸۴/۴. (۲) بخاری: ۴۱۴/۱۔

میں نے نماز ختم ہو جانے کا انتظار کیا اور پھر اس کے سامنے سے اس کے قریب آیا۔ سلام کرنے کے بعد میں نے کہا: قسم بخدا! مجھے تم سے اللہ واسطے کی محبت ہے۔

یہ سن کر اس نے کہا: آللہ (یعنی کیا واقعۃً محض اللہ کے لیے مجھ سے محبت ہے؟)

میں نے کہا: آللہ (ہاں! محض اللہ واسطے!)۔

پھر اس نے کہا: آللہ (یعنی کیا واقعۃً محض اللہ کے لیے مجھ سے محبت ہے؟)

میں نے کہا: آللہ (ہاں! محض اللہ واسطے!)۔

اس نے پھر کہا: آللہ (یعنی کیا واقعۃً محض اللہ کے لیے مجھ سے محبت ہے؟)

میں نے کہا: آللہ (ہاں! محض اللہ واسطے!)۔

کہتے ہیں کہ یہ سن کر اس جوان کا چہرہ کھل اُٹھا اور فرطِ محبت میں اس نے میری چادر کا کونہ پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا: مبارک ہو، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ - جل مجدہ - فرماتا ہے :

وجبت محبتي للمتاحبين في، و المتجالسين في، و المتزاورين في، والمتباذلين في . (۱)

یعنی میں اُن لوگوں کے ساتھ کچھ خاص محبت کا معاملہ کرتا ہوں جو محض میرے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، صرف میرے واسطے ایک جگہ آبیٹھتے ہیں، صرف میری خاطر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، اور صرف میری رضا پانے کے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔

جس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اِنتقال فرمانے لگے تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! ہم پر کوئی خلیفہ مقرر کردیں۔ فرمایا: کاش! معاذ زندہ ہوتے تو ان کو تمہارا خلیفہ نامزد کر جاتا۔ نیز ایک موقع پر حضرت معاذ کے کیے ہوئے ایک فیصلے پر حد درجہ خوش ہو کر فرمایا :

عجزت النساء أن يلدن مثل معاذ .

یعنی عورتیں معاذ کا ثانی پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔

---

(۱) ریاض الصالحین: ۱/۴۷۴ حدیث: ۳۸۲......ابن سعد: ۳/۵۸۷......تاریخ مدینۃ دمشق: ۷/۲۵۸۔

اور پھر معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ کو یمن کا امیر مقرر فرمانا اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ نگاہِ نبوت میں آپ کا علمی وعقلی پایہ بہت بلند تھا۔

☆ یہ دیکھیں امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۴۰ھ) ہیں جنھوں نے سات سال کی ننھی سی عمر میں اِسلام کو اپنے ناتواں کاندھے پر اُٹھایا، اور پھر اس کو سہارا دیتے رہے اور مرتے دم تک اس کا دست وبازو بنے رہے۔ جنگ کے میدانوں میں وہ سرفروشانہ لڑتے تھے، اور نامی گرامی کفار ومشرکین کو دعوتِ مبارزت دیا کرتے تھے۔

☆ حضرت عفرا انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دونو خیز بچے حضرات معوذ ومعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس اُمت کے فرعون' ابوجہل کو للکارتے نظر آرہے ہیں، اوران دونوں نے اس کا تعاقب کرتے کرتے بالآخر اسے اپنی تلواروں سے واصل جہنم کرہی کے دم لیا۔

☆ یہ ہیں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (م ۵۸ھ) جو عہد نبوت میں بالکل صغیر السن تھے؛ مگر سینکڑوں حدیثیں زبان زد تھیں۔ کتب تراجم ورجال آپ کے نام کے ساتھ یہ لکھا ملتا ہے :

كان من الحفاظ المكثرين عن رسول الله ﷺ. (۱)

یعنی آپ ان حافظین حدیث میں سے ایک تھے جنھوں نے کثرت آقا علیہ السلام سے روایات نقل کی ہیں۔

☆ یہ ہیں عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ (م ۵۰ھ) جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری زمانہ میں اسلام لے آئے، جس وقت آپ کی عمر بہت چھوٹی تھی؛ مگر پایۂ علمی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ لڑکا تفقہ فی الدین اور علم القرآن کا بڑا حریص ہے۔ کم سنی کے باوجود امتیاز کے باعث تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو بنی ثقیف کا امام مقرر فرمایا تھا۔

بصیرت وتدبر کا عالم یہ تھا کہ والی کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد جب کچھ قبیلے مرتد ہونے شروع ہوئے، تو ثقیف کے لوگ بھی ایسا لگتا تھا اسلام سے پھر جائیں گے۔ ایسے نازک موقع پر حضرت عثمان بن ابی العاص کے ایک بلیغ جملے نے اُن کے ایمان کی ڈگمگاتی ناؤ کو سہارا دے دیا :

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۱/۱۹۷۔

یا معشر ثقیف! کنتم آخر الناس إسلاما فلا تکونوا أولهم ارتدادا . (۱)

یعنی اے اہل ثقیف! مسلمان ہونے میں تو تم سب سے پیچھے ہو؛ لہٰذا اِسلام سے پیٹھ پھیرنے میں تم سب سے آگے نہ رہو۔

☆ یہ ہیں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ (م ۵۱ھ)، جنھوں نے کم سنی کے عالم میں اسلام قبول کیا؛ لیکن علمی قابلیت، اصابت رائے اور قوتِ فیصلہ کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سترہ سال کی عمر میں ہی تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو نجران کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تھا۔(۲)

☆ یہ دیکھیں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۵۵ھ) ہیں جن کا اپنا بیان ہے کہ جس وقت میں نے جنگ بدر لڑی اس وقت میرے چہرے پر ابھی ایک بال بھی نہ اُگا تھا۔

☆ یہ ہیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (م ۷۳ھ) جن کی عمر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کوئی سات آٹھ سال کی رہی ہوگی؛ تاہم جب بڑے ہوئے تو دینی علوم میں نہایت بلند پایہ رکھنے کے علاوہ دنیوی علوم میں بھی ماہرانہ شان کے مالک ہوئے۔ ان کے پاس مختلف ممالک کے غلام تھے، اور سب کے ساتھ ان کی مادری زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں حصولِ علم کی راہ میں جو مشکلات تھیں، ان پر نظر رکھتے ہوئے اگر اس بات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام نے تحصیل علوم وفنون کے لیے کس قدر محنت ومشقت برداشت کی۔

☆ یہ رہے عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ، جو سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد سعادت مہد میں اس قدر صغیر السن تھے کہ غزوہ میں شرکت نہ کرسکے؛ تاہم صحابہ میں بلحاظ فضل وکمال اور علم وتجربہ ایسا بلند مرتبہ حاصل کرلیا تھا کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے: ’کاش! مجھے عمیر جیسے چند آدمی اور مل جائیں تو اُمورِ خلافت میں ان سے بہت مدد ملتی۔(۳)

(۱) الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: ۲/۲۳۷......الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۱/۳۱۸۔
(۲) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۱/۳۶۳۔
(۳) الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: ۲/۳۱۸۔

☆ یوں ہی کڑیل نوجوان قتیبہ بن مسلم باہلی (م۹۶ھ) کو دیکھ لیں جنھوں نے خدا معلوم کتنے کافرقلعوں پر اِسلام کا پھریرا لہرایا، اور بالآخر اُن کی فتوحات کا سلسلہ ملک چین سے آگے بڑھتا ہوا آج کے روس تک جا پہنچا تھا۔ اور یہ سن کر آپ کو شاید خوشگوار حیرت ہو کہ اُس وقت اُن کی عمر تیس سال سے بھی کم تھی۔

☆ اور پھر محمد بن قاسم ثقفی (م۹۸ھ) کا کیا کہنا جس نے محض سترہ سال کی کچی سی عمر میں سندھ و ہند کے سینے پر فتح اِسلام کا پرچم گاڑا، اور کفر کی تیرگی کو ایمان کی روشنی میں بدل دیا۔

☆ مرکز عیسائیت' اسپین میں نوجوان سپہ سالار طارق بن زیاد بربری (م۱۰۲ھ) نے مٹھی بھر سرفروش مجاہدوں کی مدد سے لاکھوں کے لشکر کو شکست فاش کی مٹی چٹادی۔

☆ عروہ بن زبیر اپنے باپ کی داستانِ شجاعت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر بن العوام (م۳۶ھ) نے آٹھ سال کی عمر میں اِسلام کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا۔ جب وہ عمر کی بارہویں بہار میں داخل ہوئے تو شیطان نے یہ اَفواہ اُڑادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردارانِ مکہ کے ہاتھوں گرفتار ہو چکے ہیں۔

یہ سن کر حضرت زبیر کو یارائے صبر نہ رہا، بے قابو ہو گئے اور اپنے ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر نکل پڑے۔ جو بھی دیکھتا' دیکھتا رہ جاتا کہ یہ بچہ ننگی تلوار لیے کہاں دوڑا جارہا ہے۔ چنانچہ اسی عالم میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: زبیر! تمھیں کیا ہو گیا ہے، اور کہاں کا اِرادہ ہے؟۔

توانھوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اَفواہ کے بارے میں بتایا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں یہ ننگی تلوار اس لیے لے کر نکلا تھا کہ جس نے آپ کے ساتھ یہ حرکت کی ہوگی اس کا سر قلم کر کے ہی دم لوں گا!۔

چھوٹی سی عمر میں اُن کا یہ جذبۂ سرفروشانہ دیکھ کر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے لیے اور اُن کی تلوار کے لیے بطورِ خاص دعاے برکت فرمائی۔

☆ نوجوانانِ ملت! ذرا دیکھیں کہ یہ ابن عباس- رضی اللہ عنہما- (م۶۸ھ) ہیں، دس سال کی عمر ہے؛ مگر ہر وقت سنت مصطفیٰ سیکھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی فکر میں مست ہیں۔ رات کی

تنہائیوں میں اُٹھ کر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وضو کے پانی کا اِہتمام کررہے ہیں۔ دریاے رحمت جوش میں آیا، لب نبوت میں جنبش ہوئی اور ارشاد ہوا :

اللّٰهم فقهه في الدين . (۱)

اے اللہ! اسے دین کا فقیہ بنادے۔

پھر اس دعا کی برکات کچھ ایسی ظاہر ہوئیں کہ چھوٹی سی عمر ہی میں وہ حبر الامہ اور ترجمانُ القرآن کے معتبر نام سے یاد کیے جانے لگے۔ اور چھوٹے بڑے مسائل میں اکابر صحابہ اُن کے پاس رجوع کرنے لگے۔ اور عالم یہ ہوگیا کہ جس مسئلہ پر ابن عباس اپنی رائے قائم کردیتے پھر کسی کو اس پر انگشت نمائی کا یارا نہ ہوتا۔

حضرت ابن عباس اپنے بچپن کا ایک واقعہ خود سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے اپنے ساتھ لے کر شیوخِ بدر کی مجلسوں میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن میں سے کسی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس نوجوان کو لے کر ہمارے پاس کیوں آتے ہیں، یہ کوئی بچوں کی محفل تو ہے نہیں، ہمارے پاس بھی اس کی مانند نوجوان بچے ہیں مگر ہم ایسی محفلوں میں انھیں لانا پسند نہیں کرتے ؟۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ نوجوان اُن لوگوں میں سے ہے جنھیں تعلیم وتربیت کے خاص زیور سے آراستہ کیا جاتا ہے؛ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اُن بدری شیوخ کے ساتھ مجھے بھی اپنی بارگاہ میں طلب فرمایا۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں: میں سمجھتا ہوں کہ اس دن مجھے خاص اسی لیے بلایا تھا تاکہ میرا علمی مقام وتفوق اُن پر ظاہر کریں۔ اب وہ اُن سے مخاطب ہوکر پوچھتے ہیں، آپ لوگوں کی اس آیت کے بارے میں کیا رائے ہے؟ :

---

(۱) صحیح بخاری:۱/۲۶۰ حدیث:۱۴۳...... مسند احمد بن حنبل:۵/۴۶۵ حدیث:۲۴۳۹...... معجم کبیر طبرانی:۹/۱۲۸ حدیث: ۱۰۴۶۷...... تہذیب الآثار طبری:۵/۲۸۱ حدیث: ۲۱۵۴...... صحیح ابن حبان:۲۹/۱۴۷ حدیث:۷۱۸۰...... مسند ابویعلی:۱۲/۱۱۰ حدیث:۵۷۲۲...... شعب الایمان:۲۱/۴۶۱ حدیث:۱۰۱۴۰۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَ رَأَيتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِى دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً o

جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں (کہ) وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں، تو آپ (تشکراً) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح فرمائیں اور (تواضعاً) اس سے اِستغفار کریں، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا (اور مزید رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا) ہے۔

کچھ لوگوں نے کہا: اس آیت پاک کے ذریعہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس سے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ کیوں کہ اللہ کی مدد آچکی ہے اور اس کی فتح ہم نے کھلی آنکھوں دیکھ لی ہے۔

بعضوں نے کہا کہ ہم اس تعلق سے کچھ بھی نہیں جانتے۔

جب کہ کچھ حضرات ایسے تھے جنھوں نے خاموش رہنے ہی میں بھلائی جانی۔

حضرت عمر اَب میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابن عباس! کیا تم بھی اس سلسلہ میں وہی رائے رکھتے ہو جو کہ اِن لوگوں کی ہے؟۔

میں نے کہا: نہیں، میں اُن سے اختلافِ رائے رکھتا ہوں۔

فرمایا: پھر تم اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟۔

میں نے کہا: یہ سورۃ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی قوی علامت ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں (اشارے میں) بتا دیا ہے۔ یہاں پہلی آیت میں 'والفتح' سے مراد فتح مکہ ہے۔ یعنی (اے حبیب!) جب مکہ فتح ہو جائے تو سمجھ لینا کہ تمہاری اَجل بالکل قریب آ چکی ہے۔

یہ سن کر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے موقف کی تائید کرتے ہوئے فرمایا: (اے ابن عباس!) اس آیت کی بابت میری رائے بھی بالکل وہی ہے جو تمہاری ہے۔

اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں خصوصی تعلیم دی تھی، جس

پر وہ پوری زندگی کاربند رہے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے ساتھ ایک سواری پر اُن) کے پیچھے سوار تھا۔ آقا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا :

اے لڑکے! حقوقِ الٰہی کی حفاظت کر، اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا۔ (اپنے ہر کام میں) اَحکام الٰہیہ کا لحاظ رکھ، اللہ تیرے ساتھ ہوگا (اور تجھ کو دین و دنیا کی آفتوں سے محفوظ رکھے گا؛ یعنی ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت تیرے دل پر وارد ہوگی جس کے اَثر سے تیرے دل میں کبھی غم طاری نہ ہوگا)۔ اور جب تجھے کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ۔ اگر کوئی مدد درکار ہو تو اس کا سوال بھی اللہ سے کر۔ اور یہ یقین رکھ کہ اگر ساری دنیا کے لوگ اس پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کچھ نفع پہنچائیں تو وہ تجھ کو کچھ نفع نہ پہنچا سکیں گے، تجھ کو بس وہی کچھ نفع پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر وہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھے کچھ نقصان پہنچائیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے، ہاں! تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اُٹھ چکے ہیں (اور تا قیامت جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ لکھا جا چکا، بار بار لکھا نہیں جاتا) اور دفتر خشک ہو چکے۔

خدا سے مانگ، اگر مانگنا ہوائے اکبر ☆ یہی وہ دَر ہے کہ ذِلت نہیں سوال کے بعد

☆ **نوجوانانِ ملت!** یہ دیکھیں پانچویں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (م ۱۰۱ھ) ہیں۔ اُن کی قوت وشوکت اور حق پر ثبات قدمی کا ایک سبب اُن کا اپنا خدا رسیدہ بیٹا عبد اللہ بھی تھا جس نے خلعتِ خلافت قبول کرتے وقت اپنے باپ کو متوجہ کر کے کہا تھا :

بابا جان! آج کا دن ایسا دن ہے جس کی بابت عرصہ محشر میں آپ سے بطورِ خاص سوال کیا جائے گا، اور پھر آپ کے ساتھ آپ کے اہل وعیال بھی اس کے جوابدہ ہوں گے؛ لہٰذا آپ بہر حال جادۂ حق پر گامزن رہیں۔ اگر ہمیں کھولتی ہوئی کڑھائیوں میں ڈال دیا جائے پھر بھی پدر بزرگوار! میری آپ سے یہی گزارش ہے کہ آپ حق کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

یہ سن کر عمر بن عبد العزیز نے کہا تھا: تیرا شکر ہے میرے مالک و مولا کہ تو نے میری نسل

سے ایک ایسا وجود پیدا فرمایا جو مجھے پند ونصیحت کرنے والا، اور حق کے معاملے میں تیرا خوف رکھنے والا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جس وقت اس نوجوان نے یہ ایمان افروز جملے اپنے باپ کے سامنے پیش کیے اس وقت اس کی عمر صرف ۱۷ر سال تھی۔

پھر بنواُمیہ پر ظلم وستم ڈھا کر جو مال واَسباب اکٹھا کیے گئے تھے اس کی بابت بعض مفتیانِ کرام نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ یہ دراصل اُن کی بداعمالیوں کا خمیازہ ہے؛ اس لیے یہ انھیں واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؛ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کا تقویٰ و اِحتیاط اس بات کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا، اور انھوں نے باصرار کہا کہ یہ سارے مال اُن کے وارثین کو لوٹا دیے جانے چاہئیں؛ وقت چوں کہ قیلولہ کرنے کا تھا تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ سارا مال عصر کے بعد اُن کے حوالے کردوں گا۔

عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے جب یہ بات سنی تو آکر کہنے لگے :

بابا جان! آپ کا فیصلہ بے شک حق ہے؛ مگر یہ بتائیں کہ کیا آپ عصر تک زندہ رہنے کی ضمانت دے سکتے ہیں!۔

یہ راست گو نوجوان عین جوانی کے عالم اِنتقال کرگیا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر صرف ۱۹ر سال تھی؛ مگر اس نے اپنے باپ کے قدم کو مضبوط کردیا تھا اور دین کے معاملے میں اتنا متصلّب اور پختہ کرگیا تھا کہ حق کی پاسداری کے سلسلہ میں وہ کسی ملامت گو کو کبھی بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔

☆ یہ دیکھیں حضرت اِمام مالک بن اَنس رضی اللہ عنہ (م ۱۷۹ھ) ہیں، اپنے عہد شباب کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میری والدۂ عالیہ نے - جو اَصلاً طلحہ بن عبیداللہ کی کنیز تھیں - مجھے موٹا کھردرا کپڑا پہنا کر سر پر سفید عمامہ باندھا، اور میری آستین سے دینار کی ایک تھیلی لٹکاتے ہوئے فرمایا: 'جاؤ مسجد میں چلے جاؤ، اور اُس وقت تک گھر واپس نہ آنا جب تک علم وفضل میں کمال حاصل نہ ہوجائے، اور لوگ تمھیں شیخ کہہ کر نہ پکارنے لگے'۔

کہتے ہیں کہ میں علم کی طلب میں تن تنہا گھر سے نکل پڑا، اور مختلف حلقہ ہاے دروس سے خود کو وابستہ کرلیا، کبھی حضرت ربیعہ کے درس سے فیض یاب ہوتا، کبھی عطا بن یسار کے حلقے سے مستفید ہوتا، اور کبھی نافع مولیٰ ابن عمر کی مجلس سے اپنی تشنگی علم بجھاتا۔ اسی بیچ محمد بن مسلم بن شہاب زہری ملک شام سے تشریف لے آئے، اب اُن سارے حلقاتِ دروس کے مشائخ تحصیل علم کے لیے مسجد میں اُن کے گرد آ کر جمع ہوگئے، اور اُن سے حدیث رسول بیان کرنے کی درخواست پیش کی۔

امام مالک کہتے ہیں کہ اُن کی فرمائش پر انھوں نے اپنی سند کے ساتھ کوئی ساٹھ حدیثیں بیان فرمائیں۔ فرمانِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر اہل علم کی پیاس فزوں ہوتی جارہی تھی اور وہ مزید کا مطالبہ کررہے تھے؛ مگر انھوں نے فرمایا: پہلے آپ لوگ بیان کردہ حدیثیں حفظ کرلیں، پھر مزید روایتیں پیش کردی جائیں گی۔

یہ سن کر حضرت ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن معروف بہ ربیعہ الرأی نے عرض کی: اے امام زہری! اِس حلقۂ علم میں ایک ایسا نوجوان بھی موجود ہے جس نے آپ کی پیش کردہ ساری حدیثیں از اوّل تا آخر یاد کرلی ہیں۔

پوچھا: کون ہے وہ؟۔ عرض کیا: مالک بن انس بن ابی عامر یعنی انھوں نے میری طرف اِشارہ کیا۔ چنانچہ حضرت محمد بن شہاب زہری نے حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا: کیا واقعتاً یہ ساری حدیثیں تم نے حفظ کرلی ہیں؟، میں نے عرض کیا: ہاں! الحمدللہ۔ پھر اُن کے حکم پر میں نے وہ ساٹھ حدیثیں بالکل اُسی ترتیب سے انھیں سنادیں۔ اُس دن سے اُن کی نگاہ میں میری قدر و قیمت بہت بڑھ گئی۔(۱)

☆ نوجوانانِ ملت! یہ دیکھیں ایک اور جوانِ رعنا محمد بن اِدریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م۲۰۴ھ) ہیں۔ آپ مقدس سرزمین فلسطین کے مقامِ غزہ میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی سی عمر میں ماں انھیں لے کر یمن چلی گئیں، پھر وہاں سے مکہ معظّمہ پہنچیں، جہاں حضرت امام شافعی باقاعدہ حرم شریف کے اندر درس لینے کے لیے جایا کرتے تھے۔ اِبتدا میں معمول یہ تھا کہ درس کو کاپی پر اُتار لیتے تھے۔ پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ سارا گھر کاغذوں سے بھر گیا۔

(۱) مقالہ، دور الشباب، شیخ محمد الحسن ولد الددو:۳۔

اَب انھوں نے اپنا دروازہ یہ تہیہ کر کے بند کرلیا کہ اُس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلوں گا جب تک یہ سارے مسودے زبانی یاد نہ کرلوں۔ چنانچہ انھوں نے تھوڑی ہی مدت میں وہ سارا کا سارا اَزبر کرلیا۔ پھر جب عمر کی کوئی دسویں بہار میں داخل ہوئے تو ماں نے قبیلہ بنی ہذیل کے پاس بھیج دیا، جہاں وہ اُن کے مشہور و معروف اَشعار یاد کرتے رہے، اور کوئی بیس ہزار شعر نقش ذہن کرلیا۔ پھر مکہ مکرمہ لوٹے اور سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے پہلے پوری موطا شریف یاد کرلی۔

اَب وہ امیر مکہ کا سفارشی خط لے کر مدینہ منورہ حضرت امام مالک کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں۔ امام مالک نے جب خط دیکھا تو جھلا کر کہنے لگے: تحصیل علم کی خاطر اَمیر مکہ کا سفارشی مکتوب چہ معنی دارد؟؛ چنانچہ اُن کا اِذن پا کر آپ اُن کی مجلس درسِ حدیث میں بیٹھ گئے، آپ اس وقت موطا شریف کا درس دے رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ جس وقت حلقۂ درس اِختتام پذیر ہوا۔ امام مالک نے مجھے اپنے قریب بلا کر فرمایا: عزیز بیٹے! میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تیرے دل میں اپنے نور کی خاص تجلی رکھ دی ہے؛ لہٰذا چوبند رہنا، معصیت کی آندھی کہیں اُس چراغِ ربانی کو گل نہ کردے۔

جب مزید خلوت ہوئی تو میں نے امام مالک سے عرض کی کہ آپ کا مجموعۂ حدیث موطا میں نے زبانی حفظ کر رکھا ہے۔ یہ سن کر اُن کی آنکھیں اَشکِ مسرت سے لبریز ہوگئیں، اور بے تابی میں فرمانے لگے: چلو مجھے اُس میں سے کچھ حدیثیں سناؤ۔ چنانچہ میں نے اس میں سے انھیں کوئی چالیس مجلسیں سنائیں۔(۱)

شوقِ علم کی مزید سیرابی کے لیے امام شافعی علیہ الرحمہ نے مصر و عراق کے شیوخ کے خوانِ علم و فضل سے بھی خوشہ چینی کی۔ یہ سن کر آپ کو شاید تعجب ہو اور ہونا بھی چاہیے کہ جس وقت امام شافعی مسند فقہ و اِفتا پر جلوہ افروز ہوئے، اُس وقت آپ کی عمر صرف اور صرف ۱۵ رسال تھی۔

☆ یوں ہی مشہور مفسر و محدث علامہ اسماعیل صابونی (م ۴۴۹ھ) نے صرف ۹ رسال کی عمر میں مجلس وعظ اور حلقہ فقہ و حدیث کو زینت بخشا تھا، اور وقت کے عظیم و جلیل ائمہ و شیوخ ان کی مجلسوں سے اِستفادہ کیا کرتے تھے۔

---

(۱) مقالہ، دور الشباب، شیخ محمد الحسن ولد الددو: ۳۔

☆ حضرت ابراہیم بن ادہم (م۱۶۲ھ) جوانی کے ابتدائی دنوں میں گھڑسواری کے بہت شوقین تھے، ان کی ساری توجہ کا مرکز یہی تھی؛ چنانچہ ایک دن ان کے سامنے سے کسی بوڑھے انسان کا گزر ہوا جس نے ان کے انہاک کو دیکھ کر کہا: اے ابراہیم! کیا تمہاری تخلیق کا مقصد یہی ہے؟ اور تمھیں اسی کا حکم دے کر بھیجا گیا ہے؟؟۔

اس شیخ کی باتیں ابراہیم بن ادہم کے قلب و باطن تک سرایت کرگئیں۔ گھر لوٹے اور قسم کھالیا کہ اب ایسی زندگی بسر کروں گا جس کے لیے دراصل میں پیدا کیا گیا ہوں۔ اور مقصد تخلیق بڑا صاف ہے :

وَ مَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَ الاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونِ o (سورۂ ذاریات:۵۱/۵۶)

اس واقعے نے ابراہیم بن ادہم کو آگے چل کر 'ابراہیم بن ادہم' بنادیا۔(۱)

☆ حضرت ربیع بن خثیم (م۹۰ھ) وقت کے عظیم عارف باللہ اور عالم ربانی ہوئے ہیں، جوانی کے عالم ہی میں ان کے زہد وورع کا چرچہ شہر شہر ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے حاسدین عنفوانِ شباب کی یہ شہرت بھلا کیسے ہضم کرپاتے! انھوں نے ایک منصوبہ تشکیل دیا اور ایک حسین وجمیل مغنیہ کو ایک ہزار دینار حوالے کرکے کہا کہ یہ رقم صرف اس بدلے ہے کہ ربیع بن خثیم جس طرح بھی ہو تمھیں ایک بوسہ دے دے۔

اس نے کہا: تم بوسے کی بات کرتے ہو، مجھے بدکاری میں مبتلا کرنے کا فن بھی آتا ہے۔ چنانچہ وہ موقع کی تاک میں لگی رہی، اور ایک دن تنہا پاکر اُن کی بارگاہ میں گھس آئی، اور عشوہ وناز دکھانے لگی۔

حضرت ربیع اس وقت بالکل جوان تھے، ابھی کوئی ۳۰؍سال کی عمر تھی؛ مگر خشیت الٰہی کا چراغ چوں کہ طاقِ جاں میں روشن تھا؛ اس لیے انھوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے لات مارتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کی بندی! ذرا سوچو اگر ابھی ملک الموت آکر تمہاری روح قبض کرلیں تو تمہارا کیا بنے گا!۔

(۱) طبقات الصوفیہ سلمی:۱/۲۷۔

پھر ذرا دھیان کرو کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت تم پر کیا بیتے گی؟۔

پھر اس سے آگے بارگاہِ الٰہی میں پیشی کے وقت تمہاری مفلسی کا عالم کیا ہوگا؟۔

اور پھر اخیر میں جب تمہیں گھسیٹ کر آتش سوزاں کے حوالے کر دیا جائے گا اور تم کھولتی ہوئی پیپ میں ڈبکیاں مار رہی ہوگی تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟۔

یہ سن کر وہ چیخ پڑی، اور اللہ کی بارگاہ میں رجوع لاتے ہوئے وہ بھاگ کھڑی ہوئی، اور پھر اس نے ایسی سخت عبادت وریاضت کی کہ عابدۂ کوفہ کے نام سے اسے یاد کیا جانے لگا۔

اِدھر جب حاسدوں کا منصوبہ ناکام ہوا اور اُدھر وہ مغنیہ بھی ہاتھ سے جاتی رہی تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور جل بھن کر کہنے لگے کہ ربیع خود تو بدلا نہیں اور اس نے اِس کو بھی بگاڑ کر رکھ دیا۔

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ مشہور تابعی حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۸ھ) کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بڑی فصیح زبان دی تھی، ان کی مجلس میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی بیٹھا کرتے تھے اور ان کی دل پر اَثر کرنے والی گفتگو سے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں ایک جوان عورت تھی، شادی شدہ تھی، اللہ تعالی نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا، یہ حسن بھی عجیب چیز ہے، بڑے بڑے بہادر پہلوان سورما اس کے ایک انداز غلط نگاہ کے وار سے ڈھیر ہو کر بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں، وہ بہادر جو کسی کے وار میں نہ آتا ہو، بسا اوقات حسن کی ایک بھولی سی نظر سے اس کے قلب وجگر کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے۔

یہ خاتون ایک دن آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی، شوہر سے کہنے لگی: کوئی شخص ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ چہرہ دیکھے اور اس پر فریفتہ نہ ہو۔ شوہر نے کہا ہاں ایک شخص ہے۔

کہنے لگی: کون؟۔

کہا: عبید بن عمیر۔

اسے شرارت سوجھی کہنے لگی۔ آپ مجھے اجازت دیں میں ابھی انھیں اسیر محبت بنائے دیتی ہوں۔

شوہر نے کہا: اجازت ہے۔

وہ عبید بن عمیر کے پاس آئی، کہا: مجھے آپ سے تنہائی میں ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے۔ عبید بن عمیر مسجد حرام کے ایک گوشے میں اس کے ساتھ الگ کھڑے ہوگئے تو اس نے اپنے چہرے سے حجاب سرکایا اور اس کا چاند جیسا چہرہ قیامت ڈھانے لگا۔

عبید نے اسے بے پردہ دیکھ کر فرمایا: خدا کی بندی، اللہ سے ڈر!۔

کہنے لگی: میں آپ پر فریفتہ ہوگئی ہوں، آپ میرے متعلق غور کرلیں۔ اِشارہ دعوتِ گناہ کی طرف تھا۔

عبید بن عمیر اس کے جھانسے میں آنے والے کب تھے!۔ انھوں نے اس سے کہا: میں تجھ سے چند سوالات پوچھتا ہوں، اگر تو نے صحیح اور درست جوابات دے دیے تو میں تیری دعوت پر غور کرسکتا ہوں، اس نے فوراً حامی بھر لی۔

فرمایا: موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آجائے اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟۔

کہنے لگی: ہرگز نہیں۔

فرمایا: لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیے جا رہے ہوں اور تجھے اپنے اعمال نامہ کے متعلق معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ میں ملے گا یا بائیں ہاتھ میں، اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟۔

کہنے لگی: ہرگز نہیں۔

فرمایا: اللہ کے سامنے اپنے اعمال کے سوال و جواب کے لیے جس وقت تو کھڑی ہو اس وقت اس گناہ میں تجھے رغبت ہوگی؟۔

کہنے لگی: ہرگز نہیں۔

اس کے بعد اسے مخاطب کرکے فرمایا: اللہ کی بندی! ذرا اللہ سے ڈر۔ اللہ نے تجھ پر بڑا انعام و احسان کیا ہے؛ لہٰذا اس کا شکر اَدا کر، اس کی نافرمانی نہ کر؛ چنانچہ وہ گھر لوٹی تو اس کے دل کی کائنات بدل چکی تھی۔ دنیوی لذتیں اور شوخیاں اب اسے بے حقیقت معلوم ہونے لگیں۔ شوہر نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگی: مرد اگر عبادت کرسکتے ہیں، تو ہم عورتیں کیوں نہیں

کرسکتیں، ہم کیوں پیچھے رہیں اور اس کے بعد نماز روزہ اور عبادت میں منہمک ہوکر ایک عظیم عابدہ اور پرہیز گار خاتون بن گئی۔

اس کا آزاد منش شوہر اس کی حالت دیکھ کر کہا کرتا تھا: مجھے عبید بن عمیر کے پاس شرارت کے لیے بیوی بھیجنے کا کس نے مشورہ دیا تھا۔ اس نے تو میری بیوی بگاڑ ہی کر رکھ دی۔ پہلے ہماری ہر رات 'شب زفاف' تھی، اب اس کی ہر شب 'شب عبادت' بن گئی ہے۔ اور وہ راتوں کو عبادت میں مشغول ہوکر راہبہ بن چکی ہے۔(۱)

☆ یہ دیکھیں سفیانِ ثوری رضی اللہ عنہ (م۱۶۱ھ) ہیں جنھوں نے اپنے ذاتی شوق ولگن اور عزمِ راسخ کے باعث عنفوانِ شباب بلکہ عالم طفولیت ہی میں شہرتِ عامہ اور مقبولیت تامہ حاصل کرلی تھی؛ حتیٰ کہ حضرت مبارک بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے وقت کے عظیم امام اور محدث حضرت عاصم بن ابی النجود کو سفیان بن ثوری کے حلقہ علم وفضل سے اکتسابِ فیض ونور کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام عاصم خود فرماتے ہیں :

أتيتنا يا سفيان صغيراً و أتيناك كبيرا .

یعنی اے سفیان! تم بچپن میں (تحصیل علم کے لیے) ہمارے پاس آیا کرتے تھے، اور اب تم بڑے ہوکر علم وکمال کی ان رفعتوں پر جا پہنچے ہو کہ (علم کی گتھیاں سلجھانے کے لیے) ہمیں تمہارے پاس آنا پڑ رہا ہے۔

☆ یہ دیکھیں نوجوان عارف، زہد وورع، تقویٰ وطہارت اور فقہ وحدیث کی دنیا کا ایک معتبر نام حافظ ابوزرعہ (م۲۲۴ھ) ہے۔ خود اُن کے عہد کے لوگ ان کے فضل وکمال کے معترف تھے اور معاصرین پر علمی تفوق کے باعث ہر معاملے میں انھیں مقدم رکھتے تھے۔

عالم یہ تھا کہ علم وحکمت کی جو بھی چیز ابوزرعہ کے کانوں میں پڑتی، ان کے حافظے کا حصہ بن جاتی تھی۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ مجھے چھ لاکھ حدیثیں ایسے اَزبر ہیں جیسے لوگوں کو سورہ 'قل ہو اللہ شریف' یاد ہوا کرتی ہے۔

ان کے تقویٰ واِحتیاط کا کچھ اندازہ اس سے ہوتا ہے، وہ خود فرماتے ہیں کہ عین جوانی کے

(۱) ذمّ الھویٰ، ابن جوزی: ۱/۲۶۵ تا ۲۶۶۔

عالم میں جب میں بغداد کے بازاروں سے گزرتا، اور کوٹھوں سے پیشہ ور مغنّیات کی آوازیں آتیں تو میں اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیا کرتا تھا کہ کہیں ان کے باعث دل کی دنیا میں کوئی ہیجان نہ پیدا ہو جائے، اور شوقِ علم کا چراغ کہیں مدھم نہ پڑ جائے۔

☆ یہ ہیں گلشن تاریخ اسلام کے گل سرسبد امام بخاری علیہ الرحمہ (م۲۵۶ھ) جن کا عالم یہ ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں چھوٹی سی عمر میں محدث داخلی کے پاس جانے لگا۔ ایک دن وہ سندِ حدیث بیان کرتے ہوئے کہنے لگے : سفیان عن أبی الزبیر عن إبراهیم .

میں نے ان سے کہا: حضرت! ابوزبیر نے تو ابراہیم سے روایت کی ہی نہیں! ۔انھوں نے مجھے جھڑکا۔ میں نے اصل کی طرف رجوع کرنے کے لیے اُن سے کہا۔ گھر میں جا کر جب اصل دیکھ آئے تو کہنے لگے: لڑکے! پھر ابراہیم سے روایت کون کر رہا ہے؟۔

میں نے کہا: زبیر بن عدی۔ تو مجھ سے قلم لے کر اپنی کتاب کی تصحیح کی اور فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا۔ امام بخاری سے جب پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟۔ فرمانے لگے: یہی کوئی گیارہ سال۔(۱)

گیارہ سال کے اس نوخیز بچے کو دیکھیے اور امام داخلی جیسے عظیم محدث کی سند میں تسامح پر بھری مجلس میں تنبیہ کو دیکھئے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قدرت آنے والے وقت میں اس بچے سے حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتنی عظیم خدمت لینا چاہتی تھی!۔

ابھی عمر کا اُٹھارہواں سال تھا کہ صحابہ عظام اور تابعین کرام کے اقوال پر مشتمل ایک کتاب ''قضایا الصحابہ والتابعین'' کے نام سے تصنیف کی۔ اور اُسی عمر میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''التاریخ الکبیر'' بھی لکھی۔ روضہ اطہر کے پاس، مدینہ طیبہ کی پرنور فضاؤں اور حسین چاندنی راتوں میں لکھی گئی اس مبارک کتاب کے بارے میں خطیب بغدادی نے سعید بن العاص کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے کہ ''اگر کوئی شخص چاہے تیس ہزار حدیثیں ہی کیوں نہ لکھ دے؛ تاہم وہ بخاری کی ''تاریخ کبیر'' سے مستغنی نہیں ہوسکتا!۔(۲)

(۱) تاریخ بغداد:۲/۷۔ (۲) نفس مصدر:۲/۸۔

حضرت سلیم بن مجاہد ایک دن مشہور محدث محمد بن سلام بے کندی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بے کندی فرمانے لگے: اگر کچھ دیر قبل آتے تو ستر ہزار حدیثیں حفظ کرنے والا نوجوان دیکھ لیتے!۔

سلیم بن مجاہد یہ سن کر اس کی تلاش میں نکلے، ملاقات کر کے پوچھا: ستر ہزار احادیث کے حفظ کا آپ ہی کو دعویٰ ہے؟۔

امام بخاری کہنے لگے: جی ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس پر مستزاد یہ کہ جس صحابی اور تابعی کی حدیث آپ کو سناؤں گا ان تمام کی ولادت، وفات اور مساکن کا بھی علم رکھتا ہوں۔(۱)

پھر ایک وقت آیا کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث حفظ ہیں۔(۱)

حضرت یوسف بن مروزی کہتے ہیں کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا، کسی نے اعلان کیا کہ اسماعیل بخاری آئے ہیں، ان کی طلب میں نکلو۔ لوگ نکل پڑے، میں بھی ساتھ ہولیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ عقب ستون میں مصروفِ نماز ایک جوان شخص جس کی داڑھی نے ابھی سفیدی کو اجازت نہیں دی، یہ تھے بخاری!۔

جوں ہی نماز سے فارغ ہوئے، لوگوں نے مجلس حدیث منعقد کرنے کا مطالبہ کیا۔ امام انکار کیسے کرتے! حدیث کی مجلسوں سے ہی تو ان کی زندگی کا چمن آباد تھا۔ محدثین، فقہا اور حفاظ کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا، ابھی اِملا شروع نہیں کیا کہ مجمع کو مخاطب کر کے فرمانے لگے: میں ایک نوعمر انسان ہوں، آپ لوگوں نے مجھ سے اِملاے حدیث کا مطالبہ کیا تو اب مناسب یہ ہے کہ میں آپ کو ایسی احادیث سناؤں جو آپ کے پاس پہلے سے نہ ہوں؛ تاکہ آپ سب مستفید ہوسکیں۔

(۱) تہذیب الکمال: ۴۶/۲۴۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۴۱۵/۱۲......تہذیب الاسماء واللغات: ۶۸/۱۔

پھر اِملا یوں شروع کرایا: **حدثنا عبد اللّٰه بن عثمان بلديكم، قال : ثنا ابى عن شعبة عن منصور عن سالم بن ابى الجعد عن انس ان أعرابيا جاء الى النبي فقال: يارسول اللّٰه! الرجل يحب القوم.......الخ .** سنداورحدیث سنانے کے بعد فرمانے لگے: تمہارے پاس یہ حدیث ہے تو سہی؛ لیکن منصور کے طریق سے نہیں۔

اس طرح اِملا کراتے رہے اور ہر حدیث کے بعد یہ فرماتے رہے کہ یہ حدیث تمہارے پاس فلاں راوی کے طریق سے ہے، میرے بیان کردہ راوی کے طریق سے نہیں۔ مجلس برخواست ہوئی تو اہل مجلس حیران وششدر تھے!۔(۱)

ہانی بن نضر کہتے ہیں کہ ہم شام میں محمد بن یوسف فریابی کے پاس تھے، جوان تھے جوانوں کی طرح مزاح ومذاق رہتا؛ لیکن بخاری صرف علم ہی پر چھائے رہتے، ہمارے ساتھ شریک نہ ہوتے تھے۔(۲)

یہ آسمانِ علم حدیث کے بدرِ کامل کی اس وقت کی چند جھلکیاں ہیں جس کے ظہور کی ابھی اِبتدا تھی جس قمر کی مرحلہ ہلال میں ضیا پاشیوں کا یہ عالم ہو ماہِ تاباں میں اس کے جلووٴں کا عالم کیا ہوگا!۔

عزیزانِ گرامی قدر! نوجوان ایسے ہوا کرتے ہیں،نوجوانوں کی تربیت ایسے ہوا کرتی ہیں، تب جا کر وہ شوکت اِسلامی کا باعث اور نمونۂ تقلید بنتے ہیں اور رفعت وکمال کی ساری بلندیاں اُن کے آگے بونی پڑ جاتی ہیں۔ کسی شاعر نے کتنی پیاری بات کہی ہے ؎

ذهب الذين نحبهم ☆ فعليک يا دنيا السلام

لا تذكري العيش عندي ☆ فالعيش بعدهم حرام

إني رضيع وصالهم ☆ و الطفل يؤلمه الفطام

یعنی ہائے! وہ لوگ چل بسے جن کے دم قدم سے دل کی دنیا آباد تھی اور جن کی محبتوں کا دیا ہماری زندگیوں میں فروزاں تھا۔اے دنیا! اب (تجھ میں بچا ہی کیا ہے!) سو تجھے آخری سلام۔

---

(۱) تاریخ بغداد:۲/۱۵تا۱۶۔

(۲) سیر اعلام النبلاء:۱۲/۴۰۵۔

خبردار! اُن کے چلے جانے کے بعد اب میرے سامنے زندگی کی باتیں نہ کرنا؛ کیوں کہ زندگی میں اب رکھا ہی کیا ہے، ان کے بعد تو زندگی جیسے اَجیرن ہوکر رہ گئی ہے!۔

میں ان کی ملاقات کا شیدائی ہوں، ان کے فراق نے مجھ پر وہ قیامت ڈھائی ہے جیسے دودھ چھوڑنے کا وقت بچوں کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا!۔

حضرت اِمام ماوردی علیہ الرحمہ نے نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا تھا :

اقبل علیٰ صواتک الخمس ☆ کم مصبح وعساہ لا یمسی

واستقبل الیوم الجدید بتوبة ☆ تمحو ذنوب صحیفة الامس

فلیفعلن بوجھک الغض البلی ☆ فعلی الظلام بصورة الشمس

یعنی پوری مستعدی کے ساتھ پانچوں نمازیں اَدا کرنے میں جٹ جاؤ؛ دیکھو نا کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کی زندگی میں صبح کی پو تو پھوٹی؛ مگر انھیں شام کی شفق دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ توبہ کی برکات کے ساتھ ہر نئے دن کا اِستقبال کرو؛ تمہارا یہ عمل گزشتہ کل کے گناہوں کا کفارہ بن جایا کرے گا۔ کسی گھمنڈ میں نہ رہنا تمہارے چہرے کی یہ تازگی بہت جلد مرجھا جائے گی جس طرح اندھیروں کا حملہ سورج کی روشنی کو مات دے دیتا ہے۔

یعنی صبح کا اُٹھتا ہوا جوان سورج کتنا شفاف اور نور خیز ہوتا ہے؛ لیکن ڈھلتے وقت اس کی کیفیت کتنی قابل ترس ہوتی ہے کہ اس کی اپنی شعائیں بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ یہی حال انسانی چہرے بشرے کا بھی ہے کہ چڑھتی جوانی میں وہ تروتازگی سے بھرپور ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ درازیِ عمر کی شکل میں اس کے اندر تغیر وبدلاؤ آنا شروع ہوجاتا ہے، اور پھر موت آکر اسے ہمیشہ کے لیے بے رنگ ونور کردیتی ہے۔

اس لیے ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اس بے کراں طاقت وقوت کا بہترین استعمال کریں اس سے پہلے کہ اس میں ضعف وناتوانی کی جھریاں پڑنی شروع ہوجائیں۔ اور اس کا بہتر اِستعمال اُسی وقت ممکن ہے جب اِنسان کے ذہن میں یہ حقیقت راسخ ہوجائے کہ وہ یوں ہی پیدا نہیں کردیا گیا اور اُسے بلا پوچھ گچھ نہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اور نہ وہ محض ایک مہمل وعبث نقش تخلیق ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے دو اَعلیٰ واَدنیٰ قسم کی مخلوق کے درمیان پیدا فرمایا ہے۔

مخلوقِ اعلیٰ تو فرشتے ہوئے کہ انھیں عبادات کا مکلّف کیا گیا ہے؛ لیکن شہوات سے بالکل

پاک رکھا گیا ہے۔ اور مخلوقِ ادنیٰ حیوانِ بہائم ہیں کہ انھیں عبادات کی تکلیف سے تو آزاد رکھا گیا ہے تاہم شہوت کا طنطنہ اُن میں بھی ہوتا ہے۔ اور اللہ جل مجدہ نے انسان کو اِن دونوں کے وسط میں رکھا ہے کہ اُسے عبادات کا مکلّف بھی کیا اور شہوت کی چنگاری بھی اس میں رکھ دی۔ اَب اگر حضرتِ انسان عبادات کی اَدائیگی میں چاک چوبند ہوا اور شہوات کے پیچھے مارا مارا نہ پھرے تو اس کی یہ صفت مخلوقِ اعلیٰ یعنی فرشتوں سے ملا دیتی ہے؛ لیکن اگر وہ عبادات کی تکلیف سے آزاد ہوکر شہوات کا زرخرید غلام بن جائے تو پھر وہ مخلوقِ اَدنیٰ یعنی بہائم سے جاملتا ہے۔ اس مفہوم کو قرآن نے یوں تعبیر کیا ہے: اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا o (فرقان:۲۵/۴۴)

ترجمہ: وہ تو چوپایوں کی مانند (ہوچکے) ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر گمراہ ہیں۔

بلاشبہ نوجوانی ہر اِنسان کی زندگی کی ایک درخشاں حقیقت، اور بے بدل وعدیم المثال باب ہے؛ بلکہ اسے ایک ایسا ضوفشاں دور کہنا چاہیے کہ جو اپنی کم طوالت کے باوجود انسان کی پوری زندگی پر طویل المیعاد اور دائمی اَثرات مرتب کردیتا ہے۔ ایک نوجوان ہمیشہ دوراہے پر ہوتا ہے۔ دو متضاد قوتیں اُسے کھینچتی ہیں۔ ایک طرف تو اُس کا اَخلاقی اور الٰہی وجدان ہے جو اُسے نیکیوں کی طرف ترغیب دلاتا ہے، جب کہ دوسری طرف نفسانی غریزے، نفس اَمارہ اور شیطانی وسوسے اُسے خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کی دعوت دیتے ہیں۔ عقل وشہوت، نیکی وفساد، اور پاکی وآلودگی کی اس جنگ اور کشمکش میں دراصل وہی نوجوان کامیاب ہوسکتا ہے جو اِیمان اور تقوی کے اَسلحے سے لیس ہو۔

یہی تقویٰ تھا کہ جس کے بل بوتے پر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عزم صمیم نے اِلٰہی امتحان میں سربلندی حاصل کی تھی اور پھر کلاہِ افتخار وعظمت سے سرفراز کیے گئے تھے۔ قرآن کریم حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی کی کلید دو اہم چیزوں کو قرار دیتا ہے: ایک تقوی اور دوسرا صبر۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ o (یوسف:۹۰)

جو کوئی تقوی اختیار کرے اور صبر (واِستقامت) سے کام لے تو اللہ تعالیٰ نیک اعمال بجالانے والوں کے اَجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

مرحلہ جوانی اسی لیے سب سے نازک اور پُرخطر تصور کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ وہ بچپن اور

بڑھاپا دو ناتوانیوں کے درمیان قوت کا ایک مرحلہ ہوتا ہے اور یہی عمر کا سب سے بہتر، اہم اور کارآمد دور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرصہ محشر میں جوانی کی بابت بطورِ خاص باز پرس ہوگی: وَ عَنْ شَبَابِه فِيْمَ أَبْلاهُ !۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز سات لوگ ایسے ہوں گے جنھیں اللہ تعالیٰ خاص اپنے سایۂ کرم میں رکھے گا اور اس دن اللہ کے سایۂ عظمت کے سوا دور دور تک کہیں کسی اور سائے کا نام ونشان بھی نہ ہوگا :

(۱) امام عادل (۲) اللہ کی عبادت میں پروان چڑھنے والا نوجوان (۳) وہ شخص جس کا دل مسجدوں کے ساتھ معلق رہتا ہے (۴) ایسے دو شخص جو اللہ واسطے کی محبت رکھتے ہوں، اور اسی کی خاطر ملتے بچھڑتے ہوں (۵) ایک وہ شخص جسے منصب و جمال کی پیکر کوئی عورت (برائی کے لیے) بلائے تو وہ کہہ دے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) ایک وہ شخص جس نے اس طرح خفیہ انداز سے صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی (۷) اور ایک وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں (آنسوؤں سے) بھر آئیں۔

نوجوانانِ ملت! کبھی آپ نے اس حدیث مبارک پر غور وفکر کرنے کی زحمت فرمائی؟۔ بات اُس دن کی ہو رہی ہے جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا......سورج سروں پر آچکا ہوگا...... اِزدحام کے باعث سانسیں گھٹ رہی ہوں گی......حضرت آدم سے لے کر اِس دنیا کے آخری انسان تک سب کے سب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے......جہنم بھڑک بھڑک کر لپٹیں مار رہی ہوگی...... ایسے دل دہلا دینے والے عالم میں ندا دی جائے گی مذکورہ سات لوگ کہاں ہیں؟ آگے بڑھیں؛ تاکہ اللہ کا سایۂ کرم انھیں اپنے اَمان میں لے لے۔ جوانو! اللہ کی عزت کی قسم! ذرا سوچو تو سہی کہ اس سے بڑھ کر سعادت وکرامت ایک انسان کے لیے اور کیا ہوگی!۔

نوجوانانِ ملت! ذرا سوچیں کہ آج اللہ کی یاد میں رات گئے بستر سے اُٹھ کر چند لمحوں کے لیے مصلیٰ پر آجانا ظالم نفس نے ہمارے لیے کتنا بوجھ بنا دیا ہے؛ مگر ذرا چشم تصور وا کرکے

دیکھیں کہ وہ کیا سماں ہوتا ہوگا جب ہر شب تہائی رات گئے خود مالک الملک جل مجدہٗ آسمانِ دنیا پر نور گستر اور تجلّی کناں ہوتا ہے☆۔ وہ ہماری تقدیر بدلنے آتا ہے...... ہماری بگڑی بنانے آتا ہے...... ہمارے کرب ودُکھ غلط کرنے آتا ہے......اور صداؤں پر صدائیں لگاتا رہتا ہے کہ محبت الٰہی کے دعویدار کہاں ہیں؟...... رزق کے طلب گار کہاں ہیں؟؟...... اقبالِ جرم کرنے والے خطا کار کہاں ہیں؟؟؟........ اپنی خواب گاہوں سے اُٹھیں، اپنی جبینوں کو لذتِ سجود سے آشنا کریں، اپنے لبوں کو وا کریں......اپنی حاجتیں تو رکھیں......اپنا دکھڑا تو سنائیں؛ رحمتِ الٰہی جھک کر بغل گیر نہ ہوئی تو کہنا...... اِجابت نے بڑھ کر گلے سے نہ لگا لیا تو کہنا!۔

اس طرح تا دم سحر اُس کا اَبرِ عطا وکرم بندوں کی کشتِ ویراں پر برسنے کے لیے اور انھیں آباد وشاداب کرنے کے لیے مچلتا رہتا ہے؛ مگر یارو! یہ کیا بے رخی ہے، کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذاتِ کبریا کی تجلّی بے نیاز ہونے کے باوجود تمہاری دہلیز تک پہنچ آتی ہے بلکہ تمہاری شہ رگِ حیات سے بھی قریب تر ہوجاتی ہے اور دعویٔ محبت رکھنے والے چادرِ غفلت تانے سو رہے ہوتے ہیں!......محبوب تو جاگتا رہتا ہے اور تم آنکھ کٹوری میں نیند گھولے فرشِ اطلس و کمخواب پر پڑے رہتے ہو......خدارا محبت کا کچھ تو بھرم رکھو...... یہ محبّ ہونا تو نہ ہوا!......کیا شانِ عبودیت اور نازِ بندگی یہی ہوتی ہے!!۔

میرے دوستو! ایسا ہرگز نہ کرو......اُٹھو اور نفس کا تمرد توڑ ڈالو......نیم شبی کی خلوتوں میں محبوب سے محوِ رازِ و نیاز ہونا سیکھو......اس کے نام کی مالائیں جپو......اور اپنی بے تاب جبینوں سے اس کی بارگاہ میں سجدۂ شکر کا خراج پیش کرو......پھر دیکھو فضل وکمال کے کیسے کیسے درتم پر وا ہوتے ہیں......تمہارے درد ودُکھ کی گھٹا کیسے آن کی آن میں صاف ہوجاتی ہے......اور تمہاری کربِ آثار زندگی کیسے گہوارۂ امن وقرار بن جاتی ہے۔

☆ **حاشیہ**: جب کہ روایتوں میں آتا ہے کہ شب براءت اور شب قدر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ غروبِ آفتاب کے فوراً بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے۔ اور اپنی مخلوق پر نظر رحمت فرماتے ہوئے چند اَفراد کے سوا سب کی مغفرت فرمادیتا ہے۔ تفصیل کے لیے دینی کتب دیکھیں۔ -چڑیا کوٹی-

میرے عزیزو! اس بات کو پلے باندھ لو کہ اگر تم دارین کی سعادتوں سے بہرہ وری کے آرزومند ہو تو تمہیں رات کے گہرے سکوت میں اُٹھ کر اَپنے رب کو منانا ہوگا...... کاش! تمہاری جوانیاں اللہ کے حضور دست بستہ کھڑی ہونے کی عادی ہوجاتیں...... کاش! تمہارے دل سراپا ناز و نیاز بن جاتے...... اور اے کاش! تمہاری راتیں گریہ وبکا کے ساتھ محبوبِ حقیقی کو منانے میں بیت پاتیں!۔

کتنا اَچھا ہوتا اگر اُمت مسلمہ کا خزاں رسیدہ چمن پھر بہار آشنا ہوجاتا...... عشق رسول کی ہرسو ہوائیں چلنے لگتیں...... تعلق بالرسول پختہ ہوجاتا...... تعلق باللہ کی مستیاں لوٹ آتیں...... ذکرِ الٰہی کی حلاوتیں عود کرآتیں...... جبینیں پھر سجودِ نیاز کی لذتوں سے صحیح معنوں میں آشنا ہوجاتیں...... چشمانِ طلب پھر اَشک ہائے عشق کی تپش سے بہرہ ور ہوجاتیں...... آنکھوں کے سوکھے تالاب محبت رسول کے سیلاب سے پھر بھر جاتے...... دل کی اُجڑی وَادِیاں عشق رسول کی پروائیوں سے پھر لہلہا اُٹھتیں...... اور روح کے ویران صحرا پوری تب و تاب کے ساتھ سرسبز و شاداب ہو اُٹھتے۔

دوستو! آج ضرورت صرف اور صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنا اِحرام ہستی گناہوں کی آلودگیوں سے صاف وشفاف کرلیں خصوصاً اَپنا جہانِ دل ہرقسم کی آلائشوں سے پاک کرلیں؛ تاکہ اُن میں عالم بالا کے اَنوار اُترسکیں، اُن میں تسلیم ورضا کے لالہ وگل کھل سکیں، اُن میں دنیا نہیں دنیا کا خالق و مالک اپنی تجلی اُتارے، اور وہ جانِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسکن وکاشانہ بن سکیں۔

حضرت حفصہ بنت سیرین (م ۱۱۰ھ قریباً) جوانوں کو عہد شباب سے خوب خوب فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دیا کرتی تھیں۔ اس ضمن میں ایک بار انھوں نے فرمایا :

يا معشر الشباب! خذوا من انفسكم و أنتم شباب، فإني ما رأيت العمل إلا في الشباب . (۱)

(۱) مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی: ۱/۲۵...... صفۃ الصفوۃ: ۴/۲۴...... تفسیر روح البیان: ۹/۲۶۸۔

یعنی اے جوانو! جوانی کے زمانے میں اپنی جانوں سے جتنا فائدہ حاصل کر سکتے ہو کر لو؛
کیوں کہ میں نے جوانی کے عمل ایسا (بہترین) عمل کسی اور زمانے میں نہیں دیکھا!۔

اسلام کی پوری تاریخ ایسے تابندہ واقعات اور زرّیں فرمودات سے بھری پڑی ہے۔ جو قومیں بھی شوکت ووقار اور مجد وشرف کی زندگی جینا چاہتی ہیں وہ عظیم انسانوں کے نقوشِ حیات کو مشعل راہ بناتی ہیں؛ اس لیے اُمت اس وقت تک حقیقی سعادت وفلاح سے ہمکنار نہیں ہوسکتی جب تک قوم وملت کے نوجوان دنیا کے گورکھ دھندوں سے مکمل ہاتھ نہ جھاڑ دیں۔ نفسانی خواہشات کے گرد طواف کرنے اور مقصد زندگی کو مادہ ومعدہ تک محدود کر دینے والی قوم کبھی رفعت آشنا نہیں ہوسکتی!۔

جس قوم کے پاس ایک درخشندہ ماضی ہو اور جس کے اَکابر ورِجال' علم وحکمت کے وہ گل ہائے صدا بہار اُگا گئے ہوں جن سے آج یورپ وامریکہ کے مشام جاں معطر ہو رہے ہیں اور وہ خلاؤں میں کمندیں ڈال رہے ہیں ان کے اپنے وارثین کو لایعنی کاموں میں مشغول یا فارغ بیٹھے دیکھ کر دل منہ کو آجاتا ہے اور آنکھیں بے اختیار چھلک اُٹھتی ہیں!۔

آج اُمت مسلمہ کے نوجوانوں کا کیا حال ہے کسی پر مخفی نہیں۔ نہ وہ دین کے رہے نہ دنیا کے رہے...... مادّیت کے غلبے نے فکروں کا دھارا بدل کر رکھ دیا...... اَخلاقی قدریں پامال ہو کر رہ گئیں...... پیشانیاں سجدوں کے نور سے محروم ہوگئیں...... آنکھوں سے عصمت وحیا کا سارا پانی اُتر گیا...... دل' درد محبت اور غم ملت سے نا آشنا ہوگئے...... تعمیری سوچیں گہنا کر رہ گئیں، اور تنقید وتنقیص سکہ رائج الوقت کی حیثیت اختیار کرگئی۔ ہر کوئی نقاد بنا پھرتا ہے۔ زبانیں بے باک تو تھیں ہی قلم بھی بے لگام ہوگئے۔

بڑوں کی بزرگی کا بھرم جاتا رہا، چھوٹے مشفقانہ رویے کو ترس کر رہ گئے۔ پورا معاشرہ اَنارکی کا شکار ہے، اور جذبۂ اِصلاح سرد پڑتے پڑتے جیسے بالکل معدوم سا ہو کر رہ گیا ہے...... ماں باپ کا اَدب گیا...... بہن بھائی کی تمیز گئی...... قدم قدم نغمے، گام گام گانے...... لحظہ لحظہ غفلت، لمحہ لمحہ جہالت...... عریانیت کے طوفان، فحاشی کی آندھیاں...... کس سے گلہ، کس

سے شکوہ!......صبح خرمستیاں، شام آوارہ گردیاں......گلیوں میں تنکوں کی طرح اُڑنا......کوچوں میں خاک کی طرح ذلیل ہونا...... اِدھر جھانکنا، اُدھر تاڑنا، اِسے گالی، اُسے چھیڑنا...... پڑھنے سے گریز، کھیلنے سے شغف...... چلنا تو اکڑ اکڑ کر، بولنا تو بگڑ بگڑ کر، ہنسنا کو کِھل کِھل کر، کھانا تو مچل مچل کر، سونا تو بچھ بچھ کر، جاگنا تو رُک رُک کر، مستی ہی مستی، نشہ ہی نشہ- الامان والحفیظ- کسی دلِ درد مند رکھنے والے شاعر نے مکین گنبد خضرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں ملت مسلمہ کی شکوہ سنجی کیا خوب کی ہے ۔

جس کو دیکھا تھا مؤقر آج اس کو خوار دیکھ ☆ اے پیمبر! دیکھ اب اُمت کا حالِ زار دیکھ

مانتا تھا جن کی آزادی کا لوہا اِک جہاں ☆ اب انھیں پابند، قیدی، بےبس و ناچار دیکھ

جن جواں مردوں کے آگے کوہ بھی تھا کاہ سا ☆ ان جواں مردوں کو اب خود نقش بر دیوار دیکھ

جن کی ہمت عرش کو بھی دیکھتی تھی سرنگوں ☆ اب انھیں کاہل، تغافل کیش اور بیکار دیکھ

جو زمانے کے لیے عیسیٰ نفس مشہور تھے ☆ اب انھیں مردہ، فسردہ، جاں بہ لب بیمار دیکھ

دیکھ اب تو ہوگئی ہے پستیوں کی انتہا

پھونک کر مردہ تنوں میں روحِ نو، اُن کو اُٹھا

سچ یہ ہے کہ آج کے مشینی دور نے انسان کو اِنسان سے دور کر دیا ہے۔ رفاقتِ بشری سے محروم انسان، مال اور اَشیا کی محبت میں گرفتار ہے۔ نا آشنائی اور نا شناسی کی وبا ہر سو پھیل چکی ہے۔ رفاقتیں، رقابتوں میں بدل چکی ہیں؛ اس لیے شیرازۂ ملت بکھرتا جارہا ہے؛ کیوں کہ ملتیں تو پائیدار رفاقتوں سے بنتی ہیں۔ رفاقت میسر نہ ہو تو عناصر ملت میں ظہورِ ترتیب ممکن ہی نہیں۔

آپ ذرا سوچیں کہ اینٹ کا اینٹ سے ربط ختم ہوجائے تو کیا ہوگا؟ دیواریں خود اپنے بوجھ سے گرنا شروع ہوجائیں گی۔ اور یہی فلسفہ تھا پیغمبر اِسلام علیہ السلام کے اس فرمانِ عظمت نشان کا جس کو نہ سمجھنے اور نہ برتنے کے باعث ہمیں بادل نخواستہ یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں :

إن المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ، - وشبك أصابعه-(۱)

یعنی مومن کی مثال عمارت کی سی ہے کہ اس کا بعض حصہ بعض کو باندھے رہتا ہے۔ سرکار علیہ السلام نے یہ بیان کیا اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں گھسا دیا۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ اسلام پردیسی اور اجنبی ہے، اس کے شہروں پر غیروں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ اس کی زمین پر اَغیار نے پنجے گاڑ لیے ہیں۔ اس کے فرزندوں کا لہو روزانہ گولہ وبارود کی خوراک بن رہا ہے۔ اس کے بیٹیوں کی عزت داؤ پر ہے۔ اس کے سپوت ابوغریب اور کیوبا کے پنجروں میں بند ہیں۔ بدخواہوں نے صرف اِسلام کی زمینوں ہی پر قبضہ کرنے پر اکتفانہ کیا بلکہ مسلمانوں کے ذہن پر بھی قابض ہو گئے۔

آج صرف اِسلام کے معاملاتی نظام کے تعطل کی وجہ سے کافرانہ نظام سر اُٹھا رہا ہے۔ رزقِ حلال میں حرام کی آمیزش کے باعث سوسائٹی سے برکتیں روٹھی جا رہی ہیں۔ اپنی خواہش کو رضائے مولا پر مقدم رکھنے کے سبب معاشرے میں بے چینیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ دربارِ رسالت سے ربط عقیدت ماند پڑنے کی وجہ سے گستاخیوں کا ایک سیلاب اُمنڈ آیا ہے۔ شریعت مطہرہ کو پس پشت ڈالنے کے باعث ہمارا معاشرہ آتش فشاں بن چکا ہے۔ بدعقیدگی، بدعملی، نام نہاد روشن خیالی، مغرب پرستی اور عریانی وفحاشی انسانی آبادیوں پر زہر چھڑک رہی ہے۔ استعماری قوتیں اور صیہونی طاقتیں - معاذ اللہ - اُمت مسلمہ کی خانہ تلاشی میں مصروف ہیں۔

آج ایک طرف فلسطینی مائیں اپنی گودیں اُجڑنے پر نشانِ عبرت بنی ہوئی ہیں تو دوسری طرف خون میں لت پت بیٹوں کے سرہانے بیٹھی عراقی مائیں چیختی چلاتی نظر آتی ہیں۔ آج کہیں افغانستان کے کھنڈرات سے دھواں نکل رہا ہے تو کہیں کشمیر کی وادیاں کربلائے ثانی کا منظر پیش کر رہی ہیں۔ الامان والحفیظ-

(۱) صحیح بخاری: ۱/۱۸۲ حدیث: ۴۶۷...... صحیح مسلم: ۴/۱۹۹۹ حدیث: ۶۵...... سنن ترمذی: ۴/۳۲۵ حدیث: ۱۹۲۸...... سنن نسائی: ۵/۷۹ حدیث: ۲۵۶۰...... صحیح ابن حبان: ۱/۴۶۷ حدیث: ۲۳۱۔

الغرض! ایک عجیب سماں ہے، نفسانفسی کا عالم!، جیسے کوئی قیامت بپا ہے، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں، ہر کسی کو صرف اپنی فکر کھائے جارہی ہے...... دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے بے خبر ہے...... بھائی بھائی سے بیگانہ ہے...... رشتوں کی تقدیس پامال ہوچکی ہے...... افسر ماتحت کا خیال نہیں رکھتا...... ماتحت اُفسر کا لحاظ نہیں رکھتا...... اُستاذ شاگرد سے نالاں ...... تو شاگرد اُستاد سے بیزار؛ یہی ہیں مجموعی طور پر ہمارے حالاتِ زار۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اپنی ذات سے اوپر اُٹھ کر پوری قوم کی فلاح و بہبود کے لیے سوچنے کا مزاج مفلوج ہوکر رہ گیا ہے، اور جو دو چند ہمدردانِ قوم وملت تھے، وہ بھی اٹھتے جارہے ہیں۔

ایک تو ان برائیوں پر کوئی بند باندھنے والا نہیں اور اگر کوئی خیر سے ان کے خلاف آواز لگانے والا مل جائے تو پھر اسے سننے والا کوئی نہیں۔ حالات کی یہ سنگینی وستم ظریفی کسی شاعر سے کہلوا رہی ہے۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے

اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

اے چشمہ رحمت بابی اُنت واُمی ☆ دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے

فریاد ہے اے کشتی اُمت کے نگہباں ☆ بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے

پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

حالات کے اِن اُتار چڑھاؤ کو دیکھ کر عظیم دانشور نثار احمد خان فتحی کے دل سے ایک ہوک سی اُٹھ رہی ہے ہیں، وہ حالات کی نبض پر ہاتھ رکھنے کی کوشش میں آپ کو حقائق سے آگاہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ ذرا گوشِ ہوش سے سنیے وہ کیا کہتے ہیں :

مغرب کی درسگاہوں، تحقیقاتی اِداروں اور علمی مرکزوں سے مسلسل ایک آواز ہم سے مخاطب ہے؛ مگر افسوس کوئی اس پر توجہ نہیں دیتا، کسی کا خون جوش نہیں مارتا اور کسی کی غیرت نہیں جاگتی۔ یہ آواز کہتی ہے: ’’اے مسلمانو! اے ہمارے

غلاموں سنو! تمہارے اِقبال کے دن گزر گئے، تمہارے علم کے کنویں سوکھ گئے اور تمہارے اِقتدار کا سورج ڈوب گیا۔ اب تمہیں حکمرانی اور سلطانی سے کیا واسطہ! تمہارے بازواب شل ہوگئے اور تمہاری تلواروں میں زنگ لگ چکا ہے، اب ہم تمہارے آقا ہیں اور تم سب ہمارے غلام ہو۔

دیکھو! ہم نے سر سے پیر تک تمہیں کس طرح اپنی غلامی کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ ہمارا لباس پہن کر اور ہماری زبان بول کر اور ہمارے طور طریقے اختیار کر کے تمہارے سر فخر سے بلند ہو جاتے ہیں۔ تمہارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے جب ہمارا قومی نشان اور مذہبی شعار ٹائی لگا کر اسکول جاتے ہیں تو اس لباس کو دیکھ کر تمہارا دل کیسا خوش ہوتا ہے۔

...گویا اب تم ہماری آنکھوں سے دیکھتے ہو، ہمارے کانوں سے سنتے ہو اور ہمارے دماغ سے سوچتے ہو۔ اب تمہارے وجود میں تمہارا اپنا کچھ نہیں۔ اب تم ہر شعبۂ زندگی میں ہمارے محتاج ہو، تمہارے گھروں میں ہمارے طور طریقے ہیں، تمہارے دماغوں میں ہمارے افکار ہیں، تمہارے اسکولوں اور کالجوں میں ہمارا مرتب کردہ نصاب ہے، اور تمہارے بازاروں میں ہمارا سامان ہے۔ تم ہمارے حکم سے کیسے سرتابی کر سکتے ہو۔ تمہاری معیشت ہمارے قبضے میں ہے، تمہاری منڈیاں ہمارے رحم و کرم پر ہیں اور تمہارے سارے تجارتی ادارے صبح اٹھتے ہی ہمارے سکے کو سلام کرتے ہیں۔

تمہیں اپنے جوانوں پر بڑا ناز تھا، تم کہتے تھے 'ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی' تو سنو! اس زرخیز زمین کو ہم نے ہیروئن بھرے سگریٹ، شہوت انگیز تصویریں، ہیجان خیز زنا کے مناظر سے لبریز فلمیں اور ہوس زر کا آب شور ڈال کر بنجر کر دیا ہے۔ بوسنیا (افغانستان) اور عراق کے حشر کو یاد رکھنا۔

جاؤ! اب عافیت اسی میں ہے کہ جو طرزِ حیات اور طرزِ حکومت ہم نے تمہیں سکھایا ہے اس سے سرمو انحراف نہ کرنا، خبردار! ہماری غلامی سے نکلنے کی کوشش نہ

کرنا اور ہمیں امید بھی یہی ہے کہ تم برسوں تک ایسا نہ کرسکو گے؛ کیونکہ جتنے اس کوشش کے محرکات ہو سکتے تھے یعنی ایمان کی پختگی، جوشِ جہاد، بالغ نظری، غیرتِ دین وہ سب ہم نے تمہارے دانشوروں، مفکروں، اور عالموں سے دنیا کی چند آسائشی چیزیں دے کر خرید لیے ہیں۔

ہم نے تمہاری عورتوں کو ٹی وی کے ذریعے بے حیائی کی ترغیب دے کر اور سنگھار و آرائش حسن کا بہترین سامان فراہم کر کے ان کی چادر اُتروادی ہے اور تمہارے مردوں کو فحش اور عریاں فلمیں دکھا کر اُن کی مردانگی کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اب تمہارے یہاں کوئی خالد، کوئی طارق، کوئی صلاح الدین اور کوئی ٹیپو پیدا نہیں ہوسکتا۔

اور سنو! ہم احسان فراموش نہیں ہیں، تمہاری قوم کے کچھ احسان بھی ہم پر ہیں خاص طور پر تمہارے علماء کے، انہوں نے اپنی مسجدوں اور مدرسوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی تکفیر کر کے (شرک و بدعت کے فتوے لگا کر) اور آپس میں لڑلڑ کر ہماری تہذیب وافکار کے لیے راستہ صاف کیا، تمہارے دانشوروں اور مفکروں نے ترقی یافتہ اور ماڈرن کہلانے کے شوق میں ملحد اور زندیق بن کر ہمارے فلسفے کی اشاعت کی۔

تمہاری تعلیم گاہوں نے ہمارا نصاب تمہارے جوانوں کے دل ودماغ میں ہم سے بہتر طریقے سے اتار کر اپنے مذہب سے بغاوت پر اکسایا، تمہارے صاحبان اقتدار اپنے اپنے سارے وسائل تمہیں بے حیا، بے غیرت اور بے دین، بنیاد پرست اور دہشت گرد بنانے کے لیے ہمارے ہی اشاروں پر استعمال کرتے آئے ہیں، ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔

تمہارے مذہب نے کیسی کیسی پابندیاں تم پر لگا رکھی تھیں، یہ حرام وہ حرام یہ جائز وہ ناجائز، زندگی کی راہیں تم پر تنگ کر دی تھیں، ہم نے تمہیں زندگی کا ایک نیا راستہ دکھایا اور تمہیں حرام، حلال کی قید سے آزاد کر دیا، کیا تم اس پر ہمارا شکریہ

اَدا نہ کروگے، اے مسلمانو! اے ہمارے غلاموں کیا تم سنتے ہو؟'۔

یہ آواز دن رات مسلسل میرے کانوں میں آتی ہے اور اس کا ایک ایک لفظ تیر کی طرح میرے دل میں پیوست ہو جاتا ہے۔ میں حیرانگی سے چاروں طرف دیکھتا ہوں کہ شاید کچھ اور لوگ بھی سن رہے ہوں؛ مگر سب اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہیں اور کوئی توجہ نہیں دیتا۔ میں نے سوچا اس کتاب کے ذریعے ہی سب کو یہ سنا دوں شاید کسی کی غیرت ایمانی جاگ اٹھے اور اللہ پاک اس سے کوئی غیر معمولی کام لے لے۔(۱)

عزیزانِ ملت! اَب اُٹھ جائیں، بہت دیر ہوگئی سوئے ہوئے، غفلت کی ردا تار تار کر دیں، سستی ولاپرواہی کے حصار سے باہر نکل آئیں، اللہ ورسول سے کیے ہوئے عہد کے اِیفا کی پروا کریں، اور قوم نے آپ سے جو توقعات وابستہ کر رکھی ہیں اُن پر پورا اُترنے میں اپنا ستھرا کردار نباہیں۔

یاد رکھیں کہ نہ صرف آج بلکہ ہر دور میں اِسلام کو ایسے نوجوانوں کی تلاش رہی ہے جن کے سینوں کے محراب میں قرآن وسنت کی چاندنی اُتری ہوئی ہو......جن کے دل نورِ ایمان سے مطمئن ہوں......جن کے اَعمال ہر داغ سے پاک ہوں......جن کے باطن' فراستِ مومنانہ سے آباد ہوں......جن کی آنکھوں میں غیرت وحیا کے کنول کھلے ہوئے ہوں......جن کی زبانیں صداقت کے پھولوں کی ٹہنی ہوں...... جن کے کانوں کے دَر ہر ناجائز آواز کے لیے بند ہوں......جن کے ہاتھ ظلم کا سوچتے بھی نہ ہوں ......جن کے قدم ناروا وادیوں کی طرف اُٹھتے بھی نہ ہوں......جن کے دماغوں میں سچے خیالات کے بسیرے ہوں......جن کی رگوں میں دوڑنے والے خون تمنائے شہادت سے لبریز ہوں......جن کا سرمہ خاکِ حرم ہو......جن کا محور کوے مدینہ ہو...... جو جگرِ لالہ کی ٹھنڈک بھی ہوں اور پہاڑوں کو پانی کرنے والا دبدبہ بھی...... جو سامراج پر حاکم بھی ہوں، اور سماج کے خادم بھی......ان سب پر مستزاد یہ کہ وہ اَخلاق کے ہمالہ اور کردار کے دھنی ہوں۔

(۱) پاکستان میں مغربی ثقافت وملحدانہ افکار کا نفوذ اور اس کے اسباب، بحذف واضافہ: ص۱۴، تا ۱۷۔

کتنا اچھا ہوتا اگر اسلام کے مطلوبہ وہ نوجوان تم ہی ہوتے! خدا کرے تمہیں ان اوصافِ حسنہ سے حصہ وافر نصیب ہو؛ تا کہ تم صحیح معنوں میں کشتی ملت کی ناخدائی کا فریضہ اَنجام دینے کے قابل ہوسکو۔ **وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیز .**

نوجوانانِ ملت اِسلامیہ! ذرا ایک نظر عصری اِیجادات اوران کے دوررس اَثرات پر بھی ڈالتے چلیں کہ ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں وہ بجا طور پر میڈیا(Media) کا دور کہا جاسکتا ہے اور میڈیا کی اس قوت نے پوری دنیا کو ایک شہر بلکہ ایک گاؤں میں تبدیل کردیا ہے۔موبائل فون کی مدد سے ہر شخص ایک دوسرے سے رابطے میں ہے،اخبارات وجرائد اور انٹرنیٹ کی بدولت تازہ سے تازہ خبر ہر میز پر دستیاب ہے۔دنیا بھر میں کروڑوں ویب سائٹس اور سینکڑوں ٹی وی چینلز ہر دم اطلاعات نشر کررہے ہیں۔

میڈیا دراصل ایک قوم کی تشکیل کرتا ہے،اس کے کار پردازان اگر خیر وفلاح کا جذبہ رکھتے ہیں اوراپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہیں تو وہ قوم کی تعمیر وترقی کا ایک مبارک فریضہ سرانجام دیتا ہے۔اور اگر اس سے فروغِ شر کا کام لیا جائے تو وہ تخریب کے مقاصد پورے کرتا نظر آتا ہے۔سچ پوچھئے تو جب سے میڈیا کو نئے وسائل مثلاً پرنٹنگ پریس، ریڈیو، ٹی وی، اور انٹرنیٹ وغیرہ میسر آئے ہیں تب سے ان وسائل کے ذریعے لادین مغرب نے اپنے خیالات کو دنیا بھر میں آن کی آن میں پھیلایا ہے اور میڈیا کے انہی ذرائع کے ذریعہ غیب داں رسول اعظم-صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ ہر گھر میں برائی پھیل جائے گی اور موسیقی کا عام چلن ہوگا۔

عصر حاضر میں جدید ٹکنالوجی کا سہارا مل جانے کے بعد ثقافتی یلغار اور بھی خطرناک ہوچکی ہے۔نوجوانوں کے ذہن ودل اور فکر ونظر تک رسائی کے سینکڑوں اِطلاعاتی راستے اور وسائل موجود ہیں۔ٹی وی، ریڈیو اور کمپیوٹر سے متعلق انواع واقسام کی روشوں کا استعمال کیا جانے لگا ہے،اورنوجوانوں میں گوناگوں شکوک وشبہات پیدا کیے جارہے ہیں۔

مثال کے طور پر جب یورپیوں نے اُندلس کو مسلمانوں سے واپس لینے کا اِرادہ کیا تو اس

کے لیے دراز مدت پالیسی تیار کی گئی۔ ان دنوں صیہونی تو نہیں ہوا کرتے تھے؛ لیکن دشمنانِ اسلام اور اُن کے سیاسی مراکز' اِسلام کے خلاف تب بھی سرگرم عمل تھے۔ پھر انہوں نے یہ کیا کہ مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔

یہ کام دینی اور سیاسی عوامل کے تحت انجام دیے جا رہے تھے۔ ساتھ ہی ایک کام یہ بھی کیا گیا کہ انہوں نے کچھ مخصوص مقامات معین کر دیے جہاں نوجوانوں کو مفت شراب پلائی جاتی تھی، اور حسین وجمیل دوشیزائیں اُن کا شکار کرنے کے لیے تاک میں کھڑی ہوتی تھیں؛ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم شہوت پرستی میں مبتلا ہوگئی، اور ملک بآسانی واپس اُن کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ ذرا سوچیں کہ فاتح اِسلام طارق بن زیاد کی روح اپنے اَخلاف کی ان حرکتوں پر کتنی تڑپی ہوگی!۔ زمانہ گزر جانے کے بعد بھی کسی قوم کو آباد یا برباد کرنے کے اصلی طریقے بدلتے نہیں ہیں، آج بھی بیشتر عصری اِیجادات کے ذریعہ وہ یہی سب کام لے رہے ہیں ۔

میخانۂ یورپ کے انداز نرالے ہیں
دیتے ہیں شراب اوّل لاتے ہیں رُباب آخر

یہ سچ ہے کہ سائنس وٹکنالوجی کی دم بخود ترقی نے جہاں نئے نئے ایجادات وانکشافات سے دنیا کے سامنے سہولیات اور معلومات کا اَنبار لگا دیا، وہیں اس نے شہوت پرستی کے لیے نئی راہیں بھی کھول دی ہیں۔ مواصلاتی دوریوں نے سمٹ کر جہاں انسانیت کو آسانیاں فراہم کی ہیں وہیں نفسانی خواہشات کے متوالوں کے لیے تسکین نفس کا جملہ ساماں بھی کیا ہے۔ مجموعی طور پر ان جدید وسائل اعلام پر ایک طرف فحاشی وبے حیائی کا غلبہ ہے تو دوسری طرف یہ ملحدانہ افکار کے مراکز ہیں گوکہ ان سے بعض دینی مقاصد کو بھی فروغ حاصل ہوا ہے لیکن اگر مجموعی شرح دیکھی جائے تو انٹرنیٹ نے فحاشی کے دریا بہادیے ہیں اور معاشرے میں عیاشی کے بہیمانہ ڈھنگ متعارف کرائے ہیں۔

عزیزانِ گرامی! ایسے سنگین حالات میں صرف لفاظیوں اور دعاوٴں پر تکیہ کرنے سے مقصد برآری نہیں ہوسکتی، ضروری ہے کہ اَربابِ ذرائع ابلاغ اپنی اسلامی ذمہ داریوں کو

سمجھیں، اس کے اِنسداد کے لیے مؤمنانہ بصیرت کے ساتھ سائنسی مؤثر حربے بھی بروئے کارلائیں، اور میڈیا کو فحاشی وعریانیت کی بجائے خیر و بھلائی کا پیغام بر بنانے کی ہر ممکن جدوجہد میں لگ جائیں۔

اگر میڈیا کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے تو کم از کم ان کا شکار ہونے والے مسلمان بھائیوں کو تو ان کے طریقہ ہائے واردات سے آگاہی ہونی چاہیے۔ دنیاوی وسائل سے مالا مال مسلمانوں کو اس ذمہ داری کا احساس اور زیادہ ہونا چاہیے کہ وہ صالح ذرائع ابلاغ کے قیام کی طرف بھرپور توجہ دیں، اور جو لوگ اس سلسلے میں متحرک وفعال ہیں ان کی پشت پناہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمائیں۔

یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ دین محض نماز، روزہ اور دیگر عبادات ہی کا نام نہیں بلکہ زندگی کے ہر عمل اور ہر حرکت کے لیے دین اسلام میں رہنمائی موجود ہے اور بحیثیت مسلمان ہمیں اُن کا اتباع بھی لازم ہے؛ لہٰذا اس تعلق سے اعتدال کی راہ یہ ہے کہ اسلامی حدود میں رہ کر انٹرنیٹ کا استعمال ہو، اور اس کے برے اثرات سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں؛ کیوں کہ خیر وشر کا پہلو ہر چیز میں موجود ہے۔

اگر لوگوں کو انٹرنیٹ کے استعمال سے روک دیا جائے تو معلومات کے اہم ذخائر سے وہ محروم رہ جائیں اور اگر انھیں بے مہابا چھوڑ دیا جائے تو وہ گونا گوں گناہوں کے ریشمی جالوں میں ایسے اُلجھ جائیں کہ بس...... -اللہ ہمیں سچائی اور اَچھائی کی راہ پر قائم ودائم رکھے-

سببِ تالیف

یہ کتاب دراصل حکایاتی اَنداز میں نوجوان نسل کو اپنے روشن ماضی سے مربوط کرنے کی ایک عاجزانہ کوشش ہے۔ اَربابِ علم ودانش کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فکر ونظر کے بدلاؤ میں قصہ وحکایت کی زبان بڑی مؤثر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم گاہے بگاہے ہمیں قصے سناتا دکھائی دیتا ہے۔ اِرشادِ رب العزت ہے :

فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ o (سورۂ اعراف:۷/۱۷۶)

تو آپ ان (واقعات اور) قصوں کو لوگوں کے لیے بیان کریں شاید وہ غور وفکر کریں (اور انھیں سن کر وہ بیدار ہو جائیں)۔

توانسانوں کی رشد و ہدایت اور معارفِ الٰہی کی نشر و اشاعت میں قصے، کہانیوں، داستان اور حکایتوں کا مؤثر کردار بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ یوں ہی عبرت انگیز مناظر ومظاہر، سبق آموز واقعات وتجربات، اور نصیحت آموز داستانوں کو قصہ و داستان اور حکایت کی شکل میں سادہ، سلیس اور آسان انداز سے بیان کرنا نہایت تاثیر گذار اور اَثر آفریں ہے۔

اگر کوئی داستان اور کہانی اصلی ہو اور حقیقت پر مبنی ہو ساتھ ہی مذہبی ومعنوی مفاہیم سے بھی ہم آہنگ ہو تو وہ حقائق ومعارف کے اہم منابع میں شمار ہوگی اور عینی صورت میں قابل قبول اور پراَز تاثیر بھی ہوگی۔ قرآنی قصے اور کہانیاں چوں کہ اصلی وحقیقی ہیں؛ اسی لیے وہ احسن القصص (بہترین کہانیاں) شمار ہوتی ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے پیغمبروں کے قصے اور ان کی داستان بیان کر کے اُن کے اَدوار کے اجتماعی اَحوال اور اُن کی زندگی کے حالات وواقعات کی نہایت خوبصوت منظر کشی کی ہے۔ وہ خود فرماتا ہے :

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ قِصَصِهِمۡ عِبۡرَۃٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ o (سورۂ یوسف:۱۲/۱۱۱)

یقیناً ان کے واقعات میں سمجھ داروں کے لیے سامانِ عبرت ہے۔

انسان' اشرف المخلوقات کے عنوان سے چوں کہ مختلف اور متنوع خصوصیات کا مالک ہے؛ اس لیے اس انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھی مختلف راہوں اور متعدد طریقوں کو استعمال کرنا چاہیے۔

اسلام کی وسعت و رونق، اس کے علمی اِستدلالات اور منطقی نظریات کو فقہ وعقاید، تفسیر و تاریخ اور معرفت و اَخلاق وغیرہ جیسے متنوع اَبواب میں لطیف پیرایۂ بیان کا سہارا لے کر پرکشش انداز میں طشت از بام کیا جاسکتا ہے۔

تجربات شاہد ہیں کہ بنی نوعِ انساں کے عواطف و اِحساسات کو قصہ و کہانی کی مدد سے ایک نئی حرکت بخشی جاسکتی ہے، نیز حکایات اور داستانوں کو ہنرمند، جذاب اور موثر انداز سے بیان کرنے کے ذریعے انسانوں کے اِحساسات کی گہرائیوں تک نفوذ کیا جاسکتا ہے اور ان کی اصلاح کے ساتھ ان میں نیا خروش اور تحول وتموج بپا کیا جاسکتا ہے۔

داستان وقصہ گوئی کا اصل مطلوب ومقصود یہ ہے کہ اسلام کے عالیشان اور بلندو بالا مفاہیم ومضامین سے اِستفادہ کرکے حکایت کو سادہ اور رواں قلم کے ساتھ عام لوگوں کے فہم وذوق کے مطابق پیش کردیا جائے۔

حکایت بیانی اور داستان گوئی کے ذریعہ جہاں تاریخ کے پست و پلید اور ظالم و جابر اَفراد کے جبر و بربریت سے پردہ اُٹھایا جاسکتا ہے اور ان کے برے اَنجام ونتائج کے تذکرے سے دوسرے لوگوں کے لیے سامانِ عبرت فراہم کیا جاسکتا ہے، وہیں متقی و پرہیزگار اور نیک وصالح شخصیات کی نصیحت آموز، دلکش، اور خوبصورت حکایات' ذہن وفکر کی اِصلاح وتطہیر کے لیے بھی استعمال کی جاسکتی ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ دین اسلام کی نشر و اشاعت، ترقی و وسعت اور اس کے حقیقی علوم و معارف کو بیان کرنے میں حکایات، قصوں اور داستانوں کو خاص حیثیت حاصل ہے۔ ہماری یہ کوشش چوں کہ نوجوانوں کی اِصلاح وتعمیر سے عبارت ہے؛ اس لیے ہم نے نوجوانوں ہی کے تعلق سے واقعات وحکایات اس کتاب میں جمع کیے ہیں؛ تاہم مجموعی طور پر اس میں ہر ایک کے لیے ہدایت وعبرت کا سامان موجود ہے۔

اس جمع وترتیب کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ نوجوان اپنے عہد شباب کی قدر کریں، اپنی کھوئی ہوئی منزل پالیں، مولا سے اپنا ٹوٹا ہوا تعلق پھر سے استوار کرلیں، اور دنیا کی رنگ رلیوں سے منہ موڑ کر اس کارواں کے ساتھ ہولیں جو سوئے حرم رواں دواں ہے۔ اللہ کو جوانوں کی توبہ بڑی پسند ہے، اور اس کی نگاہوں میں نوجوانوں کے آنسو بڑی قیمت رکھتے ہیں۔

حضرت ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی تاریکیوں میں اُٹھ کر اپنے صحابہ کو ڈھونڈتے اور ان کی خبر لیتے کہ وہ اپنی راتیں کس طرح عبادتوں میں گزارتے ہیں، ان کی دعاؤں کا انداز کیا ہے، وہ اپنے مالک ومولا کے حضور کس طرح روتے اور گڑگڑاتے ہیں؛ چنانچہ اس دوران ایک شب آپ کے کانوں میں کسی دروازے کے پیچھے سے ایک بوڑھی خاتون کی قراءت کی آواز آئی۔ وہ رو رہی تھی اور رندھی ہوئی آواز میں بار بار یہ آیت پڑھ رہی تھی :

هَلْ اَتٰکَ حَدِيثُ الغَاشِيَةِ o

کیا تجھے (ہر چیز پر) چھا جانے والی قیامت کی خبر پہنچی !۔

وہ بڑھیا زاروقطار روتی جاتی تھی اور یہ آیت کریمہ دُہراتی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سرمبارک دروازہ سے لگا دیا اور خود روتے ہوئے فرمایا :

نعم أتاني ، نعم أتاني .

ہاں (اے بوڑھی ماں!) مجھے وہ خبر پہنچ گئی ہے، ہاں پہنچ گئی ہے۔(۱)

عزیزانِ گرامی! اس ضعیف خاتون کا حال تو یہ ہے کہ وہ رات کی تاریکی میں اُٹھ کر- جب کہ پوری دنیا نیند کی آغوش میں پڑی ہوتی ہے- اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دعا ومناجات کررہی ہے، عبادت وریاضت میں جٹی ہوئی ہے اور طاعت وبندگی کے تحفے گزار رہی ہے۔ اور نوجوانانِ اُمت کا عالم یہ ہے کہ نوافل تو کجا فرائض میں بھی سستی کرتے ہیں اور اپنے مولا کو بھولے پڑے ہیں!۔

نوجوانو! ذرا سوچو کہ اس بڑھیا کے مقابلے میں ہماری ہڈیاں ابھی کتنی مضبوط ہیں، صحت کتنی اچھی ہے، اور جسم کتنا توانا ہے، اُس اللہ کی ہم پر کتنی نعمتیں لدی ہیں، اور وہ ہماری ہزار کوتاہیوں کے باوصف ہم پر تاہنوز اپنے سلسلہ کرم کو کس طرح برقرار رکھے ہوئے ہے۔ پھر کیا ایسی صورت میں ہم لوگ اُس بڑھیا سے زیادہ طاعت وتابع داری، عبادت وبندگی اور اللہ تعالیٰ کا شکر وسپاس اَدا کرنے کے مستحق نہیں ہیں؟!۔

(۱) لاتحزن: ۲۰۳/۲...... قافلة الداعیات: ۱۱۶/۷۔

کیا اِس واقعہ میں سمجھ داروں کے لیے عبرت ونصیحت نہیں ہے؟۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ہوش کے ناخن لیں۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری بانجھ پیشانیاں اللہ کے حضور جھک جائیں۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہمارے قلب وباطن‘ خشیتِ مولا سے لرز اُٹھیں۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہمارے دل ذکرِالٰہی کے لیے آمادہ وتیار ہوجائیں۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ محض زبان کی شہادت کے ساتھ ساتھ ہمارے دل ونگاہ بھی صحیح معنوں میں مسلمان ہوجائیں۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اِضطراب نہیں

پوری کتاب میں میری حتی المقدور کوشش یہی رہی ہے کہ مجاہدین اِسلام کے بے داغ کارنامے اور اَسلافِ کرام کے عنفوانِ شباب کے واقعات اور اَخلاق وکردار کو چمک عطا کرنے والی حکایات حیطۂ بیان میں آئیں۔ ہاں! کچھ ایسے واقعات ومشاہدات بھی میں نے قصداً بیان کردیے ہیں جو ہمیں آئینۂ حقیقت دکھاسکیں کہ ہمارے نوجوان کبھی کیا تھے، آج کیا ہیں، اور اُنھیں کیا ہونا چاہیے۔

اُمید ہے کہ نوجوانوں کا رشتہ اپنے درخشندہ ماضی سے مربوط کرنے اور فکر ونظر کے بدلاؤ میں یہ کتاب کسی حد تک معاون ثابت ہوگی۔ کہتے ہیں کہ رات کی تاریکی میں دور سے نظر آنے والا چراغ‘ روشنی تو نہیں دے سکتا؛ تاہم ایسی کیفیات ضرور مرتب کردیتا ہے کہ مسافر مایوسی سے نکل کر اُمید تک پہنچ جاتا ہے، اور اُمید سے یقین کی منزل ہوتی ہی ہے کتنی؟ صرف دو قدم!۔

مسئلہ یہ ہے کہ مشینوں نے اِنسان سے باہمی مروّت چھین لی۔ گناہوں نے ہم سے دعائیں چھین لیں، اور روشنی نے بینائی چھین لی۔ اب ایسے عالم میں ایک خام سی تحریر کیا دعویٰ کرسکتی ہے!، اور اس سے کتنی کچھ توقع وابستہ رکھی جاسکتی ہے!؛ لیکن مقامِ غور ہے کہ اِنسانوں کے اِزدحام اور سیلِ بے پایاں کے باوجود ایک پیدا ہونے والا بچہ کتنے وثوق اور یقین کے ساتھ

اِس بزمِ گیتی میں تشریف لاتا ہے؛ اس اعلان کے ساتھ کہ بہت کچھ ہو چکا ہے، اور ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے!۔

میں اُن جملہ اَربابِ علم و دانش کا تہِ دل سے شکرگزار ہوں جنھوں نے میری اس کوشش کو کامیاب بنانے میں کسی طور پر حصہ لیا اور ان کے لیے صمیم قلب سے دعا گو بھی۔ ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر اُم رفقہ جویریہ قادری، اُم رومان فریدی، اور اُم رباب فریدی، فاضلاتِ کلیۃ البنات الامجدیہ، گھوسی کا خصوصی شکریہ نہ اَدا کیا جائے؛ کیوں کہ واقعات و حکایات کی تلاش اور کتاب کی پروف ریڈنگ وغیرہ میں اُن لوگوں کا خاصا تعاون شامل رہا ہے۔ خداے قدیر انھیں اس کا بہتر اَجر دے، اُن کے دونوں جہان اچھے کرے، اور انھیں اپنی رضا کے کاموں میں لگائے رکھے۔

ان تمام باتوں کے ساتھ اتنی ضخیم کتاب میں ممکن بلکہ اَغلب ہے کہ مجھ ہیچمد اں سے تحریر و حوالہ میں فروگزاشتیں ہوگئی ہوں؛ اور پھر مجھ جیسا بے بضاعت اور نا کارۂ جہاں اِس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتا تھا؛ لہٰذا اس سلسلے میں ملنے والی کامیابیاں میرے مولا کا محض فضل و کرم ہیں۔ اور جہاں کہیں خامیاں ہوں گی وہ میرے اپنے نفس کی بدی کا نتیجہ۔

اِس کتاب کو پڑھتے ہوئے اگر کسی لمحے آپ کو اپنی آنکھوں میں نمی سی محسوس ہو تو جہاں آپ اپنی مغفرت کی دعا کیجیے وہاں اِس خاکسار کو بھی یاد کر لیجیے گا۔ نیز کتاب کے مطالعہ کے دوران اگر آپ کو کوئی علمی، طباعتی یا کسی قسم کا کوئی سقم نظر آئے یا کتاب سے متعلق کوئی تجویز آپ کے ذہن میں ہو تو براے کرم پہلی فرصت میں ہمیں مطلع فرمائیں، ہم کسی غلطی کی نشان دہی اور کسی اچھی تجویز کی پیشی پر آپ کے حددرجہ ممنون و مشکور ہوں گے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ تاجدارِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین پاک کے طفیل ہمارے اَحوال کی اِصلاح فرمائے، ہمارے نوجوانوں کو بالخصوص دینی و دنیاوی ذمہ داریاں نبھانے کا اہل بنائے، اور اپنی توفیق ہمارے رفیقِ حال کر دے۔ آمین یارب العالمین۔

اَبو رفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

۲۶ رجب، شبِ معراجِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱۴۳۱ھ......۹ جولائی ۲۰۱۰ء

آغازِ باب

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقدس نام سے آغاز ہے جو جملہ خوبیوں کا مالک اور ساری تعریفوں کا حق دار ہے۔ وہی جہان کو قائم رکھنے والا اور جان کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ ایسا حکیم ہے کہ بات کو زبان پہ پیدا فرما دیتا ہے۔ دعا قبول کرنے والا، گناہ بخشنے والا اور کرم فرمانے والا ہے۔ ایسا عزت دینے والا ہے کہ جو کوئی اس کے در سے پھر گیا اس کو کوئی بھی عزت نہ دے سکا۔

بڑی بڑی عظمتوں والے بادشاہ اس کی بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں۔ گناہ گاروں کو جلدی نہیں پکڑتا اور نہ ہی ظالموں کو (جب وہ توبہ کرلیں) اپنی بارگاہ سے بھگاتا ہے۔ اگر بندے کی نافرمانی کی وجہ سے غضبناک ہوتا ہے تو جب بندہ نافرمانی چھوڑ دیتا ہے تو اللہ بھی اس کی کہانی لپیٹ دیتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے باپ کو تنگ کرے تو باپ ناراض ہوجائے، کسی رشتہ دار کو ستاؤ تو وہ بیگانوں کا سا سلوک کرنے پہ اُتر آئے، نوکر اگر کام چور ہوجائے تو مالک ناراض ہوجائے، دوست اگر دوستی میں کمی کرے تو دوست اسے یکا وتنہا چھوڑ جائے، لشکری اگر ملک کی خدمت چھوڑ دے تو بادشاہ اس سے بیزار ہوجائے؛ لیکن اس مالک الملک اللہ نے کبھی ہماری گنہ گاری کی وجہ سے ہم پر رزق کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔ گنہ گاروں کو گناہ کرتا دیکھ کر قدرت ہونے کے باوجود وہ پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اس کے علم کی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ دو جہاں اس کے علم کے سمندر کے سامنے ایک قطرے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ ساری زمین اس کا دسترخوان ہے جس پر دشمن و دوست سب پل رہے ہیں۔ اگر وہ ظالم کو پکڑ لے تو اس کے قہر سے اس ظالم کو کون بچائے؟، اس کی ذات مد مقابل اور ہم جنس سے پاک ہے۔

اس کی حکومت جن وانس کی تابعداری سے بے نیاز ہے۔ ہر کوئی اس کے حکم کا پابند ہے، چاہے وہ انسان ہے یا درند، پرند، چرند یا مور و مگس۔ اس نے سخاوت کا ایسا دسترخوان بچھا رکھا ہے کہ کوہِ قاف میں رہنے والا پرندہ بھی روزی سے محروم نہیں۔ مخلوق کے کام سنوارنے والا کریم و مہربان ہے۔ علیم بذات الصدور اور سب کا محافظ ہے۔

خودی وکبریائی صرف اس کی ذات کو زیبا ہے؛ کیوں کہ اس کا ملک باقی ہے اور وہ خودغنی ہے۔ کسی کے سر تاج رکھتا ہے اور کسی کو تخت سے اُتار کر تختے پر چڑھا دیتا ہے، اور مٹی میں ملا دیتا ہے۔ کوئی اس کی عطا سے نیک بختی کی ٹوپی پہنے ہوئے ہے تو کوئی بدبختی کی گدڑی میں ہے۔

خلیل اللہ پہ آگ کو گلزار کر رہا ہے تو کلیم کے دشمن کو دریائے نیل میں غرق کر رہا ہے۔ وہ اس کے کرم کا مظہر ہے تو یہ اس کی ناراضگی کا نشانہ۔ پردے میں ہوکر بدکاروں کو دیکھتا ہے، اور ان کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اگر صرف ڈرانے دھمکانے کے لیے اپنے حکم کی تلوار سونتے تو مقرب فرشتے بھی گونگے بہرے ہوجائیں، اور اگر کرم کی آواز لگادے تو شیطان کو بھی رحمت کی اُمید لگ جائے کہ میں بھی اس کے کرم سے محروم نہیں رہوں گا۔

اس کی عظیم بارگاہ میں بڑے بڑوں نے بزرگی کی ٹوپیاں اُتار رکھی ہیں۔ اس کی رحمت عجز والوں کے بہت قریب ہے۔ وہ رونے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے، آنے والے حالات وواقعات کو جانتا ہے۔ سینوں کے رازہائے سربستہ سے واقف ہے۔ بلندی وپستی کا نگہبان اور روزِ جزا کا مالک ہے۔ کوئی اس کی بندگی سے بے نیاز نہیں، اور نہ کوئی اس کے حکم پر اعتراض کرسکتا ہے۔ قدیم ہے، نیکی کرنے والے کی قدر فرماتا ہے، تقدیر کے قلم سے رحم مادر میں تصویر سازی فرماتا ہے۔

مشرق سے مغرب کی طرف چانداور سورج کو چلادیا، اور زمین کو پانی پہ بچھادیا۔ اور جب زمین پانی پہ ٹھہر نہ سکی تو اس پر پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں۔ پانی بوند کو پری پیکر بنانے والا۔ بھلا پانی پہ ایسی تصویر کشی کون کرسکتا ہے سوا اُس کے؟۔ اس نے پتھروں میں لعل وفیروز رکھ دیے۔ سبز شاخ میں سے سرخ پھول نکال دیے۔ وہ بادل سے قطرہ سمندر کی طرف گراتا ہے، اور پشت سے نطفہ رحم مادر میں ڈالتا ہے۔ اُس قطرے سے چمک دار موتی بناتا ہے اور اِس (نطفے) سے سروقد صورت تیار کرتا ہے۔

ذرّے ذرّے کو جانتا ہے، ظاہر وباطن اس کے آگے برابر ہیں۔ سانپ، چیونٹی تک کو روزی دیتا ہے؛ اگرچہ وہ کتنے ہی عاجز ہوں۔ اس کے حکم سے عدم کو وجود ملا، بھلا اس کے سوا نیست کو ہست کرنا کون جانتا ہے؟، پھر سب کو معدوم کرنے کے بعد محشر میں جمع فرمائے گا۔ اس

کے معبود ہونے پر سارا جہان متفق ہے؛ اگر چہ اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے۔

انسان کو اس کے جلال کے سوا کچھ سجھائی نہیں دیتا، اور آنکھ کو اس کے جمال کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، وہم کا پرندہ اس کی ذات کی بلندیوں تک رسائی نہیں رکھتا، اور فہم کا ہاتھ اس کی صفات کے دامن کو نہیں چھو سکتا۔ اس کی بھنور میں کئی کشتیاں ڈوب گئیں کہ ان کا ایک تختہ بھی کنارے نہ لگ سکا۔ بیشک وہ عظیم اور وحدہٗ لاشریک ہے۔

درود و سلام ہو اُس مکین گنبد خضرا پر جو کل کائنات کے نبی اور کل اُمتوں کے شفیع ہیں۔ وہ ایسے کلیم ہیں کہ گھومنے والا آسمان جن کا طور ہے، اور تمام جہان درحقیقت انھیں کا عکس نور ہے۔ در یتیم ایسے کہ کسی سے تعلیم نہ حاصل کرنے کے باوجود کتنے مذہبوں کے کتب خانے دھو ڈالے۔

اِرادہ فرماتے ہیں تو چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ آپ کا ظہور ہوا تو کسریٰ کے محلات میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ کلمہ طیبہ کی تلوار سے لات کا بُت پاش پاش کر دیا، اور دین کی عزت کے ساتھ عُزّیٰ (بُت) کی رونق برباد کر دی۔ نہ صرف لات وعزیٰ کو نیست و نابود کیا بلکہ تورات وانجیل کو بھی منسوخ فرما دیا۔

معراج کی رات سوار ہوئے اور آسمانوں سے آگے نکل گئے، مرتبہ ومقام میں فرشتے بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ میدانِ قرب میں سواری کو ایسا دوڑایا کہ سردارِ ملک جبرئیل امین بھی ورطہ حیرت میں دیکھتے رہ گئے۔

اے صدرِ قیامت! آپ کا مرتبہ ومقام اس سے کم تو نہیں ہو جائے گا اگر آپ کے طفیل ہم مٹھی بھر فقیروں کی جماعت جنت میں چلی جائے۔ اللہ نے خود آپ کی تعریف فرمائی ہے، اور جبریل آپ کے قدم بوس ہیں۔ آپ کے مرتبے کی بلندی کے آگے تو آسمان بھی شرمندہ ہے۔ آپ اس وقت بھی موجود تھے جب کہ آدم ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے، بیشک آپ ہر وجودِ ممکن کی اصل ہیں، اور ہر وجود آپ کی فرع ہے۔ آپ لولاک اور یٰس وطٰہٰ کی شان والے ہیں ہم مفلس وقلاش آپ کی کیا تعریف وتوصیف بیان کر سکتے ہیں!۔

صلَّی اللّٰهُ علیه وعلیٰ آله وصحبه وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا.(۱)

(۱) بوستانِ سعدی انسائیکلوپیڈیا، بتغیر قلیل: ۱۸/۲۴۔

قرآنِ حکیم سے

واقعہ بنی اسرائیل کی گائے کا

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نامعلوم طور پر قتل ہو جاتا ہے۔اس کے قاتل کا کسی طرح پتا نہیں چلتا۔تاریخ اور تفاسیر سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قتل کا سبب مال تھا یا شادی!۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک ثروت مند شخص تھا۔اس کے پاس بے پناہ دولت تھی۔اس دولت کا وارث اس کے چچازاد بھائی کے علاوہ کوئی نہ تھا۔وہ دولت مند کافی عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔اس کے چچازاد بھائی نے بہت انتظار کیا کہ وہ دنیا سے چلا جائے تاکہ اس کا وارث بن سکے؛لیکن اس کا انتظار بے نتیجہ رہا؛لہٰذا اس نے اسے ختم کردینے کا تہیہ کرلیا۔بالآخر ایک دن اُسے تنہائی میں پاکر قتل کردیا اور اس کی لاش سڑک پر رکھ دی اور گریہ وزاری کرنے لگا۔پھر حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں مقدمہ پیش کیا کہ بعض لوگوں نے میرے چچازاد بھائی کو قتل کردیا ہے۔

جب کہ بعض دیگر مفسرین کے نزدیک قتل کا سبب یہ تھا کہ اپنے چچازاد بھائی کو قتل کرنے والے نے اس سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا تھا؛لیکن اس نے یہ درخواست رد کردی اور لڑکی کو بنی اسرائیل کے ایک نیک اور پاکباز نوجوان سے بیاہ دیا۔شکست خوردہ چچازاد بھائی نے لڑکی کے باپ کو قتل کرنے کا اِرادہ کرلیا اور ایک روز چھپ کر اسے قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اب بنی اسرائیل کے قبائل کے درمیان جھگڑا اور نزاع شروع ہو جاتا ہے۔ان میں سے ہر ایک دوسرے قبیلے اور دیگر لوگوں کو اس کا ذمہ دار گردانتا ہے اور اپنے کو بری الذمہ قرار دیتا ہے۔

جھگڑا ختم کرنے کے لیے مقدمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوتا ہے اور لوگ آپ سے اس موقع پر مشکل کشائی کی درخواست کرتے ہیں اور اس کا حل چاہتے ہیں۔

چونکہ عام اور معروف طریقوں سے اس قضیہ کا فیصلہ ممکن نہ تھا اور دوسری طرف اس کشمکش کے جاری رہنے سے ممکن تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو جاتا؛ لہٰذا جیسا کہ آپ ان آنے والی اَبحاث میں پڑھیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام پروردگار سے مدد لے کر اِعجاز کے راستے اس مشکل کو کیونکر حل کرتے ہیں۔

قرآن نے فرمایا: ''یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا (قاتل کو تلاش کرنے کے لیے) پہلی گائے (جو تمہیں مل جائے اس) کو ذبح کرو''۔

اور اس ذبح شدہ گائے کا ایک حصہ اس مقتول کے جسم پر لگاؤ جس کا قاتل معلوم نہیں ہے؛ تا کہ وہ زندہ ہو جائے اور اپنے قاتل کو بتائے۔

انہوں نے بطور تعجب کہا: ''کیا تم ہم سے تمسخر کرتے ہو؟''۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا: ''میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں''۔

یعنی استہزا اور تمسخر کرنا نادان اَفراد اور جاہل اَفراد کا کام ہے، اور خدا کا رسول یقیناً ایسا نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کے اعتراضات: اس کے بعد انہیں اطمینان ہو گیا کہ یہ اِستہزا مذاق نہیں بلکہ سنجیدہ گفتگو ہے، تو کہنے لگے: اب اگر ایسا ہی ہے تو اپنے پروردگار سے کہیے وہ ہمارے لیے مشخص و معین کرے کہ وہ گائے کس قسم کی ہو؟۔

بہرحال! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

خدا فرماتا ہے: ایسی گائے ہو جو نہ بہت بوڑھی ہو کہ بے کار ہو چکی ہو اور نہ ہی جوان، بلکہ ان کے درمیان ہو۔

اس مقصد سے کہ وہ اس سے زیادہ اس مسئلے کو طول نہ دیں اور بہانہ تراشی سے حکم خدا میں تاخیر نہ کریں، اپنے کلام کے آخر میں مزید کہا: جو تمہیں حکم دیا گیا ہے (جتنی جلدی ہو سکے) اسے انجام دو۔

لیکن انہوں نے پھر بھی زیادہ باتیں بنانے اور ڈھٹائی دکھانے سے ہاتھ نہیں اٹھایا اور کہنے لگے: اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے واضح کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟۔

موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا: وہ گائے ساری کی ساری زرد رنگ کی ہو جس کا رنگ دیکھنے والوں کو بھلا لگے۔

خلاصہ یہ کہ وہ گائے مکمل طور پر خوش رنگ اور چمکیلی ہو۔ایسی دیدہ زیب کہ دیکھنے والوں کو تعجب میں ڈال دے!۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور اس طرح ہر مرتبہ بہانہ جوئی سے کام لے کر اپنے آپ کو اور مشکل میں ڈالتے چلے گئے۔

پھر کہنے لگے اپنے پروردگار سے کہیے کہ ہمیں واضح کرے کہ یہ گائے (کام کرنے کے لحاظ سے) کیسی ہونی چاہیے؛ کیونکہ یہ گائے ہمارے لیے مبہم ہوگئی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر سے کہا: خدا فرماتا ہے وہ ایسی گائے ہو جو اتنی سدھائی ہوئی نہ ہو کہ زمین جوتے اور کھیت سینچے، ہر عیب سے پاک ہو؛ حتی کہ اس میں کسی قسم کا دوسرا رنگ نہ ہو۔

اب جب کہ بہانہ سازی کے لیے اُن کے پاس کوئی سوال باقی نہ تھا جتنے سوالات وہ کرسکتے تھے سب ختم ہوگئے تو کہنے لگے: اب آپ نے حق بات کہی ہے، پھر جس طرح ہوسکا انہوں نے وہ گائے مہیا کی اور اسے ذبح کیا؛ لیکن دراصل وہ یہ کام کرنا نہیں چاہتے تھے۔

پھر ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک حصہ مقتول پر مارو؛ تاکہ وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا تعارف کرائے۔

بنی اسرائیل نے ان خصوصیات کی گائے تلاش کی اور اس کو ذبح کیا اور اس کا خون مقتول کے جسم پر لگایا تو وہ زندہ ہوگیا اور اپنے قاتل (جو اس کا چچازاد بھائی تھا) شناخت کرادی۔

باپ سے نیکی کا صلہ : اس قسم کی گائے اس علاقے میں ایک ہی تھی، بنی اسرائیل نے اسے بہت مہنگے داموں خریدا۔ کہا جاتا ہے کہ اس گائے کا مالک ایک انتہائی نیک شخص تھا جو اپنے باپ کا بہت احترام کرتا اور جی جان سے اس کی خدمت کیا کرتا تھا۔

ایک دن جب اس کا باپ سویا ہوا تھا اسے ایک نہایت نفع بخش معاملہ درپیش آیا، صندوق کی چابی اس کے باپ کے پاس تھی؛ لیکن اس خیال سے کہ تکلیف اور بے آرام نہ ہو اس نے اسے بیدار نہ کیا اور اس معاملے سے صرف نظر کرلیا۔

بعض مفسرین کے نزدیک بیچنے والا ایک جنس ستر ہزار میں اس شرط پر بیچنے کو تیار تھا کہ قیمت فوراً اَدا کی جائے اور قیمت کی ادائیگی اس بات پر موقوف تھی کہ خریدنے کے لیے اپنے باپ کو بیدار کرکے صندوقوں کی چابیاں اس سے حاصل کرے، وہ ستر ہزار میں خریدنے کو تیار تھا لیکن نوجوان کہتا تھا کہ قیمت باپ کے بیدار ہونے پر ہی دوں گا۔ خلاصہ یہ کہ سودا نہ ہوسکا۔ خداوند عالم نے اس نقصان اور کمی کو اس طرح پورا کیا کہ اس جوان کے لیے گائے کی فروخت کا یہ نفع بخش موقع فراہم کیا۔

بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ باپ بیدار ہوا تو اسے واقعہ سے آگاہی ہوئی۔ تو اس نیکی کی وجہ سے اس نے وہ گائے اپنے بیٹے کو بخش دی اور اس طرح اسے یہ بے پناہ نفع میسر آیا۔(۱)

اَصحابِ کہف

کھلے میدان میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ دو آدمی لکڑی کے ستونوں سے بندھے تھے۔ پاس ہی ایک تخت پر بادشاہِ وقت بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک مغرور اور بے رحم شخص ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور لوگ خاموش ہوگئے۔ اسے سونے کے ایک پلیٹ میں کچھ پتھر پیش کیے گئے۔ اس نے ایک پتھر اٹھایا، نفرت سے قیدیوں کی طرف دیکھا اور زور سے اُن کو دے مارا۔

یہ دیکھنا تھا کہ ہجوم میں اچانک شور بلند ہوا۔ ایک کونے سے 'چاند دیوی کی جے' کا نعرہ بلند ہوا اور ہر شخص زمین پر پڑے پتھر اٹھا اٹھا کر قیدیوں کو مارنے لگا۔ قیدیوں نے بہت شور مچایا لیکن ان کی

(۱) اس واقعے کی تفصیل دیکھنے کے لیے تفسیر و تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں، چوں کہ اس واقعے کا یک گونہ تعلق ایک نوجوان سے بنتا ہے؛ سو جہاں تک اس کی تلخیص ممکن ہوسکی کرکے ہم نے آپ کے سامنے پیش کردی ہے۔ -چڑیا کوٹی-

آہیں بے رحم لوگوں کے نعروں میں دب کر رہ گئیں۔ پتھروں کی بوچھاڑ اس قدر تیز تھی کہ کچھ ہی دیر میں اُن کے کپڑے پھٹ گئے اور جگہ جگہ سے خون رسنے لگا۔

یہ پتھر اس وقت تک برستے رہے جب تک ان کے جسم حرکت کرنا بند نہیں ہو گئے۔ انہیں اس لیے شہید کیا گیا تھا کہ وہ چاند دیوی کی پوجا کی بجائے ایک اللہ کی عبادت یعنی توحید کو اپنا مذہب مانتے تھے۔

اگلے روز بادشاہ کے دربار میں چند نوجوانوں کو پیش کیا گیا۔ ظالم بادشاہ نے ان سے گرج دار انداز میں پوچھا :

تم ہی وہ لوگ ہو جنھوں نے چاند دیوی کی پوجا چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت شروع کر دی ہے؟۔

ایک نوجوان بولا: بے شک ہم ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے!۔

خاموش رہو گستاخ! تم نے ان کا انجام نہیں دیکھا، جنہیں کل سنگسار کر دیا گیا تھا؟۔

ہمیں دس مرتبہ بھی سنگسار کیا جائے تو بھی ہم اللہ کی عبادت نہیں چھوڑیں گے!۔

بادشاہ نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا اگر پتھر کھانا اتنا ہی آسان لگتا ہے تو ہمارے پاس تمہارے لیے اور سزا بھی ہے۔ قریب تھا کہ بادشاہ ان نوجوانوں کے لیے کسی سخت سزا کا اعلان کرتا دربار میں ایک آواز بلند ہوئی: یہ ابھی ناسمجھ ہیں انہیں سوچنے کا موقع دیا جائے شاید یہ خود ہی اللہ کا نام لینا بند کر دیں۔

بادشاہ نے کچھ سوچتے ہوئے اعلان کیا: ٹھیک ہے، انہیں تین دن کی مہلت دی جاتی ہے تاکہ یہ خوب سوچ سمجھ لیں۔

تین دن ابھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ رات کے اندھیرے میں شہر سے چند نوجوان نکلے اور پہاڑوں کی طرف چل دیے۔ یہ وہی نوجوان تھے جنہیں مہلت دی گئی تھی۔ انہوں نے اپنا ایمان بچانے کے لیے شہر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ بار بار مڑ کر دیکھتے کہ کوئی ان کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔

کچھ دور جا کر انہیں ایسا لگا جیسے کوئی اُن کے پیچھے آ رہا ہو۔ وہ ڈر گئے۔ ایک نوجوان بولا: یہ کوئی کتا معلوم ہوتا ہے۔

دوسرے نے کہا: بھگاؤ اسے، ورنہ بھونک بھونک کر تنگ کرے گا اور شہر والوں کو بھی جگائے گا۔ انہوں نے چند پتھر اٹھا کر کتے کی طرف پھینکے؛ لیکن اس پر کوئی اَثر نہ ہوا، وہ ان کے پیچھے آتا رہا۔ ایک پتھر اسے لگا بھی لیکن اس کے منہ سے ذرا سی آواز بھی نہ نکلی۔

ایک نوجوان بولا: لگتا ہے یہ ہمیں تنگ نہیں کرے گا۔ چلو رہنے دو اِسے، آنے دو پیچھے۔ وہ یونہی آگے بڑھتے رہے۔ ان کی منزل پہاڑوں کے اندر ایک غار تھی جو چاروں طرف سے بڑی بڑی چٹانوں میں گھرا ہوا تھا۔ غار اندر سے خاصا کھلا تھا۔ نوجوانوں نے بادشاہ سے چھپنے کے لیے بڑی اچھی جگہ کا اِنتخاب کیا تھا۔

وہ سب آرام کرنے کے لیے غار کے اندر چلے گئے۔ پیچھے آنے والا کتا باہر ہی بیٹھ گیا۔ نوجوان سمجھ گئے کہ وہ ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ وہ یہ سوچ کر خوش ہو رہے تھے کہ ظالم بادشاہ کے ڈر سے انہیں اپنا مذہب نہیں چھوڑنا پڑا تھا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ غار کے فرش پر لیٹ گئے۔

دوسری طرف صبح جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ سب نوجوان بھاگ نکلے ہیں تو اسے سخت غصہ آیا۔ ان کی تلاش میں اس نے اپنے سپاہی چاروں طرف دوڑا دیے؛ لیکن نوجوان اب اس کے ہاتھ کہاں آنے والے تھے، ان کی مدد اللہ تعالیٰ جو کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے ان بندوں کی مدد کرتا ہے جو اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

نوجوانوں کی حفاظت کی خاطر غار کے باہر کتا اللہ تعالی کے حکم سے بیٹھا تھا۔ بادشاہ کے سپاہی نوجوانوں کی تلاش کرتے جب غار کی طرف آئے تو کتے کو دیکھ کر انہیں پاس جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ انہوں نے کچھ فاصلے ہی سے غار میں جھانکنے کی کوشش کی؛ لیکن اندھیرا بہت تھا اس لیے انہیں کچھ دکھائی نہیں دیا۔

وقت یونہی گزرتا رہا، کئی سال بیت گئے۔ غار والے نوجوان اسی طرح سوتے رہے۔ آخر کار وہ بادشاہ مر گیا جس کے ظلم سے بچنے کے لیے نوجوان شہر سے بھاگے تھے۔ اس کے بعد کئی

اور بادشاہ گزرے، یہاں تک کہ ایک ایسا حکمران آیا جو نہایت نیک اور رحم دل تھا اور ایک خدا کو ماننے اور اس کی عبادت کرنے والا تھا۔

لوگ بھی اب ایک خدا کی عبادت کرتے تھے؛ کیونکہ رومی سلطنت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی تھی؛ مگر اس ملک میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اللہ کو مانتے تھے؛ لیکن قیامت کے دن اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ کہتے کہ جنت و دوزخ سب فرضی قصے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ مرے ہوئے دوبارہ زندہ ہوں!۔

بادشاہ اور اس کے ساتھی ان لوگوں کو بہت سمجھاتے؛ لیکن بات ان کی سمجھ میں نہ آتی۔ وہ کہتے کہ ہمیں قیامت کے آنے کا ثبوت چاہیے۔ جب بادشاہ ایسی باتیں سنتا تو خدا سے دعا کرتا: اے اللہ کوئی ایسی نشانی دکھلا، جس کے بعد کسی کو بھی قیامت کے دن سے انکار کرنے کی جرأت نہ ہو۔

اور پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ غار والے نوجوان نیند سے اُٹھ بیٹھے۔ ایک نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا: بھائیو! کتنی دیر سوئے رہے؟۔

یہی کوئی چھ سات گھنٹے۔ دوسرے نے جواب دیا۔

مجھے تو بہت بھوک لگی ہے۔ تیسرا بولا۔

ایک نے کہا: بھوک تو مجھے بھی لگی ہے۔ اچھا رکو میں کھانے کا کچھ بندوبست کرتا ہوں۔

ایک اور بولا احتیاط سے جانا، بادشاہ کے سپاہیوں نے دیکھ لیا تو بہت برا ہوگا۔ پکڑے گئے تو وہ ہمیں چاند دیوی کے آگے جھکنے پر مجبور کر دیں گے؛ ورنہ سنگسار کر دیں گے۔

خاصی سوچ بچار کے بعد ایک ساتھی نے بھیس بدلا اور کھانا لانے قریبی بستی کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے روٹی خریدنے کے لیے ایک دکاندار کو چند سکے دیے۔ دکاندار اسے دیکھ کر بولا یہ تمہارے پاس کہاں سے آئے؟۔

اس نے کہا: کیا مطلب ہے آپ کا؟ بھائی! یہ سکے میرے ہیں۔

دکاندار کو شک گزرا۔ اس نے سوچا، ہو نہ ہو، نوجوان کو برسوں پرانا خزانہ مل گیا ہے۔ اس

نے شور مچا کر لوگوں کو اکٹھا کر لیا۔ نوجوان نے بتایا کہ اسے کوئی خزانہ نہیں ملا؛ لیکن انہیں یقین نہ آیا۔ وہ اسے لے کر بادشاہ کے دربار کی طرف چل دیے۔

راستے میں نوجوان نے بہت سی چیزوں پر غور کیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے اور ان لوگوں کے لباس میں بہت فرق ہے۔ اس بات پر تو وہ بہت ہی حیران ہوا کہ جب اس نے ظالم بادشاہ کا ذکر کیا تو سب اسے برا بھلا کہنے لگے۔ وہ اس بات پر بھی حیران تھا کہ غار کے باہر پہرہ دینے والا کتا غائب تھا اور اس کی جگہ اسے کچھ ہڈیاں پڑی ملی تھیں۔ اصل بات اَب اسے سمجھ میں آنے لگی تھی۔ جلد ہی وہ لوگ بادشاہ کے دربار میں تھے۔

بادشاہ کے مختلف سوالوں کے جواب میں اُس نے انہیں صاف بات بتائی کہ جب ظالم بادشاہ نے انہیں اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کیا تو وہ بھاگ کر غار تک جا پہنچے، جہاں ان کی آنکھ لگ گئی۔ دربار میں موجود تمام لوگ حیرت سے نوجوان کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس کی باتوں پر یقین کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ تمام باتیں بادشاہ کو بتانے کے بعد نوجوان نے اجازت چاہی۔

وہ واپس اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور سارا قصہ انہیں کہہ سنایا۔ کھانا کھانے کے بعد انہیں پھر نیند آ گئی اور وہ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ دوسری جانب نوجوانوں کی باتوں کی سچائی جاننے کے لیے بادشاہ چند سپاہیوں کے ہمراہ نوجوانوں کے غار کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ جب غار میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ سب کے سب سوئے پڑے ہیں۔ ان میں وہ نوجوان بھی تھا جو شہر سے کھانا لینے آیا تھا۔ بادشاہ کے حکم پر جب سپاہیوں نے اسے جگانا چاہا تو پتا چلا کہ وہ سب فوت ہو چکے تھے۔

یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پورے علاقے میں پھیل گئی۔ ان لوگوں کو بھی پتہ چل گیا جنہوں نے قیامت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کا یہ شک دور ہو گیا تھا کہ مرنے کے بعد وہ کس طرح زندہ کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے سینکڑوں برس سے سوئے ہوئے نوجوانوں کو دوبارہ اٹھا دیا تھا۔

ادھر آخرت کو ماننے والے بادشاہ اور اس کے ساتھی بہت خوش تھے کہ خدا نے غار والے نوجوانوں کو دوبارا اٹھا دیا تھا؛ اسی طرح وہ جب چاہے مردوں کو دوبارہ زندہ فرما دے۔ دراصل

اللہ نے نیک اور رحم دل بادشاہ کی دعا قبول کر لی تھی۔

قرآن مجید نے اس واقعے کا خلاصہ سورۂ کہف میں بیان کیا ہے۔اس سے قرین قیاس یہی ہوتا ہے کہ ان کی تعداد سات تھی؛ لیکن قرآن نے قصے سے سبق حاصل کرنے کے بجائے اس کی غیر ضروری تفصیلات کے پیچھے بھاگنے والوں پر تنقید کی ہے؛ اس لیے ہم نے ایسی اِضافی معلومات دینے سے خود گریز کیا ہے۔

اس قصے کو بیان کرنے کا پس منظر یہ ہے کہ کفار مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتحان لینے کے لیے اہل کتاب کے بعد آپ سے تین سوال پوچھے: اوّلا اصحاب کہف کون تھے؟ دوم قصہ خضر کی حقیقت کیا ہے؟؟۔سوم ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟؟؟۔

غالب گمان یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے ذوالقرنین اور واقعہ خضر کا سوال یہودیوں کے مشورے سے پوچھا اور اصحاب کہف کا سوال مسیحیوں کی تجویز پر پوچھا۔ان تینوں قصوں کے متعلق عرب کے لوگ کچھ بھی معلومات نہیں رکھتے تھے۔مشرکین کو یقین تھا کہ حضور علیہ السلام ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکیں گے؛ لیکن آپ پر وحی کے ذریعے سے جو کچھ نازل ہوا وہ کئی پہلوؤں سے آپ کی نبوت کو معجزاتی طور پر ثابت کر رہا تھا۔

پہلی بات یہ کہ یہ وہ دور تھا جب صحابۂ کرام پر کفارِ مکہ کی سختیاں عروج پر تھیں؛ چنانچہ اس واقعے کے جواب میں اللہ تعالیٰ پر بالواسطہ ایمان لانے والے صحابہ کو اپنی مدد کی یقین دہانی دلائی کہ جس طرح اصحاب کہف کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حفظ وامان میں رکھا اور ان کو ظالموں سے نجات ملی، ایسے ہی اللہ ان کا ایمان اور جان دونوں سلامت رکھے گا۔

اسی داستان میں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بھی بشارت دے دی کہ جس طرح ظالم بادشاہ دقیانوس کا خاتمہ ہوا تھا۔اسی طرح ان ظالم مشرکین مکہ کا خاتمہ بھی قریب ہے اور تبدیلی اس طرح آناًفاناً آئے گی کہ اصحاب کہف کی طرح تم لوگ بھی حیران رہ جاؤ گے!۔

تیسری بات یہ کہ یہ احمق مشرکین مکہ آخرت اور حیات بعد الموت کے منکر ہیں؛ لیکن انہوں نے ہمارے پیغمبر سے جو سوال پوچھا ہے اس کے جواب سے تو یہی ثابت ہوتا ہے اللہ اس دنیا میں بھی مرنے کے بعد اٹھا سکتا ہے اور اس کے لیے یہ کام چنداں مشکل نہیں۔لیکن یہ احمق تو

قیامت کو اٹھائے جانے پر معترض ہو رہے ہیں۔

یوں یہ واقعہ ہر ہر پہلو سے الٹا کفار کے جھوٹ اور پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کا ثبوت بن گیا۔اس واقعے کا اس دور میں معجزہ ہونا اس وقت ظاہر ہوا جب ترکی کے شہر کسادسی سے 18 کلومیٹر دور کھنڈرات دریافت ہوئے۔

1928-1927ء میں دریافت ہونے والے ان کھنڈرات میں اصحاب کہف کے غاروں کو دریافت کرلیا گیا اور آج ترکی میں جانے والے سیاح اُن غاروں کی سیر کرکے اپنے ایمان وعقیدہ کو تازہ کرتے ہیں۔

آج بھی ہو جو براہیم سا اِیماں پیدا

حضرت اِبراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام عین شباب کے عالم میں ہیں،قوم کو دعوتِ حق دینے میں سعی مسلسل کیے جارہے ہیں۔لیکن جب آپ کے اپنے چچا آزر نے ہی آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو آپ کو بڑا دکھ ہوا۔آپ تو اسے بھلائی کی راہ دکھانا چاہتے تھے لیکن وہ نہ مانا۔آپ اسے صراطِ مستقیم پر گامزن دیکھنے کے متمنی تھے لیکن بے سود۔چچا کی بے رخی اور ترش روئی انھیں دعوت الی الحق سے باز نہ رکھ سکی۔وہ برابر قوم کو شرک اور بت پرستی سے روکتے رہے۔دل میں یہ تہیہ کرلیا کہ وہ ان عقائد فاسدہ کو مٹا کر دم لیں گے،اس راہ میں چاہے انھیں کتنی یہ تکلیفیں اٹھانا پڑیں اور کتنے ہی کلفتوں کے پل عبور کرنے پڑیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام روشن خیال اور ذہین وفطین شخص تھے۔آپ نے فوراً محسوس کرلیا کہ لفظی دلیلیں اور زبانی کٹ حجتی کتنی ہی واضح اور قاطع کیوں نہ ہوں اِس بنجر زمین میں بھلائی کی فصل کا سبب نہیں بن سکتیں۔اس لیے سوچا کیوں نہ انھیں اندر جھانکنے کا اِہتمام کیا جائے اور انھیں اپنے عقیدوں پر سوچنے کا موقع فراہم کیا جائے اور انھیں کسی طریقے سے دعوتِ فکر دی جائے کہ میری تبلیغ کا مقصد اور مدعا کیا ہے،ہوسکتا ہے وہ اس طریقے سے سیدھی راہ پر آجائیں اور ہٹ دھرمی اور سرکشی کی راہ چھوڑ دیں۔

اب دیکھیے کہ وہ کس طرح مشرکین سے مباحثہ اور مناظرہ کے رنگ میں بات چیت کرتے ہیں۔ آپ ان سے پوچھتے ہیں: تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ مشرکین اپنے بتوں کے بارے میں بتاتے ہیں اور تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں، اور بڑے خوش ہوکر احترام اور تعظیم کے جذبوں کو یکجا کرکے کہتے ہیں: ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور انہی کے سامنے جھکتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا سوال اِلہامی تھا۔ اس گفتگو میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق ان کے شامل حال تھی۔ وہ ایک قاضی تھے جو مجرم سے اِعترافِ جرم کی کوشش کرتا ہے اور اسے گناہ کے اِرتکاب کے اُقدار پر ابھارتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اسی لیے تو ان کا گھیرا تنگ کر رہے تھے، اور صرف اسی نکتہ پر باری باری سوال اُٹھا رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب انھیں یقین ہوجائے گا کہ ہمارا عقیدہ بالکل بودا ہے، اور اس کی بنیادیں تو بالکل کمزور ہیں اور یہ بت پرستی محض ایک دھوکہ ہے تو پھر وہ اپنی دلیل سے انھیں حقیقت سے روشناس کرائیں گے۔ پھر ان کے لیے اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوگا، اور انھیں لامحالہ بت پرستی سے باز آنا ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بار پھر ان کی طرف پلٹتے ہیں، اور ان کے غلط عقائد اور فاسد خیالات کو باطل قرار دے دیتے ہیں۔ سوال کرتے ہیں کہ جب تم ان کی عبادت کرتے ہو تو کیا یہ تمہارے حمدیہ اور دعائیہ کلمات سن رہے ہوتے ہیں؟ کیا جب تم ان کی اطاعت وفرماں برداری کے لیے ان کے بت خانوں میں جاتے ہو تو یہ تمہیں دیکھ لیتے ہیں؟؟ کیا ان میں نفع ونقصان کی طاقت ہے بھی؟؟؟۔

اندھی تقلید بھی کیا بری چیز ہے؟ یہ دام فریب بھی کس قدر ہلاکت خیز ہے کہ انسان اپنے آباوٴاجداد کی پیروی میں حقیقتوں کو بھلادے، اور کفر وبت پرستی جیسا گھناوٴنا جرم کرنے لگے۔ یہ شیطان، ظالم اور فریبی ہے۔ اس نے اہل بابل کو بھی بت پرستی میں گرفتار کر رکھا تھا اور مورتیوں کی عبادت ان کے دلوں میں نقش کردی تھی۔ وہ ان بے جان پتھروں کے سامنے سرخم کرتے اور انھیں اپنا کارساز یقین کرتے۔ وہ کتنے کور چشم تھے کہ اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کو خدا سمجھ بیٹھے تھے؛ بلکہ وہ اس مذہب کی معاونت پر کمربستہ تھے اور اہل حق سے جھگڑتے تھے، ان کی یہ بات کتنی بے معنی اور مضحکہ خیز تھی کہ :

وَجَدْنَا اٰبَاءَ نَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ (سورۂ انبیا:۲۱/۵۳)

ہم نے اپنے باپ (داداؤں) کو انھیں کا پجاری پایا ہے۔

انھیں اِعتراف تھا کہ یہ بت دعا کرنے والے کی آواز نہیں سنتے اور کسی کو نفع اور نقصان نہیں دے سکتے۔ انھیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں تھا کہ ان کے مذہب کی اگر کوئی بنیاد ہے تو صرف یہ کہ انھوں نے اپنے آباو اَجداد کو بت پرستی کرتے دیکھا ہے۔ محض پہلے لوگوں کا عمل اور ان کے نظریات ہی اس عمل کی اَساس ہیں؛ چوں کہ وہ اسلاف کی اندھی تقلید کرتے تھے اوران کے نظریات اور عقائد کے خلاف سوچنا ان کی عزت وتکریم کے منافی سمجھتے تھے؛ اس لیے ان کی فکر بانجھ اوران کی سوچیں اپاہج ہوکر رہ گئی تھیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :

لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَاٰبَاءُ كُمْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سورۂ انبیا:۲۱/۵۴)

بلاشبہ تم بھی اور تمہارے باپ داد بھی کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ہو۔

جھٹ بول اُٹھے، ابراہیم تو ہمارے بتوں کی تنقیص شان کر رہا ہے، اور انھیں گالیاں دے رہا ہے۔ کیا واقعی تیرا یہی نظریہ ہے؟، یا تو خوش طبعی کی باتیں کر رہا ہے؟؟۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں یہ باتیں مذاقاً نہیں کر رہا بلکہ میں سنجیدگی سے ان کی خدائی کا اِنکار کر رہا ہوں۔ میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا دین قویم لے آیا ہوں۔ میں تمہاری ہدایت کی ذمہ داری لے کر اللہ کا رسول بن کر حاضر ہوا ہوں۔ میں حق وصداقت کا پیامبر ہوں۔ عبادت کے لائق صرف وہ خدا ہے جو زمین اور آسمانوں کو وجود بخشنے والا ہے۔ وہ جو دنیا و مافیہا کے اُمور کی تدبیر کر رہا ہے اور کائنات کا اِنتظام و اِنصرام فرما رہا ہے۔ یہ بت جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تو اپنے نفع ونقصان کے بھی مالک نہیں۔ یہ گونگے پتھر ہیں، حقیر لکڑی کے ٹکڑے ہیں، تم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔ ان کے سامنے ماتھا رگڑنے سے باز آجاؤ۔ شیطان کی چالوں میں اور اس کے دھوکے میں نہ آؤ۔ کچھ تو عقل سے کام لو، اپنی آنکھوں کو ذرا وا کرو، ہوسکتا ہے حقیقت تم پر عیاں ہو جائے۔

لو! سب سے پہلے میں ان کی عبادت سے دست کش ہو چکا ہوں۔ دیکھو! میں نے تم سے

پہلے ان سے تعلق توڑ لیا ہے۔ اگر ان میں نقصان پہنچانے کی قدرت ہوتی تو سب سے پہلے یہ میری گردن مروڑتے۔ اگر انھیں کچھ بھی اِحساس ہوتا تو مجھ سے ساری نعمتیں واپس لے لیتے۔

پھر آپ نے خوبصورت انداز میں اللہ کی صنعت گری اور قدرتِ کاملہ کو بیان فرمایا؛ تاکہ انھیں حقیقت حال سے آگاہی ہو اور انھیں پتا چل سکے کہ آپ کے اور ان کے عقائد میں کتنا فرق ہے۔ جس خدا کی بات آپ کرتے ہیں اور جن خداؤں کی پرستش وہ کر رہے ہیں دونوں میں کس قدر فرق اور امتیاز ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام کی دلیلوں نے اور ان کے وعظ ونصیحت نے انھیں فائدہ نہ دیا اور وہ راہ کا پتھر بنے رہے، دعوتِ حق سے اِعراض کرتے رہے اور ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے کان حق بات سننے سے بہرے ہو چکے ہیں۔ ان کے دلوں پر پردے پڑ چکے ہیں اور یہ توہم پرستی کو گلے سے لگائے بیٹھے ہیں اور بتوں کی پوجا کو سینے پر سجائے پھرتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے بتوں سے دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھان لی اور قسم اُٹھائی کہ وہ بتوں کا وہ حشر کریں گے کہ خود ان کے ماننے والے بھی کہیں گے کہ یہ نہ تو نقصان دے سکتے ہیں اور نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں؛ بلکہ وہ کہہ اُٹھیں گے کہ ان میں تو اتنی سی طاقت بھی نہیں کہ اپنے آپ کو نقصان سے بچا سکیں، جب وہ خود نقصان سے نہیں بچ سکتے تو اپنے پجاریوں کو کیا نقصان دیں گے۔ جب ان میں اتنی سکت نہیں تو ان کی عبادت ترک بھی کر دیں تو یہ کیا نقصان دیں گے۔ اور اگر ہم ان کی عبادت کرتے رہے اور خلوص سے ان کے حضور سرِ تسلیم خم کرتے رہے تو بھی یہ ہمیں کیا فائدہ دیں گے۔

اہل بابل ہر سال بتوں کا ایک تہوار بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے۔ وہ پورا دن شہر سے باہر گزار دیتے۔ کھیل تماشے ہوتے، مندروں میں بتوں کے سامنے انواع واقسام کے لذیذ کھانے ڈھیر کر دیے جاتے اور کھیل کود سے واپس آکر بتوں کے سامنے رکھا ہوا یہ کھانا تبرک سمجھ کر بڑی خوشی اور عقیدت سے کھاتے۔

عید کے روز جب آدمی شہر سے باہر جانے لگے تو انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

بھی دعوت دی کہ آؤ ہمارے ساتھ چلو۔ شہر سے باہر کھیلیں گے اور عید کی خوشیوں میں شریک ہوں گے، لیکن آپ علیہ السلام نے ان کے ساتھ جانے اور عید منانے سے انکار کر دیا؛ کیوں کہ آج وہ ان کے خداؤں کے محل کو منہدم کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے معبودوں کے عرش کو زمین بوس کرنا چاہتے تھے۔

آپ نے بیماری کا بہانہ بنایا اور کمزوری کی وجہ سے ساتھ نہ دینے سے معذرت کی؛ لیکن انھیں کوئی بخار نہ تھا، وہ بالکل بیمار نہ تھے، ہاں! آپ کی روح میں ایک درد تھا۔ آپ کا دل بہت پریشان تھا آپ کا جگر اپنی قوم کو شرک میں مبتلا دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا چاہتا تھا، وہ غم و غصے سے پھٹے جاتے تھے؛ کیوں کہ اپنوں نے ان کی ندا پر لبیک نہیں کہا تھا، اور ان کی نصیحت آموز دعوت کو پرِ کاہ کی حیثیت نہیں دی تھی۔

چوں کہ آرامی بیماریوں سے ڈرتے تھے اور وبا سے دور بھاگتے تھے؛ اس لیے ابراہیم کو چھوڑ دیا اور ساتھ لینے پر اِصرار نہ کیا۔ وہ آپ کے شہر ٹھہرنے پر راضی ہو گئے، معذرت قبول کر لی، اور خوشی خوشی عید منانے کے لیے شہر سے باہر چل دیے۔

'از' کا پورا شہر خالی ہو چکا تھا۔ مرد و زن، بوڑھے بچے سب عید منانے شہر سے باہر جا چکے تھے۔ بت خانہ بھی ویران و سنسان پڑا تھا۔ یہاں بھی کوئی پجاری، کوئی پروہت موجود نہیں تھا، تمام شہر سے باہر رنگ رلیوں میں مصروف تھے۔ اب ابراہیم علیہ السلام تھے اور یہ شہر اور بت خانہ تھا۔

جب فضا جاسوسوں سے خالی ہو گئی جو ہر وقت طاق میں رہتے تھے اور شہر میں ایک آنکھ بھی تاڑنے والی نہ رہ گئی تو ابراہیم علیہ السلام بتوں کی طرف گئے اور بڑے مندر میں داخل ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ پورا مندر مورتیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہر طرف بت ہی بت ہیں۔ ان کے سامنے ڈھیروں کھانا پڑا ہے۔ آپ نے نفرت اور حقارت کے لہجے میں پوچھا: کیا یہ کھانے نہیں کھاؤ گے؟ لیکن جواب میں صرف خاموشی تھی۔ ایک لفظ بھی بتوں کی زبان سے اَدا نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا: تم بولتے کیوں نہیں؟ وہ تو گھڑے ہوئے پتھر تھے، کیا جواب دیتے۔ تراشیدہ لکڑی کے ٹکڑے تھے انھیں کیا خبر کہ کوئی مخاطب ہے؟۔

آپ کسی بھی طریقے سے قوم کی جہالت اور تراشیدہ بتوں کی اصلیت کو واضح کرنا چاہتے تھے؛ اس لیے آپ نے مکوں اور پاؤں کی ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ یہ دراصل دینی حمیت تھی اور اللہ کے لیے غیظ وغضب کی انتہا تھی۔ کلہاڑا لے لیا اور ٹوٹ پڑے اور انھیں ریزہ ریزہ کرنے لگے۔ اس وقت تک کلہاڑا چلاتے رہے جب تک کہ سب بت نہ ٹوٹ چکے؛ لیکن بڑا بت ابھی تک سلامت تھا۔ آپ نے اسے نہ توڑا؛ تاکہ وہ واپس آکر اس سے پوچھ سکیں کہ بت شکنی کی جسارت کس نے کی ہے، کس نے معبد اعظم کی بے حرمتی کر کے اپنی بدبختی کو آواز دی ہے۔ درحقیقت ابراہیم علیہ السلام انھیں باور کرانا چاہتے تھے کہ بت بول نہیں سکتے اور نہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان میں تو اپنے آپ کو بچانے کی بھی طاقت نہیں۔ ان کا خیال تھا کہ شاید وہ راہِ راست پر آجائیں اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ اب معبد میں مورتیاں نہیں بلکہ لکڑی اور پتھر کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ آپ معبد سے باہر نکل آئے، بہت خوش تھے، دل میں سکون اور آنکھوں میں ٹھنڈک تھی؛ کیوں کہ آج انھوں نے آتش کدۂ شہر بجھا دیا تھا اور شرک وبت پرستی کی بنیادیں اکھیڑ ڈالی تھیں۔ گھر جا کر بیٹھ گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ انتظار کرنے لگے کہ کیا ردِعمل کا اظہار ہوتا ہے۔ تیر نشانے پر لگتا ہے یا پوری قوم کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دن گزر چکا۔ لوگ واپس شہر میں پہنچ گئے۔ جب بتوں کی بپتا اپنی آنکھوں سے دیکھی تو سکتے میں آگئے، اور پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ تمام مورتیاں ٹوٹ چکی تھیں، تمام بت بکھرے پڑے تھے۔ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ بدتمیزی کس نے کی ہے؟ وہ تو یقیناً بڑا ظالم شخص ہے۔

ایک شخص نے بتایا، سنا ہے ابراہیم نامی ایک نوجوان ہمارے بتوں پر تنقید کرتا ہے اور ان کی عبادت کے خلاف ہے۔ ہو نہ ہو یہ جسارت اسی نے کی ہوگی، اور اسی نے یہ بت توڑے ہوں گے۔

جب انھیں پتا چلا کہ ان کے خداؤں پر دست تطاول کس نے بلند کیا ہے اور ان کے

معبودوں کو کس نے توڑا ہے تو قرارداد پاس کی کہ اس شخص کو اتنی ہی بڑی سزا دی جائے گی جتنے بڑے جرم کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔ پوری قوم غیظ وغضب سے بھڑک اُٹھی اور چیخ چیخ کر مطالبہ کرنے لگے کہ ایسے بت شکن پر سرعام مقدمہ چلایا جائے اور پوچھا جائے کہ اس نے یہ جسارت کیوں کی ہے؛ تاکہ جرم ثابت ہونے کی صورت میں اس سے قصاص لیا جاسکے۔

حضرت ابراہیم بھی تو یہی چاہتے تھے کہ پوری قوم کسی ایک جگہ اکٹھی ہوتا کہ وہ ان تمام کے غلط عقیدے پر دلیل قائم کرسکیں اوران کی بت پرستی کے باطل ہونے کی شہادت دے سکیں۔ لوگ جوق درجوق ایک میدان میں اکٹھے ہونے لگے اور یہ اجتماع لحہ بہ لحہ بڑھتا چلا گیا۔ ہر شخص ابراہیم سے قصاص لینے پر تلا ہوا تھا۔ ہر شخص کی یہ دلی تمنا تھی کہ اس بت شکن کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔ مردوزن کی زبان پر یہی بات تھی کہ ایسے مجرم کو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سخت سزا دی جائے؛ کیوں کہ انتقام کی آگ کو بجھانے کا صرف یہی طریقہ تھا۔ اسی میں ان کے دلوں کا سکون تھا اور یہی ان کا مطمع نظر تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر اس مجمع عام میں لاکر کھڑا کردیا گیا، اور لوگوں کے سامنے ان پر جرح شروع کردی گئی۔ یہ سب لوگ ابراہیم کے دشمن تھے۔ تمام کے دلوں میں نفرتوں اور عداوتوں کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ آپ پر سوال ہوا: اے ابراہیم! ہمارے بتوں کے حضور یہ جسارت آپ نے کی ہے؟۔

اسی وقت کا تو آپ کو انتظار تھا۔ اسی منزل تک تو آپ پہنچنا چاہتے تھے۔ آپ نے ایک دوسرے رنگ میں بات کرنے کی ٹھان لی۔ انھیں گھیر کر ایک ایسے نقطے پر لے آئے جس پر حجت تمام ہوسکتی تھی، اور امید کی جاسکتی تھی کہ وہ اس مقام سے نہیں بھاگ سکیں گے اور ضرور راہِ راست کو پلٹ آئیں گے۔ آپ نے فرمایا:

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُوْنَ٥ (سورۂ انبیا:۲۱/۶۳)

بلکہ ان اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی۔ سوان سے پوچھو، اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں۔

کیا غضب کی دلیل تھی۔ اس دلیل نے انھیں چونکا دیا اور غفلت اور بے خبری کی نیند سے انھیں جگا کر ان کی آنکھیں کھول دیں۔ وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا۔ ہم بھی کتنے ظالم ہیں کہ ان خداؤں کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے، نہ کوئی پہرے دار تھا اور نہ کوئی رکھوالا۔

پھر حیران و ششدر ساکت و صامت اپنے سروں کو جھکائے غور کرنے لگے اور جامد ذہنی قوتوں کو کام میں لاکر سوچ بچار کرنے لگے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اے ابراہیم! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بت کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتے، ان سے جواب کی توقع عبث ہے، تو پھر کیوں تو ہمیں ان سے پوچھنے کا کہتا ہے؟، اور ان سے گواہی کی بات کرتا ہے؟۔

گویا انھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کرلیا کہ ان میں یہ طاقت نہیں کہ انھیں اردگرد کے حالات کا علم ہو یا ان پر جو واقع ہو اس کا انھیں شعور ہو۔ گویا انھوں نے اپنی زبانوں سے کہہ دیا کہ اگر کوئی ان پر ظلم ڈھائے یا انھیں توڑ دے تو یہ اس بت شکن کا ہاتھ تک نہیں پکڑ سکتے۔

قوم نے سر جھکا کر کہا کہ اے ابراہیم! ہم ان خداؤں سے کیا اور کیسے پوچھیں؟ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یہ بت بول نہیں سکتے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جلال میں تڑپ کر فرمایا :

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لاَ يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلاَ يَضُرُّكُمْ، اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ o (سورۂ انبیا:۲۱/۶۶،۶۷)

(ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان (مورتیوں) کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

تف ہے تم پر (بھی) اور ان (بتوں) پر (بھی) جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟۔

آپ کی اس حق گوئی کا نعرہ سن کر قوم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ شور مچایا اور چلا چلا کر بت پرستوں کو بلایا، اور جوش میں آکر کہنے لگے :

حَرِّقُوهُ وَ انْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ٥ (سورۂ انبیا:۲۱/۶۸)

اِس کو جلا دو اور اپنے (تباہ حال) معبودوں کی مدد کرو اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو۔

چنانچہ ظالموں نے اتنا لمبا چوڑا آگ کا الاؤ جلایا کہ اس آگ کے شعلے اتنے بلند ہو رہے تھے کہ اس کے اوپر سے کوئی پرندہ بھی اُڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر آپ کو ننگے بدن کر کے اُن ظلم و ستم کے مجسّموں نے ایک گوپھن کے ذریعے اس آگ میں پھینک دیا اور اپنے اس خیال میں مگن تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جل کر راکھ ہو گئے ہوں گے؛ مگر احکم الحاکمین کا فرمان اس آگ کے لیے یہ صادر ہو گیا کہ :

يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ٥ (سورۂ انبیا:۲۱/۶۹)

اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہو جا۔

چنانچہ نتیجہ یہ ہوا جس کو قرآن نے اپنے قاہرانہ لہجے میں اِرشاد فرمایا کہ

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ٥ (سورۂ انبیا:۲۱/۷۰)

اور انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ بری چال کا اِرادہ کیا تھا مگر ہم نے انہیں بری طرح ناکام کر دیا۔

آگ بجھ گئی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ اور سلامت رہ کر نکل آئے اور ظالم لوگ کفِ افسوس مل کر رہ گئے۔

اِس واقعے سے اُن لوگوں کو دلی تسلی ملتی ہے جو باطل کی طاغوتی طاقتوں کے بالمقابل استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹ جاتے ہیں۔ اور اس قصے میں خصوصاً نوجوانوں کے لیے درسِ عبرت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِتنا عظیم کام اُس وقت انجام دیا تھا جب سارے اَعضا میں شباب کا لہو گردش کر رہا تھا۔ خدا ہمارے نوجوانوں کو بھی دینِ محمدی کے تحفظ و بقا کے لیے ایسی قربانیاں پیش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ؎

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا ☆ آگ کر سکتی ہے کہ اندازِ گلستاں پیدا[1]

(۱) قصص القرآن، من علماے ازہر الشریف: ۶۲ تا ۷۰۔

بات یوسف سے جوانِ رعنا کی!

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو'احسن القصص' یعنی تمام قصوں میں سب سے اچھا قصہ فرمایا ہے؛ اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مقدس زندگی کے اُتار چڑھاؤ میں اور رنج وراحت اور غم وسرور کے مدوجزر میں ہر ایک واقعہ بڑی بڑی عبرتوں اور نصیحتوں کے سامان اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے؛ اس لیے ہم اس قصہ عجیبہ کا خلاصہ ہم ذرا ادبی رنگ میں تحریر کرتے ہیں؛ تاکہ قارئین اِس سے عبرت حاصل کریں، نوجوان اُن کی بے غبار جوانی سے سبق لیں، اور خداوند قدوس کی قدرتوں کا مشاہدہ کریں۔

حضرت یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام کے بارہ بیٹے تھے، حضرت بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے، جب کہ باقی دوسری ماں سے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ اپنے باپ کے پیارے اور چہیتے تھے اور چونکہ اُن کی پیشانی پر نبوت کے نشان درخشاں تھے؛ اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام اُن کا بے حد اِکرام اور ان سے انتہائی محبت فرماتے تھے۔(۱)

ایک دن حضرت یوسف علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے، تو ان کے چہرے پر تبسم تھا، اور مارے خوشی کے بھولے نہیں سما رہے تھے؛ کیوں کہ انھوں نے آج بہت خوش کن اور خوبصورت خواب دیکھا تھا، وہ اسی حالت میں شاداں وفرحاں اپنے والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی: ابا جان! میں نے گزشتہ رات ایک خوبصورت خواب دیکھا ہے، اس خواب نے میرے دل کا ہر کونہ روشن کر دیا ہے اور میرا سینہ کھل اُٹھا ہے۔

رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَباً وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سٰجِدِيْنَ o

یعنی میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج و چاند میرا سجدہ کر رہے ہیں۔

(۱) عجائب القرآن، بحذف و اضافہ: ۱۷۴تا۱۷۸۔

خواب سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا اور پیشانی پر مسرت کا نور چھلکنے لگا، اور وہ مارے خوشی کے صرف اتنا کہہ سکے کہ اے بیٹے! یہ ایک سچا خواب ہے۔ یہ خواب ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اندر بڑی فضیلت رکھ دی ہے۔ اور اس پروردگار نے تیرے باپ ابراہیم و اسحٰق علیہما السلام کو جن فضیلتوں اور خصوصی نعمتوں سے نوازا تھا اسی فضل و احسان سے تجھے بھی نوازے گا۔

لیکن خبردار! اپنے بھائیوں کو اس خواب کی خبر نہ ہونے دینا؛ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ وہ تم سے حسد کرتے ہیں، اور تمہارے فضل و کمال کو دیکھ کر آپس میں کڑھتے ہیں، اور نجی محفلوں میں تیرے متعلق باتیں کرتے ہیں، لگتا ہے وہ تمہیں ناپسند کرتے ہیں؛ لہٰذا اگر تم نے ان سے اپنا یہ خواب بیان کر دیا تو ان کا کینہ بھڑک اٹھے گا، اور ان کے دلوں کی چھپی ہوئی نفرت ظاہر ہو جائے گی۔ اور مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں تمہارے خلاف کوئی سازش تیار نہ کر بیٹھیں۔ اگر وہ تمہارے خلاف کوئی قدم اٹھائیں گے تو شیطان یقیناً ان کی پشت پناہی کرے گا۔

یہ اس دور کی بات ہے جب یوسف علیہ السلام ابھی کوئی سات برس کے چھوٹے سے بچے تھے۔ آپ نہایت حسین و جمیل شخصیت کے مالک تھے۔ پیشانی سے فطانت کا نور ٹپکتا تھا۔ قد و قامت نہایت موزوں تھی۔ یوں سمجھئے کہ مرقعِ حسن و دلبری تھے۔

حضرت یوسف کی والدہ ماجدہ راحیل کا انتقال ہو چکا تھا۔ ابھی آپ اور آپ کے حقیقی بھائی بنیامین کی عمر بلوغت کو بھی نہیں پہنچی تھی کہ وہ داغِ مفارقت دے گئی تھیں۔ وہ ایسی عمر میں ان سے جدا ہو گئی تھیں جو عمر میں بچوں کو ایک ماں کے رحیم دل اور محبت سے لبریز سینے کی شدید ضرورت ہوتی ہے، اسی لیے حضرت یعقوب اپنے اِن دونوں بیٹوں یوسف اور بنیامین کو کچھ زیادہ ہی عزیز رکھتے تھے۔ پھر اس خواب نے یوسف کی محبت میں مزید گہرائی پیدا کر دی، اور ان کی توجہ سے پہلے سے زیادہ ان کی طرف مبذول ہو گئی۔

ان دونوں بھائیوں سے حضرت یعقوب کو جو محبت و شیفتگی تھی، اور ان کی نظر میں انھیں جو قدر و منزلت حاصل تھی وہ برادرانِ یوسف سے کہاں چھپی رہ سکتی تھی۔ اگر چہ حضرت یعقوب

اپنے تمام بچوں پر نظر شفقت فرماتے اور خصوصی توجہ اور دلی میلان کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے، لیکن وہ کہاں چھپنے والے! ؎

دلائل العشق لا تخفی علی أحــــد

کحامل المسک لا یخلو من العبق

یعنی عشق کے ہنگامے کسی سے مخفی نہیں رہ سکتے، جس طرح کہ عطا سے مہک نہ آئے، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اس تعلق خاطر کو دیکھ کر برادرانِ یوسف کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی، وہ اکٹھے ہوئے اور مشورہ کیا کہ اس سلسلے میں ہمیں کچھ کرنا چاہیے۔

ایک نے کہا تم دیکھتے نہیں کہ یوسف اور بنیامین والد گرامی کو ہم سے زیادہ عزیز ہیں، اور وہ انھیں ہم سے زیادہ قریب رکھتے ہیں، نامعلوم وہ ہمیں اس شدت سے کیوں نہیں چاہتے جس شدت سے ان دو بھائیوں کو چاہتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ان کی نظروں میں ہمارا وہ مقام نہیں جو یوسف اور بنیامین کا ہے۔ کیا ہم عمر میں ان سے بڑے نہیں ہیں؟ کیا ہم قوت، اور تجربے میں ان سے بڑھ کر نہیں ہیں؟ کیا ہم اپنے والد کی بھلائی نہیں چاہتے؟ کیا ہم نے کبھی ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی کی ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان دو بھائیوں کو ہم سے زیادہ چاہتے ہیں۔

دوسرے نے کہا: والد گرامی کے دل میں یوسف اور بنیامین کی محبت اس طرح پیوست ہوگئی ہے جس طرح ہتھیلی سے انگلیاں پیوست ہوتی ہیں۔ اگر ہم اس بحث میں پڑ گئے کہ والد گرامی انھیں کس لیے ہم پر ترجیح دیتے ہیں اور انھیں کس فضیلت اور شرف کی وجہ سے ہم سے زیادہ چاہتے ہیں تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے، اور ہمارا حق ہمیں نہیں ملے گا۔ محبت پر کوئی زور نہیں۔ یہ وہ معما ہے جسے نہ سمجھا جاسکتا ہے نہ سمجھایا جاسکتا ہے۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو اقلیم عقل پر حکومت کرتا ہے اور ایسا میلان ہے جو دلوں میں رقت پیدا کر دیتا ہے۔ جب تک یوسف ہمارے درمیان نظر آتا رہے گا تو وہ اور اس کا بھائی بنیامین والد گرامی کے دل پر چھائے رہیں گے، اور ہمارے لیے رکاوٹ بنے رہیں گے، اس لاعلاج مرض اور بے دریغ غم

کا صرف ایک ہی مداوا ہے کہ ہم یوسف کو ٹھکانے لگا دیں۔

اور اس کی بھی دو صورتیں ہیں، یا تو اسے قتل کر کے اس کا نام ونشان مٹا ڈالیں یا اسے کسی دور دراز جنگل میں چھوڑ آئیں تاکہ اسے کوئی جنگلی درندہ پھاڑ کھائے، یا صحرا کی ریت میں دب کر مر جائے۔صرف یہی صورت ہے کہ ہم یوسف سے جان چھڑا کر باپ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں، اور محبت پدری--جس سے آج تک محروم چلے آتے ہیں--اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔قتل ناحق گناہ سہی لیکن کوئی حرج نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ لیں گے اور بحمد اللہ ہم نیک اور صالح ہو جائیں گے اور اللہ ہمیں بخش دے گا۔

یہودہ جو اُن میں زیادہ سمجھ دار اور بردبار تھا، کہنے لگا: ہم اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں، ہمارا سلسلہ نسب حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل جیسی دولت اور دین حنیف جیسی نعمت سے نواز رکھا ہے، ایک بے گناہ شخص کا قتل دین اور عقل دونوں اعتبار سے حرام ہے۔

یوسف بے گناہ ہے، ابھی وہ معصوم بچہ ہے۔اس نے ہمارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ اس کا دامن گناہوں سے آلودہ نہیں وہ بے خطا ہے۔وہ نہایت ہی راست باز اور نیک ہے۔اگر تم اسے دور کرنے پر مصر ہو تو بیت المقدس کے نزدیک اس کنویں میں اسے پھینک دو جہاں سے دن رات قافلے گزرتے رہتے ہیں۔کوئی قافلہ اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے گا اور یوسف والد گرامی کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔اس سے ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور ہم قتل جیسے گھناؤنے جرم سے بھی بچ جائیں گے۔تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا، اور یہی طے پایا کہ یوسف کو القدس شریف کے نزدیک واقع کنویں میں ڈال دیا جائے۔

دوسرے دن صبح سویرے وہ اپنے والد گرامی کی خدمت میں گئے۔نفسانی خواہشات نے اس جرم کو اتنے حسین لبادہ میں پیش کیا تھا، اور شیطان مردود نے انھیں اس قدر دھوکے میں مبتلا کر کے اندھا کر دیا تھا کہ وہ سب کچھ بھول گئے اور سازش کو عملی جامہ پہنانے پر تل گئے۔

والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: ابا جان! یوسف کے سلسلے میں آپ

ہم پر اعتماد کیوں نہیں کرتے؟ وہ ہمارا بھائی ہے، ہمارے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔آپ کا لطف وکرم ہم تمام پر سایہ فگن ہے، اور ہم سب آپ کو دل سے عزیز ہیں۔آپ ہم پر اعتماد کریں، اور یوسف کو ہمارے ساتھ جانے دیں۔ہم کل شہر سے باہر سیر کر جانے والے ہیں، جہاں آسمان صاف دکھائی دے گا، سورج پوری آب وتاب سے چمک رہا ہوگا، لہلہاتے شاداب کھیت اور بڑھتے ہوئے گھنے سائے دعوتِ نظارہ دے رہے ہوں گے، ہم اکٹھے جائیں گے، بکریاں چرائیں گے، زمین تیار کریں گے اور یوسف ہمارے قریب کھیلے گا، کودے گا، اور کھلی فضا میں دوڑے بھاگے گا۔اس سے اس کے جسم میں قوت وتوانائی بھر جائے گی اور اس کا جسم پہلے سے کہیں زیادہ صحت مند وتوانا ہو جائے گا۔

اسے ایک مرتبہ جانے دیں، یقیناً وہ ہمارے ساتھ موج مستی کرے گا اور ماں کے مرنے کا غم کچھ ہلکا ہو جائے گا بلکہ بھول ہی جائے گا۔ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اس کی پوری خبر گیری کریں گے اور اس کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔ابا جان! اس کی طرف سے آپ بالکل مطمئن ہو جائیں، یہ ہمارا چھوٹا بھائی ہے، اور ہم اس کی حفاظت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہے۔اور یہ لوگ ضرور کوئی غلط قدم اُٹھانا چاہتے ہیں، اس لیے آپ ڈر گئے اور فرمایا: جب میں یوسف کو نظروں سے دور کرنے کا سوچتا ہوں تو نہ جانے کیوں مجھے اندیشے گھیر لیتے ہیں اور میرا دل پریشان ہو جاتا ہے۔میں جب سوچتا ہوں کہ یوسف میرے پروں کے نیچے سے نکل کر دور ہو رہا ہے یا میرے سائے سے الگ ہو رہا ہے تو میرا کلیجہ کانپ اُٹھتا ہے۔

مجھے ڈر ہے کہ اگر تم یوسف کو جنگل میں ساتھ لے گئے تو اچانک لاعلمی میں کوئی بھیڑیا اسے مار کر کھا جائے گا، تو پھر میرے لیے کیا بچے گا یہی نا کہ ہمیشہ کا غم، ایک مضطرب اور پریشان دل اور مرتے دم تک رونے والی آنکھیں۔

برادرانِ یوسف نے عرض کی: ابا جان! یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے یوسف کو بھیڑیا کھالے۔کیا ہم ایک جتھا نہیں؟ ہم میں کوئی بھی ناتواں اور ضعیف وکمزور نہیں۔اگر

یوسف کو بھیڑیا کھا گیا تو یہ نقصان کسی اور کا تو ہے نہیں، ہم ہی تو اس نقصان کے اُٹھانے والے ہوں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم خلوصِ دل سے یوسف کی حفاظت کرو اور اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھو تو ٹھیک ہے۔ بقیہ جیسی تمہاری مرضی۔ بھائی کو ساتھ لے جاؤ، اللہ کریم تمہاری حفاظت فرمائے گا۔

صبح ہوئی یوسف اپنے بھائیوں کے ساتھ سیر کو چل دیے۔ انھوں نے وہی راستہ اختیار کیا جو القدس شریف کے قریبی کنویں کو جاتا تھا۔ جوں ہی وہ وہاں پہنچے ان کے اِرادے ظاہر ہوگئے، دل کے اندر بغض وکینہ کی جو غلاظت تھی وہ عیاں ہوگئی۔ دل پتھر ہوگئے، اور فوراً یوسف معصوم کی قمیص اُتاری اور ہاتھ پاؤں باندھ کر بڑی بے دردی سے انھیں ایک اندھے کنویں میں اُتار دیا۔

مگر خدا کا کرنا کہ فوراً ہی حضرت جبریل علیہ السلام نے کنوئیں میں تشریف لاکر اُن کو غرق ہونے سے اِس طرح بچالیا کہ کنویں میں موجود ایک پتھر پر اُن کو آرام سے بٹھا دیا، اور ہاتھ پاؤں کھول کر تسلی دیتے ہوئے اُن کا خوف وہراس دور کردیا۔

---

(۱) تاہم چھوٹی سی عمر، بے یار ومددگار، اپنوں کی بے وفائی اور کنویں کی وحشت وتنہائی، اِن ساری چیزوں نے مل کر آپ پر کیا غم ڈھایا ہوگا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ایسے عالم میں انھوں نے پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں بڑی قیمتی دعائیں کیں، یہ دعا حدیث شریف میں بھی وارد ہے اور آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصدیق بھی فرمائی کہ یہ دعائیں مانگا کرو، یہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کی قبولیت والی دعائیں ہیں۔ یہ مندرجہ ذیل دعا دراصل حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے تلقین کی تھی :

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الْمَكْنُوْنِ الْمَخْزُوْنِ يَا بَدِيْعَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ يَا ذَا الْجَلاَلِ وَالإِكْرَامِ أَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي وَأَنْ تَجْعَلَ مِنْ أَمْرِي فَرَجاً وَمَخْرَجاً وَ أَنْ تَرْزُقَنِي مِنْ حَيْثُ أَحْتَسِبُ وَمِنْ حَيْثُ لاَ أَحْتَسِبُ .

(یہ دعا کرنے کی دیر تھی اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے نہ صرف خلاصی کی راہ پیدا فرمادی، بلکہ آگے چل کر ملک مصر کی بادشاہت بھی عطا فرمادی، جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے)۔ یہ دعا بیان کرنے کے بعد آقاے کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی اس دعا کو مانگنے کی عادت بناؤ؛ کیوں کہ یہ اللہ کے مقبول بندوں کی مانگی ہوئی دعائیں ہیں۔ (اس کے علاوہ اس تعلق سے دیگر دعائیں بھی وارد ہوئی ہیں) -چڑیا کوٹی-

ان ظالموں پر یوسف کے نالوں کا کچھ اُثر نہ ہوا اور اس معصوم کی آنکھوں سے ڈھلکتے آنسوؤں سے ان کے دل نہ پسیجے۔ وہ اپنی طرف سے یوسف کو قعرِ مذلت میں اُتار چکے تھے؛ لیکن تقدیر کھڑی ان کا مذاق اُڑا رہی تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ انھوں نے بڑی آسانی سے اپنی سازش میں کامیابی حاصل کر لی ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہمیشہ سے انسانی فیصلوں پر غالب رہا ہے۔

رات ہوئی تو برادرانِ یوسف نے واپس گھر کی راہ لی۔ والد کی خدمت میں روتے ہوئے پیش ہوئے، باتیں بنانے لگے، اور جھوٹ پر جھوٹ بولتے چلے گئے کہ شاید والد گرامی کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائیں، اور وہ ان کی جھوٹی باتوں کو سن کر یقین کر لیں۔ راستے میں انھوں نے ایک بکرا ذبح کر کے یوسف کی قمیص کو خون میں آلودہ کر لیا تا کہ اسے دکھا کر یہ یقین دلا سکیں کہ یوسف کو واقعتاً بھیڑیا نے کھالیا ہے۔

آہوں اور سسکیوں میں بتانے لگے، ابا جان! وہی ہوا جس کا آپ کو اندیشہ تھا۔ وہی مصیبت آن پڑی جس کا آپ کو خدشہ تھا۔ ہم نے اپنے بھائی یوسف کو سامان کے پاس بٹھایا اور ذرا دوڑنے کے لیے دور چلے گئے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ بھیڑیا چھپا بیٹھا ہے اور یوسف کی تاک میں ہے۔ جب ہم دوڑے اور یوسف اکیلا رہ گیا تو بھیڑیا یوسف کر جھپٹ پڑا اور اسے کھالیا، اور ہمیں اس غم واندوہ میں مبتلا کر گیا۔

ہائے افسوس! بھائی کی جدائی کا یہ عالم ہمارے سینوں کو راکھ کیے جا رہا ہے۔ یوسف کے چلے جانے کے بعد ہمارے پاس اس کی خون آلود یہ قمیص اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں رہا۔ ابا جان! آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے، اگر چہ ہم سچے ہیں، اور اس بات میں ذرا بھی بناوٹ اور جھوٹ نہیں ہے۔

اُن لوگوں نے کرتے میں خون تو لگا لیا تھا لیکن کرتے کو پھاڑنا بھول گئے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اشک بار ہو کر اپنے نورِ نظر کے کرتے کو جب ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا تو کرتا بالکل سلامت ہے اور کہیں سے بھی پھٹا نہیں ہے تو آپ ان لوگوں کے مکر اور جھوٹ کو بھانپ گئے، اور فرمایا کہ بڑا ہوشیار اور سیانا بھیڑیا تھا کہ میرے یوسف کو تو پھاڑ کر کھا

گیا مگران کے کرتے پر ایک ذرا سی خراش بھی نہیں آئی اور آپ نے صاف صاف فرمادیا کہ یہ سب تم لوگوں کی کارستانی اور مکروفریب ہے۔ پھر آپ نے دکھے ہوئے دل سے نہایت درد بھری آواز میں فرمایا :

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ٥ (یوسف:۱۲/۱۸)

یعنی اب میں صبر وتحمل سے کام لوں گا یہاں تک کہ ایک دن اس جھوٹ کی قلعی کھل جائے گی اورتم دیکھ لوگے کہ مکروفریب کا انجام کیا ہوتا ہے، جو کچھ تم بتارہے ہوں اس کے خلاف اللہ تعالیٰ میرا مددگار رہوگا۔

یوسف علیہ السلام کنویں کی اَتھاہ گہرائیوں کی نظر ہوگئے۔کنویں میں تاریکی چھائی ہوئی تھی اور باہر کی دنیا کی کوئی آواز کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ایک ہُو عالم تھا۔ایک بے گناہ نوجوان تاریکیوں اورظلمتوں میں گھر چکا تھا۔وہ ایک مشکل امتحان سے گزر رہا تھا۔فطرت کا دستور ہے کہ برگزیدوں کوسخت آزمائش کی بھٹی میں ڈال کراس کے کھرے اور کھوٹے پن کوآزمایا جاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے؛ اس لیے انھیں آزمایا جارہا تھا، اس امتحان اورآزمائش کے پیچھے یہ مقصد کارفرما ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اپنے مناصب جلیلہ کوبحسن وخوبی سرانجام دے سکیں اورنبوت کے بارِامانت کواٹھانے کے قابل ہوجائیں۔

اس سے زیادہ ہلاکت خیز، دردانگیز اور حوصلہ شکن آزمائش کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اگر یہ آزمائش کسی جہاں دیدہ اور تجربہ کار شخص پر آتی تو شاید اتنی بڑی اور اتنی شدید محسوس نہ ہوتی ؛لیکن یوسف تو ابھی بچہ تھا،اس کی تو ابھی مسیں بھی نہ بھیگی تھیں، وہ زندگی کے نشیب وفراز سے بالکل ناواقف ایک سادہ لوح بچہ تھا،اوراس معصوم نے کوئی جرم بھی تونہیں کیا تھا!۔

ہاں اگر اس نے کوئی جرم کیا ہوتا کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہوتا اور سزا کا مستحق ہوتا اور سوے عاقبت کا حق دار ہوتا تو پھر یہ سزا شاید کم محسوس ہوتی لیکن نہیں،اس پر تو کوئی الزام بھی نہ تھا،اس کا کردار ہر شک وشبہہ سے بالاتر تھا،اس میں عام بچوں جیسی چالاکی بھی نہیں تھی۔وہ بڑوں جیسے دھوکے سے قطعاً ناواقف تھا،اس کی سادہ دلی اور عاجزی وانکساری تو معروف ومشہور تھی۔کوئی غیر ہوتے ، اپنے بھائیوں کے علاوہ کسی دشمن کے ہاتھوں کنویں میں پھینکے

جاتے، تو پھر بھی دل اس مصیبت کو برداشت کر لیتا اور وہ کلیجہ تھام کر بھی آہ وفغاں نہ کرتا لیکن افسوس یہ تیر تو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں سینے میں پیوست ہوا تھا۔ اس حال تک تو انھیں یعقوب کے بیٹوں نے پہنچایا تھا۔

یوسف علیہ السلام کنویں کی گہرائیوں میں ادھر ادھر نظر گھماتے ہیں؛ لیکن ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے، نظر پڑتی ہے تو پانی پر جس میں اپنی حالت زار اور غم کا سایہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ گردن اُٹھا کر اوپر دیکھتے ہیں لیکن گھمبیر اندھیرا ہے اور کوئی شے نظر نہیں آتی، ان کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ انھوں نے کیا سوچا ہوگا۔ شاید انھوں نے اپنے والد گرامی کو یاد کیا ہوگا، اس سے ان کی نظروں کے سامنے یعقوب علیہ السلام کا ہنستا مسکراتا چہرۂ مبارک پھر گیا ہوگا جس کی زیارت سے وہ صبح شام شادکام ہوتے تھے، اس تصور سے ان کی سماعتوں سے والد گرامی کی رس بھری آواز ٹکرا گئی ہوگی جسے وہ بچپن سے سن رہے تھے، انھیں باپ کی چاہت، بنیامین کی معصومیت یاد آئی ہوگی۔

ذرا تصور کریں، ایسے میں اس معصوم کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ کیا دل پر غم واندوہ کے پہاڑ نہ ٹوٹے ہوں گے۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ ان کو تاریکی نے خوف زدہ کر دیا ہو۔ کنویں کی تنگ دیواروں نے انھیں وحشت میں مبتلا کر دیا ہو۔ انھوں نے سورج کے طلوع ہونے، چاندکی پر فریب میٹھی میٹھی روشنی، ستاروں کی ٹمٹماہٹ، آسمان کی نیلاہٹ، چاشت کی رونق، بہار کی چہل پہل، اور سایوں کے گھٹنے بڑھنے کو کس قدر چاہا ہوگا۔

اس تنگ وتاریک کنویں میں انھیں بھوک نے ستایا ہوگا، وہ سوچتے ہوں گے کہ اب کھانا کون کھلائے گا، کون اس کو بھوک کے ظالم پنجوں سے بچائے گا، وہ کیسے جسم وروح کے تعلق کو باقی رکھے گا۔ اگر زندگی کے سانس لمبے ہوگئے تو کیا بنے گا، دل میں ہزار طرح کے اندیشے پھوٹے ہوں گے اور قلب وروح پر کئی قیامتیں برپا ہوئی ہوں گی۔

إن البلاء يطاق غير مضاعف

فإذا تضاعف صار غير مطاق

یعنی مصیبتیں جب پے درپے نہ آ رہی ہوں تو برداشت کی جا سکتی ہیں؛ مگر ایک سلسلہ
بندھ جائے تو انسان کی قوتِ برداشت جواب دے جاتی ہے۔

مگر رحمت خداوندی حضرت یوسف کے ساتھ تھی۔ اسی کریم ہی نے تو آپ کو اس آزمائش میں ڈالا تھا، اب اسی ذات نے آپ کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنا تھا۔ اسی کریم ذات نے آپ کی پراگندگی پر نظر رحمت فرمانا تھی۔ لو، پیغام خداوندی آ پہنچا: 'اے میرے پیارے! صبر و تحمل سے کام لیجیے۔ اس امتحان کی مشکلات کو عزم و ہمت سے سہہ جائیے۔ ہم خود تمہیں اس مشکل سے رہائی دیں گے۔ خود تمہیں اس غم سے نجات پانے کی راہ دکھائیں گے۔ اور تمہیں تمہارے بھائیوں پر فتح و غلبہ عطا کریں گے۔ لیکن ابھی کچھ دیر باقی ہے'۔ اس پیام حق سے حضرت یوسف کے سب غم غلط ہو گئے، دل مطمئن ہو گیا اور کنویں کی ان گہرائیوں میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔

لو! یہ تو کوئی آوازیں ہیں، یہ آوازیں قریب سے قریب تر اور قدرے واضح ہوتی جاتی ہیں۔ یہ قدموں کی آہٹ کنویں کے بالکل قریب آ رہی ہے۔ کتے بھونک رہے ہیں، یہ تو کوئی قافلہ ہے۔ امیدیں ہنس پڑتی ہیں اور آرزو کی کلیاں چٹخ چٹخ جاتی ہیں۔ ہاں! نجات کی گھڑیاں پہنچ گئی ہیں اور خلاصی کا وقت آ گیا ہے۔

قافلہ کنویں کے قریب ہی اُتر پڑتا ہے۔ رئیس قافلہ حکم دیتا ہے۔ اس آواز کو یوسف علیہ السلام بھی سنتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جلتے انگاروں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال دیے گئے ہوں۔ اے جوان! کنویں میں ڈول ڈال اور پانی نکال، تاکہ ہم اپنی بجھائیں اور دوسری ضروریات پوری کریں۔ چوپائے بھی پیاسے ہیں۔ بیچارے چلتے چلتے تھک گئے ہیں، انھیں بھی پانی کی ضرورت ہے۔ سفر بہت لمبا تھا۔ پورا قافلہ تھکا ماندہ دکھائی دیتا ہے، جلدی ڈول ڈالو۔

ایک آدمی نے کنویں میں ڈول ڈال دیا، یوسف علیہ السلام انتظار میں تھے۔ جوں ہی ڈول قریب پہنچا اس سے چمٹ گئے۔ وہ شخص سمجھا کہ شاید ڈول پانی سے بھر گیا ہے اور اسی لیے بھاری ہے، خوشی سے کھینچتا چلا گیا، جب ڈول کنویں کے منہ پر آیا تو اس شخص کی چیخ نکل گئی۔

ایک بچہ رسی سے چمٹا تھا، یہ بچہ نہیں گویا چاند کا ٹکڑا تھا۔ 'یہ دیکھو کتنا من موہنا بچہ ہے'۔

قافلے کے سارے لوگ اکٹھا ہو گئے، اور حسن یوسفی کو دیکھ کر ششدر و حیران رہ گئے۔ پھر یہ قرارداد پاس کی کہ اسے ساتھ لے چلو، اسے مصر میں لے جا کر بیچ دیں گے۔

کاش کہ ان کے پہلوؤں میں رحمت سے آشنا دل ہوتے۔ کاش! ان میں ذرا بھی شرافت کی بو ہوتی، اور وہ یوسف علیہ السلام سے ان کے متعلق کچھ پوچھتے اور یوسف جیسے بیٹے کو یعقوب جیسے باپ کے حضور میں پیش کر دیتے لیکن بعض لوگ خواہشاتِ نفسانی کی اندھی پیروی کر جاتے ہیں اور متاعِ گراں مایہ سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

ادھر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جو اُس جنگل میں روزانہ بکریاں چرایا کرتے تھے، برابر کنوئیں میں جھانک جھانک کر دیکھا کرتے تھے۔ جب ان لوگوں نے آپ کو کنوئیں میں نہیں دیکھا تو تلاش کرتے ہوئے قافلہ میں پہنچے اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے جو بالکل ہی ناکارہ اور نافرمان ہے، یہ کسی کام کا نہیں ہے۔ اگر تم لوگ اس کو خریدو تو ہم بہت ہی سستا تمہارے ہاتھ فروخت کر دیں گے؛ مگر شرط یہ ہے کہ تم لوگ اس کو یہاں سے اتنی دور لے جا کر فروخت کرنا کہ یہاں تک اس کی خبر نہ پہنچے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بھائیوں کے خوف سے خاموش کھڑے رہے اور ایک لفظ بھی نہ بولے۔ پھر ان کے بھائیوں نے ان کو صرف بیس درہموں کے عوض فروخت کر دیا۔

پھر حضرت یوسف کو مصر کے بازار میں لے جایا گیا، اور وہاں عزیز مصر نے ان کو بہت گراں قیمت دے کر خرید لیا۔ یوسف علیہ السلام کا خریدار عزیز مصر تھا جو مصر کا سب سے بڑا وزیر تھا، وہ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ اس بچے میں نہایت ہی قیمتی خزانے پوشیدہ ہیں اور یہ کسی پاکیزہ اور بزرگ شخصیت کا چشم و چراغ ہے۔

چنانچہ اپنی بیوی کو آگاہ کیا کہ مجھے اس کے نین نقش اور طبیعت سے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ بچہ نہایت ہی سلیم فطرت کا مالک ہے، جن اخلاقی بلندیوں پر یہ فائز ہے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لگتا ہے کہ یہ کسی بڑے اور بزرگ خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب

یہ جوان ہو اور سیانی عمر کو پہنچے تو اپنی خداداد فہم وفراست سے ہمیں فائدہ دے، یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔

چنانچہ آپ عزیزِ مصر کے شاہی محل میں رہنے لگے۔ اور گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگے۔ ان کے کام میں سلیقہ شعاری بھی تھی اور امانت بھی۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھا اور اسی حسن سلوک کا انھیں حقدار سمجھا جس کی ایک پڑوسی کو اپنے اچھے پڑوسی سے توقع ہوتی ہے۔

یوسف اور زلیخا

کنویں کی مشکلات سے نجات پائے حضرت یوسف کو زیادہ عرصہ نہیں بیتا تھا۔ وہ عزیزِ مصر کے گھر میں پرسکون زندگی گزار رہے تھے کہ گردشِ دوراں نے ان کے لیے مصیبت کا ایک اور جال بننا شروع کر دیا، تاکہ آزمایش کی یہ بھٹی ان کے عزم وہمت میں بھرپور توانائی بھر دے، اور اس امتحان کے ذریعے انھیں پہلے سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوجائے۔ تقدیر کے ہاتھوں یہ مصیبت اور یہ آزمایش حسن وجمال کے حوالے سے تھی۔ اس آزمایش میں جوانی وشباب کو پرکھا گیا، ہر زمانے میں اس حسن نے انسان کو شقاوت سے دوچار کیا ہے، اور اس کی راہ میں مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کیے ہیں ۔

وكم رمت قسمات الحسن صاحبها

واتبعت قصبـــات السبق حاويها

وزهرة الروض لو لا حسن رونقها

لمـا استطالت عليهـا كف جانبها

یعنی بارہا حسن وجمال کی رونقوں نے حسین چہروں کو برباد کیا ہے۔ اور مقابلے میں زیادہ کامیاں سمیٹنے والا آخر تھک جاتا ہے۔ اگر باغ کی کلی میں حسن وجمال نہ ہوتا تو پھول چننے والے کا ہاتھ کبھی اس کی طرف دراز نہ ہوتا۔

یوسف علیہ السلام کام میں جٹ گئے، اور ان کے اندر چھپی فہم وفراست کے اظہار کے

طور پر اور امانت واخلاقی پاکیزگی کے اعتراف کے طور پر آپ کے لیے خوبصورت کپڑے تیار کیے گئے۔عزیز مصر کے اعتماد میں اوراضافہ ہوگیا اور یوسف علیہ السلام کو گھریلو معاملات میں شریک کرلیا، وہ آپ کو اپنے بچے کی مانند چاہتا تھا۔گھر میں آپ کی حیثیت غلام کی نہیں بلکہ آزاد اور خود مختار فرد کی تھی۔

وقت گزرتا گیا۔حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر میں بہار کی تازگی آ گئی۔آپ نے بچپنے کی قمیص اُتاری اور شباب کا حلہ زیب تن کرلیا۔عزیز کی بیوی آپ پر فریفتہ ہوگئی، اور آتے جاتے آپ کو دیکھنے لگی۔ وہ اُٹھتے بیٹھتے آپ کا حسن و جمال دیکھتی۔سوتے جاگتے، کھاتے پیتے اس کے ذہن میں ایک ہی صورت ہوتی اور وہ صورت حضرت یوسف کی تھی۔

وہ حضرت یوسف کی ایک ایک اَدا پر جان ودل وارنے کے لیے تیار تھی۔حسن یوسفی کو وہ بہت قریب سے دیکھ رہی تھی؛ اس لیے صرف اس کا سراپا قبلہ مقصود نہیں تھا بکہ یوسف کے چھپے محاسن اور بے پناہ قوتیں بھی اس پر عیاں تھیں۔اس نے اب محسوس کرلیا تھا کہ یوسف کی محبت کا پودا دل میں اُگ گیا ہے اور دل کی زمین میں عشق کی جڑیں دور تک پھیل گئی ہیں۔وہ سمجھ گئی کہ یہ اب دل لگی نہیں رہی بلکہ یوسف اس کی نس نس میں سما گیا ہے۔وہ تنہائی میں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق سوچتی، اور تمنا کرتی۔سچ تو یہ ہے کہ عاشقوں کی راتیں تمنا میں بیت جاتی ہیں، وہ بس یہی سوچتی کہ یوسف کو پائے تو کیسے پائے!۔

وہ عزیز مصر کی بیوی ہے۔محل میں اس کی بڑی عزت ہے۔اس کا ایک خاص مقام اور مرتبہ ہے۔عزیز مصر کوئی عام آدمی نہیں۔مصر بھر میں لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔وہ بادشاہ کا مقرب وزیر ہے۔بہتر تو یہ ہے کہ یوسف کی محبت دل میں چھپی رہے، اسے حاصل کرنے کی تمنا دل میں ہی گھٹ گھٹ کر مر جائے، اور دل کی بات دل میں دفن ہوکر رہ جائے؛ لیکن حسن یوسفی کے جلوے دیکھ کر میلان بڑھتا چلا گیا اور سینے میں محبت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔

و أشد ما نفيت من ألم الحــوى

قرب الحبیب وما إلیه وصـــول

کالعس فی البیداء یقتلها الظما

والمـــاء فوق ظهورها محمول

یعنی یہ غم' سوزِشِ عشق سے بھی بڑھ کر جان لیوا ہے کہ محبوب قریب ہو لیکن اسے پانے
کا کوئی راستہ نہ ہو۔ بھورے رنگ کے اس اونٹ کی مانند جسے پیاس ہلاک کردیتی ہے
حالانکہ پانی اس کی پیٹھ پر لدا ہوتا ہے۔

جب صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور عشق نے جسم کو لاغر کردیا تو سوچا کیوں نہ جذبۂ عشق کا اظہار کردوں اور مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کروں؛ مگر کہیں ذلت نہ اُٹھانی پڑے، کہیں سارا وقار خاک میں نہ مل جائے۔ یہ سوچ کر اِرادہ بدل لیا؛ لیکن کب تک دل کو سمجھاتی۔ آخر یوسف علیہ السلام پر ڈورے ڈالنے لگی اور اپنے دلی خیالات سے اِشاروں اور کنایوں سے انھیں آگاہ کرنے لگی کہ ہوسکتا ہے یوسف کا دل مائل ہوجائے اور وہ اس کی محبت کا مثبت جواب دے۔

لیکن یوسف علیہ السلام نے اس کے ناز واَدا کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اس کے حسن وجمال سے آنکھیں بند کرلیں۔ آپ جیسے شخص کو بھلا یہ چیز کب زیب دے سکتی تھی کہ وہ حرام چیز کا ارتکاب کرے۔ وہ تو 'کریم ابن کریم' تھا۔ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اور اسحٰق علیہ السلام کے پوتے کے لیے یہ مناسب نہیں تھا۔

عزیز مصر نے انھیں والدین جیسا پیار دیا تھا، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے انھیں چاہا تھا، اپنے گھر والوں پر انھیں امین بنایا تھا۔ تو کیا بھلا وہ اپنے محسن کے گھر میں رہ کر اس کی امانت میں خیانت کرتے اور اس کی بیوی کو بری نظر سے دیکھتے!۔

لیکن یوسف علیہ السلام کی بے رخی نے عزیز کی بیوی کی محبت کو اور بڑھا دیا، ان کے اعراض سے عشق کی چھپی چنگاری سلگ پڑی۔ اس نے سوچا اشاروں اور کنایوں سے تو بات نہیں بنی کیوں نہ کھل کر بات کی جائے، اور اسے بتادے کہ وہ کیا چاہتی ہے اور کس قدر اس سے محبت کرتی ہے۔

سوچا اظہارِ عشق مشکل سہی لیکن جرأت تو کرے اور یوسف کو ترغیب دے کر تو دیکھے۔ زلیخا کے صبر کا پیمانہ اب بالکل لبریز ہو چکا تھا، وہ مزید اعراض وانکار برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے تہیا کرلیا اور دل میں یہ ٹھان لی کہ وہ یوسف کو اس باپ پر کسی بھی صورت مائل کرے گی۔

عشق کے سامنے اس کی بادشاہی نہ ٹھہر سکی۔ اس نے بھڑ کیلے شوخ کپڑے پہنے، خوب سنگھار کیا اور ناز و اَدا دکھاتی ہوئی ایک کمرے میں بیٹھ گئی۔ اور یوسف کو بلایا کہ انھیں گناہ پر آمادہ کرے۔ حضرت یوسف کو زلیخا نے جب دیکھا کہ یوسف کمرے میں آ گیا ہے تو پردے لٹکا دیے، دروازے بند کر دیے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوتِ گناہ دیتے ہوئے کہنے لگی: 'اب آ بھی جا'۔

لیکن حضرت یوسف کہاں آنے والے تھے۔ اگر چہ شباب زوروں پر ہے، جسم میں تازگی اور قوت کی بجلیاں چمک رہی ہیں، فارغ البالی ہے، اور زندگی کی ساری راحتیں موجود ہیں۔ کریم ابن کریم جو ہوئے۔ انھوں نے ایک سلیم اور پارسا ماں کا دودھ پیا تھا، وہ رسالت کی گود میں پروان چڑھے تھے، اللہ کریم نے ان کے لیے نبوت کا شرف تیار کر رکھا تھا۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد کا بسیرا تھا، ان کے دل میں اتنی جگہ کہاں کہ ایک عورت کا خیال تک بھی آ سکے، یا حرص وہوا کے جذبے پروان چڑھ سکیں۔

چنانچہ یوسف علیہ السلام نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں تیری یہ بات مانوں، اور تیری مرضی پر چل دوں۔ حاشا وکلا! کہ میں اپنے آقا عزیز مصر سے خیانت کروں۔ اسی نے تو مجھے یہ مقام عطا کیا ہے۔ اسی نے تو مجھے اپنے بچوں کی طرح پیار دیا ہے۔ میں اپنے محسن سے نمک حرامی نہیں کر سکتا۔ اور میں اس کے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

زلیخا اگر چہ تو نے دروازے بند کر دیے ہیں اور دروازوں پر پردے بھی لٹکا دیے ہیں؛ مگر اللہ تعالیٰ تو آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے۔ اس سے تو دل کے راز بھی پوشیدہ نہیں۔ خدا نہ کرے کہ گناہ اور سرکشی میں میرا نفس تیری اطاعت کرے، یا میرا دل مجھے اس راستے پر ڈال دے جس پر چلنے سے میرا رب ناراض ہوتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو فلاح

سے ہم کنار نہیں کرتا۔

عزیز مصر کی بیوی حسن و جمال میں بے مثال تھی۔ وہ جوان ہے۔ اس میں دلبری اور دل بستگی کو پورا سامان موجود ہے۔ اس کو سطوت اور عزت بھی حاصل ہے۔ وہ خود ایک جوان کو دعوتِ گناہ دیتی ہے۔ کسی عام جوان کو نہیں بلکہ اپنے زرخرید غلام کو۔ اور غلام انکار کر دیتا ہے۔ وہ اس کے حسن و جمال، ناز واَدا کو ٹھکرا دیتا ہے۔ وہ گناہ کی وادی میں پاؤں رکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔ وہ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ اسے حکم دیتی ہے لیکن وہ پروا نہیں کرتا۔ محل میں جسارت کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ زلیخا نے تو یہ کبھی سوچا نہ ہوگا کہ اس کے حسن کی دیوی جادو جگانے میں ناکام ہوجائے گی اور ایک ایسا پری پیکر بھی ہوگا جو اس کے عشوہ نازش کو ٹھکرانے کی جرأت کرے گا۔

محل میں اسی کا حکم چلتا تھا۔ سب لوگ اس کے اشارۂ ابرو کے بندے تھے۔ اس کی حیثیت ایک مالک اور مخدومہ کی تھی۔ خدم وحشم اسی کی ناز برداریوں کے لیے تو خریدے گئے تھے۔ وہ اتنی عظیم تھی کہ اس سے اپنی بڑائی کا اظہار بھی پورے طور پر نہیں ہو پاتا تھا۔ وہ اتنی بڑی تھی کہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ آج تک اس کے کسی حکم پر انکار کی جرأت نہیں کی گئی تھی؛ مگر آج یوسف نے اس کے حسن کی توہین کر ڈالی تھی۔ گویا اس زرخرید نے اپنی مالکن کی حکم عدولی کر کے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کر لیا تھا۔

زلیخا کا غصہ بھڑک اُٹھا، سینہ مارے غضب کے دھک دھک کرنے لگا۔ یوسف علیہ السلام کو پکڑنے کا اِرادہ کیا، اور اسے اپنے کیے کی سزا دینے کی ٹھان لی۔ سوچنے لگی اس نے میری عزت کو خاک میں ملایا ہے، میں اس بے عزتی کا انتقام ضرور لوں گی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب زلیخا کے تیور دیکھے تو اِرادہ کر لیا کہ اگر زلیخا نے کوئی شرارت کھڑی کی تو وہ اس شرارت کا جواب ویسی شرارت سے دے گا، اور تلوار زنی کا جواب تلوار زنی سے دے گا؛ لیکن فوراً اپنے نفس میں نبوت کی روشنی محسوس کی، اور دل میں برہانِ خداوندی کو دیکھا۔ آپ کی طرف وحی کی گئی: ’قتال سے بہتر فرار ہے، ثابت قدم رہنے سے پیچھے

ہٹ جانے میں بھلائی ہے'۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کیا اور دروازے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

زلیخا پیچھے دوڑی، اوران کا دامن پکڑلیا، اوراسے زور سے کھینچا۔ جب آپ دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ عزیزِ مصر دروازے پر کھڑا دیکھ رہا ہے۔ آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹ چکی تھی۔

عزیز ابھی تک گم سم تھا، اوراس واقعے کے متعلق شک وارتیاب کا شکار سوچ بچار کر رہا تھا کہ زلیخا نے مکروفریب کا سہارا لیا اور یوسف علیہ السلام نے سچائی کا دامن تھام لیا۔ زلیخا نے کہا: اے عزیزِ مصر! یوسف نے تیری عزت خاک میں ملانے کی کوشش کی ہے۔ اس نے خیانت کی راہ اختیار کرلی ہے۔ اس نے میرے دامنِ عصمت کوداغ دار کرنا چاہا ہے، اور گناہ کے اِرادے سے مجھے پکڑا ہے۔ اب یہ بتایئے :

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o

اس کی کیا سزا ہوسکتی ہے جس نے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا اِرادہ کیا ہو۔ یا تو اسے قید کیا جائے، یا اسے دردناک عذاب دیا جائے۔

یوسف علیہ السلام کے پاس سچائی اور صحیح صورتحال بیان کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں تھا؛ کیوں کہ زلیخا برملا کذب وافترا پر اُتر آئی تھی۔ آپ نے فرمایا: میں نے نہیں بلکہ اس نے مجھے مطلب برآری کے لیے بہلانا چاہا ہے۔ میرے ہر گناہ سے پاک' دامن کو پکڑ کر خود اس نے کھینچا ہے۔ دیکھیے میرا یہ کرتا میرے دعویٰ کی سچائی پر شہادت دے رہا ہے۔

اسی لمحے زلیخا کا چچا زاد بھائی اندر آ گیا۔ وہ شخص بہت ذہین، اور بلا کا دانا تھا۔ اس نے یوسف اور زلیخا کی باتیں سنیں تو سمجھ گیا کہ قصہ کیا ہے۔ کہنے لگا: اس کا اندازہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی ہے، اور یوسف جھوٹا۔ اور اگر قمیص اس کے برعکس پیچھے سے پھٹی ہے تو پھر یوسف سچا اور زلیخا جھوٹی ہے۔

چنانچہ جب عزیز نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو ساری بات سمجھ گیا، اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا۔ دوآنکھوں والے شخص کے لیے حقیقت واضح

ہوگئی کہ یوسف پاک دامن ہے اور ساری شرارت زلیخا کی ہے۔عزیز نے زلیخا کی طرف دیکھا اور کہا: یہ سب عورتوں کا مکروفریب ہے۔ اگر تو نے خطا کی ہے تو معافی مانگ لیتی۔ اے یوسف صدیق! کسی سے کچھ مت کہنا۔ اندیشہ ہے کہ بات نکل گئی تو فضیحت ہوگی۔

لیکن ہزار احتیاط کے باوجود بھی یہ خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ مصر کی ہر عورت کی زبان پر زلیخا کے عشق کے قصے تھے، اور محل میں اس کی دیوانگی کے چرچے تھے۔ ہر شخص کی زبان پر یہی بات تھی کہ عزیز کی بیوی اپنے ایک زرخرید غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے، وہ سو جان سے اس پر قربان ہوتی ہے۔ جوان بہت خوب صورت ہے، اس کے حسن و جمال کے تیر زلیخا کے سینے میں پیوست ہوگئے ہیں۔ عشق کی اس آگ نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اس نے اپنی عزت و وقار کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ وہ اپنے مقام سے اُتر آئی ہے۔ اپنے غلام کو دعوتِ گناہ دے بیٹھی ہے۔ اپنے عشوہ واَدا سے غلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے حسن و جمال کا جادو جگانا چاہا ہے۔

لیکن قربان جائیں اس جوان پر کہ اس نے بے رخی برتی ہے، اور اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا ہے۔ زلیخا کے حسن صورت اور ناز و ادا نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا ہے۔ اس کی سب عشوہ طرازیاں اور دل ربائیاں بے اثر ثابت ہوئی ہیں۔ وہ اسی بے رخی کے سبب پریشان اور اداس رہتی ہے۔ اس نے محبت اور عشق کو چھپانے کی ہزار کوشش کی ہے؛ لیکن آنسوؤں نے اس کی محبت کا راز فاش کر دیا ہے۔ اس نے اپنی ہستی کو چھپانے کے ہزار جتن کیے ہیں لیکن اس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہوگیا ہے، اور یہ راز فاش ہوگیا ہے کہ اس لاعلاج بیماری کا علاج محبوب کے قرب کے بغیر ناممکن ہے۔

بات پھیلتی چلی گئی۔ ہر طرف زلیخا کے عشق کے چرچے ہونے لگے۔ اس میں خوب رنگ بھرے گئے، اور خوب مرچ مسالا لگا کر تشہیر کی گئی۔ یہاں تک کہ زلیخا کے کانوں میں بھی بھنک پڑ گئی کہ اس کی سہیلیاں اور ہم جولیاں اس کے عشق کے قصے مشہور کر رہی ہیں اور اس قصے کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہی ہیں۔ اس کو سب معلوم ہوگیا کہ شہر میں عورتیں حسد اور کینہ کے ہاتھوں مجبور

اس پر الزام تراشیاں کر رہی ہیں، اور طرح طرح کی باتیں بنا رہی ہیں۔ چنانچہ اب اس بات کا رد ضروری تھا۔ اس ہتھیار کا کند کرنا واجب تھا۔ زلیخا نے سوچا کہ مکر کا مقابلہ مکر سے کرے اور اس سازش کو کسی سازش سے ناکام کرے۔

پھر کیا ہوا کہ زلیخا نے ایک دن تمام سہیلیوں کو اپنے ہاں دعوت پر بلایا۔ ان کے لیے گاؤ تکیے اور آرام دہ صوفے تیار کیے۔ ان پر خوبصورت گل دان سجائے، اور چاروں طرف نعمتوں کے ڈھیر لگا دیے۔ سیب اور دوسرے کئی پھل ان کے سامنے پڑے تھے اور کاٹنے کے لیے تیز چھریاں ہاتھ میں تھیں۔ یہ سب اہتمام کرنے کے بعد زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو باہر بلایا اور حکم دیا کہ ذرا انھیں دکھاؤ کہ زلیخا اتنی بے وقوف بھی نہیں، ذرا ان کی صفوں میں چلو نا تاکہ انھیں خبر ہو کہ اس سراپا پر فریفتگی اتنا بڑا جرم بھی نہیں۔

یوسف کمرے سے باہر نکلے۔ عورتوں کو دیکھتے ہی چہرے پر حیا کی سرخی نمایاں ہوگئی، اور سرتاپا مجسم حسن و جمال عورتوں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عورتوں نے ایک نوجوان دیکھا جو عام نوجوانوں جیسا نہ تھا۔ ایسا شباب دیکھا جو عام شبابوں سے مختلف تھا۔ روشن پیشانی، نکھرا شباب، ملاحت کی مٹھاس، بھرا بھرا جسم، مردانہ رعب وجلال۔ اس سراپے کے پیچھے خوبصورت اور کریم شخصیت سراپا دلبری۔ سراپا حسن، سراپا عشق انگیز۔ مصر کی حسینائیں دل تھام کر رہ گئیں۔ وہ یوسف کو دیکھتی رہ گئیں اور ہوش و ہواس کھو بیٹھیں۔ پھل کاٹتے کاٹتے ہاتھ کٹ گئے مگر خبر تک نہ ہوئی۔ اس سرمستی اور بے خودی کے عالم میں بس اتنا کہہ سکیں :

مَا هٰذَا بَشَراً إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ o

یہ تو انسان ہی نہیں بلکہ کوئی معزز فرشتہ ہے۔

زلیخا نے تالی بجائی، جو اس بات کا اشارہ تھی کہ وہ بازی جیت لے گئی۔ اور کہنے لگی: یہ ہے وہ یوسف جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو۔ یہ ہے وہ حسن و شباب جس سے میں عشق کرتی ہوں، اور تمہاری الزام تراشیوں کا نشانہ بن گئی ہوں۔

اب ذرا دیکھو نا کہ تم نے اسے ایک نظر دیکھا تو تمہاری یہ حالت ہوگئی۔ صرف ایک لمحے

کے نظارے نے تمہیں اس قدر سرمست کر دیا۔ ذرا سوچو تو تم یوسف کے متعلق مجھے ملامت کرتی ہو۔ تم نے تو صرف ایک جھلک دیکھی اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے؛ مگر میں کیا کروں!۔

یوسف میرے گھر میں جوان ہوا ہے۔ میری نظروں کے سامنے بچپنے سے جوانی کی دہلیز پر چڑھا ہے۔ میرے دیکھتے اور سنتے اس کی یہ قد وقامت بلندی کو پہنچی ہے۔ میں اس کے سراپے کا بیٹھتے اُٹھتے مشاہدہ کرتی ہوں۔ سوتے جاگتے، کھاتے پیتے اسے دیکھتی ہوں۔ میں اسے چلتے پھرتے دیکھتی ہوں، اور اس کے حسن کا نظارہ کرتی ہوں۔ وہ رات دن میری خلوتوں میں موجود رہتا ہے۔ میں نے ہزار کوشش کی کہ وہ میرے حسن کو دیکھے لیکن اس نے میرے سراپے کی طرف اور حسن وشباب کی طرف آنکھ اُٹھانا بھی گوارہ نہ کیا۔

پھر کیا ہوا کہ میں نے جی کڑا کر کے چاہا کہ اس کا دامن تھام لوں؛ لیکن اس نے میرے جسم کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا، اور کبھی مجھے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اس نے کبھی میری طرف محبت کی نظر نہیں کی۔ اس میں قدوسی روح جھلکتی ہے، اور ظاہری حسن کو عبادتِ خداوندی نے حسن کا مکمل مفہوم دے دیا ہے۔

تم کہتی ہو کہ میں غلام پر فریفتہ ہوگئی ہوں۔ ذرا دیکھو تو سہی بھلا ایسے سعادت مآب بادشاہ کو زرخرید غلام کہا جاسکتا ہے۔ اور مجھ جیسی دل کے ہاتھوں مجبور عورت کو مالکن کہنا صحیح ہے۔ ذرا خیال کرو کہ میں وہ عورت ہوں کہ حکم دیتی ہوں، نہیں بلکہ اشارہ کرتی ہوں تو اس کی اطاعت کی جاتی ہے؛ لیکن جب اس جوان کو اپنی طرف بلاتی ہوں تو وہ رخ پھیر لیتا ہے۔ میں اپنی سلطانی کا اظہار کرنا چاہتی ہوں؛ لیکن عاجز آجاتی ہوں اور خود کو ایک لونڈی کی سطح پر پاتی ہوں۔

میں تمہیں سنانا چاہتی ہوں کہ ہاں! میں نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔ میں نے اس کے دل میں عشق کی جوت جگانا چاہی؛ مگر اس نے انکار کر دیا اور اپنا دامن گناہ سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ ہاں ہاں میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے اسے گناہ پر آمادہ کرنا چاہا؛ لیکن اس نے منہ پھیر لیا اور آنکھ اُٹھا کر بھی مجھے نہیں دیکھا۔

میں تمہیں یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ میں اس بے رخی کی تاب نہیں رکھتی۔ مجھ میں اب دل پر

قابو پانے کی طاقت نہیں رہی۔ عشق کا گھوڑا منہ زور ہے۔ میں ناتواں ہوں۔ اس کی باگ میں اب نہیں تھام سکتی۔ یوسف نے میرے دل کی باگیں اپنے ہاتھ میں تھام لی ہیں۔ وہ میرے دل کی دھڑکنوں میں بس گیا ہے۔ اس کے عشق نے میری راتیں طویل کر دی ہیں۔ اس کی چاہت نے میری پلکوں سے نیند چھین لی ہے۔ بس عشق نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ یوسف نے میری زندگی فسانہ بنا دی ہے۔

اگر اس نے میری بات نہ مانی تو میں اسے جیل کی تاریکیوں کے سپرد کر دوں گی، جہاں اسے روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آئے گی، اور اس کے حسن وشباب کی یہ چادر بوسیدہ ہو جائے گی۔ یا میں اسے ذلیل وخوار کر دوں گی۔ اس کے جسم کو اذیتوں میں مبتلا کر دوں گی۔ ہاں اس کے لیے اب بھی دو راستے ہیں جو راستہ اس کے لیے آسان ہو اسے قبول کر لے۔

مصر کی حسیناؤں نے یوسف کی جوانی دیکھی۔ ان کا حسن وجمال اور رونق وجلال دیکھا، پھر زلیخا کی الفت ومحبت پریشانی اور بے قراری دیکھی۔ زلیخا کی سطوت وسلطنت کا خیال کیا اور یوسف کی عاجزی ودرماندگی کو دیکھا۔ پھر زلیخا کی تہدید اور دھمکی بھی سنی اور اس کے غم وغصے کو بھی دیکھا تو یوسف کو زلیخا کی طرف مائل کرنے کی کوشش میں لگ گئیں اور ان کے قریب ہو کر انھیں سمجھانے لگیں۔

ان میں سے ایک نے کہا: اے کریم لڑکے! یہ انکار اور اعراض کیوں؟ یہ بے رخی اور بے التفاتی کیسی؟ کیا تیرے پہلو میں دل نہیں کہ تو نے زلیخا جیسی حسینہ کی خودسپردگی کی بھی پرواہ نہیں کی، اور اس سے دل جیسا قیمتی تحفہ قبول نہیں کیا۔ کیا تو ایسی آنکھ نہیں رکھتا جو اس بے چاری کی طرف ایک دفعہ ہی اُٹھ جائے، جو صرف تیرے لیے سنگھار کرتی ہے۔ کیا تو بھرپور جوان نہیں۔ کیا تجھ میں جوانی کی تروتازگی نہیں؟ ذرا سوچ تو کہ تیرا بھی کسی عورت میں حصہ بنتا ہے اور کچھ نہ کچھ تجھے بھی دنیا سے لطف اندوز ہونا ہے۔

دوسری نے کہا: زلیخا کے حسن وجمال کو رہنے دیجیے۔ تجھے اس کا مال ودولت اور شوکت وسطوت نظر نہیں آتی۔ وہ کس قدر مقام اور مرتبہ کی مالک ہے۔ تو جانتا ہے نا کہ اگر تو نے اس کی

بات مان لی تو اس محل کی ہر چیز تجھ پر نچھاور ہوجائے گی، اور ساری دولت تیرے قدموں میں ڈھیر کردی جائے گی۔

تیسری نے سمجھایا: مانا کہ تجھے حسن وشباب سے واسطہ نہیں۔ تجھے مال ودولت سے غرض نہیں؛ لیکن زندگی بھر قید کی جوزلیخا نے دھمکی دی ہے، تجھے اس کا بھی خوف نہیں۔ تجھے کیا خبر کہ کتنی مدت جیل میں پڑا سڑنا پڑے گا۔ تجھے کن مصیبتوں سے واسطہ پڑے گا۔ کتنی تکلیفوں کو برداشت کرنا پڑے گا۔ تیرے لیے بہتر یہ ہے کہ اپنے رویہ میں لچک پیدا کرنے اور اپنے عناد وسرکشی میں ذرا تخفیف کردے۔ اس سے تجھے دو فائدے ہوں گے: ایک حسن وشباب اور دوسرا مال ودولت۔ اور دو نقصانوں سے بچ جائے گا: قید وبند کی صعوبتیں اور عذاب وعقاب کی سختیاں۔

یہ مصر کی حسینائیں یوسف علیہ السلام کے شاید حسن باطنی سے پوری طرح واقف نہیں تھیں اس لیے وہ سمجھ رہی تھیں کہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے یوسف کا دل جیت لیں گی، اور اس کو گناہوں کے اس راستے پر ڈالنے میں کامیاب ہوجائیں گی؛ لیکن یوسف اس وعدہ ووعید کے درمیان پریشان ہوگئے اور سوچنے لگے کہ اب کون سا راستہ اختیار کرے۔

ایک طرف دنیاوی جاہ ودولت ہے اور دوسری طرف جیل کی اندھیری کوٹھری اور زندگی بھر کی اذیتیں ہیں۔ وہ سوچتے سوچتے کانپ گئے کہ کہیں حقیقت ان پر مشتبہ تو نہیں ہوگئی؟ کہیں یہ سوچ شیطان کی وسوسہ اندازی نہیں۔ فوراً اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی، اور مومن کی تو شان ہی یہی ہے کہ جب اسے غم والم کی آندھیاں گھیر لیتی ہیں یا مصیبتوں کے جھکڑ چلتے ہیں یا حقیقت مشتبہ ہونے لگتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مدد کا خواستگار ہوتا ہے اور رہنمائی کی التجا کرتا ہے۔

یوسف علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ مصیبت کی اس گھڑی میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور گڑگڑا کر حضورِ باری تعالیٰ میں دعا کی کہ مولا! اس مصیبت کو ٹال دے اور عورتوں کے چکر سے مجھے باہر نکال۔ میرے مولا! قید وبند کی تاریکی اور تنہائی مجھے پسند ہے، اور ان عورتوں کی سازشوں اور مکر وفریب سے تو میرے لیے بہتر ہے کہ میں قید میں

زندگی گزاروں۔ الٰہی میں جیل میں تیرے امتحانات پر صبر کرلوں گا، اور تنہائیوں میں تیرے فیصلوں پر ایمان پختہ ہوجائے گا۔ تیری مخلوق کے جو راز مجھ سے پنہاں ہیں وہ راز پالوں گا۔

جیل میں دعا و مناجات کے ذریعے مجھ پر تیری معرفت اور وحدانیت کے دروازے کھل جائیں گے۔ اس تنہائی میں مجھے تیری عبادت اور تمجید کا بہترین موقع مل جائے گا۔ میں لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی ذات کو اقامت حق کے لیے اور عدل وانصاف پر قائم رہنے کے لیے تیار کرلوں گا۔ اس امتحان سے گزر جاؤں تو ممکن ہے تو مجھے حکومت عنایت فرمادے۔ جیسا کہ میرے مولا تو نے زمین میں مجھے تمکنت دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور تیرا وعدہ حق ہے۔ تیری بات سچ ہے۔

اگر میں ان عورتوں میں ٹھہرا رہا تو یہ مجھے باتوں باتوں میں گناہ میں مبتلا کردیں گی اور زندگی کی بری اقدار کو خوبصورت رنگ میں پیش کر کے مجھے راہِ راست سے بھٹکا دیں گی۔ مولا! مجھے ڈر ہے کہ میری خواہش میرے قدموں میں لغزش پیدا کردے گی۔ شیطان سے مجھے خوف ہے کہ وہ وسوسہ اندازی کر کے مجھ پر غلبہ پالے گا اور میں حسیناؤں کی طرف مائل ہوجاؤں گا۔ قرآن گواہی دیتا ہے :

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ o

اے میرے پروردگار! قید خانے کی صعوبتیں مجھے زیادہ پسند ہیں اس (گناہ) سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں، اور اگر تو (اپنی عنایت سے) مجھ سے ان کے مکر کو نہ دور کردے تو میں مائل ہوجاؤں گا ان کی طرف، اور پھر نادانوں میں سے ہوجاؤں گا۔

وہ ساری مشکلیں جن سے یوسف علیہ السلام کو دوچار ہونا پڑا، وہ سارے جال جو انھیں قابو میں لانے کے لیے بچھائے گئے، ان تمام مشکلوں سے، ان تمام حربوں سے، اور اس ان تمام سازشوں سے یوسف علیہ السلام اس طرح نکل گئے کہ دل کا شیشہ گناہ کی آلودگی سے محفوظ رہا، اور دامن نبوت معصیت و گناہ سے داغ دار نہ ہوا۔

یوسف علیہ السلام کو ان کی مالکن نے بہلانے پھسلانے کی کوشش کی تھی؛ لیکن یوسف کی نگہ التفات کو مائل کرنے میں ناکام رہی، اوران کے حسن وشباب کا یوسف علیہ السلام کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا، بلکہ وہ اعراض کرتے رہے، اس سے تجاہل برتتے رہے حتی کہ زلیخا نے وہ بات کہہ ڈالی جسے سن کر یوسف تھرا گئے، اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی۔ آپ نے اپنے آقا سے خیانت کرنا اچھا خیال نہ کیا۔

زلیخا نے تہمت لگا دی کہ یوسف نے دست درازی کی ہے؛ لیکن زلیخا ہی کے خاندان کے ایک فرد نے گواہی دی جس سے زلیخا کا جھوٹ سامنے آ گیا اور اس کا مکروفریب غارت ہوا۔ یوسف علیہ السلام کے اردگرد عورتیں جمع ہوئیں، انھیں برائی پر اکسایا گیا؛ مگر یوسف علیہ السلام کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ ہوئی، اوران کا دل ذرا بھی میلا نہ ہوا۔

یہ سب باتیں یوسف علیہ السلام کی براءت پر برہانِ قاطع تھیں، اور آپ کی عفت شعاری اور امانت داری پر شاہد عادل تھیں۔ عزیز مصر جانتا تھا کہ یوسف بے گناہ ہے، اس کے دل میں یہ یقین تھا کہ آپ کا دامن گناہ سے آلودہ نہیں ہے؛ لیکن ان کی بیوی زلیخا کو یارائے صبر نہ تھا۔ اب یوسف کو پانے کی اُمیدیں بھی منقطع ہو چکی تھیں۔ چنانچہ اس نے اپنے خاوند سے فریاد کی۔

عزیز اس کے اشاروں پر ناچتا تھا اور اس کی حیثیت محض ایک اونٹ کی سی تھی جس کی مہار زلیخا کے ہاتھ میں تھی۔ تو زلیخا نے کہا: اے جانِ جاں! یوسف نے مجھے بدنام کر دیا ہے، اور اس نے میری شرافت کو داغ دار کرنے کے لیے جھوٹ وافترا سے کام لیا ہے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ آپ فوراً اسے قید کی کوٹھری میں ڈال دیں۔ میری شرافت کا بدلہ لیں اور میرے غیظ وغضب کی تشفی کریں۔

عزیز نے سر جھکا دیا اور یوسف کو قید کرنے کی حامی بھر لی۔ یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا گیا حالاں کہ ان کا کوئی گناہ نہیں تھا، جس طرح کہ بھیڑیا یوسف کریم کے گناہ سے بری الذمہ تھا۔ اب یوسف علیہ السلام کو قید میں ایک اور آزمائش کا سامنا تھا۔ تو آپ نے اسے صبر کرنے والوں کے دل اور اہل ایمان ایسے عزم سے قبول فرما لیا۔

یوسف زندانی

یوسف علیہ السلام زنداں میں داخل ہوئے۔ایک مجرم کی حیثیت سے نہیں جو کسی بے گناہ کے خون سے ہاتھ رنگ لیتا ہے۔ایک چور کی حیثیت سے نہیں جو کسی شخص کی زندگی کا اندوختہ چوری کرلیتا ہے بلکہ ایک ایسے مظلوم کی حیثیت سے جسے عدالت نے انصاف نہ دیا ہو۔آپ نے اپنے آپ کو زنداں کے حوالے کر دیا کہ دنیا سے نہیں تو بارگاہِ ایزدی سے تو انصاف ملے گا۔

کسی سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔زنداں میں رہ کر بھی ضمیر مطمئن تھا، روح شادکام تھی اور دل پُرمسرت تھا؛ کیوں کہ قید کوٹھری اور اس کی تاریکی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں اس فتنے سے کہیں کم تھیں جس سے یوسف علیہ السلام کو واسطہ تھا۔یہ مشکلات اس ظلم کے مقابلے میں ہیچ تھیں جو یوسف علیہ السلام کو قابو کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔

کیا یہ قید اس فتنے سے نجات نہیں تھی جو ان کے دین کو تباہ کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔یہ تاریکی اور تنہائی اس سازش اور فریب سے خلاصی نہیں تھی جو آپ کی بلند اخلاقی کے لیے زہر قاتل تھا۔اس قید سے اور اس پابندی سے یوسف علیہ السلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

کیا انھوں نے قید میں ایسی قوم نہ پائی جو جفا شعار تھی، ظالم تھی، سرکش اور مجرم تھی۔ان کے لیے تو یہ سنہرا موقع تھا کہ ان لوگوں کو اللہ کریم کا پیغام دیں۔انھیں علم وحکمت سے روشناس کرائیں۔انھیں اچھے اخلاق کی نصیحت کریں اور انھیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ہوسکتا ہے کہ یہ بدکار و مجرم ان کی نصیحت سن کر ظلم کی راہ ترک کر دیں اور ان کے سینے سے شر و فساد کے سارے جذبے ناپید ہوجائیں۔اس طرح انسانیت کے دامن سے گناہ کی کچھ آلودگی تو کافور ہوجائے گی، اور اس کے کندھوں سے کچھ بوجھ تو ہلکا ہوجائے گا جس کے نیچے وہ کراہ رہی ہے۔

اس قید کوٹھری میں کچھ لوگ مظلوم بھی تو تھے جنھیں دنیا کے خیر و شر سے کوئی واسطہ نہ تھا۔وہ مسکین تھے۔ان کی زندگی میں خوشیوں کا ایک دن بھی نہیں آیا تھا۔یوسف علیہ السلام کے لیے یہ گھڑیاں غنیمت تھیں۔وہ انھیں تسلی دے سکتے تھے، ان کے غم غلط کر سکتے تھے، ان کے کرب

واضطراب کو بانٹ سکتے تھے۔تو یہ چیز ان کے راضی رضا دل کے لیے خوشی کا پیغام تھی، اور ان کی طبع کریم کی بھی آرزو تھی۔

اللہ کا یہ وعدہ تھا کہ وہ آپ کو نبوت سے نوازے گا اور پیغمبری کے اعلیٰ منصب پر فائز کرے گا۔اس قدر و منزلت سے بڑا بھی کوئی شرف ہوسکتا ہے!۔اس عزت و تکریم سے بڑھ کر بھی کوئی عزت کا مقام ہوسکتا ہے۔اس منصب عالی، اور اس تکریم و تعظیم کے بعد قید و بند کی مصیبتیں اور اغلال و سلاسل کے یہ بوجھ کیا حیثیت رکھتے تھے!۔

قید کے یہ دن لمبے ہوتے گئے۔ یہاں رہتے رہتے ایک عرصہ بیت گیا۔آپ کا معمول تھا کہ بیماروں کی تیمار داری کرتے، کمزور اور ناتوانوں کی دست گیری کرتے۔ قیدیوں کو وعظ و نصیحت کرتے، ان کے سامنے ہر روز اپنے علم کے موتی بکھیرتے اور اپنے فیض کے نور سے ان کے دلوں میں اُجالا کرنے کی کوشش کرتے۔ان بلند اخلاقی قدروں سے متاثر ہو کر سارے قیدی ان کے گرویدہ ہوگئے۔ بے تکلف آپ سے باتیں کرنے لگے اور ان کے دل آپ سے ٹوٹ کر محبت کرنے لگے۔

ان قیدیوں میں دو شخص بادشاہ کے حاشیہ بردار رہ چکے تھے۔ایک ساقی تھا اور دوسرا خازن۔ یہ بھی یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے۔اور آلام و مصائب کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک دن ان دونوں نے اہم خواب دیکھا اور حضرت یوسف سے خوابوں کی تعبیر دریافت کی۔

ساقی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں انگوروں کے ایک مسقّف باغ میں ہوں جو بہت سرسبز و شاداب ہے۔میرے ہاتھ میں بادشاہ کا مخصوص پیالہ ہے اور میں اس میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔

خازن نے بتایا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میں نے سر پر کھانے کا برتن اُٹھا رکھا ہے۔اس برتن میں کئی کھانے رکھے ہیں۔ پرندے لڑ کر آتے ہیں اور ان کھانوں کو اچک لیتے ہیں اور اُڑ کر دور چلے جاتے ہیں۔ یہ دونوں شخص حضرت یوسف سے ان خوابوں کی تعبیر سننا

چاہتے تھے؛ کیوں کہ ان کی نظروں میں صرف یوسف علیہ السلام ہی تھے جو اپنے خداداد علم ومعرفت سے ان خوابوں کی تعبیر بتا سکتے تھے۔

ساقی اور خازن کی آمد سے قبل حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نواز دیا تھا، اور اپنے وعدے کے مطابق انھیں اپنا برگزیدہ فرستادہ مقرر کر دیا تھا۔ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے وہی حکم دیا تھا جو حکم ان کے والد گرامی کو عطا ہوا تھا کہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیں اور ان کے دلوں میں ایمان کا شعلہ بلند کریں۔

ان کے پیغام دعوت نے یقیناً پھیلنا تھا اور اس میدان میں ان کی کامیابی ہر شک وشبہہ سے بالاتر تھی؛ کیوں کہ وہ ان فقیروں میں زندگی بسر کر رہے تھے جن کی زندگی کو فقر نے صاف وشفاف بنا دیا تھا۔ اور ایسے مظلوموں میں وہ رہ رہے تھے جو ایمان وایقان کے لیے ترس گئے تھے۔ یہی لوگ تھے جو آپ کے پیغام کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ سمجھ سکتے تھے، اور ان لوگوں میں دوسروں کی نسبت یہ استعداد بڑھ کر تھی کہ انھیں ہدایت کی جاتی اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ انھیں حق کا راستہ دکھایا جاتا۔

جب آپ اعلانِ نبوت کرنے والے تھے اسی وقت یہ دونوں جوان خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے پہنچ گئے۔ آپ کے لیے اپنی نبوت کے اعلان کا یہ اہم موقع تھا۔ آپ نے دعوت الی الحق کی ابتدا کر دی اور فرمایا: دوستو! جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو اور جن کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو، ان کے پیچھے ایک حقیقی خدا بھی موجود ہے۔ اسی مالک الملک نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمھیں اس تک پہنچاؤں اور اس کی معرفت کا چراغ تمہارے دلوں میں روشن کروں۔ یہ بت اور مورتیاں جن کی تم پرستش کرتے ہو کچھ بھی نہیں۔ یہ تمہارا وہم محض ہے جس کو تم نے اور تمہارے آباواجداد نے فرض کر لیے ہیں، اللہ کی طرف سے ان کی حقانیت کی تو کوئی دلیل نہیں آئی۔ اور ان کے معبودِ برحق ہونے کی کوئی برہان نہیں۔ لہٰذا اگر تمھیں میری صداقت کی دلیل چاہیے اور میرے پیغام کی حقانیت کی گواہی مطلوب ہو تو لو میں ان دونوں جوانوں کے خواب کی تعبیر دیتا ہوں۔

'ان دونوں میں سے ایک تو قید سے رہائی پائے گا اور اپنے پہلے منصب پر فائز ہوکر بادشاہ کو شراب پیش کرے گا، اور پہلے کی طرح بادشاہ اور اس کے ندیموں میں شمار ہوگا۔ مگر یہ دوسرا پھانسی کے پھندے سے قتل ہوگا اور اس کے سر کو پرندے نوچ کر کھائیں گے۔ یہ تعبیر کسی اٹکل پچو کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک غیب پر مبنی وحی ہے۔ یہ نہ کہانت ہے اور نہ علم نجوم کی کرشمہ گری، اس کا تعلق نہ صنعت سے ہے اور نہ تعلیم سے۔ یہ دراصل اس علم کی روشنی ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کیا ہے۔ میں نے ایسی قوم کے دین سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے جو اللہ پر یقین نہیں رکھتی اور آخرت کو جھٹلاتی ہے'۔

یوسف علیہ السلام کو چونکہ خواب کی تاویل کی صداقت کا علم تھا اور اس بشارت کے وقوع پذیر ہونے کا یقین تھا؛ اس لیے آپ نے ساقی سے فرمایا جس کو نجات کا یقین ہوگیا تھا اور معافی کی توقع لیے ہوئے تھا۔'اے دوست! جب تو اس قید سے رہائی پائے اور واپس بادشاہ کے محل میں جائے اور اپنے منصب پر فائز ہوجائے تو بادشاہ سے میرا ذکر کرنا اور اسے بتانا کہ یہ مظلوم شخص قید کی سزا کاٹ رہا ہے۔ اس پر ایک ایسے جرم کا الزام لگایا گیا ہے جس سے اس کا دامن بالکل صاف ہے۔ وہ بے گناہ ہوکر قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہا ہے۔

یوسف علیہ السلام کی تعبیر سامنے آگئی، خازن تختہ دار پر چڑھا دیا گیا، اور ساقی نے رہائی پائی؛ لیکن وہ ساقی بادشاہ کی محفل میں پہنچ کر دنیاوی کاموں میں ایسا مشغول ہوا کہ یوسف علیہ السلام کا پیغام اسے ایک ذرا یاد نہ رہا، اور شیطان نے اسے یوں الجھایا کہ یوسف کے ساتھ قید میں گزری عمر کا خیال تک نہ رہا۔ اور اس طرح یوسف علیہ السلام چند سال مزید قید میں رہے۔

یوسف علیہ السلام کی قید سے رہائی

ایک دن بادشاہ بیدار ہوا تو بہت اُداس اور پریشان تھا۔ رات کو اس نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ اس نے حکومت کے تمام عالموں کو بلایا۔ قوم کے سب سرداروں کو اکٹھا کیا اور ان کو وہ خواب سنایا جو رات کو دیکھا تھا۔ خواب کی تفصیل بتاتے ہوئے اس نے کہا: میں خواب

سات موٹی تازی گائیں دیکھتا ہوں جنھیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور پھر یہ بھی دیکھتا ہوں کہ سات سرسبز خوشے ہیں اور سات خشک سوکھے ہوئے ہیں۔

بادشاہ نے خواب بیان کر کے علما سے تعبیر مانگی؛ لیکن سب اس خواب کی تعبیر سے عاجز آ گئے، اور اس مشکل گتھی کو نہ سلجھا سکے؛ لیکن بادشاہ کو طفل تسلی دینے اور اپنے علم کا پردہ رکھنے کی غرض سے کہنے لگے کہ یہ سب خیال اور وہم وگمان ہے۔ یہ صرف اور صرف پریشان خوابی ہے اور اس خوابِ پریشاں کی ہمارے پاس کوئی تعبیر نہیں۔

لیکن اس خواب نے ایک بھولے ہوئے شخص کو کچھ یاد دلا دیا، اور ایک غافل انسان کے دل سے غفلت کا پردہ سرکا دیا۔ کئی بھولی بسری یادیں اس کے ذہن میں تازہ ہوئیں اور گزرے دنوں کے کئی واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔

یہ ساقی تھا، جو بادشاہ کا خواب سن کر اور تعبیر میں رغبت دیکھ کر چونک اُٹھا تھا، اور قید کے دنوں کے ایک ساتھی یوسف کی صورت اس کے دل پر نقش ہو گئی تھی۔ وہ یوسف کے کہنے کے مطابق راحت ونعم میں تھا اور آرام وآسایش کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس نے یہ سوچا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش ہو گیا۔

بادشاہ سے دست بستہ عرض کرنے لگا: بادشاہِ معظم! قید کے زمانے سے میں ایک کریم شخص کو جانتا ہوں جو نہایت صائب فکر ہے۔ اس کی رائے میں الہام کا یقین ہوتا ہے۔ وہ اپنی عقل کے نور سے غیب کے واقعات کی کھوج کر لیتا ہے، اور اپنی تدبیر کی روشنی سے حقیقت کا سراغ لگا لیتا ہے۔ اس کے حضور خواب بیان کیے جاتے ہیں۔ وہ غور وفکر کرتا ہے۔ اور سوچ بچار کے بعد جو رائے دیتا ہے وہ یقینی ہوتی ہے۔ اور جو تعبیر دیتا ہے سچ نکلتی ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں قید خانے میں جا کر کوئی یقینی خبر لے آؤں۔

ساقی جیل میں یوسف علیہ السلام کے پاس آیا۔ یہیں اس نے ایک عرصہ مصائب وآلام میں گزارا تھا۔ اس نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام پہلے کی طرح آج بھی صابر، متقی، مومن قائم اللیل اور صائم النہار ہیں۔ ساقی نے آپ سے عرض کی: اے یوسف صدیق! میں ایک کام کے

سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر آپ وہ کام کر دیں تو اس تنگی سے آپ کو رہائی مل جائے گی، اور اس مشکل اور قید سے آپ معافی پا جائیں گے۔

آپ ہمیں ایک خواب کی تعبیر بتایئے کہ سات موٹی گائیں ہیں جنھیں سات کمزور اور نحیف گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات خوشے سبز ہیں اور دوسرے سات خشک۔ آپ یقیناً اپنے علم سے ان لوگوں کو مستفیض کریں گے جو اس خواب کی تعبیر کے مشتاق ہیں۔ یہ سوال دلوں میں ہیجان پیدا کرنے والے ہیں۔ آپ ان کا جواب مرحمت فرما کر ہمیں مطمئن کریں گے۔ مجھے یقین ہے اس تعبیر کو سن کر مصری قوم آپ کی فضیلت اور وسعت علم کی قائل ہو جائے گی۔

یوسف علیہ السلام صرف ایک عالم ہی نہیں تھے کہ خواب کی تعبیر بتا دیتے اور بس۔ بلکہ آپ ایک رسول اور ایک مصلح تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کی رہ نمائی کے لیے بھیجا تھا۔ آپ نے دنیاداروں کو دنیا اور آخرت کے متعلق صحیح اصول سکھانے تھے۔ انھیں معاش و معاد کے الٰہی قوانین سے آگاہ کرنا تھا۔ جب بھی پیغام پہنچانے کا مناسب موقع ملتا اس سے پورا فائدہ اٹھاتے۔ جب بھی دعوتِ حق کا کوئی معقول لمحہ میسر آتا اسے بروے کار لانے میں دیر نہ کرتے۔

کئی سال پہلے دو جوانوں نے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھی تھی تو آپ نے اسے موقع غنیمت خیال کرتے ہوئے توحید کی دعوت دی تھی اور بتوں کی عبادت اور شرک کی خوب قلعی کھولی تھی۔ آج مصر کا بادشاہ اپنے خواب کی تعبیر چاہتا تھا۔ اس لیے یوسف علیہ السلام مختصر جواب نہیں دینا چاہتے تھے بلکہ خواب کی تعبیر کے ساتھ ساتھ اپنا نظریہ بھی بیان کرنا چاہتے تھے اور مصری قوم کو نصیحت کرنے کا اِرادہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے خواب کی تعبیر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

آنے والے سات سال فراخی اور آسودگی کے ہوں گے۔ ان سات سالوں میں تمہاری زمینیں خوب غلہ دیں گی۔ کھیت لہلہائیں گے۔ بالیوں میں دانے خوب موٹے ہوں گے۔ کھیتوں سے خوب فصل اُٹھے گی۔ مال و دولت کی فراوانی ہوگی اور عیش و تنعم کے سب سامان میسر ہوں گے۔ ان سات سالوں کے گزر جانے کے بعد سات سال نہایت سخت ہوں گے۔ ان سات

سالوں میں ہمہ گیر قحط ہوگا۔ کوئی بارش نہیں ہوگی۔ لوگ دانہ دانہ کو ترس جائیں گے۔ دریائے نیل خشک ہو جائے گا۔ یہ اپنا وعدہ پورا نہیں کر پائے گا، اور اس کی سخاوت رک جائے گی۔ زمین کا چہرہ خشک ہو جائے گا۔ وہ اپنے اندر چھپے خزانے نہیں اگلے گی۔ تمہیں کھانے کے لیے کوئی فصل نہیں ملے گی۔ کھلیان کٹی ہوئی فصل سے خالی ہوں گے۔ وقت کے ہاتھوں تمہیں بھاری مصیبتیں اُٹھانا پڑیں گی اور بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب یہ سات سال بھی گزر جائیں گے تو ایک مرتبہ پھر تمہارے دن اچھے ہو جائیں گے۔ وقت پلٹا کھائے گا۔ کامیابیوں سے چہرے چمک اُٹھیں گے۔ سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ سرسبز و شاداب سال تم پر سایہ فگن ہوگا۔ سارے غم بھول جاؤ گے۔ ساری بگڑی بن جائے گی۔ زمین گندم اور جواُ گائے گی اور تم اسے سیر ہو کر کھاؤ گے۔ انگوروں کی کثرت ہوگی۔ زیتون اور کشمکش کی بہتات ہوگی۔ تم ان پھلوں سے خوب رس نکالو گے اور ترکاریاں پکا کر کھاؤ گے۔ یہ ہے تمہارے خواب کی تعبیر۔ اور یہی ہے تمہارے اس سوال کا جواب جس نے تمہارے دلوں میں خلجان پیدا کر رکھا تھا۔ اور یہ سب میرے رب کی وحی کا کمال ہے۔

جو تعبیر میں بتا رہا ہوں اور جس واقعہ کی میں تمہیں خبر دے رہا ہوں وہ ضرور واقع ہوگا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ شادابی کے سالوں میں جو غلہ اُٹھاؤ اسے اپنے مخزنوں میں اور گھروں میں محفوظ کر لو اور اس میں سے ایک بھی ضائع نہ ہونے دو۔ یہاں تک کہ سات سال کا سارا غلہ ایک ایک دانہ ذخیرہ ہو جائے۔ صرف اتنا خرچ کرو جس کی اشد ضرورت ہو، اور جسم کمزور نہ ہونے پائیں؛ تا کہ اس ذخیرہ شدہ مال سے شدت اور قحط کے سات سالوں میں فقر و فاقہ سے محفوظ رہ سکو۔

جب بادشاہ کے دربار میں خواب کی یہ تعبیر پہنچی اور اس تعبیر کے ساتھ وہ تدبیر بھی بیان ہوئی تو وہ سمجھ گیا کہ اس تعبیر اور تدبیر کے پیچھے کوئی روشن ذہن اور انعام یافتہ فکر کارفرما ہے۔ چنانچہ عزیز نے حضرت یوسف کو بلا بھیجا تا کہ ان کا امتحان لے۔ قحط کے انجام کے بارے میں دریافت کرے اور ان کی رائے اور علم سے فائدہ اُٹھائے۔

ایک قاصد یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے یوسف! بادشاہ

نے آپ کو دربار میں بلا بھیجا ہے، وہ تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ بادشاہ خواب کی تعبیر سن کر بہت خوش ہوا ہے اور تم نے جو تدبیر بتائی ہے اس کو اس نے بہت پسند کیا ہے۔ آپ بادشاہ کے دربار میں تشریف لائیں، وہ آپ کی عزت افزائی کرے گا اور آپ کے دن پھر جائیں گے۔

لیکن یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ اللہ کریم نے خود انھیں سکھا دیا تھا کہ صبر کیسے کیا جاتا ہے اور حلم و بردباری کیا ہے۔ انھوں نے یہ پیش کش سنی اَن سنی کر دی۔ حالاں کہ وہ رہائی اور قید سے آزادی کے کس قدر تمنائی تھے۔

ایک طویل عرصہ جیل کی وحشت اور تاریکی میں اُداس و پریشان گزرا تھا۔ مسلسل کئی سال گزر چکے تھے مگر سورج کو طلوع ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ایک مدت بیت گئی تھی پر چاند کی دل کش کرنوں کو نہیں پایا تھا۔ ستاروں کے جھرمٹ اس کے لیے قصہ پارینہ بن گئے تھے۔ سرسبز و شاداب باغ اور لہلہاتے کھیت بھولی بسری یادیں بن کر رہ گئے تھے۔ قید کی اس کوٹھری میں باسی کھانا، خشک روٹیاں اور گدلا و بدبودار پانی ان کی خوراک تھا۔ مدت ہوگئی تھی کہ جیل سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ ہاتھوں میں بھاری ہتھکڑیاں اور پاؤں میں زنجیر جسم کا حصہ بن کر رہ گئی تھیں۔ کئی راتیں ایسی بھی گزری تھیں کہ سنگ ریزوں کے بستر اور پتھر کا تکیہ نصیب ہوتا تھا۔ بارہا جاگ کر شام سے صبح کی تھی۔

یہ سارے مصائب اور یہ سب نکبتیں کسی جرم کی سزا نہیں تھیں بلکہ ایک مظلوم کی حیثیت سے برداشت کرتے رہے جو خود کسی فیصلے کا مجاز نہ تھا؛ لیکن یہ عذاب ان کے لیے قیمتی سرمایہ ثابت ہوا؛ کیوں یہ اسی عذاب و سزا کے وسیلے ان کا ایمان اور عفت و پاکدامنی کا جوہر محفوظ رہا، اور شرفِ نبوت و رسالت پر حرف نہ آسکا۔

وہ یوں رہا ہو کر کسی کا احسان سر نہیں لینا چاہتے تھے، اور اپنے آپ کو کسی کا رہینِ منت بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے آپ نے بادشاہ کے قاصد کو جواب دیا: میرے دوست! بادشاہ کو جا کر یہ پیغام دے دو کہ پہلے عورتوں کے معاملے میں تحقیق کرے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے اور جن کی وجہ سے مجھ پر یہ ظلم روا رکھا گیا ہے؛ تا کہ رہائی سے پہلے میرے الزام کی حقیقت

ظاہر ہوجائے، اور معافی سے پہلے لوگوں کو اصل حقائق سے آگاہی ہوجائے۔

یوسف علیہ السلام کے اس جواب کو سن کر بادشاہ کی دل چسپی اور بڑھ گئی۔ عورتوں کے ذکر نے اس کے دل کو مشغول کردیا اور اس معاملے کی وجوہات اس کی نظروں کے سامنے پھرنے لگیں۔ کون جانتا تھا کہ یہ معاملہ اس قدر بڑھ جائے گا کہ اس کسمپرس نوجوان کو ایک دن بادشاہِ مصر اپنے دربار میں بلائے گا۔ اس کے اندر خفیہ صلاحیتیں بادشاہ پر عیاں ہوجائیں گی اور وہ اس کے علم اور تجربہ سے آگاہ ہوجائے گا؛ لیکن ایسا ہوگیا تھا۔ وہ امور جو آج تک پردۂ خفا میں تھے ظاہر ہوا چاہتے تھے، اور جو باتیں ابھی تک چند لوگوں کے دل میں محفوظ تھیں آشکار ہوئی جاتی تھی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ عورتوں کو دربار میں حاضر کیا جائے۔ عورتیں حاضر ہوئیں۔ بادشاہ نے پوچھا: ذرا بتاؤ تو سہی کہ جب تم نے یوسف کو حاجت برآری کے لیے بلایا تو تمہارا معاملہ کیا ہوا؟ اب انکار کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ عورتوں کی زبان پر جھوٹی بات نہ آسکی، بلکہ انھوں نے سچی بات کہہ دی اور بولیں: حاشا وکلا! ہم نے تو ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ ہم صرف اتنا جانتی ہیں کہ یوسف ایک عفیف، کریم، بلند اخلاق کا حامل، اور امانت دار جوان ہے، نہ تو ان کی سوچ میں کوئی کجی ہے اور نہ پاک دامنی میں کوئی شک۔

عزیزِ مصر کی بیوی زلیخا نے وضاحت کی۔ اس کی جوانی ڈھل چکی تھی، اور دنوں اور سالوں نے اس کے حسن و جمال کو گدلا کردیا تھا۔ اب تو حق آشکار ہوچکا ہے۔ میں نے ہی اسے مطلب برآری کے لیے پھسلانا چاہا۔ میں نے ہی گناہ کرنے کے لیے ان کا ہاتھ پکڑا تھا؛ کیوں کہ یوسف نہایت حسین وجمیل اور وجیہ وشکیل جوان تھا۔ اور میرے بہت ہی قریب رہتا تھا۔

اس کی شخصیت ہر لمحہ میری آنکھوں کے سامنے رہتی تھی۔ میں اس سے عشق کر بیٹھی اور میں اس کے عشق میں اس قدر گرفتار ہوئی کہ اس کا تصور دل سے جدا نہ کرسکی۔ میں نے اسے بلایا لیکن اس نے انکار کردیا۔ میں نے اس سے قرب کا مطالبہ کیا لیکن وہ میرے قریب نہ آیا۔ وہ اپنے مالک کی عزت کا محافظ اور میرے خاوند کا وفادار رہا۔

میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے ہی اسے قید خانے میں ڈلوایا اور میں نے اسے اس تکلیف میں مبتلا کیا۔ آج میں اس جرم کا برملا اظہار کرتی ہوں، اور دن دہاڑے بادشاہ کے سامنے اس کے بھرے دربار میں ان تمام سرداروں اور اعیانِ مملکت کے روبرو کہتی ہوں تاکہ یوسف جو ابھی زندان میں ہے جان لے کہ میں نے اس پر کوئی عیب نہیں دھرا۔ میں نے اس کی بلند اخلاقی پر کوئی قدغن نہیں لگائی۔ قید کے دن سے اس گھڑی تک جس میں اس کے متعلق فیصلہ ہو رہا ہے میں ایک لفظ بھی ان کی شان کے خلاف زبان پر نہیں لائی ہوں۔ میں نے تو بہت پہلے اس بات کا اعتراف کرلیا تھا کہ میں نے ہی اسے ورغلانے کی کوشش کی ہے؛ لیکن اس نے دامن کو داغ دار نہ ہونے دیا۔ آج میں پھر اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے ہی اسے گناہ پر اُکسایا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔

یوسف بحیثیت عزیزِ مصر

عزیزِ مصر کی بیوی کی شہادت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بری الذمہ قرار دے دیا اور ان کی بے گناہی اور پاک دامنی اظہر من الشمس ہوگئی۔ ساقی جو عرصہ تک آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوا تھا۔ اس نے جو آپ کی بلند اخلاقی دیکھی تھی وہ بھی اس شہادت کو ثابت کرتی تھی۔ کوئی اور گواہی نہ بھی ہوتی تو صبر و استقامت اور ظلم کے ہوتے ہوئے اس قدر تواضع آپ کی بلند اخلاقی کے شاہد عادل تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے بادشاہ کے خواب کی نہایت ہی اچھی تعبیر بتائی اور ساتھ اس مشکل کا حل بھی بتا دیا تھا۔ پھر جب انھیں جیل سے بلایا گیا تو انھوں نے اس وقت تک باہر نکلنے سے انکار کر دیا تھا جب تک ان کی بے گناہی ثابت نہیں ہو جاتی۔ یہ چیزیں ظاہر کر رہی تھیں کہ یوسف علیہ السلام کوئی عام انسان نہیں بلکہ مطلع انسانیت کا بدرِ کامل ہیں۔

انہی اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ عالیہ نے بادشاہ کے دل میں ایک سچا جذبہ پیدا کر دیا کہ وہ یوسف جیسے بلند کردار شخص کو قربت بخشے اور اسے اپنے زعما میں شریک کرے؛ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ یوسف جیسے شخص کی وجہ سے ساری دولت سمٹ کر اس کے قدموں میں آجائے گی اور قحط سالی

میں صرف وہی ملک کو بحران سے نکال سکے گا۔

یوسف علیہ السلام دربار میں تشریف لائے اور بادشاہ سے بات چیت کی۔اس گفتگو سے بادشاہ کو یقین آ گیا کہ یوسف ایک ذہین وفطین، صائب الرائے، بلند فکر ونظر اور عقل وخرد کا حامل شخص ہے۔اس نے جو کچھ سنا تھا اس بات چیت نے اسے سچ ثابت کر دیا تھا۔یوسف علیہ السلام اس کی توقع سے بھی بڑھ کر عقل منداور مدبر نکلے۔

بادشاہ نے کہا: اے یوسف! آپ جس اخلاقِ کریمانہ سے متصف ہیں، اور آپ کے متعلق لوگ جو باتیں کرتے ہیں۔آپ کا شان دار ماضی، آپ کی عقل وخرد اور فکر ونظر پر مبنی گفتگو، ان تمام چیزوں نے میرے دل میں آپ کی قدر ومنزلت بڑھا دی ہے۔آپ بلند مقام کے لائق ہیں۔آج سے آپ میری دولت پر امین ہیں۔آپ ملکی بھلائی کے لیے کام کریں گے۔ آپ اس ملک کی اصلاح کے لیے کوشش کریں گے۔آپ کو مکمل اختیار ہے۔آپ جو کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ملک کے سارے معاملات آپ کے سپرد کیے جاتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ ملک کو اس فراخی کے بعد قحط سالی کا سامنا کرنا ہے۔ سات سال تک تو زمینوں کو خوب سیراب کرے گا؛ لیکن قحط شروع ہوگا تو اس کا پانی بھی خشک ہو جائے گا، اور کھیت پانی نہ ہونے کی وجہ سے بنجر ہو جائیں گے؛ اس لیے ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے فکر وتدبر کی ضرورت ہے۔جب تک منصوبہ بندی کر کے معاملات کو سلجھانے کی کوشش نہیں کی جائے گی مشکلات پر پر قابو پانا ناممکن ہوگا۔اور منصوبہ بندی کے لیے ضروری ہے کہ مال ودولت کا سارا انتظام وانصرام میرے ہاتھ میں ہو، اور خزانوں کی چابیاں میرے سپرد ہوں؛ کیوں کہ معیشت کسی بھی قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔قوم کی ترقی کا کافی حد تک انحصار اقتصادیات پر ہی ہوتا ہے۔

اگر معیشت کو قوم کا جوہر اور اصل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔اس لیے ضروری ہے کہ زمامِ معیشت میرے ہاتھ میں ہوتا کہ میں ملک وملت کے لیے کوئی ٹھوس اقدام کرسکوں؛ اس لیے آپ نے بادشاہ سے کہہ دیا: اگر آپ مجھے اس قوم کا نگران مقرر کرنا چاہتے ہیں اور ملکی معاملات

کا اہتمام میری سوچ کے مطابق چلانا چاہتے ہیں تو پھر مجھے ملکی خزانوں کا امین اور وزیر مقرر کردیں۔ ان شاء اللہ اُمت جس اصلاحِ احوال اور تبدیلی کی خواہاں ہے یا تنگی وفراخی اور قحط سالی وآسودگی کے دنوں میں جس قسم کے حالات کی مجھ سے توقع رکھیں گے میں ان پر پورا اُتروں گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بادشاہی عطا کردی۔ آپ مصر کے شب وروز میں ایک مطلق العنان وزیر تھے۔ آپ جو بات کہتے بادشاہ اس پر صاد کرلیتا تھا۔ جو حکم دیتے اس پر عمل ہوتا۔ آپ کی بارگاہ میں جود وسخا کا خوب مظاہرہ ہوتا۔ لوگ آتے اور اپنی جھولیاں بھر بھر کرلے جاتے۔ کل تک آپ قیدخانے میں ایک قیدی کی زندگی بسر کررہے تھے، اس سے قبل ایک غلام تھے جسے بیچا اور خریدا جاتا ہے، جو خود مختار نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے؛ مگر آج آپ وزیر مملکت ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو وزیر بنے سات سال کو عرصہ بیت چکا تھا۔ ان سات سالوں میں دریائے نیل نے خوب سخاوت کا مظاہرہ کیا۔ زمین نے خوب فصلیں اُگائیں، اور مصریوں کی زندگی آسان بنادی، مال ودولت کی فراوانی ہوگئی۔ راحت وآرام اور نازونعم کے سائے میسر آگئے۔

یوسف علیہ السلام ایک اچھے، بیدار مغز، فطین اور دوراندیش بادشاہ ثابت ہوئے۔ آپ نے غلہ جمع کرنے کے لیے اسٹور اور بڑے بڑے مکان تعمیر کروائے۔ پھر ان اسٹوروں اور مکانات کو غلے اور ضرورت کی دوسری چیزوں سے بھر دیا۔

اب قحط شروع ہوتا ہے۔ اور یہ سات سال تک برابر محیط رہتا ہے؛ مگر مصر کے لوگوں نے یہ عرصہ نہایت اطمینان سے گزارا۔ ان کی معیشت میں کوئی فرق نہ آیا۔ انھیں زندگی کی سب سہولتیں میسر رہیں اور مالی مشکلات کا کچھ بھی سامنا نہ کرنا پڑا۔

یہ قحط صرف مصر تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اردگرد کے کئی دوسرے ممالک بھی اس کی لپیٹ میں

آ گئے تھے۔ یہاں تک کہ کنعان کا ملک بھی اس قحط سالی سے محفوظ نہ رہا جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام، آپ کے بیٹے اور پوتے قیام پذیر تھے۔

یوسف کا ذکرِ خیر مصر کی گلی گلی ہونے لگا۔ ان کے نورِ فراست کی پورے مصر میں دھوم مچ گئی۔ آپ صرف ایک دانا وزیز ہی نہ تھے بلکہ اپنے پہلو میں ایک دردمند دل بھی رکھتے تھے، اور لوگوں میں آپ کا یہ وصف خوب مشہور تھا۔ مصر سے باہر دوسرے لوگوں تک بھی یہ خبر پہنچ گئی کہ مصر کے وزیر یوسف نے بہت زیادہ غلہ اسٹور کر رکھا ہے۔ وہ نہ صرف مصریوں کو غلہ دے رہا ہے بلکہ دوسرے ملکوں کے لوگوں کو بھی اجازت ہے، وہ بھی غلہ خرید سکتے ہیں۔ وہ غلہ دینے میں مصری اور غیر مصری کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا۔ جو بھی آتا ہے غلہ خرید کر لے جاتا ہے۔ وہ بڑا عادل ہے۔ کوئی بے انصافی نہیں کرتا۔

یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچوں کو یہ حکم دیا کہ اے میرے بچو! قحط عام ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں بھی مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے؛ لہٰذا تیاری کرو، اپنے اونٹوں پر کجاوے ڈال دو اور عزیزِ مصر کے پاس جاؤ جس کا ذکر اکثر وفود کرتے ہیں۔ آج جس کی سخاوت کے چرچے ہیں، جس کے نام کی بازگشت صحرا اور پہاڑوں میں سنائی دیتی ہے، جس کے نام کا طوطی شہروں اور دیہاتوں میں بولتا ہے؛ مگر بنیامین کو میرے پاس چھوڑ دو جانا تاکہ تمہاری جدائی میں وہ مجھے تسلی دے اور تمہاری واپسی تک میرے آرام کا خیال رکھے۔ جاؤ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ وہی تمہارا ہادی اور نگہبان ہو گا۔

دربان حاضر ہو کر عرض کرتا ہے، حضرت! دروازے پر دس جوان کھڑے ہیں جن کی قمیص ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں، اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضور! ان جوانوں کے چہرے سے بھلائی اور صلاح کا نور پھوٹ رہا ہے۔ لگتا ہے مسافر ہیں، اور کسی دوسرے ملک سے آئے ہیں۔ ان کی زبان، لہجے، حیرت اور تردد سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے آپ کے دربار میں حاضر نہیں ہوئے۔ حضور! اگر اجازت ہو تو انھیں اندر بلا لوں؟۔

یوسف علیہ السلام نے ملاقات کی اجازت دے دی۔ یہ سب بھائی اندر آ گئے۔ یوسف

علیہ السلام نے جو دیکھا تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ یوسف علیہ السلام کے بھائی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ وقت کی رفتار نے ان کے خدوخال میں کوئی زیادہ تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔ امتدادِ زمانہ نے ان کی شکل وشباہت میں کوئی خفا نہیں رکھا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ میرے درپئے آزار ہوئے تھے۔ انھوں نے ہی باپ بیٹے میں جدائی پیدا کی تھی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے مجھے طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ان کے لگائے ہوئے زخم آج بھی یوسف کے دل پر موجود تھے، وہ زخم ابھی تک رِس رہے ہیں۔ اللہ کی شان کہ آج وہی بھائی آپ کی خدمت میں دست بستہ کھڑے ہیں۔ ان کی آمد کسی پروگرام کے تحت نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے لطیف وخبیر پروردگار کا حکم کارفرما تھا۔

وقد يجمع الله شتيتين بعد ما

يظنان كل الظان أن لا يـلاقيا

یعنی کبھی اللہ دو بچھڑے دوستوں کو ملا دیتا ہے؛ حالاں کہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ دوبارہ مل پائیں گے۔

یوسف علیہ السلام تو پورے طور پر پہچان چکے تھے لیکن ان کے بھائی انھیں نہ پہچان سکے، وہ مطلق بے خبر رہے۔ کہاں یوسف! جسے وہ کنویں میں ڈال آئے تھے، جس کے متعلق آج کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ لقمہ اجل بن چکا ہے یا درندوں نے چیر پھاڑ کھایا ہے یا غلاموں کے بازار میں کس کے ہاتھ بک گیا ہے۔ اور کہاں یہ تاجدار بادشاہ! جس کا حکم پورے مصر پر چلتا ہے اور جس کے اردگرد حشم وخدم ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے ہیں؛ لیکن حضرت یوسف بڑے محتاط اور سیانے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کمالِ بصیرت اور ذہانت سے نوازا تھا۔ وہ بڑے عقل مند اور دوراندیش تھے۔ چنانچہ آپ نے ظاہر نہ ہونے دیا کہ میں کون ہوں، اپنے متعلق انھیں کچھ نہ بتایا، اور انھیں مکمل اندھیرے میں رکھا۔

آپ چاہتے تھے کہ ان کے دلی ارادوں پر آگاہی حاصل کریں۔ ان سے گھر کے حالات

معلوم کرلیں، اور یعقوب علیہ السلام اور بنیامین کے بارے میں کھوج لگائیں؛ اس لیے آپ نے حکیمانہ انداز اپنایا اور بڑی سنجیدگی اور تجربے کی زبان استعمال کی، اور اس ملاقات میں ان پر حقیقت حال آشکار نہ ہونے دی۔

آپ نے حکم دیا کہ یہ نوجوان میرے مہمان ہیں۔ وہ میرے پاس ٹھہریں گے۔ چنانچہ آپ نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی اور ان سے خوب تعظیم وتکریم سے پیش آئے۔

چند دن گزرنے کے بعد انھیں اپنے پاس بلایا اور فرمایا: میں نے اپنی طرف سے تمہاری خاطر مدارات کی پوری کوشش کی ہے۔ اب میرا یہ حق بنتا ہے کہ میں تم سے کچھ پوچھوں، اور تمہاری شناخت کروں۔

چنانچہ آپ نے دریافت فرمانا شروع کیا: تم کون ہو؟ اور کس کام سے آئے ہو؟ میں تمہاری اس تعداد کو دیکھ کر شک میں پڑ گیا ہوں۔ کہیں تم جاسوسی کی غرض سے تو نہیں آئے۔ کیا تم مجھے اپنے بارے میں کچھ بتانا مناسب سمجھو گے؛ تاکہ میرا شک دور ہوجائے اور بدگمانی حسن ظن اور یقین سے بدل جائے۔

کہنے لگے: اے عزیزِ مصر! ہم بارہ بھائی ہیں۔ ہمارے والد گرامی اللہ کے برگزیدہ رسول اور نبی ہیں۔ بارہ میں سے دس تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور آپ کے جود وسخا اور لطف وکرم کے اُمیدوار ہیں۔ اور یک بھائی کو والد گرامی کی خدمت کے لیے گھر چھوڑ آئے ہیں، جب کہ بارھواں عرصے سے لاپتا ہے۔ نہ معلوم کہ وہ اللہ کو پیارا ہوگیا ہے یا اللہ کی وسیع زمین کے کسی حصے میں زندہ سلامت ہے۔ ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ یہ ہے ہماری روداد۔ اس میں ہم نے کچھ نہیں چھپایا اور سب باتیں کھول کر خدمت میں بیان کردی ہیں۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہو؛ لیکن بغیر دلیل اور بغیر کسی گواہ کے تمہاری بات میں کوئی وزن نہیں۔ کوئی دلیل پیش کرو یا کوئی گواہ لاؤ تاکہ میں تمہارے بارے میں مطمئن ہوسکوں، اور تمہاری بات کا یقین کرلوں۔

برادرانِ یوسف نے کہا: ہم اپنے وطن سے دور غریب الدیار ہیں۔ اس ملک میں نہ کوئی

دوست ہے نہ رشتہ دار۔ ہم کیا دلیل دیں اور کون سا گواہ پیش کریں، ایسا کرنا تو ہمارے بس کا روگ نہیں۔ ہماری پہچان کا کوئی اور طریقہ سوچیں، اور کوئی اور راہ نکالیں۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ٹھیک ہے، میں تمھیں غلہ دے دیتا ہوں اور تمھیں خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتا؛ لیکن تمھیں ایک شرط ماننا پڑے گی۔ انھوں نے بصد ادب واحترام گزارش کی کہ حضور فرمائیے کیا شرط ہے؟۔

آپ نے فرمایا: جب تم دوبارہ آؤ گے تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لاؤ گے جسے تم والد کی خدمت کے لیے چھوڑ آئے ہو۔ وہ تمہارا گواہ ہوگا اور تمہاری ان باتوں کی صحت کی شہادت دے گا۔ اگر جو کچھ تم نے کہا ہے سچ ثابت ہوا تو میں اس سے بڑھ کر تمہاری عزت افزائی کروں گا اور ایک اونٹ کا غلہ تمھیں مفت مہیا کروں گا۔ یہی میری شرط ہے اور یہ میرا وعدہ ہے؛ مگر یاد رکھو اگر تم بھائی کو ساتھ نہیں لاؤ گے تو میں تمھیں غلہ نہیں دوں گا اور تم سے ملاقات بھی نہیں کروں گا۔

بھائیوں نے جواب دیا: اے عزیز! ہمارے والد گرامی اسے ہمارے ساتھ نہیں آنے دیں گے؛ کیوں کہ وہ اسے ایک لمحہ کے لیے اپنے آپ سے الگ نہیں کرتے۔ بہرحال! ہم کوشش کریں گے، اگر وہ مان گئے تو ہم اپنے بھائی کو ضرور ساتھ لے آئیں گے۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ انھیں غلہ تول دو اور جو رقم لائے ہیں اسے بھی چپکے سے ان کی سواری میں رکھ دو۔ ہاں! خیال رکھنا، انھیں بالکل محسوس نہ ہونے پائے کہ چاندی کے وہ سکے جو وہ غلہ خریدنے کے لیے لائے تھے ان کی سواریوں میں واپس رکھ دیے گئے ہیں۔ دراصل یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ اس بہانے یہ لوگ واپس آئیں گے اور وہ اپنے مدتوں سے بچھڑے ہوئے بھائی کو مل سکیں۔

وہ مصر سے نکلے اور کنعان کی راہ لی۔ عزیز مصر کی پاکیزہ اور شیریں یادیں ان کے ساتھ تھیں۔ یعقوب علیہ السلام نے انھیں خوش آمدید کہا۔ ان سے مصر کے حالات دریافت کیے اور سفر کے واقعات سنے۔

انھوں نے بتایا: ابا جان! ہم ایک مہربان اور عظیم شخص سے مل کر آئے ہیں۔اس نے ہماری بڑی آؤ بھگت کی ہے۔اس نے مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا ہے۔ابا جان!اس نے ہمیں بہت زیادہ غلہ دیا ہے اور ہمیں اچھی طرح ٹھہرایا ہے؛ مگر اس نے ہم سے ایک وعدہ لیا ہے، اور ایک شرط لگائی ہے کہ اب کی بار جب ہم غلہ لینے جائیں تو اپنے بھائی کو ساتھ لے جائیں جو عزیز کے روبرو ہماری گواہی دے؛ کیوں کہ اس کو شک ہے کہ ہم جاسوس ہیں، اور کسی خاص مقصد کے لیے مصر گئے ہیں۔کل غلہ کی سواریاں خالی ہو جائیں گی اور ہم دوبارہ مصر کو جائیں گے۔ آپ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ وہ غلہ تولنے میں ہماری مدد کرے اور عزیز کے سامنے ہماری صفائی بیان کرے۔

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں بنیامین کو سفر کی اجازت نہیں دوں گا۔میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔تمہارا خیال ہے کہ میں یوسف کی طرح اسے بھی تمہارے حوالے کر دوں۔ مجھے معاف رکھنا۔اب مجھے دھوکے میں نہ ڈالو، اور مجھے اپنی سازشوں سے بچاؤ۔

اب انھوں نے اپنے سامان کو کھولا۔کجاوے اُتارے۔سواریوں سے غلہ نکالا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سواری میں رقم رکھ کر واپس کر دی گئی ہے۔ان کی چاندی کے تمام سکے لوٹا دیے گئے ہیں۔وہ اچھلتے کودتے اپنے والد گرامی کے پاس آئے اور انھیں اس واقعے کی اطلاع کی۔انھوں نے بتایا کہ اے والد گرامی! ہم نے آپ کے حضور جھوٹ نہیں بولا۔ہم عزیز سے مل کر آئے ہیں۔اس نے ہم پر کمالِ مہربانی فرمائی ہے۔یہ دیکھو اس کی مروّت کا بین ثبوت۔اس نے ہماری رقم بھی واپس کر دی ہے، اور ہمیں غلہ بھی دیا ہے۔

ابا جان! ہم نے بنیامین کو ساتھ لے جانے کی جو بات کی ہے اس میں بخدا کوئی دھوکہ نہیں۔اگر یقین نہیں آتا تو یہ دیکھیں اس نے غلہ دے کر بھی ہم سے رقم نہیں لی، اور چاندی کے سارے سکے واپس کر دیے ہیں۔بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ہم اس پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے اور اس کی حفاظت میں کوئی کسر روا نہیں رکھیں گے۔

یعقوب علیہ السلام سمجھتے تھے کہ غلہ کی اشد ضرورت ہے اور واقعی وہ مصر کو جانا چاہتے ہیں

اور اب کی بار وہ وعدہ نبھائیں گے۔ پھر عزیز کے ساتھ جو وعدہ کر آئے ہیں اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لیے آپ نے بنیامین کو اجازت دے دی، اور اپنے سارے بچوں سے یہ وعدہ لیا کہ صورتِ حال کچھ بھی ہو تم بنیامین کو بخیر وعافیت واپس لاؤ گے۔ ہاں! اگر کوئی واقعہ رونما ہو جاتا ہے کہ سب بے بس ہو جاتے ہیں تو پھر کسی پر کوئی قدغن نہیں۔ حتی الوسع تم اس کی پوری پوری حفاظت کرو گے۔ انھوں نے شرط منظور کر لی اور قسم کھائی کہ وہ جو کہہ رہے ہیں اللہ کو اس پر گواہ بناتے ہیں۔

اونچے نیچے راستوں پر سفر کرتے ہوئے وہ مصر پہنچ گئے، اور یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی۔ حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو دیکھا تو محبت نے جوش مارا، اور غم کا ایک طوفان ان کے دل پر چھا گیا؛ مگر آپ نے اپنے جذبات پر قابو پالیا اور کسی کو کچھ خبر نہ ہونے دی کہ یوسف علیہ السلام کے دل کی کیفیت کیا ہے۔

آپ نے مہمانوں کی ضیافت کی، اور انھیں دو دو کر کے کھانے پر بٹھایا۔ بنیامین اکیلا رہ گیا، اور یوسف کو یاد کر کے وہ رویا اور کہنے لگا: اے کاش! آج میرا بھائی یوسف زندہ ہوتا تو وہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا۔

عزیز مصر نے بنیامین کو اپنے ساتھ بٹھالیا، اور اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ جب سب کھانا کھا چکے تو عزیز نے حکم دیا کہ انھیں دو دو کر کے الگ لگ کمروں میں ٹھہرایا جائے اور وہ نوجوان جس کا بھائی ہو گیا ہے وہ میرے ساتھ قیام کرے۔

عزیز مصر بنیامین کو اپنے کمرے میں لے گیا اور فرمایا: اے نوجوان! کیا تو اس بات کو پسند کرے گا کہ میں تیرے مرحوم بھائی کے بدلے تیرا بھائی بن جاؤں۔ بنیامین نے کہا کہ آپ جیسا بھائی کسے میسر آسکتا ہے؛ لیکن پھر بھی تو یعقوب کا لختِ جگر اور راحیل کا نورِ نظر تو نہیں۔

عزیز نے جب اپنے باپ یعقوب اور اپنی ماں راحیل کا نام سنا تو زار وقطار رونے لگے، اُٹھے اور بنیامین کے گلے میں بانہیں ڈال دیں، اور بتایا کہ اے بنیامین! میرے ماں جائے میں وہی یوسف ہوں جس کی جدائی میں تو رو رہا ہے اور جسے ایک مدت سے دیکھنے کو تیری آنکھیں

ترس گئی ہیں۔

گردشِ دوراں نے مجھے کتنے پلٹے دیے۔ وقت کے بے رحم ہاتھوں نے مجھ کو مشقِ ستم بنایا۔ میں نے اپنے بھائیوں کی وجہ سے کیا کیا تکلیفیں نہ برداشت کیں۔ اُن کی وجہ سے مجھے طرح طرح کی صعوبتیں اُٹھانا پڑیں اور کئی آزمائشوں سے گزرنا پڑا؛ لیکن میں نے صبر سے کام لیا۔ میں سب کچھ سہتا رہا اور میں نے اُف تک نہ کی؛ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صبر کا پھل دیا۔ میری مسکنت کو نعمت سے، فقر کو غنا سے، ذلت کو عزت سے اور قلت کو کثرت سے بدل دیا۔ ابھی یہ راز کسی سے نہ کہنا اور اپنے بھائیوں کو بھی یہ نہ بتانا کہ میں یوسف ہوں۔

بنیامین کے دل کو قرار آ گیا۔ اس کا غم خوشی میں بدل گیا۔ اس کی ساری پریشانیاں ختم ہوگئیں، اور رات کو اپنے بھائی کے کمرے میں میٹھی نیند سو گیا۔ جب رات گزر گئی اور صبح طلوع ہوئی تو بنیامین اپنے بھائی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ ساری کلفتیں بھول کر پُرمسرت زندگی گزارنے کی ابتدا کر چکا تھا۔

ضیافت کے دن ختم ہو گئے، اور کنعانی قافلے نے واپسی کا اِرادہ کیا۔ یوسف علیہ السلام نے سوچا کہ کیوں نہ انھیں چکر دیا جائے اور بنیامین کو کسی طریقے سے اپنے پاس روک لیا جائے۔ چنانچہ آپ نے خدام کو حکم دیا کہ ان کا سامان تیار کرو اور غلہ بانٹنے کا برتن چپکے سے بنیامین کے سامان میں رکھ دو۔

آپ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا گیا۔ جب قافلہ الوداع کر کے چلنے لگا تو منادی نے بلند آواز سے اعلان کیا: اے عزمِ سفر باندھنے والو! اپنے اونٹوں کو بٹھا دو، اور اپنے سامان اُتارو؛ کیوں کہ تم نے بادشاہ کی چوری کی ہے۔

یہ اعلان سن کر قافلے پر دہشت طاری ہوگئی، اور سب کانپ گئے۔ فوراً منادی کے پاس پہنچے، اور احتجاج کیا: یہ سب جھوٹ ہے، محض الزام ہے۔ ذرا بتاؤ تو کہ تمھاری کیا چیز چوری ہوئی ہے؟۔ منادی نے جواب دیا کہ بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے، اور ہمیں پورا پورا شک ہے کہ وہ برتن تم نے چرایا ہے اور اسے اپنے سامان میں چھپا رکھا ہے۔ اگر تم اعتراف کرلو اور برتن واپس کر دو

توتمھیں معافی مل جائے گی اور تمہارا راستہ نہیں روکا جائے گا۔

پھر اس نے اعلان کیا کہ جو شخص بادشاہ کا پیالہ تلاش کردے گا اسے ایک اونٹ کا لدا ہوا غلہ دیا جائے گا۔ یہ بادشاہ کا وعدہ ہے اور اس وعدے کو ضرور پورا کیا جائے گا۔

برادرانِ یوسف نے کہا: بخدا! ہم یہاں فساد برپا کرنے نہیں آئے۔ ہم نے کوئی چوری نہیں کی۔ منادی نے کہا: ہم تم پر جرم عائد نہیں کررہے، اور پورے قافلے کو چوری کا الزام نہیں دے رہے؛ لیکن اگر تم میں سے کسی شخص نے چوری کی جسارت کی ہو اور بادشاہ کا پیالہ اس کے پاس سے برآمد ہو جائے گا تو خود ہی بتاؤ کہ اس کو کیا سزا ملنی چاہیے۔

اہل قافلہ نے کہا: ہمارا ایک قانون اور دین ہے جس کی ہم پیروی کرتے ہیں، اور ہم ایک عہد اور نامہ کے پابند ہیں، اور اس سے سرمو بھی انحراف نہیں کرسکتے۔ اس قانون کے مطابق چور کی سزا یہ ہے کہ جس کے پاس چوری کا یہ پیالہ ملے وہ تمہاری قیدی ہوگا اور غلام قرار پائے گا۔ یہی ہمارا قانون ہے، اور یہی ہمارا دین ہے؛ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہم بری الذمہ ہیں اور ہمارے اندر کوئی کھوٹ نہیں۔

یوسف علیہ السلام یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور اس رائے کو پسند کیا؛ کیوں کہ مصری قانون میں چوری کی سزا دائمی غلامی نہیں تھی؛ مگر اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں پر تمکنت دینا چاہتا تھا؛ اس لیے انھوں نے خود ہی یہ فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

ایک ایک شخص کے سامان کی تلاشی شروع ہوگئی۔ آخر میں بنیامین کا سامان کھولا گیا۔ وہ برتن اس کے سامان سے برآمد ہوا۔ قافلے والے اس صورتحال کو دیکھ کر حیران رہ گئے، ان کے چہرے پیلے پڑ گئے، ڈر کے مارے ان کی زبانیں گنگ ہوگئیں اور ساکت وصامت سب دہشت کے مارے کانپ گئے۔ سب لوگوں نے شرمندگی سے سر جھکا لیے اور بہت خجل ہوئے۔

یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اب تم کو وہ شرط پوری کرنا ہوگی۔ میں نے تم سے ایک وعدہ لے رکھا ہے۔ اس وعدے اور شرط کے مطابق یہ جوان جس کے سامان سے پیالہ درآمد ہوا ہے ہمارے فیصلے کا پابند ہے۔ ہم اس سے اپنا حق لیں گے۔

قافلے والوں نے عرض کی: اس کے باپ عمر رسیدہ ہیں۔ ان کی عمر اسی سال کی ہوا چاہتی ہے۔ وہ اس سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ہم ان سے وعدہ کر کے آئے ہیں کہ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے اور اسے ضرور واپس لائیں گے۔ ہم دس حضور کی خدمت میں حاضر ہیں :

فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهُ اِنَّا نَرٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ o

تو آپ ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ پکڑ لیجیے۔ بے شک ہم آپ کو نیکو کاروں میں سے دیکھتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا :

مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّأْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗ، اِنَّا اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ o

اللہ کی پناہ کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا اس کے سوا کسی (اور) کو پکڑ لیں تب تو ہم ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

جب انھیں پوری طرح یقین ہو گیا کہ یہ اب عزیز مصر سفارش قبول نہیں کرے گا اور اپنے ہی ایجاد کردہ رواج کی وجہ سے پوری طرح پھنس گئے ہیں تو تنگ آ کر آپس میں مشورہ کیا اور اس مسئلے پر تبادلۂ خیال کیا۔

یہودہ نے کہا: تم جانتے ہو کہ والد نے ہم سے وعدہ لیا ہے اور قسم کو پورا کریں گے۔ ذرا سوچو واپس جا کر انھیں کیا منہ دکھائیں گے۔ ہم کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنے بھائی کو کھو دیا ہے، اور قسم توڑ دی ہے۔ ابھی تو ان کے دل سے یوسف کی جدائی کا غم مندمل نہیں ہوا، اور ابھی تک اس کے غم میں ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہیں۔ پہلا جرم بھی تو ہم سے سرزد ہوا ہے، اور اب یہ دوسرا جرم بھی ہمارے ہاتھوں ہو رہا ہے۔

فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتّٰى يَأْذَنَ لِيْ أَبِيْ أَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ، ارْجِعُوْا إِلٰى أَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰاَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ، وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْ أَقْبَلْنَا فِيْهَا وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ o (۸۰تا۸۲)

سو میں اس سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا جب تک مجھے میرا باپ اجازت (نہ) دے یا میرے لیے اللہ کوئی فیصلہ فرما دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ تم اپنے باپ کی طرف لوٹ جاؤ پھر (جا کر) کہو: اے ہمارے باپ! بیشک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے (اس لیے وہ گرفتار کرلیا گیا) اور ہم نے فقط اسی بات کی گواہی دی تھی جس کا ہمیں علم تھا اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے۔ اور (اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو) اس بستی (والوں) سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے اور اس قافلہ (والوں) سے (معلوم کر لیں) جس میں ہم آئے ہیں، اور بیشک ہم (اپنے قول میں) یقیناً سچے ہیں۔

نو بھائی تو چل دیے؛ لیکن یہودہ جو سب سے بڑا تھا یہیں رک گیا۔ یہ قافلہ جب کنعان پہنچا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو بنیامین نظر نہ آیا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ وہ اس قدر پریشان ہوئے گویا کہ جگر کا ٹکڑا کاٹ کر الگ کر دیا ہو۔

آپ نے غم واندوہ میں رچی ہوئی آواز میں فرمایا: تم نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا کر دیا؟ تمہاری وہ قسمیں، اور وہ وعدے کیا ہوئے؟، انھوں نے تمام صورت حال بیان کر دی، اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ نے ان کی بات سن کر چہرۂ مبارک پھیر لیا اور فرمایا :

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ o

بلکہ تمہارے نفسوں نے یہ بات تمہارے لیے مرغوب بنا دی ہے، اب صبر (ہی) اچھا ہے۔

اس سے پہلے مجھ سے یوسف جدا ہوا؛ مگر آج تو بنیامین بھی داغِ جدائی دے گیا ہے، اور تم یہودا کو بھی کہیں چھوڑ آئے ہو۔ آج مجھے وہ بھی نظر نہیں آ رہا :

عَسَى اللّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ o

قریب ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ بے شک وہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

یوسف اور یعقوب کی ملاقات

حضرت یعقوب علیہ السلام کو غموں نے گھیر لیا، اور دکھوں نے ان کے دل میں پنجے گاڑ دیے۔ نیند تھی کہ پریشانی کی وجہ سے کوسوں دور۔ اب کون ان کے غم غلط کرتا۔ کون پریشانی کی ان گھڑیوں میں تسلی کے دو حرف کہتا۔ ہاں! تسلی کی صرف دو گھڑیاں تھیں۔ ایک وہ جو یادِ الٰہی میں صرف ہوتی۔ آپ نماز پڑھتے، سجدہ و رکوع بجالاتے اور رات کی تاریکیوں میں دست بستہ کھڑے ہوتے۔ اللہ سے صبر کی التجا کرتے اور یمان ویقین کا سوال کرتے۔

دوسری وہ گھڑی کہ جس میں اپنے متعلق سوچتے۔ اپنے بچھڑے ہوئے دونوں بچوں کو یاد کرتے۔ پھر آنسو چھلک پڑتے اور آواز رندھ جاتی۔ پلکیں تر بتر ہو جاتیں، اور پھر یہ غم آنسو بن کر آنکھوں سے بہہ جاتا۔ آپ کو عبادت اور ذکر خداوندی سے صبر اور ایمان کی دولت ملتی اور آنسو بہہ جاتے تو دل میں قدرے راحت اور سکون محسوس ہوتا۔

لم یخلق الدمع لامری عبثاً

اللّٰہ اَدریٰ بلوعة الحزن

یعنی انسان کی آنکھوں سے جھڑنے والے آنسو عبث پیدا نہیں کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ غم کی سوزش سے خوب واقف ہے۔

یوسف علیہ السلام کے فراق میں آپ اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں، جسم لاغر ہو گیا، اور چہرے کی ساری شادابی جاتی رہی؛ یہاں تک کہ ایک آپ کا ایک بیٹا کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ آپ اتنے لاغر ہو گئے ہیں کہ نماز بھی اَدا نہیں کر سکتے۔ سارا سارا دن آہ و بکا میں گزر جاتا ہے، اور رات بھر جاگ کر یوسف اور بنیامین کے فراق میں اشک ریزی کرتے رہتے ہیں۔

اس لڑکے نے کہا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، اور درد بھری آواز میں کہہ رہے ہیں: ہائے افسوس یوسف! وہ یہ صورت حال دیکھ کر گھبرا گیا اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بلا کر

لے آیا کہ وہ دیکھیں کہ آپ کس طرح پریشانی اور اضطراب میں کروٹیں بدل رہے ہیں، اور کس قدر جدائی کے غم میں گھلے جاتے ہیں۔

ان میں سے ایک نے عرض کی: ابا جان! آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرفِ نبوت سے سرفراز کیا ہے۔ آپ کا دل مہبط وحی الٰہی ہے۔ آپ سے ہم رہنمائی پاتے ہیں اور ایمان کی دولت حاصل کرتے ہیں۔ پھر اتنی بے قراری کیوں اور دن بدن غم واندوہ میں اضافہ کس لیے؟۔ کیا یہ آنسو کبھی نہیں تھمیں گے۔ اب تو آنکھیں دھنس گئی ہیں اور ان میں سفیدی آ گئی ہے۔ کیا یہ اشکوں کا سلسلہ جس نے آپ کے جسم کو لاغر بنا دیا ہے، اور آپ کی روح کو مضمحل کر دیا ہے کبھی رکے گا یا نہیں!۔ آپ ہر وقت یوسف کی یاد میں ڈوبے رہتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ اس کی محبت میں آپ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے طعنے میرے غم کو اور بڑھا دیتے ہیں۔ اس سے میری بیماری کا شعلہ اور بھڑک اُٹھتا ہے۔ یوسف کو دیکھے بغیر فرقت کی لگی آگ کیسے بجھے گی۔ اس جدائی میں بہنے والے آنسو اس کو ملے بغیر کیسے تھمیں گے۔ اگرچہ تمہارا گمان ہے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور اب وہ دنیا میں نہیں رہا لیکن حقیقت میں وہ زندہ ہے، وہ اسی دنیا میں سانس لے رہا ہے، اور یہی آسمان اس پر سایہ فگن ہے۔

میں اپنے دل میں چھپے اور ذہن سے پھوٹنے والے شعور سے جانتا ہوں کہ یوسف زندہ سلامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم خاص سے نوازا ہے؛ اس لیے میں یوسف کو باطن کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں؛ لیکن وہ کہاں ہے میں نہیں جانتا۔ بس میں یہی سوچ کر اُداس ہو جاتا ہوں، اور میری پریشانیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر تمہیں میرے دل کی تسلی مطلوب ہے، اگر تم میرا غم ہلکا کرنا چاہتے ہو تو زمین میں نکلو اور یوسف کو تلاش کرو، سفر میں صبر واستقامت سے کام لو اور اللہ کی رحمت اور کرم سے مایوس نہ ہو۔

لَا يَيْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ o

یقیناً رحمتِ الٰہی سے کافر لوگ ہی مایوس ہو جاتے ہیں۔

برادرانِ یوسف نے اپنے والد گرامی کی باتوں کو دل کی گہرائیوں میں اُترتے ہوئے محسوس کیا۔ یعقوب علیہ السلام ان کے چھپے رازوں کے مطابق گفتگو فرما رہے تھے۔ انھوں نے واقعی یوسف کو کنویں میں پھینکا تھا، اور اسے بیابان کے حوالے کر کے آ گئے تھے۔ ممکن ہے کسی نے یوسف کو کنویں سے نکال لیا ہو، اور وہ زندہ بچ نکلا ہو؛ مگر وہ ہے کہاں؟، اسے تلاش کریں تو کہاں؟۔ وہ کس وادی میں قیام پذیر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی اس وسیع و عریض زمین میں وہ اسے کہاں ڈھونڈھیں۔

وہ یوسف کے ملنے سے تو مایوس ہو چکے تھے، اور ان کے ملنے کی ساری اُمیدیں ختم ہو چکی تھیں؛ لیکن وہ یہ تو جانتے تھے کہ بنیامین کہاں ہے، انھیں آنے جانے کا راستہ بھی معلوم تھا؛ اس لیے انھوں نے سوچا کہ عزیز کے پاس جائیں اور اس کی منت سماجت کریں، ممکن ہے وہ بنیامین کو واپس کر دے، اور یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے سے مل کر یوسف کی جدائی کا غم بھول جائیں اور ان کے دل کو راحت نصیب ہو جائے۔

وہ مصر کو چل دیے؛ مگر ان پر امید و بیم کی حالت طاری تھی۔ وہ عزیز کے دربار میں دست بستہ سر جھکائے کھڑے تھے۔ ایک عزت دار کریم شخص کی طرح شرمندگی اور خجالت سے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہیں کر رہے تھے۔

عرض کرنے لگے: اے عزیزِ مصر! گردشِ ایام نے ہمیں واپس آنے پر مجبور کر دیا ہے، اور وقت نے ذلت اور مسکنت کے ساتھ ہمیں آپ کے حضور کھڑا کر دیا ہے۔ دن بدلتے رہتے ہیں، اور وقت ایک سا نہیں رہتا۔ ہم آپ کی خدمت میں بہت کم پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں؛ کیوں کہ ہماری مالی حالت کچھ اچھی نہیں ہے۔ ہماری گزران بڑی مشکل سے ہو رہی ہے، اور ہم تنگ دستی کا شکار ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو صدقہ دے کر ہماری مشکل حل کر دیں اور ہماری بگڑی بنا دیں۔ صرف آپ ہی ہمارے والد گرامی کے آنسوؤں کو روک سکتے ہیں اور صرف آپ ہی ان کے درد و غم کا ہلکا کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضراتِ یوسف اور یعقوب علیہما السلام کے قصے کو اس قدر بلندی پر پہنچا دیا تھا کہ وہ ایمان بالقضا اور صبر علی البلا پر اعلیٰ مثال بن سکے تو یوسف علیہ السلام کو اجازت مل

گئی کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر کر دیں اور بتا دیں کہ میں ہی یوسف ہوں۔ ان کی لغزشوں کو اپنے کرم سے معاف کر دیں اور ان کی خطا سے درگذر کریں؛ تا کہ یہ قصہ بخشش و کرم اور عفو و درگزر کا درس بن جائے۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے پوچھا: تمہیں وہ دن یاد ہے جب ایک روز پَو پھٹتے ہی خواہش نفسانی تمہارے لیے آراستہ کر دی گئی اور شیطان نے تمہارے دلوں میں یہ وسوسہ اندازی کی کہ یوسف اور اس کے بھائی کو دھوکہ دو۔

کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے یوسف کو کنویں میں پھینکا تھا، پھر تم نے اس کے بھائی کے ساتھ بھی وہی مکر و فریب کیا اور اسے تکلیف دی۔

ذرا یاد کرو تا کہ تم میں سے ایک نے یوسف کو اپنے آہنی ہاتھوں سے پکڑا، اس ناتواں کے کپڑے کو کھینچا، وہ دہائی دیتا رہا، منتیں کرتا رہا، چیختا چلاتا رہا، نالہ و شیون کرتا رہا؛ لیکن تم نے کچھ پرواہ نہ کی۔ تمہارے اندر رحمت کے کسی جذبے نے سر نہ اُٹھایا، تم نے اس معصوم کو اکیلے کسمپرسی کی حالت میں اندھے کنویں میں پھینک دیا۔

برادرانِ یوسف شک میں پڑ گئے اور یوسف کی حقیقت کے بارے میں انھیں شبہہ ہونے لگا کہ یہ وہی باتیں بتا رہا ہے جو واقعی ہو چکی ہیں؛ لیکن اسے یہ سب کچھ کس نے بتایا؟۔ وہ ایک واقعے کی تفصیل بیان کر رہا ہے۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ ہم نے یوسف کو کنویں میں پھینک دیا۔ کیا یہ سب کچھ بنیامین نے بتایا ہے؟ لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ بھی تو دوسرے لوگوں کی طرح اس واقعے سے لاعلم ہے۔ وہ تو یوسف کی حقیقت کے بارے میں ایک حرف بھی نہیں جانتا۔ یوسف کو کنویں میں ڈالتے وقت کوئی شخص موجود نہیں تھا، وہ اس اندازے اور تخمینے کے بعد یوسف کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھیں تو سہی کہیں یہی شخص تو یوسف نہیں!۔

انھوں نے آپ کو سر سے پاؤں تک دیکھا، اور آپ کی شکل و شباہت یاد کرنے لگے۔ سامنے کھڑے شخص کے چہرے میں یوسف کی علامات و آثار تلاش کرنے لگے۔ اس تفتیش و جستجو میں زیادہ وقت نہ لگا، ان میں سے ایک چیخ اُٹھا: 'بے شک آپ ہی یوسف ہیں'۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا، ہاں! :

اَنَا یُوسُفُ وَھٰذَآ اَخِیۡ قَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡنَا، اِنَّہٗ مَنۡ یَّتَّقِ وَیَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ o

میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا کرم فرمایا۔ یقیناً جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے (وہ آخر کامیاب ہوتا ہے) بلاشبہ اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

یہ دیکھ کر کہ یوسف مصر سب سے بڑے عہدے پر فائز ہے اور ہمیں ہر سزا دے سکتا ہے، ان کے رنگ پھیکے پڑ گئے، ہواس باختہ ہوگئے، زبانیں گنگ ہوگئیں اور شرم کے مارے زمین میں دھنسے جاتے تھے۔ وہ سوچنے لگے کاش! زمین پھٹ جاتی اور ہم زندہ درگور ہو جاتے، یا کوئی ستارہ گر پڑتا اور ہمارا نام ونشان مٹا دیتا۔

یوسف کریم النفس اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے۔ وہ ان کے خوب کو طول نہیں دینا چاہتے تھے۔ وہ بڑے وسیع الظرف تھے۔ وہ ان سے انتقام نہیں لینا چاہتے تھے۔ کچھ بھی ہو وہ ان کے بھائی تھے۔ ان کے باپ کے بیٹے تھے۔ اگرچہ انھوں نے یوسف کو قتل کی سازش کی تھی اور ان کی ہلاکت کا منصوبہ بنایا تھا؛ لیکن نہیں آپ نے فرمایا :

لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡم، یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ وَھُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ o

آج تم پر کوئی گرفت ومواخذہ نہیں (جاؤ) اللہ تمہیں بخشے، اور وہ بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے۔

یہ مژدۂ جاں فزا سن کر انھوں نے کہا: اپنے والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں، جنھیں وقت نے آزمایا؛ مگر انھوں نے سارے مصائب برداشت کیے۔ جو مشکلات اُن پر پڑیں اگر پہاڑوں پر پڑتیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے؛ لیکن وہ سب کچھ برداشت کر گئے؛ اسی لیے اللہ کریم نے ان کا شمار اپنے اولوالعزم، برگزیدہ اور تقویٰ کے حامل پیغمبروں میں کیا ہے، اور ان کے لیے ابدی جنت کو ٹھکانہ قرار دیا ہے۔

انھیں صبر وتحمل کی وجہ سے وہ عزت وتوقیر عطا کر دی ہے کہ قیامت تک ان کا ذکر خیر عزت واحترام سے ہوتا رہے گا۔ یہ منشاے خداوندی تھا کہ وہ اس دنیوی زندگی میں بھی فلاح وکامرانی حاصل کریں تاکہ خلق خدا انھیں دیکھ کر اوران کی سیرتِ طیبہ کی اقتدا کر کے صبر کی راہ پر گامزن ہو اور مصائب وآلام میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کرے اور بہترین صلہ حاصل کرے۔

ایک دن حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے عبادت خانے میں تشریف لے گئے۔ نماز اَدا کی اور ذکر وفکر میں مشغول ہو گئے۔ پھر کافی دیر تک یوسف کو یاد کر کے روتے رہے، اچانک آپ پر اطمینان کی ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ آنسو تھم گئے اور غم واندوہ کی فضا چھٹ گئی۔ یہ ایک عجیب احساس تھا۔

یہ شعور اور یہ احساس کیا ہے؟ وہ دل کی گہرائیوں میں تازگی سی محسوس کر رہے ہیں، اور وجدان میں سرمستی اور نکہت وسرور سا پھیل گیا ہے۔ وہ کرب وغم اور اضطراب وپریشانی سب کیسے ختم ہوا اور اس کی جگہ پورے جسم میں خوشی ومسرت کی ایک لہر کیوں دوڑ رہی ہے؟ وہ سوچ کر تھک ہار گئے؛ لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچے۔

یہ شعور حضرت یعقوب علیہ السلام کو بے خود کیے جا رہا تھا، اور یہ فیض نس نس میں سمایا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا گزرے ہوئے سنہرے دن لوٹ آئے تھے، اور خوشی کے وہی لمحے پلٹ آئے تھے جب یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی یعقوب کی آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے تھے اور یعقوب ان کے چہرے سے پھوٹنے والے تبسم کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔

یعقوب علیہ السلام اس تبدیلی کو محسوس کر کے پورے زور سے ساری قوتوں کو مجتمع کرتے ہوئے چیخے :

اِنِّی لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ o

میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔

اس خوشبو نے میرے مشامِ جاں کو معطر کر دیا ہے۔ اس نے میرے دل کے نہاں خانوں میں نغمے بھر دیے ہیں۔ میرے دل کی خوشیاں لوٹ آئی ہیں، اور میرے جسم میں خوشبو

بھر گئی ہے۔

یعقوب علیہ السلام غلط نہیں کہہ رہے تھے۔ وہ واقعی یوسف علیہ السلام کی خوشبو سے زیادہ دور نہیں تھے۔ ایک اونٹ سوار حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر کنعان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے مسرت اور شادمانی کا پیغام تھی۔ اس قمیص نے حضرت یعقوب کو بینائی اور زندگی لوٹا دی۔

اونٹ سوار نے مصر سے کنعان تک کا طویل سفر بہت کم وقت میں طے کر ڈالا، اور بشارت دینے پہنچ گیا۔ یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب کے چہرے پر ڈالی گئی، فوراً بصارت لوٹ آئی اور احساسات میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

قاصد نے حضرت یعقوب کو تمام حالات و واقعات سے آگاہ کیا اور پھر یوسف علیہ السلام کا یہ پیغام پہنچایا کہ اپنے بیٹوں کی خطاؤں سے درگزر فرمائیں۔

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں بخشش کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو ٹالنے کی طاقت مجھ میں نہیں۔ ہاں! حضورِ باری تعالیٰ میں ان کی بخشش کی دعا کر سکتا ہوں۔ وہ مہربان اور کریم ہے، ان کی خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔

آپ نے فرمایا: اونٹوں کو مہار ڈالو اور پلان کس کر تیار ہو جاؤ۔ میں عزیز مصر یوسف کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا چاہتا ہوں۔

اب مصر کو روانگی کا سامان ہونے لگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد اور سب اہل و عیال کو لانے کے لیے دو سو سواریاں بھیج دی تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا تو کل بہتر یا تہتر آدمی تھے جن کو ساتھ لے کر آپ مصر روانہ ہو گئے؛ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو چھ لاکھ سے زیادہ تھے؛ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر جانے سے صرف چار سو سال بعد کا زمانہ ہے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر کے قریب پہنچے تو حضرت

یوسف علیہ السلام نے چار ہزار لشکر اور بہت سے مصری سواروں کو ساتھ لے کر آپ کا اِستقبال کیا، اور صدہا ریشمی جھنڈے اور قیمتی پرچم لہراتے ہوئے قطاریں باندھے ہوئے مصری باشندے جلوس کے ساتھ روانہ ہوئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند 'یہودا' کے ہاتھ پر ٹیک لگائے تشریف لا رہے تھے۔ جب ان لشکروں اور سواروں پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ فرعونِ مصر کا لشکر ہے؟، تو یہودا نے عرض کیا کہ جی نہیں، یہ آپ کے فرزند ارجمند یوسف ہیں جو اپنے لشکروں اور سواروں کے ساتھ آپ کے اِستقبال کے لیے آئے ہوئے ہیں۔

آپ کو متعجب دیکھ کر حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اللہ کے نبی! ذرا سر اٹھا کر فضائے آسمانی میں نظر فرمائیے کہ آپ کی مسرت وشادمانی میں شرکت کے لیے ملائکہ کا جمِ غفیر حاضر ہے جو مدتوں آپ کے غم میں روتے رہے ہیں۔ ملائکہ کی تسبیح اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور طبل وبوق کی آوازوں نے عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

جب باپ بیٹے دونوں قریب ہو گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے سلام کا اِرادہ کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ذرا توقف کیجیے اور اپنے پدرِ بزرگوار کو ان کے رقت انگیز سلام کا موقع دیجیے چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان لفظوں کے ساتھ سلام کہا کہ '**السلام علیک یا مُذھِب الاحزَان**' یعنی اے تمام غموں کو دور کرنے والے آپ پر سلام ہو۔

پھر باپ بیٹوں نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ معانقہ کیا اور فرطِ مسرت میں دونوں خوب روئے۔ پھر ایک اِستقبالیہ خیمہ میں تشریف لے گئے جو خوب مزین اور آراستہ کیا گیا تھا۔ وہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر جب شاہی محل میں رونق افروز ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے سہارا دے کر اپنے والدِ محترم کو تختِ شاہی پر بٹھایا۔ اور ان کے اِردگرد آپ کے گیارہ بھائی اور آپ کی والدہ سب بیٹھ گئے اور سب کے سب بیک وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے آگے سجدے میں گر پڑے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدِ بزگوار کو مخاطب کر کے یہ کہا :

یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ٘ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّاؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ

الشَّیۡطٰنُ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ اِخۡوَتِیۡ اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ٥ (سورۂ یوسف:۱۲/۱۰۰)

اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ بے شک اسے میرے رب نے سچا کر دیا، اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا، بعد اِس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں نا چاقی کرادی تھی، بے شک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کر دے، بے شک وہی علم وحکمت والا ہے۔

یعنی میرے گیارہ بھائی ستارے ہیں اور میرے باپ سورج اور میری والدہ چاند ہے، اور یہ سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہی آپ کا خواب تھا جو بچپن میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور سورج وچاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ تاریخی واقعہ محرم کی دس تاریخ عاشورہ کے دن وقوع پذیر ہوا۔(۱)

یہ سارا منظر دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ اَدا کیا اور اس کے فضل واِحسان کو یاد کر کے عرض کی:

رَبِّ قَدۡ آتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡکِ وَعَلَّمۡتَنِیۡ مِن تَأۡوِیۡلِ الأَحَادِیۡثِ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرۡضِ أَنتَ وَلِیِّیۡ فِیۡ الدُّنُیَا وَالآخِرَةِ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِماً وَأَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ٥ ذٰلِکَ مِنۡ أَنبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوحِیۡهِ إِلَیۡکَ .... (سورۂ یوسف:۱۲/۱۰۱،۱۰۲)

اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے سلطنت عطا فرمائی اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کے علم سے نوازا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے! تو دنیا میں (بھی) میرا کارساز ہے اور آخرت میں (بھی)۔ مجھے حالتِ اسلام پر موت دے اور مجھے صالح لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ (اے حبیبِ مکرم!) یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ کی طرف وحی فرما رہے ہیں۔

---

(۱) قصص القرآن، محمد احمد جاد المولیٰ، محمد ابوالفضل ابراہیم، علی محمد البجادی، السید شامہ (من علماء الازہر الشریف)، ۱۱۳تا۱۶۴...... عجائب القرآن، بحذف واِضافہ: ۱۳۲تا۱۴۳۔

نوشتہ تقدیر کو کوئی ٹال نہیں سکتا!۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکمرانی کیا ہے؟، یہ کیسے ظہور پذیر ہوتی ہے؟، اَمرِ ربی کیسے پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے؟، بالفاظِ دیگر تقدیر جو اٹل ہوتی ہے وہ کیسے عمل کے لباس میں ظہور پذیر ہوتی ہے؟۔

آپ نے اسے حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے تفصیلی واقعے کی روشنی میں خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا، دیکھیں کہ ان کے بھائیوں نے تو صرف اپنے سوتیلے بھائی کو کنوئیں میں گرا کر باپ کی نظروں سے دور کر دیا تھا؛ تاکہ انہیں جو مکمل پیار والد کی طرف سے نہیں ملتا تھا وہ مل جائے، اور وہ سیاہ وسفید کے مالک بن جائیں؛ مگر کنوئیں میں گرایا گیا یوسف تو عزیزِ مصر کے محل میں پہنچ گیا تھا۔

اُن کی اِبتلا وآزمائش کا یہ مرحلہ ہو...... یا عزیزِ مصر کے اِقتدار میں اُن کی شرکت کا مرحلہ...... یا پھر بادشاہ کی بیوی زلیخا کا یوسف جیسے پاکیزہ جوان کے عشق میں مبتلا ہو کر ناکام ہونا ہو...... یا پھر اِلزامات کا جذباتی ماحول پیدا کر کے انھیں جیل کی سلاخوں کی نذر کرا دینا ہو۔

ذرا سوچیں کہ یوسف نامی یہ معتوب سا نوجوان کتنے سال جیل میں رہا تھا؟، اور پھر جیل سے نکل کر سیدھا شریکِ اقتدار ہو گیا؟۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی وبادشاہی کا اعلیٰ ثبوت نہیں؟ اور کیا یہ اَمرِ ربی کی تکمیل نہیں ہے؟؟۔

اَحادیث طیبہ سے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ما من شيء أحب إلى الله من شاب تائب . (۱)

یعنی اللہ کی نگاہ میں کسی جوان کی توبہ سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں۔

اِرشادِ مبارک ہے :

ما من شاب اتقى الله تعالىٰ في شبابه إلا رفعه الله تعالىٰ في كِبَره o

یعنی جو شخص بھی اپنے عہد شباب کو تقویٰ الٰہی اور خشیت مولا سے آباد رکھتا ہے پروردگار عالم (عالم جوانی میں عزت دینے کے ساتھ ساتھ) اس کے بڑھاپے کو بھی قابل قدر اور باعث عزت بنا دیتا ہے۔

کچھ ایسے جوان بھی ہوتے ہیں جن میں برائی کی رغبت نہیں ہوتی؛ کیوں کہ اس کی پرورش خیر وسعادت والے گھرانوں میں ہوئی ہوتی ہے، اور ایسے ہی شخص کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

إن الله ليعجَب من الشاب ليست له صبوة . (۲)

یعنی پروردگار عالم ایسے نوجوانوں پر عجب فرماتا ہے جنھیں میلان ورغبت نہ ہو۔

---

(۱) الرسالۃ القشیریۃ: ۱/۴۴۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۴/۱۵۱ حدیث: ۱۷۴۰۹...... مسند حارث: ۲/ ۹۸۶ حدیث: ۱۰۹۹...... مسند شہاب: ۱/۳۳۶ حدیث: ۵۷۶...... بغیۃ الباعث: ۱/۳۲۸ حدیث: ۹...... معجم کبیر طبرانی: ۱۲/ ۲۷۵ حدیث: ۱۴۲۶۹......غایۃ المقصد فی زوائد المسند: ۲/۳۰۰۹......جمع الجوامع: ۱/۸۷۴۷ حدیث: ۲۵۳۳۔

رات کی تنہائی میں سجدے گزارو

حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں جب بھی کوئی شخص کوئی اہم خواب دیکھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور بیان کردیتا۔ مجھے بھی تمنا ہوئی کہ میں بھی کوئی خواب دیکھوں اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کروں۔

میں ان دنوں نوجوان لڑکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد کے اندر سویا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے خواب دیکھا کہ دو فرشتوں نے مجھے پکڑلیا اور مجھے جہنم کی طرف لے گئے۔ وہ کنویں کی طرح پیچ دار تھی اور اس کے دوستون تھے۔ اس میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھیں میں جانتا تھا، تو میں کہنے لگا: میں جہنم سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔

پھر ہمیں ایک دوسرا فرشتہ ملا جس نے مجھ سے کہا: تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

میں نے یہ خواب پہلے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتایا، پھر انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا :

نعم الرجل عبد اللّٰه لو كان يصلي من الليل . (۱)

یعنی عبداللہ اچھا آدمی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ وہ رات کو نماز پڑھا کرے!۔

حضرت سالم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو بہت تھوڑی دیر سوتے تھے، (اور قیام شب اپنی پوری زندگی کا معمول بنالیا)۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۳۷۸حدیث: ۱۰۷۰...... صحیح مسلم: ۴/۱۹۲۷حدیث: ۲۴۷۹...... مسند احمد بن حنبل: ۱۳/۸۵حدیث: ۶۰۴۸ ...... سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۵۰۱ ...... مصنف عبدالرزاق: ۱/۴۲۰ حدیث: ۱۶۴۵...... سنن دارمی: ۶/۴۰۳ حدیث: ۲۲۰۷...... صحیح ابن حبان: ۲۹/۱۷۷حدیث: ۷۱۹۵...... خلاصۃ الاحکام فی مہمات السنن وقواعد الاسلام نووی: ۱/۵۸۴حدیث: ۱۹۸۴...... کنز العمال: ۸/۳۹۳ حدیث: ۲۳۴۰۳...... مسند جامع: ۴۸/۱۶۹حدیث: ۱۵۸۷۲...... موسوعۃ اطراف الحدیث: ۱/۱۳۸۱۴۰...... موسوعۃ التخریج: ۱/۱۷۲۳۷۔

خوفِ خدا میں جان دے دی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ رب العزت نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی :

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قُوا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ o (سورۂ تحریم:٦٦/٦)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا اِیندھن انسان اور پتھر ہیں''۔

تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن صحابہ میں اس کی تلاوت فرمائی۔

ایک نوجوان یہ آیت سن کر بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کے دل پر رکھا تو وہ دھڑک رہا تھا۔ پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

یا فتی قل: لا إلٰه إلا اللّٰه فقالها فبشره بالجنة . فقال أصحابه یارسول اللّٰه، أ من بیننا؟ قال: أ و ما سمعتم قوله تعالیٰ : ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَ خَافَ وَعِیْدِ o (سورۂ ابراہیم:١٤/١٤) (١)

یعنی اے نوجوان! کہو: ''لا الٰہ الا اللہ'' اس نے یہ کلمہ پڑھا تو آپ نے اسے جنت کی بشارت دی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ ہم میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: ''یہ (وعدہ) ہر اس شخص کے لیے جو میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور میرے وعدۂ (عذاب) سے خائف ہوا''۔

(١) مستدرک حاکم: ٣٨٢/٢ حدیث: ٣٣٣٨ ...... شعب الایمان بیہقی: ٤٦٨/١ حدیث: ٧٣٤ ...... الترغیب والترہیب منذری: ١١٦/٤ حدیث: ٥٠٤٤ ...... نوادر الاصول حکیم ترمذی: ١٨٤/١۔

حارث! تو عارف ہو گیا

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جوان صحابی حضرت حارث بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن دورانِ سفر صبح کے وقت سلطانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے؛ تو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا :

كيف أصبحت يا حارث !

یعنی اے حارث! تو نے صبح کیسے کی!۔

حضرت حارث نے عرض کیا :

أصبحت مؤمنا حقا .

یعنی میں نے سچے مومن کی طرح (یعنی حقیقت ایمان کے ساتھ) صبح کی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

انظر ما تقول فإن لكل شيء حقيقة فما حقيقة الإيمان .

یعنی حارث! دھیان کر تو کیا کہہ گیا ہے۔ کیوں کہ ہر ایک چیز کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے سو (اے حارث!) تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟۔

حضرت حارث نے عرض کیا :

يارسول الله عزفت نفسي عن الدنيا .

یارسول اللہ! (میرے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ) میں نے اپنی جان کو دنیا سے نکال دیا ہے۔ یعنی میرا نفس دنیا سے بے رغبت ہو، اور میرا باطن دنیا سے علاحدہ ہو گیا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ حارث! جب سے تو نے اپنے باطن کو دنیا سے نکال دیا ہے، تو تیرے اس طرح کرنے سے ہوا کیا؟۔

حضرت حارث نے عرض کیا :

أسهرت لذلک ليلي و أظمأنَّ نهاري .

یعنی آقا جب سے دنیا سے جدا ہوگیا ہوں تو حال یہ ہوگیا ہے کہ ساری رات بیدار رہتا ہوں اور سارا دن پیاسا رہتا ہوں۔

حضور رحمت عالم علیہ السلام نے پوچھا کہ حارثہ! اس کا نتیجہ کیا نکلا؟۔عرض کیا :

كأني أنظر إليى عرش ربي بارزا ، وكأني أنظر إلى أهل الجنة يتزاورون فيها ، وكأني أنظر إلى أهل النار يتضاغون فيها .

یعنی (اب حال یہ ہوگیا ہے کہ رات کو پردہ اُٹھ جاتا ہے اور) یوں لگتا ہے جیسے اللہ کے عرش کو بے نقاب دیکھ رہا ہوں۔اور اہل جنت کو ایک دوسرے سے ملتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔اور دوزخیوں کو تکلیف سے چلاتے دیکھ رہا ہوں۔

اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا :

يا حارث! عرفت فالزم ثلاثا .

یعنی اے حارث! تو نے (حقیقت ایمان کو) پہچان لیا۔(تو 'عارف' ہوگیا ہے اور تجھے معرفت الٰہی نصیب ہوگئی) اب اس کیفیت کو تھامے رکھنا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کلمہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

حضرت حارث نے عرض کیا: یارسول اللہ! دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے درجۂ شہادت (بھی) عطا فرمادے۔چنانچہ مختار کائنات علیہ السلام نے دعا فرمادی تو جنگ بدر میں آپ کو مرتبہ شہادت نصیب ہوگیا۔

اب اُن کی ماں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوکر دریافت کرتی ہیں کہ یارسول اللہ! حارثہ کی شہادت کی مجھے خبر مل چکی ہے، اب یہ بتائیں کہ وہ ہے کہاں! اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کرلوں اور اگر جنت میں نہیں تو پھر آپ دیکھیں میں کیا کرتی ہوں!۔

پیارے آقا علیہ السلام نے فرمایا: تم بھی عجیب عورت ہو! کوئی ایک ہی جنت تھوڑی ہے، بہت سی جنتیں ہیں اور تمہارا بیٹا فردوسِ اعلیٰ میں آشیاں نشیں ہے۔(۱)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ:۱۷۰/۶حدیث:۳۰۴۲۵......شعب الایمان بیہقی:۳۶۳/۷حدیث:۱۰۵۹۲......الزہد الکبیر:۳۵۵/۲حدیث:۹۷۳......اسد الغابۃ:۲۲۵/۱......ایقاظ الہمم:۱۵۱/۱۔

سخاوت کا بے مثال نمونہ

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مالک بن ثعلبہ انصاری نامی ایک جوان تھے۔اس وقت پورے مدینہ میں اُن سے زیادہ متمول اور صاحب حیثیت کوئی نہ تھا۔ایک بار بارگاہِ رسالت مآب سے ان کا گزر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت اِس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے :

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ o (سورۃ التوبہ:۳۴،۳۵)

اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لیے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھے۔

ان آیتوں کا اس جوان کے کان میں پڑنا تھا کہ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔جب ہوش آیا تو مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ! آپ جس آیت کریمہ کی تلاوت فرمارہے تھے کیا اس سے سونے چاندی کو ذخیرہ کر کے رکھنا مراد ہے؟۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں بالکل۔

مالک نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا: آج مالک اس

حال میں دن گزارے گا کہ شام کی تاریکی پھیلتے پھیلتے اس کے پاس نہ کوئی درہم بچے گا اور نہ دینار۔ چنانچہ جو کچھ ان کے پاس مال و دولت تھا سب اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا۔(۱)

گناہ سے نفرت، گنہ گار سے نہیں!

حدیث نبوی سے ایک مثال ملتی ہے کہ مسلمہ طور پر اسلام کی تعلیم یہی ہے اور یہی تصور حرزِ جان بنا لینا چاہیے کہ گنہگار انسان قابل نفرت نہیں ہوتے بلکہ گناہ قابل نفرت ہوتا ہے۔ اس کی مثال ذیل کی حدیث پاک میں ہمیں مل جاتی ہے۔

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں قبیلہ قریش کا ایک نوجوان حاضر ہوا۔ اس وقت صحابہ کرام سراپا اَدب بنے ہوئے آقائے دو جہاں علیہ السلام کی مجلس میں بزم آرا تھے۔ وہ نوجوان جو عنفوان شباب کے عالم میں تھا یوں عرض گزار ہوا :

یا رسول اللہ! میں آپ کا ہر حکم مانوں گا؛ مگر آپ مجھے ایک گناہ کی اجازت دے دیں؛ کیوں کہ میں یہ گناہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا!۔

پیارے آقا رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ جوان یہ تو بتا کہ وہ کون سا گناہ ہے؟۔ تو وہ کہنے لگا کہ حضور! مجھے بدکاری کی اجازت دے دیں؛ اس لیے کہ اسے چھوڑنا میرے بس کی بات نہیں۔

اس موقع پر کوئی زاہد خشک اور مبلغ محض ہوتا تو درشتی کلام کے اس انداز سے نہ جانے اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا، اسے جھڑک دیتا کہ ظالم! تو نے یہ کیا بات کہہ دی۔ عین ممکن تھا کہ طیش میں آکر وہ اسے اپنی مجلس ہی سے نکال دیتا؛ لیکن مصلح اعظم اور طبیب امراضِ روحانی حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبین مبارک پر ذرہ برابر بھی شکن نہ آئی۔ صحابہ کرام حیران و سراسیمہ ہو کر یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔

---

(۱) اسدالغابہ: ۲/۴۵۶۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قریشی نوجوان کو اپنے قریب کر لیا اور بڑی شفقت سے نرم لہجے میں پوچھا۔ اے بیٹے! ذرا یہ بتا جس جرم کی تو نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کس سے کرنے کا اِرادہ ہے؟ کیا تو ایسا اپنی ماں سے کرے گا؟۔

اس نے عرض کیا: یارسول اللہ، ہرگز نہیں، کیا کوئی اپنی ماں سے بھی ایسا اِرادہ کر سکتا ہے!۔

آپ نے فرمایا: ہاں! تو نے سچ کہا۔ کیا تو ایسا اپنی بیٹی کے ساتھ کرے گا؟۔

اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اپنی بیٹی سے ایسا تصور کیا جا سکتا ہے؟۔

آپ نے فرمایا۔ تم نے بالکل ٹھیک بات کہی۔ تو پھر کیا اپنی بہن سے ایسا ارادہ ہے؟۔

اس نے عرض کیا: نہیں، کیا کوئی اپنی بہن سے یہ حرکت کر سکتا ہے؟۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! تو نے سچ کہا۔

پھر آپ نے چچی، پھوپھی، خالہ اور جتنے محرم رشتے ہو سکتے تھے سب گنوائے اور وہ ہر ایک کے بارے میں اِنکار کرتا رہا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس طرح نفسیاتی طور پر اس کو یہ بات باور کرا دی کہ تو جس خاتون سے بھی بدکاری کا اِرتکاب کرے گا وہ کسی نہ کسی کی ماں، بہن اور پھوپھی خالہ وغیرہ ہوگی اور اگر تجھے اس اَمر کی اجازت دے دی جائے تو پھر تیری سگی ماں اور بہن بھی نہیں بچ سکیں گی۔

اصل نکتہ جو حضور اکرم علیہ الصلوٰ والسلام اس نوجوان کو سمجھانا چاہتے تھے وہ اس کے دل میں اُتر گیا۔ پھر حدیث پاک میں آگے بیان ہوا کہ آپ نے اپنا دست شفقت اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ کتنا خوش نصیب تھا وہ نوجوان کہ جو گناہ کی اجازت مانگنے آیا تھا؛ مگر آقا و مولا کے کرم کا ہاتھ اس کے سر پر پڑ گیا۔ آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی کہ اے بار الٰہ! اس نوجوان کے گذشتہ گناہ معاف فرما دے اور اس سے آئندہ گناہ کرنے کی توفیق سلب کر لے۔(۱)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۲۵۶/۵ حدیث: ۲۲۲۲۶۵...... مسند شامیین: ۱۳۹/۲ حدیث: ۱۰۶۶...... مجمع الزوائد: ۱/ ۱۶۵...... شعب الایمان: ۳۶۲/۴ حدیث: ۵۴۱۵...... معجم کبیر طبرانی: ۱۷۷/۷ حدیث: ۷۵۷۷...... غایۃ المقصد فی زوائد المسند: ۲۶۸/۱۔

حدیث کے راوی صحابی بیان کرتے ہیں کہ پھر زندگی بھر کے لیے اس کی ماہیتِ قلب اس طرح تبدیل ہوئی کہ مرتے دم تک کسی کی طرف غلط نظر اٹھی ہی نہیں۔

دوسری مثال کے طور پر وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک صحابی رسول حاضر ہوئے، اور عرض کیا یارسول اللہ! میں تو ہلاک ہوگیا، پوچھا کیا ہوا؟، عرض کیا: روزہ توڑ بیٹھا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ ایک غلام آزاد کردو۔

عرض کیا۔ یارسول اللہ! غریب آدمی ہوں۔

فرمایا: پھر ساٹھ روزے رکھ لو۔

عرض کیا: یارسول اللہ! ایک کو تو توڑ بیٹھا ہوں ساٹھ کیسے رکھوں؟۔

فرمایا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔

عرض کیا: غریب ہوں کیسے کھلاؤں۔

اسی دوران ایک صحابی کھجوروں کا بڑا سا ٹوکرا لے کر حاضر ہوگئے۔ آپ نے فرمایا: اسے لے جاؤ اور مدینہ کے غربا و مساکین میں بانٹ دو، تمہارا کفارہ اَدا ہوجائے گا۔

عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ سے بڑا مسکین اور غریب کون ہوسکتا ہے؟۔

یہ سن کر آپ مسکرا پڑے، اور فرمایا: ٹھیک ہے اسے گھر لے جاؤ خود کھاؤ اور اپنے بال بچوں کو کھلا دو، یہی تمہارا کفارہ ہے۔(۱)

اس تصور کو اُجاگر کرنے اس روایت سے بھی مدد ملتی ہے۔ کہ ایک روز صحابی رسول حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جس نے کسی گناہ کا اِرتکاب کرلیا تھا اور لوگ اسے خوب برا بھلا کہہ رہے تھے۔ آپ نے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا :

---

(۱) صحیح بخاری: ۲۴۰/۷ حدیث: ۱۹۳۶...... سنن کبریٰ بیہقی: ۲۲۴/۴۔

لوگو! مجھے یہ بتاؤ، اگر تم لوگ اسے کسی گڑھے میں گرا ہوا پاتے تو اسے اس سے نکالنے کی کوشش کرتے یا نہیں؟۔

لوگوں نے جواب دیا: ، ہاں، کیوں نہیں، ہم پوری کوشش کرتے۔

آپ نے فرمایا: پھر تمھیں اس کو برا بھلا کہنا زیب نہیں دیتا۔ خدا کا شکر اَدا کرو کہ اس نے تمھیں اس گناہ میں ملوث ہونے سے بچالیا۔

لوگوں نے قدرے حیرت سے کہا: تو کیا ہم اس سے نفرت بھی نہ کریں؟۔

آپ نے فرمایا: جہاں تک میرا اپنا معاملہ ہے، مجھے اس گناہ گار سے تو کوئی نفرت نہیں، ہاں! اس کا گناہ میرے نزدیک قابل نفریں ہے۔ اگر یہ اسے ترک کردے تو پھر میں اسے اپنا بھائی بنالوں گا، اور یہ میرے نزدیک میرے اپنے بھائیوں کی طرح محترم ہوگا۔ (۱)

اور پھر قرآن کریم کی اس آیت پاک سے بھی اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے :

قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ o (سورۂ شعراء:۲۶/۱۶۸)

(حضرت لوط علیہ السلام نے) فرمایا: بے شک میں تمہارے عمل سے بیزار ہونے والوں میں سے ہوں۔

تو اِسلامی تعلیمات کا بنیادی نکتہ یہی ہے کہ اسلام نے گناہ سے نفرت کی تعلیم دی ہے گناہ گار سے نہیں۔ مرض سے بچنے کا سبق سکھایا ہے، مریض سے نہیں؛ اس لیے کہ اگر طبیب' مریض ہی سے نفرت کرنے لگے تو پھر اس کے مرض کے اِزالے کا سامان کہاں سے ہوگا!۔

اس طرح اگر روحانی معالج وطبیب' گنہگار کو اپنے قریب بھٹکنے نہ دے تو پھر اس کی اصلاح کرنے والا اور اسے راہ راست پر لانے والا کون ہوگا!۔

---

(۱) اقتباس روحانیۃ، محمود شیث خطاب: ۱۰۶۔

آپ ذرا دیکھیں کہ حضورا کرم رحمت عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں کافر اور فاسق و فاجر ہر قسم کے لوگ آتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کو نہیں دھتکارا تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کو سینے سے لگالیا کرتے تھے۔ خود اپنے ہاتھ سے بکریوں کا دودھ دوہ کر اُن کی تواضع فرماتے، اپنی چادر مبارک اُن کے نیچے بچھا دیتے اور کمالِ لطف ومہربانی سے ان کے ساتھ پیش آتے تھے۔

یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت اور طریقہ ہے کہ وہ اپنے سب بندوں پر مہربان ہے اور اپنی رحمت کی خیرات بانٹتے ہوئے وہ اچھوں اور بروں میں تمیز نہیں کرتا۔ وہ اس دنیا میں کافر اور مومن دونوں کو نوازتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

بندۂ حق از خدا گیر و طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

اور یہی مردانِ حق کا شیوہ ہوتا ہے کہ وہ کسی سے اس بنا پر نفرت نہیں کرتے کہ وہ نافرمان و گنہگار اور خطا کار وعصیاں شعار ہے۔ حضراتِ صحابہ کرام کا بھی یہی وطیرہ تھا۔ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے اِفطاری کے وقت اپنے منہ سے لقمے نکال کر جس کے منہ میں ڈال دیے تھے وہ ایک اَسیر اور قیدی ہی تو تھا۔ ان کا ایسا کرنا قرآن کریم کی ایک آیت پاک کے نزول کا سبب بن گیا۔

یہ مقبولانِ الٰہی کا خاصہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں سے پیار کرتے ہیں اور اُن کے اِیثار کا یہ عالم ہوتا ہے کہ خود بھوکا رہنا گوارا کر لیتے ہیں اور اپنا کھانا اٹھا کر کبھی مسکین، کبھی یتیم اور کبھی کسی قیدی کو دے دیتے ہیں۔ اللہ ایسا ایثار اور غربا پروری ہمیں بھی عطا فرمائے اور گناہ گار و نافرمان سے نفرت کرنے کی بجائے گناہ و نافرمانی سے متنفر ہونے کی توفیق دے۔(۱)

---

(۱) آیت کریمہ یہ ہے:
وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ﴿ (سورۃ الدہر:۷۶/۸)
اور اس کی محبت پر مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا

علامہ قرطبی نے اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے والد نے میرا سب مال لے لیا ہے۔

آپ نے اِرشاد فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ۔ اسی وقت حضرت جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور کہا: یارسول اللہ! جب اس لڑکے کا والد آجائے تو آپ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں؛ حالاں کہ اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا ہے۔

جب وہ نوجوان اپنے والد کو لے کر آیا تو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے۔ کیا آپ اس کا مال ہڑپ کرنے کا اِرادہ رکھتے ہیں؟۔

والد نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ اسی سے پوچھ لیں کہ میں اس کی پھوپھی، خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ایه . یعنی بس حقیقت معلوم ہوگئی۔

اس کے بعد آپ نے اس کے والد سے دریافت فرمایا کہ وہ کلمات کیا ہیں جو آپ نے دل میں کہے اور جنھیں آپ کے کانوں نے بھی نہیں سنا۔ عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ آپ پر ہمارا ایمان ویقین بڑھا دیتا ہے۔ (یعنی جو بات کانوں نے بھی نہیں سنی اس کی آپ کو اطلاع ہوگئی ہے) پھر اس نے کہا کہ میں نے چند اَشعار دل میں پڑھے تھے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اشعار ہمیں بھی سناؤ۔ چنانچہ وہ صحابی یوں گویا ہوئے ۔

غذوتک مولودا ومُنتُک یافعا ☆ تُعلَّ بما اُجرِی علیک و تنهَلُ

إذا لیلة ضافتک بالسقمِ لم أبت ☆ لسقمِک إلا باکِیـــا أتململُ

کأنِی أناالمطروق دونک بالذی ☆ طُـرِقتَ به دوني و عینِیَ تمهلُ

فلمـــا بلغتَ السِن والغاية التی ☆ إليها مدى ما كنتُ فِيک أؤَمِّلُ

جعـلتَ جزائی غلظة و فظاظة ☆ كأنک أنت المُنعم الـمُتفضِلُ

فـليتک إذ لم ترع حق أبوتی ☆ فعلتَ كما الجار المجاورُ يفعلُ

فـأوليتني حق الجوارِ ولم تـكن ☆ عـلی بمـالٍ دون مالک تبخل

یعنی میں نے تجھے بچپن میں بہترین غذا فراہم کی اور جوان ہونے کے بعد بھی تجھ کر لطف وکرم کا سلسلہ قائم رکھا۔تمہاری ہر ذمہ داری اُٹھائی،اور تمہارا سب کچھ میری کمائی سے تھا۔

جب کسی رات تمہیں کوئی بیماری یا تکلیف پیش آجاتی تو میں ساری رات ایسے ہی گزارتا جیسے کوئی سخت بیداری اور بے قراری کے عالم میں رات گزارتا ہو۔

اور ایسا لگا کہ جیسے وہ بیماری تمہیں نہیں بلکہ مجھے ہی لگی ہو۔جس کی وجہ سے تمام شب روتے ہوئے گزار دینا پڑا۔

پھر جب تم اس عمر کی اس منزل اور اس حد تک پہنچ گئے کہ جس کی کہ میں تمنا کیا کرتا تھا۔

تو تم نے بدلے میں مجھے کیا دیا سوائے ترش روئی اور سخت گوئی کے۔مجھے ایسا لگا کہ جیسے تم ہی مجھ پر اِحسان وانعام کررہے ہو۔

کاش!اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق اَدا نہیں ہوسکتا تو کم از کم اتنا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔

مگر تو نے تو میرے ساتھ پڑوسی کا سا معاملہ بھی نہ کیا!۔اور میرے ہی مال میں مجھ سے بخل سے کام لینا شروع کردیا!!۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ اشعار سماعت فرمائے تو بیٹے کا گریبان پکڑ کر اِرشاد فرمایا :

أنت ومالک لأبيک .

یعنی تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے۔(۱)

(۱) تفسیر قرطبی:۱۰/۲۴۶......تفسیر آلوسی:۱۰/۴۲۸......تفسیر ابوالسعود:۴/۱۸۷......تفسیر ابن عجیبہ:۳/۳۲۷۔

رحمت خداوندی کا جویا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کی غرض سے کسی جوان مریض کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ کیا حال ہے تمہارا؟۔

عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ کی رحمتوں کا آرزومند ہوں اور اپنے گناہوں کا خوف بھی لاحق ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا :

لا یجتمعان في قلب واحد إلا أعطاه اللّٰہ ما یرجو و آمنه بما یخاف .(۱)

یعنی (خوف ورجا) یہ دونوں چیزیں کسی ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں؛ ہاں! اللہ سبحانہ وتعالیٰ (کی یہ شانِ کرم ہے کہ وہ) پرُامید کو اپنی رحمتیں عطا فرماتا ہے اور خوف وخشیت رکھنے والوں کو (عذاب وسزا سے) حفظ وامان بھی بخشتا ہے۔

ماں کی دُعا سے عذابِ قبر ٹل گیا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آؤ چلو ذرا غریبوں کی خبر گیری کرلی جائے۔ حضرت ابوذر نے پوچھا: یارسول اللہ! غربا سے آپ کی کیا مراد؟۔ فرمایا: وہی جنھیں کوئی دیکھنے نہیں جاتا۔ کہا: یارسول اللہ! شاید آپ کی مراد مُردے ہیں۔ فرمایا: ہاں۔

ہم اُٹھے اور قبرستان جا پہنچے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبر پر جا کر رُک گئے اور شدید گریہ وبکا فرمایا۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! کس چیز نے چشمانِ نبوت کو پرنم کردیا؟۔ فرمایا: اے ابوذر! دراصل اِس قبر کے مردے پر عذاب ہورہا ہے، اور یہ میرا ایک امتی ہے۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱؍۳۳۔

حضرت جبرئیل امین اُترے اور فرمایا: اے محمد! آپ کا رونا سن کر فرشتوں نے رونا شروع کر دیا ہے؛ لہٰذا اب آپ اس کے حق میں دعا فرما دیجیے۔ چنانچہ آپ نے اس کے لیے دعا فرما دی۔ معاً قبر سے ایک آواز گونجی: یارسول اللہ! اللہ کے عذاب سے بچائیے، اور امان دلوائیے۔ میرے اوپر نیچے دائیں بائیں ہر چہار جانب آگ ہی آگ ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جوان! تو کس باعث اس کا مستحق ہوا؟ کہا: والدہ کی بددعا کی وجہ سے۔ چنانچہ آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر سے فرمایا: لوگوں کے بیچ جا کر یہ اعلان کر دو کہ اس قبر میں جس کا مردہ ہو وہ اس کی قبر کے پاس حاضر ہو جائے۔

لوگ نکلے اور اس قبر کے پاس آئے، ذرا سی دیر میں ایک بڑھیا بھی لاٹھی کا سہارا لیے اٹھتے بیٹھتے وہاں پہنچی، جب قبر کے سرہانے آ کر کھڑی ہوئی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ قبر والا تمہارا کون تھا؟۔

کہا: میرا نورِ نظر عزیز بیٹا۔ فرمایا: کیا تم اس سے خفا تھی؟۔ کہا: نہیں تو۔ ہاں ایک بار ایسا ہوا تھا کہ وہ نشے کی حالت میں میرے پاس آیا، مجھے زدوکوب کیا اور مار کر میرا ہاتھ بھی توڑ دیا، اس وقت میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا: جا اللہ تجھ سے کبھی راضی نہ ہو۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا اور فرمایا: اس پر رحم کرو تم پر بھی رحم کیا جائے گا۔ ذرا قبر پر کان دھر کر سنو کہ تہِ قبر کیا ہنگامہ مچا ہوا ہے۔ تو اس نے عجیب وغریب پکار سنی: یارسول اللہ! اللہ کے عذاب سے بچائیے، اور امان دلوائیے۔ میرے اوپر نیچے دائیں بائیں ہر چہار جانب آگ ہی آگ ہے۔ جب بڑھیا نے یہ فریاد سنی تو دل گرفتہ ہو کر روئی، اور کہا: یارسول اللہ! اب میں اس سے راضی ہو گئی ہوں، اتنا سننا تھا کہ تہِ گور نوجوان چیخ اُٹھا :

يا أماه انصرفي فقد رحمني الله .(۱)

یعنی پیاری اماں، اب آپ لوٹ جائیں میرا کام ہو گیا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم وکرم فرما دیا ہے۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱/۱۸۔

بیوی کو ماں پر فوقیت دینے والے کا انجام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عہدِ رسالت میں علقمہ نامی ایک شخص تھا، بڑا اجہادی اور صدقہ وخیرات کرنے والا۔ کسی مرض نے اس پر حملہ کیا اور نوبت بایں جا رسید کہ 'مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'؛ چنانچہ اس نے اپنی اہلیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا۔ اس نے کہا یارسول اللہ! میرا شوہر علقمہ عالم نزع میں ہے، میں نے چاہا کہ اس کی حالت پر آپ کو مطلع کردوں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ہمیں اس کے پاس لے چلو۔

آپ نے وہاں پہنچ کر پوچھا: اے علقمہ! تم خود کو کس حال میں پاتے ہو؟۔ ان سے کچھ بولا نہ گیا؛ چنانچہ آپ نے انھیں کلمہ شہادت کی تلقین کی، یہ بھی ان سے اَدا نہ ہوسکا۔ جب ان کی موت کے آثار یقینی طور پر نظر آنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اہلیہ سے پوچھا: کیا اس کے والدین حیات سے ہیں؟۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! باپ تو بہت پہلے داغِ مفارقت دے گئے؛ تاہم ان کی بوڑھی ماں تاہنوز حیات سے ہیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بلوایا۔ حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا: ہمیں علقمہ کے بارے میں کچھ بتاؤ؟۔ کہا: یارسول اللہ! وہ صوم وصلوٰۃ اور صدقہ وخیرات کا تو بڑا پابند تھا؛ لیکن میں اس سے ناراض ہوں، وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مجھ سے بڑھ کر عزت دیتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چلو اب لکڑیاں اکٹھی کرو؛ تاکہ علقمہ کو جلتی آگ میں پھونک دیا جائے۔ ان کی ماں نے کہا: یارسول اللہ! میرے لخت جگر کو میری نگاہوں کے سامنے آپ نذرِ آتش فرمانے کی بات کررہے ہیں۔

آپ نے فرمایا: اے ام علقمہ! دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں کوئی معنی نہیں رکھتا، اور اللہ کا عذاب بڑا دردناک ہوا کرتا ہے۔ اور آپ یہ جان لیں کہ جب تک آپ

راضی نہ ہوں اللہ ان سے راضی ہونے والا نہیں، اور آپ کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے ان کے روزہ ونماز اور صدقہ وعبادات انھیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

کہا: یارسول اللہ! میں اللہ ورسول کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ اب میں اس سے راضی ہوں۔ چنانچہ آپ علقمہ کے پاس آئے اور پھر اسے کلمہ شہادت کی تلقین کی تو اب انھوں نے اپنی زبان سے اَدا کیا اور پھر اسی لمحے روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اور تجہیز وتکفین کے بعد ان کی نماز جنازہ اَدا کی گئی۔

حضورِ اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی قبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا :

یا معشر المهاجرين و الأنصار، من فضل زوجته على أمه لم يقبل الله منه صرفا و عدلا . (۱)

یعنی اے جماعتِ مہاجرین وانصار! سن لو جو بیوی کو اپنی ماں پر فوقیت دے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے خیرات وعبادات کو کبھی قبول نہ فرمائے گا۔

آتش جہنم کے خوف سے جگر چھلنی

بیان کیا جاتا ہے کہ کسی اَنصاری جوان کے دل میں جہنم کا خوف گھس گیا، پھر کیا تھا اس نے اپنے آپ کو گھر کے اندر مقید کردیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس آئے اور اُس کی گردن صحیح کرنا چاہا کہ اس کی مردہ لاش زمین پر گر پڑی۔ آپ نے فرمایا :

جهزوا صاحبكم، فإن خوف النار فتت كبده . (۲)

یعنی اپنے دوست کی تجہیز وتکفین کا انتظام کرو؛ کیوں کہ آتش جہنم کے خوف سے اس کا جگر چھلنی ہوگیا ہے۔

---

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱/۷۱۔

(۲) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱/۳۲...... احیاء علوم الدین: ۶/۱۲۱۔

ایک سیاہ فام کی توبہ

ایک حبشی جوان نے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: یارسول اللہ! میری پوری زندگی گناہوں سے آلودہ ہے، کیا میری توبہ کی کوئی سبیل ہے، اگر بارگاہِ الٰہی میں رجوع کروں تو وہ قبول کرلے گا؟۔

مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں، ضرور۔

اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ مجھے گناہ کرتا ہوا دیکھتا بھی رہا ہے؟۔

فرمایا: ہاں! وہ سب کچھ دیکھتا رہا ہے۔

یہ سن کر حبشی نے ایک چیخ ماری اور زمین پر گرتے ہی دم توڑ گیا۔(۱)

نوخیز بچے کی اسلامی غیرت وحمیت

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور اپنے اصحاب کو دین کی باتیں سکھلا رہے تھے اور ان کی تربیت وتزکیہ فرما رہے تھے۔ اس مجلس میں ایک نوخیز لڑکا بھی موجود تھا جس کا دل دولت ایمان سے مالا مال اور حکمت اسلامی سے لبریز تھا۔ وہ مجلس سے اُٹھ کر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتا ہوا سیدھا اپنے چچا جُلاس بن سوید کی خدمت میں حاضر ہوا جس کی عمر کوئی ساٹھ سال کی ہوچکی تھی؛ لیکن اس کے دل میں نفاق، سخت چٹان کی شکل اختیار کرچکا تھا۔ وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں پانچوں وقت نمازوں کی ادائیگی کرتا تھا، روزے رکھتا تھا، اور خانۂ کعبہ کی زیارت (عمرہ) بھی کرتا تھا؛ مگر اس کے باوجود وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی رسالت کو جھٹلاتا تھا۔

معصوم بچہ گویا ہوا :

(۱) کیمیاے سعادت، رکن چہارم: ۸۸۶/۲۔

یـا عـماہ ! سمعت الرسول یخبرنا عن الساعة حتی کأني أراھا رأی العین .

یعنی چچاجان! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا تو مجھے ایسالگا جیسے میں اپنی اِن آنکھوں سے قیامت کو دیکھ رہا ہوں۔

چچا جلاس بن سوید اپنے نوخیز بھتیجے سے یوں مخاطب ہوا :

او بچے! قسم اللہ کی، اگر محمد سچا ہے تو ہم لوگ گدھوں سے گئے گزرے ہیں!۔

یہ سننا تھا کہ بچے کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس کا جسم تھرا سا گیا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا ہو؛ چنانچہ وہ طیش میں آکر بولا :

چچا جان! اللہ کی عزت کی قسم! آپ لوگوں میں سب سے زیادہ مجھے محبوب تھے؛ لیکن اب میری نگاہ میں آپ سے زیادہ مبغوض کوئی نہیں ہے۔

چچا جان! اب دو میں سے صرف ایک ہوسکتا ہے، یا تو میں آپ کی لب کشائی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِطلاع نہ دے کر اللہ اور اس کے رسول کے معاملے میں خیانت کا مرتکب ہوجاؤں یا پھر آپ کے گستاخانہ کلمات سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کردوں، اور پھر جو ہو سو ہو!۔

جلاس بن سوید بولا :

أنت طفل غِرٌّ لا یصدقک الناس، فقل ما شئت .

یعنی ابھی تو ایک ناسمجھ بچہ ہے، لوگ تیری بات کی تصدیق تو کریں گے نہیں (بھلا تیری بات کون سنے گا؟) جاؤ تم جو کہنا چاہتے ہو کہو۔

چھوٹا سا بچہ اپنے ننھے منے قدموں سے چلتا ہوا بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر گویا ہوتا ہے :

یارسول اللّٰہ الجلاس بن سوید خان اللّٰہَ و رسولہ، و ھو عمي، و قد تبرأت إلی اللّٰہ ثم إلیک منہ .

یعنی اے اللہ کے رسول! یہ جلاس بن سوید جو میرا چچا ہے' اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی کر کے خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ میں پہلے اللہ کی بارگاہ میں اور پھر آپ کے سامنے اس سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: بچے! یہ تو بتا آخر اس نے کہا کیا ہے؟۔

بچے نے کہا: میرے چچا نے یہ گستاخ آخیز جملہ کہا ہے :

و اللّٰه لو كان محمدٌ صادقا لنحن شر من الحمير .

یعنی اللہ کی قسم! اگر محمد سچا ہے تو بلاشبہ ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے اور گئے گزرے ہیں۔

چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کو جمع فرمایا اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ طلب کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ چھوٹا بچہ ہے، آپ اس کی تصدیق نہ کریں، یہ تو اپنی بات کا مطلب بھی نہیں سمجھتا، جب کہ جلاس بن سوید ایک عمر رسیدہ ہوشمند آدمی ہے اور آ کر ہم لوگوں کے ساتھ نماز کی ادائیگی بھی کرتا رہتا ہے۔

صحابہ کا یہ مشورہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو رہے اور اس چھوٹے بچے کی تصدیق نہ فرمائی۔

جب اس معصوم بچے نے فیصلہ اپنے خلاف سنا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر موتیوں کی لڑی کی طرح ٹپ ٹپ اس کے سرخ رخساروں پر گرنے لگے اور اس کے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ اس نے اِنتہائی حزن و ملال اور رنج و غم کے عالم میں آسمان کی طرف اپنی نظر اُٹھائی اور اس ہستی کی طرف متوجہ ہوگیا جو باریک بین ہے اور جس سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں بلکہ وہ تو دلوں کے خطرات سے بھی واقف ہے۔ پھر اس نے یہ دعا کی :

اللّٰهم إن كنت صادقا فصدقني وإن كنت كاذبا فكذبني .

یعنی اے پروردگار! اگر میں اپنی بات میں سچا ہوں تو تو مجھے سچا ثابت کردے اور اگر میں جھوٹا ہوں تو پھر میرا جھوٹ آشکار فرمادے۔

راوی کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! ابھی وہ بچہ اس مجلس سے رخصت بھی نہیں ہوا تھا اور مسجد کے اندر ہی بیٹھا تھا کہ حضرت جبرئیل امین ساتویں آسمان کے اوپر سے اس کی تصدیق کا پروانہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئے :

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَ لَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ o (سورۂ توبہ:۹/۷۴)

(یہ منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے (کچھ) نہیں کہا حالاں کہ انھوں نے یقیناً کلمہ کفر کہا اور وہ اپنے اسلام (کو ظاہر کرنے) کے بعد کافر ہوگئے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلاس بن سوید کو بلا کر پوچھا تو وہ اپنی بات سے مکر گیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کچھ بھی زبان درازی نہیں کی ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا :

يقول اللّٰه : يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَ لَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ o

أمَّا أنت يا جلاس فقد كفرت باللّٰه فاستأنف توبتك .

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : (یہ منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے (کچھ) نہیں کہا حالاں کہ انھوں نے یقیناً کلمہ کفر کہا اور وہ اپنے اسلام (کو ظاہر کرنے) کے بعد کافر ہوگئے۔

اے جلاس! تم نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے، اب تم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو؛ کیوں کہ اسی پروردگار کا فرمان ہے :

فَاِنْ يَّتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ o (سورۂ توبہ:۹/۷۴)

سو اگر یہ (اب بھی) توبہ کرلیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چھوٹے بچے کو اپنی خدمت میں بلا کر اس سے فرمایا :

مرحبا بالذي صدقه ربه من فوق سبع سماواتٍ . (۱)

یعنی اس خوش نصیب بچے کو خوش آمدید جس کی تصدیق اس کے پروردگار نے سات آسمانوں کے اوپر سے کردی ہے۔

محترم دوستو! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ صداقت ونجابت اور غیرت وحمیت کا یہ معصوم پُتلا وہی جلیل القدر صحابی ہے جس کو تاریخ عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان انصاری کے نام سے جانتی ہے اور جن کی صداقت کے بارے میں جب قرآن نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا کان پکڑ کر فرمایا تھا :

وفَتْ أذنک یا غلام، وصدقک ربک . (۲)

یعنی اے بچے! تیرے کان نے ٹھیک ٹھیک سنا اور تیرے پروردگار نے تیری تصدیق فرمادی۔

اور یہی عمیر بن سعد ہیں جن کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حمص کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اور جو شام میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔

اے کاش وہ مرنے والا میں ہی ہوتا!

مکہ کے ایک نوجوان نے نورِ اسلام سے منور ہونے کے بعد ہجرت کی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا۔ اس کے سرپرست چچا نے اس کی ضرورت کی ہر چیز چھین لی۔ اس دور کے معاشرے کے لحاظ سے وہ ایک بہت ہی بڑے جرم کا مرتکب ہوا تھا کہ اس نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر دین اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس کے خاندان والوں کی نظر میں اس سے بڑا کوئی پاپ نہیں تھا۔ اس سے تن کے کپڑے تک چھین لیے تھے۔ اُسے ٹاٹ میسر

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱۸۰/۴...... تفسیر روح المعانی: ۲۹۳/۷...... فتح القدیر: ۲۸۷/۳...... درمنثور: ۱۱۵/۵...... تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۳۷/۷ حدیث: ۱۰۶۲۳...... معرفۃ الصحابہ ابونعیم اصبہانی: ۸۹/۱۵ حدیث: ۴۷۱۷۔

(۲) مصنف عبدالرزاق: ۴۷/۱۰...... تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۱۹/۳۶ حدیث: ۱۰۶۲۰...... تفسیر طبری: ۱۰۵/۱۲...... تفسیر آلوسی: ۱۳۸/۱۰...... تفسیر صنعانی: ۲۹۴/۳۔

آیا تو اس نے ٹاٹ کے دو ٹکڑے کر لیے، ایک سے ستر چھپایا اور دوسرے سے اپنے جسم کے باقی حصے کو چھپانے کی کوشش کی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس حال میں دیکھا تو مشفق اور رحیم وکریم نبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

دریافت فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟۔ عرض کیا: عبدالعزی۔ فرمایا: آج سے تم عبداللہ ہو۔

چونکہ اس نے ٹاٹ کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا؛ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ذوالبِجَادَین (ٹاٹ کے دو ٹکڑوں والا) کا خطاب دیا۔ اب ان کا نام عبداللہ ذو البجادین ہو گیا اور یہ اصحابِ صفہ میں شامل ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان ساتھیوں سے بے حد محبت فرماتے تھے، ان کے پاس بیٹھتے، ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور ان کی مشکلات کے حل میں ان کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ آپ غزوۂ تبوک میں تشریف لے گئے۔ دس ہزار سے زیادہ مجاہدین آپ کی معیت میں تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی ان مجاہدین میں شامل تھے۔

رات کا وقت تھا، سارا لشکر سو رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نیند سے بیدار ہوا اور جا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کو دیکھا لیکن آپ موجود نہیں تھے۔ میں نے اپنا ہاتھ بستر پر رکھا تو بالکل ٹھنڈا تھا۔ پھر میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بستر کو جا کر دیکھا تو وہ بھی موجود نہیں تھے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بستر کا رخ کیا لیکن وہ غائب تھے۔

اتنے میں میری نگاہ خیمے کے آخر میں پڑاؤ کے کنارے ایک روشنی پر پڑی۔ میں نے اس روشنی کا رخ کیا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک قبر کھودی گئی ہے اور اس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُترے ہوئے ہیں۔ وہاں ایک جنازہ رکھا ہوا تھا۔ حضرات بوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جنازے کے گرد تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرما رہے تھے :

ناولوني صاحبكما .

یعنی اپنے ساتھی کو مجھے دو۔

میں نے عرض کیا: حضور! یہ کون خوش قسمت ہے جو آپ کے مبارک ہاتھوں سے لحد میں اُتارا جا رہا ہے؟۔ ارشاد ہوا: یہ تمہارا بھائی عبداللہ ذوالبجادین ہے جو شام کو وفات پا گیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ کے گالوں کے نیچے اپنے مقدس اور مبارک ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں آپ کے آنسو عبداللہ کے رخساروں پر یوں ٹپک رہے تھے جیسے موتیوں کی لڑیاں گرتی ہیں۔ عبداللہ کو قبر میں اُتارا، قبلہ رخ کیا اور بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ پھیلا دیے اور عرض کیا :

اللّٰھم أمسیت عنه راضیا فارض عنه .

یعنی اے اللہ! آج شام تک (یعنی اس کی وفات تک) میں اس سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

یہ الفاظ آپ بار بار دہرا رہے تھے۔ واہ رے مقدر کے سکندر! امام انسانیت علیہ السلام لحد میں اُتار رہے ہیں۔ ابوبکر و عمر سرہانے کھڑے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے بار بار دعائے مغفرت فرما رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود ہچکیاں لے کر رونے لگے اور آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا :

یا لیتني کنت صاحب ھٰذا القبر .

یعنی کاش! اس قبر میں دفن ہونے والا شخص میں ہوتا!۔(۱)

اور نوجوان وجد میں آ گیا

حضرت ابوہریرہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان لڑکا پہاڑ پر کھڑا تھا۔ اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا کہ یہ آسمان کس نے

(۱) معرفۃ الصحابہ ابونعیم اصبہانی: ۴۱۴/۱۱...... مسند بزار: ۳۷۷/۲...... حلیۃ الاولیاء: ۱۲۲/۱...... دلائل النبوۃ: ۴۶/۲...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۲۹۳/۴...... مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۴۵۲/۵...... الشرح الکبیر لابن قدامہ: ۴۱۹/۲...... صفۃ الصفوۃ: ۱۵۱/۱...... مغازی الواقدی: ۱۰۱۲/۱...... ثقات ابن حبان: ۹۹/۲...... اسد الغابۃ: ۶۰۴/۱...... تاریخ الاسلام ذہبی: ۳۴۶/۱...... السیرۃ لابن حبان: ۳۶۶/۱۔

پیدا کیا ہے؟ ماں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا: اور یہ زمین کس نے بنائی ہے؟ ماں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے۔ لڑکے نے پہاڑوں کے بارے میں معلوم کیا کہ یہ اتنے اونچے اونچے پہاڑ کس کی کاریگری کا نمونہ ہیں؟ ماں نے پھر وہی جواب دیا۔ لڑکے نے بادلوں کے متعلق بھی یہی سوال کیا اور ماں نے اس مرتبہ بھی اللہ ہی کا نام لیا۔ اس لڑکے نے کہا: اللہ کی عجیب شان ہے، اور اپنے آپ کو پہاڑ کے نیچے گرالیا، اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

اس حدیث کا تجزیہ کرتے ہوئے امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان اور کمالِ قدرت کے دلائل سنے تو اس کے ذکر سے اس پر وجد طاری ہوگیا اور وہ بے خودی کے عالم میں پہاڑ سے گرکر ریزہ ریزہ ہوگیا۔(۱)

نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں پیش آنے والا ایک مبنی بر اخلاص واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

جب غزوۂ تبوک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز دی، تو میرے پاس نہ کوئی دولتِ دنیا تھی اور نہ سواری کے لیے جانور؛ مگر میں اس مقدس غزوہ میں شرکت کرنے کی سعادت سے محروم نہیں رہنا چاہتا تھا، (صحابہ کرام کا دستہ چوں کہ آگے نکل چکا تھا) تو اپنی بے سروسامانی کا سوچ کر آہ و بکا کرتے ہوئے میں نے مدینہ میں یہ اِعلان کیا :

ہے کوئی جو میرے مالِ غنیمت کے بدلے مجھے اپنی سواری عطا کرے؟۔

اتنے میں ایک بوڑھا انصاری سامنے آیا اور کہا کہ یہ رہی سواری! ہم باری باری اس پر سوار ہوں گے، اور اس طرح ہم دونوں جنگ میں شریک ہونے کی سعادت پاسکیں گے۔ جب میں نے عجلت میں کہا: یاد رہے کہ ہم نے ایک سودا کیا ہے۔ تو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو پھر آؤ اللہ کے فضل وکرم کی گھنی چھاؤں میں نکل پڑتے ہیں۔

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۴۴۳۔

اس طرح وہ میرا بہترین دوست بن گیا اور میں نے اس سے دوستی نبھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر اللہ کی شان دیکھیں کہ (اسلامی لشکر کی فتح یابی کے بعد) مجھے مالِ غنیمت میں چند اونٹ ملے۔ جب میں نے انھیں اس بوڑھے انصاری کو دینا چاہا تو اس نے کہا :

اپنے اونٹ اپنے ساتھ رکھیں۔

میں نے کہا: لیکن شروع میں ہم نے جو سودا کیا تھا اس کے مطابق یہ سب تو آپ ہی کے ہیں! میں نے کتنی بار وہ بات یاد دلائی اور اسے دہراتا رہا؛ مگر وہ اللہ کا بندہ بار بار یہی کہتا رہا :

میرے بھائی! اپنا مالِ غنیمت اپنے ساتھ رکھو، اس سودے سے میرا یہ مقصد تھا ہی نہیں؛ بلکہ میں تو اِس جنگ میں شریک ہوکر اللہ کی نعمتوں میں حصہ ڈالنے کا خواہش مند تھا اور بس۔ میں تو (اپنے بڑھاپے کی وجہ سے) صرف آپ کو اپنے رفیق سفر کے طور پر ساتھ رکھنا چاہتا تھا، (اس طرح آپ کا بھی کام ہوگیا اور میرا بھی کام ہوگیا)۔(۱)

ایک سریع التاثیر مجرب دُعا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی تھے جن کو ابو معلق کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ تقوی وطہارت میں اپنی مثال آپ تھے۔ پیشے کے اعتبار سے یہ تاجر تھے۔ اپنا سامان خریدتے، اس کے علاوہ لوگوں کا مال لے کر مختلف علاقوں میں جاتے تھے۔

ایک مرتبہ سامانِ تجارت لے کر کسی شہر جارہے تھے کہ راستہ میں انھیں ایک ڈاکو نے روک لیا، اور کہنے لگا :

ضع ما معک فإني قاتلک .

جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کو رکھ دو؛ کیوں کہ میں تجھے قتل کرنے جارہا ہوں۔

یہ سن کر وہ صحابی فرمانے لگے: تم ڈاکو ہو، تمہیں میرے مال ومتاع سے غرض ہے، مجھے قتل کرکے تمھیں کیا ملے گا!۔ سو تم میرا سامان لے لو اور مجھے جانے دو۔

(۱) ابوداؤد: ۳/۱۱۳، حدیث: ۲۶۷۶...... سنن کبریٰ بیہقی: ۹/۲۸...... معجم کبیر طبرانی: ۱۵/۴۵۶ حدیث: ۱۷۶۵۷۔

ڈاکو مسکرایا اور کہنے لگا: دیکھو جہاں تک مال کا تعلق ہے وہ تو میرا ہی ہے؛ مگر میرا معمول یہ ہے کہ میں مال کے ساتھ صاحبِ مال کو قتل بھی کرتا ہوں۔

ابو معلق نے اس کو بہت سمجھایا اور قائل کرنے کی کوشش کی؛ مگر وہ کسی قیمت ماننے کو تیار نہ تھا۔ اب جب کہ وہ حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا تو اس صحابی رسول نے کہا: جب تم میرے قتل کے درپے ہو تو مجھے تھوڑی مہلت دو تا کہ میں اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ کرلوں اور اس سے دعا کرلوں۔

یہ سن کر ڈاکو نے کہا: جو کرنا ہے جلدی کرو، میں تمہیں قتل کیے بغیر چھوڑ نہیں سکتا۔ چنانچہ اس صحابی نے وضو کیا، چار رکعت نماز پڑھی، پھر سجدہ کی حالت میں اللہ رب العزت سے اس طرح دعا مانگنے لگے :

یا ودودُ یا ذا العرشِ المجیدِ یا فعالا لِما یرید اسئلک بِعِزتِک التِی لا تُرام و ملکِک الذی لا یُضام و بِنورِک الذِی ملأ ارکان عرشِک ان تَکفِینی شرَّ ھذا(اللصِ) یا مغیثُ اغِثنی،یا مغیث اغِثنی، یا مغیث اغِثنی .

اے بہت زیادہ محبت کرنے والے! اے بزرگ ترین عرش کے مالک! اے جو چاہے وہ کرنے والے! میں تیری عزت کا واسطہ دیتا ہوں ایسی عزت جس کی کوئی انتہا نہیں، اور اے ایسی بادشاہت کے مالک! جس پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ تجھے تیرے اس نور کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جس نے تیرے عرش کے ارکان کو منور کر رکھا ہے۔ اے میرے پروردگار! مجھے اس ڈاکو کے شر سے محفوظ رکھ، اے مدد کرنے والے! میری مدد فرما۔ اے مدد فرمانے والے۔ میری مدد فرما۔

حضرت ابو معلق نے یہ دعا تین مرتبہ پڑھی۔ ابھی ان کی دعا ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ رحمت الٰہی جوش میں آگئی۔ ایک گھڑ سوار اپنے بھالے کو سنبھالتا ہوا سیدھا اس ڈاکو کی طرف بڑھا اور آناً فاناً اس کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔

اللہ کے فضل وکرم سے جان کی خیرات پانے والے صحابی نے اس گھڑ سوار سے کہا :

اے عظیم شخص! میرے ماں باپ تم پر قربان! تم کون ہو؟ جسے اللہ تعالی نے میری نصرت وبچاؤ کا ذریعہ بنا کر یہاں بھیج دیا۔ گھڑ سوار نے جواب دیا :

میں چوتھے آسمان کا ایک ملکوتی باشندہ ہوں۔ جس وقت تم نے پہلی بار دعا کی، میں نے آسمانی دروازوں پر کھٹکھٹانے کی آواز سنی۔ جب تم نے دوسری مرتبہ دعا مانگی تو میں نے آسمان والوں کی ایک زوردار آواز سنی۔ پھر جب تم نے تیسری بار دعا کی تو کہا گیا: کوئی مصیبت کا مارا مدد کے لیے آواز دے رہا ہے؟۔ جب میں نے یہ سنا تو اللہ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ مجھے اس ڈاکو کو قتل کرنے کی اِجازت دی جائے۔ چنانچہ اللہ نے میری درخواست قبول کرلی اور میں تمہاری مدد کے لیے آ پہنچا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص بھی وضو کرکے چار رکعتیں اَدا کرے اور پھر یہ دعا پڑھے، تو اس کی دعا بہرصورت درجہ قبول کو پہنچے گی خواہ وہ کسی مصیبت میں ہو یا نہ ہو۔(۱)

اور پشت پر چھالے پڑ گئے

تاریخ اِسلام کی بالکل ابتدائی صدی میں ایک غیرمعروف شخص فقرائے مدینہ میں سے بہت سوں کے گھروں کے سامنے کھانے کی ایک بوری سرِصبح چھوڑ جایا کرتا تھا۔ پھر ایک صبح ایسا ہوا کہ لوگ جب بوری لینے کے لیے گھروں سے باہر نکلے تو دروازے پر بوری نہ ملی۔ ابھی وہ لوگ اسی تشویش میں غلطاں اور پیچاں تھے کہ ان کے کانوں سے ایک دلخراش اِعلان ٹکرایا : نواسۂ رسول حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) نہ رہے۔ ان کے وصال کی خبر سن کر پورا شہرِ مدینہ دہل گیا اور ہر دل گہرے غم واَلم کی تصویر بن گیا۔

(۱) الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ:۱۸۲/۴...... عیون الحکایات ابن الجوزی:۱۳۸/۱، ۱۳۹...... موسوعۃ لابن ابی الدنیا:۳۲۱/۱ حدیث:۲۳...... اسد الغابۃ :۱۲۴۸/۱...... الروض المعطار فی خبر الاقطار:۳۸۹/۱۔

اس وارثِ نبی کی تجہیز و تکفین وغیرہ کا عمل بڑے محتاط انداز میں اَدا ہونا شروع ہوا۔ جب آپ کے جسم اَطہر کو غسل دینے کی باری آئی تو غسال آپ کی پشت پر بڑے بڑے چھالے دیکھ کر ورطہ حیرت میں پڑ گیا؛ اور بظاہر اس کی اسے کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اس کی سراسیمگی دیکھ کر اہل بیتِ رسول میں سے ان کا کوئی راز داں کہنے لگا :

بھائی! اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زین العابدین کا معمول تھا کہ وہ ہر صبح غلے کی بوری اپنی پیٹھ پر لاد کر محتاجینِ مدینہ کے دروازوں پر چھوڑ آتے تھے، اور اس طرح لوٹتے کہ انھیں کوئی دیکھ نہ پائے؛ اس لیے آج تک کسی کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ دروازوں کے سامنے ہر صبح بوری چھوڑ جانے والا شخص کون تھا!۔ اب ان کی پشتِ مبارک پر تمہیں یہ جو چھالے نظر آرہے ہیں وہ دراصل وہی بوریے اٹھانے کے باعث ہیں۔(۱)

تلاوتِ قرآنی اور شوقِ فراواں

ایک مرتبہ کسی غزوہ سے لوٹتے ہوے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے میں کہیں قیام فرمایا، اور اپنے جاں نثار صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا :

آج رات قافلے کی نگرانی کون کرے گا؟۔

مہاجرین میں سے عمار بن یاسر اور انصار میں سے عباد بن بشر نے فوراً جواب دیا: یارسول اللہ! ہم اس خدمت کے لیے تیار ہیں۔

اس کے بعد عباد نے عمار سے پوچھا: آپ رات کے کس حصے میں نگرانی کرنا پسند کریں گے، شروع میں یا اخیر میں؟۔ حضرت عمار بن یاسر آخر شب نگرانی کرنے کا ذمہ لے کر سونے چلے گئے۔

اِدھر حضرت عباد نے نماز پڑھنی شروع کردی۔ ٹھیک اسی جگہ اِدھر ایک مشرک آپہنچا۔ جب اس نے رات کی تاریکی میں کسی سیاہ چیز کو کھڑی دیکھا تو اس نے فوراً محسوس کرلیا کہ ہونہ ہو یہ کوئی پہریدار ہے، اور اس نے لگے ہاتھوں ایک تیر چلادیا۔ تیر سیدھا حضرت عباد کے جسم میں

(۱) البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر: ۹/۱۱۲، ۱۳۳......حلیۃ الاولیاء ابونعیم: ۳/۱۳۶۔

آکر پیوست ہوگیا۔ انھوں نے تیر کو باہر نکالا اور اپنی نماز جاری رکھی۔

اس طرح اس نے دو تین مرتبہ حملہ کیا اور تیر ٹھیک جا کر انھیں نشانہ بناتا تھا؛ مگر آپ تیر نکال نکال کر پھر نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے۔ پھر جب شدتِ تکلیف سے آپ کو کھڑے رہنے کا یارانہ رہا تو آپ سجدے میں چلے گئے۔ نماز ختم کرکے انھوں نے اپنے دوست کو بیدار کرتے ہوئے کہا: اٹھو، دیکھو، میں بری طرح زخمی ہو چکا ہوں۔

حضرت عمار بن یاسر جلدی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ادھر مشرک نے جب انھیں دیکھا تو یہ سمجھا کہ ان لوگوں نے مجھے دیکھ لیا ہے اور فوراً وہاں سے فرار ہوگیا۔ جب عمار نے عباد کے بے تحاشہ بہتے ہوئے خون کو دیکھا تو پکار اٹھے: سبحان اللہ! جب آپ کو پہلا تیر لگا تھا، اسی وقت آپ نے مجھے جگانے کی زحمت کیوں نہیں کی؟ ۔ عباد نے انھیں جو جواب دیا اس سے نماز کے ساتھ ان کی محبتِ بے پناہ اور عبادتوں میں ان کی دلجمعی اور حضورِ قلب کا پتا چلتا ہے۔

جس وقت ایک تیر آکر مجھے لگا، میں قرآن کریم کی ایک سورہ پڑھنے میں مشغول تھا، اور میں اسے ختم کیے بغیر نماز ختم نہیں کرنا چاہتا تھا؛ لیکن جب پے درپے تیر آکر مجھے لگنے شروع ہوگئے تو میں نے قراءت موقوف کردی، اور سجدے میں گرگیا۔

خدا کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جس کام کے لیے مقرر فرمایا تھا اگر اس میں کوتاہی ہوجانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تیروں کے نرغے میں اپنی جان دے دینا تو پسند کرلیتا؛ مگر قرآن کی اس سورت میں خلل اندازی کو کبھی پسند نہ کرتا!۔(۱)

دینی علم کی برکتیں

جب وفد بنوثقیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی غرض سے مدینہ آیا تو انھوں نے نوخیز عثمان بن ابی العاص کو اپنے اونٹوں کی دیکھ بھال اور رکھوالی کے لیے پیچھے چھوڑ کر خود دوپہر کی چلچلاتی دھوپ سے بچنے کے لیے ایک سایہ درخت میں جا کر آرام گزیں ہوگئے۔

(۱) عیون الحکایات، ابن الجوزی: ۱/۳۴۳۔

اِدھر عثمان (موقع غنیمت جانتے ہوے) دوڑ کر بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئے اور دین اسلام سے متعلق تفصیلات جاننی چاہیں۔ پھر وہیں انھوں نے قرآن کریم کی چند آیتیں سنیں جنھیں فوراً یاد کرلیا۔اس طرح انھیں قرآن کریم کی چند سورتیں پڑھنے اورانھیں یاد کرنے کی سعادت نصیب ہوگئی تھی۔

پھر عثمان بن ابی العاص جو اپنے رفیقانِ وفد سے پہلے ہی خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے، اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اسے چھپانے کا وعدہ لے لیا تھا بار بار قرآن سیکھنے آنے لگے۔اگر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہ ہوتے تو وہ ابوبکر صدیق یا ابی بن کعب کے پاس چلے جاتے،اوران سے جو مسائل چاہتے پوچھتے اور جو کچھ سیکھنا چاہتے سیکھتے۔

ان کے اس عمل نے آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت متاثر کیا اور دین سے اتنے گہرے لگاؤ کو دیکھ کرآقا علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے ٹوٹ کرمحبت فرمانے لگے۔ پھر جب وفد بنی ثقیف نے (دائرۂ اسلام میں شامل میں ہونے کے بعد) اپنے شہر کی طرف لوٹ جانے کا اِرادہ کیا تو بارگاہِ رسالت میں عرض کیا :

یارسول اللہ! کیا آپ ہم میں سے کسی کو ہمارا امیر منتخب فرمائیں گے؟۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر فرما دیا؛ حالانکہ وہ ان میں سب سے کمسن اور نوخیز تھے۔(۱)

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ سیرت کی کتابوں میں یوں ملتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے اَفراد پر مشتمل ایک لشکر بھیجا۔آپ نے ان سے قرآن پڑھنے کو کہا، جسے جو یاد تھا اس نے پڑھا، پھر آپ ان میں سے ایک کمسن صحابی کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے فلاں بن فلاں! تجھے بھی کچھ یاد ہے؟۔

اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے فلاں فلاں سورتیں اور سورہ بقرہ یاد ہے۔آپ نے (حیرت سے) فرمایا: کیا تمھیں سورہ بقرہ آتی ہے؟۔

(۱) طبقات ابن سعد: ۵۰۸/۵......سیرت ابن ہشام: ۱۸۵/۴......مسند احمد: ۲۱۸/۴۔

جب اس نے اِثبات میں جواب دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

جاؤ تم ان کے امیر ہو؛ کیوں کہ یہ سورت تقریباً پورے دین کو محیط ہے۔

ان کے معززین میں سے ایک کہنے لگا: یارسول اللہ! قسم بخدا میں نے سورہ بقرہ محض اس لیے نہیں سیکھی کہ اس کے ساتھ میں (نماز میں) کھڑا نہ ہوسکوں گا۔

یہ سن کر آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

قرآن سیکھو اور اس پر عمل کرنے کوشش کرو؛ کیوں کہ جو شخص قرآن سیکھے اور اس پر عمل کرے، اس کے لیے قرآن مشک سے بھرے ہوئے اس مشکیزہ کی طرح ہے جس کی خوشبو جگہ جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ اور جو قرآن سیکھے لیکن اسے سینے میں لیے سوتا رہے، اس کی مثال (چمڑے) کے اس تھیلے کی سی ہے جس میں مشک بند ہو۔(۱)

مال کا وبال

ثعلبہ بن حاطب نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! آپ دعا فرمادیں کہ اللہ مجھے مالدار بنادے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اللہ نے مجھے بہت مال دے دیا تو میں زکوٰۃ اَدا کرنے کے علاوہ غربا و مساکین اور یتیموں بیواؤں کی خیرات وصدقات کے ذریعہ مالی امداد کروں گا اور راہِ خدا میں کثرت کے ساتھ مال خرچ کرتا رہوں گا۔

حضور تاجدارِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

قليل تؤدي شكره خير من كثير لا تطيقه .

یعنی اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا تو شکر اَدا کرے، بہتر ہے اس سے جس کا شکر اَدا نہ ہوسکے۔

چند دنوں کے بعد ثعلبہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ یہی درخواست کی اور کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا کہ اگر وہ مجھے مال دے گا تو میں ہر حق والے کا حق اَدا کروں گا۔

(۱) سنن ترمذی، فضائل القرآن: ۲ حدیث: ۲۸۷۶۔

سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمادی: اے اللہ! ثعلبہ کے مال میں برکت ڈال دے۔اب ثعلبہ کی تھوڑی سی بکریوں میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ اس میں اِضافہ ہونا شروع ہوگیا؛ یہاں تک کہ مدینہ میں اس کی گنجائش نہ ہوئی۔ثعلبہ بکریوں کو لے کر جنگل میں چلا گیا۔بکریوں کی دیکھ بھال کی وجہ سے نماز پنج گانہ اور نمازِ جمعہ سے بھی غیر حاضر رہنے لگا۔

ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا: ثعلبہ کا کیا حال ہے؟ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! اس کا مال بہت زیادہ ہوگیا ہے۔اب تو جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجائش نہ رہی۔ یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ثعلبہ پر افسوس۔

سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے جو عامل مقرر کیے تھے وہ زکوٰۃ وصول کرتے ہوئے ثعلبہ کے پاس بھی پہنچے، انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے زکوٰۃ وصول کرنے آئے ہیں۔ثعلبہ کو زکوٰۃ دینے میں گرانی محسوس ہوئی، بولا: یہ تو ٹیکس ہوگیا، تم ابھی واپس جاؤ تاکہ میں سوچ لوں۔

زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ثعلبہ پر افسوس، ثعلبہ پر افسوس!۔اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں :

وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللّهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ، فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُواْ بِهِ وَتَوَلَّواْ وَّهُم مُّعْرِضُونَ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقاً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُواْ اللّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُواْ يَكْذِبُونَ، أَلَمْ يَعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللّهَ عَلاَّمُ الْغُيُوبِ ○ (سورۂ توبہ:۹/۷۶تا۷۸)

اور ان (منافقوں) میں (بعض) وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے (دولت) عطا فرمائی تو ہم ضرور (اس کی راہ میں) خیرات کریں گے اور ہم ضرور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے۔ پس جب اس نے

انہیں اپنے فضل سے (دولت) بخشی (تو) وہ اس میں بخل کرنے لگے اور وہ (اپنے عہد سے) روگردانی کرتے ہوئے پھر گئے۔ پس اس نے ان کے دلوں میں نفاق کو (ان کے اپنے بخل کا) انجام بنا دیا اس دن تک کہ جب وہ اس سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے اپنے کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے (بھی) کہ وہ کذب بیانی کیا کرتے تھے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ان کے بھید اور ان کی سرگوشیاں جانتا ہے اور یہ کہ اللہ سب غیب کی باتوں کو بہت خوب جاننے والا ہے۔

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ثعلبہ کا ایک رشتہ دار تھا، اس نے ثعلبہ کے پاس جا کر کہا: تیرا خانہ خراب ہو، اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں یہ آیات نازل کی ہیں۔

یہ سن کر ثعلبہ زکوٰۃ کا مال لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا؛ مگر مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی زکوٰۃ کا مال لینے سے انکار کر دیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے قبول فرمانے کی ممانعت فرما دی ہے۔ ثعلبہ اپنے سر پر خاک ڈال کر واپس ہوا۔

پھر خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ثعلبہ زکوٰۃ کا مال لے کر حاضر ہوا۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: جب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیری زکوٰۃ کے مال کو رد فرما دیا تھا تو میں کیوں کر قبول کر سکتا ہوں۔ ثعلبہ پھر نامراد واپس چلا گیا۔

پھر حضرت خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ثعلبہ زکوٰۃ کا مال لیے حاضر ہوا تو حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: تم اس کو واپس لے جاؤ، جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خلیفہ برحق حضرت صدیق اکبر نے رد فرما دیا ہو، عمر کی مجال نہیں کہ اسے قبول کر لے۔

ثعلبہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔ یہاں تک کہ خلیفہ سوئم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہلاک ہو گیا۔(۱)

(۱) تفسیر بیضاوی: ۲/۴۶۵...... تفسیر نسفی: ۴۵۵...... تفسیر روح البیان: ۵/۱۰۷...... تفسیر ابن عجیبہ: ۲/۴۲۸۔

اپنی بیٹی سے میری شادی کردو

حضرت جُلیبیب ایک نوجوان انصاری صحابی تھے۔نہ مالدار تھے، نہ کسی معروف خاندان سے تعلق تھا،صاحب منصب بھی نہ تھے،رشتہ داروں کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی۔رنگ بھی سانولا تھا؛لیکن محبت وعشق رسول سے سرشار تھے۔بھوک کی حالت میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے،علم سیکھتے اور صحبت سے فیض یاب ہوتے۔

ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفقت کی نظر سے دیکھا اور فرمایا :

یا جلیبیب ألا تتزوج ؟.

یعنی اے جلیبیب ! کیا تم شادی نہیں کروگے؟۔

جلیبیب نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ جیسے آدمی سے بھلا کون شادی کرے گا؟۔رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا:جلیبیب !تم شادی نہیں کروگے؟۔اور وہ جواباً عرض گزار ہوئے کہ میرے آقا! بھلا مجھ سے شادی کون کرے گا؟ نہ مال ومنال اور نہ جاہ وجلال!۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا:جلیبیب! تم شادی نہیں کرنا چاہوگے؟۔

جواب میں انھوں نے پھر وہی کہا:اے سید کونین! مجھ سے شادی کا بھلا کون سوچے گا؟ میرے پاس کوئی منصب نہیں، میری شکل بھی اچھی نہیں، نہ میرا خاندان بڑا ہے اور نہ مال ودولت کی ہوا لگی ہے!۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اذهب إلى ذاک البيت من الأنصار و قل لهم: رسول الله صلى الله عليه وسلم يبلغكم السلام ويقول:زوجوني ابنتكم .

یعنی فلاں انصاری کے گھر جاؤ اوران سے کہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھیں سلام کہہ رہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ اپنی بیٹی سے میری شادی کردو۔

جلیبیب خوشی خوشی اس انصاری کے گھر گئے اور دروازہ پر دستک دی۔ گھر والوں نے پوچھا: کون؟ کہا: جلیبیب۔ گھر والوں نے کہا: ہم تو تمہیں نہیں جانتے، نہ تم سے کوئی غرض ہے۔ خیر گھر کا مالک باہر نکلا، ادھر جلیبیب کھڑے تھے۔ پوچھا: کیا چاہتے ہو، اور کدھر سے آئے ہو؟۔ کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں سلام بھیجوایا ہے۔

یہ سننے کی دیر تھی کہ گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تحفہ سلام بھیجا ہے۔ ارے! یہ تو بہت ہی خوش بختی کا مقام ہے کہ ہمیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کہلا بھیجا ہے۔

جلیبیب کہنے لگے: آگے بھی سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردو۔ صاحب خانہ نے کہا: ذرا انتظار کرو، میں لڑکی کی ماں سے مشورہ کرلوں۔ اندر جا کر لڑکی کی ماں کو پیغام پہنچایا اور مشورہ پوچھا۔

وہ کہنے لگی: نا نا، نا نا۔ قسم اللہ کی! میں اپنی بیٹی کی شادی ایسے شخص سے کبھی نہیں کروں گی، نہ خاندان، نہ شہرت، اور نہ مال ودولت!۔

ان کی نیک سیرت بیٹی بھی گھر میں ہونے والی گفتگو سن رہی تھی اور جان گئی تھی کہ حکم کس کا ہے؟ کس نے مشورہ دیا ہے؟ سوچنے لگی اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رشتہ داری پر راضی ہیں تو اس میں یقیناً میرے لیے بھلائی اور فائدہ ہے۔ اس نے والدین کی طرف دیکھا اور مخاطب ہوئی :

أ تـردون عـلـى رسـول اللّٰه أمره؟ ادفعوني إلى رسول اللّٰه فإنه لن يضيعني .

یعنی کیا آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ٹالنے کی کوشش میں ہیں؟ مجھے اللہ کے رسول کے سپرد کردیں (وہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں میری شادی کریں) کیوں کہ وہ ہرگز مجھے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

پھر لڑکی نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی :

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۝ (سورۂ احزاب:۳۳/۳۶)

اور دیکھو! کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے امور میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

لڑکی کا والد سیدھا بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا حکم سر آنکھوں پر! آپ کا مشورہ اور آپ کا حکم قبول ہے، میں شادی کے بدل وجاں راضی ہوں۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لڑکی کے پاکیزہ جواب کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کے حق میں یہ دعا فرمائی:

اللّٰهم صُبَّ الخيرَ عليها صبا ولا تجعل عيشها كدا .

یعنی اے اللہ! اس بچی پر خیر وبھلائی کے دروازے کھول دے اور اس کی زندگی کو مشقت وپریشانی سے دور رکھ۔

پھر حضرت جلیبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس کی شادی ہوگئی۔ مدینہ منورہ میں ایک اور گھرانہ آباد ہوگیا جس کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر تھی، جس کی چھت مسکنت اور محتاجی تھی، جس کی آرائش وزیبائش تکبیر وتہلیل اور تسبیح وتحمید تھی۔ اس مبارک جوڑے کی راحت نماز میں اور دل کا اطمینان تپتی دوپہروں کے نفلی روزوں میں تھا۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے یہ شادی سراسر خانہ آبادی اور بڑی ہی بابرکت ثابت ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں ان کے مالی حالات اس قدر اچھے ہوگئے کہ راوی کا بیان ہے کہ انصار گھرانوں کی عورتوں میں سب سے زیادہ خرچیلا گھرانہ اسی لڑکی کا تھا۔

ایک جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا:

هل تَفقِدون من أحد ؟.

دیکھو! تمہارا کوئی ساتھی بچھڑ تو نہیں گیا؟۔

مطلب یہ تھا کہ کون کون شہید ہو گیا ہے؟۔

صحابہ نے عرض کیا: ہاں! فلاں فلاں حضرات موجود نہیں ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا :

هل تَفقِدون من أحد ؟.

کیا تم کسی اور کو گم پاتے ہو؟۔

صحابہ نے عرض کیا: نہیں۔

آپ نے فرمایا :

لكني أفقد جليبيبا فاطلبوه .

لیکن مجھے جلیبیب نظر نہیں آ رہا ہے، اس کو تلاش کرو۔

چنانچہ ان کو میدانِ جنگ میں تلاش کیا گیا۔ وہ منظر بڑا عجیب تھا۔ میدانِ جنگ میں ان کے اردگرد سات کافروں کی لاشیں تھیں۔ گویا وہ ان ساتوں سے لڑتے رہے اور پھر ساتوں کو جہنم رسید کر کے شہید ہوئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی گئی، تو سرورِ اقدس علیہ السلام خود ہی تشریف لائے، اپنے پیارے ساتھی کی نعش کے پاس کھڑے ہوئے، اور اسے ملاحظہ کر کے فرمایا :

قتل سبعة ثم قتلوه، هٰذا مني وأنا منه .هٰذا مني و أنا منه .

یعنی اس نے سات کافروں کو قتل کیا، پھر دشمنوں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔

پھر آپ نے اپنے پیارے ساتھی کو اپنے ہاتھوں میں اُٹھایا اور شان یہ تھی کہ اکیلے ہی اس کو اٹھا رکھا تھا۔ صرف آپ کے دونوں بازوؤں کا سہارا اسے میسر تھا۔

جلیبیب کے لیے قبر کھودی گئی، پھر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے انھیں سپرد خاک فرما دیا۔(۱)

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:۸۱/۱...... الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ:۱۶۳/۱...... الوافی بالوفیات:۴/ ۴۸......الکامل ابن عدی:۳/ ۱۰۴......تہذیب الکمال مزی:۲۴/ ۲۳۰......تاریخ بغداد:۴/ ۴۰۸۔

میٹھے بول میں جادو

جن دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وسیع پیانے پر فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور اسلام پھیلنے لگا، آپ نے قبائل کو اِسلام کی روشنی سے فیض یاب کرنے کے لیے اپنے ہاں سے داعی روانہ کرنے کا آغاز کیا۔ کبھی ضرورت پڑتی تو لشکر بھی بھیج دیتے۔ عدی بن حاتم بنوطے کے سرداراور سردار کے بیٹے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی لشکر قبیلے طے کی طرف بھیجا۔ عدی بن حاتم جنگ میں شریک نہ ہوئے اور رومیوں کی پناہ میں شام بھاگ گئے۔

مسلمان بنوطے کے علاقے میں پہنچے تو طائی قیامت کے فقدان اور کوئی منظم لشکر نہ ہونے کے باعث اُسے بآسانی فتح کرلیا۔ دورانِ جنگ مسلمانوں کا یہ شیوہ تھا کہ وہ لوگوں سے اچھا سلوک کرتے اوران سے شفقت سے پیش آتے۔ بنوطے پر حملے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اُن کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے محفوظ ہوجائیں اوران کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے۔

مسلمانوں نے قومِ عدی کے بعض اَفراد کو گرفتار کرکے قیدی بنالیا اور انھیں مدینہ لے آئے۔ قیدیوں میں عدی بن حاتم کی بہن بھی شامل تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عدی بن حاتم کے شام کی طرف فرار کرنے کی اِطلاع دی گئی تو آپ کو بڑا تعجب ہوا کہ وہ اپنا دین اور اپنی قوم چھوڑ کر کیسے بھاگ گئے۔ بہرحال! اب عدی تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں تھی۔ اُدھر عدی کو رومیوں کے علاقے میں ٹھہرنا راس نہ آیا۔ مجبوراً انھیں دیارِ عرب واپس آنا پڑا۔ پھر انھیں سوائے اس کے کوئی راستہ نظر نہ آیا کہ وہ مدینہ آئیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر کے مصالحت کی شرائط طے کرلیں۔

عدی مدینہ روانگی کی روداد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

عرب کا کوئی شخص مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر ناپسند نہیں تھا۔ میں دین نصاریٰ پرعمل پیرا تھا اوراپنی قوم کا سردار تھا۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق سنا تو مجھے آپ سے بڑی نفرت ہوئی۔ میں گھر سے روانہ ہوا اور قیصر روم کے ہاں چلا گیا۔ پھر

مجھے وہاں قیام کرنا بھی اچھا نہ لگا۔

میں نے سوچا میں اس آدمی (محمد ﷺ) کے پاس جاتا ہوں۔ اگر وہ جھوٹا ہوا تو مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو بھی مجھے معلوم ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر میں مدینے کی طرف چلا پڑا۔ جب میں شہر میں داخل ہوا تو لوگ شور کرنے لگے: 'یہ رہا عدی بن حاتم، یہ رہا عدی بن حاتم'۔ میں چلتا چلا گیا اور مسجد میں داخل ہوا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔آپ نے دریافت فرمایا :

'عدی بن حاتم ہیں'؟۔ میں نے جواب دیا: جی! عدی بن حاتم ہوں۔

عدی بن حاتم کی آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔اس کے باوجود کہ عدی مسلمانوں کے دشمن تھے، جنگ سے بھاگے تھے، اسلام سے انھیں نفرت تھی اور نصاریٰ کے پناہ گزین تھے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی خوب آؤ بھگت کی۔آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور خوش دلی سے انھیں خیر مقدم کہا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر گھر کی طرف چل پڑے۔عدی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ میں اور محمد (ﷺ) دونوں برابر کے سردار ہیں۔

محمد (ﷺ) مدینہ اور گردونواح کے بادشاہ ہیں۔اور عدی طے اور اس کے اِردگرد کے پہاڑوں کا بادشاہ ہے۔

محمد (ﷺ) ایک آسمانی دین'اسلام' پر عمل پیرا ہیں۔ اور عدی ایک دوسرے آسمانی دین'نصرانیت' کا ماننے والا ہے۔

محمد (ﷺ) کے پاس اِلہامی کتاب'قرآن' ہے۔اور عدی کے پاس ایک دوسری اِلہامی کتاب'انجیل' ہے۔

عدی نے محسوس کیا کہ دونوں بادشاہوں میں فوجی قوت کی کمی بیشی کے علاوہ اور کوئی خاص فرق نہیں۔

راستے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین مواقع پر ٹھہرے۔ پہلے موقع پر ایک

عورت راستے میں کھڑی ہوکر پکارنے لگی: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی کا ہاتھ چھوڑا، اس کے پاس گئے اور غور سے اُس کی بات سنتے رہے۔

عدی بن حاتم جو بادشاہوں اور وزیروں کی صحبت میں رہ چکے تھے، یہ منظر دیکھنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لوگوں سے برتاؤ کا موازنہ اُن رؤسا وزعما کے برتاؤ سے کرنے لگے جن کے طرزِ عمل کا وہ اس سے قبل مشاہدہ کرچکے تھے۔ دیر تک خاموشی سے تکتے رہے، پھر گویا ہوئے: اللہ کی قسم! یہ بادشاہوں کا اَخلاق نہیں ہوسکتا۔ یہ انبیا ہی کا اخلاق ہے۔

وہ عورت اپنی بات پوری کرچکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عدی کی طرف آئے اور دونوں دوبارہ چلنے لگے۔ راستے میں انھیں ایک آدمی ملا۔ اس نے شکایت کے لہجے میں کہا: یارسول اللہ! کھانے کو کچھ نہیں ملتا، بھوکوں مر رہے ہیں، غربت نے کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔

وہ آدمی شکایت کررہا تھا اور عدی سن رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مختصر جواب دیا اور آگے بڑھ گئے۔ ابھی چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ ایک اور آدمی آیا اور بولا: اے اللہ کے رسول! اِردگرد کے راستوں میں بہت ڈاکے پڑ رہے ہیں۔

رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی چندلفظی جواب دیا اور آگے چلتے گئے۔ عدی دل ہی دل میں معاملات کا تجزیہ کرنے لگے۔ انھوں نے سوچا کہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ میری ایک عزت ہے، ایک مقام ہے۔ میرے دشمن راستوں میں مجھ پر ڈاکے بھی نہیں ڈالتے، پھر میں کیوں ایسے دین میں داخل ہوجاؤں جس کے ماننے والے فقر وفاقہ کی زندگی بسر کررہے ہیں اور غربت نے ان کی جان جوکھوں میں ڈال رکھی ہے۔

دونوں گھر پہنچے۔ گھر میں ایک ہی گدا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی کی تکریم کرتے ہوئے انھیں دیا اور فرمایا: یہ لے لیجیے اور اس پر بیٹھ جائیے۔ عدی نے گدا واپس کرتے ہوئے کہا: بلکہ آپ اس پر تشریف رکھیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (نہیں) بلکہ آپ (بیٹھیے)۔ بہرحال! گدا عدی

کے پاس رہا اور وہی اس پر بیٹھے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی اور اسلام کے درمیان کھڑی رکاوٹیں ہٹا دینے کی اِبتدا کی اور یوں گویا ہوئے :

عدی! اسلام لے آیئے، آپ سلامت رہیں گے۔ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔

عدی نے جواب دیا: میں بھی ایک دین پر عمل پیرا ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں آپ کے دین کو آپ سے بہتر جانتا ہوں۔

عدی حیران ہوتے ہوئے پوچھا: کیا آپ میرے دین کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں؟۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: جی ہاں! کیا آپ کا تعلق رکوسی فرقے سے نہیں؟ (۱)۔

عدی نے کہا: کیوں نہیں! رکوسی فرقے ہی سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: جب آپ کی قوم آپ کی معیت میں جنگ لڑتی ہے، آپ غنائم کا چوتھا حصہ نہیں کھاتے؟۔

کہا: بالکل کھاتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مگر آپ کے دین کی رو سے تو ایسا کرنا آپ کے لیے حلال نہیں ہے!۔

---

(۱) رکوسی' نصرانیت کا ایک فرقہ ہے جس پر مجوسیت کے کچھ اَثرات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسروں کو قائل کرنے کی صلاحیت کا اندازہ کیجیے کہ آپ نے عدی سے یہ نہیں پوچھا: کیا آپ نصرانی نہیں ہیں؟، بلکہ آپ نے عام معلومات سے آگے بڑھ کر انھیں خاص معلومات فراہم کرتے ہوئے نصرانیت میں عین اُن کا مذہب یا مسلک بتا دیا۔ اس طرزِ عمل کو ایک اور مثال سے یوں سمجھئے کہ یورپ کے کسی ملک میں آپ کو کوئی نصرانی ملتا اور کہتا ہے: آپ نصرانی کیوں نہیں ہوجاتے؟۔ آپ کا جواب انکاری ہوتا ہے: میں ایک دین پر عمل پیرا ہوں۔
اس پر وہ آپ سے یہ نہیں کہتا: کیا آپ مسلمان نہیں ہیں؟ اور یہ بھی نہیں: کیا آپ سنی نہیں ہیں؟ بلکہ وہ براہِ راست آپ کے فقہی مسلک کا حوالہ دیتا ہے: کیا آپ حنفی نہیں ہیں؟ یا 'کیا آپ شافعی نہیں ہیں'؟۔ کہیے کیا آپ کو کوئی شک وشبہہ رہے گا کہ وہ آپ کے دین کے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔
گفتگو کا یہی شعار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی کے ساتھ اپنایا اور کہا: کیا آپ کا تعلق رکوسی فرقے سے نہیں ہے؟۔

دبی ہوئی آواز میں کہا: ہاں حلال تو نہیں۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام سے آپ کو جس چیز نے روک رکھا ہے، میں وہ بھی جانتا ہوں۔ دراصل آپ سوچتے ہیں کہ بے چارے چند ضعیف لوگ اس آدمی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں جن کے پاس قوت وطاقت نام کی کوئی چیز نہیں اور اہل عرب نے بھی انھیں اپنے علاقے سے نکال باہر کیا ہے؟۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا:

عدی! آپ نے حیرہ دیکھا ہے؟۔ کہا: دیکھا تو نہیں ہے البتہ اس کے متعلق سنا ضرور ہے۔

آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! اللہ اس کام کو ضرور پورا کر کے رہے گا حتیٰ کہ محمل نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی اور کسی کی پناہ حاصل کیے بغیر بیت اللہ کا طواف کرے گی۔

یعنی اسلام اس درجہ قوت حاصل کر لے گا کہ حج کی غرض سے آنے والی مسلمان عورت حیرہ سے چلے گی اور بآسانی مکہ پہنچ جائے گی۔ اس کے ساتھ محرم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا جو اسے پناہ دے۔ وہ سیکڑوں قبائل کے قریب سے گزرتی ہوئی آئے گی۔ مسلمانوں کی شان وشوکت اور قوت وسطوت کے باعث کوئی اس عورت پر ہاتھ ڈالنے یا اس کے مال پر ڈاکا ڈالنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

عدی نے یہ سنا تو اُن کے ذہن میں اس منظر کا تصور اُبھر آیا کہ ایک عورت عراق سے چل کر مکہ پہنچے گی۔ مطلب یہ کہ اس کا گزر جزیرۂ عرب کے شمال میں واقع میری قوم طے کے دیار وجبال سے بھی ہوگا۔ اب عدی نے متعجب ہو کر سوچا: طے کے ڈراؤنے ڈاکو اس وقت کہاں ہوں گے جنھوں نے علاقے میں اودھم مچا رکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے جا رہے تھے: اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے بھی ضرور فتح کیے جائیں گے۔

عدی یہ سن کر حیران ہوئے: ابن ہرمز کے خزانے؟۔ فرمایا: ہاں! کسریٰ بن ہرمز اور اس کے اَموال بھی لازماً اللہ کی راہ میں لٹائے جائیں گے۔ اگر آپ کی زندگی لمبی ہوئی تو آپ

دیکھیں گے کہ آدمی مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر ایسے اَفراد کی تلاش میں نکلے گا جو اس سے وہ سونا یا چاندی قبول کر لیں؛ لیکن اسے کوئی ایسا انسان نہیں ملے گا۔

یعنی مال و دولت کی ایسی فراوانی ہوگی کہ مال دار آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ اُٹھائے گھومتا پھرے گا؛ مگر اسے کوئی ضرورتمند نہیں ملے گا جو اس سے زکوٰۃ قبول کر لے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی کو آخرت کے متعلق نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

ملاقات کے دن تم میں سے ہر ایک کی اللہ سے ملاقات ہو کر رہے گی۔ اللہ اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ وہ دائیں دیکھے گا تو جہنم کے سوا نظر نہیں آئے گا اور بائیں دیکھے گا تو بھی جہنم ہی نظر آئے گی۔

عدی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں تفکر کی موجوں سے باہر نکالتے ہوئے فرمایا:

عدی! پھر کون سی شے ہے جو آپ کو لا اِلٰہ الا اللہ سے دور کر رہی ہے۔ کیا اللہ سے بڑا بھی کوئی معبود آپ کی نظر میں ہے؟۔

عدی نے کہا: میں مسلم حنیف (یکسو مسلمان) ہوں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ جیسے ہی عدی نے یہ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ خوشی سے جگمگا اُٹھا۔

عدی بن حاتم نے (دعاے رسول کی برکت سے لمبی عمر پائی، اور یہ حدیث بیان کرتے ہوئے راویِ حدیث سے) کہا: اب آپ دیکھتے ہیں کہ محمل نشین عورت حیرہ سے چل کر آتی ہے اور بلا خوف وخطر بیت اللہ کا طواف کرتی ہے۔ کسریٰ کے خزانے فتح کرنے والوں میں میں خود بھی شامل تھا۔ اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تیسری بات بھی ہو کر رہے گی؛ کیوں کہ اس کی پیش گوئی مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے۔(۱)

(۱) صحیح بخاری: ۱۲/۳۴۳ حدیث: ۳۵۹۵...... تفصیل کے لیے دیکھئے: مسند احمد بن حنبل: ۴/۳۷۸...... البدایہ والنہایہ: ۵/۵۷ تا ۶۱...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۵/۳۴۳۔

تین نوجوان اور نیک اعمال

صحیحین اور دوسری کتب احادیث میں مروی ہے کہ اگلے وقتوں میں تین آدمی تلاشِ معاش کے لیے سفر پر نکلے، راستہ میں انہیں بارش نے آلیا اور وہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے۔ اچانک ایک چٹان لڑھک کر غار کے منہ پر آکر رک گئی اور غار کا منہ بند ہوگیا۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہر ایک اپنے اچھے اعمال کو یاد کر کے دعا مانگے؛ تاکہ یہ چٹان ہٹ جائے، اور ہمیں اس مشکل سے نجات ملے۔

ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ذرا سوچو اور کوئی ایسا عمل یاد کرو جو تم نے اپنی زندگی میں خالص اللہ کی رضا جوئی کے لیے سرانجام دیا ہو، پھر اس عمل کو واسطہ بنا کر اس چٹان سے نجات کی دعا مانگو۔

تب ان میں سے ایک نے کہا: الٰہ العالمین! میرے والدین بوڑھے تھے، میں ان سے پہلے شام کو کسی بچے کو دودھ نہیں پلایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ میں کسی کام سے چلا گیا، جب میں واپس آیا تو والدین سو چکے تھے، میں نے دودھ دوہا اور ساری رات دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا رہا؛ یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور میرے بچے ساری رات بھوکے سوتے رہے۔ اے رب ذوالجلال! میں نے یہ سب کچھ تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا، لہٰذا اب تو یہ چٹان ہم سے ہٹا دے۔ اس دعا کے بعد چٹان اتنی ہٹ گئی کہ سورج کی روشنی اندر آنے لگی۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، میں جب بکریاں چرا کر واپس آتا تو دودھ دوہ کر والدین کو پلاتا پھر بچوں کو دیتا۔ ایک بار حسب معمول دودھ نکالا اور لے کر والدین کے سرہانے کھڑا ہوگیا اور بچے میرے قدموں میں پڑے دودھ طلب کرتے رہے؛ مگر میں نے والدین کو دودھ پلائے بغیر انہیں دودھ دینا مناسب نہ سمجھا؛ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ تو اے اللہ! اگر میرا یہ عمل تیری رضا جوئی میں تھا تو اس چٹان کو ہٹا دے۔ چنانچہ چٹان اتنی ہٹ گئی کہ انہیں آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے نے چچازاد بہن سے زنا سے باز رہنے کا ذکر کیا اور تیسرے نے مزدور کی اُجرت کی امانت داری کا ذکر کیا تو چٹان مکمل طور پر ہٹ گئی اور وہ باہر نکل گئے۔(۱)

(۱) بحوالہ، مکاشفۃ القلوب: ص:۱۸۳تا۱۸۴۔

عقل مند کون؟

چند نوجوان صحابہ محسن انسانیت تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا :

یارسول اللّٰه ! من أکیس الناس و أحزم الناس .

یعنی انسانوں میں سب سے زیادہ عقلمند اور سمجھ دار کون ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا :

أکثرھم ذکراً للموت .

یعنی وہ جو موت کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں۔

و أشدھم استعداداً للموت قبل نزول الموت .

اور جو موت آنے سے پہلے موت کی بڑھ چڑھ کے تیاری کرنے والے ہوں۔

أولئک الأکیاس، ذھبوا بشرف الدنیا و کرامة الأخرة .

یہ ہیں عقل مند لوگ۔ جو دنیا کی شرافت اور آخرت کی بزرگی لے گئے۔(۱)

یہ سچ ہے کہ اِنسانی زندگی ہوا میں رکھے ہوئے چراغ کی مانند ہے۔ بوڑھا آدمی چراغِ سحر ہے تو جوان آدمی چراغِ شام ہے۔ جس طرح ہوا کے جھونکوں میں رکھا ہوا چراغ ایک ہی جھونکے کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح انسانی زندگی بھی بس ایک ہی پل کی محتاج ہوتی ہے۔ جس طرح رونے والے کی پلکوں پر آنسو ہوتا ہے کہ بس پلک جھپکتے ہی وہ مٹی میں مل جاتا ہے، بالکل یہی حال انسان کی زندگی کا ہے۔ لہٰذا عقل مند وہی کہا جائے گا جو ہر وقت اپنی تیاری مکمل رکھے، تاکہ جس وقت بھی موت آئے، پوری تیاری کے ساتھ آئے اور وہ دنیا و آخرت کی ساری سعادتیں اپنے ساتھ سمیٹ کر لے جائے۔ اللہ ہم پر اپنا خاص لطف و کرم فرمائے۔

(۱) معجم طبرانی:۱۱/۱۰۱حدیث:۶۳ ...... اتحاف الخیرۃ المھرۃ:۷/۱۵۵حدیث:۷۲۹۷...... مستدرک حاکم: ۲۰/۲۹حدیث:۱۷۷۸۔

مجاہدین، شہدا سے بلند

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! مشرکین سے لڑنے کے علاوہ کوئی اور بھی جہاد ہے؟۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں اے ابوبکر! اللہ کی زمین پر ایسے مجاہدین رہتے ہیں جو شہداء سے افضل ہیں۔ زمین پر چلتے پھرتے ہیں، رزق پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ملائکہ میں ان پر فخر کرتا ہے، ان کے لیے جنت سنواری جاتی ہے جیسے ام سلمہ کو اِس نبی (علیہ السلام) کے لیے سنوارا گیا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضور وہ کون لوگ ہیں؟۔

آپ نے فرمایا: وہ نیکی کا حکم کرنے والے، برائیوں سے روکنے والے، اللہ کے لیے دشمنی اور اللہ ہی کے لیے محبت کرنے والے ہیں۔

پھر فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ایسا شخص جنت میں تمام بالا خانوں سے اوپر؛ یہاں تک کہ شہدا کے بالا خانوں سے بھی اوپر ایک ایسے بالا خانے میں فروکش ہوگا جس کے یاقوت اور سبز زمرد کے تین سو دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ نور سے معمور ہوگا۔

نیز وہاں پر تین سو پاکدامن حوروں سے اس کی شادی کی جائے گی۔ جب وہ کسی ایک حور کی طرف متوجہ ہوگا تو وہ کہے گی: تمھیں وہ دن یاد ہے جب تم نے نیکی کا حکم دیا تھا اور برائی سے روکا تھا؟۔ دوسری کہے گی آپ کو وہ جگہ یاد ہے جہاں آپ نے نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کیا تھا؟۔(۱)

(۱) مکاشفۃ القلوب: ص: ۱۱۸ تا ۱۲۰۔

نامہ ہائے مبارکہ میں رہنما اُصول

ساتویں صدی عیسوی میں دنیا میں دو بڑی سلطنتیں قائم تھیں یعنی سلطنت روم اور سلطنت فارس؛ جب کہ جزیرۂ نمائے عرب میں قبائلی طرزِ زندگی رائج تھا۔ سلطنت روم میں عیسائی مذہب ترقی کررہا تھا؛ کیوں کہ قیصر مذہباً نصرانی تھا اور مسیحی مذہب کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ یہی حیثیت فارس میں مجوسی مذہب کو حاصل تھی اور وہاں کی آبادی اہرمن اور یزداں کو اپنا خالق تصور کرتی تھی۔

جزیرۂ عرب میں گردشِ ایام نے ملت ابراہیمی کی جگہ بت پرستی کو جنم دیا۔ لوگوں نے ملت ابراہیمی سے روگردانی کی اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کئی معبودانِ باطلہ بنا لیے تھے۔ یوں رومی مسیحی گمراہیوں کا شکار ہو چکے تھے۔ فارسی عوام توہم پرستی میں مبتلا تھی اور عرب قبائل ملت ابراہیمی سے انحراف کے علاوہ فخر ومباہات اور شدید باہمی نفرت اور تعصب کی فضا میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ پوری دنیا کفر وشرک کی لپیٹ میں تھی اور کفر وشرک کی ظلمت چاروں طرف چھائی ہوئی تھی۔ اِنسانیت گمراہیوں کی دلدل میں بری طرح دھنسی ہوئی تھی اور ظلم وستم کی چکی میں بری طرح پس رہی تھی۔

اب وقت آ گیا تھا کہ دنیا سے ظلم وستم کا راج ختم کر دیا جائے۔ ذات پات کی اونچ نیچ، امیر وغریب کا اِمتیاز اور آقا وغلام کا فرق مٹا دیا جائے۔ اور کفر وشرک کی بیخ کنی کر دی جائے۔ گویا دنیا میں کسی ہمہ گیر اور عالمگیر انقلاب کی ضرورت تھی؛ لہٰذا دنیائے ضلالت کے عین وسط میں آفتابِ نبوت و ماہتابِ رشد و ہدایت طلوع ہوا۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آفاقی امن وفلاح کا پیغام لے کر وادیٔ فاران میں نمودار ہوئے اور لوگوں کے سامنے اپنا پیغام پیش کیا۔ چند نفوسِ قدسیہ نے اس پیغام حق کو دل وجاں سے قبول کرلیا اور بارگاہِ رسالت مآب میں حاضری کا شرف حاصل کرتے ہوئے فیض یاب ہونے لگے تھے۔

اب وقت آ گیا تھا کہ جزیرۂ عرب کو رشد و ہدایت کی آغوش میں لینے کے بعد رحمت للعالمین ہونے کا عملی مظاہرہ کیا جائے؛ چنانچہ جاں نثاروں کو جمع کر کے اعلان کیا گیا کہ مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے؛ لہٰذا یہ پیغامِ امن وانقلاب لے کر قریب وبعید قبائل اور اَربابِ اقتدار کے پاس جاؤ اور انھیں اسلام کی آغوش میں لے آؤ۔ چنانچہ مختلف سفیرانِ نبوی تاجدارِ کائنات علیہ السلام کا مکتوب مبارک لے کر شاہانِ عالم کے پاس پہنچے۔

☆ محرم الحرام ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہِ حبشہ کے نام ایک دعوتی مکتوب اِرسال فرمایا۔ بارگاہِ رسالت کے سفیر عمرو بن اُمیہ الضمری جب شاہِ حبش کے دربار میں پہنچے تو مکتوب گرامی نجاشی کی خدمت میں پیش کیا اور حسب ذیل اثر انگیز تقریر کی :

شاہِ ذی جاہ! میرے ذمہ حق کی تبلیغ ہے اور آپ کے ذمہ حق کی سماعت۔ کچھ عرصے سے ہم پر آپ کی شفقت ومحبت کا یہ حال ہے کہ گویا آپ اور ہم ایک ہی ہیں۔ ہمیں آپ کی ذات پر اس قدر اطمینان ہے کہ ہم آپ کو کسی طرح اپنی جماعت سے علاحدہ نہیں سمجھتے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہماری طرف سے آپ پر حجت قطعی ہے۔ جس قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں نے حضرت آدم کو بغیر والدین کے پیدا کر دیا، اسی نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے بطن مادر سے پیدا کیا ہے۔ ہمارے اور آپ کے درمیان انجیل سب سے بڑی شہادت ہے۔ اس نبی رحمت کی پیروی میں خیر و برکت کا ورود اور فضیلت و بزرگی کا حصول ہے۔

شاہِ عالی جاہ! اگر آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع نہ کیا تو اس نبی امی کا انکار آپ کے لیے وبالِ جان ہوگا، جس طرح حضرت عیسیٰ کا انکار یہود کے حق میں وبالِ جان ثابت ہوا۔ میری طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے بعض دیگر اشخاص مختلف بادشاہوں کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے قاصد بنا کر بھیجے گئے ہیں مگر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو اُمید آپ کی ذات سے ہے، دوسروں سے نہیں۔ آپ سے اس بارے میں پورا اطمینان ہے کہ آپ اپنے اور خدا کے درمیان اپنی گزشتہ نیکی اور آئندہ کے اَجر وثواب کا خیال رکھیں گے۔

کچھ عرصہ قبل حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی معجز بیانی سے نجاشی اسلام کی دعوت سے واقف ہو چکا تھا، اور پھر نبوی قاصد کی اس پر زور تقریر نے اس کے سینے میں اسلام کو راسخ کر دیا؛ چنانچہ نجاشی ان سے مخاطب ہو کر بولا: عمرو! بخدا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے وہی برگزیدہ رسول ہیں جن کی آمد کا ہم اور یہود انتظار کر رہے تھے۔ نجاشی تخت شاہی سے نیچے اُتر آیا اور نامہ مبارک کو ہاتھ میں لے کر تعظیماً آنکھوں سے لگایا۔(۱)

☆ یوں ہی بارگاہِ رسالت سے مصر کی سفارت کے لیے حاطب بن ابی بلتعہ مامور ہوئے، وہ مسافت طے کرتے ہوئے اسکندریہ پہنچے اور مقوقس مصر کے سامنے مکتوب گرامی پیش کیا۔ علامہ ابن اثیر کی روایت کے مطابق مقوقس نے حضرت حاطب کو اپنے پاس بلوایا اور ان کے درمیان حسب ذیل مکالمہ ہوا :

مقوقس: اخبرنی عن صاحبک أ لیس ھو نبی؟ .

مجھ سے اپنے صاحب کے بارے میں بیان کرو، کیا وہ نبی نہیں ہیں؟۔

حاطب: بلی ! ھو رسول اللّٰہ ﷺ.

ہاں کیوں نہیں! بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں۔

مقوقس: فمالہ لم یدع علی قومہ حیث اخرجوہ من بلدتہ؟

پھر انھوں نے اپنی قوم پر بددعا کیوں نہیں کی جب ان کی قوم نے ان کو ان کے شہر سے نکالا؟۔

حاطب : فعیسیٰ ابن مریم ! ا تشھد انہ رسول اللّٰہ فما لہ حیث اراد قومہ صلبہ لم یدع علیھم حتی رفعہ اللّٰہ؟

عیسیٰ بن مریم کی نسبت تو آپ خود کہتے ہیں کہ وہ خدا کے رسول تھے، پھر جب ان کو ان کی قوم نے سولی دینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے کیوں نہ انھیں بددعا دی؛ یہاں تک کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھالیا۔

(۱) ابن سعد، ذکر بعثۃ رسول اللہ الرسل بکتبہ: ۲۵۸/۱......زاد المعاد: ۶۹۸/۳۔

مقوقس: احسنت ! أنت حکیم جاء من عند حکیم .(۱)

تم نے اچھا جواب دیا۔تم ایک دانا آدمی ہواورایک دانا آدمی کے پاس سے آئے ہو۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اس کے علاوہ مقوقس اور حضرت حاطب کے درمیان ہونے والے ایک اور مکالمہ کا بھی ذکر کیا ہے۔حضرت حاطب بن ابی بلتعہ جب مقوقس کے دربار میں پہنچے تو حسب ذیل مکالمہ ہوا :

حاطب: (اس زمین پر) تم سے پہلے ایک شخص (فرعون) گزرا ہے جو اپنے آپ کو ربِ اعلیٰ سمجھتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اسے اگلوں اور پچھلوں کے لیے سامانِ عبرت بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعہ لوگوں سے انتقام لیا، پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا؛ لہٰذا دوسروں سے عبرت پکڑو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔

مقوقس: ہمارا ایک دین ہے جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے بہتر دین نہ مل جائے۔

حاطب: ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تمام ماسوا (ادیان) کے بدلے کافی بنا دیا ہے۔ دیکھو! اسی نبی نے لوگوں کو (اسلام کی) دعوت دی تو اس کے خلاف قریش سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے۔ یہود نے سب سے زیادہ دشمنی کی اور نصاریٰ سب سے زیادہ قریب رہے۔

حاطب: میری عمر کی قسم! جس طرح حضرت موسیٰ نے عیسیٰ کے لیے بشارت دی تھی، اسی طرح حضرت عیسیٰ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بشارت دی ہے۔اور ہم تمہیں قرآن مجید کی دعوت اسی طرح دیتے ہیں جیسے تم اہل تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو۔ جو نبی جس قوم کو پاجاتا ہے وہ قوم اس کی امت ہوجاتی ہے اور اس پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کرے اور تم نے اس نبی کا عہد پالیا ہے اور پھر ہم تمہیں دین مسیح سے روکتے نہیں ہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں۔

(۱) اسد الغابہ، تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہ: ۱/۳۶۲۔

مقوقس: میں نے اس نبی کے معاملے پرغور کیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے اور کسی پسندیدہ بات سے منع نہیں کرتے۔ وہ نہ گمراہ جادوگر ہیں، نہ جھوٹے کاہن؛ بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے ساتھ نبوت کی یہ نشانی ہے کہ پوشیدہ کو نکالتے ہیں اور سرگوشی کی خبر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میں مزید غور کروں گا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد عبداللہ بن حذافہ سہمی جب فارس پہنچے تو انھوں نے آپ کا دعوتی مکتوب شاہِ فارس خسرو پرویز کے سامنے پیش کیا۔

شاہِ فارس' تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ مبارک کے آزادانہ لہجے، اس کے بے باکانہ ایجاز اور صاف گویانہ انداز کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ پھر طیش میں آکر نبوی مکتوب کو چاک کر دیا اور غضب ناک لہجے میں گرج کر بولا :

یکتب الی ھٰذا و ھو عبدی .

یعنی ہمارے غلام کی یہ جرأت کہ ہمارے نام اس طرح کا خط لکھے!۔

حضرت یزید بن ابی حبیب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس حرکت کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا :

جس طرح اس نے میرا خط چاک کیا ہے اسی طرح عنقریب اس کی حکومت کے پرزے پرزے ہو جائیں۔

پھر کسریٰ نے والی یمن باذان کو لکھا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے میرے پاس لایا جائے۔(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر حضرت عبداللہ بن حذافہ یہ ساری صورتحال دیکھ رہے تھے؛ چنانچہ وہ نہایت تحمل، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اہل دربار سے یوں مخاطب ہوئے :

اے اہل فارس! عرصہ دراز سے تمہاری زندگی ایسی جہالت میں گزر رہی ہے کہ نہ تمہارے پاس خدا کی کتاب ہے اور نہ کوئی اللہ کا رسول تمہارے یہاں مبعوث ہوا

(۱) زادالمعاد:۶۹۱/۳، ۶۹۲۔

(۲) تاریخ الامم والملوک:۹۰/۳۔

ہے۔ جس سلطنت پر تمہیں گھمنڈ ہے وہ خدا کی زمین کا بہت مختصر ٹکڑا ہے۔ دنیا میں اس سے کہیں زیادہ بڑی بڑی حکومتیں اور سلطنتیں موجود ہیں۔

اور پھر بادشاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

آپ سے پہلے بہت سے بادشاہ ہو گزرے ہیں، ان میں سے جس نے آخرت کو اپنا منتہائے مقصود سمجھا وہ دنیا سے اپنا حصہ لے کر بامراد گیا اور جس نے دنیا کو مقصود بنایا، اس نے آخرت کے اَجر کو ضائع کر دیا۔ افسوس کہ میں نجات وفلاح کے جس پیغام کو لے کر آیا ہوں، آپ نے اسے حقارت سے دیکھا؛ حالاں کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ پیغام ایسی جگہ سے آیا ہے جس کا خوف آپ کے دل میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ حق کی آواز آپ کی تحقیر سے دب نہیں سکتی۔(۱)

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ انھیں یہ تنبیہ کرکے گھوڑے پر سوار ہوئے اور سیدھا سوئے مدینہ روانہ ہو گئے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط شاہِ عمان جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام لکھا۔ ان دونوں کے والد کا نام جلندی تھا۔ ایلچی کی حیثیت سے عمرو بن العاص کا انتخاب عمل میں آیا؛ چنانچہ انھوں نے عمان پہنچ کر دونوں بھائیوں کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے بخوشی اسلام قبول کرلیا۔(۲)

ابن قیم الجوزیہ نے عمرو بن العاص اور عبد بن جلندی کے درمیان ہونے والا ایک مکالمہ بھی نقل کیا ہے جس سے عمرو بن العاص کی ان دعوتی کوششوں کا حال معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کس طرح بڑی کامیابی سے ان دونوں بھائیوں کو اسلام کا قائل کرلیا؛ چنانچہ جب عمرو وہاں پہنچے تو پہلے عبد سے ملے جو زیادہ دور اندیش اور نرم خو تھا اور پھر دونوں کے درمیان حسب ذیل مکالمہ ہوا :

(۱) الروض الانف: ۲/۲۵۳۔
(۲) کتاب المحبر: ۷۷۔

عبد: تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟۔

عمرو: ہم ایک اللہ کی طرف بلاتے ہیں جو تنہا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد: اے عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو۔ بتاؤ، تمہارے والد نے کیا کیا؟ کیوں کہ ہمارے لیے اس کا طرزِ عمل لائق اتباع ہوگا۔

عمرو: وہ محمد پر ایمان لائے بغیر وفات پا گئے؛ لیکن مجھے حسرت ہے کہ کاش انھوں نے اسلام قبول کرلیا ہوتا اور آپ کی تصدیق کی ہوتی۔ میں خود بھی انھیں کی رائے پر تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دے دی۔

عبد: اچھا مجھے بتاؤ وہ کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟۔

عمرو: اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے منع کرتے ہیں۔ نیکی، صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ ظلم وزیادتی، زنا کاری، شراب نوشی، اور پتھر، بت اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔

عبد: یہ کتنی اچھی بات ہے جس کی طرف وہ بلاتے ہیں۔

بالآخر دونوں بھائیوں (عبد اور جیفر) نے اسلام قبول کرلیا۔(۱)

نوجوانانِ ملت! سرورِ کائنات علیہ السلام کے مکاتیب اور سفیرانِ نبوی کی مثالیں دعوت وتبلیغ کے منہج واُسلوب کو سمجھانے کی غرض سے یہاں درج کی گئی ہیں۔ ایسی بیسیوں مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں؛ مقصد صرف اتنا ہے کہ نوجوان نسل کو دعوت کے اس آفاقی انداز ومنہاج سے متعارف کرایا جائے جو روحوں میں اُتر جائے اور دلوں کو فتح کرلے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ ہائے گرامی اور صحابہ کے اُسلوبِ دعوت سے یہ نکات بآسانی سمجھے جاسکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عام ہے اور آپ کی دعوت ہر قوم، زمانے اور نسل کے لوگوں کے لیے ہے۔

(۱) زاد المعاد: ۳/۶۹۳، ۶۹۵۔

داعی اگر مخاطب کے منصب اور مقام و مرتبہ کا پوری طرح لحاظ کرتے ہوئے دعوت کا فریضہ انجام دے تو ایسی دعوت زیادہ مؤثر ہوگی اور مخاطب داعی کی بات کو زیادہ توجہ اور انہماک سے سنے گا۔ نبوی سفرا کا مخاطب کو 'یا جلالۃ الملک' 'اے بادشاہِ زمان'، اور 'شاہِ ذی جاہ' وغیرہ کے الفاظ سے مخاطب کرنا اسی اسلوبِ دعوت کی طرف اِشارہ ہے۔

دعوت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ مخاطب سے بحث و مباحثہ سے حتی الامکان احتراز کیا جائے؛ لیکن اگر مخاطب بحث پر ہی مصر ہو تو داعی کا فرض ہے کہ وہ دورانِ گفتگو شائستگی کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

لہجے کی شائستگی اور دلیل کے ساتھ بات کرنا ایسا اُسلوبِ دعوت ہے جس سے نہ صرف مخاطب کو لاجواب کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کو اعترافِ حقیقت پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے؛ جیسا کہ حضرت حاطب نے مقوقس' شاہِ مصر کو مضبوط دلائل سے لاجواب کر دیا تو مقوقس نے حضرت حاطب اور ان کی دعوت کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا :

أنت حكيم جاء من عند حكيم .

تم دانا ہو اور ایک دانا کے پاس سے آئے ہو۔

داعی کا فرض ہے کہ دعوت اور مخاطب کے عقائد و افکار کے درمیان قدر مشترک تلاش کرے اور ان کی درست باتوں کو دعوت کی بنیاد بنائے۔ اگر اس اسلوبِ دعوت کو اختیار کیا جائے تو مخاطب کو دعوت سے مانوس کرنے میں مدد ملتی ہے اور مخاطب سمجھتا ہے کہ جو دعوت اس کو پیش کی جارہی ہے، وہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کسی اجنبی چیز کو مان لینے کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا مقوقس کو یہ کہنا: ''ہم تمہیں دینِ مسیح سے روکتے نہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں'' اس اسلوبِ دعوت کی ایک عمدہ مثال ہے۔

گستاخیِ رسول کا خمیازہ

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی مبارک مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ دین کی بات پھیل چکی ہے۔ عرب اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں اِسلام کا چرچا ہے۔ رب العالمین کی وحدانیت کا اِعلان کیا جاچکا ہے۔ عام لوگوں کے ساتھ قبائل کے رؤسا بھی گروہ در گروہ توحید کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مدینہ وارد ہورہے ہیں۔ زیادہ تر اِطاعت کا اِقرار کرکے اور مسلمان ہوکر آرہے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو نہ چاہتے ہوئے بھی اِسلام کی بالادستی اور حقانیت کو قبول کرنے پر مجبور ہیں۔

انہی لوگوں میں عرب کا ایک بڑا رئیس عامر بن طفیل بھی مدینے میں آتا ہے۔ اس کی قوم نے روز بروز اِسلام کی بڑھتی ہوئی شہرت کو دیکھ کر اس سے کہا تھا: عامر! لوگ جوق در جوق اِسلام لارہے ہیں۔ آپ بھی مسلمان ہوجائیں تو بہتر ہے۔

عامر نے جو ایک متکبر اور بالادست سردار ہے، جواب دیا تھا: واللہ! میں نے قسم کھائی ہے کہ اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک عرب مجھے اپنا بادشاہ تسلیم نہ کرلیں اور میرے نقشِ قدم پر نہ چلنے لگیں، پھر میں قریش کے اس جوان کی پیروی کروں؟!۔

پھر جب عامر بن طفیل نے اسلام کی تمکنت اور اس کا جاہ وجلال اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوگوں کا میلان دیکھا تو اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور چند ساتھیوں کے ہمراہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کو مدینے روانہ ہوگیا۔ مدینہ پہنچ کر مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا اور کہا: محمد! میں آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کے اَفراد سے محتاط رہتے تھے، سو آپ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم، حتیٰ کہ آپ اللہ واحد پر ایمان لے آئیں۔

اس نے پھر وہی مطالبہ کیا: محمد! میں آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔ آپ نے پھر انکار کردیا۔ وہ یہی کہتا رہا: محمد! میرے ساتھ چلیں، میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، میرے

ساتھ چلیں، میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ ہو لیے۔ عامر نے جلدی سے اپنے ایک ساتھی اِربد کو اپنی طرف کھینچا۔اس کے ساتھ مل کر عامر نے پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ عامر نے اربد سے کہا: میں محمد کو اپنی طرف مشغول رکھوں گا،تم موقع پا کر تلوار کا وار کر دینا۔

اِربد تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھے مستعد ہو گیا۔ پھر وہ دونوں دیوار کے ساتھ علاحدگی میں چلے گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عامر سے بات چیت کرنے ان کے پاس آئے۔اربد کا ہاتھ بدستور تلوار کے دستے پر تھا۔وہ جب بھی تلوار سونتنا چاہتا،اس کا ہاتھ شل ہونے لگتا۔آخر تک وہ تلوار میان سے نہ نکال سکا۔ اُدھر عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باتوں میں مصروف رکھنے کی کوشش میں تھا اور اربد کو دیکھ رہا تھا جو جامد و بے بس کھڑا تھا۔اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مڑ کر اربد کو دیکھا،اور آپ نے عامر سے فرمایا :

عامر! اسلام قبول کر لیجیے۔اس نے کہا: محمد! میں اسلام قبول کر لوں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟۔آپ نے صاف جواب دیا: آپ کو وہی کچھ ملے گا جو مسلمانوں کو ملتا ہے،اور آپ پر وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمانوں پر ہیں۔

عامر بولا: میں اسلام قبول کر لوں تو آپ مجھے اپنے بعد بادشاہت دیتے ہیں؟۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ عامر سے کوئی ایسا وعدہ نہ کریں جو بعد میں پورا نہ ہو سکے۔آپ نے پھر اسے صاف صاف اور جرأتمندانہ جواب دیا: نہیں،ایسا نہیں ہو سکتا،آپ یا آپ کی قوم کو سرداری نہیں ملے گی!۔

عامر نے اپنے مطالبے میں قدرے تخفیف کرتے ہوئے کہا: پھر ایسا کرتے ہیں، میں اہل بادیہ کا بادشاہ ہوں گا اور آپ اہل شہر کے۔آپ کا وہی صاف اور کورا جواب تھا: نہیں۔

اس پر جوشِ غضب سے عامر کا چہرہ سرخ ہو گیا اور چلا کر کہنے لگا: محمد! اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، میں تمہارے اس شہر کو برق رفتار گھوڑوں اور نوجوان جنگجوؤں سے بھر دوں گا۔ میں یہاں

کی ہر کھجور سے ایک گھوڑا باندھوں گا اور غطفان کے ایک ہزار بھورے گھوڑوں اور اتنی ہی بھوری گھوڑیوں کے ہمراہ تم پر حملہ آور ہوں گا۔

یہ کہہ کر وہ غصے میں پیچ وتاب کھاتا اور دھمکیاں دیتا ہوا مسجد سے نکل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے جاتا دیکھتے رہے، پھر آپ نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور دعا کی: اے اللہ! عامر کے متعلق مجھے بے فکر کردے اور اس کی قوم کو ہدایت نصیب فرما۔

عامر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ سے نکل کر اپنی قوم کے دیار کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا مصمم اِرادہ تھا کہ اپنے علاقے میں پہنچ کر ایک زبردست لشکر تیار کرے گا اور مدینہ پر چڑھائی کردے گا۔ مگر اللہ کی شان دیکھیں کہ راستے میں آرام کی غرض سے سلولیہ نامی ایک عورت کے خیمے میں ٹھہرا جو اس کی قوم سے تعلق رکھتی تھی۔

وہ ایک فاحشہ عورت تھی جسے لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اس کے ہاں ٹھہرنے والے شخص کو بھی لوگ فاسق وفاجر گردانتے تھے۔ عامر کو سفر کی تکان اُتارنے کے لیے کوئی مناسب جگہ نہیں ملی تھی، اس لیے وہ مجبوراً سلولیہ کے ہاں جا اُترا اور اس کے خیمے میں پڑ کر سو رہا۔ اسی اثنا میں عامر کی گردن پر ایک گلٹی نکل آئی۔ ایسی گلٹی عموماً اونٹ کی گردن پر ظاہر ہوتی اور اسے موت کے گھاٹ اُتار دیتی تھی۔ گلٹی دیکھ کر عامر گھبرایا اور بے حد پریشان ہوا، وہ ورم کے مقام کو چھوتا اور کہتا: اونٹ کی گلٹی جیسی ایک گلٹی اور سلولیہ کے گھر میں موت!!!۔

یعنی نہ موت عزت کی ہے اور نہ جائے موت کی کوئی قدرومنزلت۔ عامر کی دیرینہ تمنا تھی کہ وہ میدانِ جنگ میں سورماؤں کی تلوار سے قتل ہوتا؛ مگر یہ کیا! وہ ایک فاحشہ کے گھر میں جانوروں کی بیماری سے مر رہا تھا۔ اس کے نزدیک یہ بڑی ذلت آمیز موت تھی۔ وہ چیخ پکار کرنے لگا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میرا گھوڑا لاؤ۔

گھوڑا حاضر کیا گیا، وہ ایک ہی جست میں گھوڑے پر سوار ہوا۔ نیزہ ہاتھ میں تھاما۔ گھوڑا اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ اس نے اپنی گردن کو پکڑ رکھا تھا اور درد کی شدت سے چلا رہا تھا :

غدةٌ كغدة البعير وموتٌ في بيت سلولية .

یعنی اونٹ کی گلٹی جیسی ایک گلٹی اور سلولیہ کے گھر میں موت!!!۔

اس کا گھوڑا چکراتا رہا۔ موت نے عامر کو مزید مہلت نہ دی اور وہ گھوڑے پر بیٹھا جہنم واصل ہوا۔ عامر کے ساتھیوں نے اس کی لاش وہیں چھوڑی اور اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ قوم کی آبادی میں پہنچے تو لوگوں نے آگے بڑھ کر اِربد سے پوچھا: اِربد! پیچھے کیا خبر ہے؟۔

اس نے جواب دیا: خبر کیا ہوتی! محمد نے ہمیں کسی شے کی بندگی کرنے کی دعوت دی ہے۔ کاش! وہ اس وقت ہمارے پاس ہوتا تو ہم تیر مار کر اسے قتل کر ڈالتے۔

یہ بات کہنے کے ایک یا دو دن بعد اِربد اپنا ایک اونٹ لے کر روانہ ہوا جسے وہ فروخت کرنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی گرادی جس نے ان دونوں کو بھسم کر ڈالا۔(۱)

جب تین اِسلامی جرنیل شہید ہوئے

ہجرت کے آٹھویں برس رومیوں نے ایک لشکر جرار تیار کیا اور مسلمانوں سے جنگ کے لیے شام کی طرف سے پیش قدمی کی۔ یہ بھی روایت ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر جمع کر کے اُن کی طرف پیش قدمی کا آغاز کیا تھا۔ آپ کو رومیوں کی پیش قدمی کا علم ہوا تو آپ نے اُن کے مقابلے کے لیے تین ہزار کا لشکر اِکٹھا کر کے اُسے جنگی ساز و سامان سے لیس کر دیا۔ سپاہیوں سے الوداعی خطاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

آپ لوگوں کے اُمیر زید بن حارثہ ہوں گے، وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ ہوں گے۔

آپ لشکر کو رخصت کرنے نکلے۔ لوگ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ وہ لشکر کے سپاہیوں کو رخصت کرتے ہوئے کہہ رہے تھے :

اللہ آپ لوگوں کا ساتھی ہو۔ وہ آپ کا دفاع کرے اور صحیح سلامت واپس لائے۔

شوقِ شہادت کے نشے میں سرشار عبداللہ بن رواحہ کہنے لگے :

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۱۲۶/۶......السیرۃ النبویۃ ابن ہشام: ۲۱۳/۴ تا ۲۱۶۔

لكنني أســـأل الرحمٰن مغفرةً

وضربةً ذات فرْغٍ تَقذِف الزبدا

أو طعنــةً بيدي حَرَّان مُجْهزةً

بحَربةً تَنفُذُ الأحْشاءَ والكَبِدا

حتىٰ يقالَ إذا مرُّوا على جَدَثي

أرشده اللّٰه من غازٍ وقد رشَدا

یعنی لیکن میں تو رحمٰن سے مغفرت کا سوالی ہوں اور گہری چوٹ کا جوخون کی جھاگ باہر نکال دے۔

اور مضبوط قاتل ہاتھوں سے نیزے کا وار، جو اَنتڑیاں اور جگر چیرتا ہوا نکل جائے۔

اور جب لوگ میری لاش کے قریب سے گزریں تو کہا جائے: اے سپاہی! اللہ نے تجھے ہدایت دی اور تو ہدایت پا گیا۔

اِسلامی لشکر موتہ کی جانب بڑھا اور شام پہنچ کر معان میں پڑاؤ کیا۔ وہاں انھیں خبر ملی کہ شاہِ روم ہرقل ایک لاکھ کا لشکر لیے بلقاء سے آ پہنچا ہے۔ نصرانی عرب قبائل کے مزید ایک لاکھ جنگجو بھی اُس سے آ ملے۔ اب رومیوں کے لشکر کی تعداد دو لاکھ ہوگئی۔

مسلمانوں نے تحقیق کی تو یہ بات صحیح نکلی۔ انھوں نے دو راتیں مشاورت کرتے ہوئے معان ہی میں گزار دیں۔ بعض نے مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فیصلہ کریں اُس پر عمل کیا جائے۔ اس بات پر خاصی بحث وتکرار ہوئی۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن رواحہ کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے کہا :

اے میری قوم کے لوگو! واللہ! جس شے سے تم گھبرا رہے ہو اُسی کی تلاش میں نکلے تھے۔ اللہ کی راہ میں شہادت۔ تم اس سے بھی بھاگ رہے ہو!۔ سنو! ہم لوگوں سے تعداد اور قوت وکثرت کے بل پر نہیں لڑتے، ہم اُن سے اسی دین کے بدل بوتے پر جنگ کرتے ہیں جس سے اللہ نے ہمیں نوازا ہے۔ آگے بڑھو، انجام دونوں صورتوں میں اَچھا ہوگا، یا تو فتح حاصل ہوگی یا شہادت ملے گی۔

عبداللہ بن رواحہ کی جوشیلی تقریر نے لوگوں کی ڈھارس بندھا دی اور وہ پیش قدمی کرتے ہوئے رومیوں کے قریب 'موتہ' کے مقام پر پہنچ گئے۔ رومیوں نے اِتنا بڑا لشکرِ جرار اِکٹھا کر رکھا تھا جس کے مقابلے کی تاب کسی کو نہیں تھی۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ موتہ کے لشکر میں میں بھی شامل تھا۔ مشرک ہمارے قریب آئے تو ہم جنگ کے لیے اُن کی شاندار تیاری دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ رومی لشکر کیل کانٹے سے لیس، سونا چاندی اور حریر و دیباج سے اَٹا پڑا تھا۔ گھڑسواروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں تھا، یعنی ایسا لشکر جرار کہ جس سے سامنا کرنے کی کسی کو مجال نہیں تھی۔

ثابت بن اَرقم نے مجھ سے کہا: ابو ہریرہ! لگتا ہے تمھیں بڑے لشکر نظر آ رہے ہیں؟۔ میں نے جواب دیا: ہاں۔ وہ کہنے لگے: تم بدر میں ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ ہم کثرت کے بل پر فتح نہیں پاتے۔

اس کے بعد دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے۔ زید بن حارثہ اِسلام کا پرچم تھامے مردانہ وار لڑ رہے تھے۔ ان پر نیزوں کی بارش کی گئی اور وہ شہید ہو کر گر پڑے۔ اس پر جعفر بن ابی طالب نے جرأتِ رندانہ سے جھنڈا لیا، اپنی سرخ گھوڑی سے اُتر کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور کھلبلی مچا دی۔ ان کی زبان پر یہ رجزیہ اَشعار تھے :

یا حبذا الجنة واقترَابُها   طيبــــةٌ و باردٌ شرابها

والروم رومٌ قد دنا عذابُها   كافــرةٌ بعيــدةٌ أنسابها

علــيَّ إن لاقيتُها ضِرابُها

یعنی ہائے! پاکیزہ جنت کا قرب اور اُس کا ٹھنڈا میٹھا مشروب کتنا فرحت اَفزا ہے۔

کافر رومیوں کے عذاب کی گھڑی قریب آ پہنچی ہے جن کے نسب دور کے ہیں۔

میرا اُن سے سامنا ہو جائے تو اُن کا کچومر نکالنا مجھ پر لازم ہے۔

حضرت جعفر نے دائیں ہاتھ میں پرچم اُٹھا رکھا تھا۔ اُسے کاٹ دیا گیا۔ انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا تو کٹے ہوئے بازوؤں میں پرچم لے کر سینے

سے لگائے رکھا اور آخر دم تک گرنے نہ دیا۔ انھیں بھی شہید کر دیا گیا۔ ان کی عمر اس وقت صرف تینتیس (۳۳) سال تھی۔

اور بہادری کا عالم یہ تھا کہ بقول ابن عمر: جعفر کے جسم پر میں نے اُس دن تلوار اور نیزے کے پچاس زخم شمار کیے۔ ایک زخم بھی پشت پر نہیں تھا۔ اللہ نے انھیں جنت میں دونوں بازوؤں کے بدلے دو پر عطا کیے جن سے وہ جہاں چاہتے ہیں اُڑتے پھرتے ہیں۔

ایک رومی نے حضرت جعفر طیار پر تلوار کا ایسا وار کیا جس نے ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے۔ جعفر کے بعد عبداللہ بن رواحہ نے پرچم اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ گھوڑے پر سوار آگے بڑھے اور دل کو نیچے اُتر کر مقابلہ کرنے پر مائل کرنے لگے۔ دل نے اِنکار کیا تو بولے :

أقسمتُ يا نفسُ لتنزلنَّه　　　لتنزلنَّ أو لتُكرهنَّه

إن أجلبَ الناسُ وشدُّوا الرَّنَّه　　　ما لي أراك تكرَهينَ الجنَّة

یعنی اے نفس! میں نے قسم کھائی ہے کہ تو اُترے گا، تجھے اُترنا ہوگا یا پھر تجھے مجبور کرنا پڑے گا۔

لوگوں نے یک بارگی ہلا بول دیا ہے تو میں تجھے جنت سے گریزاں کیوں دیکھ رہا ہوں۔

پھر انھیں دونوں صاحبوں زید و جعفر رضی اللہ عنہما کی یاد آئی تو گویا ہوئے :

يا نفس إلا تُقتَلِي تمُوتي

هٰذا حمامُ الموتِ قد صَليتِ

وما تمنَّيتِ فقد أُعطِيتِ

إن تفعَلي فِعلهما هُديتِ

یعنی اے نفس! اگر تو قتل نہیں ہوا تو بھی (بالآخر) مرے گا۔ موت کے اس حمام میں تو داخل ہو چکا ہے۔

تو جو تمنا کرے گا، تجھے ملے گا۔ (یاد رکھنا کہ) اگر تو ان دونوں (زید و جعفر) جیسا کام کرے گا تو ہدایت پائے گا۔

یہ کہہ کر عبداللہ بن رواحہ گھوڑے سے اُتر آئے۔ قدموں پر جم کر کھڑے ہوئے تو ان کا عم زاد گوشت کی ہڈی لایا اور بولا: یہ کھاؤ اور کمر مضبوط کرلو۔ جنگ کے یہ دن تمہارے لیے بڑے پُر مشقت رہے ہیں۔

انھوں نے ہڈی سے گوشت نوچا، پھر لوگوں کی طرف شور سنا تو ہڈی کی طرف دیکھ کر کہا: اور تم ابھی تک دنیا میں ہو؟ یہ کہہ کر ہڈی پھینک دی۔ تلوار لے کر دشمن کے قلب میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ جھنڈا گرنے کی دیر تھی کہ مسلمانوں میں اِضطراب پھیل گیا۔ کافر خوش ہوگئے۔ گھوڑے جھنڈے کو روندتے ہوئے گزر رہے تھے اور وہ غبار سے اَٹا پڑا تھا۔

ثابت بن اَرقم نے یہ منظر دیکھا تو آگے بڑھے، جھنڈا اُٹھایا اور بلند آواز سے کہا: مسلمانو! یہ رہا جھنڈا۔ کسی آدمی پر اِتفاق کرلو۔ جن لوگوں تک اُن کی آواز پہنچی انھوں نے پکارا: آپ ہی اَمیر ہیں۔ انھوں نے کہا: نہیں، میں یہ ذمہ داری نہیں اُٹھا سکتا۔

لوگوں نے خالد بن ولید کی طرف اِشارہ کیا۔ خالد نے پرچم ہاتھ میں لیا اور دیوانہ وار جنگ لڑی۔ خود کہتے ہیں کہ موتہ کے دن میرے ہاتھوں نو تلواریں ٹوٹ گئیں اور ایک یمنی بانا میرے ہاتھ میں رہ گیا۔ اس کے بعد خالد نے اپنے لشکر کے ہمراہ پسپائی اختیار کی۔ رومی بھی اپنے کیمپ میں چلے گئے۔

خالد کو خدشہ تھا کہ رات کو لشکر لے کر وہ مدینہ روانہ ہوئے تو رومی تعاقب میں آئیں گے۔ صبح ہوئی تو انھوں نے لشکر کی پوزیشنیں بدل دیں۔ مقدمۃ الجیش پیچھے کردیا اور پیچھے والوں کو اگلی صفوں میں لے آئے۔ میمنہ کو میسرہ اور میسرہ کو میمنہ کی جگہ مقرر کردیا۔

جنگ کا آغاز ہوا۔ رومیوں نے پیش قدمی کی تو انھیں نئے چہروں کے ساتھ نئے جھنڈے نظر آئے۔ وہ گھبرا کر کہنے لگے: رات کو ان کے پاس کمک آگئی ہے۔ یوں لڑائی کے دوران رومیوں کا مورال پست رہا۔ مسلمانوں نے اس کا پورا فائدہ اُٹھایا اور ان کی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے۔ دن کے آخری پہر خالد بن ولید لشکر کو میدانِ جنگ سے نکال لائے اور مدینہ روانہ ہوگئے......۔(۱)

(۱) السیرۃ النبویۃ ابن ہشام: ۱۵/۴، ۲۵......البدایۃ والنہایۃ: ۲۴۱/۴ تا ۲۴۲......صحیح مسلم، حدیث: ۱۷۸۰۔

صحفِ سماویہ سے

قبولِ اسلام کا نرالہ اَنداز

روایت ہے کہ ایک مجوسی شخص نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے یہاں مہمان بننے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: اگر تم داخل ایمان ہوجاؤ تو میں تمھیں اپنا مہمان بنالوں گا، یہ سن کر وہ مجوسی چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے ابراہیم! تم نے دین کے اختلاف کی بنا پر اسے ایک وقت کا کھانا نہیں کھلایا، جب کہ میں اس کے کفر کے باوجود اسے مدتوں سے کھانا کھلا رہا ہوں اور اسے پال رہا ہوں، اگر تم ایک رات اسے مہمان بنالیتے تو کیا ہوجاتا!۔

حضرت ابراہیم اس مجوسی کے پیچھے دوڑے، اسے واپس لے آئے اور بڑے پرتپاک انداز میں اس کی مہمان نوازی۔ مجوسی نے ان سے دریافت کیا کہ اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے، آپ اچانک اس قدر مہربان کیوں ہوگئے؟۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وحی کا ذکر فرمایا: مجوسی نے کہا: کیا خداوند قدوس میرے ساتھ یہ معاملہ فرماتا ہے، یہ کہہ کر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دست حق پرست پر بیعت کی اور دائرۂ اِسلام میں داخل ہوگیا۔(۱)

تیس سال عمر بڑھادی گئی

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک جوان حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں شرکت کیا کرتا تھا، وہ جوان بہت کمزور اور پتلا دبلا تھا، زیادہ تر چپ چاپ رہا کرتا تھا۔

(۱) احیاء علوم الدین مترجم: ۲۴۳/۴۔

ایک روز ملک الموت حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، اور اس جوان کو مخصوص طریقہ سے دیکھ رہے تھے۔ حضرت داؤد نے کہا: اس پر نظر رکھے ہوئے ہو؟۔ اس نے کہا: جی ہاں، مجھے حکم ہے کہ سات روز کے بعد اس کی روح قبض کرلوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس جوان پر رحم آیا اور اس سے کہا: اے جوان! کیا تمہاری زوجہ ہے؟ اس نے کہا: میں نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: فلاں صاحب عظمت شخص کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ جناب داؤد علیہ السلام نے کہا ہے کہ اپنی لڑکی کی مجھ سے شادی کردو، اور سارا کچھ اہتمام کرلو تاکہ آج ہی رات یہ شادی ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جوان کو کافی پیسہ دیا تاکہ اس کے ذریعہ ضروری سامان خرید لے اور فرمایا: سات دن کے بعد میرے پاس آنا۔

وہ جوان گیا اور شادی کے سات دن بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آیا، انھوں نے اس کے حالات پوچھے تو اس نے کہا: میرا حال بہت بہتر ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس کی روح قبض ہونے کے منتظر تھے؛ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ فرمایا: جاؤ اور دوبارہ سات دن کے بعد میرے پاس واپس آنا۔

وہ جوان واپس چلا گیا، اور پھر سات دن کے بعد واپس آیا، پھر بھی اس کی موت نہیں آئی، آپ نے پھر ایک بار اس کو کہا: جاؤ اور سات دن کے بعد پھر آنا۔ وہ گیا اور سات دن کے بعد پھر واپس آ گیا۔ اس روز ملک الموت پھر آ گئے، تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا: کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ اس جوان کو سات دن کے بعد مرنا ہے؟ ملک الموت نے کہا: کہا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: تو کیا وجہ ہے کہ تین ہفتہ گذر گئے ہیں؛ لیکن تم نے اس کی روح قبض نہ کی!۔ ملک الموت نے کہا: اے داؤد، خداوند عالم نے اس جوان پر تمہارے رحم آنے کی وجہ سے رحم کردیا اور اس کی عمر تیس سال بڑھادی ہے۔

دعاے والدین کی کرامت

اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ سمندر کے کنارے جائیں اور قدرت الٰہیہ کا تماشا دیکھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے مصاحبین کے ساتھ تشریف لے گئے؛ مگر انہیں کوئی ایسی شے نظر نہیں آئی۔ آپ نے ایک جن کو حکم دیا کہ سمندر میں غوطہ لگا کر اندر کی خبر لاؤ۔ عفریت نے غوطہ لگایا مگر کچھ نہ پایا، اور واپس آ کر عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں نے غوطہ لگایا مگر سمندر کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا، اور نہ کوئی شے دیکھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے قوی جن کو غوطہ خوری کا حکم فرمایا؛ مگر وہ بھی نامراد واپس آیا، اگر چہ یہ اس سے دوگنی مسافت تک اندر گیا تھا۔ اب آپ نے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو سمندر میں اُترنے کا حکم دیا۔

انہوں نے تھوڑی دیر میں ایک سفید کافوری قبہ لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کیا، جس میں چار دروازے تھے۔ ایک دروازہ موتی کا، دوسرا یاقوت کا، تیسرا ہیرے کا اور چوتھا زمرد کا۔ چاروں دروازے کھلے ہونے کے باوجود اندر سمندر کے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں داخل ہوا تھا؛ حالانکہ قبہ سمندر کی تہہ میں تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا کہ اس کے اندر ایک خوبصورت نوجوان صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے نماز میں مشغول ہے۔ آپ قبہ کے اندر تشریف لے گئے، اور اسے سلام کر کے دریافت فرمایا کہ اس سمندر کی تہہ میں تم کیسے پہنچ گئے؟، اس نے جواب دیا :

اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ معذور تھے اور میری ماں نابینا تھیں، میں نے ان دونوں کی ستر سال تک خدمت کی۔ میری ماں کا جب انتقال ہونے لگا تو اس نے دعا کی : خداوندا! اپنی طاعت میں میرے فرزند کو عمر دراز عطا فرما۔

اسی طرح جب میرے باپ کا وصال ہونے لگا تو انہوں نے دعا کی: پروردگار میرے

بیٹے کو ایسی جگہ عبادت میں لگا جہاں شیطان کا دخل نہ ہو سکے۔ میں اپنے والد کو دفن کر کے جب اس ساحل پر آیا تو مجھے یہ قبّہ نظر آیا۔ اس کی خوبصورتی کا مشاہدہ کرنے کے لیے میں اس کے اندر چلا گیا۔ اتنے میں ایک فرشتہ وارد ہوا، اور اس نے قبّہ کو سمندر کی تہہ میں اُتار دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا: تم کس زمانے میں یہاں آئے؟۔
نوجوان نے جواب دیا: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جان لیا کہ اسے دو ہزار سال ہو گئے ہیں؛ مگر وہ اب تک بالکل جوان ہے، اور اس کا بال بھی سفید نہیں ہوا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تم وہاں کھاتے کیا ہو؟۔

نوجوان نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ایک سبز پرندہ روزانہ اپنی چونچ میں سر برابر کی ایک زرد چیز لے کر آتا ہے میں اسے کھالیتا ہوں، اور اس میں دنیا کی تمام نعمتوں کا لطف ہوتا ہے۔ اس سے میری بھوک بھی مٹ جاتی ہے اور پیاس بھی رفع ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ گرمی سردی، نیند، سستی، غنودگی اور نامانوسی و وحشت یہ تمام چیزیں مجھ سے دور رہتی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اب تم ہمارے ساتھ بیٹھنا چاہتے ہو یا تمہیں تمہاری جگہ پہنچا دیا جائے؟۔

نوجوان: حضور! مجھے میری ہی جگہ بھجوا دیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تو انہوں نے قبّہ اٹھا کر پھر سمندر کی تہہ میں پہنچا دیا۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا :

اللہ تم پر رحم کرے دیکھو والدین کی دعا کتنی مقبول ہوتی ہے؛ لہٰذا اُن کی نافرمانی سے بچو۔(۱)

---

(۱) روض الریاحین فی حکایات الصالحین، بحوالہ بزم اولیا: ۴۰۹ تا ۴۱۱۔

ایک پاکباز لڑکی کی داستان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کئی بار یہ واقعہ سنا کہ بنی اسرائیل کے اندر کفل نامی ایک نوجوان تھا جو ہمیشہ رات دن برائی میں پھنسا رہتا۔ شاید ہی کوئی ایسا غلط کام ہو جس میں اس نے حصہ نہ ڈالا ہو۔ اور نفس کی کوئی ایسی خواہش نہ تھی جو اس نے پوری نہ کی ہو۔

ایک مرتبہ اس نے ایک لڑکی کو ساٹھ دینار دے کر کسی طرح بدکاری کے لیے آمادہ کر لیا۔ جب وہ تنہائی میں اپنے برے کام کے اِرادے پر مستعد ہوتا ہے تو وہ نیک بخت لڑکی تھرانے لگتی ہے، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں، چہرے کا رنگ فق پڑ جاتا ہے، اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

کفل یہ ماجرا دیکھ کر پوچھتا ہے کہ اس خوف وڈر اور دہشت و وحشت کی کیا وجہ ہے؟۔ پاک باطن، شریف النفس اور باعصمت لڑکی اپنی لڑکھڑاتی زبان سے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیتی ہے:

> مجھے اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا خیال آ گیا؛ کیوں کہ ہم ایک ایسے کام میں ملوث ہونے جا رہے ہیں جس کو ہمارے خالق ومالک نے حرام قرار دیا ہے۔ یہ فعل بد کل ہمیں پروردگار کے سامنے ذلیل ورسوا کر دے گا۔
>
> واللہ! میں نے کبھی بھی اللہ کی نافرمانی پر جرأت نہ کی، ہائے حاجت اور فقر وفاقہ، کم صبری اور بے استقلالی نے آج یہ دن دکھایا کہ جس کی لونڈی ہوں اسی کے سامنے اس کے دیکھتے ہوئے اس کی نافرمانی کرنے پر آمادہ ہو کر اپنا دامن عصمت داغدار کرنے کے لیے تیار ہو گئی ہوں؛ لیکن اے کفل! بخدا! مجھے خوفِ خدا اندر سے گھلائے جا رہا ہے۔ اس کے عذابوں کا کھٹکا کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ ہائے! آج کا دو گھڑی کا لطف ہمیں صدیوں خون کے آنسو رُلوائے گا، اور عذابِ الٰہی کا لقمہ بنوائے گا۔ اے

کفل! میری تجھے یہی نصیحت ہے کہ اللہ کے لیے بدکاری سے باز آ اور اپنی اور میری جان پر رحم کر، آخر اللہ کو منہ دکھانا ہے!۔

اس نیک شرست خاتون کی پُر اَثر اور بے لوث مخلصانہ سچی تقریر نے کفل کی بری خواہش پر قفل چڑھا دیا۔ اور اس کی بات تاثیر کا تیر بن کر کفل کے دل میں اُتر گئی۔ اور سچی بات یوں ہی دلوں میں اپنی جگہ بنالیا کرتی ہے۔ پھر ندامت اور شرمندگی ہر طرف سے گھیر لیتی ہے۔ عذابِ الٰہی کی خوفناک شکلیں ایک دم آنکھوں کے سامنے آ کر ہر طرف سے حتیٰ کہ در و دیوار سے دکھائی پڑنے لگتی ہیں۔ جسم بے جان ہو جاتا ہے، اور دل تھرانے لگتا ہے؛ سو کچھ ایسا ہی کفل کو معلوم ہوا۔

وہ اپنے انجام پر غور کر کے اور اپنی سیاہ کاریوں کا سوچ کر دھاڑے مار کر رونے لگا اور کہنے لگا: اے پاکباز عورت! تو محض ایک ناکردہ گناہ پر اس قدر خدائے ذوالجلال سے لرزاں ہے۔ ہائے میری تو ساری عمر بدکاریوں کی نذر ہوگئی۔ میں نے اپنے منہ کی طرح اپنے چہرے کو بھی سیاہ کر دیا، اور عذابِ الٰہی کی کبھی بھولے سے بھی پرواہ نہ کی۔

ہائے! میرا مالک مجھ سے کس قدر ناراض ہوگا!، اس کے فرشتوں کی قہر آلود نگاہیں میری طرف ہوں گی!، اے خاتون! مجھے تو تیری بہ نسبت زیادہ ڈرنا چاہیے تھا؛ مگر اب تو گواہ رہنا کہ میں اپنے سارے گناہوں سے بصدق دل توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی مولا کو ناراض کرنے والا کوئی کام نہ کروں گا۔ میں نے وہ رقم تمھیں اللہ کے واسطے دی، اور میں اپنے ناپاک اِرادے سے ہمیشہ کے لیے باز آتا ہوں۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر جب کفل رات کو سویا تو اس کا انتقال ہی ہو گیا۔ صبح کو لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے دروازے پر قلم قدرت سے لکھا ہوا ہے :

ان اللّٰه قد غفر للكفل . (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے کفل کے گناہ کو معاف فرما دیا۔

---

(۱) سنن ترمذی: ۹/۲۹۷ حدیث: ۲۶۸۴...... مستدرک حاکم: ۱۸/۱۳ حدیث: ۷۷۵۹...... شعب الایمان بیہقی: ۱۵/۱۴۱ حدیث: ۶۸۴۴...... جمع الجوامع سیوطی: ۱/۱۵۶۳۰۔

والدین کی فرماں برداری کا صلہ

حکایتوں میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے جنت میں ان کی صحبت میں رہنے والے ساتھی سے ملنے کی درخواست کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی :

یا موسیٰ، انطلق إلی مدینة کذا و کذا، فإنک تری رفیقک في الجنة .

یعنی اے موسیٰ! اِس اِس طرح فلاں شہر میں جا تجھے تیرے رفیق جنت کی زیارت نصیب ہوجائے گی۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نکلے اور اس شہر میں پہنچ گئے۔ پھر کیا ہوا کہ ان کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوتی ہے جو بہت ہی تپاک سے آپ کو سلام کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ اس سے کہتے ہیں: اے عبد اللہ! تجھ پر بھی سلام ہو۔ کیا آج کی رات میں تمہارے پاس بطورِ مہمان رہ سکتا ہوں؟۔

نوجوان نے ان سے کہا: اے شخص! اگر تم شب گزارنے پر راضی ہو تو ٹھیک ہے جو کچھ میرے پاس ہے اس کے ذریعہ میں تمھیں عزت و اِکرام دوں گا۔

حضرت موسیٰ نے کہا: جو کچھ تمہارے پاس ہے، میں اس سے راضی ہوں؛ لہٰذا اس نے حضرت موسیٰ کو بڑے ہی اِعزاز سے اُتارا، اور آپ کو لے کر اپنی دوکان کی طرف بڑھا۔

یہ نوجوان (پیشے کے اعتبار سے) قصاب تھا، انھیں نہایت ادب و احترام کے ساتھ بٹھایا حتیٰ کہ خود خرید و فروخت سے فارغ ہولیا۔ اور (اس جوان کا معمول یہ تھا کہ) جب بھی کوئی چربی اور بھیجہ دیکھتا فوراً اسے اُلگ کردیتا۔

جب گھر واپسی کا وقت آیا تو اس نے حضرت موسیٰ کا ہاتھ پکڑا اور نھیں اَپنی منزل پر لے کر آیا۔ پھر اس نے اس چربی اور بھیجے کو پکانا شروع کیا، جب گھر کے اندر گھسا تو چھت سے لٹکے ہوئے دو بڑے ٹوکروں میں سے ایک کو نہایت آہستہ سے اُتارا جس کے اندر ایک بوڑھا شخص

پڑا تھا جس کی دونوں اَبروئیں بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں پر ڈھلک آئی تھیں۔

اس نے پہلے اسے اُس ٹوکرے سے نکالا اس کا چہرہ ولباس دھویا اور اس ٹوکرے کو دھونی دے کر خوشبودار کیا پھر اسے وہی لباس پہنا دیا، پھر روٹی لیا اور اسے کوٹ کر باریک کیا اور اوپر چربی اور بھیجہ ملا کر اُسے پیٹ بھر کھلایا پلایا، تو اس بوڑھے نے دعا کے طور پر کہا :

یا ولدي، لا خیب اللّٰہ سعیک معي، و جعلک رفیقا لموسیٰ بن عمران في الجنة .

یعنی پیارے بیٹے، تو میری جتنی خدمت کر رہا ہے اللہ تجھے اس کا بہتر صلہ عطا فرمائے اور جنت میں تجھے موسیٰ بن عمران کی رفاقت نصیب کرے۔

پھر دوسرا ٹوکرا اُتارا اور پہلے کی طرح اس کو بھی کھلا پلا کر سیراب کر دیا جس کے اندر ایک ناتواں بوڑھی پڑی تھی، تو اس نوجوان نے اس بوڑھی کے ساتھ بھی بالکل اسی بوڑھے کی طرح معاملہ کیا۔ تو بڑھیا نے خوش ہو کر کہا :

الحمد للّٰہ یا ولدي، الذي لا خیب اللّٰہ سعیک معي، و جعلک رفیق موسیٰ بن عمران في الجنة .

یعنی الحمدللہ اے نورِ نظر! میرے ساتھ کیے ہوئے تیرے احسانات کو اللہ کبھی ضائع نہ کرے، اور جنت میں تجھے موسیٰ بن عمران کا رفیق بنائے۔

پھر اس نوجوان نے ان دونوں کو اُن کی جگہوں پر رکھ دیا۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کی رحمت وشفقت کو دیکھ کر وہاں سے سسکتے ہوئے باہر نکل آنا چاہ رہے تھے کہ نوجوان دوڑ کر حضرت موسیٰ کے پیچھے آیا اور انھیں کھانا پیش کیا۔

آپ نے فرمایا: میرے دوست! مجھے تیرے کھانے کی ایک ذرا حاجت نہیں۔ دراصل میں نے اللہ تعالیٰ سے جنت میں اپنے ساتھی کو دیکھنے کی درخواست کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی کی کہ میرا جنتی دوست تو ہوگا۔

اس پر نوجوان نے کہا: اللہ آپ پر اپنی رحمتوں کی برکھا برسائے یہ تو بتائیں آپ ہیں کون؟

فرمایا: میں موسیٰ بن عمران ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ نوجوان وہیں بے ہوش ہوکر گر پڑا۔

پھر حضرت موسیٰ اس کے والدین کے پاس گئے اور انھیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کی دعائیں مستجاب ہوچکی ہیں اور اِس موسیٰ کو رب العالمین نے اس کی خبر دے دی ہے۔ جب ان دونوں نے یہ بات سنی، ایک گہری سسکی لی اور پھر دونوں کی روح بیک وقت قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں کی تجہیز وتکفین کی اور ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور وہ نوجوان بھی کچھ دن حضرت موسیٰ کی صحبت میں رہ کر داعی اجل کو لبیک کہہ گیا- اللہ ان سب سے راضی ہو-(۱)

دل ہی دل میں توبہ

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنی قوم کی خاطر بارش طلب کیا مگر نزولِ باراں نہیں ہوا۔ تو عرض کیا: مولا! سلسلہ بارش رُک جانے کی وجہ کیا ہے؟۔ فرمایا: اے موسیٰ! تم میں ایک ایسا گنہ گار شخص موجود ہے جو چالیس سال سے مسلسل معصیت کیشیوں میں مبتلا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بلند ٹیلے پر چڑھے اور بلند آواز سے کہا کہ اے منحوس گنہ گار! ہمارے درمیان سے اپنے ناپاک وجود کو نکال دے؛ کیوں کہ تیری وجہ سے ہم پر اَبر کرم برسنا بند ہوگیا ہے۔ چنانچہ گناہ گار نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا، جب کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا تو کہنے لگا: شاید ان کی مراد مجھی سے ہے۔

اب اپنے جی میں کہنے لگا: اگر یہاں سے نکل گیا پھر تو میری عزت پہ بن آئے گی، اور اگر ان کی معیت میں بیٹھا رہا تو یہ لوگ میری وجہ سے بارش سے محروم رہیں گے؛ چنانچہ اس نے (دل ہی دل میں) سچی توبہ کی کہ بارِ الٰہا! میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بارش ہونا شروع ہوگئی، لوگوں نے پانی پیا اور ہر طرح سے سیرابی حاصل کی۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱/۶ تا ۷۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ سے سخت حیرت لاحق ہوئی اور عرض کیا: اے پروردگار! تونے اَبرِ باراں کیسے بھیج دیا جب کہ وہ گناہ گار ابھی ہمارے اندر ہی ہے۔ فرمایا :

یـا موسیٰ، الذي منعتم به قد تاب إلي و رجع، فقال: یا رب دلني علیه، فقال: یا موسیٰ، أنهاکم عن النمیمة و أکون نماما . (۱)

یعنی اے موسیٰ! جس کے باعث تم پر بارش رک گئی تھی اس نے سچی توبہ کرلی اور میری بارگاہ میں رجوع کرلیا ہے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: مولا! مجھے بتا کہ وہ شخص ہے کون؟۔ فرمایا: اے موسیٰ! میں تم لوگوں کو تو چغلی سے منع کرتا ہوں تو کیا خود وہی کام کروں!۔

شکرِ الٰہی سے تر زبان

منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں استدعا کی کہ اے اللہ! مجھے اپنے کسی دوست سے ملنے کی سعادت نصیب فرما۔ اِلہام ہوا کہ موسیٰ کوہِ طور پر جاو وہاں ہمارے ایک دوست سے ملاقات ہوجائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ ایک جوان شخص کو دیکھا جس کا پورا بدن زخمی زخمی ہے۔ نہ ہاتھ پکڑنے کے لائق ہے، نہ پاؤں چلنے کے قابل، نہ آنکھوں میں دیکھنے کی طاقت اور نہ زبان میں بولنے کی قوت۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اس کے ہونٹ حرکت کررہے ہیں؛ چنانچہ اپنا کان اس کے منہ کے قریب لے جاکر سنا تو وہ شکرِ الٰہی کے کلمات اَدا کررہا تھا۔ پوچھا: کس نعمت کا شکر یہ اَدا کررہے ہو جب کہ تمہارے پورے بدن میں کوئی ایک عضو بھی سلامت نہیں ہے؟۔ اس نے کہا کہ دو نعمتوں کا شکرانہ اَدا کررہا ہوں۔ ایک یہ کہ زبان شکر گزاری پر جاری ہے۔ اور دوسرے یہ کہ دل کو ہمہ وقت معرفتِ الٰہی کی دولت حاصل ہے۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۲۱/۱۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ کتنی مدت سے تم اس تکلیف میں مبتلا ہو؟ اس نے کہا: سو برس سے۔ پوچھا کہ اس عرصے میں کبھی کوئی خواہش بھی ہوئی؟ کہا: دو چیز کی۔ ایک یہ کہ حضرت موسیٰ سے ملاقات ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ ٹھنڈا پانی مل جائے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مبارک ہو کہ تمہیں دونوں مرادیں مل گئیں۔ موسیٰ میں ہوں اور ٹھنڈا پانی ابھی تیرے لیے لے کر آتا ہوں۔

یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پانی کی تلاش میں کوہِ طور سے نیچے اُترے۔ اِدھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم فرما دیا۔ جب اُس شخص کا انتقال ہو گیا تو جنگل کے جانوروں نے اس کو چیر پھاڑ کر برابر کر دیا اور سارے گوشت کھا گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب پانی لے کر لوٹے تو یہ حال دیکھ کر بہت روئے اور جنابِ باری میں عرض کیا کہ اے پروردگار! کیا اپنے دوستوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے؟۔ خطاب ہوا کہ اے موسیٰ! ایسا ممکن نہیں کہ کوئی محبت تو ہم سے رکھے اور مراد دُنیا سے چاہے۔(۱)

ایک نوجوان کی توبہ

امام غزالی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا، ایک نوجوان بیس سال رب کی نافرمانی کرتا رہا۔ خالق کائنات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا اس بندے سے جا کر کہہ دو کہ ہم اس سے ناراض ہیں۔ اے نادان! تجھے بیس سال ہوئے مجھے ناراض کرتے ہوئے، عرصہ گزر گیا میری نافرمانی کرتے ہوئے، اب تجھے شرم آنی چاہیے۔

نوجوان نے یہ بات سنی تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ لوگوں کے سامنے نہیں رویا، جنگل بیابان، چٹیل میدان میں چلا گیا، تنہائی اور خلوت میں چلا گیا، رو رو کر عرض کرنے لگا :

مولا! مجھے دو باتوں میں سے ایک بات بتا دے۔ خدایا! میں نافرمان سہی، بدکار سہی، سیاہ کار سہی، لیکن میرے مولا! مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میرے گناہ تیری رحمت سے بڑھ جائیں گے،

(۱) مقاصد الصالحین: ۷۔

میں تو سمجھتا رہا کہ تیری رحمت زیادہ ہے اور میرے گناہ کم ہیں۔لیکن مولا! کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے گناہ تیری رحمت سے بڑھ گئے ہیں، اور میری سیاہ کاریاں تیرے کرم سے بڑھ گئیں۔

مولا! میں تو تیرے کرم کو اپنے گناہوں سے زیادہ سمجھتا رہا؛ لیکن آج جو جواب مجھے ملا میں سن کر پریشان ہو گیا ہوں، میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت زیادہ ہے؟۔

اِدھر سچے دل سے یہ بات نکلی اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا: جاؤ میرے اس گنہ گار بندے سے کہہ دو، اومیری رحمت کا سہارا لینے والے! آجا تو مردود نہیں، محبوب ہے، جو میری رحمت پہ نظر رکھتا ہے میں اسے خالی ہاتھ نہیں جانے دیتا۔(۱)

اے بندے! میرے رب کی رحمت بہت وسیع ہے، تو مانگنے کا سلیقہ سیکھ، پھر دیکھ تجھے وہ کیسے نوازتا ہے۔

ایک بدکار، نکوکار بننے تک

حکایت نقل کی جاتی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نہایت ہی فاسق وفاجر انسان تھا جو اپنی بدکرداریوں سے کبھی باز نہ آتا تھا۔ اہلِ شہر جب اس کی بدکاریوں سے عاجز آ گئے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے محفوظ رکھنے کی دعا مانگنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ بنی اسرائیل کے فلاں شہر میں ایک بدکار جوان رہتا تھا اسے شہر سے نکال دیجیے؛ تاکہ اس کی بدکاریوں کی وجہ سے سارے شہر پر آگ نہ برسے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور اسے اس کی بستی سے نکال دیا۔ پھر فرمانِ الٰہی ہوا کہ اسے اس بستی سے بھی نکال دیجیے۔

(۱) مکاشفۃ القلوب، امام غزالی:۱۲۳۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس بستی سے بھی نکال دیا تو اس نے ایک ایسے غار پر ٹھکانا بنایا جہاں نہ کوئی انسان تھا اور نہ ہی کسی چرند پرند کا گزر تھا، قرب و جوار میں نہ کہیں آبادی تھی نہ دور دور تک سبزے کا کوئی پتہ تھا۔

اسی غار میں آ کر وہ جوان بیمار ہو گیا، اس کی تیمارداری کے لیے کوئی شخص بھی اس کے آس پاس موجود نہ تھا جو اس کی خدمت کرتا، وہ ضعف و ناتوانی کے باعث زمین پر گر پڑا اور کہنے لگا کاش! اس وقت اگر میری ماں میرے پاس موجود ہوتی تو مجھ پر شفقت کرتی اور میری اس بے بسی اور بے بسی پر روتی۔

اگر میرا باپ ہوتا تو میری نگہبانی، نگہداشت اور مدد کرتا۔

اگر میری بیوی ہوتی تو میری جدائی پر روتی۔

اگر میرے بچے اس وقت موجود ہوتے تو کہتے: اے پروردگار! ہمارے عاجز، گنہگار، بدکار اور مسافر باپ کو بخش دے، جسے پہلے تو شہر بدر کیا گیا، پھر دوسری بستی سے بھی نکال دیا گیا اور اب وہ غار میں بھی ہر ایک چیز سے نا اُمید ہو کر دنیا سے آخرت کی طرف چلا ہے اور وہ میرے جنازے کے پیچھے روتے ہوئے چلتے۔

پھر وہ نوجوان کہنے لگا: اے اللہ! تو نے مجھے والدین اور بیوی بچوں سے تو دور کر دیا ہے؛ مگر اپنے فضل و کرم سے دور نہ کرنا۔ تو نے میرے دل کو عزیزوں کی جدائی میں جلایا ہے، اب میرے سراپا کو میرے گناہوں کے سبب جہنم کی آگ میں نہ جلانا۔

اسی دم اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ اس کے باپ کے ہم شکل بنا کر، ایک حور کو اس کی ماں اور ایک حور کو اس کی بیوی کے مشابہ بنا کر اور غلمانِ جنت کو اس کے بچوں کے روپ میں بھیج دیا۔ یہ سب اس کے قریب آ کر بیٹھ گئے اور اس کی شدید تکلیف پر تأسف اور آہ و زاری کرنے لگے۔

جوان انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اسی مسرت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ فلاں غار کی طرف جاؤ، وہاں ہمارا ایک دوست مر گیا ہے تم اس کی تکفین و تدفین کا انتظام کرو۔

حکم الٰہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب غار پر پہنچے تو انہوں نے وہاں اسی جوان کو مرا ہوا پایا جس کو انہوں نے پہلے شہر اور پھر بستی سے نکالا تھا۔ اس کے گرد حوریں تعزیت کرنے والوں کی طرح بیٹھی ہوئی تھیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے رب العزت! یہ تو وہی جوان ہے جسے میں نے تیرے حکم سے شہر اور بستی سے نکال دیا تھا۔ رب العزت! نے فرمایا: اے موسیٰ! میں نے اس کے بہت زیادہ رونے اور عزیزوں کے فراق میں تڑپنے کی وجہ سے اس پر رحم کردیا، اور فرشتہ کو اس کے باپ کی اور حور و غلمان کو اس کی ماں، بیوی اور بچوں کے ہم شکل بنا کر بھیجا ہے جو غربت میں اس کی تکلیفوں پر روتے ہیں۔ جب یہ مرا تو اس کی بیچارگی پر زمین وآسمان والے روئے اور میں ارحم الراحمین پھر کیوں نہ اس کے گناہوں کو معاف کرتا!۔(۱)

وہ کنواری پاک مریم

عمران ابن سلیمان کا شمار بنی اسرائیل کے بزرگ حضرات میں ہوتا تھا، آپ کی بیوی کا نام حنہ تھا اور آپ کے کوئی اَولاد نہیں تھی۔ حنہ نے نذر مانی کہ اگر خداوند عالم نے ان کو بیٹا عنایت کیا تو اس کو بیت المقدس کی خدمت میں ہدیہ کردیں گی۔

ایک روز انہوں نے حمل کا اِحساس کیا اور حمل کی مدت گزارتی رہیں، اسی درمیان بچہ کی ولادت سے پہلے آپ کے شوہر عمران کا اِنتقال ہوگیا، جب بچہ پیدا ہوا تو وہ حنہ کی نذر کے خلاف لڑکی تھی؛ لیکن انہوں نے اس سے بھی معبد کی خدمت کا اِرادہ کیا، اور اس کا بہترین نام مریم (عابدہ عورت) انتخاب کیا۔

حنہ، حضرت مریم کو معبد میں لے کر گئیں۔ معبد کے علما نے ان کی کفالت کرنے پر جھگڑا کیا، اور قرعہ ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔ قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا، اور حضرت مریم کی کفالت کی ذمہ داری حضرت زکریا پر آ گئی۔

(۱) مکاشفۃ القلوب: ص:۵۲ تا ۵۴۔

حضرت مریم نے اپنا بچپنا حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی اور اپنی خالہ کے پاس گزارا۔ جب بالغ ہوئیں تو حضرت زکریا علیہ السلام ان کو بیت المقدس میں لے آئے۔ حضرت مریم اس جگہ پر عبادت میں مشغول رہتیں، اور حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے پاس جاتے تو مختلف قسم اور بغیر فصل کے پھل ان کے پاس دیکھتے تھے۔

ایک روز ان سے پوچھا: یہ پھل کہاں سے آتے ہیں؟۔ حضرت مریم نے جواب دیا: خداوند عالم کی جانب سے۔

حضرت مریم نے بیت المقدس کے مشرق میں ایک خالی جگہ خداوند عالم سے راز و نیاز اور عبادت کرنے کے لیے منتخب کی اور وہاں پر اپنے اور دوسروں کے درمیان پردہ حائل کر دیا۔

اچانک انہوں نے ایک جوان کو دیکھا جو اُن کی طرف آ رہا تھا، جو دراصل حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ حضرت مریم نے ڈرتے ہوئے اس جوان سے کہا کہ وہ ان کے پاس سے دور چلا جائے؛ لیکن اس جوان نے کہا: مجھے خداوند عالم نے بھیجا ہے، میں آیا ہوں تا کہ تمہیں ایک پاک و پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔

حضرت مریم نے کہا: بغیر شوہر کے یہ کیسے ممکن ہے؟۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا: تمہارا پروردگار کہتا ہے: یہ میرے لیے بہت آسان ہے۔

اس کے بعد سے حضرت مریم کے شکم میں حمل کے آثار نمایاں ہو گئے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت مریم حاملہ ہوئیں تو آپ کی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ اور حمل کی مدت ایک گھنٹہ، یا تین گھنٹہ یا نو گھنٹے یا چھ مہینہ لکھے ہیں۔

حضرت مریم مجبوراً لوگوں سے دور ہو گئیں اور جس جگہ کھجور کا درخت تھا اس کے پاس چلی گئیں اور وہیں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ خداوند عالم نے حضرت مریم کے پیروں کے نیچے پانی کی نہر جاری کر دی اور فرمایا: کھجور کے درخت کو ہلاؤ تا کہ تجھے اس سے تازہ کھجوریں ملیں۔

جوان اور خوفِ آخرت

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک ایسے جوانِ رعنا پر ہوا جو کسی چٹان پر کھڑا تھا اور اس کے اردگرد خشک وتر خون پڑے ہوئے تھے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نوجوان سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو وہ کہنے لگا:

اے روح اللہ! جہنم کے خوف نے میرے دل کے نہاں خانوں میں اُتر کر وہ تباہ کاری کی کہ قلب وجلد بلکہ بدن کا سارا گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہوکر رہ گیا تو میرے جسم سے فوارے مار کر بہنے والا یہ خون اسی باعث ہے۔ پھر کیا ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم کے پاس آئے اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

هٰذا من أبناء الدنيا و خاف النار فانشق جلده و سائر جسده و لم يدخلها فكيف حال من دخلها . (۱)

یعنی لوگو! ذرا دیکھو کہ یہ تو اس دنیا کے انسانوں کا حال ہے کہ محض جہنم کے خوف سے نہ صرف اس کی جلد بلکہ پورا بدن تباہ ہوکر رہ گیا ہے؛ حالاں کہ اسے ابھی جہنم میں ڈالا بھی نہیں گیا پھر تم خود ہی فیصلہ کرلو کہ بھلا اس شخص کا حال کیا ہوگا جسے جہنم میں دھکے دے کر پھینک دیا گیا ہو۔

اپنی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنی قوم کی قحط سالی دور کرنے کے لیے اللہ سے بارش طلب کی، تو حکم ہوا کہ قوم کے اندر جتنے زیاں کار وگنہ گار ہیں وہ الگ کر دیے جائیں؛ لہٰذا اِس قسم کے لوگ الگ کر دیے گئے سوائے ایک شخص کے جس کی داہنی آنکھ جاتی رہی تھی۔

---

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱/۴۰۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تم الگ کیوں نہیں ہوتے؟۔ کہا: اے روح اللہ! میں نے محض پلک جھپکنے بھر گناہ کیا تھا کہ بلاارادہ ایک غیرمحرم عورت کے پاؤں پر میری دائیں نظر پڑگئی تھی تو میں نے اسے پھوڑ دیا تھا۔اوراگر بائیں نظر سے بھی یہی گناہ سرزد ہوجائے تواسے بھی پھوڑ ڈالوں گا۔

اس کی داستانِ الم سن کرحضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آنکھیں بھرآئیں اورفرمایا: تم اللہ سے دعا کرو؛ کیوں کہ مجھ سے زیادہ تمھیں دعا کرنے کا حق ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! تو نے ہمیں پیدا کیا اوررزق کی کفالت خوداپنے ذمہ کرم پر رکھی ہے؛ لہٰذا ہم پر موسلا دھار بارش برسا۔ ابھی اس کی دعا مکمل بھی نہ ہو پائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت کا نزول فرمایا۔ لوگوں نے اپنی خشک حلق تر کی، اور خوب خوب سیرابی حاصل کی۔(۱)

بری صحبتوں کا وبال

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بستی سے گزرے جس کے باسی گلی کوچوں میں مردہ پڑے ہوئے تھے۔حضرت عیسیٰ نے کہا: اے میرے حواریو! یہ لوگ اللہ کی ناراضگی کے باعث موت کے گھاٹ اُترے ہیں۔

وہ کہنے لگے، اے روح اللہ! بڑا اچھا ہوتا اگر ہمیں ان کی بابت کچھ معلومات فراہم ہوجاتی!، تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ! جب شب کی تیرگی پھیل جائے تو تم خود اِنھیں سے پوچھ لینا یہ سب کچھ بتادیں گے۔

جب رات ہوئی تو حضرت عیسیٰ نے انھیں آواز دیتے ہوئے کہا: اے بستی والو! کیا حال ہے تمہارا؟ کس مصیبت میں تم پڑگئے؟؟ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟؟؟، تو ایک شخص نے جواب دیتے ہوئے کہا: اے روح اللہ لبیک! رات تو ہم نے بڑی خیروعافیت سے گزاری تھی؛ مگر صبح ہوتے ہی ہم پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح:۲۱/۱۔

حضرت عیسیٰ نے پوچھا: آخر اس کی وجہ کیا بنی؟۔ تو کہا: دنیا سے حد درجہ محبت کرنے اور مالک الملک کی ہمہ وقت نافرمانی نے ہمیں آج یہ دن دکھایا ہے!۔

حضرت عیسیٰ نے پوچھا: اب یہ بتاؤ کہ تمہارے دوستوں میں سے کوئی اور میری باتوں کا جواب دینے سے قاصر کیوں ہے؟۔ تو کہا: واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی مضبوط و بے رحم قسم کے فرشتوں نے اُن کی زبانوں کو آتشی لگام سے جکڑ رکھا ہے۔

حضرت عیسیٰ نے پوچھا: پھر تم کس طرح جواب دیے جارہے ہو حالاں کہ تم بھی انھیں کے ساتھ ہو۔ تو کہنے لگا: دراصل میں ان میں سے نہیں ہوں، میں ان کے یہاں میہمانی کو گیا تھا، لیکن جب عذابِ الٰہی آیا تو اس نے مجھے بھی اپنی چپیٹ میں لے لیا۔ اس وقت میں جہنم کے کنارے پر لٹکا ہوا ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ مجھے اس سے نجات بھی ملے گی یا اس میں یوں ہی پڑا رہوں گا۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھا 'انا للہ وانا الیہ راجعون'۔(۱)

عشق الٰہی کا نصف ذرّہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جوان کے قریب سے گزرے جو باغ کو پانی دے رہا تھا۔ اس نے آپ سے عرض کیا: اے روح اللہ! خداوند سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے ایک ذرہ اپنے عشق کا عطا فرمادے۔

آپ نے فرمایا: ایک ذرہ بہت بڑی چیز ہے، تم اس کے تحمل کی استطاعت نہیں رکھتے!۔

کہنے لگا: اچھا آدھے ذرہ کا سوال کر دیجیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے سوال کیا: اے اللہ! اسے آدھا ذرہ اپنے عشق کا عطا فرمادے۔ اس کے حق میں یہ دعا کر کے آپ وہاں سے روانہ ہوگئے۔

کافی مدت کے بعد آپ پھر اسی راستہ سے گزرے اور اس جوان کے متعلق سوال کیا تو لوگوں نے کہا: وہ تو دیوانہ ہوگیا ہے اور کہیں پہاڑوں کی طرف نکل گیا ہے۔

---

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۶/۱۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رب سے دعا کی: اے اللہ! میری اس جوان سے ملاقات کرادے۔

اتنے میں پردے ہٹ گئے اور آپ نے دیکھا کہ وہ جوان چٹان پر کھڑا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آپ نے اسے سلام کیا؛ مگر وہ خاموش رہا۔

آپ نے فرمایا: کیا تم مجھے نہیں جانتے؟، میں عیسیٰ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! جس کے دل میں میری محبت کا آدھا ذرّہ موجود ہو وہ انسانوں کی بات کیسے سنے گا؟۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اگر اسے آری سے دو ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو اسے محسوس نہ ہوگا۔(۱)

اِخلاص وتواضع کا نتیجہ

بنی اسرائیل کا ایک نوجوان شخص رہزنی کیا کرتا تھا، وہ کئی برسوں تک اس گھناؤنے مشغلہ میں لگا رہا۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے پاس سے گزرے، ان کے پیچھے آپ کے حواریوں میں سے ایک حواری بھی تھا جو نہایت عبادت گزار اور تقویٰ شعار تھا۔

اس رہزن نے ان حضرات کو دیکھ کر اپنے دل میں سوچا کہ یہ اللہ کے نبی یہاں سے گزر رہے ہیں اور ان کے برابر میں ایک حواری بھی ہے، اگر میں بھی ان کے ساتھ ہو لوں تو دو سے تین اَفراد ہو جائیں گے۔

یہ سوچ کر آگے بڑھا اور ان کے ساتھ چلنے کا اِرادہ کیا لیکن حواری کی عظمت شان کے پیش نظر اسے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور دل میں یہ خیال کیا کہ میں گنہ گار اور کمینہ انسان ہوں، یہ بزرگ ہستی ہیں، مجھ جیسے برے آدمی کا ان کے پہلو بہ پہلو چلنا مناسب نہیں ہے۔ پھر کچھ سوچ کر ندامت اور شرمندگی کے ساتھ پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

---

(۱) مکاشفۃ القلوب امام غزالی: ۱۵۹۔

اُدھر حواری کے دل میں یہ خیال آیا کہ ایک گھٹیا انسان جو رہزنی کرتا ہے مجھ جیسے متقی اور پرہیزگار شخص کے برابر چل رہا ہے؛ اس لیے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ اور قریب ہو کر چلنے لگا، وہ رہزن پیچھے پیچھے چلتا رہا۔

اسی دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ ان دونوں سے کہہ دیجیے کہ اب تک جو اعمال تم لوگوں نے کیے ہیں وہ سب ضائع ہو گئے، اب اَز سرِ نو عمل کا آغاز کرو۔ حواری کے اعمالِ صالحہ اس کے تکبر و عُجب کی وجہ سے ہاتھ سے گئے اور راہزن کے اعمالِ سیئہ اس کی تواضع اور اپنے نفس کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے محو ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کو اس وحی سے مطلع کیا اور اس راہزن کو اپنا ہم سفر بناتے ہوئے اسے اپنے حواریوں میں شامل کرلیا۔(۱)

ایک تنکے کا حساب مہنگا پڑ گیا

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی مقبرہ سے گزر رہے تھے کہ ایک شخص نے زندہ ہو کر انھیں آواز دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: دنیا کے اندر تم کیا کیا کرتے تھے؟۔

کہا: میں قلی تھا، سر پر بوجھ ڈھوتا اور اسی سے روزی کماتا تھا۔ ایک دن کسی آدمی کی لکڑی میں نے اپنے سر پر لاد رکھی تھی، غلطی سے اس میں سے ایک تنکا نکال کر میں نے اپنے دانتوں کا خلال کرلیا تھا۔ جب میرا اِنتقال ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور کہا :

يا عبدي، أما علمت اني موقفک بين يدي وفلان اشترى حطباً بماله و دفع لک الأجرة لتعود به إلى منزله، فأخذت منه شظية لا تملكها، استونت بأمري، فسألتک بالله ألا ما شفعت لي عند الله فإنني في الحساب منذ أربعين سنة .

(۱) احیاء علوم الدین مترجم: ۲۴۲/۴ تا ۲۴۳۔

یعنی میرے بندے! کیا تمھیں اس وقت پتا نہ تھا کہ میں تمہیں ایک دن اپنے روبرو کھڑا کرنے والا ہوں جب فلاں شخص نے اپنے مال سے لکڑی خریدی اور تمہیں گھر تک پہنچانے کی اُجرت اُدا کردی تھی، پھر تم نے اس میں سے ایک تنکا کیوں نکال لیا تھا جو کہ تمہاری ملکیت نہ تھا۔ تو نے میرے حکم کی صریح خلاف ورزی کی ہے۔

لہٰذا اب میں آپ سے اللہ کا واسطہ دے کر التجا کرتا ہوں کہ بارگاہِ الٰہی میں میرے لیے سفارش کر دیجیے کیوں کہ میں چالیس سال سے محض اس ایک جرم کے حساب میں گھرا ہوا ہوں۔

اسی سے ملتی جلتی ایک روایت حضرت سیدنا وہب بن منبہ سے بھی آئی ہے کہ ایک اسرائیلی نوجوان نے تمام گناہوں سے توبہ کی، ستر سال تک لگا تار اس طرح عبادت کرتا رہا کہ دن کو روزہ رکھتا اور رات کو جاگ کر عبادت کرتا۔ نہ کوئی عمدہ غذا کھاتا نہ کسی سایہ کے نیچے آرام کرتا۔

اس کے انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا اللہ عزوجل نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟۔ جواب دیا: اللہ نے میرا حساب لیا، پھر سارے گناہ بخش دیے؛ مگر ایک تنکا جس سے میں نے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر دانتوں میں خلال کر لیا تھا وہ معاف کرانا رہ گیا تھا، تو بس اس کی وجہ سے جنت سے روک دیا گیا ہوں۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بروزِ قیامت ایک شخص دوسرے کے گلے لٹک کر یوں عرض کرے گا: اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے۔ ایک کہے گا: قسم بخدا! میں تو تمہیں جانتا بھی نہیں۔ دوسرا کہے گا: کیا تو وہ نہیں جس نے میری دیوار سے مٹی نکالی تھی۔ کوئی اور کہے گا: تو نے تو میرے کپڑے سے ایک دھاگا نکال لیا تھا۔ تو یہ اور اس طرح کی بہت سی ایسی مثالیں ہیں جنھیں سن کر اور پڑھ کر خوفِ خدا رکھنے والوں کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔(۱)

غصہ نہ کرنے کی برکت

کسی پیغمبر نے اپنے متبعین سے فرمایا: جو شخص غصہ نہ کرنے کا یقین دلائے گا اور اپنے وعدے پر عمل کرے گا وہ میرے ساتھ جنت میں جائے گا، اور میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱/۲۳۔

ایک نوجوان نے عرض کیا: میں اس کا وعدہ کرتا ہوں۔

انھوں نے دوبارہ فرمایا۔ جوان نے دوبارہ بھی یہی کہا۔ بالآخر وہ اپنے وعدے پر قائم رہا، اور پیغمبر کی وفات کے بعد ان کا خلیفہ بنا، ان کا نام ذوالکفل ہے۔ یہ نام اسی لیے رکھا گیا کہ انھوں نے غصہ نہ کرنے کی ضمانت دی تھی اور اپنا وعدہ پورا کیا تھا۔

قیمتِ عفت و پاکبازی

قوم بنی اِسرائیل میں ایک نہایت شکیل و رعنا جوان تھا جو کچھ چیزیں گھوم پھر کر فروخت کرتا اور وہی اس کا ذریعۂ معاش تھا۔ ایک بار شاہی محل کے پاس سے گزرا۔ شہزادی کی کسی سہیلی نے اسے دیکھا اور محل میں جا کر اسے خبر دی کہ میں نے آج ایسا خوبصورت نوجوان دیکھا ہے جیسا خوبصورت کبھی میری نگاہوں سے نہیں گزرا۔

شہزادی نے کہا اسے اندر بلاؤ اور کہو کہ ہم ان کا سامان خریدیں گے۔ جب نوجوان محل میں داخل ہوا تو اسے اندر لے جا کر دروازہ بند کروا دیئے، اور اپنی بری نیت لیے اس کے سامنے آئی۔ نوجوان نے کہا: تم اپنی ضرورت کی چیز خرید لو اور مجھے جانے دو۔

شہزادی نے کہا: مجھے تم سے اپنی ضرورت پوری کرنی ہے۔

نوجوان نے کہا: خدا سے خوف کر اور اِس ارادۂ بد سے توبہ کر۔

شہزادی نے کہا: اگر تو میری بات نہیں مانے گا تو میں بادشاہ سے کہوں گی کہ یہ برے اِرادے سے محل میں آیا تھا۔

نوجوان نے کہا: اچھا ٹھیک ہے اگر تم اپنی حرکت سے باز نہیں آتی تو پہلے مجھے وضو کرنے کے لیے کہیں سے پانی منگوا دو۔

شہزادی نے کہا: مجھ سے بہانہ سازی نہ کرو۔ پھر شہزادی نے باندی سے کہا: اس کے لیے چھت پر وضو کا انتظام کرو؛ تاکہ وہاں سے فرار نہ ہو سکے۔ محل کی چھت چالیس گز اونچی تھی۔

نوجوان جب چھت پر پہنچا تو التجا کی: بارالٰہا! مجھے بدکاری پر مجبور کیا جا رہا ہے؛ مگر میں

خود کو چھت سے گرا دینا گناہ میں مبتلا ہونے سے بہتر سمجھتا ہوں، اور پھر بسم اللہ پڑھ کر خود کو محل کے باہر گرا دیا؛ مگر اللہ کی ایسی مرضی کہ اسے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی؛ کیوں کہ رب تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر دیا تھا، جس نے اسے بازو پکڑ کر زمین پر لا کھڑا کیا۔

نوجوان نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی: پروردگار! اگر تو چاہے تو مجھے اس تجارت کے بغیر بھی روزی دے سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، اور اس کے لیے سونے کی ایک تھیلی بھیج دی۔ اس میں سے نوجوان نے اپنے دامن بھر اٹھا لیا اور عرض کیا: یا الٰہی! اگر یہ میری دنیا کی روزی ہے تو میرے لیے اس میں برکت دے، اور اگر یہ میرے ثواب کے بدلے میں ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

جواب ملا: چھت سے گرتے وقت جو صبر تو نے اِختیار کیا تھا یہ اس کے ثواب کے پچیس حصوں کا ایک حصہ ہے۔

اس نوجوان کے بارے میں شیطان سے پوچھا گیا کہ تو نے اسے چھت پر بہکایا کیوں نہیں؟۔ وہ بولا: میں اُس جاں باز مرد کو بھلا کیا بہکا سکتا ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی جان ہی داؤ پر لگا دی۔(۱)

عورت کا فتنہ

حضرت وہب بن منبہ علیہ الرحمہ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار شخص تھا، جو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عبادت گزار شمار کیا جاتا تھا، وہ بستی سے الگ تھلگ ایک مکان میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کیا کرتا، اسی بستی میں تین بھائی اپنی ایک جوان کنواری بہن کے ساتھ رہا کرتے تھے، اچانک ان کے ملک پر دشمن حملہ آور ہو گئے، ان تینوں بہادر نوجوانوں نے جہاد پر جانے کا عزمِ مصمم کر لیا لیکن انھیں اس بات کی فکر لاحق ہوئی کہ ہم اپنی جوان بہن کس کے سپرد کر کے جائیں!۔

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۴۴۹ تا ۴۵۰۔

انھوں نے بہت غور وفکر کیا لیکن کوئی ایسا قابل اعتماد شخص نظر نہ آیا جس کے پاس وہ اپنی جوان کنواری بہن کو چھوڑ کر جاتے، پھر انھیں اس عابد کا خیال آیا اور وہ سب اس بات پر راضی ہوگئے کہ یہ عابد قابل اِعتماد ہے، ہم اپنی بہن کو اس کی نگرانی میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

چنانچہ وہ تینوں اس عابد کے پاس آئے اور اسے صورتحال سے آگاہ کیا۔ عابد نے صاف اِنکار کرتے ہوئے کہا: میں یہ ذمہ داری ہرگز قبول نہیں کروں گا؛ لیکن وہ تینوں بھائی اس کی منت سماجت کرتے رہے؛ بالآخر وہ عابد اس بات پر راضی ہوگیا کہ میں تمہاری بہن کو اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا بلکہ میرے مکان کے سامنے جو خالی مکان ہے تم اپنی بہن کو اس میں چھوڑ جاؤ، وہ تینوں بھائی اس پر راضی ہوگئے اور اپنی بہن کو اس عابد کے مکان کے سامنے والے مکان میں چھوڑ کر جہاد پر روانہ ہوگئے۔

وہ عابد روزانہ اپنے عبادت خانے سے نیچے اُترتا اور دروازے پر کھانا رکھ دیتا، پھر اپنے عبادت خانے کا دروازہ بند کرکے اوپر اپنے عبادت خانے میں چلا جاتا، پھر لڑکی کو آواز دیتا کہ کھانا لے جاؤ، تو لڑکی وہاں سے کھانا لے کر چلی جاتی۔

اس طرح کافی عرصہ تک عابد اور اس لڑکی کا آمنا سامنا نہ ہوا۔ وقت گزرتا رہا، ایک مرتبہ شیطان نے اس عابد کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ وہ بے چاری اکیلی لڑکی ہے، روزانہ یہاں کھانا لینے آتی ہے، اگر کسی دن اس پر کسی مرد کی نظر پڑ گئی اور وہ اس کے عشق میں گرفتار ہوگیا تو یہ کتنی بری بات ہے، کم از کم اتنا تو کر کہ دن کے وقت تو اس لڑکی کے دروازے پر کھانا رکھ آیا کر، تاکہ اسے باہر نہ نکلنا پڑے، اس طرح تجھے زیادہ اَجر بھی ملے گا اور وہ لڑکی غیر مردوں کے شر سے بھی محفوظ رہے گی، اس عابد کے دل میں یہ وسوسہ گھر کر گیا اور وہ شیطان کے جال میں کسی حد تک پھنس گیا۔

چنانچہ وہ روزانہ دن میں لڑکی کے مکان پر جاتا اور کھانا دے کر واپس آجاتا لیکن اس سے گفتگو نہ کرتا، پھر کچھ عرصہ بعد شیطان نے اسے ترغیب دلائی کہ تیرے لیے نیکی کمانے کا کتنا عظیم موقع ہے کہ تو کھانا اس کے گھر میں پہنچا دیا کر، تاکہ اس لڑکی کو پریشانی نہ ہو، اس طرح تجھے اس کی خدمت کا ثواب زیادہ ملے گا۔

چنانچہ اس عابد نے اب گھر میں جا کر کھانا دینا شروع کر دیا، کچھ عرصہ اسی طرح معاملہ چلتا رہا، شیطان نے اسے پھر مشورہ دیا کہ دیکھ وہ لڑکی کتنے دنوں سے اکیلی اس مکان میں رہ رہی ہے، اسے تنہائی میں وحشت ہوتی ہوگی، اگر تو اس سے کچھ دیر بات کرنے اور اس کے پاس تھوڑی بہت دیر بیٹھ جائے تو اس کی وحشت ختم ہو جائے گی اور اس طرح تجھے بہت بہت اُجر و ثواب ملے گا۔

عابد پھر شیطان لعین کے چکر میں پھنس گیا اور اس نے اب لڑکی کے پاس بیٹھنا اور اس سے بات چیت کرنا شروع کر دی، پہلے پہل تو اس طرح ہوا کہ وہ عابد اپنے عبادت خانے سے بات کرتا اور لڑکی اپنے مکان سے، پھر دونوں دروازوں پر آ کر گفتگو کرنے لگے۔ پھر شیطان کے اُکسانے پر وہ عابد اس لڑکی کے مکان میں جا کر اس کے پاس بیٹھتا اور باتیں کرتا۔

آخر کار شیطان نے اب اسے ورغلانا شروع کر دیا کہ دیکھ یہ لڑکی کتنی خوبصورت ہے! کیسی حسین وجمیل ہے! جب اس نے جوان لڑکی کی جوانی پر نظر ڈالی تو اس کے دل میں گناہ کا اِرادہ ہوا۔ ایک دن اس نے لڑکی سے بہت زیادہ قربت اِختیار کی اور اس کی ران پر ہاتھ رکھا، پھر اس سے بوس وکنار کیا، بالآخر اس بدبخت عابد نے شیطان کے بہکاوے میں آ کر اس لڑکی سے بدکاری کر ڈالی جس کے نتیجے میں لڑکی حاملہ ہوگئی اور اس حمل سے ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔

پھر شیطان نے اس عابد کے پاس آ کر کہا: دیکھ! تیری حرکت کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے، تیرا کیا خیال ہے کہ جب اس لڑکی کے بھائی آئیں گے اور وہ اپنی بہن کو اس حالت میں دیکھیں گے تو تجھے کتنی رسوائی ہوگی اور وہ تیرے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟، اس لیے تیری بہتری اسی میں ہے کہ تو اس بچے کو مار ڈال تا کہ انھیں اس واقعہ کی کانوں کان خبر ہی نہ ہو اور تو رسوائی سے بچ جائے۔

چنانچہ اس عابد بدبخت نے بچے کو ذبح کر ڈالا اور ایک جگہ دفن کر دیا، اب وہ مطمئن ہو گیا کہ لڑکی اپنی رسوائی کے خوف سے اپنے بھائیوں کو اس واقعے کی خبر نہ دے گی؛ لیکن شیطان ملعون دوبارہ اس عابد کے پاس آیا اور کہا: اے جاہل انسان! کیا تو نے یہ گمان کر لیا ہے کہ یہ لڑکی اپنے بھائیوں کو کچھ نہیں بتائے گی، یہ تیری بھول ہے، یہ ضرور تیری ساری حرکتوں کے

بارے میں اپنے بھائیوں کو آگاہ کرے گی اور تجھے ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، تیری خیر اسی میں ہے کہ تو اس لڑکی کو بھی قتل کر کے دفن کردے تاکہ معاملہ ہی ختم ہوجائے۔ عابد نے شیطان کے مشورہ پر عمل کیا اور لڑکی کو قتل کر کے اسے بھی بچے کے ساتھ ہی دفن کر دیا، اور عابد دوبارہ مصروفِ عبادت ہوگیا۔

وقت گزرتا گیا جب اس لڑکی کے بھائی جہاد سے واپس آئے تو انھوں نے اس مکان میں اپنی بہن کو نہ پاکر عابد سے پوچھا تو اس نے بڑے مغموم انداز میں روتے ہوئے جواب دیا: تمہارے جانے کے بعد تمہاری بہن کا اِنتقال ہوگیا اور یہ اس کی قبر ہے، وہ بہت نیک لڑکی تھی، اتنا کہنے کے بعد وہ عابد رونے لگا اور اس کے بھائی قبر کے پاس پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کافی دن وہ اسی مکان میں اپنی بہن کی قبر کے پاس رہے، پھر اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور انھیں اس عابد کی باتوں پر یقین آگیا۔

ایک رات جب وہ تینوں بھائی اپنے اپنے بستروں پر آرام کرنے کے لیے لیٹے اور ان کی آنکھ لگ گئی تو شیطان ان تینوں کے خواب میں آگیا اور سب سے بڑے بھائی سے سوال کیا: تمہاری بہن کہاں ہے؟ اس نے کہا: وہ تو مر چکی ہے اور فلاں جگہ اس کی قبر ہے۔ شیطان نے کہا: اس عابد نے تم سے جھوٹ بولا ہے، اس نے تمہاری بہن کے ساتھ پہلے زنا کیا اور نتیجے میں اس سے حرامی بچہ پیدا ہوا، پھر اس نے رسوائی کے خوف سے تمہاری بہن اور اس بچے کو مار ڈالا اور ان دونوں کو ایک ساتھ دفن کر دیا۔ اگر تمھیں یقین نہیں آئے تو تم وہ جگہ کھود کر دیکھ لو۔

اس طرح اس نے تینوں بھائیوں کو خواب میں آکر ان کی بہن کے متعلق بتایا۔ جب صبح سب کی آنکھ کھلی تو سب حیران ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے: رات تو ہم نے عجیب وغریب خواب دیکھا ہے۔ پھر سب نے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ بڑا بھائی کہنے لگا: یہ محض ایک جھوٹا خواب ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں؛ لہٰذا اسے ذہن سے نکال دو۔ چھوٹے بھائی نے کہا: میں تو اس کی ضرور تحقیق کروں گا اور ضرور اس جگہ کو کھود کر دیکھوں گا۔

چنانچہ وہ تینوں بھائی اسی مکان میں پہنچے اور جب اس جگہ کو کھودا جس کی شیطان نے نشان

دہی کی تھی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں کی ان کی بہن اور ایک بچہ ذبح شدہ حالت میں موجود ہیں۔ اب کیا تھا! وہ سیدھے اس بدبخت عابد کے پاس پہنچے اور اس سے پوچھا: سچ سچ بتاؤ کہ تم نے ہماری بہن کے ساتھ کیا کیا ہے؟ عابد نے جب ان کا غصہ دیکھا تو اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا اور سب کچھ بتا دیا۔ چنانچہ وہ تینوں بھائی اسے پکڑ کر بادشاہ کے دربار میں لے گئے، اور پھر بادشاہ نے ساری بات سن کر اسے پھانسی کا حکم دے دیا۔

جب اس بدبخت عابد کو پھانسی دی جانے لگی تو شیطان مردود اپنا آخری وار کرنے پھر اس کے پاس آیا اور اس سے کہا: میں ہی تیرا وہ ساتھی ہوں جس کے مشوروں پر عمل کرکے تو عورت کے فتنے میں مبتلا ہوا، پھر تو نے اسے اور اس کے بچے کو قتل کردیا، ہاں! اگر آج تو میری بات مان لے گا تو میں تجھے پھانسی سے رہائی دلوادوں گا۔

عابد نے کہا: اب تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟۔ شیطان بولا: تو اللہ کی وحدانیت کا انکار کردے اور کافر ہوجا۔ اگر تو نے ایسا کردیا تو میں تجھے آزاد کرادوں گا۔

یہ سن کر عابد کچھ دیر سوچتا رہا، لیکن پھر دنیاوی عذاب سے بچنے کی خاطر اس نے اپنی زبان سے کفریہ کلمات بکے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا منکر ہوگیا۔ نعوذ باللہ۔ جب شیطان نے اس بدبخت عابد کا ایمان بھی برباد کروادیا تو اسے حالتِ کفر میں پھانسی دے دی گئی اور شیطان فوراً اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے غائب ہوگیا۔

شیطان کی شیطانیت اور چالوں کے بارے میں قرآن حکیم نے کیا خوب فرمایا ہے :

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ، فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيْءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (سورۂ حشر:١٦)

(منافقوں کی مثال) شیطان جیسی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہوجا، پھر جب وہ کافر ہوجاتا ہے تو (شیطان) کہتا ہے: میں تجھ سے بیزار ہوں، بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔(١)

(١) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:٢/١٩٣تا١٩٦۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں عورت کے فتنوں اور شیطان کی مکاریوں سے ہر حال میں محفوظ رکھے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی دعا مانگا کرتے تھے :

اللّٰھم إني أعوذ بک من أن أزني و أسرق .

اے اللہ! زنا اور چوری سے مجھے اپنی پناہ میں رکھ۔

ایک جلیل القدر صحابی رسول کی زبان سے یہ دعا سن کر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگے: ابوہریرہ! آپ اس وقت‘ عمر کے اخیر مرحلے میں ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض صحبت بھی آپ کو نصیب ہے، کیا پھر بھی آپ کو زنا و چوری کا اندیشہ ہے جو ایسی دعا مانگ رہے ہیں؟ آپ نے ایسے موقع پر تاریخی جواب عنایت فرمایا :

کیف آمن علی نفسي و إبلیس حيٌّ .

یعنی میں اپنے نفس سے کیسے مطمئن ہو جاؤں اور اسے کس طرح محفوظ تصور کروں؛ حالاں کہ اِبلیس ابھی زندہ ہے!۔(۱)

فاحشہ عورت اور باحیا نوجوان

حضرت عبداللہ بن وہب علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان تھا جو اہل دنیا سے الگ تھلگ ایک عبادت خانے میں اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا۔ وہ ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتا۔ کچھ بد باطن لوگ اس نوجوان سے حسد کرنے لگے اور انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ہو اس نوجوان کو ذلیل کر کے چھوڑیں گے۔

اس طرح حاسدین کی وہ جماعت ہر وقت اس عابد وزاہد نوجوان کو ذلیل کرنے کی فکر میں سرگرداں رہنے لگی۔ بالآخر ان کے گندے ذہنوں میں یہ خیال آیا کہ فلاں عورت جو بہت زیادہ حسین وجمیل اور فاحشہ ہے، اس کو لالچ دے کر اس بات پر راضی کیا جائے کہ وہ اس عابد نوجوان کو اپنے فتنے میں مبتلا کرے۔

(۱) تفسیر روح البیان: ۲/۴۴۶...... شعب الایمان بیہقی: ۲/۴۱۱ حدیث: ۸۶۷...... البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۱۹۔

چنانچہ بدبختوں کی وہ جماعت اس فاحشہ عورت کے پاس آئی اور وہ سب کہنے لگے: اگر تو اس نوجوان کو اپنے فتنے میں مبتلا کر دے تو ہم تجھے مالا مال کر دیں گے، ہمیں امید ہے کہ تو اسے ذلیل ورسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گی۔

چنانچہ وہ فاحشہ عورت اس فعل مذموم کے لیے تیار ہوگئی اور ایک رات اس نوجوان کے عبادت خانہ کی طرف چلی۔ رات بہت اندھیری تھی، اوپر سے بارش ہوگئی۔ عورت نے اس نوجوان کو پکارا: اے اللہ کے بندے! مجھے پناہ دے۔

نوجوان نے اوپر سے جھانکا تو دیکھا کہ ایک جوان دوشیزہ دروازے پر کھڑی ہے، اور اندر آنے کی اجازت مانگ رہی ہے۔ اس نوجوان نے سوچا کہ اس وقت اتنی رات گئے کسی غیر محرم عورت کو داخلے کی اِجازت دینا خطرے سے خالی نہیں۔ چنانچہ وہ نوجوان واپس اندر چلا گیا اور نماز میں مشغول ہوگیا۔

عورت نے دوبارہ ندا دی۔ اے اللہ کے بندے! باہر بہت زیادہ بارش ہو رہی ہے، اور سردی بھی شدید ہے، خدارا! مجھے ایک رات کے لیے پناہ دے دے۔ بار بار وہ عورت یہی التجا کرتی رہی، آخر کار نوجوان نے ترس کھاتے ہوئے اسے پناہ دے دی اور خود ذکر واَذکار میں مشغول ہوگیا۔

فاحشہ عورت سینہ کھولے نیم عریاں حالت میں اس نوجوان کے سامنے آئی اور گناہ کی دعوت دیتے ہوئے اپنا آپ اس کے سامنے پیش کر دیا۔ باحیا نوجوان نے فوراً نگاہیں جھکا لیں اور اس سے دور ہوگیا۔ وہ دوبارہ اس کے پاس آئی اور گناہ کی دعوت دینے لگی، نوجوان نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہرگز یہ گناہ نہیں کروں گا جب تک میں آزمانہ لوں کہ اگر میرا نفس گناہ کرے تو کیا وہ اس گناہ کے بدلے جہنم کی آگ برداشت کر لے گا۔

پھر وہ نوجوان جلتے ہوئے چراغ کی طرف بڑھا اور اپنی انگلی اس پر رکھ دی؛ یہاں تک کہ انگلی جل گئی۔ پھر وہ عبادت میں مشغول ہوگیا۔ فاحشہ عورت نے قریب آ کر پھر اسے گناہ کی دعوت دی تو نوجوان نے اپنی دوسری انگلی جلا ڈالی۔

اسی طرح وہ فاحشہ عورت بار بار اسے گناہ کی دعوت دیتی رہی، اور وہ نوجوان اپنی انگلیاں جلاتا رہا؛ بالآخراس پاکدامن متقی و پرہیزگار نوجوان نے اپنی ساری انگلیاں جلاڈالیں؛ لیکن غیر محرم عورت کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا اور اپنی عزت کو داؤں پر نہ لگنے دیا۔ جب اس فاحشہ عورت نے یہ صورتحال دیکھی کہ اس نوجوان نے ایک گناہ سے بچنے کے لیے اپنی ساری انگلیاں جلاڈالی ہیں تو دہشت زدہ ہوکر غش کھاکے گر پڑی اور تڑپ تڑپ کر مرگئی۔(۱)

برائی، توبہ پر بازی مار لے گئی

کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے اندر ایک شخص تھا جس نے کوئی دوسو سال تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کی تھی۔ اچانک اس کے دل میں ابلیس کو دیکھنے کی خواہش ہوئی۔تو ایک دن ایسا ہوا کہ ابلیس-لعنہ اللہ-اس کے سامنے حاضر ہوکر کہنے لگا: میں تمہاری کیا خدمت کرسکتا ہوں؟ کہا: کیا تم یہ بتاسکتے ہو کہ ابھی میری کتنی عمر اور باقی رہ گئی ہے؟ کہا: ابھی دوسو سال اور تم زندہ رہو گے۔

عابد نے اپنے جی میں سوچا: چلو ڈیڑھ سو سال لہو ولعب اور فسق و فجور میں گزار لیں، بقیہ پچاس سالوں میں توبہ کرلیں گے؛ چنانچہ اسی شب وہ عابد برائی کا خیال لے کر نکلا ہی تھا کہ موت نے اس کا گلا دبوچ دیا اور وہ وہیں ڈھیر ہوکر رہ گیا۔ گویا اس کی برائی، توبہ پر بازی مار لے گئی۔

بدبختوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ برائیوں کے اندر گھر کر توبہ میں ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں۔جس کی زندگی خسارہ و نقصان سے عبارت ہو اس کے لیے موت آجانا ہی بہتر ہے۔(۲)

توبہ کرنے والے کتنے اچھے!

حضرت ابوبکر عبداللہ مزنی (م ۱۰۸ھ) صحف ماسبق کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۳۸۵، ۳۸۶۔

(۲) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۳۰۔

کہ ایک نوجوان قصائی اپنے کسی پڑوس کی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہوگیا۔لڑکی کے گھر والوں نے کسی کام سے لڑکی کو ایک دوسری بستی میں بھیجا۔قصائی کو علم ہوا تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا،اور راستے میں اسے روک کر گناہ پر اُکسایا۔

لڑکی چوں کہ خداترس اور پارسا تھی تو اس نے کہا:اس میں تیرے لیے بھی خیر ہے اور میرے لیے بھی۔میرے دل میں تیرے لیے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے جتنی تیرے دل میں میرے لیے ہے؛مگر اللہ سے ڈرتی ہوں۔

عاشق نوجوان نے کہا:تو اللہ سے ڈرے اور میں نہ ڈروں!،یہ کیسے ممکن ہے؟چنانچہ اس نے اسی وقت توبہ کی اور واپس لوٹ گیا۔راستے میں اسے پیاس لگی اور اتنی شدت سے لگی کہ موت قریب نظر آنے لگی۔اتنے میں بنی اسرائیل کے انبیا میں سے کسی نبی کا قاصد اُدھر نکل آیا۔اس نے حال دریافت کیا۔میں نے پیاس کی شکایت کی۔قاصد نے کہا:آؤ ہم دونوں مل کر دعا کریں کہ اس گاؤں تک پہنچنے کے عرصے میں ہم برابر سایہ میں رہیں۔

قصائی نے کہا:میرے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہے جس کے واسطے سے دعا مانگوں؛اس لیے تم دعا مانگو۔قاصد نے کہا:بہتر!چلو میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہنا۔

قاصد نے دعا شروع کی اور وہ شخص آمین کہتا رہا۔اتنے میں یکا یک ایک اَبر کا ٹکڑا ان دونوں کے سروں پر آکر سایہ فگن ہوگیا۔انھوں نے سفر شروع کیا،منزل پر پہنچنے کے بعد جب وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو اَبر کا ٹکڑا قصائی کے ساتھ ساتھ ہولیا۔قاصد نے اس سے کہا کہ تیرا خیال یہ تھا کہ تیرے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہے،اسی لیے میں نے دعا کی اور تو نے آمین کہی تھی۔اب میں دیکھتا ہوں کہ اَبر کا وہ ٹکڑا جو ہم دونوں پر سایہ کیے ہوئے تھا تیرے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔اس کی وجہ کیا ہے؟مجھے اپنے بارے میں صحیح صحیح بتلا۔

قصائی نے اپنی توبہ کا واقعہ تفصیل سے سنادیا۔جسے سن کر قاصد نے کہا:اللہ تعالیٰ کے نزدیک توبہ کرنے والے کی جو قدر و منزلت ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں ہے۔(۱)

(۱) احیاء علوم الدین:۴/۱۷۱۔

دین دار شخص کی مکار بیوی

حضرت امام جعفر صادق، محمد الباقر سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک دیندار شخص تھا جس کا معاملہ اللہ کے ساتھ اچھا تھا اور اس کی ایک عورت تھی جو نہایت خوبصورت تھی؛ مگر کسی وجہ سے اس دیندار شخص کو اس پر بدگمانی ہوگئی تھی۔ چنانچہ جب کبھی یہ دیندار شخص باہر جاتا تو گھر کا دروازہ باہر سے تالا چڑھا کے جاتا۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ کسی جوان مرد سے اس کی بیوی کی آنکھ لڑ گئی، چونکہ دونوں خوب صورت اور نوجوان تھے؛ اس لیے وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے؛ مگر باہمی معاملات کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ عورت نے کسی ذریعہ سے باہر کے تالے کی ایک کنجی بنوالی اور اس نوجوا ن کو بھجوادی اور اس نوجوان کا اس عورت کے پاس اس کے شوہر کی عدم موجودگی میں آنا جانا شرو ع ہوگیا۔ رات اور دن میں جب کبھی اس کو موقع ملتا وہ دروازے کا تالہ کھول کر اس کے پاس آجاتا اور اس سے صحبت کرلیا کرتا تھا۔

عورت کے شوہر کو اس آمدورفت کی عرصہ دراز تک خبر نہ ہوئی اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کا شوہر چونکہ ایک عابد وزاہد شخص تھا تو اس کو خود بخود یہ احساس ہوا کہ اس کی عورت اس سے کچھ کنارہ کشی اختیار کرنے لگی ہے۔ چنانچہ اس نے اس خدشہ سے عورت کو مطلع کردیا اور کہا کہ مجھے تجھ پر صرف اس وقت اطمینان ہوسکتا ہے جب تو اپنی عفت وعصمت پر حلف اٹھائے گی۔ عورت اس پر راضی ہوگئی اور کہنے لگی کہ جب آپ کا جی چاہے مجھ سے حلف لے لیجیے۔ جس شہر کا یہ واقعہ ہے اس شہر کے باہر ایک پہاڑ تھا اور اس کے قریب ایک نہر بہتی تھی وہاں جا کر کوئی بنی اسرائیل جھوٹی قسم یا حلف اٹھاتا تو فوراً ہلاک ہوجاتا۔ میاں بیوی کے درمیان حلف کی بات چیت کے بعد اس کا آشنا اس کے پاس آیا تو اس نے اس سے اپنے شوہر کی بدگمانی اور پہاڑ پر مل کر قسم کھانے کا قصہ سنایا۔

یہ سن کر وہ نوجوان بہت گھبرایا، اور پریشان ہوا کہ اب کیا کیا جائے۔ عورت نے اس کو تسلی دی اور کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میں کچھ ایسی ترکیب کروں گی کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ فلاں وقت میں اپنے شوہر کے ساتھ قسم کھانے کے لیے اس پہاڑ پر جاؤں گی؛

لہٰذا تم بھیس بدل کر اور سواری کا ایک گدھا لے کر شہر کے باہر پھاٹک پر کھڑے ہو جاؤ اور جب ہم دونوں میاں بیوی کو آتا دیکھو تو گدھے کو لے کر ہمارے قریب آ جانا میں تمہارے گدھے پر پہاڑ تک جانے کے لیے سوار ہوں گی تو جلدی سے مجھے اُٹھا کر گدھے پر سوار کرا دینا۔

چنانچہ جب حلف اٹھانے کا دن آیا تو اس کے دین دار شوہر نے اس سے کہا کہ چلو اس پہاڑ پر چلیں تاکہ تم وعدے کے بموجب حلف اُٹھا کر مجھے مطمئن کر سکو۔ یہ سن کر وہ جلدی سے کپڑے بدلے بغیر چلنے کے لیے تیار ہو گئی اور کہنے لگی میں پیدل پہاڑ پر نہیں جا سکتی۔ شوہر نے کہا چلو شہر کے پھاٹک پر کوئی گدھے والا کھڑا ہو گا، اس کا گدھا کرائے پر لے لیں گے۔

چنانچہ دونوں گھر سے چل دیے۔ جب شہر کے دروازے پر پہنچے تو عورت کا آشنا گدھا لیے ہوئے وہاں موجود تھا۔ اس کو دیکھتے ہی عورت کے شوہر نے آواز دے کر کہا کہ او گدھے والے! ہم تجھ کو نصف درہم دیں گے کیا تو ہمیں اس پہاڑ تک پہنچا دے گا۔ وہ بولا جی ہاں! پہنچا دوں گا، اور جلدی سے گدھا لے کر آیا اور عورت کو اپنے ہاتھوں کا سہارا دے کر گدھے پر بٹھا دیا اور روانہ ہو گئے۔

آگے آگے گدھا جا رہا تھا اور پیچھے پیچھے عورت کا شوہر اور وہ مصنوعی گدھے والا چل رہا تھا۔ جب پہاڑ آ گیا اور گدھے سے اُترنے کا وقت آیا تو عورت نے اس بہروپیا کو آواز دی کہ گدھا پکڑ لے اور مجھ کو اُتار دے۔ وہ آنے بھی نہ پایا تھا کہ عورت خود بخود گدھے سے گر پڑی اور اس طرح گری کہ اس کی شرم گاہ بہروپیہ کے سامنے کھل گئی۔ عورت اس کو بناوٹی گالیاں دینے لگی تو بہروپیہ بولا کہ بیوی صاحبہ! میرا اِس میں کیا قصور ہے؟ اور اس کو پکڑ کر زمین سے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد وہ پہاڑ پر چڑھے اور جب اس جگہ پر پہنچے جہاں قسم کھائی جاتی تھی تو عورت نے اپنے ہاتھ سے پہاڑ کو پکڑ لیا اور شوہر کی طرف مخاطب ہو کر قسم کھا کر کہنے لگی کہ جب سے تمہارا اور میرا ساتھ ہوا ہے تب سے آج تک مجھے سوائے آپ کے اور اس گدھے والے کے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ دیکھا ہے۔ چونکہ یہ قسم ظاہر میں سچی تھی کہ سوائے اس شوہر اور بہروپیا کے کسی تیسرے شخص نے نہ اس کو چھوا تھا اور نہ اس سے قربت کی تھی؛ مگر اللہ تو ہر چیز سے آگاہ تھا، چنانچہ وہ پہاڑ زور زور سے ہلنے لگا اور فوراً زمین کے اندر دھنس گیا۔ بیشک عورتوں کا مکر بڑا عظیم ہے۔(۱)

(۱) نزھۃ المجالس، ج ۲، ص ۵۲، حیات الحیوان ج ۱ ص ۶۲۵۔

چھوٹی مصیبت نے بڑی مصیبت سے بچالیا

حضرت سعید بن میسّب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کونصیحت کرتے ہوئے فرمایا: نورِنگاہ! جب بھی تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو تو اسے اپنے حق میں بہتر جان، اور یہ بات دِل میں بٹھالے کہ تیرے لیے اسی میں بھلائی ہے؛ اگر چہ بظاہر وہ مصیبت ہی نظر آ رہی ہو؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ تیرے حق میں بہتر ہوگی۔

یہ سن کر بیٹا کہنے لگا: پدر بزرگوار! جو کچھ آپ نے فرمایا میں نے اس کو سن لیا اور اس کا مطلب بھی سمجھ گیا؛ لیکن یہ بات میرے بس میں نہیں کہ میں ہر مصیبت کو اپنے لیے بہتر سمجھوں، میرا یقین ابھی اتنا پختہ نہیں ہوا ہے!۔

جب حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کی یہ بات سنی تو فرمایا: پسرعزیز! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وقتاً فوقتاً انبیاے کرام مبعوث فرمائے، ہمارے زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر مبعوث فرمایا ہے، آؤ، ہم اس پیغمبر علیہ السلام کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہونے چلتے ہیں۔ ان کی باتیں سن کر تیرے یقین کو تقویت ہوگی۔ بیٹا بارگاہِ نبوت میں حاضر ہونے کے لیے تیار ہوگیا۔

چنانچہ ان دونوں نے اپنا سامانِ سفر تیار کیا، اور خچروں پر سوار ہوکر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ کئی دن رات انھوں نے سفر جاری رکھا، راستے میں ایک ویران جنگل آیا، وہ اپنے سامان سمیت جنگل میں داخل ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنی ہمت دی، اتنا انھوں نے جنگل میں سفر کیا، پھر دوپہر ہوگئی، گرمی زوروں پر تھی، گرم ہوائیں چل رہی تھیں، دریں اثنا ان کا پانی اور کھانا وغیرہ بھی ختم ہوگیا، خچر بھی تھک چکے تھے، پیاس کی شدت سے وہ بھی ہانپنے لگے۔

یہ دیکھ کر حضرت لقمان اور آپ کا بیٹا خچروں سے نیچے اُتر آئے، اور پیدل ہی چلنے لگے۔ چلتے چلتے حضرت لقمان کو بہت دور ایک سایہ اور دھواں سا نظر آیا۔ آپ نے گمان کیا کہ وہاں شاید کوئی آبادی ہے، اور یہ کسی درخت وغیرہ کا سایہ ہے؛ چنانچہ آپ اسی طرف چلنے لگے۔

راستے میں آپ کے بیٹے کو ٹھوکر لگی اور اس کے پاؤں میں ایک ہڈی اس طرح گھسی کہ

پاؤں کے تلوے سے پار ہوکر ظاہر قدم تک نکل آئی، شدت تکلیف سے وہ بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔ آپ نے اسے اپنے سینے سے چمٹالیا، پھر اپنے دانتوں سے ہڈی نکالنے لگے۔ کافی مشقت کے بعد بالآخر وہ ہڈی نکل گئی۔

بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر آپ شفقت پدرانہ کی وجہ سے رونے لگے۔ آپ نے اپنے عمامے سے کچھ کپڑا پھاڑا اور اسے زخم پر باندھ دیا۔ حضرت لقمان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو جب بیٹے کے رخسار پر گرے تو اسے ہوش آ گیا۔

جب اس نے باپ کو روتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا: بابا جان! آپ تو مجھ سے فرما رہے تھے کہ ہر مصیبت میں بھلائی ہے؛ لیکن اب میری اس مصیبت کو دیکھ کر آپ رونے کیوں لگے؟، اور یہ مصیبت میرے حق میں بہتر کس طرح ہو سکتی ہے؟۔ حالاں کہ ہمارے کھانے پینے کی تمام اشیا ختم ہو چکیں اور ہم یہاں اس ویران جنگل میں تنہا رہ گئے۔ اگر آپ مجھے یہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے تو آپ کو میرا اس مصیبت کی وجہ سے بہت رنج وغم لاحق رہے گا، اور اگر آپ یہیں میرے ساتھ رہیں گے تو ہم دونوں یہاں اس ویرانے میں بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔ اب آپ خود ہی بتائیں کہ اس مصیبت میں میرے لیے کیا بہتری ہے؟۔

بیٹے کی یہ باتیں سن کر حضرت لقمان نے فرمایا: لخت جگر! میرا رونا اس وجہ سے تھا کہ میں ایک باپ ہوں اور ہر باپ کا اپنی اولاد کے دکھ درد کی وجہ سے غمگین ہو جانا ایک فطری عمل ہے، باقی رہی یہ بات کہ اس مصیبت میں تمہارے لیے کیا بھلائی ہے، تو ہو سکتا ہے کہ اس چھوٹی مصیبت میں تجھے مبتلا کر کے تجھ سے کوئی بہت بڑی مصیبت دور کر دی گئی ہو، اور یہ مصیبت اس مصیبت کے مقابلے میں چھوٹی ہو جو تجھ سے دور کر دی گئی ہے۔ یہ سن کر بیٹا خاموش ہو گیا۔

پھر جب حضرت لقمان نے سامنے نظر کی تو اب وہاں نہ تو دھواں تھا اور نہ ہی سایہ وغیرہ۔ آپ دل میں کہنے لگے: میں نے ابھی تو اس طرف دھواں اور سایہ دیکھا تھا؛ لیکن اب وہ کہاں غائب ہو گیا؟، ہو سکتا ہے کہ ہمارے پروردگار نے ہماری مدد کے لیے کوئی بھیجا ہو، ابھی آپ اسی سوچ بچار میں تھے کہ ایک شخص دور سے آتا نظر آیا جو سفید لباس زیب تن کیے، سفید عمامہ سر پر

سجائے، چتکبرے گھوڑے پرسوار آپ کی طرف بڑی تیزی سے بڑھا چلا آ رہا ہے۔

آپ اس سوار کو اپنی طرف آتا دیکھتے رہے؛ یہاں تک کہ وہ آپ کے بالکل قریب ہوگیا، پھر وہ سوار اچانک نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ پھر ایک آواز سنائی دی: کیا تم ہی لقمان ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! میں ہی لقمان ہوں۔ پھر آواز آئی: کیا تم حکیم ہو؟ کہا: ہاں، مجھے ہی حکیم کہتے ہیں۔ پھر آواز آئی: تمہارے اس ناسمجھ بیٹے نے تم کیا کہا ہے؟۔ حضرت لقمان حکیم نے فرمایا: اے اللہ کے بندے! تو کون ہے؟ ہمیں صرف تیری آواز سنائی دے رہی ہے اور تو خود نظر نہیں آ رہا؟۔

پھر آواز آئی: میں جبرئیل ہوں اور مجھے صرف انبیاے کرام اور مقرب فرشتے ہی دیکھ سکتے ہیں، اس وجہ سے میں تجھے نظر نہیں آ رہا ہوں۔ سنو! میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فلاں شہر اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو زمین میں دھنسا دوں۔ مجھے خبر دی گئی کہ تم دونوں بھی اس شہر ہی کی طرف آ رہے ہو، تو میں نے اپنے پاک پروردگار سے دعا کی کہ وہ تمہیں اس شہر میں جانے سے روک دے؛ لہٰذا اس نے تمہیں اس آزمائش میں ڈال دیا اور تیرے بیٹے کے پاؤں میں ہڈی چبھ گئی، اس طرح تم اس چھوٹی مصیبت کی وجہ سے ایک بہت بڑی مصیبت یعنی زمین میں دھنسنے سے بچ گئے۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس زخمی لڑکے کے پاؤں پر پھیرا تو اس کا زخم فوراً ٹھیک ہوگیا۔ برتن پر ہاتھ پھیرا جس میں پانی بالکل ختم ہو چکا تھا تو وہ پانی سے لبریز ہوگیا۔ اور کھانے کے برتن پر ہاتھ پھیرا تو وہ بھی کھانے سے بھر گیا۔ پھر حضرت جبرئیل نے لقمان حکیم، ان کے بیٹے اور سواریوں کو سامان سمیت اُٹھایا اور کچھ ہی دیر میں حضرت لقمان اپنے بیٹے اور سارے ساز و سامان سمیت اپنے گھر میں موجود تھے؛ حالاں کہ آپ کا گھر اس جنگل سے کئی دنوں کی مسافت پر تھا۔(۱)

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۱۷۵، ۱۷۷۔

بیٹے! زیادہ نہ ہنسا کر

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! علما کی خدمت میں جم کر بیٹھ جا؛ لیکن ان سے مجادلہ نہ کرنا، ورنہ وہ تجھے برا سمجھیں گے۔ دنیا میں سے اتنا رکھ لے جو تیری بقا کے لیے کافی ہو۔ اپنی زائد آمدنی اپنی آخرت کے لیے خرچ کردے۔

دنیا کو بالکل مت ترک کر کہ دوسروں پر اپنا بوجھ ڈال دے اور ان کے لیے وبال بن جائے۔ روزہ رکھ مگر ایسا جس سے تو اپنی شہوت کا زور توڑ سکے ایسا نہیں جس سے نماز میں خلل واقع ہو؛ اس لیے کہ نماز، روزے سے افضل ہے۔ بے وقوف کے پاس مت بیٹھ اور نہ منافق سے میل جول رکھ۔

انھوں نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت بھی فرمائی: اے بیٹے! زیادہ نہ ہنسا کر۔ بلا ضرورت یہاں وہاں نہ پھرا کر، جس چیز سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ہونا اس کے بارے میں دریافت مت کر، اپنا مال کھو کر دوسرے کے مال کی حفاظت مت کر، تیرا مال وہ ہے جو تو نے آگے بھیج دیا ہے اور دوسروں کا مال وہ ہے جو باقی بچا ہے۔

اے بیٹے! جو رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے۔ جو خاموش رہتا ہے وہ سلامتی پاتا ہے۔ جو کلمہ خیر کہتا ہے وہ فائدہ اُٹھاتا ہے اور جو کلمہ شر کہتا ہے وہ گناہ کماتا ہے۔ اور جو شخص اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتا وہ نادم ہوتا ہے۔(۱)

اللہ واسطے کی دوستی

بنی اِسرائیل کے دو نوجوان دوستوں کا قصہ ہے کہ وہ دونوں کسی پہاڑ پر ساتھ ہی عبادت کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی نیچے آتے اور ضرورت کی چیزیں خرید کر واپس چلے جاتے۔ ایک مرتبہ گوشت کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان میں سے ایک نیچے آیا اور شہر کے بازار میں خرید و فروخت

(۱) احیاءعلوم الدین، امام غزالی: ۱۵۸/۳۔

کرنے لگا۔ قصائی کی دکان پر ایک خوبصورت نازک اندام لڑکی تھی، یہ شخص اس کے حسن میں ایسا کھویا کہ واپس جانے کا اِرادہ ترک کر کے اسی کا ہو رہا۔ اسے تنہائی میں لے گیا، اس کے ساتھ ہم بستری کی اور تین روز تک اس کے پاس ٹھہرا رہا۔

دوسرے شخص نے تین دن کے اِنتظار کے بعد اپنے گم شدہ دوست کی تلاش شروع کی، بازار پہنچا، معلومات کیں، بہت جلد معلوم ہوگیا کہ مطلوبہ شخص فلاں عورت کے پاس مقیم ہے۔ وہ شخص پہنچا، اطلاع درست تھی؛ لیکن اس نے ملامت اور خفگی کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا، اس کے بوسے لیے، اس کے نہ آنے پر اپنے اِضطراب کا اِظہار کیا۔

وہ شخص چوں کہ اپنی غلطی پر نادم تھا، اسے اپنے پاکباز دوست کے پاس واپس جانے میں شرم محسوس ہو رہی تھی؛ اس لیے اس نے انکار کر دیا کہ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو، اور مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک کیوں آئے ہو؟ مگر دوسرا دوست اس کی بے رخی پر بھی برافروختہ نہ ہوا بلکہ اسے پیار و محبت سے سمجھاتا رہا اور اسے یقین دلاتا رہا کہ اگرچہ تم نے سنگین گناہ کا اِرتکاب کیا ہے لیکن میرے دل سے تمہاری محبت ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوئی ہے۔

جب اس شخص نے دیکھا کہ میں اپنی لغزش کے باوجود اپنے دوست کی نظروں سے نہیں گرا تو اس نے بہتر یہی سمجھا کہ سابقہ زندگی ترک نہ کی جائے، اسی میں عافیت ہے؛ چنانچہ اس نے اپنے گناہوں سے سچی توبہ کی اور وہ دونوں پھر ایک جیسے ہو گئے۔(۱)

اِیفائے عہد ہو تو ایسا!

حضرت عِکرمہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک مالدار شخص تھا جو اپنا مال بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتا تھا، جب اچانک وہ اپنی بیوی اور ایک بیٹے کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا، تو اس کی بیوی نے دل میں کہا: میں اپنے شوہر کے چھوڑے ہوئے مال کے لیے اس سے افضل جگہ نہیں پاتی جہاں وہ خرچ کیا کرتا تھا؛ لہٰذا اس نے تمام مال صدقہ کر دیا

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۲۹۴ تا ۲۹۵۔

سوائے دوسو درہموں کے جو اس نے اپنے بیٹے کے لیے جمع کر رکھے تھے۔

جب بچہ بڑا ہوا تو اس نے پوچھا: اے میری ماں! میرا باپ کون تھا؟، اس نے جواب دیا: تیرا باپ بنی اسرائیل کے معززین میں سے تھا۔ بیٹے نے پھر پوچھا: کیا اس نے کوئی مال چھوڑا ہے؟، ماں نے جواب دیا: کیوں نہیں؛ لیکن وہ ہمیشہ بھلائی کے راستے میں خرچ کرتا تھا تو میں نے بھی اسی راستے میں خرچ کر ڈالا۔

بیٹے نے پوچھا: آپ نے میرے حصے کا سارا مال کیوں صدقہ کر دیا اور اس میں سے کچھ نہ بچایا؟، اس کی ماں نے کہا: تمہارے حصے کے دوسو درہم باقی ہیں، تو لڑکے نے عرض کی: لائیں، میرا مال مجھے دیں تاکہ اس کے ذریعے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل تلاش کروں۔

چنانچہ، وہ اپنی ماں سے درہم لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا، چلتے چلتے ایک برہنہ مردے کے پاس سے گزرا جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ مال خرچ کرنے کی اس سے افضل جگہ کوئی نہیں۔ اس کے لیے ایک سواسی (180) درہم کا کفن خرید کر اس کے کفن دفن کا اہتمام کیا اور قبر پر مٹی ڈالی اور بقیہ بیس درہم لے کر روانہ ہو گیا۔

راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟، لڑکے نے جواب دیا: اللہ عزوجل کا فضل تلاش کرنے نکلا ہوں۔ اس نے کہا: اگر میں ایسی چیز کی طرف تیری رہنمائی کروں جس سے تو اللہ عزوجل کا فضل پائے تو اس میں سے نصف میرا ہوگا۔ لڑکا رضامند ہو گیا، تو اس شخص نے کہا: اس شہر کی طرف چلے جاؤ، وہاں تم ایک عورت کو پاؤ گے جس کے پاس ایک بلی ہوگی، وہ اسے فروخت کر رہی ہوگی، تم اس سے بیس درہم میں خرید کر ذبح کر دینا اور آگ میں جلا دینا۔ پھر اس کی راکھ جمع کر کے دوسرے شہر کی طرف روانہ ہو جانا، وہاں کے بادشاہ کی بصارت زائل ہو چکی ہے۔ تم بطورِ سرمہ اس کی آنکھوں میں راکھ لگانا اس کی بینائی لوٹ آئے گی۔

وہ لڑکا گیا اور بلی کی راکھ لے کر جب بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ نے کہا: اس کو اس وادی میں لے جاؤ جس میں سرمہ لگانے والے ہیں، پھر اس کو بتانا کہ اگر اس نے مجھے ٹھیک کر دیا تو منہ مانگا انعام پائے گا اور ٹھیک نہ کر سکا تو میں اسے قتل کر دوں گا، پھر اگر وہ چاہے تو علاج کے

لیے آگے بڑھے اور چاہے تو وہیں سے لوٹ آئے۔

جب لڑکا وادی میں گیا تو وہاں سرمہ لگانے والوں کی لاشیں دیکھیں، پھر بھی اس نے کہا: میں سرمہ لگاؤں گا۔ چنانچہ اس نے سرمہ لگایا تو بادشاہ کہنے لگا: گویا مجھے کچھ کچھ نظر آ رہا ہے، پھر دوسری مرتبہ لگایا تو بادشاہ نے کہا: اب میں کچھ دیکھ رہا ہوں۔ پھر جب تیسری مرتبہ سرمہ لگایا تو اس کی بینائی مکمل طور پر لوٹ آئی۔

بادشاہ نے کہا: میں تجھ پر اس سے بڑھ کر احسان نہیں کر سکتا کہ تیری شادی اپنی بیٹی سے کر دوں۔ پھر بادشاہ نے اس کی حاجت پوچھ کر اپنا سب سے پسندیدہ مال اسے دے دیا، وہ لڑکا اس کے پاس کچھ عرصہ رہا۔ پھر اسے اپنی ماں کی یاد ستائی تو اس نے بادشاہ سے جانے کی اجازت چاہی۔

بادشاہ نے کہا: ٹھیک ہے، اپنے ساتھ اپنی بیوی اور مال کو بھی لے جاؤ۔ واپسی میں وہ لڑکا اسی شخص کے پاس سے گزرا تو اس نے پوچھا: کیا مجھے پہچانتے ہو؟، لڑکے نے نفی میں جواب دیا تو اس نے کہا: میں وہی ہوں جس نے تجھے فلاں فلاں بات بتائی تھی۔ پھر وہ لڑکا سواری سے اُتر آیا اور جو کچھ اس کے پاس تھا دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

وہ شخص کہنے لگا: میرے حصے کی ایک چیز ابھی باقی ہے۔ لڑکے نے پوچھا: وہ کیا؟، تو وہ بولا: تیری بیوی، میں تجھے اللہ عزوجل کی قسم دیتا ہوں کہ اپنا وعدہ پورا کر۔ اس لڑکے نے کہا: پھر ہم اس کی تقسیم کیسے کریں؟، اس شخص نے کہا: اس کو آرے سے چیر دو۔ لڑکے نے حامی بھر لی کہ میں ایسا ہی کرتا ہوں۔

جب اس نے آرا اپنی بیوی کے سر پر رکھا تو وہ شخص کہنے لگا: رک جاؤ بے شک مجھے اللہ عزوجل نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ اللہ عزوجل اسی طرح تیری حفاظت فرمائے جیسے تو نے اس سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا۔ پھر اس شخص نے لڑکے کا سارا مال اسے واپس کر دیا۔

سبحان اللہ! دنیا میں ایسے وعدہ نبھانے والے بھی ہو گزرے ہیں!۔ اِسی لیے اسلام نے بھی وعدہ وفائی پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور مسلمانوں کو ایفاءے عہد کی خاص تلقین کی ہے۔(۱)

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق مترجم: ۲۳۶، ۲۳۷۔

اَخبار و آثار سے

عبداللہ بن عبدالمُطّلِب کی پاکدامنی

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب عنفوانِ شباب کے دنوں میں کہیں سفر پر جارہے تھے کہ راستے میں 'فاطمہ بنت مُر' نامی ایک یہودی عورت سے ملاقات ہوگئی جو اپنے مذہب کی کتابوں پر کامل دسترس رکھتی تھی، اور خود کاہنہ بھی تھی۔ اس کے حسن وجمال اور پاکبازی کے چرچے زبانوں پر عام تھے۔ ایک دو نہیں سینکڑوں دلوں میں اس سے شادی رچانے کی تمنائیں مچل رہی تھیں؛ لیکن جب اس کی نظر حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی بے داغ جوانی پر پڑی تو کچھ دیر تک وہ دیکھتی ہی رہ گئی؛ کیوں کہ آپ کی پیشانی سے نورِ نبوت کی شعائیں پھوٹ رہی تھیں۔

دل کے ہاتھوں مجبور وہ آپ کے قریب آکر کہنے لگی: اے جوانِ رعنا! اگر تو مجھ سے ابھی مباشرت کرلے تو میں تجھے سو اُونٹ تحفے میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ سن کر عفت وحیا کے پیکر حضرت عبداللہ نے فرمایا: مجھے حرام کام میں پڑنے سے موت زیادہ عزیز ہے، اس لیے مجھے معاف کرنا، میں تمہاری خواہش کبھی پوری نہیں کرسکتا!۔ پھر جب آپ کا نکاح حضرت آمنہ بنت وہب کے ساتھ ہوا اور آپ نے صحبت فرمائی تو وہ نورِ نبوت اُن کے شکم میں منتقل ہوگیا۔

چند دنوں کے بعد ایک مرتبہ پھر آپ کی ملاقات اسی عورت سے ہوگئی تو اس نے آپ کی پیشانی میں نورِ نبوت نہ پاکر حیرانی سے پوچھا: اے نوجوان! تم نے مجھ سے جدا ہونے کے بعد کیا کیا؟۔ فرمایا: شادی کی اور کچھ دن اپنی زوجہ کے ساتھ گزارے۔ یہ سن کر وہ بولی: خدا کی قسم! میں کوئی بدکار عورت نہیں؛ لیکن میں نے تمہارے چہرے پر نورِ نبوت دیکھا تو میں نے چاہا کہ وہ نور مجھے مل جائے؛ مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا، اس نے جہاں چاہا اس 'نور' کو رکھ دیا۔

جب یہ واقعہ لوگوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس عورت سے جا کر پوچھا کہ کیا واقعی عبداللہ نے تجھے قبول نہ کیا؟۔ کیا تو نے اسے اپنی طرف دعوت دی تھی؟؟۔ یہ سن کر اس نے چند اَشعار پڑھے جو اپنے معنی ومفہوم میں یگانہ ہیں :

إني رأيتُ مُخيلة لمعت　　　فتلألأت بحناتم القطر

فلمائها نور يضيءُ له　　　ما حوله كإضاءة البدر

و رجوتها فخرا أبوء به　　　ماكل قادح زنده يورى

للّٰه ما زهرية سلبت ثوبيـ .... ـك ما استلبت وما تدرى

یعنی میں نے ایک بجلی دیکھی جس نے سیاہ بادلوں کو بھی جگمگا دیا۔ اس بجلی میں ایسا نور تھا جو سارے ماحول کو چودھویں کے چاند کی طرف روشن کر رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس نور کو حاصل کرلوں؛ تا کہ اس پر فخر کرتی رہوں؛ مگر ہر پتھر کی رگڑ سے آگ نہیں پیدا ہوتی۔ تاہم اے عبداللہ! وہ زہری عورت (یعنی حضرت آمنہ) بڑی نصیب والی ہے جس نے تیرے دونوں کپڑے لے لیے، وہ کیا جانے کہ اس نے کتنی عظیم چیز حاصل کرلی ہے۔

وہ عورت اکثر وبیشتر یہ اَشعار پڑھا کرتی، اور اس کے ذریعہ اپنے دل کی حسرت نکالتی تھی۔(۱)

دارُالندوہ میں شیطان کا قریش کو مشورہ

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ جب قریش مکہ نے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کو ہجرت کرتے اور متعدد قبائل کے لوگوں کو مسلمان ہوتے دیکھا تو انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں محمد عربی بھی ہجرت نہ کر جائیں اور وہاں ایک زبردست جماعت اپنی حمایت میں تیار کر کے ہمیں شکست نہ دے دیں؛ چنانچہ یہ لوگ دارالندوہ میں جمع ہوے۔

(۱) سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ۱/۳۲۷...... الخصائص الکبریٰ: ۱/۰۷...... الروض الانف: ۱/۲۷۳ ......عیونُ الحکایات مترجم، ابن الجوزی: ۱/۳۴ تا ۳۵۔

دارالندوہ؛ قصی بن کلاب کا مکان تھا، یہ دارالندوہ اس لیے کہلاتا تھا کہ یہاں قریش اپنے تمام اہم اُمور سرانجام دیتے اور منصوبے تیار کرتے تھے، اس دارالندوہ میں چالیس سالہ قریشی کے علاوہ کوئی اور شخص کم عمر قریشی داخل نہیں ہوسکتا۔

یہ سب لوگ ابوجہل کے ساتھ ہفتہ کے روز جمع ہوئے؛ اس لیے ہفتہ کو دھوکے اور فریب کا دن کہا گیا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ ابلیس بھی شریک مشاورت ہوگیا۔ اس ملعون کے شامل ہونے کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ جب قریش مکہ دارالندوہ کے دروازہ پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک باوقار بوڑھا کھردرا سا کمبل اوڑھے کھڑا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ طلمسان کی ریشمی چادر اوڑھے ہوئے تھا، انہوں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟۔ کہنے لگا میں شیخ نجد ہوں، تم نے جو اِرادہ کیا ہے میں نے وہ سن لیا ہے اور میں اس لیے آیا کہ تمہاری گفتگو سنوں اور اپنے مشورے اور نصیحتیں دے سکوں۔

چنانچہ یہ سب لوگ اندر داخل ہوگئے اور باہم مشورہ ہونے لگا۔ ایک روایت ہے کہ سو آدمی تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ پندرہ آدمی تھے۔ ابوالبختری (جو غزوۂ بدر کے دن مارا گیا) نے مشورہ دیا کہ محمد عربی کو لوہے کے ایک قلعہ میں بند کردو اور اس وقت کا انتظار کرو جب اس کا انجام بھی پہلے شعرا کا سا ہوجائے۔ شیخ نجدی نے کہا: یہ نہایت غلط بات ہے۔ بخدا اگر تم انہیں آہنی دروازے کے پیچھے بھی بند کردو تو وہاں سے نکل کر اپنے اصحاب کے ہاں پہنچ جائیں گے۔

ابوالاسود ربیعہ بن عمرو العامری نے رائے دی کہ محمد عربی کو جلاوطن کردو، یہ جہاں بھی جائیں ہمیں کوئی پرواہ نہیں، بس ہمارے شہروں میں نہ رہیں۔ شیخ نجدی نے اس رائے کو بھی مسترد کرتے ہوئے کہا: کیا تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اچھی باتیں، اُن کی شیریں بیانی اور لوگوں کا اُن پر پروانہ وار نثار ہونا نہیں دیکھا؟۔ اگر تم ان کو جلاوطن کرکے مطمئن ہوگئے تو یہ تمہاری سب سے بڑی غلطی ہوگی، وہ کسی اور قبیلہ میں چلے جائیں گے اور اپنی سحر بیانی سے لوگوں کو اپنا فریفتہ بنالیں گے اور ایک وقت آئے گا کہ اپنے پیروکاروں کی ایک عظیم جماعت کے ساتھ تم پر غلبہ حاصل کرلیں گے۔ پھر تمہاری یہ شان وشوکت حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گی اور وہ تمہارے ساتھ جو چاہیں گے کریں گے؛ لٰہذا اس سلسلہ میں کوئی اور رائے سوچو۔

ابوجہل نے کہا: میرے ذہن میں ایک ایسی رائے ہے جو کسی نے بھی نہیں دی، اور وہ یہ کہ ہر قبیلہ سے ایک صاحب حسب ونسب بہادر لیا جائے اور یہ سب مل کر یکبارگی محمد عربی پر تلواروں سے بھر پور وار کریں اور ان کو قتل کر دیں، ہماری بھی جان چھوٹ جائے گی، اور بنوعبد مناف تمام قبائل کا مقابلہ کرنے سے تو رہے تو وہ صرف دیت لے لیں گے جسے تمام قبائل باہم اَدا کریں گے۔ شیخ نجدی ملعون اس رائے پر بھڑک اٹھا اور کہنے لگا اب ہوئی بات!۔

چنانچہ متفقہ طور پر یہ رائے مان لی گئی اور سب لوگ گھروں کو چل دیے، ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! آج اس بستر پر اِستراحت نہ فرمائیں جس پر آپ ہمیشہ آرام فرماتے ہیں۔

جب رات ہوئی تو قریش کے کڑیل نوجوان کاشانۂ نبوت کے گرد منڈلانے لگے اس وقت کا انتظار کرنے لگے کہ آپ باہر آئیں اور وہ یکبارگی حملہ کر دیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر پر اس شب کو سلایا اور ان پر سبز رنگ کی ایک چادر ڈال دی جو بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ اور عیدین کے موقعوں پر اوڑھا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے جان بیچ کر حضور تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی تھی؛ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان اشعار میں اپنے احساسات کا اظہار کیا:

میں نے اپنی جان کے بدلے اس خیر خلق ﷺ کی حفاظت کی جو اللہ کی زمین پر سب سے بہتر ہیں اور جو ہر طواف کرنے والے حجر اسود کو چومنے والے سے بہترین ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش مکہ کے فریب کا اندیشہ ہوا تو ان کو رب ذوالجلال نے ان کے فریب سے بچالیا۔

اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غار میں نہایت ہی سکون کے ساتھ اللہ کی حفاظت میں رات بسر کی۔ جب کہ میں جوانانِ قریش مکہ کے روبرو سویا ہوا تھا اور اسی طرح میں خود کو اپنے قتل وقید ہونے پر آمادہ کیے ہوئے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قریش کے ان نوجوانوں کو اندھا کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قریش کے جیالوں پر مٹی ڈالتے ہوئے، یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے باہر نکل گئے :

فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ o (سورۂ یس:۳۶/۹)

اس حال میں ایک شخص وہاں آیا اور اس نے ان لوگوں سے پوچھا: یہاں کیا کررہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم محمد عربی کے منتظر ہیں۔اس نے کہا: خدا تمہارا بیڑا غرق کرے! وہ تو تمہارے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے کب کے نکل گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل و رسوا کیا ہے، اب تم یہاں کھڑے کیا کررہے ہو؟۔

اب جو انہوں نے اپنے سروں کو ہاتھ لگایا تو سب کے سروں میں مٹی پڑی ہوئی تھی اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر اوڑھے سوتا دیکھ کر ایک دوسرے سے یہی کہتے رہے کہ خدا کی قسم! یہ محمد عربی سو رہے ہیں؛ یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھے۔اُن کو دیکھ کر یہ لوگ بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے: اس شخص نے واقعی سچ کہا تھا۔اسی واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی :

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ o (سورۂ انفال:۸/۳۰)

اور جب کفار مکہ آپ کے ساتھ فریب کررہے تھے کہ وہ آپ کو سخت زخمی یا قتل کردیں۔

کسی شاعر نے کیا خوب بات کہی ہے ۔

یعنی گھبراؤ نہیں، ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے اور ہر چیز ایک وقتِ مقرر تک رہتی ہے۔مقدر ہم سے زیادہ باخبر ہے اور ہماری تدبیروں پر اللہ کی تدبیر غالب رہتی ہے۔(۱)

اِسلام کا سب سے پہلا مبلغ

وہ نہایت خوبصورت نوجوان تھا، امیر والدین کا بیٹا تھا۔نئی نئی پوشاکیں پہنتا، گفتگو میں اس قدر مٹھاس تھی کہ سننے والے عش عش کراُٹھتے۔اتنا ذہین تھا اور باتیں اتنی مزیدار کرتا کہ ہر

(۱) مکاشفۃ القلوب:ص:۱۲۷تا۱۳۰۔

مجلس کی جان ہوتا۔ اس کے ساتھی اس کی آمد کا انتظار کرتے اور جب وہ مجلس میں بیٹھ جاتا تو سب مہر بلب اس کی طرف دیکھتے، اس کی سنتے اور سر دھنتے۔ اس کے دلائل بڑے وزنی اور زبردست ہوتے، کوئی اس سے گفتگو میں آگے نہیں نکل سکتا تھا۔

وہ اپنی دھن کا پکا تھا۔ سبھی جانتے تھے کہ جب کوئی عزم و ارادہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی اس کو تبدیل نہیں کرسکتا۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا تھا؛ تاہم ایک ایسی شخصیت تھی جس سے وہ خوب ڈرتا تھا اور اس کے سامنے اس کی گھگی بندھ جاتی، اور یہ اس کی والدہ تھی۔ اور آج وہ اپنی والدہ‘ قریبی رشتہ داروں اور قوم کے اَشراف کے سامنے کھڑا تھا۔

اس کی والدہ نے تھپڑ کھینچ رکھا تھا اور قریب تھا کہ اپنے بیٹے کو دے مارتی کہ اَشراف میں سے ایک نے اسے منع کیا: ابھی ہم اس کو سمجھا دیتے ہیں۔ اتنا زیادہ غصہ نہ کرو، یہ سمجھ جائے گا۔

مگر یہ نوجوان ان سے مرعوب ہوئے بغیر ان کو نہایت دلنشیں انداز میں قرآن کریم کی آیات سنا رہا تھا۔ والدہ خُناس بنت مالک نے اس کو خوب سمجھایا بھی تھا، ڈرایا بھی تھا، لالچ بھی دیا تھا مگر یہ کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔

یہ نوجوان مکہ معظّمہ کا باسی تھا اور مورخین کے مطابق پورے مکہ میں سب سے مہنگا اور اعلیٰ عطر استعمال کرنے والا تھا۔ دنیا اسے مصعب بن عمیر (م۳ھ) کے نام سے جانتی ہے۔ یہی وہ خوش نصیب نوجوان ہے جسے اسلام کا پہلا سفیر بننے کا شرف حاصل ہوا۔

اگر آپ سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغور مطالعہ کریں تو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار خوبیوں میں ایک بات یہ بھی نمایاں تھی کہ آپ اپنے ساتھیوں سے ان کی اِستعداد کے مطابق کام لیتے تھے۔ جس کے اندر جو صلاحیت ہوتی اس کے مطابق اس سے کام لیا جاتا۔

دیگر بہت سارے نوجوانوں کی طرح مصعب بن عمیر نے بھی محمد الامین الصادق کے بارے میں سن رکھا تھا کہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پوری کائنات کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

صفا پہاڑی کے دامن میں واقع ''دارِارقم'' اس دعوت کا مرکز تھا۔لوگ وہاں جمع ہوتے، تزکیہ نفوس ہوتا،قرآن سیکھا جاتا،اور نمازیں اَدا کی جاتیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چوری چھپے اس دعوت کو آگے پھیلا رہے تھے۔

مکہ مکرمہ اس زمانے میں کوئی بہت بڑا شہر نہیں تھا،وہاں کسی قسم کی سرگرمیاں کیسے خفیہ رہ سکتی تھیں جب کہ قریش مکہ بطورِ خاص مسلمانوں پر گہری نظریں رکھے ہوئے تھے۔

ایک دن عثمان بن طلحہ نے اپنی آنکھوں سے مصعب کو دارِارقم میں داخل ہوتے دیکھا اور پھر کسی دوسرے دن دیکھا کہ محمد جیسی نماز پڑھ رہا ہے۔اُم مصعب تک یہ خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں۔اس نے اپنے لختِ جگر کو رسیوں سے باندھا،مارا پیٹا اور سارے طریقے آزمائے۔ادھر مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جارہے تھے۔مصعب بھی اپنی والدہ کو جل دے کر اسی قافلے میں شامل ہوگئے۔کچھ عرصے کے بعد پھر مکہ آگئے،عرصہ حیات تنگ ہوا،تو دوبارہ حبشہ چلے گئے،اور پھر ایک مختصر سی مدت کے بعد واپس مکہ معظّمہ تشریف لائے۔ماں نے اپنی سختی برقرار رکھی اور ساری سہولتیں واپس لے لیں۔

ایک دن صحابہ کرام نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے کہ مصعب آگئے۔آج ان کی پوشاک ٹاٹ کی تھی،بمشکل ستر چھپایا ہوا تھا۔کہاں وہ خوش لباس اور مہنگا عطر استعمال کرنے والا مصعب اور کہاں یہ حالت! صحابہ کرام آبدیدہ ہوگئے اور ان کی آہیں نکل گئیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھی کی طرف شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر فرمایا: میں نے مصعب کو اسلام لانے سے پہلے بھی دیکھا ہے۔پورے مکے میں اس سے زیادہ والدین کا لاڈلا کوئی نہ تھا،ساری سہولتیں اور آسائشیں اس کو میسر تھیں مگر اس نے یہ ساری نعمتیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے قربان کر دیں۔

ماں نے آخری حربے کے طور پر اسے پھر قید کرنے کا پروگرام بنایا،حضرت مصعب نے اپنی والدہ سے صاف لفظوں میں کہہ دیا :

'جس کسی نے مجھے رسیوں سے باندھنے میں تمہاری مدد کی،میں اس کو قتل کردوں گا'۔

والدہ کو اپنے بیٹے کے عزم و اِرادے کا خوب اندازہ تھا؛ چنانچہ اس نے روتے ہوئے اپنے بیٹے کا راستہ چھوڑ دیا۔ بیٹے نے گھر پر الوداعی نظر ڈالی اور پھر ماں کے راستے میں کھڑا ہو گیا اور نہایت پیار سے بولا :

پیاری ماں! میں تمہارا نہایت ہمدرد اور خیر خواہ ہوں، بس ایک مرتبہ اپنی زبان سے 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کی شہادت دے دو۔

ماں نے غضب ناک نگاہوں سے دیکھا اور کہا: ستاروں کی قسم! جب تک میری عقل اور ہوش وحواس کام کرتے ہیں میں تمہارے مذہب میں کبھی داخل نہیں ہو سکتی!۔

بیٹے کے دل پر اس گفتگو کو سننے کے بعد کیا گزری ہوگی؟ پریشان حال' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے ہیں اور ادھر تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پیارے ساتھی کو ایک ایسی ذمہ داری سونپتے ہیں جو اس سے قبل کسی کو میسر نہ آئی تھی۔ مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے، ان کی تربیت اور اسلام کی تعلیمات کو مزید پھیلانے کے لیے سفیر کی ضرورت تھی؛ چنانچہ اس عہدے کے لیے حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا گیا۔

حضرت مصعب نے مدینہ منورہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا اور دونوں نے مل کر اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مصعب نہایت خوش شکل، عقل مند، اور بہترین گفتگو کرنے والے تھے؛ چنانچہ انھوں نے اپنے اعلیٰ اخلاق سے بہت سارے لوگوں کو اسلام میں داخل کر لیا۔

ایک دن اسعد بن زرارہ کے ساتھ مل کر بنی عبد اشہل کے محلے میں تشریف لائے۔ وہاں ایک باغ کے اندر مرق نامی کنویں پر بیٹھ گئے۔ اس وقت تک اس قوم کے دو بڑے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

سعد نے اُسید سے کہا: دیکھو! اسعد بن زرارہ میری خالہ کا بیٹا ہے اور میں خود جانا مناسب نہیں سمجھتا۔ یہ لوگ ہمارے قبیلے کے کمزوروں کو بے وقوف بنا رہے ہیں، ذرا جا کر ان کو ڈانٹ

ڈپٹ کردو۔ اسید غصے کے عالم میں اس باغ میں پہنچ گئے اور گویا ہوئے: تم یہاں کس لیے آئے ہو؟۔ ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنا رہے ہو۔ یاد رکھو! اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہوں تو ہم سے الگ ہی رہو!۔

یہ کہہ کر انھوں نے اپنا شدید غصہ ظاہر کیا۔ اس قسم کی سخت گفتگو کے بعد حضرت مصعب نے مسکراتے ہوئے زبان کھولی: آپ ہم سے ناحق ناراض ہو رہے ہیں۔ ذرا تشریف رکھیں، ہماری بات سنیں، اگر پسند آجائے تو قبول کرلیں، پسند نہ آئے تو چھوڑ دیں، ہم دوسرے محلے میں چلے جائیں گے۔ اُسید نے کہا: یہ تم نے انصاف کی بات کہی ہے اور بیٹھ گئے۔ ادھر حضرت مصعب نے قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی تشریح شروع کی اور ادھر اُسید کے ذہن میں تبدیلی آنے لگی۔ 'کتنی اچھی باتیں ہیں!، کیا ہی پیارا کلام ہے یہ!!۔ وہ گویا ہوئے۔

اور یہ بس چند منٹوں کی بات تھی، سارا منظر تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ درشت کلامی اب محبت بھری باتوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔ پوچھا: اگر اسلام قبول کرنا ہو تو اس کی شرط کیا ہے؟۔ فرمایا: 'بس غسل کرلیں اور کپڑے تبدیل کر کے کلمہ شہادت کی گواہی دے دیں'۔

اور پھر حضرت اُسید خود اسلام کے داعی بن گئے اور اسلام کی یہ روشنی سعد بن معاذ تک پہنچتی ہے، وہ بھی اِسلام قبول کر لیتے ہیں، اور اسی شام اس وقت کے ایک بہترین مفکر اور سردار سعد بن عبادہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور پھر پورے مدینے میں ایک ہی بات گشت کرنے لگی :

اگر ان ذہین وفطین اور سمجھ دار اَفراد نیز ہمارے سرداروں نے اسلام قبول کرلیا ہے تو اس کو قبول کرنے میں ہمارے لیے کیا ممانعت ہے؟۔

چنانچہ اسی دن شام تک بہت سارے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

اسلام کے اس پہلے سفیر نے اپنے اخلاص، اخلاق اور جدوجہد سے بے پناہ کامیابی حاصل کی۔ اگلے حج سے پہلے مکہ پہنچے اور آپ کو ساری رپورٹ پیش کی۔ قبائل کے حالات اور مدینہ منورہ کی اقتصادی وسیاسی صورتحال سے آگاہ کیا۔

اسی سال بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی روانگی

کی راہ ہموار ہوئی۔ ہجرت کے بعد غزوۂ بدر ہوا جس میں مشرکین مکہ کو شکست فاش ہوئی۔ اسلامی ریاست مضبوط ہوگئی۔ جنگ بدر میں جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر ہی کے ہاتھوں میں تھا۔

ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ مکہ والے ایک لشکر جرار لے کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر مہاجرین اور انصار کو جھنڈے عطا فرمائے۔ ان خوش قسمت لوگوں میں حضرت مصعب بھی شامل تھے۔ جھنڈے کا ملنا ایک بڑی سعادت ہے اور اس کی حفاظت کرنا اس سے بھی بڑی ذمہ داری! ۔ حضرت مصعب بن عمیر اس ذمہ داری کو خوب سمجھتے تھے؛ چنانچہ اُحد کے دن آپ نے اس ذمہ داری کا حق اَدا کر دیا۔ مورخین نے اس دن حضرت مصعب کا کردار کچھ یوں بیان کیا ہے :

جنگ اُحد میں جھنڈا مصعب کے پاس تھا۔ مسلمان جب تتر بتر ہوئے تو مصعب ثابت قدم رہے۔ ابن قمۂ لیثی آگے بڑھا اور اس نے آپ کے داہنے ہاتھ پر زور کا وار کیا، آپ نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، اب اس نے بائیں ہاتھ پر تلوار کا وار کیا۔ بایاں بازو بھی کٹ گیا اور آپ یہ آیت تلاوت کر رہے تھے :

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۝ (سورۂ آل عمران:۳/۱۴۴)

اور محمد (ﷺ بھی تو) رسول ہی ہیں (نہ کہ خدا)، آپ سے پہلے بھی کئی پیغمبر (مصائب اور تکلیفیں جھیلتے ہوئے اس دنیا سے) گزر چکے ہیں۔

اب حضرت مصعب نے کٹے ہوئے بازوؤں کے بقایا حصوں کو سہارا دے کر جھنڈا اپنے سینے سے لگا لیا۔ اب کی بار اس نے نیزے سے حملہ کیا۔ نیزے کی اَنی آپ کے سینے کے پار ہوگئی اور آپ زمین پر گر گئے اور اس کے ساتھ ہی شہید ہوگئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک صرف چالیس سال تھی......۔(۱)

(۱) اسد الغابہ:۳/۱۷......البدایۃ والنہایۃ:۴/۳۳......تاریخ الاسلام ذہبی:۱/۲۱۸......المنتظم:۳۳۲۔

اِیثار کی بے مثال داستان

ایک مسلمان اپنے باغ کی دیوار تعمیر کرنا چاہتا تھا؛ لیکن بیچ میں ایک دوسرے شخص کا درخت آتا تھا۔ دیوار بنانے کے خواہش مند نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یہ درخت مجھے دلوادیجیے؛ تاکہ میری دیوار سیدھی بن سکے؛ لیکن درخت کا مالک اسے دینا پسند نہ کرتا تھا۔

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ درخت دے دو تو اس کے عوض جنت میں تمھیں درخت ملیں گے؛ مگر وہ اپنا درخت دینا پسند نہ کرتا تھا، اور سرکارِ اقدس علیہ السلام بھی بطورِ حکم اسے یہ کہنا نہ چاہتے تھے۔

ایک اور نوجوان صحابی حضرت ثابت بن دحداح (م۳ھ) کو جب اس کا علم ہوا کہ حضور رحمت عالم قاسم جنت وکوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس درخت کے عوض تمھیں جنت میں درخت ملیں گے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش پورا کر کے جنت الفردوس میں باغات کے حصول کی خواہش نے ان کو بے تاب کردیا اور وہ فوراً درخت کے مالک کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ مجھ سے میرا باغ لے لو اور اس کے عوض یہ درخت مجھے دے دو۔

اس کو اور کیا چاہیے تھا۔ فوراً معاملہ طے ہوگیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ یہ طے کر کے بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے یہ سودا کیا ہے اور یہ درخت دیوار بنانے والے کے حوالے کردینے پر آمادگی ظاہر کی۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ثابت کے لیے جنت میں کتنے درخت ہیں!۔

اس کے بعد حضرت ثابت اپنی بیوی کے پاس باغ میں پہنچے اور کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ میں نے یہ باغ جنت کے ایک درخت کے عوض فروخت کردیا ہے۔ اس نیک بخت بیوی کا ایثار بھی دیدنی تھا کہ اس نے یہ سنتے ہی کہا: الحمد للہ! یہ نہایت نفع مند سودا ہے۔(۱)

(۱) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ۵۸/۷۔

ایک صحابی کا بے مثال فیصلہ

جس وقت محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دارِ فانی سے رخصت ہوکر رفیق اعلیٰ سے جا ملے، تو خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ درپیش ہوا۔ لوگ ثقیفہ بنی ساعدہ میں جوق در جوق جمع ہوگئے۔ اگرچہ بعض طبائع میں ایک قسم کی کشمکش موجود تھی اور پھر یہ کہ تمام لوگ یکساں طور پر اعلیٰ درجہ کے تربیت یافتہ نہیں ہوتے، اور عربوں کی عصبیت تو جگ جگ ظاہر ہے۔

یہ موقع نہایت نازک تھا۔ اور اگر معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت نے صحابہ کرام کو سراپا ایثار بنا کر اُن کی نفسانیت کا خاتمہ نہ کردیا ہوتا اور ادنیٰ سی تحریک بھی عوام الناس کو زمانۂ جاہلیت کی عصبیت کی طرف متوجہ کردیتی تو خطرناک فتنے کا دروازہ کھل جاتا؛ لیکن اس وقت بھی ان لوگوں میں ہمیں ایثار کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔

چنانچہ اس خطرے کو بھانپ کر ایک انصاری نوجوان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اٹھے اور فرمایا کہ اے لوگو! چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجر تھے، اس لیے آپ کا خلیفہ بھی مہاجر ہی ہونا چاہیے۔ ہمارے لیے یہ کافی فخر وشرف ہے کہ ہم آپ کے انصار تھے۔ اور جس طرح ہم نے آپ کی نصرت وحمایت کی اسی طرح آپ کے خلفا کے بھی ہم انصار رہیں گے۔

نوجوان صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس دوٹوک فیصلے کے بعد کسی کو کچھ بولنے کا یارا نہ ہوا، اور نہ ضرورت تھی کہ بات نہایت معقول تھی۔ جذبات ونفسانیت کو اس طرح نظرانداز کردینے کی تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہم نفاق واختلاف کا دروازہ بند ہوگیا اور باوجود یہ کہ مختلف نسلوں اور قبائل کے مسلمان وہاں جمع تھے، خلافت کا مسئلہ بخیر وخوبی طے ہوگیا، اور کوئی جھگڑا پیدا نہ ہوا۔(۱)

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۱۸۲۰/۵۔

جب لاٹھی چمک اُٹھی

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ (م ۱۲ھ) قبیلہ دوس کے ہر دل عزیز سردار تھے۔ ان کی بات ان کے قبیلے کے لوگ غور سے سنتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ وہ اپنے شہر سے بغرضِ تجارت مکہ مکرمہ تشریف تو سردارانِ قریش ان کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے؛ کیوں کہ انھیں یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں طفیل دین اسلام میں داخل ہو کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں میں شامل نہ ہو جائیں۔ چنانچہ انھوں نے طفیل بن عمرو دوسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سننے یا آپ کی مجلس میں بیٹھنے اُٹھنے سے منع کر دیا۔ قریش نے ان سے کہا :

دیکھیے طفیل! آپ ہمارے شہر میں تشریف لائے ہیں۔ آپ ہمارے معزز مہمان ہیں؛ اس لیے ایک اہم معاملے میں آپ کی رہنمائی بہت ضروری ہے۔ ہمارے ہاں ایک آدمی ہے جس نے ہمارے معاملات بگاڑ کر رکھ دیے ہیں۔ اس نے ہمارے درمیان سخت اختلافات پیدا کر دیے ہیں اور ہمارا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ اس کی باتوں میں جادو ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ آدمی اور اس کے والدین، اس کے بہن بھائیوں اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ ہماری طرح آپ کو اور آپ کی قوم کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے؛ لہٰذا آپ محتاط رہیے گا اور ہرگز اس سے کلام کیجیے گا نہ اس کی باتوں پر کان دھریے گا۔

حضرت طفیل کا بیان ہے: اللہ کی قسم! وہ محمد کے خلاف مسلسل میرے کان بھرتے رہے؛ حتی کہ میں نے پختہ عزم کر لیا کہ محمد کی کوئی بات میرے کانوں سے ٹکرانے نہ پائے۔ پھر میں بیت اللہ شریف میں پہنچا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ میں بھی آپ کے نزدیک ہی ایک جگہ کھڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے نہ چاہنے کے باوجود آپ کا کچھ کلام مجھے بھی سنا دیا۔

یہ کلام واقعی مجھے بہت عمدہ اور شان دار لگا۔ میں نے دل میں کہا: طفیل! تمھیں کیا ہو گیا، اللہ کی قسم! تم ایک قبیلے کے سردار ہو۔ سمجھ دار انسان ہو، کوئی بچہ یا بے وقوف تو نہیں ہو۔ تم ایک

چالاک اور ہوشیار شاعر ہو۔تم اچھے برے کلام کی تمیز کا مادہ بھی رکھتے ہو،تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس آدمی کی بات نہ سنو؟ کوئی اچھی بات بتلائے گا تو قبول کر لینا اور اگر کوئی نامناسب بات ہوئی تو چھوڑ دینا۔

میں بیٹھا ہی تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چلتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کی: اے محمد! آپ کی قوم نے آپ کے متعلق مجھ سے یہ اور یہ باتیں کہی ہیں، اللہ کی قسم! ان لوگوں نے آپ کے خلاف میرے کان اس قدر بھر دیے کہ میں نے آپ کی بات سنائی دینے کے ڈر سے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی؛ مگر اللہ تعالیٰ نے میرے نہ چاہنے کے باوجود آپ کے کلام کا کچھ حصہ مجھے سنا ہی دیا۔ میں نے آپ کا کلام بہت ہی اچھا پایا؛ اس لیے اب آپ مجھے اپنی بات سنائیں۔

حضرت طفیل کہتے ہیں: اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سامنے اسلام کی دعوت احسن انداز میں پیش کی، اور قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی۔ اللہ کی قسم! میں نے اس سے اچھا کلام کہیں اور نہیں سنا تھا، اور نہ اس سے بہتر تعلیم مجھے کسی نے دی تھی۔ میں فوراً کلمہ شہادت پڑھ کر دین اسلام میں داخل ہو گیا، اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ میری قوم کے لوگ میری بات سنتے ہیں۔ ابھی میں ان کے پاس جاؤں گا اور انھیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ اس لیے آپ میرے لیے کسی نشانی کی اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں جو میری قوم کے اسلام میں داخل ہونے اور میری دعوت قبول کیے جانے میں معاون ثابت ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بات سن کر یہ دعا فرمائی:

اللّٰھم اجعل لـه آیـة .

اے اللہ! اس کے لیے کوئی نشانی عطا کر دے۔

پھر میں اپنی قوم کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میری قوم کے لوگ مجھے نظر آنے لگے تو یکا یک میری آنکھوں میں چراغ کے مانند ایک روشنی سی پیدا ہو گئی۔ میں نے کہا: اے اللہ! یہ روشنی میری آنکھ کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل فرما دے؛ کیوں کہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ دیکھ کر کہیں میری قوم کے لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ چونکہ میں نے اپنا دین ترک کر دیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بطور سزا

میری آنکھ میں یہ عیب لگا دیا ہے۔ یہ دعا کرتے ہی روشنی میری آنکھ سے منتقل ہوکر میرے کوڑے کے اوپری حصے میں آ گئی۔ اب لوگ وہ روشنی میرے کوڑے کے اوپری حصے میں دیکھنے لگے جیسے وہ کوئی لٹکتی ہوئی روشن قندیل ہو۔ جب میں اپنی قوم کے پاس پہنچا تو میرے والدِ محترم جو ضعیف العمر تھے، میرے پاس تشریف لائے، میں نے ان سے کہا: ابا جان! آپ مجھ سے الگ ہی رہیں؛ کیوں اب میرا اور آپ کا رشتہ نہیں رہا۔

میرے والد نے پوچھا: آخر کیوں میرے بیٹے؟!۔ میں نے بتایا: میں دین اسلام میں داخل ہوکر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں میں میں شامل ہو چکا ہوں۔

میرے والد نے کہا: بیٹے! میرا دین بھی وہی ہے جو تیرا دین ہے۔ پھر انھوں نے کلمۂ شہادت پڑھا :

أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحدهٗ لا شريك لهٗ ، وأشهد أن محمَّداً عبدهٗ ورسولهٗ .

اور اس کے ساتھ ہی دین اسلام میں داخل ہو گئے۔

اتنے میں میری بیوی بھی آ گئی، میں نے اس سے بھی وہی کچھ کہا جو اپنے والد سے کہا تھا؛ چنانچہ وہ بھی دین اسلام میں داخل ہوگئی۔ پھر میں اپنی قوم کے لوگوں کے پاس گیا اور انھیں اسلام کی دعوت دی؛ مگر وہ ٹال مٹول کرنے اور مجھ سے منہ پھیرنے لگے۔ میں فوراً مکہ مکرمہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کی: اللہ کے رسول! قبیلہ دوس کے لوگ میرے اور پر لہو ولعب کے ذریعہ سے غالب آ گئے اور میری دعوت قبول کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگے ہیں؛ اس لیے آپ ان کے خلاف بد دعا کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری گفتگو سن کر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور قبلہ رخ ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا: اب دوس ہلاک ہو گئے، برباد ہو گئے، ان کی تباہی آ گئی؛ مگر آپ نے یہ دعا فرمائی :

اللّٰهم اهدِ دوساً، اللّٰهم اهدِ دوساً، اللّٰهم اهدِ دوساً .

اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔ اے اللہ! دوس کو راہِ راست پر لے آ۔ اے

اللہ دوس کو سیدھے راستے پر گامزن کر۔

پھر آپ نے مجھ سے فرمایا :

ارجع إلی قومک فادعهم إلی اللّٰه تعالیٰ وارفق بهم .

یعنی اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔

چنانچہ جب میں نے واپس آ کر ان کو نرمی سے تبلیغ کی تو قبیلہ کے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔

گدڑی پوش مجاہد

یہ سن ۱۴ ہجری کی بات ہے۔ ایرانی سپہ سالار کی قیادت میں بیاسی ہزار کا فر فوجیں تھیں۔ جب کہ مجاہدین اسلام کی تعداد سات آٹھ ہزار تھی۔ جب یہ اِسلام کے جاں باز سپاہی ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایرانی سرحد پر قادسیہ کے مقام پر جمع ہوئے تو رستم نے مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس یہ کہہ کر اپنا ایلچی بھیجا کہ تم فوجیوں میں سے کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر میرے پاس بھیجو تا کہ اس سے تبادلۂ خیال کروں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس کے جواب میں ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا جو تیس سال کے کڑیل نوجوان تھے اور فقرائے صحابہ میں سے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: جاؤ اور اپنی وضع قطع میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہ کرنا؛ کیوں کہ ہم ایسی قوم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت وشان بخشی ہے۔ اگر ہم نے اسلام کو چھوڑ کر کسی اور ذریعہ سے عزت وشان طلب کی تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل ورسوا کر دے گا۔

حضرت ربعی بن عامر اپنے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی نصیحت سن کر اپنے دبلے پتلے اور لاغر گھوڑے پر سوار ہوئے اور پھٹا پرانا کپڑا پہنے ہوئے ہاتھ میں چھوٹا سا نیزہ لے کر روانہ ہو گئے۔

جب رستم کو خبر پہنچی کہ مسلمانوں کا نمائندہ اس کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہے تو اس

نے اپنے اِردگرد حکماو وزرا اور فوجیوں کو اکٹھا کیا۔ وہ تمام کے تمام صف بندی کر کے تیار ہو گئے تا کہ ان کی یہ ہیئت دیکھ کر مسلمان نمائندہ مرعوب ہو جائے اور اچھی طرح گفتگو نہ کر سکے۔ علاوہ ازیں مسلم نمائندے کی آمد کی خبر سن کر رستم نے اپنی مجلس کو سونے کے تاروں سے کڑھے ہوئے تکیوں اور ریشم کی مسندوں سے سجایا اور قیمتی یاقوت وجواہرات سے مزین تاج پہنے ہوئے سونے کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔

جب ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو رستم نے اپنے فوجیوں اور وزیروں کو انھیں اندر لانے کا حکم دیا۔ حضرت ربعی بن عامر بوسیدہ کپڑوں میں اپنے چھوٹے سے گھوڑے پر سوار ہی داخل ہوئے اور ریشم کی مسندوں کے کناروں کو اپنے گھوڑے کے سموں سے روندتے ہوئے آگے بڑھے، آپ کے جسم پر ہتھیار، زرہ اور خود تھا۔

سپاہیوں نے کہا اپنے ہتھیار اُتار دو۔ ربعی بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا :

إني لم آتكم، وإنما جئتكم حين دعوتموني، فإن تركتموني هٰكذا، وإلا رجعت .

یعنی میں خود سے بغیر بلائے تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ تمہاری دعوت پر یہاں آیا ہوں؛ لہٰذا اگر تم نے مجھے اس حال میں چھوڑا تو ٹھیک؛ ورنہ واپس جاتا ہوں۔

یہ سن کر رستم نے اپنے سپاہیوں سے کہا: اس کو ایسے ہی آنے دو۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ مسندوں کے اوپر اپنے نیزے پر ٹیک لگاتے ہوئے اور اکثر مسندوں کو نیزوں کی اَنی سے پھاڑتے ہوئے داخل ہوئے؛ تا کہ رستم اور اس کے سپاہیوں کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ یہ دنیا اِنتہائی حقیر وذلیل چیز ہے، اللہ کی نظر میں اس کی کوئی قیمت نہیں، اور اس کی حقارت ورزالت کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ناز ونعم اپنے ایک کافر بندے کے حوالے کر دیے ہیں۔

اِدھر مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ زمین پر بغیر کسی بچھونے کے سو جاتے تھے۔ خیر! جب حضرت ربعی بن عامر رستم کے سامنے کھڑے ہوئے تو اس نے کہا: بیٹھ جاؤ۔ ابن عامر نے کہا: میں تیرے پاس مہمان بن کر نہیں آیا کہ بیٹھوں

بلکہ ایک نمائندے کی حیثیت سے آیا ہوں۔ تمہیں جو بات کرنی ہے کرو۔ رستم نے ترجمان کی وساطت سے کہنا شروع کیا :

اے اہل عرب! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ قسم میرے معبود کی! تم لوگوں سے زیادہ ذلیل وخوار قوم ہم نے کہیں اور نہیں دیکھی۔ رومیوں کی اپنی ایک تہذیب ہے، اہل فارس کی اپنی ایک تہذیب ہے، یونان کی اپنی ایک تہذیب ہے، ہندوستانیوں کی اپنی ایک تہذیب ہے؛ مگر تم اہل عرب جھگڑالو اور ضدی لوگ ہو، بکریوں اور اونٹوں کو ریگستان میں دوڑانے والے ہو، آخر تم لوگ کس نیت سے ہماری سرحد میں آئے ہو؟۔

ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں اے بادشاہ! ہم ویسے ہی تھے جیسا کہ تم نے بیان کیا بلکہ ہم اس سے بھی گئے گزرے تھے۔ ہم جاہل وگنوار تھے، بتوں کی عبادت کرتے تھے، بکریوں کو پانی پلانے پر جھگڑتے، اپنے قریبی عزیز کو معمولی بات پر قتل کر دیتے، ہمیں کسی نظام اور دستور کا کچھ علم تھا اور نہ ہی ہمارے پاس تہذیب وتمدن نام کی کوئی چیز تھی۔ یہ کہہ کر ربعی بن عامر نے اپنے سر کو تھوڑا سا جھٹکا دیا اور پھر رستم کی طرف مخاطب ہوئے۔ ان کی آواز بلند ہو گئی تھی اور وہ کہہ رہے تھے :

ولكن الله ابتعثنا لنخرج العباد من عبادة العباد إلى عبادة رب العباد، ومن ضيق الدنيا إلى سعة الآخرة، ومن جور الأديان إلى عدل الإسلام .

لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لے جائیں۔ دنیا کی تنگی وپریشانی سے نکال کر آخرت کی وسعت وفراوانی کی طرف لے جائیں، اور مختلف مذاہب کے ظلم وجور سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لے جائیں۔

یہ سننا تھا کہ رستم غصے میں آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا :

والله! لاتخرج حتىٰ تحمل ترابا من بساطي .

یعنی اللہ کی قسم! تم اس وقت تک واپس نہیں جاسکتے جب تک کہ اپنے سر پر میری

سرزمین کی مٹی اُٹھا کر نہ لے جاؤ۔

رستم نے حکم دیا کہ ان کے سر پر مٹی کا ٹوکرا رکھ دیا جائے۔ کسریٰ کے غلام نے حکم کی تعمیل میں مٹی کا ٹوکرا اُن کے سر پر رکھ دیا جسے لے کر وہ تیزی سے مسلمانوں کے کیمپ میں واپس ہوئے۔

سعد بن ابی وقاص بے تابی سے ان کے منتظر تھے، دیکھا کہ ربعی کے سر پر مٹی کا ٹوکرا ہے۔ تو پوچھا یہ کیا ہے؟۔ عرض کیا: آپ کو فتح مبارک ہو۔ دشمن نے اپنی سرزمین کی مٹی لڑائی سے پہلے ہی آپ کے حوالے کر دی ہے۔ مسلمانوں نے ربعی بن عامر کو دیکھا تو بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ خیمے گونج اُٹھے، آواز بلند ہوئی: یہ مٹی کا ٹوکرا فتح کی نشانی ہے۔

اگلا دن مسلمانوں کے لیے فتح ونصرت کا دن تھا۔ سورج کی شعاعیں کفر کی ظلمت کو مٹانے کے لیے روشن ہوئیں۔ مسلمانوں کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص مجاہدین کی صف اوّل میں نکلے۔ پھر مجاہدین اسلام اور دشمنانِ اسلام آمنے سامنے ہوئے اور دونوں میں جنگ شروع ہوگئی۔

تین دن تک گھمسان کا رن پڑا۔ اس مدت میں ضلالت وگمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ایرانی فوجیوں کے سروں کو جو کلمہ 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کی پہچان سے خالی تھے مجاہدین اسلام کچلتے رہے، اور کفار کے سروں کو اُڑاتے رہے؛ یہاں تک کہ دشمنانِ اسلام شکست فاش سے دوچار ہوگئے۔ وہ مسلمانوں کی تلواروں کی جھنکار اور ان کے خنجروں کی چمک کی تاب نہ لا سکے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو تاریخ ساز فتح نصیب ہوئی۔

چوتھے روز سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایوانِ کسریٰ میں داخل ہوئے جس نے ایک ہزار سال تک لوگوں پر حکمرانی کی تھی۔ جب حضرت سعد نے کسریٰ کے محل میں سونے سے ملمع سازی کا کام دیکھا اور وہاں ہیرے جواہرات، قیمتی پتھر اور موتیوں کے نقش ونگار دیکھے تو اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر بے اختیار رونے لگے اور قرآن کریم کی ان آیات کی تلاوت کرنے لگے :

كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ، وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ، وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ، كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْماً آخَرِينَ، فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاء وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ o (سورۂ دخان: ۴۴/ ۲۵ تا ۲۹)

وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور زراعتیں اور عالی شان عمارتیں۔ اور

نعمتیں (اور راحتیں) جن میں وہ عیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہوا، اور ہم نے اِن سب کا دوسرے لوگوں کو وارث بنا دیا۔ پھر نہ (تو) ان پر آسمان اور زمین روئے اور نہ ہی انہیں مہلت دی۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کا تیارہ کردہ جوان

براء بن مالک بن نصر انصاری رضی اللہ عنہ (م۲۳ھ) جرأت مند اور بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ جلیل القدر صحابی جنگ یمامہ میں بھی شامل تھے۔ دورانِ جنگ مسلمانوں پر انتہائی مشکل وقت آن پڑا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہنے لگے: براء! اُٹھو اور اپنا کردار اَدا کرو۔ یہ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد کہا: اے اہل مدینہ! آج مدینہ کا خیال چھوڑ کر صرف ایک اللہ اور جنت کو سامنے رکھو۔ پھر انھوں نے لوگوں کے ساتھ مل کر ایسا بھر پور حملہ کیا کہ اہل یمامہ کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

اس دن براء بن مالک کا سامنا ایک نہایت طاقت ور شخص کے ساتھ ہوا۔ جسے یمامہ کا گدھا کہا جاتا تھا۔ براء بن مالک نے اس کے پاؤں پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ منہ کے بل جا گرا۔ حضرت براء بن مالک نے اسی کی تلوار نکال کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر مسلمانوں نے ان پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ اہل یمامہ کو اس باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا جس میں مسیلمہ کذاب چھپا بیٹھا تھا۔ اہل یمامہ نے باغ کے اندر گھس کر دروازہ بند کر دیا۔ اب مسلمانوں اور مرتدین کے درمیان ایک اونچی فصیل اور مضبوط دروازہ حائل تھا۔

براء بن مالک کے ذہن میں اس وقت ایک ایسا اچھوتا خیال آیا جو اُن جیسا جنت کا مشتاق ہی سوچ سکتا تھا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: آپ لوگ مجھے باغ کے اندر پھینک دیں۔ میں دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ان کے ساتھیوں نے ان کی خواہش کو عملی جامہ

(۱) الکامل فی التاریخ: ۱/۱۳/۴۱۳...... تاریخ الرسل والملوک: ۲/۲۶۸...... تاریخ ابن خلدون: ۲/۹۵...... البدایۃ والنہایۃ: ۷/۳۹...... لتاریخ طبری: ۲/۴۰۱۔

پہنا دیا۔ ذرا تصور کریں اتنا بڑا لشکر جس میں ہزاروں لوگ شامل ہیں۔ ایک شخص اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر تن تنہا ان سے برسرِ پیکار ہوجاتا ہے۔ ایک انتہائی خوں ریز معرکے کے بعد وہ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے جسم پر تیروں، تلواروں، نیزوں اور لاٹھیوں کے اسّی سے زیادہ زخم تھے۔

انھیں ان کی اقامت گاہ پر لایا گیا۔ ایک مہینہ تک ان کا علاج ہوتا رہا۔ خالد بن ولید خود ان کے علاج کی نگرانی کرتے رہے۔ ایک مہینے بعد وہ صحت یاب ہو کر دوبارہ میدانِ جنگ میں اپنے جوہر دکھانے کے لیے تیار تھے۔

اہل فارس کے خلاف 'تستر' کے میدان میں بھی مسلمانوں پر ایک کڑا وقت آ گیا۔ مسلمان براء بن مالک کے پاس آئے اور کہا: حلف اُٹھا کر اللہ سے کوئی درخواست کرو۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کی درخواست ضرور قبول ہوگی۔

حضرت براء بن مالک کہنے لگے: اے اللہ! جب ہم کفار کے لشکر کو کچل لیں تو مجھے اپنے پاس بلا لینا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے براء بن مالک کے ساتھ مل کر ایک بھرپور حملہ کیا۔ جس سے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پھر مسلمانوں نے انھیں سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور انھیں مسلسل روندتے چلے گئے۔

براء بن ملک اہل فارس کے بڑے بڑے سورماؤں کو قتل کیا۔ مسلمانوں کو ایک فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ براء بن مالک کہیں نظر نہیں آ رہے۔ پھر زخمیوں اور شہدا میں انھیں تلاش کرنا شروع کیا۔ آخر کار ایک جگہ شہدا میں ان کا جسد خاکی مل گیا۔

خالد بن ولید کے لشکر میں براء بن مالک جیسے جری مجاہد تھے جنھوں نے تاریخ کا رخ ہی موڑ دیا۔ انھوں نے وقت کی دو بڑی قوتوں سے بیک وقت ٹکرا کر دونوں کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیار کردہ لوگ عجائباتِ عالم میں تھے۔ تاریخ انسانیت میں ان جیسے لوگ کہیں نظر نہیں آتے۔(۱)

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۴۷...... ابو بکر صدیق، شخصیتہ وعصرہ، دکتور علی محمد صلابی: ۱۱۲/۴۔

آنکھ بھی اور جنت بھی

حضرت قتادہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ (م۲۳ھ) جو کہ عرب کے مشہور تیر انداز تھے۔ انھیں غزواتِ بدر واُحد میں شریک ہونے کا شرف حاصل تھا۔ غزوۂ اُحد میں تیر لگ جانے کی وجہ سے ان کی آنکھ ان کے رخسار پر بہہ پڑی۔ وہ اپنی آنکھ کو ہاتھ میں تھامے ہوئے پیارے آقا رحمت سراپا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے قتادہ! یہ کیا ہے؟۔

عرض کیا: یارسول اللہ! یہ وہی ہے جو نگاہِ نبوت دیکھ رہی ہے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم چاہو تو صبر کرو، اور اس کے عوض تمہارے لیے جنت ہوگی۔ اور چاہو تو میں یہ آنکھ تمہیں لوٹا دوں، اور تمہارے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کردوں تو تم اس میں کسی کمی کو نہ پاؤ گے۔

عرض کیا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم! بے شک جنت بہت بڑی جزا وعطا ہے؛ مگر میں اپنی بیویوں سے بھی محبت کرتا ہوں اور مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے یہ کہہ کر ٹھکرا نہ دیں کہ 'یہ نابینا ہے'۔ اس لیے میری خواہش یہ ہے کہ آپ مجھے یہ آنکھ بھی لوٹا دیں اور اللہ سے میرے لیے جنت کا سوال بھی کردیں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت علیہ السلام نے فرمایا: اے قتادہ! میں ایسا ہی کروں گا۔ پھر محسن کائنات طبیب انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ آنکھ اپنے دست مبارک میں پکڑی اور اسے اس کی جگہ پر لگا دیا تو وہ پہلے سے زیادہ بینا اور خوبصورت ہوگئی۔ نیز ان کے لیے اللہ کی بارگاہ میں جنت کی دعائے خاص بھی فرمادی۔(۱)

جب حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت میں اُن کے پاس حاضر ہوئے تو حضرت عمر نے اُن سے پوچھا: اے جوان! تم کون ہو؟۔ تو انھوں نے اپنا تعارف اس شعر سے کرایا۔

(۱) احیاء علوم الدین مترجم: ۲۶۲/۳۔

أنا ابن الذي سالت على الخد عينه

فرُدت بكف المصطفىٰ أحسن الرد

فعادت كما كانت بأحسن حالها

فيا حسن ما عين و يا حسن ما رد

یعنی میں اس ہستی کا فرزند ہوں جن کی آنکھ رخسار پر بہہ گئی تو دستِ مصطفیٰ علیہ السلام نے اسے بہترین انداز سے اس کے مقام پر لوٹا دیا۔

سو وہ آنکھ پہلے سے کہیں زیادہ اچھی حالت میں آ گئی۔ لہٰذا یہ آنکھ اور آنکھ لوٹانے والے کیا ہی خوب تھے!۔

ان کا یہ منظوم تعارف سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: وسیلہ کے ذریعہ ہم تک پہنچنے والوں کو چاہیے کہ انہی جیسے لوگوں کے وسیلہ سے آیا کریں۔(۱)

خوفِ خدا ہو تو ایسا

حضرت یحییٰ بن ایوب خزاعی سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (م۲۴ھ) کے زمانہ میں ایک پرہیزگار جوان تھا، وہ مسجد میں گوشہ نشین رہتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ اپنی اس خصلت کی وجہ سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کا تارا تھا۔

اس جوان کا بوڑھا باپ تاہنوز زندہ تھا اور وہ شخص عشا کے بعد اپنے بوڑھے باپ سے ملنے روزانہ جایا کرتا تھا۔ راستہ میں ایک عورت کا مکان تھا، وہ اس جوان پر فریفتہ ہو گئی اور بہکانے لگی، روزانہ دروازے پر کھڑی رہتی اور جوان کو دیکھ کر بہکایا کرتی۔

ایک رات اس شخص کا گزر ہوا تو اس عورت نے بہکانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ شخص اس کے پیچھے ہو گیا، جب وہ اس عورت کے دروازے پر پہنچا تو پہلے عورت اپنے مکان میں داخل ہو

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:۳/۳۳۸ بحوالہ: بحر الدموع ابن الجوزی مترجم:۴/۸...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۸/۲۵۴۔

گئی پھر یہ شخص بھی داخل ہونے لگا، اچانک اس نے اللہ تعالی کو یاد کیا اور یہ آیت اس کی زبان سے بے ساختہ جاری ہوگئی :

اِنَّ الَّـذِيْـنَ اتَّـقَـوا اِذَا مَسَّهُـمْ طَـائِفٌ مِـنَ الشَّيْـطَـانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ o (سورۂ اعراف:۷/۲۰۱)

بے شک جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جب انہیں شیطان چھوتا ہے وہ چونک جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اور پھر وہ غش کھا کر وہیں دروازے پر گر پڑا۔ اندر سے عورت آئی، یہ دیکھ کر کہ جوان اس کے دروازے پر بے ہوش پڑا ہے، اس کو اپنے اوپر الزام آنے کا اندیشہ ہوا؛ چنانچہ اس نے اپنی ایک لونڈی کی مدد سے اس جوان مرد کو وہاں سے اٹھا کر اس کے دروازے پر ڈال دیا۔

ادھر بوڑھا باپ اپنے لڑکے کی آمد کا منتظر تھا، جب بہت دیر تک وہ نہ آیا تو اس کی تلاش میں گھر سے نکلا، دیکھا کہ دروازے پر بے ہوش پڑا ہے۔ بوڑھے نے اپنے گھر والوں کو بلایا تو وہ اس کو اٹھا کر اپنے گھر کے اندر لے گئے۔

رات کو وہ جوان ہوش میں آیا۔ باپ نے پوچھا بیٹا! تجھے کیا ہو گیا ہے؟۔

اس نے جواب دیا، میں خیریت سے ہوں۔ باپ نے واقعہ کی حقیقت دریافت کی تو اس نے پورا واقعہ بیان کر دیا، پھر باپ نے پوچھا وہ کون سی آیت تھی جو تو نے پڑھی تھی؟۔

یہ سن کر بیٹے نے مذکورہ بالا آیت پڑھ کر سنا دی اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا، اس کو ہلایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ مر چکا ہے، چنانچہ رات ہی کو دفن کر دیا گیا۔

جب صبح ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے انتقال کی خبر ملی تو مرحوم کے بوڑھے باپ کے پاس تعزیت کے لیے گئے، تعزیت کے بعد شکایت کی کہ مجھے خبر کیوں نہ دی۔ اس نے کہا: امیر المومنین! رات ہونے کی وجہ سے اطلاع نہ دے سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا مجھے اس کی قبر پر لے چلو؛ چنانچہ قبر پر جا کر آپ نے فرمایا :

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ o (سورۂ رحمٰن:۵۵/۴۶)

اور جو شخص اپنے رب کے حضور (پیشی کے لیے) کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

فوراً اس نوجوان کی قبر سے ایک غیبی آواز آئی۔ اے عمر فاروق! اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے وہ دونوں عطا فرما دی ہیں، نیز اس کی رضا وخوشنودی ان پر مستزاد ہے۔(۱)

اور شراب، سرکہ بن گئی

امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شہر شفاعت نگر مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے، آپ کی نگاہ ایک نوجوان پر پڑ گئی جو اپنے کپڑوں کے نیچے شراب کی بوتل چھپائے چلا آ رہا تھا۔ حضرت عمر فاروق کو دیکھ کر وہ ڈر گیا، مارے خوف کے کانپنے لگا اور کیوں نہ ہو کہ حضرت فاروق اعظم کو دیکھ کر شیطان بھی ڈرتا ہے۔ وہ تو پھر نوجوان تھا، ایک انسان تھا!۔ آپ نے اس سے پوچھا: اے نوجوان! اس بوتل میں کیا لیے جا رہے ہو؟۔

نوجوان بہت شرمندہ ہوا کہ میں کیسے کہوں کہ اس بوتل میں شراب ہے۔ چنانچہ نوجوان نے دل ہی دل میں اِخلاصِ قلب کے ساتھ یہ دعا مانگی کہ اے پروردگار! مجھے حضرت سیدنا عمر فاروق کے روبرو شرمندہ و رُسوا ہونے سے بچالے اور میری پردہ پوشی فرمالے، میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی شراب نہ پیوں گا۔

یہ دعا مانگنے کے بعد نوجوان نے حضرت عمر فاروق سے عرض کیا کہ امیر المومنین! یہ سرکہ ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے دِکھاؤ۔ چنانچہ جب آپ نے اس بوتل کو دیکھا تو تو وہ واقعی اس میں سرکہ تھا۔(۲)

یہ حکایت نقل کرنے کے بعد حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: اے انسان! ذرا غور کر کہ ایک بندہ، بندے کے ڈر سے خلوصِ دل سے تائب ہوا تو اللہ پاک نے اس کی شراب

(۱) الزواجر عن اقتراف الکبائر: ۱/۵۳۔

(۲) مکاشفۃ القلوب امام غزالی: ۷۶۔

کوسرکہ میں تبدیل کردیا، تو اسی طرح اگر کوئی گنہ گار اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوکر اپنے مالک ومولا کے حضور رجوع لائے اور سچی توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی نافرمانیوں کی شراب کو طاعت وفرماں برداری کے سرکے میں تبدیل فرمادے گا۔

بات ایک عارف کی

ایک شخص کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دروازہ لازم پکڑ لیا تھا۔ رات دن وہاں پڑا رہتا۔ ایک روز اس نے سنا کہ کوئی شخص اس سے کہہ رہا تھا کہ اے شخص! تو نے حضرت عمر بن خطاب کی طرف ہجرت کی ہے یا اللہ کی طرف؟، یہاں سے اُٹھ اور قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کر۔ قرآن' تجھے عمر کے دروازے سے بے نیاز کردے گا۔ وہ شخص یہ سن کر غائب ہوگیا۔

حضرت عمر نے اسے ڈھونڈا تو معلوم ہوا کہ وہ گوشہ نشین ہوگیا ہے اور عبادت میں مشغول ہے۔ حضرت عمر اس کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ میں تجھے دیکھنے کا متمنی تھا، آخر تجھے کس چیز نے ہم نے غافل کردیا؟۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین! قرآن کریم کی تلاوت نے مجھے عمر اور آلِ عمر سے بے نیاز کردیا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ تو نے قرآن میں کیا پایا؟۔ اس نے عرض کیا کہ قرآن میں میں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی ہے :

وَ فِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوعَدُونَ o (سورۂ ذاریات:۲۲/۵۱)

اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔

یہ آیت پڑھ کر میں نے یقین کرلیا کہ میرا رزق تو آسمان میں ہے اور میں اسے زمین میں تلاش کررہا ہوں۔ حضرت عمر فاروق نے جب اس کی یہ عارفانہ بات سنی تو آپ کی آنکھیں زار وقطار بہنے لگیں اور آپ نے فرمایا: اے شخص! تو نے بالکل سچ کہا ہے۔ اس واقعے کے بعد حضرت عمر اس کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور کچھ دیر اس کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔(۱)

(۱) احیاء علوم الدین:۳/۳۶۷.....قوت القلوب:۱/۳۸۳۔

غیرتِ اسلامی کا حسین مظاہرہ

مشہور محدث امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: دونوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک دوسرے سے بھائی چارگی کی فضا پر قائم تھے، کہ اچانک کسی غزوہ میں جاتے وقت اُس انصاری صحابی نے اپنے چچازاد بھائی کو اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کا ذمہ دار بنایا۔ایک رات چچازاد اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے گھر گیا تو دیکھا کہ بتی جل رہی ہے اور خوشبو کی مہک ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔آگے بڑھ کر دیکھا تو بستر پر ایک (یہودی) شخص تکیہ سے ٹیک لگائے یوں گا رہا تھا ۔

و ازعب غره الاسلام منی ☆ خلوت بعر سه بدر التمام
ابیت علی ترائبها و یغدو ☆ علی جرداء لاحقة الحزام
کان مجامع الربلات منها ☆ فئام ینتمن الی فئام

یعنی اشعث اِسلام کی وجہ سے مجھ سے غافل ہو گیا، میں اس کی چودھویں شب کے ماہ تمام جیسی بیوی سے خلوت کرتا ہوں۔ میں اس کے وسط سینہ پر رات گذارتا ہوں۔ وہ (اشعث) تنگ راستوں میں بے بال گھوڑے پر صبح کرتا ہے۔اس (اشعث کی بیوی) کی رانوں کی جڑوں میں ایسی سلوٹیں ہیں کہ گویا لوگوں کی ایک قطار سے مل گئی۔

چچازاد بھائی نے جب یہ سنا تو اُس کے ہوش اڑ گئے، فوراً اندر گیا اور نہ صرف اس (یہودی) شخص کو بہیمانہ طریقے پر قتل کر دیا، بلکہ اس کو کھینچ کر راستے میں ڈال دیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع کسی طرح ہوگئی تو آپ منبر پر چڑھے، خطاب کیا اور فرمایا کہ حال ہی میں کسی شخص نے کسی کو قتل کیا ہے، اگر وہ یہاں موجود ہو تو کھڑا ہو جائے۔

چچازاد کھڑا ہو گیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اللہ اُس کو تباہ کرے، بتاؤ ہوا کیا تھا؟، تو چچازاد نے سارا واقعہ سنایا اور وہ شعر بھی سنائے۔حضرت عمر نے فرمایا: کیا واقعی تم ہی نے اس کو ٹھکانے لگایا ہے؟۔اس نے کہا: ہاں اے امیر المومنین۔آپ نے فرمایا: اللہ اس کو غارت کرے، اور پھر اس کے خون کو باطل قرار دیا۔(یعنی اس پر کوئی قصاص یا دیت واجب نہیں کی)۔(۱)

(۱) اَخبار النساء، عیون الاخبار، ج۴، ص۱۱۶، الحدائق الغناء فی اخبار النساء، ص۳۴۲، ۳۴۳۔

یوسف علیہ السلام کی شبیہ

حضرت حصین بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے خبر ملی ہے کہ اہلِ مدینہ میں ایک خوبرو نوجوان تمام نمازوں میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتا تھا، جس سے آپ کو ایک قلبی لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی یہ غائب ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے بارے میں بطورِ خاص پوچھ گچھ کیا کرتے تھے۔

اور اِدھر ایک عورت اس خوش شکل اور پاک طینت لڑکے کو دل دے بیٹھی، اور ہزار جان سے اس پر فریفتہ ہو گئی۔ اس نے اپنی کنیزوں سے اس بات کا ذکر کیا کہ میرا دل فلاں لڑکے پر آ گیا ہے تو اب اس کی کیا سبیل بنے گی؟۔

اس کی بے قراری کو دیکھتے ہوئے ایک عورت نے اپنے ذمہ لے لیا کہ میں کسی طرح اس کو تیرے پاس پہنچا دوں گی، پھر یہ حیلہ باز عورت راستے میں بیٹھ گئی، جب لڑکا راستے سے گزرنے لگا تو اس نے لڑکے کو کہا: اے بیٹا! میں بڑی عمر والی خاتون ہوں اور میری ایک بکری ہے، میں اس کا دودھ دوہ نہیں سکتی تو تو میرے ساتھ چل کر اس کا دودھ نکال دے۔

اس زمانے میں لوگ ایک دوسرے کے ہمدرد و غم خوار ہوا کرتے تھے؛ لہٰذا یہ لڑکا بھی فوراً راضی ہو گیا۔ اندر گیا تو کوئی بکری نظر نہ آئی۔ عورت نے کہا کہ میں بکری لیے آتی ہوں تم یہاں بیٹھو۔ اَب بکری کیا آتی، ذرا سی دیر میں وہ دوسری لڑکی آ گئی، اور آتے ہی اس نے لڑکے کو مائل کرنا شروع کر دیا۔

لڑکے کو جب صورتِ حال کا علم ہوا تو اُس نے سختی سے اِنکار کر دیا، اور کہا: اے لڑکی! اللہ سے ڈر؛ لیکن اُس پر تو شہوت غالب تھی، اس لیے اس نے اس کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور صرف اپنی بات منوانے پر تلی ہوئی تھی، بالآخر جب کوئی سبیل پیدا ہوتی نظر نہ آئی تو لڑکی نے چیخ مارنی شروع کر دی۔

لوگ بھاگے دوڑے آئے کہ گھر کے اندر کیا ہو گیا ہے؟۔ اَب اس لڑکی کو کوئی بات سمجھ میں

نہیں آئی تو وہ الزام پر اُتر آئی اور کہنے لگی: یہ مجھ پر زیادتی کرنا چاہتا تھا، میں کیسی مشکل سے اپنا دامن بچاسکی ہوں!۔

اِتنا سننا تھا کہ لوگ اُس پر ٹوٹ پڑے، جی بھر کے مارا، بالآخر اسے رسیوں میں جکڑ دیا۔ جب صبح کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو لڑکے کو نہ پا کر پوچھ گچھ کی، ابھی آپ دریافت ہی فرمارہے تھے کہ وہی لوگ لڑکے کو بندھا ہوا لے آئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! اس نوجوان کے بارے میں میرے اچھے گمان کو جھوٹا نہ فرمانا۔ پھر اُس کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟۔ وہ بے قصور نوجوان کہنے لگا کہ امیر المومنین! اَمرواقعہ یہ ہے کہ ایک عورت نے رات کی تاریکی میں مجھے اپنی مدد کے لیے آواز دی، اور میں اُس کی فریادرسی کو چلا گیا۔

لوگوں نے کہا: امیر المومنین! یہ جھوٹ بول رہا ہے، بلکہ جس وقت ہم پہنچے تو یہ لڑکا اس کے پاس موجود تھا، اور عورت کی شہادت کے مطابق یہ اس کے ساتھ برائی کا اِرادہ رکھتا تھا، ہم نے اس عورت کی فریادرسی کرتے ہوئے اس کو مارا اور پھر باندھ کر آپ کی بارگاہ میں لے آئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس لڑکے سے فرمایا: بیٹا! سچ بتاؤ؛ تاکہ فیصلہ اسی روشنی میں کیا جائے۔ اَب لڑکے نے اصل حقیقت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کردی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُس سے پوچھا: کیا تم بڑھیا کو پہچان لوگے؟، کہا ہاں۔ پھر آپ نے اس گھر کی تمام عورتوں کو بلایا اور لڑکے کے سامنے سے گزروایا، جب وہی بڑھیا سامنے آئی تو لڑکے نے پہچان لی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس پر کوڑا اٹھا لیا اور کہا: سچ سچ بتا؛ ورنہ خیر نہیں ہے۔ بڑھیا نے کچھ پس وپیش کے بعد سارا کچھ صحیح صحیح سنادیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمام تعریفیں اُسی اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمارے اندر یوسف کی شبیہ بنادی۔(۱)

(۱) روضۃ المحبین: ۴۶۲...... الحدائق الغناء فی اخبار النساء مترجم: ۳۶۰، ۳۶۱۔

اپنی اہلیہ کے ساتھ بدگمانی

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک نوجوان شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا: اے امیر المومنین! میں کوئی دوسال اپنی بیوی سے دور رہا، جب واپس آیا تو کیا دیکھ رہا ہوں کہ وہ اُمید سے ہے۔ باہم مشورے سے یہ طے ہوا کہ اس عورت کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

حضرت معاذ بن جبل کو جب معلوم ہوا تو آپ نے کہا: اے امیر المومنین! غلطی اس عورت نے کی ہے؛ لہٰذا اُسے سنگسار فرمائیں؛ مگر شکم مادر میں پڑے اس بچے کا کیا قصور ہے! میری گزارش یہ ہے کہ آپ بچہ جننے تک اسے مہلت دیں۔

چنانچہ اس نے ایک بچے کو جنم دیا جس کے سامنے کے دونوں دانت نکل آئے تھے۔ اس آدمی نے جب بچے کو غور سے دیکھا تو کہا کہ یہ تو مجھ سے کافی حد تک مشابہت رکھتا ہے، تو وہ کہنے لگا: قسم بخدا! یہ میرا بیٹا ہے۔

اس کا قضیہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورتیں اب معاذ جیسا بچہ جننے سے قاصر ہوگئیں۔ اے معاذ! اگر آج تم نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا!۔(۱)

چار شہیدوں کی ماں

جنگ قادسیہ اسلام کی ایک عظیم الشان جنگ ہے جو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لڑی گئی تھی۔ اس جنگ میں حضرت سیدتنا خنساء رضی اللہ عنہا اپنے چار نوجوان شہزادوں سمیت شریک ہوئی تھیں۔ حضرت خنساء نے جنگ سے ایک روز قبل اپنے چاروں شہزادوں کو اس طرح نصیحت فرمائی :

(۱) تفسیر قرطبی: ۲۸۸/۹۔

میرے پیارے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے اور اپنی ہی خوشی سے تم نے ہجرت کی۔

اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ میں نے تمہارے نسب کو خراب نہیں کیا۔

تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے مقابلہ کرنے میں مجاہدین کے لیے عظیم الشان ثواب رکھا ہے۔

یاد رکھو! آخرت کی باقی رہنے والی زندگی دنیا کی فنا ہونے والی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ سنو سنو! قرآن کریم میں اللہ جل مجدہ فرماتا ہے :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۂ آل عمران: ۳/۲۰۰)

اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اس اُمید پر کہ کامیاب ہو۔

صبح کو بڑی ہوشیاری کے ساتھ جنگ میں شرکت کرو اور دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے آگے بڑھو، اور جب تم دیکھو کہ لڑائی زور پر آ گئی اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے ہیں تو اس شعلہ زن آگ میں کود جانا، کافروں کے سردار کا مقابلہ کرنا، ان شاء اللہ عزت و اِکرام کے ساتھ جنت میں رہو گے۔

جنگ میں حضرت سیدتنا خنساء کے چاروں شہزادوں نے بڑھ چڑھ کر کفار کا مقابلہ کیا اور یکے بعد دیگرے جامِ شہادت نوش کر گئے۔ جب ان کی والدۂ محترمہ کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو انھوں نے بجائے واویلا مچانے کے کہا: اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے چار شہید بیٹوں کی ماں بننے کا شرف عطا فرمایا۔ مجھے اللہ عزوجل کی رحمت سے اُمید ہے کہ میں بھی ان چاروں شہیدوں کے ساتھ جنت میں رہوں گی۔(۱)

(۱) أسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ: ۷/۱۰۰، ۱۰۱۔

امیر المومنین کی فراستِ مؤمنانہ

مدینہ کے اندر ایک نوجوان تھا، بلا کا حسین، دوشیزائیں اس کے حسن بے پناہ پر لٹو تھیں۔ جس وقت اس خوش رنگ اور فولاد بدن نوجوان کو دربارِ خلافت میں پیش کیا گیا تو حاضرین مجلس اس کے دلکش گورے بدن کا غور سے مشاہدہ کرنے لگے۔ اس جواں سال کا قدرے بڑا سر، خوبصورت چوڑی پیشانی، اور اس پر لٹکے ہوئے خم دار سیاہ بال، ہلکی باریک بھویں، دراز پلکیں، سرمگیں آنکھیں، خوش نما رخسار، نازک ہونٹ اور اولوں جیسے شفاف دندان اور خوشنما دبلا پیٹ اور چوڑا سینہ اور چاند سے بڑھ کر چہرہ دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔

اسے دیکھ کر امیر المومنین عمر فاروق کو یقین آ گیا کہ واقعتاً یہی وہ نوجوان ہے جس کا جمال مقناطیس کی طرح راہ چلتی خواتین اور گھر بیٹھی دوشیزاؤں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے، اور وہ رات کی تاریکیوں میں جذبات سے مغلوب ہو کر اس کے حسن کے گیت گا رہی ہیں۔ آپ نے خواتین کو اس کے دل ربا حسن کے فتنے سے بچانے کے لیے اس کا سر مونڈنے کا حکم دے دیا۔

اس بے چارے کو بارگاہِ خلافت کا حکم ٹالنے کا یارا نہ تھا؛ اس لیے یہ حجام کے آگے بیٹھ گیا اور اپنا سر منڈانے لگا، جب وہ سر منڈوا چکا تو اس کی پیشانی یوں نمودار ہوئی کہ گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہو، اور وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت نظر آنے لگا۔ یہ دیکھ کر آپ نے دوسرا حکم جاری کیا کہ اس کے سر پر عمامہ پہنایا جائے۔ چنانچہ وہ عمامہ پہن کر مزید خوبصورت نظر آنے لگا۔ جب وہ مسجد نبوی میں نماز اَدا کرنے کے لیے جاتا تو راہ چلتی خواتین کی نگاہیں اس کی سرمگیں آنکھوں پر مرکوز ہونے لگیں اور وہ اسے گلی کوچوں میں دیکھ کر مبہوت رہ جاتیں۔

یہ دیکھ کر امیر المومنین نے حکم دیا کہ اے نوجوان! تم اس شہر میں نہ رہو، اور بصرہ چلے جاؤ۔ اس نے وجہ پوچھی تو آپ نے صرف اتنا ہی جواب دیا کہ یہ میرا حکم ہے، اور مزید کچھ نہ بتایا۔ اس بے چارے نے بارگاہِ خلافت کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا؛ لیکن اسے سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا گیا۔

جب اس نے امیر المومنین کے کسی ہم نشین سے اس کارروائی کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ معاملہ دراصل یہ ہے کہ گذشتہ رات جب دار الخلافہ کی رعایا میٹھی میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہی تھی تو امیر المومنین حسب معمول دار الخلافہ کی گلی کوچوں کا گشت کر رہے تھے کہ نصف شب کے قریب ایک دروازے پر سے ان کا گذر ہوا تو ان کے کانوں میں ایک خاتون کی آواز پڑی جو بڑی پرسوز آواز سے شعروں میں اپنی آرزو کا اظہار کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی ۔

هـل من سبيلٍ إلى خمرٍ فأشربها	وهل من سبيل إلى نصربن الحجاج
إلى فـتى مـاجد الأعراق مقتبل	سهل المحيا كريم غير ملجاج
سـامي المـواطن من بهزٍ له نهل	تضئ صـورته للحالک الداج

یعنی بھلا کوئی صورت بن سکتی ہے کہ میں شراب پی سکوں اور بھلا کوئی راہ نکل سکتی ہے کہ میں نصر بن حجاج کے پاس پہنچ جاؤں۔

اس نوجوان کے پاس پہنچ جاؤں جو شریف النسل ہے، نوخیز ہے، خوبرو ہے، عزت دار ہے اور ضدی بھی نہیں ہے۔

وہ بلند مجلسوں والا ہے، ہمسروں کو واپس دھکیل دینے والے قبیلے سے ہے، قابل دید جوانی میں قدم رکھ چکا ہے، اس کا چاند کا سا مکھڑا تاریک رات کو جگمگا دیتا ہے۔

جوں ہی آپ کے کانوں میں یہ اَشعار پڑے تو فرمایا: اچھا! میرے ہاں اس شہر میں ایسا نوجوان بھی ہے جس کے حسن و جمال کا تذکرہ نوجوان خواتین اپنے پردوں میں بھی کر رہی ہیں۔ تو انھوں نے فوراً حکم دیا کہ اس نوجوان کو میرے سامنے لاؤ۔ تو ان کے حکم سے تم کو یہاں لایا گیا تھا۔ پھر جب حاضرین نے تمہارے سرو جیسے قد اور مضبوط کاٹھ اور خوبصورت چہرے کو دیکھا تو مان گئے کہ واقعی یہ ایسا نوجوان ہے کہ اگر اس کی خوبصورتی کو مصنوعی طریقے سے کم نہ کیا گیا تو خواتین کے بہک جانے کا خطرہ ہے۔

چنانچہ انھوں نے اپنے خیال میں تمہاری خوبصورتی کم کرنی چاہی تو تم پہلے سے بھی بڑھ کر خوبصورت نظر آنے لگے، اور انھیں حساس رپورٹیں ملنے لگیں اور وہ سوچنے لگے کہ اگر اس پاکیزہ

دل نوجوان کو یہاں رہنے دیا گیا تو یہ کسی دن کسی کے تیرِ نگاہ کا شکار ہوجائے گا؛ اس لیے انھوں نے آپ کو بصرہ بھیجنے اور وہاں بسانے کا پروگرام بنایا ہے؛ لہٰذا اللہ کا نام لیجیے اور رختِ سفر باندھ لیجیے۔ امیر المومنین آپ کو بصرہ بھیجنے کا عزمِ مصمم کر چکے ہیں، اور وہ اس اِرادے سے ٹلنے والے نہیں۔

حضرت حجاج سلمی کا یہ خوبصورت اور حسین وشکیل بیٹا (نصر بن حجاج) اپنی بیوہ ماں کا بڑا خدمت گار اور اس کی آنکھوں کا تارا تھا یہ جب کبھی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا اس کی آنکھوں میں جہاں اندھیرا ہوجاتا اور کھانا پینا بھول جاتی اور اس کے متعلق موہوم خطرات میں گھر جاتی اور جوں ہی یہ اس کے سامنے آجاتا اس کے لیے جہاں روشن ہوجاتا، اسے مدینہ چھوڑ کر بصرہ میں جا بسنا گوارا تو نہ تھا لیکن امیر المومنین کے حکم کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، اس بے چارے نے اپنا دل مضبوط کر کے امیر المومنین سے پوچھا بھی کہ امیر المومنین میرے خوبصورت ہونے اور خواتین کے میری طرف دیکھنے میں میرے کسی طرح کے قول وفعل کا دخل ہو تو بتایئے لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا :

'اے نوجوان! یہ میرا انتظامی حکم ہے جو حتمی ہے'۔

امیر المومنین نے بصرہ کے گورنر کو اسے بصرہ میں گھر مہیا کرنے اور گذر بسر کے لیے جاگیر الاٹ کرنے کا حکم دے دیا تھا؛ چنانچہ اس نوجوان نے اپنی پیاری والدہ کو اللہ اور پھر اپنے بھائیوں کے سپرد کیا اور خود اونٹ پر سوار ہو کر طویل وعریض صحراؤں اور بلند وبالا پہاڑوں کے دروں کو عبور کرنے لگا، اور کئی دنوں کی صعوبت سفر برداشت کرنے کے بعد بصرہ پہنچ گیا۔

ادھر جب اس شادی شدہ خاتون کو امیر المومنین کے اس اقدام کو علم ہوا تو وہ اپنے انجام سے ڈر گئی کہ کہیں اب میری باری نہ آجائے تو اس نے چپکے سے درج ذیل اشعار لکھ کر کسی کے ہاتھوں آپ کی طرف بھجوا دیے۔

قــل للإمام الذي تخشى بوادره مالي وللخمر أو نصر بن الحجاج

إني مـنيب أبـــا حفص بغيرهما شرب الحليب وطرفٍ فاترٍ ساج

ما منية لم أرب فيها بضائرة　　والناس من صادقٍ فيها ومن داج

تجعل الظن حقا أو تيقنه　　ان السبيل سبيل الخائف الراج

یعنی اس امیر المومنین سے گزارش کر دیجیے جس کے ناگہانی غصہ کے تصور سے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے کہ میرا شراب نوشی یا نصر بن حجاج سلمی سے کوئی واسطہ نہیں۔

میں ابوحفص (عمر فاروق) سے معافی مانگتی ہوں اور انھیں بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے نصر بن حجاج اور شراب کے بدلے تازہ دودھ اور نیچے دیکھنے والی آنکھ میسر ہے؛ اس لیے مجھے شراب پینے اور نصر بن حجاج کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

میرے عشق کو دوزخ کے خوف نے لگام دے رکھی ہے اور اب وہ اس لگام پر مطمئن و پرسکون ہو گیا ہے۔

جس اُمنگ اور آرزو کو پورا کرنے کا اہتمام نہ کیا گیا ہو اسے جرم قرار نہیں دیا جاسکتا اور پھر لوگ اپنی تمناؤں میں سچے بھی ہوتے ہیں اور سیاہ کار بھی۔

لہٰذا آپ غیر یقینی بات کو یقینی بات کا درجہ نہ دیں؛ کیوں کہ گناہ کی معافی مانگنے والے کی راہ ہی صحیح راہ ہے۔

جب امیر المومنین نے یہ اشعار ملاحظہ کیے تو رو دیے اور فرمایا: سب تعریفوں کے لائق اللہ مالک الملک کی ذات ہے جس کے خوف نے اس خاتون کو ناجائز طریقے سے اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے سے روک رکھا ہے۔

نصر بن حجاج سلمی کے بصرہ میں رہایش پذیر ہونے کے بعد اس کی والدہ اس کی جدائی کے غم میں نڈھال ہو گئی؛ کیوں کہ اس کے اس اطاعت شعار بیٹے نے اسے ضروریاتِ زندگی سے مالا مال کر رکھا تھا اور اپنے والد حجاج کی وفات کے بعد اسے کسی چیز کی کمی نہ آنے دی تھی۔ اب اسے کمی تھی تو صرف اپنے لختِ جگر کے دیدار کی کمی تھی جو کسی جرم کے بغیر ہی مدینہ بدر کر دیا گیا تھا، وہ بڑھاپے میں مدینہ منورہ کو چھوڑنا بھی نہ چاہتی تھی اور نہ ہی اس میں بیٹے کو بزورِ بازو واپس لانے کی ہمت تھی۔

البتہ ایک دن اس نے جرأت کر کے امیر المومنین کو مسجد جاتے ہوئے راستے میں جالیا اور کہا: اے امیر المومنین! میں روزِ قیامت اللہ کے سامنے دوزانو ہو کر آپ کے ساتھ جھگڑوں گا، آپ تو اپنے عاصم اور عبد اللہ کے درمیان سوتے ہیں جب کہ میرے اور میرے نورِ نظر کے درمیان وسیع وعریض صحرا اور سنگلاخ کوہستان موجود ہیں۔

امیر المومنین نے فرمایا: اے نصر بن حجاج کی ماں! نوجوان پردہ نشین خواتین اپنے پردوں میں عاصم اور عبد اللہ کے گیت نہیں گاتیں (جب کہ انھوں نے تیرے صاحب زادے کے حسن وجمال کے گیت اپنے پردوں میں بھی گانے شروع کردیے ہیں)۔ یہ سن کر وہ بوڑھی خاتون صبر کے گھونٹ پیتی ہوئی واپس مڑ گئی اور امیر المومنین نماز پڑھانے میں مشغول ہوگئے۔

اس عرصے میں نصر بن حجاج سلمی کو بوڑھی والدہ اور مدینہ منورہ کے ساتھیوں کی یاد ستانے لگی؛ چنانچہ اس نے امیر المومنین سے مدینہ منورہ میں حاضری کی اجازت طلب کرنے کا پروگرام بنایا، اور اپنی درخواست کو اشعار کی صورت میں لکھنا شروع کردیا۔

اتفاق سے ان دنوں حضرت عتبہ بن غزوان امیر المومنین کا کوئی پیغام لے کر بصرہ تشریف لے آئے اور وہ اپنا کام مکمل کر کے واپس مدینہ روانہ ہونے لگے، تو ان کے منادی نے آواز لگائی کہ جو کوئی مدینہ منورہ ڈاک بھیجنا چاہے وہ جلد از جلد اپنی ڈاک ہمارے حوالے کردے۔

نصر بن حجاج نے اس موقع کو غنیمت جان کر اپنی درخواست لفافے میں بند کر کے ان کے حوالے کردی۔ چند دنوں بعد وہ ڈاک مدینہ منورہ پہنچ گئی۔ جب امیر المومنین نے اپنی ڈاک کھولی تو اس میں سلامِ مسنون کے بعد بے قصور جلاوطن نصر بن حجاج کے درج ذیل اشعار نظر پڑے۔

لعمری لئن سیرتنی وحرمتی — فما نِلت من عرضي علیک حرام

ومـــا لي ذنب غير ظن ظننته — وفي تصديق بعض الظنون آثام

أن غنتِ الـــذلفاء ليلاً بِمنية — و بعـــض أمانِي النساءِ غرام

ظننت لي الأمر الذی ليس بعده — بقـــاء فما لی فی الندیِ کلام

فأصبحت منفيا علی غير ريبة — وقـــد کان لی بالمکتين مقام

و يمنعني ممـــا تقول تكرمي وآبـــاء صِدقٍ سالفون كرام

ويمنعها مما ظننت صـــلاتها وفضــل لها في قومها وصِيام

فهاتان حالانا فهل أنت راجعي و قــد جُبَّ منا غارب و سنام

یعنی اے امیر المومنین! آپ نے مجھے بے توقیر کر کے مدینہ منورہ اور دوستوں میں رہنے سے محروم کر دیا ہے، ایسا کرنا آپ کے لیے جائز نہ تھا۔

میرے متعلق آپ کا تصور محض گمان ہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ میں بے قصور ہوں اور بعض گمانوں کی تصدیق کرنا بھی گناہ ہے۔

محض اس بنا پر کہ ستواں ناک والی ایک شب اپنی آرزو کا اظہار کر بیٹھی؛ حالانکہ عورتوں کی بعض خواہشات محض تاوان تصور کی جاتی ہیں۔

آپ نے میرے متعلق ایسی بات متصور کر لی جس کے بعد میں کسی مجلس میں بات کرنے کے قابل نہ رہا۔

اور میں بغیر کسی تہمت کے جلاوطن کر دیا گیا حالانکہ میرا حرمین میں قیام ہوا کرتا تھا۔

اور مجھے میرا مرتبہ ومقام اس کی آرزو کی تکمیل کرنے سے روکتا ہے، اور پھر میرے بزرگ کس قدر سچے عزت دار تھے۔

اور اسے اس کی نماز اور روزہ اور قومی شرافت بری آرزو کی تکمیل سے روکتی ہے۔

ہماری یہ دونوں حالتیں ہمارے کسی طرح کے ممکنہ ارتکابِ گناہ میں حائل ہیں تو کیا آپ مجھے لوٹنے کی اجازت دیتے ہیں؟۔

امیر المومنین نے یہ پڑھ کر فرمایا کہ میری اِمارت میں تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ امیر المومنین پر اللہ رحم فرمائے، آپ اپنے خیال اور تصور میں بالکل سچے تھے کہ یہ نوجوان بھی کسی نہ کسی دن کسی نیلم پری کی زلف گرہ گیر کا شکار ہوسکتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ نوجوان مستقل طور پر بصرہ میں رہنے لگا تو اس نے شہر کے عامل (ڈپٹی کمشنر) مجاشع بن مسعود سلمی کے دفتر میں آنا جانا شروع کر دیا۔

اس نے اسے اپنی برادری کا برخوردار سمجھ کر اپنے گھر لے جانا شروع کر دیا؛ چنانچہ یہ کچھ عرصہ تک ان کے ساتھ اس کے گھر میں جاتا اور ان کے ساتھ واپس آ جاتا۔ اسی دوران ان کی بیوی خضیراء جو اپنے دور کی خوبصورت عورت تھی، اس خوبصورت نوجوان پر نظر رکھنے لگی، اور اس پر انتہا درجے کی نوازشیں کرنے لگی، جس کی وجہ سے اس کا دل بھی پگھل گیا اور اس نے اسے زبان سے کچھ کہنے کی بجائے زمین پر لکھ دیا کہ مجھے تجھ سے اس قدر محبت ہے کہ اگر وہ تیرے اوپر ہو تو وہ تجھ پر سایہ فگن ہو، اگر نیچے ہو تو تجھے ہتھیلیوں پر اُٹھا لے۔

یہ تحریر پڑھ کر نوجوان خاتون بے ساختہ پکار اُٹھی کہ میں بھی اللہ کی قسم۔ نوجوان خاتون کے یہ الفاظ اس کے شوہر نے سن لیے، تو اس نے اس سے پوچھا: تیرے (میں بھی اللہ کی قسم) کہنے کا کیا مطلب؟ اس نے کہا کہ نصر نے ہماری اونٹنی کو دیکھ کر اِشارۃً کہا ہے کہ یہ اونٹنی کس قدر خوبصورت ہے!۔

مجاشع نے کہا کہ تیرا یہ کہنا کہ (اللہ کی قسم میں بھی) اس بات کا جواب نہیں ہے، مجھے سچ سچ بتا کہ تو نے ایسا کیوں کہا؟۔ اس نے کہا: سچ پوچھتے ہو تو وہ یہ ہے کہ اس نے کہا ہے کہ تمہارا گھر کتنا خوبصورت ہے۔ مجاشع نے کہ یہ بات بھی غلط ہے۔ تیرا کلام دراصل کسی بات کا جواب ہے اور تو مجھے جان بوجھ کر وہ بات نہیں بتا رہی۔

اسی دوران اس کی نگاہ زمین پر لکھی ہوئی عبارت پر پڑی تو اس کے دل میں خیال آیا کہ شاید میری بیوی کے الفاظ اس تحریر کا جواب ہی ہوں۔ اس نے اس تحریر پر ایک بڑا سا مٹی کا برتن الٹا کر کے رکھوا دیا اور نصر کے جانے کے بعد اسے اپنے سیکریٹری سے پڑھوایا تو پتا چل گیا کہ خضیراء کا کلام دراصل اسی بات کا جواب ہے۔

جب نصر بن حجاج کو اپنے اس معاملے کے اِفشا ہونے کا علم ہوا تو وہ مارے شرم کے زمین میں گڑ گیا، اور اسے اپنی اس حرکت پر اتنا افسوس ہوا کہ اسے بستر سے اُٹھنے کا یارا نہ رہا، اور لاغر ہو کر چوزے ہو گیا۔ جب مجاشع بن مسعود کو اس کی حالت کا پتا چلا تو اس نے اپنی بیوی خضیراء سے کہا کہ اب جا اور میرے بیمار برخوردار کو اپنے سینے کے سہارے بیٹھا کر اپنے ہاتھ سے کھانا

کھلا، شاید کہ اسی طرح ہی اس کی صحت بحال ہوجائے۔

خضیراء نے یہ مطالبہ پورا کرنے سے جواب دے دیا؛ لیکن مجاشع بطورِ شوہر ہونے کے بھی اس بات کا اصرار کیا تو وہ مان گئی اور اسے کھانا کھلا کر واپس آگئی۔ بعدازاں مجاشع نے حضرت ابوموسیٰ اشعری گورنر کوفہ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انھوں نے کہا، بس اسی وجہ سے تو امیر المومنین نے اسے مدینہ منورہ سے بصرہ بھجوایا تھا۔

چنانچہ انھوں نے نصر بن حجاج کو بصرہ سے فارس بھجوادیا جہاں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی گورنر تھے۔ نصر یہاں سے کوچ کر کے فارس کے کسی قصبہ میں آباد ہوگیا۔ اسے ابھی وہاں آباد ہوئے کوئی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ گاؤں کے سردار کی بیوی اس پر مٹنے لگی، اور اسے چوری چھپے ملنے کے بھیجنے لگی، جب اس بات کا علم گورنر فارس کو ہوا تو انھوں نے نصر بن حجاج سلمی کو اپنے ہاں بلایا، اور اس نئے قضیے پر اپنی تشویش سے آگاہ کیا، اور ساتھ ہی اسے یہاں سے چلے جانے کا مشورہ دے دیا۔

اس نے کہا کہ اگر میں ارضِ اسلام میں کسی جگہ بھی نہیں رہ سکتا اور آپ لوگ مجھے کہیں بھی سکون سے ٹھہرنے نہیں دیتے تو میں کہاں جاؤں!۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کیا تو میں مشرکوں کی سرزمین میں رہنے پر مجبور ہوجاؤں گا؛ ورنہ میرا کوئی قصور بتایا جائے۔

جب حضرت عثمان نے یہ صورت حال امیر المومنین کو لکھ بھیجی تو انھوں نے نصر بن حجاج کو وہاں سے جلاوطن کرنے سے منع کردیا اور حکم دیا کہ اسے گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر میں آنے جانے تک محدود کردیا جائے، اور اسے زیادہ عرصہ مسجد میں گزارنے دیا جائے؛ تاکہ نہ یہ باہر نکلے اور نہ ہی کوئی فتنہ کھڑا ہو۔

چنانچہ یہ نوجوان خلافت فاروقی تک فارس ہی میں جلاوطن رہا، اور اس دور میں اس کی کڑی نگرانی ہوتی رہی۔ جب امیر المومنین شہید ہوئے اور اس کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہونا شروع ہوگئے تو یہ واپس مدینہ چلا آیا، اور آزادی سے ایمان اور تقویٰ کی زندگی بسر کرنے لگا۔(۱)

(۱) الوافی بالوفیات: ۳۲۱/۷...... طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۲۰۱/۱...... تاریخ المدینۃ المنورۃ: ۷۶۳/۲۔

ایک گردن زدنی بدو کی ضمانت!

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجلس میں جلوہ افروز تھے۔ اتنے میں دو نوجوان ایک دیہاتی آدمی کو پکڑے ہوئے لائے اور آپ کے سامنے اسے کھڑا کر دیا۔

امیر المومنین نے پوچھا: بات کیا ہے؟۔

نوجوانوں نے عرض کی: اے امیر المومنین! اس نے ہمارے والد کو ناحق قتل کیا ہے۔

امیر المومنین نے پوچھا: تو نے ان کے باپ کو کس طرح قتل کیا ہے؟۔

دیہاتی نے جواب دیا: دراصل وہ اپنا اونٹ لے کر میری زمین میں داخل ہو گیا، میں نے اسے داخل ہونے سے منع کیا لیکن اس نے ماننے سے انکار کر دیا؛ چنانچہ میں نے اس کو پتھر دے مارا۔ پتھر اس کے سر پر ایسا لگا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیہاتی کی گفتگو سنی اور فرمایا: قصاص، قصاص!! (یعنی خون کا بدلہ خون!!)۔

کوئی قرار نامہ نہیں لکھا گیا بلکہ یہ فیصلہ ایسا تھا جس میں کسی مناقشے کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت عمر نے اس دیہاتی کے خاندان کی بابت نہیں پوچھا کہ وہ کس قبیلے کا ہے؟ کیا وہ کسی معزز قبیلے سے تعلق رکھتا ہے؟ کیا اس کا خاندان مضبوط اور طاقت ور ہے؟ سوسائٹی میں اس کی کیا پوزیشن ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سب چیزوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور نہ اس سلسلے میں انھیں کوئی فکر دامن گیر ہوئی؛ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں کسی کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے، اور نہ شرعی حساب وکتاب میں کسی سے کوئی نرمی برتتے تھے۔

دیہاتی نے عرض کی: اے امیر المومنین! میں آپ سے اس ذات کا واسطہ دے کر گزارش کرتا ہوں جس کے سبب آسمان وزمین قائم ہیں کہ آپ مجھے صرف ایک رات کے لیے چھوڑ دیں تاکہ میں گاؤں جا کر اپنی بیوی اور بال بچوں سے ملاقات کر آؤں، اور انھیں اس بات سے آگاہ کر دوں کہ عنقریب میں قتل کیا جانے والا ہوں۔

اس بات سے آگاہ کر کے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے بعد میرے سوا میرے بال بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی اور نہیں ہے!۔

امیر المومنین نے فرمایا: تو گاؤں جانے کے بعد میرے پاس لوٹ کر آئے گا، اس بات کی ضمانت کون دے گا؟۔

امیر المومنین کی بات سن کر لوگوں کا مجمع خاموش ہو گیا؛ کیوں کہ کوئی بھی آدمی اس دیہاتی کا نام تک نہیں جانتا تھا، اور نہ کسی کو اس کے گھر یا خاندان کا پتا تھا، پھر ایسی صورت میں بھلا کون اس کی واپسی کی ضمانت دے سکتا تھا؟، اور وہ ضمانت بھی ویسی نہیں تھی کہ دس بیس دینار یا اونٹ گھوڑا یا جائداد و زمین دے کر سبکدوش ہوا جا سکے؛ بلکہ یہ گردن کی ضمانت تھی کہ اگر وہ دیہاتی واپس آ گیا تو خیر؛ ورنہ تلوار سے ضامن کی گردن اُڑا دی جائے گی۔

شریعت اِسلامیہ کے قانون کی تنفیذ رُکوانے کے لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے کون آ سکتا تھا؟ کون ان کے سامنے حدودِ الٰہیہ میں سفارش کی جرأت کر سکتا تھا؟ کس کے بس کا روگ تھا کہ وہ خطاب کے بیٹے کے سامنے واسطہ بن سکے؟۔

غرض سارے صحابہ کرام خاموش تھے۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ امیر المومنین بھی بڑے متفکر و متاثر تھے، وہ ایک مشکل گرداب میں پھنس چکے تھے کہ اب کیا کریں؟، آیا اس اعرابی کو قتل کر دیں اور اس کے بال بچے گاؤں میں بھوک سے مر جائیں یا اسے گھر جانے کی اِجازت دے دیں اور وہ کسی کی ضمانت دیے بغیر چلا جائے اور اگر واپس نہ آئے تو پھر مقتول کا قصاص یوں ہی رہ جائے!!۔

سارا مجمع خاموش تھا۔ امیر المومنین نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکائے رکھا، اور پھر مقتول کے دونوں نوجوان بیٹوں سے فرمایا :

أ تعفوان عنه ؟ .

کیا تم دونوں اس قاتل اعرابی کا جرم معاف کر سکتے ہو؟۔

نوجوانوں نے عرض کی: بالکل نہیں، اپنے باپ کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچائے بغیر ہم نہیں چھوڑ سکتے، اے امیر المومنین!۔

امیر المومنین نے مجمع کو ایک بار پھر مخاطب کرکے فرمایا: اے لوگو! ہے کوئی جو مجھے اس اعرابی کی ضمانت دے سکے؟۔ مجمع میں سے ایک آواز آئی: ہاں اے امیر المومنین! میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔

یہ ایک بزرگ وتقویٰ شعار کی آواز تھی، یہ جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ امیر المومنین نے فرمایا: یہ قتل کی ضمانت ہے، قتل کی!۔

ابوذر غفاری نے عرض کی: خواہ قتل ہی کی ضمانت کیوں نہ ہو!!۔

امیر المومنین نے پوچھا: کیا آپ اس دیہاتی کو پہلے سے جانتے ہیں؟۔

ابوذر غفاری نے کہا: نہیں، میری اس سے پہلے کوئی شناسائی نہیں۔

امیر المومنین نے فرمایا: پھر کس بنیاد پر آپ اس شخص کی ضمانت دے رہے ہیں؟۔

ابوذر غفاری نے عرض کی: میں نے اس کے اندر مومنوں کے آثار دیکھے ہیں؛ اس لیے میں نے بھانپ لیا کہ یہ جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔ ان شاء اللہ یہ ضرور واپس آجائے گا۔

امیر المومنین نے فرمایا: اے ابوذر! کیا آپ اس گمان میں مبتلا ہیں کہ اگر اس اعرابی نے آنے میں تین دنوں سے زیادہ تاخیر کردی تو میں آپ کو چھوڑ دوں گا اور آپ کی جاں بخشی ہو جائے گی؟۔ ابوذر غفاری نے عرض کی: اے امیر المومنین! اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب نے اس دیہاتی کو تین دن کی رخصت دے دی کہ وہ ان ایام کے دوران جاکر اپنی بیوی بچوں سے آخری کلمات کہہ آئے اور ہوسکے تو کسی کو ان کا کفیل بنادے۔ امیر المومنین کی اِجازت پاکر دیہاتی اپنے گھر کو چلا گیا۔

تیسرے دن جب دیہاتی نہ پہنچ سکا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں عصر کے وقت ''الصلوٰۃ جامعۃ'' کا اعلان کروادیا۔ قصاص طلب کرنے والے دونوں نوجوان حاضر ہوئے اور لوگوں کا اِزدحام ہوگیا۔ حضرت ابوذر غفاری بھی تشریف لائے اور آکر حضرت عمر فاروق کے سامنے بیٹھ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: دیہاتی کدھر ہے؟۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے معلوم نہیں اے امیر المومنین!۔

حضرت ابوذر غفاری سورج کو دیکھ رہے تھے جو تیزی کے ساتھ ڈھل رہا تھا۔ صحابہ کرام خاموشی کے ساتھ حیران و ششدر سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے جن کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ تھا۔

یہ بھی سچ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری امیر المومنین کے دل میں بستے تھے؛ لیکن یہاں مسئلہ شریعت کا تھا، یہ دستورِ الٰہی کا معاملہ تھا، یہ قوانین الٰہیہ کا مسئلہ تھا جن سے کھلواڑ نہیں کیا جاسکتا اور نہ انھیں لوگوں کے مراتب کے اعتبار سے تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ کہیں شرعی قوانین کا چہرہ مسخ نہ ہوجائے۔ نیز ظروف و حالات سے تجاوز کر کے حد نافذ نہیں کی جاسکتی اور نہ ایک آدمی کی جگہ دوسرے کا خون کیا جاسکتا ہے۔

آفتاب، غروب ہونے کے لیے ڈھل چکا تھا، غروب سے تھوڑا پہلے سورج کی سرخی نظر آنے لگی تھی اور چند ہی لمحوں میں وہ پوری طرح غروب ہونے والا تھا کہ یکا یک وہ اعرابی نمودار ہوا۔

حضرت عمر فاروق نے اسے دیکھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ ان کے ساتھ مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور پھر وہ اعرابی تیز قدموں سے چلتے ہوئے لوگوں کے مجمع میں پہنچ گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

أيها الرجل أما إنك لو بقيت في باديتك ما شعرنا بك وما عرفنا مكانك .

یعنی اے آدمی! اگر تو اپنے گاؤں ہی میں رک جاتا تو ہم تجھے نہیں جان سکتے تھے، اور نہ تیرے گھر کا پتا چل پاتا۔

دیہاتی نے جواباً عرض کیا :

واللّٰه ما عليَّ منك ولكن عليَّ من الذي يعلم السر وأخفىٰ .

یعنی اللہ کی قسم! میرے اوپر آپ کا کوئی زور نہیں ہے؛ لیکن مجھے اس ذات کا خوف ہے جو تمام رازوں اور پوشیدہ سے پوشیدہ باتوں کا بھی علم رکھتا ہے!۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق نے مقتول کے دونوں نوجوان بیٹوں سے فرمایا: اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟۔

نوجوانوں نے روتے ہوئے عرض کی :

اے امیر المومنین! اس دیہاتی کی صداقت کی وجہ سے ہم اس کو معاف کررہے ہیں۔

امیر المومنین نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور خوشی کے آنسو اُن کی داڑھی مبارک کو تر کرتے ہوئے نیچے گر رہے تھے۔(۱)

(اے نوجوانو! تمہارے عفو ودرگزر پر اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔

اے ابوذر غفاری! اللہ آپ کو اُس شخص کی مصیبت میں مدد کرنے پر جزائے خیر دے۔

اور اے شخص! اللہ تجھے اس وفائے عہد وصداقت پر جزائے خیر دے۔

اور اے امیر المومنین! اللہ آپ کو آپ کے عدل ورحم دلی پر جزائے خیر دے۔

یکے از محدثین فرماتے ہیں کہ اللہ کی عزت کی قسم! ایسا لگتا ہے کہ اسلام اور ایمان کی سعادتیں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کفن کے ساتھ ہی دفن ہوگئیں ہیں)۔

ایک بستی میں دعوتِ حق کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ (م۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ ایک بستی کے لوگ معصیت کی زندگی بسر کررہے تھے، صرف چار اللہ کے نیک بندے ایسے تھے جنھیں یہ زندگی ناپسند تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ بستی کے لوگ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

ان چاروں میں سے ایک شخص دعوت وتبلیغ کا عزم لے کر اُٹھا، بستی کے لوگوں کے پاس پہنچا اور انھیں بتلایا کہ تم فلاں فلاں برائیوں میں مبتلا ہو۔ لوگوں کو اس کی باتیں بڑی گراں گزریں اور انھوں نے اس کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کردیا۔

داعی نے انھیں برا بھلا کہا، اور ڈرایا دھمکایا؛ مگر وہ نہ مانے اور جوابی کاروائی کرتے رہے،

(۱) اعلام الناس بماوقع للبرامکۃ: ۱/۱تا۳۔

نوبت جنگ تک جا پہنچی۔ لڑائی ہوئی، ظاہر ہے دشمن کے اَفراد زیادہ تھے، انھیں فتح ہوئی اور وہ شخص دل شکستہ واپس آیا اور ان سے علاحدگی اختیار کر لی اور باری تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی: اے اللہ! میں نے انھیں منع کیا؛ مگر وہ باز نہیں آئے۔ میں نے انھیں برا کہا، انھوں نے جواب میں مجھے برا کہا۔ میں نے ان سے جنگ کی وہ غالب آئے اور میں نے ہزیمت اُٹھائی۔

اس کے بعد دوسرا شخص چلا، اور لوگوں کے پاس حق کی روشنی لے کر پہنچا۔ انھیں معاصی سے روکنا چاہا؛ لیکن انھوں نے اطاعت سے انکار کر دیا۔ اس نے انھیں سخت سست کہا، جواب میں انھوں نے بھی سخت سست کہا۔ یہ شخص واپس چلا آیا اور خدائے تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! میں نے انھیں منع کیا، انھوں نے اطاعت نہیں کی، میں نے انھیں برا کہا، انھوں نے مجھے برا کہا۔ اگر میں ان سے قتال کرتا تو وہ غالب آ جاتے؛ اس لیے میں واپس چلا آیا۔

اب تیسرا شخص اُٹھا اور اپنے پیش رووٴں کے عزم و ہمت کی روشنی میں حق کا پیغام لے کر بستی کے لوگوں کے پاس پہنچا، انھیں بتلایا کہ تم معصیت میں مبتلا ہو، یہ راستہ چھوڑ دو، حق کی طرف آ جاوٴ؛ لیکن انھوں نے یہ پیغام قبول کرنے سے انکار کر دیا، وہ شخص انھیں ان کے حال پر چھوڑ کر واپس آ گیا، اور جنابِ باری میں عرض کیا کہ اے اللہ! میں نے انھیں منع کیا وہ نہ مانے۔ اگر میں انھیں برا کہتا وہ مجھے برا کہتے، اور اگر میں ان سے قتال کرتا تو وہ مجھ پر غلبہ پا جاتے۔

اب چوتھے شخص نے اِرادہ کیا؛ لیکن چند قدم چل کر واپس آ گیا اور عرض کیا کہ اے اللہ! اگر میں انھیں منع کرتا تو وہ میری بات نہ مانتے۔ میں انھیں برا کہتا وہ مجھے برا کہتے، میں ان سے جنگ کرتا وہ مجھے شکست دے دیتے۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود نے اِرشاد فرمایا کہ اوّل شخص کا درجہ زیادہ بلند ہے۔ اور ان چاروں میں سب سے کم درجہ اس آخری شخص کا ہے جس نے اِرادہ تو کیا تاہم بستی کے لوگوں کا طرزِ عمل دیکھ کر اس کی ہمت جواب دے گئی؛ لیکن اے لوگو! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں تو اب اس جیسے لوگ بھی بہت کم ہیں!۔(۱)

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۳۱۰۔

ایک گلوکار جب عالم ربانی بنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن مضافاتِ کوفہ سے گزر رہے تھے۔ ان کا گزر نافرمانوں کے ایک گروہ پر ہوا جو شراب پی رہے تھے، اور زادان نامی ایک گویّا ڈھول پر ہاتھ مار مار کر انتہائی خوبصورت آواز میں گا رہا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتنی خوبصورت آواز ہے اس کی، کاش! یہ قرآن کریم کی تلاوت کے لیے استعمال ہوتی!۔ اور پھر سر پر چادر ڈال کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔

زادان نے جب آپ کو دیکھا تو لوگوں سے پوچھا: یہ کون تھے؟۔ لوگوں نے بتایا: حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود۔

اس نے پوچھا: انھوں نے کیا کہا؟۔ بتایا گیا کہ انھوں نے کہا ہے کہ کتنی میٹھی آواز ہے، کاش کہ قراءتِ قرآن کے لیے ہوتی!۔

یہ بات سنتے ہی اس کے دل پر رعب سا چھا گیا۔ اپنے بربط کو زمین پر پٹخ کر توڑ دیا، کھڑا ہوا اور جلدی سے انھیں جالیا۔ اپنی گردن میں رومال ڈالا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے زار و قطار رونے لگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے گلے لگالیا اور دونوں گریہ وزاری کرنے لگے۔ حضرت ابن مسعود نے روتے ہوئے فرمایا: میں ایسے شخص کو کیوں نہ محبوب سمجھوں جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محبوب بنالیا ہو۔

زادان نے وہیں ان کے ہاتھوں پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کی اور حضرت ابن مسعود کی صحبت اختیار کرلی، قرآن کریم کے ساتھ ساتھ انھوں نے دیگر علوم بھی سیکھے؛ حتیٰ کہ آنے والے وقت میں علم کے امام بن گئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کئی روایات حضرت زادان سے مروی ہیں۔(۱)

(۱) تنبیہ الغافلین، باب آخر من التوبہ:۶۳۔

اب کبھی گناہ نہ کروں گا

حضرت کعب اَحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۳۴ھ) فرماتے ہیں۔ایک آبروباختہ نوجوان جب نہر کے اندر نہانے کے لیے گھسا۔تو غیب سے آواز سنائی دی: 'یہ زنا تمہاری ہلاکت وبربادی کا باعث ہو'۔

اِتنا سننا تھا کہ وہ سہما اور گھبرایا ہوا نہر سے باہر نکل آیا۔اور اس کے لب پر ندامت کے یہ اَلفاظ گردش کررہے تھے :

و اللّٰه، لا أعصي اللّٰه أبدا .

یعنی قسم بخدا! آج کے بعد پھر کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کروں گا۔(۱)

غلبۂ خوفِ الٰہی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۳۵ھ) نے ایک نوجوان کو کسی آیت پر مضطرب اورلرزہ براندام ہوتے دیکھا تو یہ منظر آپ کو بہت اچھا لگا،اور پھر اس نوجوان سے آپ کو محبت سی ہوگئی۔ جب چند دنوں تک وہ نوجوان نظر نہیں آیا تو آپ بے تاب ہوگئے اور لوگوں سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔آپ کو بتایا گیا کہ وہ بیمار ہے۔

آپ اس کے گھر تشریف لے گئے، وہ اس وقت عالم نزع میں تھا۔حضرت سلمان فارسی نے اس کی مزاج پرسی کی وہ کہنے لگا: جو لرزش آپ نے اس دن میرے جسم پر ملاحظہ فرمائی تھی، وہ مجسم ہوکر میرے سامنے آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ خداے تعالیٰ نے تیرے تمام گناہ معاف کردیے ہیں۔(۲)

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح:۱/۱۰۔

(۲) احیاء علوم الدین:۲/۲۹۸۔

نصیحت ایک پادری کی

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۳۶ ھ) عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ مکہ مکرمہ کے باسی اور تجارت پیشہ تھے۔ قریش مکہ کے ہمراہ شام کے مشہور قصبے بصریٰ کے بازار میں مقیم تھے کہ اچانک ایک عیسائی پادری کو لوگوں میں اِعلان کرتے سنا کہ تمہارے درمیان اہل حرم میں سے کوئی شخص ہے؟۔

اتفاق کی بات کہ میں اس کے قریب ہی تھا۔ میں لپک کر اس کی طرف بڑھا اور کہا: ہاں میں مکہ معظّمہ کا رہنے والا ہوں۔ پادری نے کہا: کیا تمہارے ہاں اُحمد نامی کوئی شخصیت ہے؟۔

میں نے کہا: کون اُحمد؟۔ وہ کہنے لگا: احمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔ وہ شہرت کا حامل ہوگا۔ اور وہ آخری نبی ہے۔ وہ مکے کا رہنے والا ہے اور وہاں سے ہجرت کر کے کالے پتھروں کی سرزمین پر جائے گا جہاں کھجوروں کے باغات بکثرت ہیں۔ تو اے نوجوان! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اس کی دعوت کو قبول کرنے میں دوسرے تم پر سبقت نہ لے جائیں!۔

طلحہ کہتے ہیں کہ اس پادری کی بات میرے دل میں گھر کر گئی۔ میں اپنے اونٹوں کی طرف گیا۔ ان کے اوپر پالان رکھا۔ ساز و سامان لادا اور واپس وطن کی طرف روانہ ہوگیا۔ میرے ہمراہ میری قوم کے کافی لوگ تھے۔ ہمارا قافلہ جلد مکے پہنچ گیا۔

گھر پہنچتے ہی میں نے اپنے گھر والوں سے پوچھا: ہمارے سفر کے دوران یہاں کوئی خاص واقعہ تو نہیں پیش آیا؟۔

انھوں نے کہا کہ ہاں :

قام محمد بن عبد اللّٰہ یزعم أنه نبي وقد تبعه ابن أبي قحافة .

یعنی محمد بن عبد اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔ اور ابوقحافہ کے بیٹے (ابوبکر صدیق) نے ان کی تصدیق بھی کر دی ہے۔

طلحہ فرماتے ہیں: میں ابوبکر صدیق کو خوب اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بڑے نرم خو، بڑے محبوب اور کریم شخص تھے۔ اعلیٰ اَخلاق وکردار کے مالک تاجر تھے۔ حق وانصاف کے خوگر تھے؛ ان اوصاف کے باعث ہم ان سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ ان کی مجالس میں بیٹھنا ہمارا معمول تھا۔ چنانچہ میں سیدھا ان کے پاس گیا اور ان سے پوچھا :

أحقا ما يقال من أن محمدَ بن عبد الله أظهر النبوة وأنک اتبعته .

یعنی کیا جو باتیں ہم سن رہے ہیں وہ درست ہیں کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے نبوت کا اظہار کیا ہے اور آپ نے ان کی پیروی کی ہے، اور ان کو مان لیا ہے؟۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! تم نے جو کچھ سنا ہے وہ حق ودرست ہے۔ اور پھر انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سنانا شروع کردیں، اور مجھے ترغیب دلائی کہ میں بھی ان کا ساتھی بن جاؤں۔

جب میں نے ان کو پادری کی باتیں سنائیں تو ان کو بڑا تعجب ہوا۔ اور مجھ سے فرمانے لگے: چلو محمد عربی (ﷺ) کے پاس چلتے ہیں اور ان کو یہ واقعہ سناتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اور تم دائرۂ اسلام میں داخل بھی ہوجانا۔

طلحہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے قرآن کریم کا کچھ حصہ سنایا اور مجھے دنیا وآخرت کی خوش خبری دی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اسلام کی دعوت کے لیے کھول دیا۔

پھر جب میں نے سرورِ عالم کو بصریٰ کے پادری کا واقعہ سنایا تو آپ اس سے بہت خوش ہوئے، جس کے آثار آپ کے چہرۂ اقدس پر نمایاں تھے۔ پھر میں نے آپ کے دست حق پرست پر کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اس طرح میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اسلام لانے والا چوتھا آدمی تھا۔(۱)

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد:۲/۱۹۳......الخصائص الکبریٰ:۱/۱۶۵......المنتظم ابن جوزی:۲/۱۰۷......مختصر تاریخ دمشق:۴/۴۹......تاریخ الاسلام ذہبی:۱/۳۳۔

اسلام کا ایک عظیم شیدائی

اس بات کو صدیاں گزر چکی ہیں، روم کے ایک عالیشان محل کے کشادہ کمرے میں ایک پادری رئیسِ قبیلہ کے ساتھ محوِ گفتگو ہے۔ گفتگو کا محور عیسائیت ہے کہ رفتہ رفتہ اس کے مخالفین میں اِضافہ ہوتا جا رہا ہے اور بے شمار لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کا انکار کرنے لگے ہیں۔ اچانک پادری نے پُرجوش انداز میں کہنا شروع کیا :

> جزیرۂ عرب کے شہر مکہ میں ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ چکا ہے جو حضرت عیسیٰ کے نبی ہونے کی تصدیق کریں گے اور لوگوں کو ظلم وستم سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں گے۔

یہ گفتگو ان کا ایک غلام بڑے غور سے سن رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ گفتگو سنتا گیا اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑتی چلی گئی۔ اس نوعمر غلام کے چہرے سے ذہانت ومتانت ٹپکتی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ کسی اچھے خاندان کا چشم وچراغ ہے۔ وہ اس معاشرے سے بخوبی واقف تھا جس میں سوائے فحاشی، عریانی، بے حیائی اور ایک دوسرے پر ظلم وستم ڈھانے کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ پہروں بیٹھ کر سوچا کرتا کہ آخر وہ کب تک غلامی کی زندگی بسر کرتا رہے گا؟۔

وہ اُن ہزار غلاموں میں سے ایک تھا جن کو زبردستی پکڑ کر بازارِ غلاماں میں بیچ دیا گیا تھا۔ کبھی کبھار اس کا اپنا ماضی یاد آتا، اپنی مادری زبان یاد آتی جس کو وہ آہستہ آہستہ بھول رہا تھا اور رومیوں کی زبان اس کی مادری زبان پر غالب آ رہی تھی۔

اب اس کی عمر تیس سال سے اوپر ہو چلی تھی۔ بھرپور جوانی اس سے بار بار مطالبہ کرتی تھی کہ وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالے، آخر وہ ایک بڑے باپ کا بیٹا تھا جو کبھی ایک بستی پر حکمران تھا۔ وہ اس دن کو کبھی نہیں بھول سکا تھا کہ جب وہ اپنی والدہ کے ہمراہ سیر وتفریح کے لیے فرات کے کنارے کسی بستی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا والد سنان نمیری' ایران کے بادشاہ کسریٰ کی جانب سے عراق کی ایک بستی کا گورنر تھا اور خالص عربی النسل تھا۔ اس کی والدہ بھی عرب کے مشہور قبیلے

بنی تمیم سے تعلق رکھتی تھی۔ والدہ کی طرح اس کا باپ بھی اس سے ٹوٹ کر محبت کیا کرتا تھا۔

گورنر کا بیٹا ہونے کے ناطے اس کا بچپن بڑا خوبصورت اور خوب ناز ونعم میں گزرا تھا۔ بچپن سے وہ تیراندازی کا ماہر تھا، تلوار کے کرتب بھی دکھاتا اور دوڑ میں اپنے ساتھیوں سے آگے نکل جاتا۔

اس کی عمر پندرہ سال ہو چکی تھی مگر وہ اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے اپنی عمر سے کہیں بڑا نظر آتا تھا۔ اس زمانے میں وقت کی دو بڑی طاقتوں ایران اور روم میں مسلسل لڑائی رہتی تھی۔ کبھی ایک کا پلہ بھاری ہو جاتا، کبھی دوسرے کا۔ ایک دوسرے کے علاقوں میں شب خون مارے جاتے، مال ومتاع لوٹ لیا جاتا، عورتوں کو لونڈیاں اور مردوں کو غلام بنالیا جاتا۔

اس نوجوان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ یہ اپنے وطن سے کچھ فاصلے پر تھا کہ اچانک رومی لٹیروں نے شب خون مارا، سارا سامان لوٹ لیا، کتنے ہی قتل ہو گئے اور بقایا کو گرفتار کر کے غلام بنالیا گیا۔ ان گرفتار ہونے والوں میں یہ نوجوان بھی شامل تھا جو مختلف لوگوں کے ہاتھوں بکتا بکاتا روم پہنچ چکا تھا اور اب غلامی کی زندگی گزار رہا تھا۔ مقامی زبان پر خوب دسترس حاصل ہو چکی تھی اور عربی زبان آہستہ آہستہ بھول رہا تھا؛ مگر وہ اپنے ماضی پر غور کرتا تو بے اختیار کہہ اُٹھتا کہ میں عربی النسل ہوں اور صحرا کا بیٹا ہوں۔

یہ نوجوان جس کا تذکرہ ہم پڑھ رہے ہیں کوئی اور نہیں مشہور صحابی رسول حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ (م ۳۸ھ) تھے۔ ان کی کنیت ابو یحییٰ تھی اور ان کے بارے میں عموماً یہ تصور پایا جاتا تھا کہ وہ رومی النسل تھے۔

پادری سے اللہ کے رسول کی آمد کی بشارت سنی تو مکہ کی طرف بھاگنے کا منصوبہ بنایا؛ چنانچہ ایک لمبی جدو جہد کے بعد وہ مکہ پہنچ گئے۔ ان کے سر کے بال سرخ تھے۔ رومی زبان بھی عربی زبان پر غالب آ چکی تھی؛ لہٰذا مکہ والوں نے ان کا نام صہیب رومی رکھ دیا۔ مکہ کے سادات میں سے عبداللہ بن جدعان کی کفالت میں انھوں نے کاروبار شروع کیا اور جلد ہی ان کا شمار امیر ترین تاجروں میں ہونے لگا۔ تجارت کے ساتھ ساتھ حضرت صہیب اپنے مقصد کو کبھی نہیں بھولے۔

ایک دفعہ ایک لمبے تجارتی سفر پرانھیں جانا پڑا۔ جب سفر سے واپس آئے تو لوگوں نے بتایا کہ ایک شخص محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ لوگوں کو مکارمِ اخلاق کا درس دیتے ہیں، نیکی کی دعوت دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ ایک رب کی طرف بلاتے ہیں اور غیر اللہ کی پوجا سے روکتے ہیں۔

حضرت صہیب نے پوچھا: کہیں وہی تو نہیں جن کا نام 'امین' ہے۔ جواب ملا: ہاں وہی!۔

مزید تصدیق چاہی: اچھا جن کو 'صادق' بھی کہا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا: ہاں وہی ہیں۔

صہیب نے پوچھا: تو ان سے کہاں ملا جاسکتا ہے، ان کا پتا اور ٹھکانہ کیا ہے؟۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دنوں صفا پہاڑی کے دامن میں واقع ارقم بن ابی ارقم کے گھر (دارارقم) کو اسلام کی دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتربیت کے لیے خاموشی سے استعمال کر رہے تھے۔ کسی بہی خواہ نے پتا بتایا اور ساتھ ہی کہا کہ ذرا دیکھ بھال کر جانا کہیں قریش کو پتا نہ چل جائے؛ کیوں کہ وہ اس دعوت کے سخت مخالف ہیں اور اگر اسلام قبول کرنے والے کا طاقتور قبیلہ نہ ہو، یا وہ غلام اور کمزور ہو تو اسے خوب مارتے اور تنگ کرتے ہیں۔ پھر ایک دن حضرت صہیب رومی' دارِارقم پہنچ ہی گئے۔

گھر میں داخل ہونے لگے تو عمار بن یاسر نظر آئے۔ پوچھا: عمار تم یہاں کہاں؟۔

عمار نے پوچھا: اور آپ کہاں؟۔ دراصل دونوں کی منزل ایک ہی تھی۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے اور اکٹھے ہی بارگاہِ رسالت مآب علیہ السلام میں داخل ہوئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو گلے لگایا اور اکٹھے ہی کلمہ پڑھایا؛ چنانچہ یہ دونوں عظیم شخصیات ایک ہی دن، اور ایک ہی وقت میں اسلام لائیں۔

سیرت کے قارئین کے لیے مکی دور کی آزمائشوں اور تکالیف کا تذکرہ ضروری نہیں ہے؛ تاہم جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ کمزوروں، غلاموں، یتیموں اور بے قبیلہ لوگوں پر قریش کا خوب زور چلتا تھا، اس ضمن میں حضرت صہیب رومی نے وافر حصہ پایا اور بے پناہ طور پر ستائے گئے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

کے لیے اذنِ عام دیا۔ لوگ رفتہ رفتہ جیسے جیسے حالات اجازت دیتے، ایک ایک کر کے مکہ سے ہجرت کرتے گئے۔ حضرت صہیب کی دلی خواہش تھی کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہجرت کریں؛ مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی ان کے ایمان کا مزید امتحان مقصود تھا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو باقی ماندہ مسلمانوں پر عرصہ حیات مزید تنگ ہو گیا۔ ان میں صہیب رومی سرفہرست تھے۔ یہ مالدار تو تھے؛ مگر ان کا کوئی قبیلہ نہ تھا۔ مشرکین نے ان پر پہرے دار مقرر کر دیے کہ ہجرت نہ کرنے پائیں۔ ادھر انھوں نے جو مال کمایا تھا اس کو سونے چاندی کی صورت میں جمع کر کے گھر کے کونے میں دفن کر دیا۔

اور پھر ایک سردرات کو تیر کمان سنبھالی، تلوار گلے میں لٹکائی، پہرے دار کو چکما دیا اور مدینے کی راہ پر چل دیے۔ پہرے داروں کو جب احساس ہوا کہ صہیب نکل چکے ہیں تو فوراً پیچھا کیا۔ اتنے میں صبح نمودار ہو چکی تھی؛ چنانچہ انھوں نے صہیب رومی کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ کوشش کر کے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے اور اپنی کمان میں تیر چڑھا کر قریش کو للکارا :

> خدا کی عزت کی قسم! تم لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ ماہر تیر انداز ہوں اور میرا نشانہ بڑا زبردست ہے۔ اللہ کی قسم! تم میری طرف بڑھنے کی غلطی کرو گے تو میں اپنے ایک ایک تیر سے تمہارے ایک ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اُتار دوں گا (کیوں کہ تم سب میرے تیروں کی زد میں ہو)، پھر جو بچ گئے ان کا اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا؛ تاآنکہ میں قتل ہو جاؤں۔

قریش میں سے ایک بولا: دیکھو صہیب! ایسا ممکن نہیں کہ تم اپنا مال اور جان دونوں سلامتی کے ساتھ مدینہ لے جاؤ۔ تم اپنے ماضی کو فراموش کر بیٹھے ہو، ذرا سوچو کہ تم مکہ میں فقیر، مفلس اور قلاش ہو کر آئے تھے، پھر یہاں تم نے بہت کچھ کمایا، کاروبار چمکایا اور مالدار بن گئے۔ حضرت صہیب نے ان کی گفتگو سنی تو ان کی نیت بھانپ گئے، ذرا سا تامل کیا اور پوچھا: اگر میں تمھیں اپنا سارا مال دے دوں تو میرا راستہ چھوڑ دو گے؟۔

انھوں نے کہا: ہاں!۔ آپ نے ان کو دفینے والی جگہ بتائی اور انھوں نے آپ کا راستہ چھوڑ دیا۔

حضرت صہیب نے ساری زندگی کی کمائی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی خاطر لٹادی۔ اب وہ تھے اور مدینہ کا سفر تھا۔ خواہش یہی تھی کہ جلد از جلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں پہنچ جائیں۔

سفر میں تھکاوٹ محسوس ہوتی تو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو دل میں تازہ کر لیتے اور تازہ دم ہوکر پھر چل پڑتے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی قبا میں ہی مقیم تھے کہ حضرت صہیب رومی پہنچ گئے۔ آپ نے اپنے ساتھی کا والہانہ اِستقبال کیا، محبت سے گلے لگایا اور تین مرتبہ فرمایا :

ربح البیع أبا یحییٰ .

ابو یحییٰ! (تمہاری) تجارت نہایت کامیاب رہی۔

حضرت صہیب کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا اور انھوں نے فوراً کہا: اللہ کی قسم! اس واقعے کا میرے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا، یہ یقیناً حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو بتا کر گئے ہیں۔ باری تعالیٰ کو اپنے بندے پر پیار آ گیا اور جبرئیل امین آسمان سے وحی لے کر آ گئے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ o (سورہ:بقرہ:۲/۲۰۷)

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔

حضرت صہیب کا صحابہ کرام میں نہایت اعلیٰ مقام و مرتبہ تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان سے خوب محبت فرماتے۔ بعض اوقات ہنسی مذاق کی نوبت بھی آ جاتی؛ لیکن یہ اسلامی معاشرے کا لطیف مزاح ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی آنکھ دکھ رہی تھی۔ آنکھ میں درد اور سامنے تازہ کھجوروں خوشہ، وہ چن چن کر کھا رہے تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متبسم نگاہوں سے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے فرمایا :

أ تأكل الرطب وفي عينك رمدٌ ؟ .

یعنی صہیب! تمہیں تو آشوبِ چشم ہے اس کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہو؟۔

فوراً عرض کیا: یارسول اللہ! میں بیمار آنکھ کی طرف سے نہیں بلکہ دوسری آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں (جس میں درد نہیں ہے)۔

ان کا یہ جواب سن کر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر صحابہ مسکرانے لگے۔(۱)

عورت اور مرد کا جھگڑا

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ (م۴۰ھ) کے کاشانۂ اقدس سے کچھ فاصلہ پر ایک مسجد سے متصل ایک گھر میں میاں بیوی ساری رات جھگڑتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت علی نے ان دونوں کو اپنے پاس طلب فرمایا اور ان سے جھگڑنے کی وجہ دریافت فرمائی۔

عورت کے خاوند نے عرض کیا: اے امیر المومنین! میں کیا کروں! نکاح کے بعد اس عورت سے مجھے بے انتہا نفرت ہوگئی ہے، میرا رویہ دیکھ کر اس عورت نے مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیا، جس سے بات بڑھ گئی اور ہم دونوں میں ساری رات 'تو تو میں میں' ہوتی رہی۔

یہ بات سن کر حضرت علی نے تمام حاضرین کو وہاں سے باہر نکل جانے کا حکم دیا، پھر عورت سے فرمایا کہ تم سے جو سوال کروں گا تم اس کا بالکل درست اور سچ جواب دینا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا: اے عورت! کیا تمہارا نام یہ اور تمہارے والد کا نام یہ نہیں ہے؟۔

عورت نے کہا: آپ نے بالکل ٹھیک بتایا۔ پھر آپ نے فرمایا: تم یہ بات کرو کہ جب تم زِنا کاری سے حاملہ ہوگئی تھی اور ایک مدت تک تم اور تمہاری ماں تیرے اس حمل کو چھپاتی رہی اور جب دردِ زہ شروع ہوا تو تمہاری والدہ تمہیں اپنے گھر سے باہر لے گئی اور بچہ کی پیدائش ہونے پر اس بچہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر تم نے میدان میں ڈال دیا۔

(۱) سنن ابن ماجہ......المراح فی المزاح: ۱/۴......البدایۃ والنہایۃ: ۴/۳۴۴۔

اتفاق سے اس وقت ایک کتا اس بچے کے قریب آیا تو تمہاری ماں نے اس کتے کو ایک پتھر مارا مگر وہ پتھر کتے کو لگنے کی بجائے بچے کو لگ گیا اور اس کا سر پھٹ گیا، تمہاری ماں کو بچے پر رحم آ گیا اور اس نے بچے کے زخم پر پٹی باندھ دی، پھر تم دونوں نے وہاں سے راہِ فرار اختیار کی اور اس کے بعد تم دونوں کو اس بچے کی کوئی خبر نہ ملی۔ کیا یہ واقعہ سچا ہے؟۔

عورت نے اقرار کرتے ہوئے کہا: اے امیر المومنین! یہ واقعہ بالکل سچا ہے۔

عورت کے اعتراف کے بعد آپ نے فرمایا: اے نوجوان! تو اپنا سر کھول اور اس عورت کو دِکھا؛ چنانچہ جب نوجوان نے اپنا سر کھول کر دکھایا تو اس پر زخم کا نشان موجود تھا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عورت سے مخاطب ہو کر فرمایا: یہ نوجوان تیرا شوہر نہیں بلکہ تیرا اپنا بیٹا ہے۔ اب اسے لے کر اپنے گھر جاؤ اور تم دونوں اللہ کا شکر اَدا کرو کہ اس نے تم دونوں کو بہت بڑی حرام کاری سے بچالیا ہے۔(۱)

حضرت علی مرتضیٰ کی دور اندیشی

اسی طرح کا ایک واقعہ یوں ملتا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے دور میں ایک عجیب وغریب مقدمہ عدالتِ فاروقی میں پیش ہوا۔ ایک انصاری نوجوان لڑکا کہتا ہے کہ حضور! میں فلاں عورت کا بیٹا ہوں؛ مگر وہ مجھے اپنا بیٹا ماننے سے انکاری ہے۔

سوال ہوا: تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟۔

حضور! میں اس کا ثبوت کیا پیش کر سکتا ہوں۔

عورت سے پوچھا گیا: کیا معاملہ ہے؟۔

اس نے سرے سے انکار کیا کہ میری تو کبھی شادی ہی نہیں ہوئی ہے۔

ادھر عورت نے چند گواہوں کو بھی امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دیا جنھوں نے یہ گواہی دی کہ اس عورت نے کبھی کسی سے شادی ہی نہیں کی ہے، پھر اس کا بچہ کہاں سے پیدا

(۱) شواہد النبوۃ، مولانا عبد الرحمٰن جامی: ۲۸۱، ۲۸۲۔

ہوگیا؟، یہ لڑکا جھوٹ بول کر خواہ مخواہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس عورت کا بیٹا ہے، یہ تو سراسر بہتان ہے!۔

امیر المومنین نے یہ ساری باتیں سننے کے بعد اس نوجوان پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ اسی دوران حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے اور اس مقدمے کے بارے میں پوچھنے لگے۔ لوگوں نے ساری داستان بتادی۔ حضرت علی نے اس مقدمے سے متعلق سب لوگوں کو بلایا اور مسجد نبوی میں بیٹھ گئے۔ پھر عورت سے پوچھا: کیا یہ نوجوان تیرا بیٹا نہیں ہے؟۔

عورت نے جواب دیا: ہاں، یہ میرا بیٹا ہرگز نہیں ہے۔ حضرت علی نے نوجوان سے کہا کہ تم بھی ویسے ہی انکار کر دو کہ یہ عورت تمہاری ماں نہیں ہے؛ جیسا کہ اس نے تمہیں اپنا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا ہے!۔

نوجوان عرض کرنے لگا: اے پیغمبر کے چچا کے بیٹے! یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں جب کہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ میری ماں ہے!۔ حضرت علی نے فرمایا: تم اس عورت کو ماں کہنے سے اِنکار کر دو، میں آج سے تمہارا باپ اور میرے بیٹے حسن وحسین تمہارے بھائی ہوں گے۔

نوجوان نے عرض کی: ہاں، میں اس عورت کو اب اپنی ماں ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ پھر حضرت علی نے عورت کے اولیا سے فرمایا :

أمري في هٰذه المرأة جائزٌ ؟.

کیا اس عورت کے بارے میں میری بات مانی جائے گی؟۔

اولیا نے عرض کی: ہاں ہاں، کیوں نہیں؛ بلکہ ہمارے سلسلے میں بھی آپ جو حکم دیں گے ہم ماننے کو تیار ہیں۔ ان کی باتیں سننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: اے قنبر! (قنبر حضرت علی کے غلام کا نام تھا) ان حاضرین کے سامنے تم گواہ رہو کہ میں نے اس اجنبی خاتون کی شادی اس نوجوان سے کر دی ہے۔ تم جا کر درہموں کی تھیلی لاؤ۔

قنبر گیا اور تھیلی لا کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رکھ دی، جس میں چار سو اَسی درہم تھے۔ حضرت علی نے عورت کو بطورِ مہر یہ درہم دیے اور نوجوان سے فرمایا :

خذ بيد امرأتک ولا تأتنا إلا وعليک أثر العُرس .

یعنی اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑو اور اس کے بعد ہمارے پاس اسی صورت میں حاضر ہونا جب کہ تمہارے اوپر سہاگ رات کے نشانات ہوں۔

یہ کہہ کر جوں ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اُٹھے، عورت کہنے لگی: اللہ اللہ، اے ابوالحسن! یہ نوجوان تو میرے حق میں جہنم کا ٹکڑا بن جائے گا۔ یہ تو اللہ کی قسم، میرا بیٹا ہے۔ میں اب مان گئی اور آپ کے سامنے اِقرار کرتی ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کیوں کر تمہارا بیٹا ہوسکتا ہے جب کہ تم نے ابھی کچھ ہی لمحے پہلے اسے اپنا بیٹا ماننے سے انکار کیا تھا اور ساتھ گواہوں کو بھی پیش کیا تھا!۔

عورت کہنے لگی: دراصل بات یہ ہے کہ اس نوجوان کا باپ ایک حبشی تھا، میرے بھائیوں نے اس کے ساتھ میری شادی کردی، اس سے مجھے حمل ٹھہر گیا۔ کچھ دنوں بعد اس کا باپ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے گیا اور شہید ہوگیا۔ اس کے بعد جب میرا بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے فلاں قبیلے میں بھیج دیا۔ میرے اس بیٹے نے اسی قبیلے میں پرورش پائی، پھر میں نے اسے اپنا بیٹا ماننے سے انکار کردیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پوری داستان سن کر فرمایا: میں ابوالحسن ہوں، تو بھلا میں کسی اور کا باپ کیونکر بن سکتا ہوں!۔ پھر آپ نے اس نوجوان کو اس عورت کے ساتھ بھیج دیا اور اس کا نسب بھی اس عورت کے ساتھ ثابت کردیا۔(۱)

مجرموں کی گرفتاری کا انوکھا اَنداز

اس واقعے کے راوی اصبغ بن نباتہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس چندلوگوں کے بارے میں مقدمہ دائر کیا کہ یہ لوگ میرے والد کے ساتھ ایک تجارتی سفر پر روانہ ہوئے؛ مگر واپسی میں ان کے ساتھ میرے والد نہیں تھے۔

(۱) الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، ابن قیم: ۶۷۔

میں نے جب ان سے اپنے والد کے متعلق پوچھا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ تمہارے والد کا راستے ہی میں انتقال ہوگیا، ہم لوگوں نے اسے وہیں کفنایا اور دفن کردیا۔ پھر میں نے ان لوگوں سے اپنے والد کے مال واَسباب کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ مرتے وقت اس کے پاس کوئی مال وغیرہ نہیں تھا جب کہ مجھے خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا والد ان کے ساتھ جب سفر پر روانہ ہوا تھا تو اس کے پاس بہت زیادہ مال تھا۔

امیر المومنین! میں نے اس مقدمے کو قاضی شریح کی خدمت میں بھی پیش کیا تھا؛ مگر انھوں نے ان لوگوں سے قسم لے کر انھیں چھوڑ دیا۔ میں ان کے فیصلے سے مطمئن نہیں ہوا، آپ میری مدد فرمائیں تاکہ میرے والد کے قاتلوں کا پتا چل سکے۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقدمے پر غور وفکر کیا۔ پولیس اور دوسرے تاجروں کو بلانے کا حکم دیا۔ سپاہیوں کو ایک طرف بلاکر بتایا کہ ان کو لے جاؤ؛ مگر یہ اکٹھے نہ ہونے پائیں۔ ان سے علاحدہ علاحدہ تفتیش کرنی ہے۔ ایک دوسرے سے گفتگو یا سرگوشی کی اجازت نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے رجسٹرار کو بلایا اور ساتھ ان مجرموں میں سے ایک آدمی کو بھی طلب کیا۔ پھر اس سے پوچھنا شروع کیا: مجھے بتاؤ کہ مقدمہ دائر کرنے والے اس نوجوان کا باپ تمہارے ساتھ کس دن نکلا تھا؟ کس کس مقام پر تم لوگ رکے تھے؟ تمہارا سفر کیسا تھا؟ نوجوان کا باپ کس مرض میں مبتلا ہوکر مرا؟ اس کے مرنے کا سبب کیا تھا؟ اس کے مال کا کیا ہوا؟ اس کے انتقال کے بعد غسل کس نے دیا اور کفن دفن کا بندوبست کیسے ہوا؟ اس کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی؟ کس جگہ اسے دفن کیا گیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سارے سوالات اور اس ملزم تاجر کے جوابات رجسٹرار نے اپنی ڈائری میں لکھ لیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ آپ کے ساتھ حاضرین نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ ادھر دیگر ملزموں نے جب تکبیر کی آواز سنی تو انھیں گمان ہوا کہ شاید ان کے ساتھی نے حقیقت کا اظہار کردیا ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے شخص کو پولیس کے حوالے کردیا اور اس کے بعد دوسرے ملزم کو بلایا۔ اس سے بھی وہی سوالات کیے جو پہلے ملزم سے کیے تھے۔ اسی طرح تیسرے کو بلایا اور وہی سوالات کیے جو پہلے دو ملزموں سے کیے تھے۔ پھر جب تینوں کے بیانات کو ملایا گیا تو ان میں تضاد تھا جس سے ان کا جرم ثابت ہوتا تھا؛ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی بری سازش کا علم ہوگیا۔ پھر آپ نے پہلے مجرم کو بلوایا اور اس سے کہا :

یا عدوَّ اللّٰہ ! قد عرفتُ غدرک وکذبک بما سمعتُ من أصحابک، وما ینجیک من العقوبۃ إلا الصدق .

یعنی اے اللہ کے دشمن! تمہارے ساتھیوں کے بیانات سننے کے بعد تیرا دھوکا اور جھوٹ مجھ پر واضح ہوگیا۔ اب تجھے سزا سے سچ کے سوا کوئی بھی حربہ نہیں بچا سکے گا!۔

یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قید خانے میں ڈلوادیا۔ پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور حاضرین نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ جب باقی دو مجرموں نے یہ امتحان کی گھڑیاں دیکھیں تو انھیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ ان کے ساتھی نے ان کے کرتوت کا اِقرار کرلیا ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے مجرم کو بلوایا اور اسے بھی دھمکی دے کر پوچھا کہ تیرے ساتھی نے سچ سچ بتادیا ہے، اب تو اگر سچ نہیں اگلتا تو پھر اپنے انجام کے بارے میں سوچ لے!۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات سنتے ہی وہ کہنے لگا :

یا أمیر المؤمنین! واللّٰہ لقد کنتُ کارھا لما صنعوا .

یعنی اے امیر المومنین! اللہ کی قسم میں نے ان لوگوں کے کرتوت کو ناپسند کیا تھا (مگر انھوں نے میری بات سنی اَن سنی کردی اور مذکورہ نوجوان کے باپ کو قتل کردیا)۔

اسی طرح ایک ایک کر کے جب تینوں مجرموں نے اپنے جرم کا اِعتراف کرلیا تو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے ان پر مال کا تاوان ڈال دیا اور مقتول کا اُن سے قصاص لیا گیا۔(۱)

---

(۱) الطرق الحکمیۃ ابن قیم الجوزیہ:۷۰تا۷۱۔

حضرت علی اور ایک اعرابی

روایات میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصالِ مبارک کے تقریباً دس دن کے بعد ایک اعرابی بیابان سے چل کر مسجد نبوی کے دروازے پر آیا، اس نے اپنا چہرہ نقاب سے چھپا رکھا تھا۔ وہاں پر موجود صحابہ کرام کو اس نے سلام کیا اور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصالِ مبارک پر درد وغم کا اِظہار کرنے کے بعد پوچھا کہ تم میں سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 'وصی' کون ہیں؟۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کی طرف اِشارہ کیا، ان دنوں حضرت علی ابھی بالکل کڑیل جوان تھے؛ چنانچہ وہ حضرت علی کی طرف متوجہ ہوا اور انھیں بطورِ خاص سلامی دی۔ حضرت علی نے جواب میں فرمایا: وعلیکم السلام یا مضر!۔ یہ جواب سن کر حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر صحابہ کرام بہت حیران ہوئے۔

اعرابی نے کہا: آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟۔ حضرت علی نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی خبر دے دی ہے اور تمہارے حال کی کیفیت مجھے بتا دی ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ تمہارے بارے میں سن رکھا ہے بیان کروں، تو مجھے کوئی دریغ نہ ہوگا۔

اعرابی نے کہا: آپ کا نام کیا ہے؟۔ آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالب۔ اور میں رسولِ خدا کا چچازاد بھائی ہوں۔ اعرابی نے کہا: الحمد للہ۔

اس کے بعد حضرت علی نے فرمایا: تم عرب کے ایک مرد ہو، تمہارا نام مضر ہے۔ تم نے اپنی قوم کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خبر دی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ میں تم نے قوم کو یہ کہا کہ تہامہ میں ایک آدمی کھڑا ہوگا جس کے رُخسار چاند سے زیادہ منور، اور گفتگو شہد سے زیادہ میٹھی ہوگی۔ جو شخص اس کی پیروی کرے گا نجات حاصل کرلے گا۔ وہ مسکینوں اور یتیموں کا والی ہوگا۔ خچر پر سوار ہوگا۔ اپنے جوتے کو خود پیوند لگائے گا۔

شراب نوشی اور زِنا کو حرام قرار دے گا۔ ناحق قتل اور سود سے منع کرے گا۔ خاتم الانبیاء ہوگا (اور اس کی نبوت کا سکہ صبح قیامت تک چلتا رہے گا)۔ وہ نمازِ پنج گانہ کی اَدائیگی کرے گا، رمضان المبارک کے روزے رکھے گا، اور حج بیت اللہ کرے گا۔

اے لوگو! اس پر ایمان لے آؤ اور اس کی تصدیق کرو۔ جب تم نے اس اَمر کی طرف انھیں رہنمائی کی تو انھوں نے تیرے ساتھ ظلم وستم کا سلوک کیا اور تجھے قید میں ڈال دیا۔ پھر جب حضور نبی آخر الزماں علیہ السلام کا وصال ہوگیا اور تیری قوم کو سیلاب سے ہلاک کر دیا گیا اور تجھے قید خانہ سے خلاصی حاصل ہوئی، پھر اس کے بعد تیرے کانوں میں غیب سے یہ آواز پہنچائی گئی کہ اے مضر! اُس نبی آخر الزماں، خاتم پیغمبراں محمد (ﷺ) کا وصال ہوگیا اور تو ان کے صحابہ کرام میں سے ہے۔ مدینہ منورہ کی طرف جا اور ان کے روضۂ انور کی زیارت کا شرف حاصل کر، تو پھر تو منازِل طے کرتا ہوا اب یہاں آن پہنچا ہے۔ کیا یہ اَمر واقعہ نہیں ہے؟۔

جب اعرابی نے یہ ساری باتیں سنیں تو اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب چھلک اُٹھا اور وارفتگی شوق میں کہنے لگا کہ اے علی! آپ کو اس واقعہ کی خبر کیسے ہوئی؟ حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خبر دی اور فرمایا تھا کہ میرے وصال کے بعد مضر میری قبر پر آئے گا، تم جب اس سے ملو تو میرا سلام اسے پہنچا دینا۔

مضر نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلام کی خوش خبری سنی تو خوشی سے آگے بڑھ کر حضرت علی کے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں، کرم ہوگا اگر آپ ان کے جوابات عنایت فرما دیں۔

حضرت علی نے فرمایا کہ تم جو چاہو سوال کرو، تمہیں اس کی اجازت ہے۔

مضر نے کہا: اے علی! وہ کون سا ئر ہے جس کا نہ باپ ہے نہ ماں؟۔

وہ کون سی مادہ ہے جو بغیر ماں باپ کے موجود ہوئی ہو؟۔

ایسا رسول جو نہ جن سے ہو، نہ انسان سے اور نہ فرشتوں سے، نیز چوپایوں اور درندوں میں سے بھی نہ ہو؟۔

ایسی قبر جس نے قبر والے کو اپنے ساتھ سیر اکرائی ہو؟۔

ایسا حیوان جس نے اپنے ساتھیوں کو ڈرایا ہو؟۔

ایسا جسم جس نے ایک بار کھایا پھر کبھی نہ کھایا؟۔

زمین کا ایسا حصہ جہاں ایک مرتبہ سورج چمکا اور پھر آج تک نہیں چمکا اور نہ قیامت تک چمکے گا؟۔

ایسا پتھر جس سے زندے کی پیدائش ہوئی؟۔

وہ عورت جس سے تین ساعت میں لڑکے کی ولادت ہوئی؟۔

دو ساکن جو حرکت نہیں کرتے؟۔

دو متحرک جو ساکن نہیں ہوتے؟۔

دو دوست جو کبھی دشمن نہیں ہوتے؟۔

دو دشمن جو کبھی دوست نہیں ہوتے؟۔

شے کیا لاشے کیا ہے؟۔

رحم میں سب سے پہلے کس عضو کی شکل بنتی ہے؟۔

قبر میں سب سے آخر میں کون سی چیز فنا ہوتی ہے؟۔

دروازۂ علم نبوت حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سوالات کے نہایت تشفی بخش اور تفصیلی جوابات عنایت کرتے ہوئے فرمایا:

جس نَر کے بارے میں تم نے سوال کیا ہے کہ جس کا نہ ماں ہے نہ باپ، وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

اور وہ مادہ جو بغیر ماں کے پیدا ہوئی وہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا ہیں۔

اور وہ نَر جس کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی وہ حضرتِ عیسٰی علیہ السلام ہیں۔

اور وہ رسول جو جنات، انسان، فرشتوں، چوپایوں اور درندوں میں سے نہیں وہ کوا تھا جسے

اللہ تعالیٰ نے قابیل کی تعلیم کے لیے بھیجا تھا۔

اور وہ قبر جس نے صاحب قبر کو اپنے ساتھ سیر کرائی وہ مچھلی تھی جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں تین دن تک رکھا اور سمندر کے اطراف وجوانب میں پھرتی رہی۔

اور وہ حیوان جس نے اپنے ساتھیوں کو ڈرایا تھا وہ چیونٹی تھی جو خوراک کی تلاش کے لیے باہر نکلی تھی کہ دوسری چیونٹیاں ایک ستون پر چڑھتی تھیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر کے اوپر تھا۔ اس چیونٹی نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ خبردار! تمہارے گزرنے سے مٹی نہ گرے؛ ورنہ اللہ کا پیغمبر تم سے تکلیف اُٹھائے گا۔

اور وہ جسم جس نے ایک مرتبہ کھایا اور پھر قیامت تک نہ کھائے گا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک تھا جس نے جادوگروں کے جادو کو ایک لقمہ میں ختم کرڈالا۔

اور وہ زمین کا ٹکڑا جہاں ایک مرتبہ سے زیادہ سورج نہیں چمکا وہ دریائے نیل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے پھاڑا اور اس کی گہرائی کی زمین دکھائی دینے لگی، سورج اس پر چمکا اور زمین سے غبار بھی اُٹھا؛ لیکن حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کے بسلامتی گزر جانے کے بعد پھر وہ مل گیا اور اپنی سابقہ حالت پر آگیا۔

اور وہ پتھر جس سے حیوان کی ولادت ہوئی وہ پتھر تھا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پیدا ہوئی۔

اور وہ دو ساکن غیر متحرک' زمین وآسمان ہیں اور تحریک سے یہاں مراد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے۔

اور وہ دو متحرک جو کبھی ساکن نہیں ہوتے وہ چاند اور سورج ہیں۔

اور وہ عورت جس نے تین ساعت میں بچہ جنا حضرت مریم تھیں کہ تین ساعت میں ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

اور وہ دو دوست جو کبھی ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہوتے وہ جسم اور جان ہیں۔

اور وہ دو دشمن جو کبھی دوست نہیں ہوتے وہ موت اور زندگی ہیں۔

شے مومن ہے اور لا شے کافر ہے۔ احسن اشیاء صورتِ بنی آدم ہے۔
رحم میں سب سے پہلے جس چیز کی شکل بنتی ہے وہ شہادت کی انگلی ہے۔
اور قبر میں سب سے آخر میں جو چیز فنا ہوتی ہے، وہ بندے کے سر کی ہڈی ہے۔
مصر نے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے سوالوں کے نہایت تفصیلی جوابات سنے تو خوشی سے جھوم اُٹھا اور آپ کی پیشانی مبارک کو بوسے دینے لگا۔(۱)

سچے واعظ کی پہچان

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بصرہ تشریف لانا ہوا، جس وقت آپ جامع مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ قصہ گو لوگوں کو قصے سنا سنا کر محظوظ کر رہے ہیں، آپ نے انھیں اُٹھا کر باہر کر دیا۔ جب حسن بصری کی باری آئی تو فرمایا: اے جوان! میں تجھ سے کچھ سوال کرتا ہوں اگر تو نے ان کے جواب صحیح دیے تو ٹھیک ہے؛ ورنہ تمہیں بھی تمہارے دوستوں کی طرح نکال کر باہر کر دیا جائے گا!۔

حسن بصری بولے: اپنی مرضی کے مطابق جو کچھ پوچھنا ہو پوچھیں۔ چنانچہ حضرت علی نے پوچھا: دین کی صلاح وبقا کس چیز میں ہے؟۔

آپ نے کہا: تقویٰ و ورع میں۔ پھر پوچھا: دین کا فساد و بگاڑ کس سے ہے؟۔ کہا: حرص وطمع سے۔ فرمایا: بیٹھ جاؤ، تم جیسوں کو حق پہنچتا ہے لوگوں کو دین کی باتیں بتاؤ سکھاؤ۔(۲)

داڑھی کے بالوں کی گنتی

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری سال تھا کہ ایک دن آپ نماز اَدا کرنے کے بعد منبر پر بیٹھ گئے۔ آپ نے خطبہ پڑھا اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے لگے۔ اس

(۱) معارج النبوۃ۔(۲) ایقاظ الہمم شرح متن الحکم: ۱/۱۷۔

کے بعد ارشاد فرمایا: اے لوگو! دوسرے لوگوں کی طرح مجھے بھی عنقریب اس دنیا سے رخصت ہونا ہے پس مجھ سے وہ باتیں پوچھ لو جو تم نہیں جانتے؛ تا کہ تمہاری معلومات میں اِضافہ ہو۔

مجلس میں چند لمحے خاموشی رہی، اس کے بعد ایک کوئی نوجوان اپنی جگہ سے اُٹھا اور کہنے لگا: اے علی! اب جب کہ آپ ہر چیز جانتے ہیں تو مجھے بتائیں کہ میری داڑھی میں کتنے بال ہیں؟۔حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرائے اور اپنے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیے؛ لیکن ابھی آپ نے کوئی بات شروع نہ کی تھی کہ مجلس کی خاموشی ٹوٹ گئی اور ہر طرف سے چہ میگوئیوں کی آوازیں آنے لگیں، سب نے اپنی گردنیں بلند کیں اور سوال کرنے والے کو دیکھنے لگے اور انتظار کرنے لگے کہ آپ اس سوال کا کیا جواب دیتے ہیں!۔

حاضرین میں کچھ دشمن بھی موجود تھے؛ اس لیے کہنے لگے: آج علی کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔ ہر شخص کی داڑھی کے بالوں کی تعداد الگ الگ ہوتی ہے۔ اس لیے حضرت علی کو کیسے معلوم ہے کہ اس کے بالوں کی تعداد کتنی ہے؟۔ اس طرح حضرت علی کے نادان دوست کہنے لگے: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی داڑھی کے بالوں کی تعداد بتادیں گے۔ دانا دوست کہنے لگے: جو کچھ بھی ہے حضرت علی کا جواب درست اور مناسب ہوگا۔

جس شخص نے سوال کیا تھا اپنی جگہ پر کھڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ معلوم نہیں علی کو میرے سوال کا جواب معلوم ہے یا نہیں؟ اگر اس نے کہہ دیا تین ہزار تو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ جواب درست ہے یا نہیں؟ اس طرح مجبوراً علی کا جواب قبول کرنا ہوگا لیکن اس کی دلیل بھی دریافت کروں گا۔ اگر علی نے مزاح کرتے ہوئے جواب دیا کہ تمہاری داڑھی کے بالوں کی تعداد تمہارے سر کے بالوں سے نصف ہے تو اس وقت پوچھوں گا کہ میرے سر کے بالوں کی تعداد کتنی ہے؟ شاید یہ کہہ دیں کہ تمہاری داڑھی کے بالوں سے دگنی، پھر اس وقت اعتراض کروں گا کہ یہ تو مزاح ہے، میں تو درست جواب چاہتا ہوں۔

چند لمحوں کے بعد حضرت علی نے حاضرین سے پوچھا: اے بھائیو! اس سوال کا درست جواب کون جانتا ہے؟۔ حاضرین میں سے کوئی شخص جواب دینے کے لیے تیار نہ ہوا اور مجلس

میں چند لمحے خاموشی رہی، اس کے بعد پھر سرگوشیاں شروع ہوگئیں، دشمنوں نے دوستوں سے کہا: تم نے دیکھ لیا نا کہ علی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

نادان دوست کہنے لگے: کیوں نہیں! علی کو سب کی داڑھی، سر بلکہ بدن کے بالوں کی تعداد بھی معلوم ہے۔ ابھی صبر کرو تا کہ سب کچھ معلوم ہوجائے۔ دانا دوست کہہ رہے تھے: جلدی نہ کرو، حضرت علی چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی سوچنے کا وقت دیں؛ تا کہ تمہارے جواب کی طرف متوجہ ہوں۔

کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قنبر نامی ایک آزاد کردہ غلام رہتا تھا جو مکتبِ علی کا تربیت یافتہ، آپ کا خدمت گار اور جاں نثار تھا۔ سب لوگ قنبر کو پہچانتے تھے جب بھی حضرت علی مسجد سے نکلتے تو قنبر آپ کے ہمراہ رہتا۔ اس موقع پر بھی قنبر دروازہ پر نہایت خاموشی سے کھڑا مسجد میں ہونے والی گفت وشنید سن رہا تھا۔

جب مجلس سے کوئی شخص جواب دینے کے لیے نہ اُٹھا تو علی نے قنبر کو آواز دی اور کہا: آؤ اور اس شخص کو جواب دو۔ لوگ اسی طرح چہ میگوئیاں کررہے تھے۔ دشمن کہہ رہے تھے علی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے، اور پہلوتہی سے کام لے رہے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں قنبر اپنی تلوار کی زبان سے اس شخص کو دندان شکن جواب دے گا۔

نادان دوست کہہ رہے تھے: حضرت علی چاہتے ہیں کہ اس شخص کو سمجھائیں کہ قنبر بھی تمہاری داڑھی کے بالوں کی تعداد جانتا ہے؛ اس لیے میرے لیے اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔ دانا دوست کہہ رہے تھے: اس شخص کا سوال اتنا اہم نہیں ہے کہ خود حضرت علی اس کا جواب دیں؛ حالاں کہ قنبر بھی اسے جانتا ہے۔ اسی طرح ہر شخص کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔

قنبر نے سوال کرنے والے کوفی نوجوان سے کہا: اے مرد! اگر تم لوگوں کے بدخواہ نہیں ہو اور سچے ہو تو اس بات کی تصدیق کرو کہ اس سوال سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا مقصد اپنے علم میں اضافہ نہیں ہے بلکہ تمہاری غفلت اور بدبختی نے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے پیشوا سے عجیب وغریب سوالات پوچھو یا پھر چاہتے ہو کہ اپنے آپ کو نازک مزاج اور زیرک ثابت کرو اور حیرت انگیز سوالات سے جاہلوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا

چاہتے ہو۔ یا شاید سمجھتے ہو کہ تم نے کوئی اہم اور مشکل مسئلہ دریافت کیا ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے؛ لیکن یاد رکھو! حضرت علی کو وہ تمام باتیں معلوم ہیں جس میں تمہاری بھلائی ہے۔

میں تمہیں جواب دے سکتا ہوں لیکن اس سے قبل کہ تمہارے سوال کا جواب دوں، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہاری داڑھی کے ہر بال میں ایک شیطان چھپا بیٹھا ہے جو تمہارے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور تمہیں راہِ راست سے دور کر رہا ہے۔ اے مرد! ہم ہر روز پانچ نمازوں میں کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں سیدھے اور نیکوں کے رستہ پر چلا اور ہمیں محروموں اور گمراہوں کے رستہ سے دور رکھ؛ لیکن تمہارا سوال اس قسم کا نہیں ہے کہ گمراہی سے بچے رہو، جو شخص راہِ راست کی تلاش میں رہتا ہے وہ نیکی اور بھلائی کے سوالات پوچھتا ہے اور ایسی دعا مانگتا ہے کہ جس کے جاننے یا حاصل کرنے میں اس کی اپنی یا دوسروں کی سعادت اور بھلائی ہو، یہ تو محض شیطان کا وسوسہ ہی ہوسکتا ہے جو انسان کو ایسی چیزوں کے پوچھنے اور جاننے پر آمادہ کرتا ہے جس میں کسی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

میں تمہارا جواب دے سکتا ہوں لیکن یاد رکھو! انسان کی عمر چھوٹی ہے، جو لوگ اپنا وقت، عمر اور سوچ بے ہودہ باتوں میں ضائع کر دیتے ہیں تو انھیں مفید باتوں کے سیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس لیے ہر روز تہی دست رہتے ہیں۔ اس وقت ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی وہ کمزور اور زیردست بن جاتے ہیں اور دشمن ان پر غلبہ پالیتا ہے پھر ایسے لوگ آجاتے ہیں جو ان پر حکومت کرتے ہیں۔

ہماری رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی آسمان کے ستاروں، فرشتوں اور پیغمبروں کی تعداد بیان نہیں کرتی؛ اس لیے کہ کئی چیزوں کا شمار کرنا بے حاصل ہے جب تک کہ اس میں فائدہ نہ ہو۔

ذرا سوچو کہ جو شخص بیمار کی نبض کی گنتی کرتا ہے وہ طبیب کہلاتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ایسا شخص بیماری کا سبب دریافت کرتا ہے۔ یوں ہی دین کے پیشوا اِنسانی روح کے طبیب ہوتے ہیں۔ ہمارے پیغمبر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس لیے تشریف لائے کہ لوگوں کی راہِ راست پر راہ نمائی فرمائیں؛ اس لیے تشریف نہیں لائے کہ سالن میں پکی ہوئی دال کے دانوں کو شمار کیا

جائے یا اپنی اور دوسروں کی داڑھی کے بال گنے جائیں۔

سوال کرنے والا ابھی تک نہایت بے صبر تھا؛ اس لیے کہنے لگا: اے قنبر! تو نے وعظ اور نصیحت تو کردی؛ لیکن میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟۔ قنبر نے کہا: میں اس کام میں مشغول ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ موضوعِ زیرِ بحث زیادہ روشن ہو سکے؛ اس لیے مجھے بتاؤ کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟۔ سوال کرنے والے نے کہا: میرا پیشہ ترازو سازی ہے۔ میں کھجور کی لکڑی، اس کے ریشے اور پتوں سے ترازو بناتا ہوں اور فروخت کرتا ہوں؛ لیکن میرے پیشے اور میرے سوال میں کون سا ربط ہے؟۔

قنبر نے کہا: اس میں ربط یہ ہے کہ اگر ایک ترازو ساز ایک ایک سال خرچ کرے اور کوشش کرے کہ عمدہ اور بہتر ترازو بنائے تو یقیناً ایسے ترازو کی پائیداری اور فائدہ زیادہ ہوگا لیکن اگر وہ دو دن صرف کرے اور خود ہی اندازہ کرتا رہے کہ چند ماش اور چنا کے دانے ہم وزن ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ جاننے اور سمجھنے میں سعادت ہے؛ لیکن مفید باتوں کو جاننا اور سمجھنا چاہیے۔ ہاں! اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہاری داڑھی کے بالوں کی گنتی تمہارے لیے سودمند ہو سکتی ہے، تو میں تجھے اس کا جواب بھی دے سکتا ہوں اور تمہیں مطمئن بھی کر سکتا ہوں۔

سوال کرنے والا جوان ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ کہنے لگا: مجھے اس کا کوئی خاص فائدہ تو معلوم نہیں ہے؛ تاہم میں نے ایک سوال پوچھا ہے جس کا جواب جاننا چاہتا ہوں۔

قنبر نے کہا: مجھے بھی اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا؛ لیکن ایسے سوال کی حیثیت دوسروں کا وقت ضائع کرنے اور بچوں کے افکار کو گمراہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے؛ تاہم تم ابھی تک اپنے سوال کا جواب مانگنے پر اِصرار کر رہے ہو۔ بہت بہتر! کیا تم گنتی اور حساب جانتے اور ہزار سے لے کر دس ہزار تک گنتی کر سکتے ہو؟۔ اس نے کہا: ہاں! جانتا ہوں۔

قنبر نے کہا: اے بھائی! جو لوگ عقل مند ہیں وہ کئی مفید کام کرتے ہیں۔ اگر تجھے کسی کام کی فکر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی مفید سوال پوچھنا چاہتے ہو تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے اس گنتی

سے تمہارا کوئی ذاتی مسئلہ حل ہو جائے گا۔ بہر حال! یہ کام نہایت آسان ہے۔ تمہاری داڑھی کافی لمبی ہے، اسے قینچی سے کاٹ دو اور اپنے سامنے رکھ لو اور بیٹھ کر نہایت آرام سے گنتی کر لو کہ اس میں کتنے بال ہیں۔ اگر اب بھی راضی نہیں ہو تو مجھے بتاؤ۔

مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگ بہت خوش ہوئے۔ کئی چہروں پر مسکراہٹ چھا گئی اور گنگناہٹ شروع ہو گئی۔ دوست اور دشمن ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ دشمنوں نے کہا: ہم بھی اس موضوع سے غافل تھے۔ قنبر درست کہتا ہے۔ نادان دوست کہنے لگے: واقعی عجیب سوال اور عجیب جواب تھا۔ دانا دوستوں نے کہا: یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب کے لیے اپنے غلام کو حکم دیا ہے۔

سوال پوچھنے والے نے شرمندگی سے کہا: اے قنبر! تو نے درست کہا ہے اور مجھے غفلت کے خواب سے بیدار کر دیا ہے اور راہِ راست پر لے آیا ہے۔ اب میں اپنی داڑھی کے بالوں کی گنتی معلوم نہیں کرنا چاہتا۔ پہلے تو میں بھی خوش تھا کہ عجیب سوال پوچھ رہا ہوں؛ لیکن اب سمجھ گیا ہوں کہ کوئی عجیب اور بے حاصل مسئلہ پوچھنا ہنر مندی نہیں ہے۔ میں شیطانی وسوسوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کے علاوہ اس امر سے زیادہ خوش ہوں کہ اگر چہ سوال بیہودہ تھا لیکن جواب دینے والا عقل مند تھا!۔

حق بات' گورنر کے منہ پر

یہ اُس وقت کی بات ہے جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (م ۴۴ھ) بصرہ کے گورنر تھے۔ جب وہ خطبہ دیا کرتے تو حمد وصلوٰۃ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے خصوصی دعا کرنے لگتے تھے۔ ایک نوجوان مرد ضبہ بن محصن عنزی کو ان کا یہ طریقہ پسند نہ تھا۔

ایک روز دورانِ خطبہ اس نے ان سے کہا: حیرت کی بات ہے کہ آپ صاحب رسول' حضرت ابوبکر پر عمر فاروق کو فوقیت دیتے ہیں اور خطبہ میں پہلے ابوبکر صدیق کا ذکر نہیں کرتے۔ چند جمعوں تک تو ابوموسیٰ اشعری اس کی باتیں برداشت کرتے رہے مگر پھر اس کے بعد انھوں

نے اس کی شکایت لکھ کر حضرت عمر فاروق کے پاس بھیج دی کہ ضبہ بن محصن نامی نوجوان میرے خطبے میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔

حضرت عمر نے انھیں لکھا کہ ضبہ کو میرے پاس بھیج دیا جائے۔ چنانچہ ضبہ امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بصرہ سے مدینہ پہنچ گیا۔ جس وقت وہ مدینہ پہنچا تو آپ اپنے گھر میں تھے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، آپ باہر تشریف لائے اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے اپنا نام بتلایا۔

آپ نے فرمایا: نہ تم نے مرحباً کہا اور نہ اہلاً (یعنی وہ کلمات نہ کہے جو ملاقات کے موقع پر ملنے والے ایک دوسرے سے کہتے ہیں) اس نے کہا کہ مرحباً یعنی وسعت و کشادگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اہل کے سلسلے میں عرض ہے کہ میں تنہا ہوں، نہ میرے پاس اہل و عیال ہے اور نہ مال و منال۔ آپ یہ تو بتائیے کہ آپ نے مجھے اتنے دور دراز علاقے سے کیوں بلا بھیجا، میرا جرم کیا ہے جس کی یہ سزا دی گئی ہے؟۔

آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے اور ابو موسیٰ کے درمیان وجہِ نزاع کیا ہے؟۔

اس نے کہا کہ جب وہ خطبہ دیتے ہیں تو حمد و صلوٰۃ کے بعد آپ کے لیے دعا شروع کر دیتے ہیں اور میں یہ بات سخت ناپسند کرتا ہوں کہ صاحب رسول خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق پر آپ کو فوقیت دی جائے۔ میں نے انھیں منع کیا تو انھوں نے آپ کے پاس شکایت لکھ بھیجی۔

اس نوجوان کی یہ بات سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ بے حد ملول ہوئے، آنکھیں چھم چھم برسنے لگیں اور سسکتے ہوئے فرمایا: ضبہ! تم مجھ سے زیادہ توفیق یاب اور سعادت مآب ہو، خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ ضبہ نے کہا کہ امیر المومنین میں نے آپ کو معاف کیا۔

اب حضرت عمر فاروق فرمانے لگے: خدا کی قسم ابو بکر صدیق کا ایک دن رات، عمر اور آل عمر سے بہتر ہے۔ کیا میں تمہیں اس کی وجہ نہ بتلا دوں؟۔

عرض کیا: ضرور بتلائیں۔ فرمایا: ان کی رات تو اس لیے افضل ہے کہ جب حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے مظالم سے بچ کر مکہ معظّمہ سے باہر نکلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیق آپ کے ہمراہ تھے اور اس شان سے تھے کہ آپ کی حفاظت کے لیے کبھی

آپ کے آگے چلتے، کبھی آپ کے پیچھے چلتے، کبھی دائیں طرف ہو جاتے اور کبھی بائیں طرف۔ ان کا یہ اضطراب دیکھ کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: ابوبکر! یہ تم کیا کر رہے ہو، کبھی اِدھر ہو جاتے ہو اور کبھی اُدھر؟۔

عرض کیا: یارسول اللہ! جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ کوئی گھات لگائے نہ بیٹھا ہو تو آگے آجاتا ہوں، اور جب یہ سوچتا ہوں کہ دشمن کے آدمی پیچھے نہ آرہے ہوں تو پیچھے آجاتا ہوں، دائیں طرف سے دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا ہے تو دائیں طرف آجاتا ہوں، اور بائیں طرف سے حملے کا خیال آتا ہے تو بائیں طرف آجاتا ہوں؛ غرضیکہ مجھے آپ کے سلسلے میں کسی پہلو سکون نہیں ملتا۔

اس رات کا سفر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پنجوں کے بل طے فرمایا؛ تاکہ کوئی آواز نہ پھوٹے۔ طویل سفر کے باعث جب آپ کی انگلیاں زخمی ہوگئیں تو حضرت ابوبکر کو یہ حالت دیکھی نہ گئی اور انھوں نے محبوبِ دوجہاں علیہ السلام کو اپنے کاندھوں پر بٹھالیا اور غارِ ثور تک لے کر چلے اور وہاں پہنچ کر عرض کیا: یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، آپ اس غار میں داخل نہ ہوں تاوقتیکہ میں اندر جاکر نہ دیکھ لوں کہ اگر کوئی ایذا دینے والی چیز ہو تو وہ مجھے ایذا دے آپ اس کے گزند سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ ابوبکر اندر گئے، غار میں کچھ نہ تھا، باہر آئے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں اُٹھا کر اندر لے گئے۔ غار کی دیوار میں شگاف تھا جس میں سانپ اور بچھو تھے، حضرت ابوبکر نے اس شگاف پر اپنا پاؤں رکھ کر بند کر دیا اس خوف سے کہ کہیں کوئی تکلیف دہ چیز نکل کر آپ کو ایذا نہ پہنچائے۔

ادھر ان کیڑوں نے حضرت ابوبکر کے پاؤں میں ڈسنا شروع کر دیا، تکلیف کی شدت سے آپ کے آنسو بہنے لگے؛ لیکن آپ نے اس شگاف سے اپنا پاؤں نہ ہٹایا۔ انھیں روتا ہوا دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کے دل میں سکون ڈال دیا اور باقی رات آپ نے اطمینان سے گزاری۔ تو یہ اُن کی رات تھی۔

اور اُن کے دن کا حال یہ ہے کہ جس روز حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے پردہ فرمایا تو عرب کے بعض قبیلے مرتد ہوگئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ہم نماز پڑھیں گے؛ لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکر نے ان کے خلاف جہاد کا اِرادہ کیا۔ میں ان کے پاس گیا تا کہ انھیں اس قصد و اِرادہ سے روک سکوں۔

میں نے کہا: اے نائب رسول! آپ لوگوں کے پاس جائیں اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں۔ انھوں نے فرمایا: عمر! مجھے حیرت ہے کہ تم کفر میں اتنے سخت تھے مگر اسلام میں اس قدر کمزور پڑ گئے ہو۔ میں ان کے پاس کیوں جاؤں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ خدا کی قسم! اگر لوگوں نے مجھے وہ رسی دینے سے بھی انکار کیا جو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال کروں گا؛ بہرحال! ہم نے ان قبائل کے خلاف جنگ کی۔ خدا کی قسم! اس سلسلے میں ان کی رائے بالکل درست نکلی، اور ان کا یہ اقدام صدفی صد بجا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔(۱)

کاش! مجھے عمیر جیسے گورنر مل جائیں

حضرت سیدنا عمیر بن سعد الانصاری رضی اللہ عنہ (م ۴۵ھ قریباً) کے بچپن کا ایک ایمان افروز واقعہ آپ پچھلے صفحات میں پڑھ آئے ہیں۔ یہاں ان کی زندگی کا ایک اور حسین رُخ پیش کیا جا رہا ہے۔ راوی خود حضرت سیدنا عمیر ہیں کہ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے حمص کا گورنر بنا کر بھیجا۔ ایک سال گزر گیا لیکن میں نے انھیں کوئی خبر نہ کی۔ انھوں نے کاتب کو بلایا اور فرمایا :

(۱) دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/ ۳۳۹ حدیث: ۷۳۱...... تفسیر درمنثور: ۵/ ۷۶...... تفسیر بحر العلوم سمرقندی: ۲/ ۲۳۴...... روح المعانی: ۱۰/ ۹۸...... تفسیر روح البیان: ۵/ ۵۲...... جامع الاحادیث: ۲۸/ ۵۰...... کنزالعمال: ۱۲/ ۳۴۷...... احیاء علوم الدین: ۲/ ۱۷۹...... سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ۳/ ۲۴۰...... الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۱/ ۴۵...... تاریخ دمشق: ۳۰/ ۸۰۔

عمیر کی طرف خط لکھو کہ 'جیسے ہی تمہیں میرا یہ خط ملے فوراً میرے پاس چلے آؤ، مالِ غنیمت اور خراج وغیرہ بھی ساتھ لیتے آنا'۔

جب حضرت عمیر بن سعد کو امیر المومنین کا پیغام ملا تو آپ نے اپنا تھیلا اُٹھایا، اس میں زادِ راہ اور پیالہ رکھا، پانی کا برتن لیا، پھر اپنی لاٹھی اُٹھا کر پیدل ہی سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آپ سیدنا عمر کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئے کہ آپ کا چہرہ گرد آلود اور رنگ متغیر ہو چکا تھا، اور طویل سفر کے آثار چہرے پر ظاہر تھے۔

آپ نے حاضر ہوتے ہی: السلام علیکم یا اَمیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ کہا۔ حضرت سیدنا عمر نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا: اے عمیر! تمہارا کیا حال ہے؟۔ آپ نے عرض کیا: میرا وہی حال ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ میں صحیح وسالم ہوں اور دنیا میرے ساتھ ہے جیسے میں کھینچ رہا ہوں۔

حضر عمر فاروق نے پوچھا: تم اپنے ساتھ کیا کچھ لے کر آئے ہو؟، اُن کا گمان تھا کہ شاید حضرت عمیر مالِ غنیمت وغیر لائے ہوں گے۔ حضرت عمیر نے عرض کیا: میرے پاس میرا تھیلا ہے جس میں اپنا زادِراہ رکھتا ہوں، ایک پیالہ ہے جس میں کھانا کھاتا ہوں اور اسی سے اپنا سر اور کپڑے وغیرہ دھوتا ہوں، ایک پانی کا برتن ہے جس میں پانی پیتا ہوں اور وضو وغیرہ کرتا ہوں، اور ایک لاٹھی ہے جس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اگر کوئی دشمن آجائے تو اسی لاٹھی سے اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔ خدا کی عزت کی قسم! اس کے علاوہ میرے پاس دنیاوی مال ومتاع نہیں۔

حضرت عمر نے دریافت فرمایا: اے عمیر! کیا تم پیدل آئے ہو؟۔ عرض کیا: جی ہاں۔ پوچھا: کیا مسلمانوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تمہیں سواری دیتا تاکہ تم اس پر سوار ہو کر آتے؟۔ عرض کیا: نہیں، ان میں سے کسی نے مجھے کہا نہ ہی میں نے کسی سے سوال کیا۔

حضرت عمر نے فرمایا: وہ کتنے برے لوگ ہیں جن کے پاس سے تم آئے ہو!۔ عرض کیا: امیر المومنین! انھیں برا نہ کہیں، میں ان لوگوں کو صبح کی نماز پڑھتے چھوڑ کر آیا ہوں، وہ اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں۔

حضرت عمر نے پوچھا: تم جس مال کی وصولی کے لیے بھیجے گئے تھے، وہ کہاں ہے؟ اور تم نے وہاں رہ کر کیا کیا کام سرانجام دیے؟۔ عرض کیا: آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟۔ فرمایا: سبحان اللہ! میں جو پوچھنا چاہتا ہوں وہ بالکل واضح ہے۔ عرض کیا: اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میرے نہ بتانے سے آپ کو غم ہوگا تو میں ہرگز آپ کو نہ بتاتا۔ لیکن جب پوچھ ہی لیا ہے تو اب سنیے!۔ جب آپ نے مجھے بھیجا تھا تو وہاں پہنچ کر میں نے وہاں کے تمام نیک لوگوں کو جمع کیا اور انھیں مال جمع کرنے کے لیے کہا۔ جب انھوں نے مالِ غنیمت اور جزیہ وغیرہ جمع کرلیا تو میں نے اس مال کو اس کے مصارف میں خرچ کردیا۔ اگر اس میں سے کچھ بچتا تو میں یہاں ضرور لے کر آتا!۔

حضرت سیدنا عمر نے دریافت کیا: تم یہاں کچھ بھی نہیں لے کر آئے؟۔ عرض کیا: نہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: عمیر کو دوبارہ وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا جاتا ہے اس کے لیے عہد لکھو۔ حضرت عمیر نے جب یہ سنا تو عرض کیا: اب میں یہ کام نہ تو آپ کے لیے کروں گا نہ آپ کے بعد کسی اور کے لیے؛ کیوں کہ اس کام میں میں اپنے آپ کو گناہوں سے نہیں بچا سکتا بلکہ مجھ سے ایک خطا بھی سرزد ہوئی ہے، میں نے ایک نصرانی کو یہ کہہ دیا تھا کہ 'اللہ تعالیٰ تجھے رسوا کرے حالانکہ وہ ہمیں جزیہ دیا کرتا تھا اور ذمی کافر کو اذیت دینا منع ہے؛ لہٰذا میں اب یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا۔ پھر انھوں نے حضرت عمر سے اِجازت چاہی اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

حضرت سیدنا عمیر کا گھر مدینہ سے کافی دور تھا۔ وہ پیدل ہی گھر کی جانب چل دیے۔ جب وہ چلے گئے تو حضرت عمر نے فرمایا: ان کے بارے میں تحقیق کرنی چاہیے؛ لہٰذا آپ نے حارث نامی ایک شخص کو بلایا اور اسے ایک سو دینار دے کر فرمایا: تم حضرت عمیر کے پاس جاؤ اور وہاں مہمان بن کر رہو، اگر وہاں دولت کے آثار دیکھو تو واپس آجانا اور اگر انھیں تنگدستی اور فقر و فاقہ کی حالت میں پاؤ تو یہ دینار انھیں دے دینا۔

جب وہ شخص وہاں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت سیدنا عمیر ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور اپنے کرتے سے گردوغبار وغیرہ صاف کر رہے ہیں۔ وہ ان کے پاس گئے اور سلام عرض کیا، آپ نے جواب دیا اور فرمایا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ ہمارے ہاں مہمان ہو جائیے؛ لہٰذا وہ ان کے یہاں بطورِ مہمان ٹھہر گیا۔ پھر حضرت عمیر نے اس سے پوچھا: آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟۔ اس نے کہا: میں مدینہ منورہ سے آیا ہوں۔

حضرت عمیر نے پوچھا: امیر المومنین کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟۔ جواب دیا: اچھی حالت میں۔ پھر آپ نے پوچھا: کیا حضرت عمر مجرموں کو سزا نہیں دیتے؟۔ اس نے کہا: کیوں نہیں، وہ حدود قائم فرماتے ہیں، اور انھوں نے تو اپنے بیٹے پر بھی کسی خطا پر حد قائم فرمائی؛ یہاں تک کہ وہ انتقال کر گئے۔ حضرت عمیر نے کہا: اے اللہ! تو حضرت سیدنا عمر کو عزت عطا فرما، ان کی مدد فرما، بے شک وہ تجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔

وہ شخص حضرت عمیر کے یہاں تین دن تک مہمان رہا۔ آپ کے یہاں جَو کی ایک روٹی ہوتی جو اسے کھلا دیتے اور خود بھوکے رہتے؛ یہاں تک کہ آپ مشقت میں پڑ گئے اور آپ کو بہت زیادہ پریشانی ہونے لگی؛ چنانچہ آپ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ہمیں بہت زیادہ پریشانی کا سامنا ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہم سے رخصت ہو جائیں۔ جب اس نے یہ سنا تو دینار نکال کر آپ کی بارگاہ میں پیش کیے اور کہا: یہ امیر المومنین نے آپ کے لیے بھیجے ہیں، انھیں قبول فرما لیجیے اور اپنی ضروریات میں استعمال کیجیے۔

جب آپ نے یہ سنا تو ایک زوردار چیخ ماری اور فرمایا: مجھے ان کی کچھ حاجت نہیں، انھیں واپس لے جاؤ۔ یہ دیکھ کر آپ کی زوجہ محترمہ نے عرض کیا: آپ انھیں قبول کر لیجیے، اگر ان کی ضرورت محسوس ہو تو استعمال کر لینا ورنہ حاجت مندوں اور فقرا میں تقسیم کر دینا۔ حضرت عمیر نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس میں انھیں رکھ سکوں۔ یہ سن کر آپ کی زوجہ محترمہ نے اپنے کرتے کا نیچے والا حصہ پھاڑ کر دیا اور کہا: اس میں رکھ لیجیے۔

چنانچہ آپ نے وہ دینار لے کر اس کپڑے میں رکھ لیے، پھر گھر سے باہر تشریف لے گئے اور تمام دینار شہدا کے اقربا اور فقراؤ مساکین میں تقسیم فرمادیے۔ جب واپس گھر آئے تو آپ کے پاس ایک دینار بھی نہ تھا۔ دینار لانے والے کا گمان تھا کہ شاید مجھے بھی کچھ حصہ ملے گا لیکن آپ نے سب دینار فقرا میں تقسیم فرمادیے تھے۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا: جاؤ امیر المومنین کو میرا سلام عرض کردینا۔

وہ شخص وہاں سے روانہ ہوکر حضرت عمر فاروق کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے وہاں کیا دیکھا؟۔ عرض کی: بہت تنگ دستی اور فقر وفاقہ کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، پھر پوچھا کہ انھوں نے دیناروں کا کیا کیا؟۔ عرض کی: مجھے معلوم نہیں۔

حضرت عمر نے ان کی طرف خط بھیجا اور اس میں لکھا کہ جیسے ہی ہمارا یہ خط پہنچے فوراً ہمارے پاس چلے آؤ؛ لہٰذا خط پاکر حضرت عمیر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ حضرت سیدنا عمر نے ان سے پوچھا: آپ نے دینار کہاں خرچ کیے؟۔ بولے! میں نے جہاں چاہا انھیں خرچ کیا، آپ ان کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہیں؟۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں مجھے بتاؤ تم نے وہ دینار کہاں خرچ کیے؟۔ حضرت عمیر نے عرض کیا: میں نے وہ دینار اپنی آخرت کے لیے ذخیرہ کرلیے ہیں۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق نے فرمایا: اللہ آپ پر رحم فرمائے اور آپ کو خوش وخرم رکھے، اسی طرح حضرت عمر آپ کو دعائیں دیتے رہے، پھر حکم فرمایا: انھیں چھ من گندم اور کچھ کپڑے دے دیے جائیں۔ آپ نے یہ سن کر کہا: مجھے گندم کی کوئی حاجت نہیں، میں گھر میں دو صاع گندم چھوڑ کر آیا ہوں، جب وہ ختم ہوجائے گا تو اللہ ہمیں اور عطا فرمائے گا۔ پس آپ نے گندم قبول نہ فرمایا اور کپڑے بھی یہ کہہ کر لیے کہ فلاں غریب عورت کو ان کی حاجت ہے، میں یہ کپڑے اسے دے دوں گا۔ پھر آپ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے، اور کچھ عرصہ بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔

جب حضرت سیدنا عمر کو آپ کے وصال کی خبر موصول ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اور ان کی تدفین کے لیے پیدل ہی جنۃ البقیع کی طرف چل پڑے، بہت سے لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ جب حضرت عمیر کو دفن کر دیا گیا تو حضرت سیدنا عمر نے لوگوں سے کہا: تم اپنی اپنی خواہش کا اِظہار کرو۔

ان میں سے ایک شخص بولا: اے امیر المومنین! میری یہ خواہش ہے کہ میرے پاس بہت سا مال ہو اور میں اس کے ذریعہ غلاموں کو آزاد کرواؤں تاکہ اللہ کی رضا نصیب ہو۔ دوسرے نے کہا: میری خواہش یہ ہے کہ میرے پاس بہت سا مال ہو جسے میں اللہ کی راہ میں خرچ کروں۔

ایک اور شخص نے کہا: میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بہت زیادہ قوت عطا فرمائے تاکہ میں بیرزمزم سے پانی نکال کر حجاج کو سیراب کروں۔ سب کی خواہشیں سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن میری خواہش تو یہ ہے کہ مجھے عمیر بن سعد جیسے لوگ مل جائیں جنھیں میں گورنر بناؤں اور مسلمانوں کے کاموں کا والی مقرر کردوں۔(۱)

شوقِ جہاد فی سبیل اللہ

تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت سعد الاسود السلمی رضی اللہ عنہ کو سیاہ رنگت ہونے کے باعث حصولِ رشتہ میں سخت مشکلات درپیش ہوئی تھیں، اور آخرکار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز پر حضرت عمرو بن وہب کی لڑکی نے آپ کے ساتھ رشتہ منظور کرلیا تھا۔

ہر شخص بآسانی اندازہ کرسکتا ہے کہ ایک ہمہ صفت موصوف پاکباز لڑکی کے ساتھ اس قدر تگ ودو اور کوشش کے بعد رشتہ میں کامیابی ان کے لیے کس قدر مسرت کا موجب ہوئی ہوگی، اور کس طرح ان کا دل امنگوں اور آرزوؤں سے لبریز ہوگا۔

(۱) الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ: ۱/۲۰۷...... طبقات الکبریٰ، ابن سعد: ۴/۳۷۵...... عیون الحکایات، ابن الجوزی مترجم: ۱/۲۴ تا ۲۷۔

تقریب رخصتانہ کی تکمیل کے سلسلے میں آپ بیوی کے لیے بازار سے تحائف خریدنے کے لیے نکلے، اور عین اس وقت کہ آپ نہایت خوش آئند خواب کو پورا ہوتا دیکھنے کے سامان فراہم کرنے میں مصروف تھے کہ اچانک منادی کی آواز سنی :

يا خيل الله اركبي وبالجنة ابشري .

یعنی اے اللہ کے سپاہیو! جہاد کے لیے سوار ہو جاؤ اور جنت کی بشارت پاؤ۔

اس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ تمام ولولے سرد پڑ گئے، جہاد کا شوق رگوں میں خون کی طرح گردش کرنے لگا، اور نوعروس کے ساتھ شادی کا خیال ہی دل سے نکل گیا۔ اسی روپے سے تحائف کی بجائے تلوار، نیزہ اور گھوڑا خرید کیا، سر پر عمامہ باندھا اور مہاجرین کے لشکر میں جا کر شامل ہو گئے۔ وہاں سے میدانِ جنگ میں پہنچے اور دادِ شجاعت دینے لگے۔ ایک موقع پر گھوڑا کچھ اُڑا تو نیچے اُتر آئے اور پا پیادہ تیغ زنی کرنے لگے؛ حتیٰ کہ درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے، اور نوعروس سے ہم آغوش ہونے کی بجائے عروسِ تیغ سے ہمکنار ہو گئے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو لاش پر تشریف لے گئے، آپ کا سر گود میں رکھکر دعا فرمائی، اور سارا سامان ان کی سوگوار بیوی کے پاس بھجوا دیا۔(۱)

آزادی پر غلامی کو ترجیح

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ (م ۴۵ھ) ایک اچھے خاندان کے نونہال تھے؛ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے بچپن ہی میں ان کی متاعِ آزادی چھین لی، اور عکاظ کے بازار میں فروخت کے لیے لے آئے۔ جہاں حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حضور پیش کر دیا، اور اس طرح آپ سلطانِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں پہنچے۔

---

(۱) اسد الغابہ: ۱/۴۲۴۔

ایک دفعہ ان کے قبیلہ کے بعض لوگ بہ نیت حج مکہ معظّمہ میں آئے اور انھیں پہچان لیا اور جا کر ان کے والد کو خبر دی، جس پر اس کا خوش ہونا ایک طبعی بات تھی۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ میں پہنچا، اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بصد منت والحاح عرض کرنے لگا کہ میرے لڑکے کو آزاد کر دیں، اور جو فدیہ چاہیں لے لیں۔

سرکارِ ابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید سے دریافت فرمایا کہ کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو؟۔

جواب دیا: ہاں، یہ میرے والد، اور یہ میرا چچا ہے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر ان کے ساتھ جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے شوق سے جاسکتے ہو۔

ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ بچپن میں ہی والدین، عزیز واقارب اور وطن عزیز سے چھوٹ جانے والے کو اتنے لمبے عرصے کی مایوسی کے بعد جب پھر ان سے ملنے کا موقعہ ملے اور پھر اپنے محبوب وطن میں جا کر ماں باپ بہن بھائیوں، دوسرے رشتہ داروں، دوست احباب اور بچپن کے ہم جولیوں سے آزادانہ طور پر ملنے جلنے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ اس کے راستے میں حائل ہو تو اس کے جذبات ایسے وقت میں کیا ہوسکتے ہیں!۔

سامنے باپ اور چچا کھڑے تھے، اور اس یقین کے ساتھ ان کے دل بھرے ہوئے تھے کہ ہمارا لختِ جگر اب ہمارے ساتھ جائے گا۔ جدائی کی دل گداز گھڑیاں اب ختم ہونے کو ہیں، اور پھر اس کا کوئی امکان بھی نہیں ہوگا۔ وہ تاعمر ہمارے پاس ہی رہے گا۔

وہ یہ وہم وگمان بھی نہ کرسکتے تھے کہ جب زید کو سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانے کا اختیار دے رہے ہیں تو اسے اس میں کوئی تأمل ہوسکتا ہے؛ مگر حضرت زید بن ثابت نے جواب دیا کہ میں حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ والی کونین سید الثقلین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی میرے باپ اور ماں ہیں۔ آپ کے در کو چھوڑ کر میں کہیں جانا پسند نہیں کرتا۔

اس غیر متوقع جواب کو سن کر ان کے والد اور چچا حیرت و استعجاب کی تصویر بن گئے اور تعجب خیز لہجے میں کہنے لگے: زید! کیا تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو؟۔

حضرت زید نے فرمایا کہ ہاں! مجھے اس ذاتِ پاک میں ایسی خوبیاں نظر آئی ہیں کہ اس پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔(۱)

سچائی کی جیت

حضرت کعب بن مالک السلمی (م ۵۰ھ) ایک جلیل القدر صحابیِ رسول ہیں۔ اپنی جوانی کا ایک انوکھا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری غزوہ تھا، آپ نے لوگوں میں کوچ کا اِعلان کر دیا۔ اِرادہ یہ تھا کہ لوگ جنگ کی تیاری کریں۔ آپ نے ان سے لشکر کے سامان کی فراہمی کے لیے قابل فروخت اَشیا بھی جمع کر لیں۔ لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ فصلیں پک گئی تھیں اور کٹائی کے لیے تیار تھیں۔ سفر بھی دور کا تھا اور دشمن بھی زبردست اور قوی۔ مسلمانوں کی تعداد خاصی تھی؛ لیکن ان کے ناموں کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔

میں اُن دنوں بہت آسودہ حال تھا۔ میرے پاس دو سواریاں تھیں اور میں اپنے زعم میں جہاد کے لیے مکمل تیاری کی حالت میں تھا۔ دل میں فصل پکنے کی خوشی، جوش اور ولولہ تھا۔ کھڑی فصل اور پختہ پھل چھوڑ کر جانا قیامت معلوم ہوتا تھا۔ اُمنگوں کی ولولہ انگیزی کا یہی عالم تھا کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہو گئے۔

میں نے دل میں کہا کہ کل بازار جاؤں گا اور اپنا سامان خرید کر ان سے جا ملوں گا۔ اگلے دن بازار گیا۔ وہاں ایک مسئلہ بن گیا اور میں سامان خریدے بغیر واپس آ گیا۔ میں نے سوچا کل -ان شاء اللہ- پھر بازار جاؤں گا اور بعد میں لشکر سے جا ملوں گا؛ لیکن پھر کوئی رکاوٹ پیش آ گئی اور میں اپنے اِرادے پر عمل نہ کر سکا۔

(۱) طبقاتِ ابن سعد: ۲۸/۱۔

میں نے کہا: ان شاء اللہ کل ہر حال میں جاؤں گا۔ اسی شش و پنج میں کئی دن گزر گئے اور میں اِسلامی لشکر سے پیچھے رہ گیا۔ اب میں بازاروں میں چلتا پھرتا اور مدینے میں گھومتا تو مجھے (پیچھے رہ جانے والوں میں) دو ہی قسم کے آدمی نظر آتے، وہ جسے نفاق نے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے یا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا ہے۔

اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تیس ہزار اَصحاب کے ہمراہ تبوک پہنچے تو لشکر کے سرکردہ اَفراد پر نظر ڈالی۔ بیعت عقبہ میں حاضر ہونے والا ایک مردِ صالح آپ کو دکھائی نہیں دیا۔ آپ نے دریافت کیا: کعب بن مالک کیا ہوئے؟۔

ایک آدمی نے جواب دیا: یارسول اللہ! انھیں ان کی دونوں چادروں (کی خوبصورتی) اور اپنے پہلوؤں پر فاخرانہ نگاہ نے روک لیا ہے۔ اس پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے غلط کہا، اے اللہ کے نبی! واللہ! ہم تو یہی جانتے ہیں کہ وہ بھلے آدمی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاذ بن جبل کا جواب سن کر خاموش رہے۔

غزوۂ تبوک اِختتام کو پہنچا اور مسلمانوں کی واپسی کا نقارہ بجا تو میں سوچنے لگا کہ ایسا کیا طریقہ ہو کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضی سے بچ جاؤں؛ اس سلسلے میں، میں نے خاندان کے سمجھ بوجھ رکھنے والے اَفراد سے مشورہ بھی کیا۔

مسلمان مدینہ پہنچ گئے۔ اب میں نے سمجھ لیا کہ سچ کے سوا کسی چیز سے نجات ملنے والی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے گئے، دو رکعت نماز پڑھی، پھر لوگوں کی خاطر مسجد ہی میں بیٹھ گئے۔

پیچھے رہ جانے والے آتے، عذر بیان کرتے، قسم کھاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کا ظاہر قبول کرتے اور باطن اللہ کے سپرد کر کے اُن کے لیے مغفرت کی دعا کر دیتے تھے۔

میں بھی آپ کے پاس مسجد میں آیا اور سلام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھ کر اس آدمی کی طرح مسکرائے جو سخت غصے میں ہو، آپ نے دریافت فرمایا: آپ کیوں پیچھے رہ

گئے، آپ نے تو سواری بھی خرید رکھی تھی؟۔

میں نے جواب دیا: جی ہاں!۔ دریافت فرمایا: پھر کیوں پیچھے رہ گئے؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال میں رنج وغم اور خفگی کے آثار نمایاں تھے۔ میں کہنے لگا: یارسول اللہ! میں آپ کے علاوہ اہل دنیا میں سے کسی اور کے پاس بیٹھتا تو واللہ آپ دیکھتے کہ میں کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے اس کی ناراضی سے بچ جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے بحث وتکرار کی خصوصی صلاحیت سے نوازا ہے؛ لیکن واللہ! میں جانتا ہوں کہ آج میں نے آپ کو جھوٹ بول کر راضی کر لیا تو جلد ہی میرا پول کھل جائے گا اور اللہ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں سچ کہہ دوں تو وقتی طور پر آپ ضرور ناراض ہوں گے؛ لیکن اُمید ہے کہ یوں اللہ میرا گناہ معاف کر دے گا۔ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میرا کوئی عذر نہیں، واللہ! میں کبھی اِتنا قوی اور آسودہ حال نہیں رہا جتنا اَب ہوں۔

یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کی طرف دیکھا اور فرمایا: اِنھوں نے سچ کہا ہے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: آپ یہاں سے چلے جائیں؛ حتیٰ کہ اللہ آپ کے متعلق کوئی فیصلہ کر دے۔

میں بہت غمگین ہوا اور بوجھل قدموں کے سہارے مسجد سے باہر آ گیا۔ میری قوم نے یہ صورت حال دیکھی تو بعض اَفراد مجھے ملامت کرنے اور کہنے لگے: واللہ! آج سے پہلے آپ نے کبھی ایسی غلطی نہیں کی۔ آپ شاعر آدمی ہیں۔ لوگوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بڑے بڑے عذر تراشے، آپ بھی کوئی بہانہ کر دیتے، اللہ کے رسول آپ کے لیے بھی مغفرت کی دعا کر دیتے اور اللہ آپ کو معاف کر دیتا۔

لوگ مجھے سرزنش کرتے رہے؛ حتیٰ کہ میں نے اِرادہ کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس جاؤں اور اپنا بیان بدل دوں۔ پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا: اچھا یہ بتاؤ کہ کسی اور سے بھی یہی کہا گیا ہے؟۔

انھوں نے بتایا کہ ہاں! دو اور آدمیوں نے بھی آپ کی طرح سچ بولا اور ان سے بھی وہی کہا گیا جو آپ سے کہا گیا ہے۔ میں نے پوچھا: کون ہیں وہ؟۔تو انھوں نے دو آدمیوں کا نام لیا جو بدر میں شامل تھے اور جن کی ذات میرے لیے نمونہ تھی۔ ایک مرارہ بن ربیع اور دوسرے ہلال بن اُمیہ۔

میں نے کہا: واللہ! میں اس سلسلے میں دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بالکل نہیں جاؤں گا اور نہ اپنا بیان بدلوں گا۔

اس کے بعد کعب بن مالک ہمت ہار کر گھر بیٹھ گئے۔ چند ہی دن گزرے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو کعب اور اُن کے دونوں ساتھیوں سے بات کرنے کی ممانعت کردی۔

کعب کہتے ہیں: اس پر لوگ ہم سے اِجتناب کرنے لگے۔ وہ ہمارے لیے اَجنبی ہو گئے۔ اب میں گاہے بگاہے بازار جانے لگا؛ لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ لوگوں کے چہرے بدل گئے۔ یہ وہ چہرے نہیں تھے جن سے ہم واقف تھے۔ درودیوار کاٹ کھانے کو دوڑتے۔ یہ وہ درودیوار نہیں تھے جنھیں ہم پہچانتے تھے۔ زمین ہمارے لیے بیگانہ ہوگئی۔ یہ وہ زمین نہیں تھی جس سے ہم شناسا تھے۔

میرے دونوں ساتھی تو گھروں میں پڑے دن رات روتے رہتے تھے۔ اپنے سر باہر نہ نکالتے اور راہبوں کی طرح پرمشقت عبادت کرتے۔ میں چوں کہ جوان اور مضبوط آدمی تھا۔ گھر سے نکلتا، مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھتا اور بازاروں میں گھومتا پھرتا تھا۔ مجھ سے کوئی کلام نہیں کرتا تھا۔

مسجد جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آکر آپ کو سلام کرتا۔ دل میں سوچتا کہ اللہ کے رسول نے میرے سلام کے جواب میں لب ہلائے یا نہیں۔ پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا اور کن اکھیوں سے دیکھتا رہتا۔ میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے اور جب میں دیکھتا تو آپ منہ پھیر لیتے۔

یوں ہی گردشِ شام وسحر جاری رہی کہ ایک اور آزمائش نے سر اُٹھایا۔ کعب اپنی قوم کے معزز آدمی اور فصیح وبلیغ شاعر تھے۔ آس پاس کے بادشاہوں کو اُن کے اُشعار پہنچتے اور وہ اس شاعر سے ملنے کی تمنا کرتے۔

ایک دن کعب بازار میں گھوم رہے تھے کہ ایک نصرانی جو شام سے آیا تھا، پوچھتا پھرتا تھا: مجھے کعب بن مالک کا پتا کون بتائے گا؟۔ لوگوں نے کعب کی طرف اِشارہ کرکے اسے بتایا۔ وہ کعب کے پاس آیا اور شاہِ غسان کا خط انھیں دیا۔ کعب نے خط کھولا تو اس میں مرقوم تھا :

> اما بعد! کعب بن مالک! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے بے وفائی کی ہے، اور تمہیں اپنے در سے دھتکار کر دور کر دیا ہے۔ اللہ نے تمہیں ذلت کے گھر میں رہنے اور ضائع ہونے کے لیے نہیں بنایا۔ ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہاری غم خواری کریں گے، اور تمہارے شایانِ شان سلوک کریں گے۔

کعب نے خط پڑھا تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یعنی گویا اب اہل کفر میری طمع کرنے لگے ہیں۔ یہ ایک اور آزمائش ہے۔ پھر فوراً خط تنور میں جا پھینکا اور بادشاہ کی پیشکش پر مطلق دھیان نہیں دیا۔

کعب کے لیے دربارِ شاہی کا دروازہ کھلا۔ رؤسائے عالم انھیں اپنا مصاحب بنا کر اِعزاز بخشنا چاہتے ہیں۔ مدینہ میں بسنے والے چہروں کے تیور بدل چکے ہیں۔ کعب سلام کرتے ہیں تو جواب نہیں دیا جاتا۔ سوال کرتے ہیں تو سنا نہیں جاتا۔ اس کے باوجود انھوں نے کافروں کی طرف اِلتفات نہیں کیا۔

شیطان انھیں ڈگمگانے اور خواہش کا بندہ بنانے میں ناکام رہا۔ انھوں نے شاہِ غسان کا خط آگ میں ڈال دیا۔ دن پر دن گزرتے رہے۔ پورا ایک مہینہ بیت گیا۔ کعب اسی حال میں رہے۔ گھیرا تنگ سے تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں بحال کر رہے تھے اور نہ وحی ہی کوئی فیصلہ دے رہی تھی۔

چالیس دن پورے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد کعب کے ہاں آتا اور دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ کعب جلدی سے باہر آتے ہیں کہ شاید آسانی در آئی۔ قاصد کہتا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے علاحدہ ہو جائیں۔

کعب نے پوچھا: طلاق دے دوں یا کیا کروں؟۔ اس نے کہا: نہیں؛ لیکن علاحدہ رہیں اور اُس کے قریب نہ جائیں۔ کعب فوراً بیوی کے پاس گئے اور کہا: اپنے گھر چلی جاؤ اور اُن کے ہاں رہو حتیٰ کہ اللہ اس معاملے کا فیصلہ کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر دونوں اَصحاب کی طرف بھی یہی پیغام بھیجا۔ ہلال بن اُمیہ کی اہلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں آئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! ہلال بن اُمیہ بوڑھے اور کمزور ہو چکے ہیں۔ آپ مجھے اِجازت دیتے ہیں کہ ان کی خدمت کرتی رہوں؟۔ فرمایا: ہاں! لیکن وہ آپ کے قریب نہ آئیں۔

وہ کہنے لگیں: یارسول اللہ! واللہ! وہ تو حرکت کرنے سے عاجز اور نہایت اَفسردہ ہیں۔ جب سے یہ معاملہ پیش آیا ہے، دن رات روتے رہتے ہیں۔

کعب کے لیے ایک ایک دن قیامت کا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ اپنے ایمان کے متعلق فکرمند ہو گئے۔ وہ مسلمانوں سے بات کرتے لیکن مسلمان ان سے کتراتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتے تو جواب نہ ملتا۔ آخر وہ کہاں جاتے اور کس سے مشورہ کرتے؟، یہی تو اُن کی کل کائنات تھی۔

کعب کہتے ہیں: آزمائش نے طوالت اختیار کی تو میں اپنے عم زادے ابوقتادہ کے ہاں گیا جن سے مجھے بے پناہ محبت تھی۔ وہ اپنے باغ میں تھے۔ میں باغ کی دیوار پھلانگ کر اندر گیا اور انھیں سلام کیا۔ اللہ کی قسم! انھوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔

میں نے پوچھا: ابوقتادہ! تمھیں اللہ کا واسطہ! تم جانتے ہو نا کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے؟۔ وہ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے دوبارہ پوچھا، تو اس بار بھی

چپ رہے۔تیسری بار پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔

کعب نے اپنے محبوب ترین بھائی اور عم زادے کا یہ جواب سنا تو برداشت نہ کر پائے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیے، پھر وہاں سے لوٹے اور گھر چلے گئے۔خالی گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔تسلی دینے کے لیے نہ بیوی اور نہ محبت بگھارنے کو کوئی قریبی۔

آج پچاسویں رات تھی۔رات کے تیسرے پہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تینوں اَصحاب کی قبولیتِ توبہ کے متعلق وحی نازل ہوئی۔آپ اس رات اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تشریف فرما تھے۔آپ نے آیات تلاوت کیں۔ام سلمہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم کعب بن مالک کو خوش خبری نہ سنائیں؟۔

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تب تو لوگ ٹوٹ پڑیں گے اور بقیہ رات آپ کو سونے نہیں دیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی تو لوگوں میں اِعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تینوں اَصحاب کی توبہ قبول کر لی ہے۔اعلان سنتے ہی لوگ خوش خبری سنانے دوڑ پڑے۔

کعب کہتے ہیں: میں نے اپنے گھر کی چھت پر فجر کی نماز اَدا کی تھی۔میں اسی حالت میں بیٹھا تھا جس کا ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کیا ہے کہ مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو چکی تھی، اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ پڑ گئی تھی۔

اب یہی جی چاہتا تھا کہ مرجاؤں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔انھیں سوچوں میں غرق تھا کہ کسی آدمی کی آواز سنائی دی جو جبل سلع پر کھڑا پکار رہا تھا: اے کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ۔

میں وہیں سجدے میں پڑ گیا۔مجھے اندازہ ہو گیا کہ اللہ کی طرف سے راحت آ پہنچی ہے۔اس کے بعد ایک گھڑ سوار بھی خوش خبری لے کر آیا؛ لیکن آواز گھوڑے سے زیادہ تیز رفتار نکلی۔جس آدمی نے جبل سلع پر خوشخبری سنائی تھی وہ میرے پاس آیا تو میں نے انعام میں اپنے کپڑے

اُتار کراُسے پہنا دیے۔ اللہ کی قسم! اس کے سوا میرے پاس کوئی لباس نہیں تھا، پھر میں نے دو کپڑے عاریتاً لے کر پہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں لوگ فوج در فوج مجھ سے ملاقات کرنے آرہے تھے۔ وہ مجھے قبولیتِ توبہ کی مبارکباد دیتے اور کہتے: اللہ کی طرف سے توبہ کی قبولیت مبارک ہو۔

میں چلتا ہوا مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اَصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام نے مجھے دیکھا تو طلحہ بن عبید اللہ اُٹھ کر میری طرف آئے۔ وہ مجھ سے گلے ملے، مبارک باد دی اور اپنی جگہ لوٹ گئے۔ طلحہ کی یہ بات میں نہیں بھول سکا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب گیا، آپ کو سلام کیا، خوشی سے آپ کا چہرہ دمک رہا تھا۔ جب آپ خوش ہوتے تو چہرہ یوں جگمگا تا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا :

أبشِرْ بخير يوم مر عليک منذ ولدتک أمک .

یعنی یہ دن مبارک ہو جو آپ کی زندگی کا -جب سے آپ کو آپ کی والدہ نے جنا ہے- سب سے اچھا دن ہے۔

میں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟۔ فرمایا: نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے۔ اس پر آپ نے قرآنی آیات تلاوت کیں۔ میں آپ کے روبرو بیٹھا اور کہا: میری توبہ ہی کا حصہ یہ اَمر بھی ہے کہ میں اپنا سارا مال صدقہ کرتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہتر ہے کہ کچھ مال اپنے پاس بھی رکھیں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ نے مجھے صرف سچ کی بدولت نجات دی، میری توبہ ہی سے یہ اَمر بھی ہے کہ جب تک زندہ رہوں سچ ہی بولوں۔(۱)

(۱) صحیح بخاری:۳۵۵/۱۴ حدیث:۴۴۱۸...... صحیح مسلم: ۱/۱۸ حدیث:۷۱۹۲...... مسند احمد بن حنبل: ۳۳/ ۳۸۲ حدیث:۱۶۲۰۴...... تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۷/۷۷ حدیث:۱۰۹۰۰...... سنن بیہقی: ۴۴۸/۲ حدیث: ۱۸۳۲۸...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۲۳/۷...... سیرۃ ابن ہشام: ۵۳۵/۲۔

خوبصورت ترین بہانہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (م ۵۰ ھ) عرب کے نہایت ذہین وفطین اَفراد میں سے تھے۔ گفتگو میں ماہرانہ شان رکھتے تھے۔ شاید ہی کوئی شخص گفتگو میں کبھی ان پر غالب آسکا ہو۔ ان کا بیان ہے کہ ساری زندگی میں سوائے ایک شخص کے مجھ پر کوئی غالب نہیں آسکا۔

ہوا یہ کہ میں نے بنوحارث قبیلے میں شادی کا اِرادہ کیا۔ اتفاق سے اسی قبیلے کا ایک نوجوان میرے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے مشورہ کیا کہ میں بنوحارث بن کعب کی فلاں لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اُس لڑکی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟۔

اس نوجوان نے مجھ سے کہا: اے اَمیر! اس میں آپ کے لیے کوئی خیر و بھلائی نہیں۔

میں نے پوچھا: بھتیجے! آخر ماجرا کیا ہے؟۔ اس نے کہا: میں نے اپنی ان آنکھوں سے ایک آدمی کو دیکھا جو اُس لڑکی کو بوسہ دے رہا تھا۔

میں نے یہ سن کر اس لڑکی سے شادی کی نیت چھوڑ دی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اسی نوجوان نے اس لڑکی سے شادی رچالی ہے، تو مجھے بڑا تعجب ہوا اور دکھ بھی۔

میں نے اس سے کہا کہ اللہ کے بندے! تم نے مجھے تو شادی نہ کرنے کا مشورہ دیا اور خود اسی سے شادی کرلی۔ وہ بوسہ والی بات کدھر گئی؟۔ اس نوجوان نے بھولے پن سے کہا کہ ہاں! میں نے سچ کہا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ اس لڑکی کا باپ ایک دن اسے بوسہ دے رہا تھا۔(۱)

سخاوت وفراخ دلی کی جیت

مسلم بن صبیح کوفی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا :

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور ایک نوجوان عرب نے بیک وقت ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ مغیرہ بن شعبہ کے مقابلے میں وہ عربی نوجوان بڑا ہی دل کش اور خوبرو تھا۔

(۱) کتاب الاذکیاء، ابن جوزی: ۱/۴۲۔

عورت نے ان دونوں کے جواب میں یہ کہلا بھیجا: تم دونوں نے مجھے پیغام نکاح بھیجا ہے۔ میں فی الوقت تم میں سے کسی کا حتمی جواب نہیں دے سکتی، جب تک کہ میں خود تمھیں دیکھ نہ لوں اور تمھاری بات نہ سن لوں؛ اس لیے اگر واقعی تم میں سے ہر ایک مجھ سے شادی کا خواہش مند ہے تو میرے پاس فلاں وقت آجائے؛ تاکہ میں کسی نتیجہ پر پہنچ سکوں اور اپنے منتخب شریک حیات کی نشان دہی کر سکوں۔

خاتون کا پیغام پہنچتے ہی دونوں صاحبان اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خاتون نے شادی کا پیغام دینے والے دونوں صاحبان کو ایسی جگہ بٹھایا جہاں سے وہ اسے نظر تو نہیں آتے تھے؛ البتہ ان کی گفتگو کی آواز اس تک پہنچتی تھی۔

ادھر مغیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی نگاہ جب عرب نوجوان پر پڑی تو اس کے پرکشش جسم، باکمال شباب، دیدہ زیب ہیئت اور اس کی شیریں کلامی سے مرعوب ہو گئے اور اندر ہی اندر اس رشتے سے مایوس ہو گئے؛ کیوں کہ انھیں یقین ہو چلا تھا کہ اب یہ رشتہ اس عرب نوجوان ہی کو مل سکتا ہے، مجھے اب خواہ مخواہ کی امید نہیں باندھنی چاہیے۔

وہ سمجھتے تھے چوں کہ ہر عورت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کا شریک حیات پر شباب، باکمال، پرکشش، خوب رو اور پیکر حسن و جمال ہو، اور یہ تمام صفات میرے مقابلے میں اس ساتھی کے اندر بدرجۂ اَتم موجود تھیں؛ لہٰذا جب اس خاتون کی فیصلہ کن نظر ہم دونوں پر پڑے گی تو لامحالہ میرے مقابلے میں اس ساتھی ہی کا انتخاب عمل میں آئے گا، اور میرے حصے میں ناکامی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ اسی کشمکش میں تھے کہ یکایک انھیں ایک تدبیر سوجھی اور انھوں نے جھٹ عرب نوجوان سے سوال کیا: بھئی! تم حسن و جمال اور شیریں کلام سے نوازے گئے ہو۔ کیا تمہارے اندر اس کے علاوہ بھی کچھ خوبی ہے؟۔

عرب نوجوان بڑے طمطراق سے گویا ہوا: ہاں، یہ اور وہ......!۔

یوں اس نے اپنی بہت ساری خوبیاں بیان کیں اور انہیں انگلیوں پر گنتا رہا، پھر خاموش

ہوگیا۔مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ بتلاؤ کہ تمہارا حساب کتاب کیسا ہے؟۔

عرب نوجوان نے جواب دیا: میرے حساب کتاب کے کیا کہنے! ایک پیسے کا حساب بھی گڑ بڑ نہیں ہوتا؛ کیوں کہ میں رائی کے دانے سے زیادہ دقیق حساب کتاب رکھتا ہوں۔

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ نے اپنے بارے میں بتانا شروع کیا؛ لیکن میرا حساب اس سے بالکل مختلف ہے۔ میں ہزاروں روپے کی تھیلی گھر کے کسی کونے میں رکھ چھوڑتا ہوں۔ میرے اہل خانہ حسب خواہش اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں اور مجھے اس کے متعلق معلوم تک نہیں ہوتا کہ کتنا خرچ ہوا اور کتنا باقی ہے۔ مجھے مال کے ختم ہونے کی خبر اس وقت ہوتی ہے جب مجھ سے مزید مال کا تقاضا ہوتا ہے۔

ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو وہ عورت بڑے غور سے سن رہی تھی، جب اس نے مغیرہ بن شعبہ کی بات سنی تو کہنے لگی: اللہ کی قسم! یہ شخص مجھ سے شادی کا زیادہ مستحق اور مجھے زیادہ محبوب ہے جو حساب کتاب کی پر پیچ وادی میں پھنس کر میرا محاسبہ نہیں کرے گا، اور یہ عرب نوجوان مجھے پسند نہیں جو مجھ سے پائی پائی کا حساب لے گا۔

پھر اس نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شادی کر لی۔(۱)

اصلاحِ قلب

ایک بار ایک نوجوان عمدہ لباس پہن کر حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ (م ۵۰ھ) کے سامنے سے گزرا۔ آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ آدمی اپنی خوبصورتی اور جوانی پر اِتراتا ہے؛ حالاں کہ تمہیں یہ سوچنا چاہیے کہ گویا قبر نے تمہارا جسم چھپالیا ہے اور تمہارے اعمال تمہارے سامنے آگئے ہیں، جاؤ اپنے دل کا علاج کرو، اللہ تعالیٰ بندوں سے صرف یہ چاہتا ہے کہ ان کے قلوب درست ہوں۔(۲)

(۱) کتاب الاذکیاء، ابن جوزی: ۱/۱۳۔
(۲) احیاء علوم الدین: ۳/۱۵۰۔

کیاتم نے دل چیر کر دیکھا تھا!

حضرت اُسامہ بن زید (م۵۴ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے پروردہ اور چہیتے صحابی تھے۔ جس وقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جُہینہ کے ذیلی قبائل کی طرف صحابہؓ کرام کے دستے روانہ کیے، تو مجاہدین میں اُسامہ بن زید بھی شامل تھے۔ علی الصبح جنگ کا آغاز ہوا۔ دورانِ معرکہ مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ دشمن کے بہت سے لاشے گرے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ دشمن کے ثابت قدم رہنے والے اَفراد میں سے ایک آدمی نے اپنے ساتھیوں کو پسپا ہوتے دیکھا تو ہتھیار ڈال کر میدانِ جنگ سے راہِ فرار اِختیار کی۔

اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنے انصاری ساتھی کے ہمراہ اس کا تعاقب کیا اور راستے میں ایک درخت کے قریب اسے جالیا۔ دونوں کی تلواریں بلند ہوئیں۔ اس آدمی کو اپنے سر پر دو تلواریں چمکتی دکھائی دیں تو موت کا سایہ اس کے چہرے پر لہرا گیا۔ اس نے ایک جھرجھری لی اور گھبرا کر کلمہ پڑھا: لا الٰہ الا اللہ۔

اُسامہ اور ان کے انصاری ساتھی حیران تھے کہ کیا واقعی یہ شخص اسلام قبول کر رہا ہے یا اس نے محض اپنی جان بچانے کا حیلہ کیا ہے۔ بڑی نازک صورتِ حال تھی۔ وہ جنگ کے میدان میں تھے جہاں ہر طرف کٹے پھٹے جسم اور انسانی اعضا بکھرے پڑے تھے۔ موت کا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ خون بہائے جا رہے تھے اور فضا کانپ رہی تھی۔ آدمی ان کے سامنے تھا اور وہ دونوں حیرت اور پریشانی کی تصویر بنے اسے تک رہے تھے۔

فوری فیصلے کا وقت تھا۔ ایک لمحے کی تاخیر بھی ناقابل برداشت تھی۔ کسی بھی لحظہ کوئی تیر آسکتا تھا جو اُن دونوں کو چیرتا ہوا نکل جاتا۔ بیٹھ کر سوچنے اور معاملے کی نزاکت پر غور وفکر کرنے کا وہاں موقع نہ تھا۔ چنانچہ انصاری نے تو اپنی تلوار ہٹالی؛ لیکن اُسامہ بن زید نے یہ سوچ کر کہ اس شخص کا اِسلام قبول کرنا ایک حیلے کے سوا کچھ نہیں، تلوار کا وار کیا اور اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

مسلمان فتح حاصل کرنے کے بعد خوشی خوشی مدینہ لوٹ آئے۔ اُسامہ بن زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معرکے کی روداد بیان کرنے لگے۔ اس دوران انھوں نے اس آدمی کے اِسلام لانے کا واقعہ بھی بیان کیا۔ معرکے کی کارروائی سے عیاں تھا کہ مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی ہے۔

سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت توجہ سے اُسامہ کی باتیں سن رہے تھے اور آپ کا چہرۂ مبارک وفورِ مسرت سے دمک رہا تھا۔ جیسے ہی اُسامہ نے کہا: پھر میں نے اسے قتل کر دیا: نبی علیہ السلام کا چہرہ فق ہو گیا۔ آپ نے رنج اور حیرت کے ملے جلے جذبات میں پوچھا :

'اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور تم نے اسے قتل کر دیا؟'۔

اُسامہ نے عذر پیش کیا: یارسول اللہ! اس نے یہ دل سے نہیں کہا تھا، اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پھر وہی سوال تھا :

'اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور تم نے اسے قتل کر دیا؟ تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ وہ یہ بات دِل سے کہہ رہا ہے یا اسلحے کے خوف سے؟؟'۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے قراری سے اُسامہ کو دیکھتے اور یہی کہتے رہے :

قـالَ لا الـٰه الا اللّٰه ثمُّ قتلتَه؟!! قالَ لا الٰه الا اللّٰه ثمُّ قتلتَه؟!! کیف لک بلا اله الا اللّٰه إذا جائت تُحاجُّک یومَ القیامة؟!!.

یعنی 'اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور تم نے اسے قتل کر دیا؟'۔ 'اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور تم نے اسے قتل کر دیا؟'۔ ذرا سوچو کہ اس وقت تمہارا کیا بنے گا جب کلمہ لا الٰہ الا اللہ قیامت کے دن تمہارے پاس آئے گا اور تم سے احتجاج کرے گا۔

آپ یہی بار بار کہتے رہے۔ خود اُسامہ بیان کرتے ہیں کہ آپ بار بار مجھ سے یہی پوچھ رہے تھے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ کاش! میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا!۔(۱)

(۱) صحیح بخاری:۲۲/۴۳۵ حدیث:۶۸۷۲......صحیح مسلم:۱/۳۴۱ حدیث:۲۸۷......سنن ابوداوٗد:۸/۱۰۶ حدیث: ۲۶۴۵......مسند احمد:۴۷/۳۶۳ حدیث:۲۲۴۳۴......شعب الایمان بیہقی:۱۱/۳۰۴ حدیث:۵۰۸۷۔

حسنین کریمین اور طریقہ وضو

علامہ کردری علیہ الرحمہ اپنی کتاب 'مناقب امام ابوحنیفہ' میں نقل فرماتے ہیں کہ حضور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس نواسوں (حسنین کریمین) نے ایک مرتبہ دریاے فرات کے کنارے ایک بوڑھے دیہاتی کو دیکھا کہ اس نے بڑی جلدی جلدی وضو کیا اور اسی طرح جلدی جلدی نماز پڑھی، اور جلد بازی میں وضو اور نماز کے مسنون طریقوں میں اس سے کوتاہی ہوگئی۔

حضراتِ حسنین کریمین نے اسے سمجھانا چاہا؛ لیکن انھیں یہ اندیشہ ہوا کہ یہ بوڑھا آدمی ہے اپنی غلطی سن کر کہیں چراغ پا نہ ہوجائے۔ چنانچہ امام حسن و حسین اس بوڑھے کے قریب آئے اور کہا: ہم دونوں نوجوان ہیں اور آپ تجربہ کار آدمی ہیں، آپ وضو اور نماز کا طریقہ ہم سے بہتر جانتے ہوں گے۔ لہٰذا ہماری خواہش ہے کہ آپ کو وضو کر کے اور نماز پڑھ کر دکھائیں، اگر ہمارے طریقے میں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو تو آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔

اس کے بعد حسنین کریمین نے سنت کے مطابق وضو کر کے نماز پڑھی۔ جب بڑے میاں نے دیکھا تو اپنی کوتاہی سے توبہ کی اور آئندہ سنت کے مطابق وضو و نماز ادا کرنے کا عہد کیا۔(١)

تبلیغ کا یہ طریقہ قرآنی اصول پر مبنی تھا اس لیے فوراً اثر پذیر ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ .

حکمت اور عمدہ تدبیر سے تم لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس طریقے کو جس نے بھی اپنایا کامیاب ہوا۔ ہمارے اسلاف و دُعاۃ نے یہی اصول اپنایا تھا جس کی برکت سے خلق خدا راہِ ہدایت پر گامزن ہوئی تھی۔ اللہ ہمیں بھی اس قرآنی طریقۂ تبلیغ کی کچھ خیرات عطا فرمائے۔

---

(١) مناقب الامام الاعظم ابوحنیفہ، للکردری۔

سعادت مند نوجوان

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۵۹ ھ) مسجد سے واپس گھر جارہے تھے۔ راستے میں ایک نوجوان ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ عبد اللہ بن عامر نے پوچھا: کیا تجھے مجھ سے کوئی کام ہے؟۔

اس نے عرض کیا: نہیں! بلکہ میں نے دیکھا کہ آپ تنہا جارہے ہیں، اس خیال سے آپ کے ساتھ ہولیا کہ خدانخواستہ کوئی بری بات آپ کو پیش آئے تو میں اسے اپنے اوپر لوں اور آپ کی حفاظت کروں!۔

یہ سن کر عبد اللہ بن عامر بہت خوش ہوئے۔ اس لڑکے کا ہاتھ پکڑا، گھر لے آئے اور اسے ان توصیفی کلمات کے ساتھ ایک ہزار دینار عطا کیے کہ 'تیرے بڑوں نے تجھے حسن ادب کے زیور سے آراستہ کیا ہے'۔(۱)

خوش نصیب چرواہا

ابومحذورہ (م ۵۹ ھ) ابھی نوعمر تھا، مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ اس کی آواز بہت خوبصورت تھی۔ وہ مکہ کا باسی تھا اور مکہ فتح ہو چکا تھا۔ مگر ابھی وہ اسلام کی نعمت سے محروم تھا۔ مکہ کے دیگر نوجوانوں کی طرح وہ بھی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

ایک دن اپنے دوستوں کے ساتھ بکریاں چراتا ہوا ایک وادی سے گزر رہا تھا۔ ادھر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کسی جنگ میں شرکت کے لیے وہاں سے گزر رہے تھے۔

ایک وادی میں پڑاؤ ڈالا گیا۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ حضرت بلال کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے اَذان دینا شروع کی۔ حضرت بلال کی بلند آواز دوسری وادی میں بکریاں چراتے ہوئے ابومحذورہ نے سن لی۔ اس نے دل لگی کے طور پر ان کی نقل اُتارنا شروع کردی۔

(۱) احیاء علوم الدین، امام غزالی: ۳۸۸/۳۔

اس کے دوسرے ساتھی خاموش اس کی آواز سن رہے تھے۔ بلال اُذان دیتے رہے اور ابو محذورہ ان کی نقل اُتارتے رہے۔ انداز میں تمسخر تھا مگر آواز غضب کی تھی۔ پھر ابومحذورہ کی قسمت جاگ گئی۔ اس کی خوبصورت آواز کو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سماعت فرمایا، آواز اچھی لگی۔ اذان ختم ہوئی تو حضرت علی اور حضرت زبیر کو حکم دیا کہ اس اذان دینے والے کو لے کر آئیں۔ وہ پہاڑ کے پیچھے گئے، نوجوانوں کو پکڑا اور انھیں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آئے۔ آپ نے پوچھا :

من اذن منکم آنفا .

تم میں سے ابھی ابھی کس نے اُذان دی ہے۔

اب انھیں خجالت محسوس ہوئی۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ تو تمسخرانہ طور پر اذان دے رہا تھا۔ آپ نے ایک سے فرمایا: تم اُذان دو۔ اس نے اذان کہنی شروع کی تو اس کی آواز خوبصورت نہ تھی۔ اب دوسرے کو اِشارہ ہوا۔ اس کی بھی آواز خوبصورت نہ تھی۔ اور اب ابومحذورہ کو اشارہ ملا اور اس کی آواز دلوں میں اُترنے والی تھی۔ ارشادِ پیغمبر ہوا :

أنت من أذن آنفا ؟ .

تم نے ہی ابھی ابھی اذان دی ہے نا!۔

کہنے لگا: ہاں!۔ اب آپ نے اپنے مبارک ہاتھ کو آگے بڑھایا، ابومحذورہ کا عمامہ اُتارا، اس کے سر پر دست شفقت پھیرا اور دعا فرمائی :

اللّٰھم بارک فیه واھده إلی الإسلام .

اے اللہ! اس نوجوان میں برکت رکھ، اور اسے اسلام کی ہدایت فرما۔

ابومحذورہ کی کیفیت کیا ہوگی، اللہ کے رسول کا لمس، وہ مبارک ہاتھ، لمس کی لذت اور پھر اس کی قسمت جاگ اُٹھی، اور ببانگ دہل کہہ اُٹھا :

أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأنک رسول اللّٰه .

اب آپ نے ابومحذورہ کومزید بشارت دی اور وظیفہ مقرر فرمایا :

اذهب مؤذنا في أهل مكة ، أنت مؤذنُ أهل مكة .

جاؤتم اہل مکہ کے موذن مقرر کیے جاتے ہو،اب تم اہل مکہ کے موذن ہو۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس وقت ابومحذورہ کی عمر صرف سولہ سال تھی۔حضرت ابومحذورہ کے عشق پر قربان کہ انھوں نے کہا: اب میں ان بالوں کو کبھی نہیں کٹواؤں گا جن پر اللہ کے رسول رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست شفقت پھیرا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں کم وبیش تین سو (۳۰۰) سال تک اُن کی اولاد بطورِ مؤذن اَذان دیتی رہی۔(۱)

اُمت کا سب سے بڑا عالم!

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (م ٦٨ ھ) کی عظمتوں کے کیا کہنے! وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔مکہ معظّمہ میں شعب ابی طالب میں ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ان کی والدہ سیدہ لبابہ بنت حارث کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد عورتوں میں اسلام قبول کرنے والی دوسری عظیم خاتون تھیں۔

جس وقت عبداللہ پیدا ہوئے تو آپ کے والدان کو لے کر تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے اپنے چچازاد بھائی کو بوسہ دیا،اپنے مبارک لعابِ دہن سے گھٹی دی اوران کے لیے برکت کی دعافرمائی۔تاریخ بتاتی ہے :

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد:۸/ ۸۷، ۸۸......الروض الانف:۴/ ۱۷۲......زادالمعاد:۱/ ۱۲۰۔

فكان أول ما دخل جوفه ريق النبي المبارک الطاهر، ودخلت معه التقوىٰ والحكمة .

یعنی عبداللہ کے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے انھیں جو غذا ملی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک اور طاہر لعاب دہن تھا۔ اوراس کے ساتھ ہی ان کی رگ رگ میں تقویٰ وحکمت سرایت کرگئی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قریشی ہاشمی تھے۔ بڑے خوبصورت اور مودب نوجوان۔ فتح مکہ سے پہلے اپنے والد کے ہمراہ مدینہ تشریف لائے۔ ان کی خالہ سیدہ میمونہ بنت حارث الہلالیہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔

عبداللہ اپنے بچپن میں ایک دن اپنی خالہ کے گھر سوئے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس رات سیدہ میمونہ کے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ رات کو تہجد کی نماز کے لیے اُٹھے تو چھوٹے سے عبداللہ دوڑ کر گئے اور آپ کے لیے پانی کا لوٹا لے آئے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا۔

اب جب مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو یہ بھی وضو کرکے آگئے اور آپ کے پیچھے نمازِ تہجد کے لیے کھڑے ہوگئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے برابر کھڑے ہوجاؤ؛ مگر یہ پیچھے ہی کھڑے رہے۔ جب اللہ کے رسول نے نماز ختم کی تو پوچھا: عبد اللہ! تم نے میرے اِشارے کے باوجود میرے پیچھے کھڑے ہوکر نماز کیوں اَدا کی۔ عرض کی :

یارسول اللّٰہ ! أنت أجل في عيني وأعز من أن أوازيک .

یعنی یارسول اللہ! آپ کا مقام ومرتبہ میرے ہاں بہت اعلیٰ اور جلیل القدر ہے۔ آپ نہایت عزوشرف والے ہیں۔ میں بھلا آپ کے برابر کیسے کھڑا ہوسکتا ہوں!۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے معصوم سے چچیرے بھائی کے جب یہ الفاظ اور جذبات سنے تو اپنے مبارک ہاتھوں کو بارگاہِ الٰہی میں اُٹھالیا اور ان کے لیے یہ دعا فرمائی :

اللّٰهم آته الحكمة .

اے اللہ! اسے حکمت ودانائی عطا فرما۔

قارئین باتمکین! سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خوش قسمتی کے کیا کہنے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعدد مرتبہ دعا فرمائی۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اس مبارک نبی کی مبارک دعا کیسے شرفِ قبولیت کو پہنچتی ہے اور اس کے کیا اَثرات نکلتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس کو 'حبر الامۃ' کا خطاب ملتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا خوبصورت ترجمہ 'علامۂ اُمت' بنتا ہے۔ ان کا ایک لقب 'ترجمان القرآن' بھی تھا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو کمسنی کے باوجود اپنی مجلس میں بٹھایا کرتے اور فرماتے :

ذاک فتی الکھول .

یعنی یہ ہے تو نوجوان مگر اس میں بڑی عمر کے لوگوں سے بڑھ کر عقل وذہانت ہے۔

اور یہ بھی فرمایا :

إن له لسانا سؤولا .

اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ علم حاصل کرنے کے لیے کثرت سے سوال کرنے والا ہے۔

وقلبا عقولا .

اور یہ سمجھدار دل ودماغ کا مالک ہے۔

آپ کے بارے میں مشہور تابعی مسروق بن اجدع بیان کرتے ہیں: میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو ان کی خوبصورتی کو دیکھتا رہ گیا اور میں بے اختیار پکار اُٹھا :

أجمل الناس .

یہ خوبصورت ترین انسان ہیں۔

جب انھوں نے گفتگو کی تو میں نے کہا :

أفصح الناس .

یہ فصاحت وبلاغت میں یکتائے زمانہ ہیں۔

اور جب حدیث بیان کی تو کہہ اُٹھا :

أعلم الناس .

یہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والی شخصیت ہیں۔(۱)

قصہ ایک جاں باز صحابی کا

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ (م ۷۴ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار صحابی تھے۔ بڑے چست اور پھرتیلے، نیز تیراندازی میں بھی بڑی ماہرانہ شان رکھتے تھے۔

ایک دفعہ عجیب حادثہ رونما ہوا۔ مدینہ منورہ سے باہر ایک جنگل تھا جہاں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں، کافر ڈاکوؤں نے وہاں حملہ کیا، اونٹنیوں کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹنیاں اپنے ساتھ لیتے گئے۔ یہ سب کچھ رات کے آخری پہر میں طلوع سحر کے قریب ہوا۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ تیر کمان لیے ہوئے صبح کی اذان سے پہلے اسی جنگل کی طرف جا رہے تھے کہ کسی نے اُن کو حادثے کی اطلاع دی۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فوراً ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور مدینہ کی طرف منہ کر کے زور سے اعلان کیا کہ لوگو! ڈاکہ پڑ گیا ہے، مدد کے لیے جلدی آؤ۔

یہ اعلان کر کے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ خود اکیلے ان کافروں کے پیچھے دوڑ پڑے، جلد ہی ان کے قریب پہنچ گئے اور ان پر تیر برسانے شروع کر دیے اور ساتھ ساتھ نعرہ بھی لگا رہے تھے :

انا ابن الاکوع ☆ الیوم یوم الرضع

---

(۱) المنتقیٰ من کتاب الطبقات، لابی عروبۃ۔

یعنی میں ابن اکوع ہوں، اور آج تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کا نشانہ بے خطا تھا، جس کافر کو لگتا زخمی یا ہلاک ہو کر وہیں گر پڑتا۔ پہلے تو کافر یہ سمجھتے رہے کہ بہت سارے مسلمان ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور تیر چلا رہے ہیں؛ اس لیے وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے؛ مگر بعد میں ان کو اندازہ ہو گیا کہ یہ ایک اکیلا لڑکا ہے جو ہمیں پریشان کیے ہوئے ہے، تو ان کافروں نے کئی بار کوشش کی کہ پلٹ کر حملہ کریں اور ان کو پکڑ لیں؛ مگر جوں ہی کوئی کافر گھوڑا موڑ کر ان کی طرف آتا یہ کسی درخت یا پتھر کے پیچھے چھپ جاتے اور تیر مار کر اس کے گھوڑے کو زخمی کر دیتے وہ اپنی جان بچانے کے لیے واپس بھاگ جاتا۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے دیر تک ان کا تعاقب کیا۔ کافر اتنے بدحواس ہوئے کہ حضور علیہ السلام کی لوٹی ہوئی اونٹنیاں بھی پیچھے چھوڑ دیں اور جان بچا کر تیزی سے بھاگنے کے لیے اپنے سامانِ سفر اور زائد ہتھیار کے بوجھ سے بھی آزاد ہوتے گئے۔ تیس چادریں، اور تیس نیزے انہوں نے راستے میں پھینکے اور بھاگتے چلے گئے۔

آگے چل کر ان کافرون کی ایک اور جماعت مدد کے لیے مل گئی، اب ان کی جان میں جان آئی اور سب نے مل کر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو گھیرنے کی کوشش کی۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور للکار کر کہا :

> میں ابن اکوع ہوں قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت وعظمت کی بلندی عطا کی ہے تم میں سے کوئی مجھے نہیں پکڑ سکتا ہے اور میں جس کو چاہوں پکڑ سکتا ہوں۔

وہ لوگ گھبرا کر رک گئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو باتوں میں لگائے رکھا؛ تا کہ مدینہ سے مسلمانوں کی مدد آجائے، چناں چہ کچھ دیر بعد دور سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا ایک دستہ گھوڑوں پر سوار آتا دکھائی دیا۔

ان کے میدان میں پہنچتے ہی لڑائی شروع ہو گئی۔ کچھ دیر بعد کافروں کا سردار مارا گیا، پھر کیا تھا، بھگدڑ مچ گئی، اور سارے کافر بھاگ نکلے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ایک بار پھر ان کے

پیچھے دوڑے، دیر تک ان کا پیچھا کرتے رہے؛ یہاں تک کہ شام ہوگئی، بھاگنے والے کافر ایک تالاب کے پاس رک گئے تاکہ پانی پی لیں؛ مگر جب حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا تو خوف کے مارے برا حال ہوگیا، اور پانی پیے بغیر ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان میں سے ایک آدمی ذرا پیچھے رہ گیا، حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے دوڑتے دوڑتے ایک پہاڑی گھاٹی میں اس کو جالیا اور تیر چلاتے ہوئے اس کا بھی کام تمام کردیا......۔(۱)

چرواہے کا تقویٰ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (م۷۴ھ) کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ کے کسی کنارے کی طرف نکلے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے چند ساتھی بھی تھے۔ گرمی اپنے جوبن پر تھی گویا سورج آگ برسا رہا تھا۔ ساتھیوں نے ایک سایہ دار جگہ میں آپ کے کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا، اور سب مل کر کھانے لگے۔

اسی دوران وہاں سے ایک نوجوان چرواہے کا گذر ہوا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: چرواہے آؤ آؤ! اس دسترخوان سے تم بھی کچھ کھا پی لو۔

چرواہا بولا: میں روزے سے ہوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس طرح کے سخت گرم دن میں تم روزے کی مشقت برداشت کررہے ہو جبکہ لو نہایت تیز ہے اور تم ان پہاڑوں میں بکریاں بھی چرا رہے ہو؟۔

یہ سن کر وہ چرواہا کہنے لگا: کیا وہ وقت آگیا جس کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

كُلُوا وَ اشْرَبُوا هَنِيْئاً بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِي الاَيَّامِ الخَالِيَة o (سورۂ الحاقۃ:۲۴/۶۹)

(۱) ثقات ابن حبان:۱/۳۰۷۔

خوب لطف اَندوزی کے ساتھ کھاؤ اور پیو اُن (اعمال) کے بدلے جو تم گزشتہ (زندگی کے) اَیام میں آگے بھیج چکے تھے۔

تو میں دنیوی زندگی میں اسی لیے عمل بجالا رہا ہوں تا کہ اُخروی زندگی سے لطف اندوز ہوسکوں؛ کیوں کہ وہاں عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا!۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس چرواہے کی حکیمانہ باتیں سن کر ورطہ حیرت میں آ گئے، اور اس کے تقویٰ اور خوفِ الٰہی کا امتحان لینے کے اِرادے سے اس سے کہا: کیا تم اس ریوڑ میں سے ایک بکری بیچ سکتے ہو، ہم تمہیں اس کی نقد قیمت دیں گے، مزید تمہارے اِفطار کے لیے گوشت بھی دیں گے؟۔

چرواہے نے جواب دیا: یہ بکریاں کوئی میری نہیں ہیں جو بیچ دوں؛ بلکہ میرے آقا کی ہیں جس میں تصرف کا مجھے کوئی حق نہیں!۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تمہارا آقا اگر کوئی بکری کم پائے گا اور تم اس سے کہہ دوگے کہ وہ بکری گم ہوگئی ہے تو وہ کچھ نہیں کہے گا؛ کیوں کہ ریوڑ سے ایک دو بکریاں پہاڑوں میں گم ہوتی ہی رہتی ہیں۔

یہ سننا تھا کہ چرواہا غصے میں لال پیلا ہوتا ہوا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے چلتا بنا، اور راستے میں اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر یہ جملہ کہے جارہا تھا :

أين الله ؟. پھر اللہ کہاں ہے۔ اللہ کہاں ہے؟۔

جب چرواہا چلا گیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کا یہ جملہ بار بار دہرانے لگے: **أين الله ؟.** پھر اللہ کہاں ہے۔ اللہ کہاں ہے؟۔

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ آئے تو چرواہے کے آقا کے پاس انہوں نے اپنے آدمی بھیجے اور اس سے بکریاں اور اس چرواہے کو خرید کر اسے آزاد کر دیا اور وہ بکریاں اسے ہبہ کر دیں۔(۱)

(۱) شعب الایمان بیہقی: حدیث: ۵۲۹۱...... اسد الغابۃ: حدیث: ۸۲۳۰...... عیون الحکایات: ۱/۱۵۷۔

جذبۂ اِتباعِ سنت ہوتو ایسا...

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۷۴ھ) جمعہ کے دن کسی چیز کو سترہ بنا کر نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں ایک نوجوان آیا جس کا تعلق (قبیلہ) بنی ابومعیط سے تھا، اسے گزرنے کے لیے اور کوئی راستہ نظر نہ آیا تو اس نے یہ چاہا کہ اُن کے آگے سے ہی گزر جائے۔ حضرت ابوسعید خدری نے اس کے سینے میں دھکا دیا (تاکہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائے)۔

جوان نے ان کی طرف نظر کی، اور پھر جب اسے دوبارہ کوئی راستہ نظر نہ آیا تو اس نے دوبارہ آگے سے گزرنے کی کوشش کی؛ لیکن حضرت ابوسعید خدری نے اَب کی بار اسے پہلے سے زیادہ زوردار دھکا لگایا جس سے اسے خاصی تکلیف ہوئی اور وہ حاکم وقت مروان کے پاس چلا گیا، اور وہاں جاکر شکایت داغ دی۔

نوجوان کے پیچھے پیچھے حضرت ابوسعید خدری بھی مروان کے پاس چلے گئے تھے۔ مروان نے پوچھا: اے ابوسعید! تمہارا اور تمہارے بھائی کے بیٹے کا کیا معاملہ ہے؟۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :

إذا صلى أحدكم إلى شيئ يستره من الناس فأراد أحد أن يجتاز بين يديه فليدفعه فإن أبىٰ فليقاتله فإنما هو شيطان .

یعنی جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی چیز کی طرف نماز پڑھ رہا ہو جو اسے لوگوں سے سترے کا کام دے رہی ہو، پھر کوئی شخص اس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ اسے دفع کرے، اور اگر وہ نہ مانے تو اس سے لڑے؛ اس لیے کہ وہ شیطان ہے۔(۱)

(۱) صحیح بخاری:۲/۳۷۲ حدیث:۵۰۹...... صحیح مسلم:۳/۳۸۴ حدیث: ۱۱۵۷...... سنن ابی داوٴد:۲/۴۵۶ حدیث:۷۰۰...... مسند احمد:۲۴/۴۵۴ حدیث:۱۱۹۲۲...... صحیح ابن خزیمہ:۳/۳۳۴ حدیث:۷۹۲۔

اور رگِ غیرت بھڑک اُٹھی

امام مسلم اور امام مالک وغیرہ ہشام بن زہرہ کے غلام ابوسائب سے روایت کرتے ہیں: ان کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے گھر گیا۔ اس وقت وہ نماز میں مشغول تھے۔ میں ان کی فراغت کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں گھر کے ایک کونے میں چارپائی کے نیچے سے کسی چیز کی حرکت کی آواز سنائی دی۔

میں نے دیکھا تو ایک سانپ تھا۔ میں جلدی سے اسے قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا؛ مگر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مجھے اِشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا؛ چنانچہ میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت ابوسعید خدری نماز سے فارغ ہوگئے تو گھر کے ایک کمرے کی طرف اِشارہ کرکے پوچھا: یہ کمرہ دیکھ رہے ہو؟۔ میں نے عرض کی: ہاں!۔

فرمایا: اس گھر میں ہمارا ایک نوجوان رہا کرتا تھا، اس کی ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ جب ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ خندق کی کھدائی کے لیے نکلے تو یہ نوجوان دوپہر کو تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھر جانے کی اجازت طلب کرتا اور اجازت ملنے پر اپنے گھر آتا۔

ایک دن معمول کے مطابق اس نے حضور رحمت عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھر جانے کی اِجازت مانگی تو آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

خذ علیک سلاحک فإني أخشیٰ علیک بني قریظة .

یعنی تم اپنا ہتھیار ساتھ لے لو؛ کیوں کہ مجھے تم پر بنوقریظہ کے حملے کا خدشہ ہے۔

نوجوان نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور اپنا ہتھیار لے کر اہل خانہ کی طرف چل پڑا۔ جب گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی دروازے کے درمیان کھڑی ہے۔ یہ منظر دیکھتے ہی اس کی رگِ غیرت بھڑک اُٹھی، اور اس نے بیوی کو مارنے کے لیے نیزہ نکال لیا۔ بیوی جلدی سے گویا ہوئی :

اكفف عليک رمحک و ادخل البيت حتىٰ تنظر ما الذي أخرجني .

یعنی نیزہ چلانے میں جلدی مت کرو، اور گھر کے اندر داخل ہوکر ذرا دیکھو تو سہی کہ میں گھر سے باہر کیوں نکلی ہوں!۔

نوجوان گھر کے اندر داخل ہوا، کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑا سانپ کنڈلی مارے اس کے بستر پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے نیزہ سنبھالا اور اسی نیزہ میں سانپ کو کونچ لیا، پھر نیزہ لے کر نکلا اور اسے گھر میں گاڑنا چاہا؛ اتنے میں سانپ نے اس پر حملہ کیا اور جوان مردہ ہوکر گرگیا، (اور دونوں مرگئے)، اب ہمیں یہ نہیں معلوم کہ پہلے کس کی موت واقع ہوئی، سانپ کی یا جوان کی!۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آگے بیان کرتے ہیں: پھر ہم لوگ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، اور آپ کو اس واقعے کی خبر دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا :

استغفروا لصاحبكم .

یعنی اپنے ساتھی کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو۔

پھر آپ نے فرمایا :

إن بالمدينة جنا قد أسلموا، فإذا رأيتم منهم شيئاً فآذِنوه ثلاثة أيام، فإن بدأ لكم بعد ذالک فاقتلوه، فإنما هو شيطان .

یعنی مدینے میں بعض جنات نے اِسلام قبول کیا ہے؛ لہٰذا جب تم کوئی سانپ دیکھو تو تین دن تک اسے زبانی تنبیہ کرو، پھر بھی وہ نہ نکلے تو اسے قتل کرڈالو؛ کیوں کہ وہ شیطان ہے۔(۱)

(۱) صحیح مسلم:۱۵/۵۱حدیث: ۵۹۷۶...... صحیح ابن حبان: ۲۳/ ۲۹۷حدیث: ۵۷۲۸...... موطاامام مالک:۶/۳۰حدیث:۱۷۹۸......مشکل الآثار طحاوی:۶/۴۳۲حدیث:۲۴۷۱۔

بہنوں کی خاطر عظیم قربانی

حضرت جابر بن عبداللہ (م ۷۸ھ) کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ غزوۂ احد میں ان کے والد نو بیٹیاں چھوڑ کر شہید ہو گئے جن کا جابر کے سوا کوئی کفیل نہیں تھا۔ والد عبداللہ کے ذمے بہت سا قرض بھی تھا جو اَب ان کے نوجوان بیٹے جابر کو اَدا کرنا تھا۔ جابر ہمیشہ قرض کی اَدائیگی اور بہنوں کی پرورش کے بارے میں پریشان اور فکرمند رہتے تھے۔ قرض خواہان نے صبح شام کے مطالبوں سے اُن کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔

مسلمان رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں غزوۂ ذات الرقاع کے لیے روانہ ہوئے۔ جابر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ وہ غربت کے مارے ایک انتہائی لاغر اُونٹ پر سوار تھے جو چلنے سے اِنکاری تھا۔ سب لوگ ان سے آگے نکل گئے اور وہ قافلے کے آخر میں رہ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ آپ ہمیشہ قافلے کے پیچھے پیچھے آیا کرتے تھے۔ آپ کو جابر کا رینگتا اونٹ نظر آیا تو ان کے قریب گئے اور دریافت فرمایا: جابر! کیا بات ہے؟۔

جابر نے قدرے اَفسوس سے جواب دیا: یارسول اللہ! میرا اونٹ پیچھے رہ گیا ہے۔

رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا، ذرا اِسے بٹھا دو۔ انھوں نے اونٹ بٹھا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی اونٹنی اس کے قریب بٹھا دی۔ آپ نے جابر سے مخاطب ہو کر فرمایا: ذرا اپنی لاٹھی دینا۔

انھوں نے لاٹھی پکڑا دی۔ آپ نے لاٹھی سے اونٹ کو چند ہلکی ضربیں لگائیں۔ اونٹ جو ابھی تھوڑی دیر پہلے چلنے سے عاری تھا، اچھل کر کھڑا ہوا اور بھاگنے لگا۔ اس کے انگ انگ میں چستی کی لہر دوڑ گئی۔ جابر بھاگ کر اس کی گردن سے لٹکے اور سوار ہو گئے۔

اب وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے کہ اُن کا کمزور اور بے فائدہ اونٹ پہلے کی طرح تیز رفتار ہو گیا ہے۔ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم جابر کی طرف متوجہ ہوئے اور چاہا کہ کوئی بات چھیڑیں۔ جابر عنفوانِ شباب میں تھے اور جوانی کے تفکرات عموماً شادی اور معاش کے گرد گھومتے ہیں، تو آپ نے یہیں سے گفتگو کا آغاز کیا اور پوچھا: جابر! شادی کر لی ہے؟۔

جابر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: جی ہاں!۔آپ نے دریافت فرمایا: کنواری ہے یا شادی شدہ؟۔ جواب ملا: شادی شدہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعجب ہوا کہ نوجوان کنوارا آدمی پہلی شادی کے لیے عام طور پر کنواری عورت ہی کا انتخاب کرتا ہے سو آپ نے ملائمت سے فرمایا: بھلے بندے! کنواری عورت سے شادی کرتے جو تم سے کھیلتی اور تم اس سے ہنسی مذاق کرتے!۔

جابر نے وجہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ تو جانتے ہیں کہ میرے والد غزوۂ احد میں نو بیٹیاں چھوڑ کر شہید ہوگئے ہیں جن کا میرے سوا کوئی کفیل نہیں۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ انھی کی ہم عمر کسی نوجوان لڑکی سے شادی کرلوں اور وہ سارا سارا دن آپس میں لڑتی جھگڑتی رہا کریں؛ اس لیے میں نے بڑی عمر کی عورت سے شادی کی ہے جو ماں کی طرح بہنوں کو سنبھالے، ان کی کنگھی پٹی کرے اور انھیں صاف ستھرا رکھے۔(۱)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ان کے روبرو ایک ایسا نوجوان کھڑا ہے جس نے صرف اپنی بہنوں کی خاطر جوانی کے پرکیف جذبات کی قربانی دی۔آپ نے جابر سے دل لگی کرتے ہوئے فرمایا: شاید ہم مدینہ کے قریب پہنچ کر صرار میں پڑاؤ کریں اور تمہاری بیوی کو ہماری آمد کی خبر ہو اور وہ تمہارے لیے تکیے سجا کر رکھے۔

جابر کر اپنی اور اپنی بہنوں کی ناداری یاد آگئی۔ انھوں نے فوراً کہا: تکیے!، یارسول اللہ! واللہ! ہمارے پاس تو کوئی تکیہ نہیں۔

آپ نے جواب دیا: ان شاء اللہ تم لوگوں کے پاس تکیے ہوں گے۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۴۲۱/۱۳ حدیث: ۴۰۵۲...... مسند حمیدی: ۴۶۱/۳ حدیث: ۱۲۸۰...... مستخرج ابوعوانہ: ۲۸۸/۸ حدیث: ۳۲۵۵۔

وہ دونوں چلتے بنے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جابر کی مالی مدد کرنا چاہی۔ آپ نے ایک بار پھر انھیں مخاطب کیا اور فرمایا: جابر! اپنا اونٹ مجھے بیچتے ہو؟۔

جابر سوچ میں پڑ گئے کہ یہ اونٹ اُن کا کل سرمایہ ہے۔ پہلے تو یہ لاغر تھا؛ لیکن نوازشِ رسول کی برکت سے اب قوی اور مضبوط ہو چکا ہے، پھر انھوں نے یہ بھی سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالبے کو رد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، تو انھوں نے جواباً کہا :

یارسول اللہ! ٹھیک ہے، بتایئے اسے کتنے میں خریدیں گے آ گے؟۔

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک درہم میں۔

جابر نے حیران ہو کر پوچھا: صرف ایک درہم! یارسول اللہ! آپ مجھے گھاٹے میں ڈالنا چاہتے ہیں!۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بولی بڑھائی: چلو، دو درہم میں۔

نہیں، اے اللہ کے رسول! یوں میں خسارے میں رہوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیمت بڑھاتے رہے حتیٰ کہ بات چالیس درہم تک جا پہنچی۔ جابر نے مطمئن ہو کر کہا: اب ٹھیک ہے؛ لیکن ایک شرط ہے کہ میں مدینہ پہنچنے تک اونٹ پر سوار رہوں گا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِثبات میں جواب دیا۔

مسلمانوں کا قافلہ مدینہ پہنچا تو جابر اپنے گھر گئے اور اونٹ سے سامان اُتارنے کے بعد سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِقتدا میں نماز پڑھنے مسجد گئے اور اونٹ مسجد کے قریب ہی باندھ دیا۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد باہر تشریف لائے تو جابر نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ رہا آپ کا اُونٹ۔ چنانچہ آپ نے بلال کو حکم دیا کہ جابر کو چالیس درہم سے کچھ اوپر دے دو۔

بلال نے حکم کی تعمیل کی اور چالیس درہم سے کچھ اوپر رقم جابر کے حوالے کر دی۔ جابر نے رقم لی اور یہ سوچتے ہوئے واپس ہوئے کہ اب ان پیسوں کا مصرف کیا ہو۔ نیا اونٹ خریدا جائے یا گھر کا سامان لیا جائے۔

اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال سے کہا کہ یہ اونٹ پکڑ و اور جابر کو دے آؤ۔

بلال نے اونٹ کی باگ تھامی اور جابر کی طرف چل پڑے۔ جابر نے بلال کو مع اُونٹ کے آتے دیکھا تو حیران ہوئے کہ کیا سودا منسوخ کر دیا گیا ہے۔

بلال نے آتے ہی کہا: جابر! اونٹ لے لیجیے۔ جابر نے حیرت سے پوچھا: کیا ہوا؟ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ اونٹ آپ کو دے آؤں اور اس کی قیمت بھی آپ اپنے پاس رکھیے۔

یہ سن کر جابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے، کیا آپ کو اونٹ ضرورت نہیں؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: تم کیا سمجھتے ہو، میں نے تم سے بھاؤ تاؤ اس لیے کیا تھا کہ تمہارا اونٹ حاصل کرلوں؟(۱)

یعنی میں نے تم سے بھاؤ تاؤ اس لیے نہیں کیا کہ اونٹ مجھے مل جائے بلکہ میں اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ تمہاری مدد کے لیے کتنی رقم دے سکتا ہوں۔

نوجوانانِ ملت! ذرا سوچیں کہ یہ کتنے بلند اخلاق ہونے کی علامت ہے!۔ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوجوان کے من پسند موضوع پر بات کا آغاز کیا اور جب اس پر صدقہ کرنا چاہا تو اسے اَدب اور لطافت کے خوش نما غلاف میں پیش کیا۔

سخاوت کا بہترین بدلہ

حضرت عبداللہ بن جعفر (م ۸۰ھ) رضی اللہ بڑے رحم دل اور سخی تھے۔ یتیموں، بیواؤں کی کفالت اور غربا و مساکین کی مالی اِمداد سے دریغ نہ فرماتے تھے۔ آپ کی دریا دلی اور سخاوت پورے عرب میں مشہور تھی۔

ایک دفعہ آپ کسی سفر پر نکلے۔ اثنائے سفر کھجوروں کا ایک باغ نظر آیا۔ آپ تکان دور کرنے اور کچھ دیر آرام کرنے کے خیال سے اس باغ میں آئے، غسل کیا، نماز پڑھی اور لیٹ گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک حبشی غلام باغ کی رکھوالی کر رہا ہے۔

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳/۳۷۶...... صحیح مسلم، حدیث: ۷۱۵...... سنن نسائی، حدیث: ۴۶۴۱۔

جب کھانے کا وقت ہوا تو اس غلام کے لیے تین روٹیاں لائی گئیں۔ غلام ہاتھ منہ دھوکر کھانا کھانے بیٹھا ہی تھا کہ وہاں ایک کتا آیا اور غلام کے سامنے بیٹھ کر دم ہلانے لگا۔ غلام نے ایک روٹی کتے کے آگے ڈال دی، کتا روٹی کھا کر پھر دُم ہلانے لگا۔ غلام نے دوسری روٹی کتے کے آگے ڈال دی۔ کتے نے دوسری روٹی بھی کھالی اور پھر دم ہلانے لگا تو غلام نے تیسری روٹی بھی کتے کے آگے ڈال دی، اور خود کچھ کھائے بغیر اُٹھ کھڑا ہوا۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بڑے غور سے یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ آپ نے اس غلام کو اپنے پاس بلا کر پوچھا: تجھے روزانہ کتنی روٹیاں کھانے کو ملتی ہیں؟۔ اس نے کہا: صرف تین روٹیاں۔ فرمایا: تو پھر تو نے یہ تینوں روٹیاں کتے کو کیوں کھلا دیں؟۔

اس نے کہا: یہ کتا میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس خیال سے کہ یہ کہیں دور سے آیا ہوگا اور بھوکا بھی ہوگا، میں نے تینوں روٹیاں اس کو کھلا دیں۔

آپ نے پوچھا: تو پھر آج تم کیا کھاؤ گے؟۔ بولا: آج میں بھوک پر صبر کروں گا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر کروں گا۔ حضرت عبداللہ یہ سن کر نہایت متاثر ہوئے اور کہنے لگے: سبحان اللہ! لوگ مجھ کو سخی سمجھتے ہیں؛ لیکن یہ شخص تو مجھ سے کہیں بڑھ کر سخی نکلا۔

پھر آپ نے اس کے مالک سے اسے خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ نیز اس باغ کو خرید کر اس سے فرمایا: میں نے یہ باغ تیری ملکیت میں دے دیا۔ اور خود اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔(۱)

حضرات عبداللہ بن جعفر، حسن بن علی (م ۵۰ ھ)، حسین بن علی (م ۶۱ ھ) اور ان کے ایک انصاری ساتھی مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ راستے میں انھیں موسلا دھار بارش نے آگھیرا اور یہ ایک اعرابی کے خیمے میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ جب بارش تھمی اور مطلع صاف ہوا تو اعرابی نے اس کارواں کے لیے بکری ذبح کی اور ان کی خوب خاطر تواضع کی۔

یہ لوگ تین روز تک اعرابی کی ضیافت میں رہے۔ جب یہ کارواں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا تو عبداللہ بن جعفر نے اعرابی سے فرمایا: جب کبھی مدینہ آنا ہو تو ہمیں بھی شرفِ ملاقات بخشنا۔

(۱) احیاء علوم الدین: ۲۵۸/۳۔

چند سالوں کے بعد اس اعرابی کو فقر ومحتاجی نے آ پکڑا۔اس کی بیوی نے کہا: اگر تم مدینہ منورہ جاؤ اور ان نوجوانوں سے ملو جو اپنے یہاں رُکے تھے تو ممکن ہے کوئی کام بنے؟۔

اعرابی بولا: میں ان کا نام بھی بھول چکا ہوں۔ بیوی نے کہا: جاؤ، لوگوں سے طیار کے بیٹے کے بارے میں پوچھنا۔

چنانچہ وہ اعرابی مدینہ منورہ پہنچا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ حضرت حسن نے اسے ایک سو اونٹنیاں دیں۔ پھر وہ حضرت سیدنا حسین کے پاس آیا تو انھوں نے فرمایا: ابو محمد اونٹ دے کر ہم کو کفایت کر گیا (اگر وہ اونٹ نہ دیتے تو میں بھی اونٹ ہی دیتا) چنانچہ آپ نے اسے ایک سو بکریاں عطا کیں۔

پھر اعرابی حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس آیا۔ عبداللہ نے فرمایا: میرے دو بھائیوں نے اونٹ اور بکریاں دیں چلو ہماری طرف سے یہ ہزار درہم قبول کرلو۔ پھر اعرابی ان کے انصاری ساتھی کے پاس آیا۔ انصاری نے کہا: میرے ساتھیوں کی طرح میرے پاس (اونٹ، بکریاں اور درہم) تو نہیں، البتہ اونٹوں کو لاؤ میں ان سب پر پھل لاد دوں۔

چنانچہ اعرابی کو اس کی سخاوت کا ایسا بدلہ ملا کہ اس کی کئی پشتیں اس نعمت سے محظوظ ہوتی رہیں، اور کبھی اس کے خواب وخیال میں بھی نہ آیا تھا کہ جن مسافروں کو اس نے ایک بکری کا گوشت کھلایا تھا وہ اس قدر عالی مقام اور سخاوت کے بادشاہ ہیں۔(۱)

گنہ گاروں کے لیے عبرت نکوکاروں کے لیے بشارت

کہا جاتا ہے کہ عبدالملک بن مروان (م ۸۶ھ) کے پاس ایک نوجوان روتی آنکھوں اور اُداس چہرے کے ساتھ آکر عرض گزار ہوا: اے امیر المومنین! میں ایک عظیم گناہ کا مرتکب ہو بیٹھا ہوں، کیا اس سے توبہ کی کوئی سبیل ہے؟۔

(۱) احیاء علوم الدین: ۳/ ۳۴۹۔

عبد الملک بن مروان نے پوچھا: بتا تو نے کیا گناہ کیا ہے؟۔ نوجوان کہتا ہے: امیر المومنین! نہ پوچھیں بہت بڑا گناہ کر بیٹھا ہوں۔ عبد الملک بن مروان نے کہا: تمہارا گناہ کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو؛ مگر جب تم اللہ کی بارگاہ میں شکستہ دل اور ندامت کے آنسو لے کر حاضر ہو گے تو وہ تمہاری ساری خطاؤں پر اپنی بخشش کا پانی پھیر دے گا؛ کیوں کہ گناہ کر کے توبہ کرنے والے بندے اسے بہت پسند ہیں۔

جب اس کو کچھ ڈھارس ملی تو اس نے بتانا شروع کیا۔ اے امیر المومنین! ہوا یہ کہ میں ایک کفن چور تھا؛ قبریں کریدنا میرا مشغلہ تھا؛ مگر ایک روز میں نے اندرونِ قبر کچھ ایسی چیزیں دیکھیں جنھوں نے میرے ہوش اُڑا کر رکھ دیے۔

پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اے امیر المومنین! ایک دن میں نے ایک قبر کھولی، کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں ایک مردہ پڑا ہوا ہے؛ مگر اس کا چہرہ سمتِ قبلہ سے ہٹا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا اور پھر میں گھبرایا ہوا قبر سے نکل جانا چاہا۔ اتنے میں میں نے کسی کی آواز سنی کہ اے شخص! کیا تم یہ جاننا نہیں چاہو گے کہ اس مردے کا چہرہ قبلے سے کیوں پھرا ہوا ہے۔ میں نے کہا: بالکل۔ تو آواز آئی: وجہ اس کی صرف اتنی ہے کہ یہ شخص نماز تو پڑھتا تھا؛ مگر اس کی نگاہ میں نماز کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، تو سزا کے طور پر اس کا چہرہ قبلہ سے ہٹا دیا گیا۔

پھر میں نے دوسری قبر کھودی تو دیکھا کہ اس میں بھی ایک مردہ؛ خنزیر کی شکل میں پڑا ہوا ہے اور اس کی گردن میں طوق و زنجیر پڑی ہوئی ہے۔ اسے دیکھ کر مجھے اور زیادہ ڈر لگا اور میں قبر سے بالفور نکلنے کی کوشش کرنے لگا؛ لیکن پھر کسی کہنے والے کی آواز میرے کانوں میں آئی کہ تم اس کے عمل کی بابت کیوں نہیں پوچھتے جو آج اس کے لیے باعث عذاب بنے ہوئے ہیں۔ میرے پوچھنے پر مجھے بتایا گیا کہ یہ دنیا میں شراب پیا کرتا تھا اور بالآخر اس کی موت بھی بغیر توبہ اسی حالت میں واقع ہوئی۔

امیر المومنین! اب میں نے تیسری قبر کھودنا شروع کی، کیا دیکھتا ہوں کہ صاحب قبر آگ کے تانت سے زمین میں بندھا ہوا ہے، اور اس کی زبان جبڑوں سے باہر نکل آئی ہے۔ یہ دل دہلانے والا منظر دیکھ کر میں نے پلٹنے کا سوچا ہی تھا کہ پھر آواز آئی کہ اس گرفتارِ عذاب شخص کے

بارے میں کیوں نہیں پوچھتے کہ اس کا یہ حال کیوں ہوا ہے؟۔ پھر مجھے بتایا گیا کہ یہ شخص پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا، نیز اِدھر کی بات اُدھر کیا کرتا تھا، تو یہ اس کا بدلہ ہے۔

پھر جب میں نے چوتھی قبر کھودی تو میں نے دیکھا کہ اس میں آگ بھڑکی ہوئی ہے۔ ڈر کر اس سے نکل جانا چاہا؛ مگر پھر وہی آواز آئی کہ کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس کا یہ حال کیوں ہوا؟۔ میں نے کہا: نہیں مجھے بتایا جائے۔ تو کہا کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھا کرتا تھا۔

اخیر میں جب میں نے پانچویں قبر کھودی تو کیا دیکھتا ہوں کہ پوری قبر تا حد نگاہ وسیع ہے، اس میں چاروں طرف روشنی چٹکی ہوئی ہے۔ اور مردہ ایک تخت کے اوپر آرام گزیں ہے، اس سے نور کی شعائیں پھوٹ رہی ہیں، اور خوبصورت کپڑا اس کے اوپر پڑا ہوا ہے۔ یہ منظر بھی میرے لیے باعث تعجب تھا، جب میں نے اس قبر سے نکلنا چاہا تو آواز آئی کہ اس کا حال بھی معلوم کرلو کہ یہ عزت وکرامت کے اس مقام پر کیسے پہنچا!۔ میرے پوچھنے پر مجھے بتایا گیا کہ یہ ایک فرماں بردار نوجوان تھا۔ اور اللہ کی طاعت وبندگی میں پروان چڑھا تھا۔

یہ سن کر عبدالملک بن مروان نے کہا: اے شخص! تمہارے اس واقعے میں جہاں گناہ گاروں کے لیے عبرت ہے، وہیں نیکوکاروں کے لیے بشارت بھی ہے؛ لہٰذا جو اِن عیبوں میں گرفتار ہے اسے چاہیے کہ توبہ کا دروازہ کھٹکھٹائے اور پرہیزگاری والی زندگی اپنائے۔(۱)

ایک خوب صورت جواب

خلیفہ عبدالملک بن مروان کی خدمت میں جب ایاس بن معاویہ (م۱۲۲ھ) بحیثیت اَمیر کارواں آئے تو اس وقت ان کی عمر کوئی سترہ سال تھی اور ان کے پیچھے ان کی قوم کے چار بڑے شیوخ بھی تھے۔ خلیفہ نے اس قافلے کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور گویا ہوا: افسوس ان لوگوں پر! کیا ان میں کوئی بزرگ نہیں تھے جن کو اس قافلے کا امیر بنایا جاتا اور اس چھوکرے پر اسے ترجیح دی جاتی!۔

(۱) الکبائر ذہبی: ۱/۳۰...... الزواجر عن اقتراف الکبائر: ۳/۱۳۸۔

پھر خلیفہ ایاس بن معاویہ کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا: تمہاری عمر کیا ہے؟۔

ایاس بن معاویہ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ امیر کی عمر دراز کرے، میری عمر اتنی ہی ہے جتنی اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کی اس وقت تھی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا اور جس میں جلیل القدر صحابی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان کو ایاس بن معاویہ کے جواب سے بڑی خوشی ہوئی اور اس کے چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوگئے۔ چنانچہ گویا ہوا :

تقدم، بارک اللہ فیک .

آؤ، میرے قریب آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکتوں سے نوازے۔(۱)

یہی وہی ایاس بن معاویہ ہیں جن کا پایۂ علم وذکاوت مسلم ہے۔ جب یہ نوجوان حصولِ علم کی طرف متوجہ ہوا تو چشمۂ علم وحکمت سے خواب سیراب ہوا، بالآخر علم وادب کے اس اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہوا کہ بڑے بڑے مشایخ اس کی امامت میں نمازیں پڑھنے لگے اور اس کے دامن افادہ سے وابستہ ہوگئے۔

ایک سال لوگ رمضان کا چاند دیکھنے گھروں سے باہر نکلے اور ان میں پیش پیش جلیل القدر صحابی حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً سو سال تھی۔ لوگوں نے آسمان کی طرف غور سے دیکھا، انھیں کہیں چاند نظر نہ آیا لیکن حضرت انس آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں وہ دیکھو چاند نظر آگیا، اور اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے لوگوں کو چاند کی سمت بتا رہے ہیں۔ لوگوں نے بڑی کوشش کی، پھر بھی کسی کو چاند نظر نہ آیا۔

وہاں ایاس بن معاویہ نے حضرت انس کی طرف دیکھا۔ ایک لمبا سفید بال بھوؤں سے اوپر اُٹھ کر آنکھ کے سامنے آیا ہوا ہے۔ ایاس نے بڑے ادب واحترام سے اجازت لی، پیار سے اپنا ہاتھ بڑھایا، بڑی محبت اور سلیقے سے آنکھ پر ہاتھ پھیر کر بال کو بھوؤں کے ساتھ برابر

(۱) الوافی بالوفیات: ۱/۱۳۲۳۔ بعض کتب میں یہ واقعہ عبدالملک بن مروان کی بجائے خلیفہ مہدی کے نام سے بھی ملتا ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔ -چڑیاکوٹی-

کر دیا، اور پھر پوچھا: حضرت! اب بتائیں کیا چاند نظر آ رہا ہے؟۔

حضرت انس آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں، اور فرما رہے ہیں اب چاند مجھے دکھائی نہیں دے رہا، واقعی بالکل دکھائی نہیں دے رہا!۔ دراصل معاملہ یہ تھا کہ ضعف بصارت کے باعث آنکھ کے سامنے آیا ہوا سفید بال انھیں باریک سا چاند معلوم ہو رہا تھا۔

نوجوانی میں آپ کے علم وفقہ کی دھوم مچی تھی۔ لوگ کشاں کشاں آپ کے پاس مسئلے پوچھنے آتے۔ چنانچہ ایک کسان آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا: اے ابووائل! کیا شراب حرام ہے۔ فرمایا: ہاں یہ حرام ہے۔

اس نے کہا: پھل اور پانی کو آگ پہ پکایا گیا ہے اصل میں یہ دونوں اجزا حلال ہیں، پھر آگ پہ پکانے سے حرام کیسے ہوگئے جب کہ اس میں کسی حرام چیز کی آمیزش نہیں!۔

آپ نے کہا: کسان بھائی! کیا بات ختم کر لی، یا اور بات کہنا چاہتے ہو؟۔ اس نے کہا بس میرا یہی سوال ہے۔ اب آپ ارشاد فرمائیے۔

ابووائل ایاس بن معاویہ نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کہ اگر میں پانی کا ایک چلو تجھے دے ماروں تو کیا اس سے تمہیں کوئی تکلیف ہوگی۔ اس نے کہا: نہیں۔

پوچھا: اگر مٹی کی ایک مٹھی تجھے دے ماروں تو کیا اس سے تکلیف ہوگی؟ کہا نہیں۔ اگر توڑی کی مٹھی تجھے ماروں تو کیا تکلیف محسوس کروں گے؟ کہا نہیں۔

لیکن اگر میں پانی، مٹی اور توڑی ملا کر ایک ڈھیلا بناؤں اور وہ دھوپ میں خشک ہو جائے پھر اسے اُٹھا کر تجھے دے ماروں تو کیا تکلیف ہوگی۔ اس نے کہا: کیوں نہیں، ضرور، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ میں جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھوں!۔

آپ نے فرمایا: بس یہی مثال شراب کی ہے۔ جب اجزا کو ملا کر اسے آگ کی آنچ دی جاتی ہے تو اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

آپ کا ذہانت اور فہم وفراست کا ایک اور واقعہ کافی مشہور ہے کہ کوفہ میں ایک شخص لوگوں کے سامنے اپنی خیر خواہی، وسعت ظرفی، اخلاق اور تقویٰ کا پرچار کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ لوگ اس کی تعریف کرنے لگے۔ جب اس کا اعتماد پوری طرح دلوں میں بیٹھ گیا تو لوگ جب سفر پہ

جاتے تو اپنا مال اس کے پاس بطورِ امانت رکھ جاتے۔ بعض لوگ مرتے وقت یہ وصیت کر جاتے کہ ہمارا مال اس کے سپرد کر دیا جائے اور یہی ہماری اولاد کا سرپرست ونگران ہوگا۔

اس کی شہرت سن کر ایک شخص نے اپنا بہت سا مال اس کے پاس بطورِ امانت رکھ دیا۔ چند مہینوں کے بعد جب اسے ضرورت پڑی تو اس نے اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کیا، لیکن اس نے دینے سے انکار کر دیا۔

اسے یہ صورتحال دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا اور یہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا۔ قاضی نے مقدمہ پیش کرنے والے سے پوچھا: کیا مدعیٰ علیہ کو یہ معلوم ہے کہ تم میرے پاس آئے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔

قاضی نے کہا آج جاؤ اور کل میرے پاس آنا، اور ساتھ ہی مدعیٰ علیہ کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا۔ وہ قاضی کا پیغام سنتے ہی عدالت میں آیا۔ قاضی نے اسے بڑے اعزاز واکرام سے بٹھایا اور کہا: جناب میں نے آپ کی بڑی شہرت سنی، آپ لوگوں کی خدمت کا اہم فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اس لیے بلایا کہ میرے پاس ایسے یتیموں کا کثیر مقدار میں مال ہے جن کا کوئی وارث نہیں، میں چاہتا ہوں کہ یہ مال آپ کے سپرد کر دوں، جب وہ بڑے ہو جائیں تو آپ ان کے حوالے کر دینا۔ کیا اتنی بڑی مقدار میں مال رکھنے کا آپ کے پاس انتظام ہے، سوچ لیں کہ کس طرح اسے سنبھالیں گے!۔

کیا آپ کے گھر میں ایسا مضبوط گودام ہوگا جس میں مال ضائع نہ ہو۔ کیا یہ مال آپ سنبھالنے کے لیے تیار ہیں۔ اس نے بڑے طمطراق سے کہا: کیوں نہیں، مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی عوام کی خدمت کے لیے کیا ہے، بندہ عاجز اس خدمت کے لیے بخوشی تیار ہے۔

قاضی نے کہا: بہت خوب، مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔ آپ ایسا کریں کہ کل کے بعد میرے پاس آجانا اور ساتھ دو مزدور بھی لیتے آنا۔ اس نے کہا: بہت اچھا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ دوسرے دن وعدہ کے مطابق مدعی قاضی ایا اس کے پاس آیا۔

قاضی نے اسے کہا کہ جاؤ آج اس شخص سے جا کر اپنے مال کا مطالبہ کرو۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے کہنا میں تیری شکایت قاضی کے پاس لے کے جا رہا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی

کیا۔ جا کر اس سے اپنے مال کا مطالبہ کیا، اس نے حسب سابق مال دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: اگر تم میرا مال نہیں دو گے تو میں تمہاری شکایت قاضی کے پاس کروں گا۔

جب اس نے قاضی کا نام سنا تو فوراً ٹھنڈا پڑ گیا، اسے اپنے پاس بٹھایا، اس کی منت کی، مال واپس لوٹایا اور کچھ مزید دے کر اسے خوش کرنے کی کوشش کی تا کہ قاضی کو اس بات کا علم نہ ہو۔ وہ اپنا مال لے کر سیدھا قاضی کے پاس گیا اس کا شکریہ اَدا کیا اور بتایا کہ اس نے مجھے میرا حق واپس دیدیا ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جب وعدے کے مطابق تیسرے روز وہ شخص قاضی کے پاس مزدور لے کر آیا تو اسے دیکھتے ہی قاضی اس پر برس پڑا اور کہا: ارے کم بخت! تو نے دنیا کمانے کے لیے دین کو جال بنا رکھا ہے۔ یہ جبہ ودستار! اور یہ گھناؤنا کردار!! جا میرے سامنے سے دفع ہو جا اور ابھی جا کر سب کی امانتیں واپس کر، ورنہ تجھے ایسی سزادوں کہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں گی!۔ چنانچہ وہ اپنی حرکت سے تائب ہوا، ہانپتا کانپتا گھر آیا اور سب کے مال فوراًواپس کر دیے۔

جب عقاب نے لومڑی اُچک لی!

خلیفہ ابن مروان ہی کے تعلق سے ایک بہت دلچسپ اور سبق آموز لطیفہ منقول ہے کہ جس وقت ملک شام میں طاعون کی وبا پھیلی تو موت کے ڈر سے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ اپنے شہر سے بھاگ نکلا اور ساتھ میں اپنے خاص غلام اور کچھ فوج بھی لے لی اور وہ طاعون کے ڈر سے اس قدر خائف اور ہراساں تھا کہ زمین پر پاؤں نہیں رکھتا تھا بلکہ گھوڑے کی پشت پر سوتا تھا۔

دورانِ سفر ایک رات اس کو نیند نہیں آئی۔ تو اس نے اپنے غلام سے کہا کہ تم مجھے کوئی قصہ سنا۔ تو ہوشیار غلام نے بادشاہ کو نصیحت کرنے کا موقع پا کر یہ قصہ سنایا کہ ایک لومڑی اپنی جان کی حفاظت کے لیے ایک شیر کی خدمت گزاری کیا کرتی تھی تو کوئی درندہ شیر کی ہیبت کی وجہ سے لومڑی کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اور لومڑی نہایت ہی بے خوفی اور اطمینان سے شیر کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔

ایک روز اچانک ایک عقاب لومڑی پر جھپٹا تو لومڑی بھاگ کر شیر کے پاس چلی گئی۔ اور

شیر نے اس کو اپنی پیٹھ پر بٹھالیا۔ عقاب دوبارہ جھپٹا اور لومڑی کو شیر کی پیٹھ پر سے اپنے چنگل میں دبا کر اڑ گیا۔ لومڑی چلا چلا کر شیر سے فریاد کرنے لگی تو شیر نے کہا کہ اے لومڑی! میں زمین پر رہنے والے درندوں سے تیری حفاظت کرسکتا ہوں؛ لیکن آسمان کی طرف سے حملہ کرنے والوں سے میں تجھے نہیں بچا سکتا۔

یہ قصہ سن کر عبدالملک بن مروان کو بڑی عبرت حاصل ہوئی، اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ میری فوج ان دشمنوں سے تو میری حفاظت کرسکتی ہے جو زمین پر رہتے ہیں؛ مگر جو بلائیں اور وبائیں آسمان سے مجھ پر حملہ آور ہوں، ان سے مجھ کو نہ میری بادشاہی بچا سکتی ہے، نہ میرا خزانہ، اور نہ میرا لشکر میری حفاظت کرسکتا ہے۔ آسمانی بلاؤں سے بچانے والا تو بجز خدا کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ سوچ کر عبدالملک بادشاہ کے دل سے طاعون کا خوف جاتا رہا اور وہ رضا الٰہی پر راضی رہ کر سکون واطمینان کے ساتھ اپنے شاہی محل میں رہنے لگا۔(۱)

ایک بدکار حسینہ جب عابدۂ کوفہ بنی

حضرت ربیع بن خثیم (م۹۰ھ) وقت کے عظیم عارف باللہ اور عالم ربانی ہوئے ہیں، جوانی کے عالم ہی میں ان کے زہد و ورع کا چرچہ شہر شہر ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے حاسدین عنفوانِ شباب کی یہ شہرت بھلا کیسے ہضم کر پاتے! انھوں نے ایک منصوبہ تشکیل دیا اور ایک حسین وجمیل مغنیہ کو ایک ہزار دینار حوالے کر کے کہا کہ یہ رقم صرف اس بدلے ہے کہ ربیع بن خثیم جس طرح بھی ہو تمھیں ایک بوسہ دے دے۔

اس نے کہا: تم بوسے کی بات کرتے ہو، مجھے بدکاری میں مبتلا کرنے کا فن بھی آتا ہے۔ چنانچہ وہ موقع کی تاک میں لگی رہی، اور ایک دن تنہا پا کر اُن کے کمرے میں گھس آئی، اور عشوہ وناز دکھاتے ہوئے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کرنے لگی۔

حضرت ربیع اس وقت بالکل جوان تھے، ابھی کوئی ۳۰ر سال کی عمر تھی؛ مگر خشیت الٰہی کا چراغ چوں کہ طاقِ جاں میں روشن تھا اس لیے انھوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے لات

(۱) روح البیان: ۱/۳۷۸، بحوالہ عجائب القرآن: ۴۶۔

مارتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کی بندی! ذرا سوچو اگر ابھی ملک الموت آ کر تمہاری روح قبض کرلیں تو تمہارا کیا بنے گا!۔ پھر ذرا دھیان کرو کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت تم پر کیا بیتے گی؟۔ پھر اس سے آگے بارگاہِ الٰہی میں پیشی کے وقت تمہاری مفلسی کا عالم کیا ہوگا؟۔ اور پھر اخیر میں جب تمہیں گھسیٹ کر آتش سوزاں کے حوالے کردیا جائے گا اور تم کھولتی ہی پیپ میں ڈبکیاں مار رہی ہوگی تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟۔

یہ سن کر وہ چیخ پڑی، اور اللہ کی بارگاہ میں رجوع لاتے ہوئے وہ بھاگ کھڑی ہوئی، اور پھر اس نے ایسی سخت عبادت وریاضت کی کہ عابدۂ کوفہ کے نام سے اسے یاد کیا جانے لگا۔

اِدھر جب حاسدوں کا منصوبہ ناکام ہوا اور اُدھر وہ مغنیہ بھی ہاتھ سے جاتی رہی تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور جل بھن کر کہنے لگے کہ ربیع خود تو بدلا نہیں اور اس نے اس کو بھی بگاڑ دیا۔(۱)

مال واولاد میں کثرت کا عالم!

سیدہ ام سلیم بن ملحان رضی اللہ عنہا کا تعلق بنونجار سے تھا۔ قدیم الاسلام تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت وعقیدت رکھتی تھیں۔ ان کی شادی زمانۂ جاہلیت میں مالک بن نضر سے ہوئی تھی۔ جس سے انس بن مالک (م۹۳ھ) ایک بیٹا پیدا ہوا جو خادم رسول کے نام سے مشہور ہوا۔ ہر ماں کو اپنی اولاد سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ ام سلیم بھی اپنے لاڈلے انس کو خوشی خوشی کھلاتی اور باربار تلقین کرتی تھیں کہ 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کہو۔

معصوم سا بچہ انس جب توتلی زبان سے 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کہتا تو ام سلیم کو بے حد خوشی ہوتی۔ ان کا شوہر مالک اپنی بیوی سے سخت نالاں ہوتا اور کہتا :

لا تُفسدي عليَّ ابني .

(۱) کتاب التوابین: ۱/۳۷.....صفۃ الصفوۃ: ۱/۳۴۷۔

میرے بیٹے کو بگاڑنے کی کوشش نہ کرو۔

وہ اس کے جواب میں کہتیں: آپ فکر نہ کریں، میں اسے بگاڑ نہیں سنوار رہی ہوں۔ مالک بن نضر شام چلا گیا۔ وہاں کسی دشمن نے اسے حالت کفر ہی میں قتل کر دیا۔

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اس عظیم خاتون نے دیکھا کہ اللہ کے رسول کی خدمت کے لیے گھر میں کوئی نوعمر لڑکا نہیں جو گھر کے چھوٹے موٹے کام کر سکے تو وہ چھوٹے سے انس کو لے کر اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس چھوٹے سے انس کو آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں، میرا یہ بیٹا آپ کا خادم ہوگا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انس کو قبول فرمالیا۔

یہ کاشانۂ نبوی کے چھوٹے موٹے کام کرنے لگے اور لوگوں میں خادمِ رسول کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ خدمت چند برس نہیں بلکہ دس برس پر محیط ہے۔ اس دوران محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کی شہادت وہ اس طرح دیتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ اس پورے عرصے میں اللہ کے رسول نے نہ تو مجھے مارا، نہ برا بھلا کہا حتیٰ کہ اُف تک نہیں کہا۔

کچھ عرصہ گزرا کہ ایک دن سیدہ ام سلیم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور نہایت لجاجت سے عرض کیا:

یارسول اللّٰہ ! خادمک أدع اللّٰہ تعالیٰ لہٗ .

اے اللہ کے رسول! یہ آپ کا خادم انس ہے، اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا فرمادیں۔

چنانچہ آپ نے انس کے حق میں یوں دعا فرمائی:

اللّٰھم اکثر مالہ وولدہ وبارک فیما أعطیتہ .

یعنی اے پروردگار! اس کو کثرت سے مال واولاد عطا فرما اور جو کچھ تو اسے عطا

فرمائے اس میں برکت نصیب فرما۔

قارئین کرام! کیا آپ جانتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کا نتیجہ کیا نکلا؟ سیدنا انس خود فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا مال دیا کہ مدینہ میں میرا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا ہے جب کہ دوسرے سب لوگوں کے باغ سال میں ایک ہی مرتبہ پھل دیتے ہیں۔ اولاد کی اتنی کثرت ہوئی کہ میرے بیٹوں اور پوتے پوتیوں کی تعداد اس وقت سو سے زیادہ ہے۔ اور عمر اس قدر طویل ہوئی کہ اب مجھے مزید جینے کی تمنا نہیں اور اللہ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

اور نوجوان زندہ ہو گیا......!

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ایک انصاری نوجوان کی عیادت کے لیے گئے، وہ اپنی بوڑھی ماں کا اِکلوتا بیٹا تھا، اور مرض الموت میں مبتلا تھا۔ عیادت کے بعد ہم واپس ہونے ہی والے تھے کہ اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ہم وہیں ٹھہر گئے، اس کی آنکھیں بند کیں اور اس پر چادر ڈال دی۔

اس نوجوان کی بوڑھی ماں ہمارے پاس ہی کھڑی تھی، ہم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: یہ جو مصیبت آپ پر آن پڑی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا واَجر کی خاطر اس پر صبر کیجیے۔ یہ سن کر وہ بڑھیا کہنے لگی: کیا ہوا، کیا میرا بیٹا مر گیا؟۔

ہم نے کہا: ہاں!۔ اس نے کہا: کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟۔ ہم نے کہا: ہم سچ کہہ رہے ہیں، واقعی تمہارے بیٹے کا اِنتقال ہو چکا ہے۔ یہ سن کر اس بوڑھی عورت نے دعا کے لیے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر دیے اور بڑی آہ وزاری سے اللہ کی بارگاہ میں اس طرح عرض گزار ہوئی :

> اے میرے پروردگار! میں تجھ پر ایمان لائی اور تیرے محبوب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف میں نے ہجرت کی، مجھے تیری ذات سے اُمید واثق ہے

کہ تو ہر مصیبت میں میری مدد کرے گا۔ اے پروردگار! آج کے دن مجھ پر(میرے بیٹے کی جدائی کی) مصیبت کا بوجھ نہ ڈال۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابھی وہ بڑھیا اپنی دعا سے فارغ بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس کے مردہ بیٹے کے منہ سے کپڑا ہٹ گیا اور وہ (مسکراتا ہوا) اُٹھ بیٹھا، اور پھر ہم سب نے مل کر کھانا کھایا۔(۱)

حسن سراپا حورِعیناء

حضرت ثابت بنانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ اتنے میں آپ کے بیٹے جو ابوبکر کے نام سے مشہور تھے جہاد سے واپس آئے۔ آپ نے ان سے جہاد کی روداد معلوم کرنا چاہی تو انھوں نے جہاد میں پیش آنے والے بہت سے واقعات بتائے اور کہا: ابا جان! کیا میں آپ کو اپنے ایک مجاہد ساتھی کی عجیب وغریب اور ایمان افروز حالت کے بارے میں نہ بتاؤں؟۔

حضرت انس نے فرمایا: ضرور بتاؤ۔ کہا: ہمارے لشکر میں ایک خوبرو نوجوان بھی تھا۔ جب ہم دشمن کے بالکل سامنے پہنچ گئے تو حملے کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اتنے اس نوجوان کے یہ اَلفاظ فضا میں گونجے: واہ! میری زوجہ عیناء کیسی دلکشی ہے تم میں!۔ واہ! میری زوجہ عیناء کیا حسن پایا ہے تم نے!!۔

یہ آواز سن کر ہم فوراً اس کی طرف دوڑے، ہم سمجھے کہ شاید اسے کوئی عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ ہم نے پوچھا: اے نوجوان! کیا ہوا؟۔ کہا: اے مجاہدو! سنو، میں ہمیشہ اپنے آپ سے یہ کہتا تھا کہ میں ہرگز شادی نہ کروں گا؛ یہاں تک کہ میں کسی غزوہ میں شہید ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ جنت کی سب سے خوبصورت حور سے میری شادی کر دے گا۔

---

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:۱/۱۴۳۔

میں ہر مرتبہ شہادت کی آرزو لیے جہاد میں شریک ہوتا، کئی جہادوں میں شرکت کے باوجود مجھے شہادت کی دولت نہ مل سکی۔ اب اس لشکر کے ساتھ جہاد میں آ گیا۔ راستے میں میرے نفس نے مجھے اِس اِرادے پر اُبھارا کہ اگر اس مرتبہ بھی شہادت نہ ملی تو واپسی پر میں شادی کرلوں گا۔

ابھی کچھ دیر قبل مجھے اونگھ آئی، میرے خواب میں کوئی آنے والا آیا اور کہنے لگا: تم ہی ہو جو یہ کہہ رہے ہو کہ اگر اس مرتبہ میں شہید نہ ہوا تو واپسی پر شادی کرلوں گا۔ سنو! اللہ تعالیٰ نے 'حورِ عیناء' کے ساتھ تمہاری شادی کر دی ہے۔ اُٹھو، میرے ساتھ چلو۔

چنانچہ وہ مجھے لے کر ایک انتہائی سر سبز و شاداب وسیع باغ میں پہنچا، وہاں کا منظر بڑا ہی دل رُبا تھا، اس میں دس ایسی حسین و جمیل لڑکیاں موجود تھیں کہ اس سے قبل میری آنکھوں نے ایسا حسن نہ دیکھا تھا۔ میں نے کہا: شاید ان میں سے کوئی ایک 'حورِ عیناء' ہوگی۔ یہ سن کر ان دوشیزاؤں نے کہا: ہم تو اس کی کنیزیں ہیں۔ حورِ عینا تمہارے سامنے کی جانب ہے۔

میں آگے بڑھا تو ایک بہت ہی خوبصورت اور سرسبز باغ نظر آیا، یہ پہلے باغ زیادہ حسین و وسیع تھا۔ اس میں بیس حسین و جمیل دوشیزائیں تھیں ان کے حسن و جمال کے سامنے پہلی دس لڑکیوں کا حسن پھیکا پڑ گیا تھا۔ میں نے کہا: ان میں سے کوئی ایک 'حورِ عیناء' ہوگی۔ جواب ملا: آگے چلے جاؤ، حورعینا تمہارے سامنے ہے، ہم تو اس کی لونڈیاں ہیں۔

میں آگے بڑھا تو سامنے ایک ایسا وسیع و عریض اور خوبصورت باغ تھا جو پہلے دو باغوں کی نسبت بہت زیادہ پر بہار تھا، اس میں چالیس ایسی خوبصورت لڑکیاں تھیں کہ ان کے سامنے پہلی دوشیزاؤں کی خوبصورتی کچھ بھی نہ تھی، میں نے کہا: ان میں کوئی ایک ضرور 'حورِ عیناء' ہوگی۔

یہ سن کر انھوں نے اپنی پر ترنم آواز میں کہا: ہم تو اس کی کنیزیں ہیں، 'حورِ عیناء' تمہارے سامنے ہے، آگے چلے جاؤ۔ میں آگے بڑھا تو اپنے آپ کو یاقوت کے بنے ہوئے ایک خوبصورت کمرے میں پایا جس میں ایک تخت پر سابقہ تمام لڑکیوں سے زیادہ حسین و جمیل نوجوان دوشیزہ موجود تھی، اس کا حسن آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ وہ بڑی شان و شوکت سے تخت پر بیٹھی میری جانب دیکھ رہی تھی۔

میں نے بے تاب ہوکر پوچھا: کیا تم ہی 'حورِعیناء' ہو؟۔اس نے اپنی مسحور کن آواز میں کہا: خوش آمدید، میں ہی 'حورِعیناء' ہوں۔ یہ سن کر میں نے اسے چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس کی مترنم آواز گونجی: ٹھہر جایئے! ابھی آپ کے اندر روح موجود ہے۔ کچھ دیر انتظار کیجیے، انشاء اللہ آج آپ اِفطاری ہمارے ساتھ کریں گے۔ میں ابھی اس ہوش رُبا منظر میں ہی گم تھا کہ میری آنکھ کھل گئی، بس اب میں بہت جلد وہاں پہنچنے والا ہوں۔

نوجوان نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ منادی نے پکار کر کہا: اے اللہ کے شہسوارو! دشمن پر حملہ کرنے کا وقت آ گیا۔ اللہ کا نام لے کر اسلام کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑو۔ یہ سن کر ہم دشمن کے مقابلے میں صفیں بنا کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو گئے۔

وہ نوجوان بڑی بے جگری سے دشمنوں سے نبرد آزما تھا۔ مجھے اس کی بات یاد تھی، میں کبھی سورج کی طرف دیکھتا، کبھی اس کی طرف۔ جیسے سورج غروب ہوا اس کی گردن' تن سے جدا کر دی گئی۔ وہ راہِ خدا میں اپنا سر قربان کرا چکا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ سورج پہلے غروب ہوا یا وہ نوجوان پہلے شہید ہوا۔ یقیناً اس نے افطاری 'حورِعیناء' کے ساتھ کی ہوگی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے کی زبانی اس نوجوان کی ایمان افروز کہانی سنی تو بے ساختہ دعا گو ہوئے: 'اللہ کی رحمت ہو اُس مجاہد پر'۔(۱)

صبر واِستقامت کی داستانِ شوق

مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (م ۹۴ھ) مصائب وتکالیف پر بہت صبر کرنے والے تھے، اِستقامت وشکیب کے پیکر تھے۔ ایک مرتبہ ولید بن یزید سے ملنے کے لیے دمشق روانہ ہوئے تو راستے میں چوٹ لگ کر پاؤں زخمی ہوگیا، درد کی شدت سے چلنا دوبھر ہوگیا، سخت تکلیف کے باوجود ہمت نہیں ہاری اور دمشق پہنچ گئے۔ ولید نے فوراً طبیبوں کو بلوا بھیجا۔ انھوں نے زخم کا بغور جائزہ لینے کے بعد پاؤں کاٹنے کی رائے پر اتفاق کیا۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۲۲۶ تا ۲۲۸۔

حضرت عروہ بن زبیر کو جب اس کی اطلاع کی گئی تو انھوں نے منظور کرلیا؛ مگر پاؤں کاٹنے سے پہلے بے ہوشی کے لیے نشہ آور دوا کے استعمال سے یہ کہہ کر صاف انکار کردیا کہ میں کوئی لمحہ اللہ کی یاد سے غفلت میں نہیں گزار سکتا۔

چنانچہ اسی حالت میں آرہ گرم کرکے ان کا پاؤں کاٹ دیا گیا اور انھوں نے کسی قسم کی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔ پھر اپنا کٹا ہوا پاؤں سامنے رکھ کر فرمایا: کیا غم ہے اگر مجھے ایک عضو کے بارے میں آزمائش میں ڈال کر باقی اعضا کے سلسلے میں امتحان سے بچالیا گیا ہے۔ ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ انھیں خبر ملی: ان کا ایک بیٹا چھت سے گر کر انتقال کرگیا۔ انھوں نے إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا اور فرمایا: اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ایک جان لی اور کئی جانوں کو سلامت رکھا۔ (کیوں کہ ابھی باقی بیٹے سلامت ہیں)۔

اس واقعہ کے بعد ولید کے پاس قبیلہ عبس کے کچھ لوگ آئے جن میں ایک آنکھوں سے اندھا بوڑھا شخص بھی تھا، ولید نے اس سے اس کا حال پوچھا اور اس کی بینائی کے ختم ہونے کا سبب دریافت کیا تو اس نے اپنی داستانِ حیات یوں بتانی شروع کی :

میں اپنے اہل وعیال اور تمام مال واَسباب کے لیے ایک قافلے کے ساتھ سفر میں نکلا۔ اہل قافلہ میں سے شاید ہی کسی کے پاس اتنا مال ہو جتنا میرے پاس تھا۔ ہم نے ایک پہاڑ کے دامن میں رات گزارنے کے لیے پڑاؤ ڈالا۔ آدھی رات کے وقت جب سب میٹھی نیند سو رہے تھے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اچانک سیلاب آگیا جو انسان، حیوان، مال واسباب سب کچھ بہالے گیا۔ میرے اہل وعیال اور مال واسباب میں سے سوائے ایک اونٹ اور میرے ایک چھوٹے بچے کے علاوہ کچھ نہ بچا۔

میں ابھی اس ناگہانی آفت سے سنبھلنے بھی نہ پایا کہ میرا اونٹ بھاگ گیا، میں اس کے پیچھے گیا تو یک دم بچے کے چیخنے چلانے نے میرے قدموں کو روک لیا۔ اُلٹے پاؤں واپس بچے کے پاس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بھیڑیے نے

میرے معصوم لختِ جگر کو اپنے خونی جبڑوں میں دبوچا ہوا ہے اور وہ معصوم اس کے بے رحم جبڑوں میں زندگی کی بازی ہار چکا ہے۔

یہ دل خراش منظر دیکھنے کے بعد میں پھر اس اونٹ کے پیچھے ہولیا۔ جب اس کے قریب پہنچا تو اس نے مجھے دولتّی دے ماری جس کی وجہ سے میری بینائی چلی گئی۔ اس طرح میں مال وعیال کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

اس کی یہ داستانِ غم سن کر ولید کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اور اس نے کہا: جاؤ۔ عروہ بن زبیر سے کہہ دو تمھیں صبر وشکر مبارک! اس لیے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تم سے زیادہ غموں اور مصیبتوں کے مارے ہیں!۔(۱)

جن کے رتبے ہیں سوا......

حکایتوں میں آتا ہے کہ ہشام بن عبد الملک بن مروان ایک سال حج کو آیا۔ خانۂ کعبہ کا طواف کررہا تھا، جب حجر اسود پر بوسہ دینے کا اِرادہ کیا تو خلقت کے ہجوم کی وجہ سے اسے راستہ نہ ملا، وہ منبر پر چڑھا اور خطبہ پڑھنا شروع کیا۔

عین اُسی وقت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۹۴ھ) تشریف لائے، چہرہ ماہِ کامل کی طرح روشن، رخسار دمکتے ہوئے اور لباس خوشبوؤں سے معطر۔ انھوں نے طواف کیا، جب حجر اَسود کے پاس آئے تو لوگ تعظیماً ایک طرف ہٹ گئے اور آپ نے بڑھ کر پتھر کو بوسہ دیا۔

ہشام بن عبد الملک سے کسی نے کہا: حیرت ہے کہ آپ امیر المومنین ہیں اور آپ کو حجر اسود تک بازیابی نہ ہوئی؛ لیکن جب وہ جوانِ رعنا آیا تو سارا ہجوم چھٹ گیا اور سنگ اسود اس کے لیے خالی کردیا گیا۔

(۱) المستطرف فی کل فن مستظرف: ص۳۳۹۔

ہشام نے کہا: میں اس جوان کونہیں جانتا کہ یہ ہےکون !۔مطلب یہ تھا کہ کہیں ہشام کے اپنے لوگ امام زین العابدین کو پہچان کر ان کی طرفداری اختیار کر کے انھیں امیر بنانے کی کوشش نہ کریں۔

مشہورِ زمانہ شاعرفرزدق وہاں موجود تھا،اس نے ہشام کی باتیں سن کر کہا: میں جانتا ہوں کہ یہ جوانِ رعنا کون ہے۔لوگوں نے درخواست کی پھر بیان کرو؟، دیکھواس کے چہرے سے کیا جلال وہیبت ٹپک رہی ہے!۔

فرزدق نے کہا: تو لوسنو میں اس کے صفات وخصائل اوراس کا نام ونسب بیان کرتا ہوں۔ یہ کہہ کراس نے اہل بیت اطہار کی تعریف وتوصیف میں اور خصوصاً شانِ زین العابدین میں بہت سے اشعار پڑھے،جن میں سے چند یہ ہیں :

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته ☆ والبيت يعرفه والحل والحرم

هذا ابن خير عباد الله كلهم ☆ هذا التقى النقى الطاهر العلم

هذا ابن فاطمة إن كنت جاهله ☆ بجده أنبياء الله قد ختموا

یعنی یہ وہ شخص ہےجس کےنقش قدم اہل مکہ پہچانتے ہیں،جس کو خانہ کعبہ اورحرم جانتے ہیں۔

یہ خلق خدا میں سب سے اچھے آدمی کا بیٹا ہے۔ یہ مشہورمتقی وپرہیزگاراور عابدان شب زندہ دار کا سرخیل ہے۔

یہ فاطمۃ الزہرا کا لال ہے مگرمقام حیرت ہے کہ تو جہالت ودلی کدورت کے باعث اس کونہیں پہچانتا، یہ وہی عظیم انسان ہےجس کے نانا پرسلسلہ نبوت ورسالت جاکرختم ہوگیا۔

یہ سن کر ہشام بن عبدالملک برافروختہ ہوگیااوراس نے فرزدق کومدینہ اور مکہ کے درمیان مقام عسفان پرقید کروادیا۔ جب یہ خبرحضرت زین العابدین کوپہنچی تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کوبھجوائے اورکہلا بھیجا کہ ہم مجبور ہیں اس سے زیادہ ہمارے پاس نہیں۔

فرزدق نے وہ رقم یہ کہہ کر واپس کردی کہ اے فرزند پیغمبر! میں تمام عمر مال و زر کے لیے بادشاہوں اور سلاطین واُمرا کے قصائد لکھتا رہا ہوں اور ان کی تعریف میں غلو کرکے ارتکاب معاصی کرتا رہا ہوں، اور یہ اشعار میں نے اہل بیت کی تعریف وتوصیف میں ازرہِ کفارہ کہے ہیں۔

جب یہ پیغام امام زین العابدین کو ملا تو انھوں نے یہ کہہ کر رقم واپس بھجوادی کہ اے فرزدق! اگر تمھیں واقعی ہمارے ساتھ اِرادت ہے تو یہ خیال نہ کر کہ ہم جو دے چکے اسے واپس لے لیں (بلکہ تمھیں یہ رقم لینا ہی ہوگا کیوں کہ) ہم اس کی ملکیت سے دست بردار ہوچکے ہیں۔(۱)

آپ ہی کے تعلق سے تبع تابعین میں سے ایک بڑے ولی اللہ نے ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ حرم کعبہ میں رات کے پچھلے پہر لوگ طوافِ خانہ کعبہ میں مصروف تھے، کچھ لوگ سجدے کرر ہے تھے اور کچھ عبادت میں مگن تھے، اسی اثنا میں ایک شخص چہرے پر کپڑا اوڑھے پچھلی رات کے اندھیرے میں مقام ملتزم پر رو رو کر اللہ کے حضور عرض کررہا تھا :

> اے میرے مولا! کائنات میں تیری زمین پر ریت کے اتنے ذرّے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں......سمندروں میں پانی کے اتنے قطرے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں...... درختوں پر اتنے پتے نہیں جتنے میرے گناہ ہیں۔
>
> اے میرے پروردگار! کائنات میں اوّل سے آخر تک اس قدر عدد تیری مخلوق کا نہیں جتنا عدد میرے گناہوں کا ہے......زمین وآسمان کی اتنی وسعت نہیں جتنے میرے گناہ ہیں ۔اے میرے خالق ومالک! اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں؛ لہٰذا مجھے معاف فرمادے۔

تابعی بزرگ فرماتے ہیں کہ ساری رات بیت گئی اور وہ اللہ کا بندہ دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔اس کی چیخ وپکار سن کر ہر شخص کا جگر پھٹا جارہا تھا۔فضاؤں میں رونے کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جارہی تھی۔ ہر سو سسکیاں تھیں۔ فجر کا وقت قریب ہوگیا۔تابعی بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ شخص غلافِ کعبہ پکڑ کر اس قدر رویا کہ مجھے ترس آگیا۔

---

(۱) معجم کبیر طبرانی:۳/۱۶۹، رقم:۲۷۳۳......حلیۃ الاولیاء:۳/۱۳۹......الصواعق المحرقۃ :۲/۵۸۴......اخبار مکہ فاکہی:۳/۴۷۴، رقم:۱۳۰۳......کشف المحجوب ہجویری:۱۴۷تا۱۴۸......روض الریاحین:۵۵،۵۶۔

مجھ سے رہا نہ گیا اور میں رونے والے کے پاس گیا۔ اس کا دامن پکڑا اور عرض کیا: مولا! یہ کوئی بڑا گنہ گار اور دکھی شخص ہے میں بھی تجھے تیری رحمت کا واسطہ دیتا ہوں اور میں اپنی نیکیاں اس شخص کو دیتا ہوں تو اس گنہ گار کو بخش دے۔

ولی اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص زار و قطار روتا رہا۔ بالآخر میں نے اس کا کپڑا پکڑا اور کہا: اے گنہ گار! اپنے گناہوں پر اتنا رونے والے! ذرا کپڑا ہٹا کر چہرہ تو دکھا کہ تو ہے کون؟ میں بھی اللہ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے بخش دے۔

تابعی فرماتے ہیں کہ جب میں نے کپڑا اُٹھایا تو ساری رات زار و قطار رونے والے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تھے، ان کو دیکھنے کے بعد مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا اور میں رو کر عرض کرنے لگا: مولا! اگر ان پاکیزہ خصلتوں کا یہ حال ہے تو ہمارا کیا حال ہوگا!۔

کچھ اسی طرح کی ایک روایت حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں چاندنی رات میں خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک ایک غم و اندوہ میں ڈوبی ہوئی آواز پردۂ سماعت سے ٹکرائی، مجھے تشویش ہوئی کہ ذرا دیکھوں یہ حزن آگیں آواز کہاں سے آرہی ہے؛ اتنے میں غلافِ کعبہ پکڑے ہوئے ایک خوبصورت نوجوان پر میری نظر پڑی جو اپنی مناجات میں کہہ رہا تھا :

نامت العيون و غارت النجوم و أنت الملک الحي القيوم و قد غلقت الملوک أبوابها و أقامت عليها حرسها و حجابها وبابک مفتوح للسائلين فيها أنا سائلک ببابک مذنبا فقيرا مسکينا أسيرا جئت انتظر رحمتک يا أرحم الراحمين .

یعنی (اے پروردگار!) آنکھیں سوگئیں، اور سرِفلک کہکشائیں دھندلی پڑگئیں۔ اصلاً تو تو زندہ جاوید ہمیشہ رہنے والا بادشاہِ حقیقی ہے، دوسرے عارضی بادشاہوں نے تو اپنے دروازے بھی بند کردیے، پردے بھی گرادیے اور ان پر پہرے دار بھی کھڑے کردیے؛ لیکن تیرا دروازہ تو منگتوں کے لیے ہمیشہ وا رہتا ہے۔ تو یہ دیکھ تیری رحمت و کرم کی آس پر اپنے گناہوں، بے کسی و بے بسی اور مسکینی کا اعتراف کرتے ہوئے

تیرے دردولت پر میں حاضر آ گیا ہوں۔اے مہربانوں کے مہربان!۔
پھر یہ اشعار گنگنانے لگا :

یا من یجیب دعاء المضطر في الظلم
یا کاشف الضـــر و البلوی مع القسم
قد نام وفدی حول البیت و انتبهوا
و أنـت یـا حـي یـا قـیوم لـم تنـم
أدعوک ربي و مولاي و مستندي
فارحم بکائي بحق البیت و الحرم
أنت الغفور فجد لي منک مغفـرة
و اعـف عـني یا ذا الجـود و النعم
إن کان عفوک لا یرجوه ذو جرم
فمن یجـود عـلی العاصین بالکرم

یعنی اے وہ ذات جو عالم بے بسی میں پھنسے لوگوں کی دعائیں قبول کرتی ہے۔
اور خیروخوبی کے ساتھ کلفت وآفت اور پریشانیوں کا خاتمہ کر دیتی ہے۔
خانۂ کعبہ کے گرد طواف کرنے والے لوگ سوئے بھی اور پھر جاگ بھی گئے مگر تو تو حی وقیوم ہے، تجھے نیند تو دور رہی اونگھ بھی نہیں آتی۔
اے میرے ماویٰ ومولا پروردگار! حرم وکعبہ کی عظمت کے صدقے میرے گریہ وبکا پر ترس کھا کر مجھے معاف فرمادے۔
تو بہت بہت بخشش فرمانے والا ہے تو مجھے بھی اپنی بخشش سے حصہ عطا فرما۔اور اے نعمت وسخاوتِ بے بہا فرمانے والے! میری کوتاہیوں کو معاف فرما۔
اگر اہل جرم وخطا تیرے عفو ودرگزر کی اُمید نہ رکھیں، اور تجھ سے بھیک نہ مانگیں تو پھر گنہ گاروں پر احسان واکرام کی بخشش کون فرمائے گا!۔

پھراس جوان نے اپنے سرکوآسمان کی طرف اُٹھا کرعرض کرنا شروع کیا :

یــا إلٰهـي و سيـدي مـولاي إن اطـعتک فـلک الـمنة علي و إن عصيتک فبجهلي فلک الحجة علي اللهم فبإظهار منتک علي و إثبـات حـجتک لدي ارحمني و اغفرلي ذنوبي و لا تحرمني رؤية جـدي قرة عيني و حبيبک و صفيک ونبيک محمد صلی الله عليه و آله و سلم .

یعنی اے میرے مولا پروردگار! اگر میں تیری اطاعت بجالاؤں تو یہ تیرا مجھ پر بڑا احسان ہے۔اور اگر تیری نافرمانی کروں تو یہ میری نادانی کے باعث ہے اور تیری حجت مجھ پر قائم ہوگئی۔اے پروردگار! مجھ پراحسان وانعام کا اظہارفرمانے اور مجھ پر تیری حجت قائم ہوجانے کے صدقے مجھے اپنی رحمت ومغفرت سے سرفراز فرما؛ نیز اپنے حبیب اعظم نبی مکرم اور میرے نورِچشم جدِمعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رؤیت سے مجھے محروم نہ فرما۔

اس نے پھر کچھ اس طرح اشعار پڑھنے شروع کردیے :

ألا أيهـا المـأمول فـي كل شـدة
إليک شکوت الضر فارحم شکايتي

ألا يا رجائي أنت کاشف کربتي
فهب لي ذنوبي کلها واقض حاجتي

فـزادي قـلـيل مـا رآه مـبـلـغي
علی الزاد أبکي أم لبعد مسافتي

أتـيـت بـأعمـال قـبـاح رديـئـة
وما في الوری خلق جنی کجنايتي

یعنی اے وہ ذات! مصیبتوں کے نزول کے وقت قطعی طور پر جس کی طرف نگاہِ امید لگائی جاتی ہے۔ میں نے اپنا دکھڑا تجھی سے سنایا ہے؛ لہٰذا مجھے مرادآشنا فرما۔

مولا! میری امید ورجا کے سارے رشتے تیری ہی ذات کے ساتھ استوار ہیں، اور تو نے میری مشکلیں بھی آسان فرمائی ہیں؛ لہٰذا میرے جملہ گناہ غلط فرما اور میری منت وضرورت پوری فرما۔

جہاں تک مجھے پتا ہے میرے پاس سرمایۂ اعمال بہت ہی کم ہے۔ اب میں زادِ راہ کی قلت پر آنسو بہاؤں یا بعد مسافت پر گریہ کناں ہوں۔

اپنے خستہ و ناپسندیدہ اعمال لے کر میں تیری جناب میں آ پہنچا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ بھری دنیا میں شاید ہی کسی نے میرے کے سے گناہ کیے ہوں گے۔

ان اشعار کو وہ بار بار دہراتا رہا؛ یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا؛ میں لپک کر اس کی طرف بڑھا، دیکھا تو وہ (کوئی اور نہیں چشم و چراغِ خانوادۂ نبوت) حضرت زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابو طالب تھے۔

میں نے ان کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا اور ان کے شدت گریہ و بکا کا سوچ کر میں بھی زار و قطار رونے لگا۔ جب میرے آنسوؤں کا کوئی قطرہ ان کے رخسارِ مبارک پر گرا تو وہ ہوش میں آگئے اور اپنی آنکھیں وا کرتے ہوئے پوچھا: یہ کون ہے جس نے میرے ذکر مولا میں رخنہ اندازی کی جرأت کی ہے؟۔

میں نے عرض کیا: آقا میں آپ کا خادم اصمعی ہوں۔ آپ اس قدر گریہ وزاری کیوں فرما رہے ہیں؟، اور رقت وخوف کا یہ عالم آپ پر کیوں طاری ہے؟؟، آپ تو اہل بیت نبوت و رسالت سے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کی شان میں یہ نہیں فرمایا :

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً ٥ (سورۂ احزاب:۳۳/۳۳)

بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) اہل بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک) دور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔

کہتے ہیں کہ جب انھوں نے یہ سنا تو برابر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے اصمعی ! کیا باتیں کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جنت اس کے لیے پیدا کی ہے جو اس کی طاعت و بندگی کرے خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اور جہنم اس کے لیے بنائی ہے جو اس کا نافرمان ہو خواہ وہ کوئی قریشی بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا :

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلاَ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَومَئِذٍ وَّ لاَ يَتَسَاءَ لُونَ o

(سورۂ احزاب: ۳۳/۳۳)

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن نہ رشتے (باقی) رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔(۱)

علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی گھوسوی علیہ الرحمہ نے اس واقعہ کے بعد جو چشم کشا تبصرہ رقم فرمایا ہے وہ بڑے خاصے کی چیز ہے، یہاں اسے بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے، وہ فرماتے ہیں :

ان نورانی حکایات کو بار بار پڑھیے اور عبرت حاصل کیجئے۔ ذرا چشم تصور وا کر کے دیکھئے کہ اہل بیتِ نبوت کے چشم و چراغ، جانشین خاندان آل عبا، نور چشم شہید کربلا، زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عبادت و ریاضت کا کیا عالم تھا!، اور ان کے خوف و خشیت ربانی کا رتبہ کتنی بلند منزل پر فائز تھا!!۔

بلا شبہہ آپ علم نبوت کے وارث اور رشد و ہدایت کے نشان اعظم تھے۔ آپ کی خاندانی عظمت و وجاہت کی بلندی پر آسمانوں کی سر بلندیاں بھی قربان! اور آپ کے علمی و عملی کمالات اور علو مراتب پر ثریا کی رفعتیں بھی نثار!!۔

آپ یقیناً سید السادات اور وارثِ کمالات مولائے کائنات ہیں؛ لیکن اس کے باوجود آپ کے عجز وانکسار کا یہ عالم ہے کہ اصمعی جیسا جلیل القدر عالم اور فن لغت وادب کا امام جب قرآن پڑھ کر ان کے مراتب علیا کو یاد دلاتا ہے تو آپ اس کو یہ جواب دیتے ہیں کہ قیامت کے دن نہ کوئی رشتہ ہوگا اور نہ کوئی کسی کا پرسان حال!۔

(۱) روح البیان: ۹/ ۶۲ تا ۶۳ ...... المستطرف فی کل فن مستظرف: ۱/ ۱۳۳ ...... ثمرات الاوراق: ۱/ ۱۷۳۔

اللہ اکبر! امام ممدوح کا سینہ خوف وخشیت ربانی کا ایسا نورانی سفینہ تھا کہ جس میں تفاخر بالانساب اور خاندانی بڑائی کا کبھی گزر ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ عجز وانکسار کا ایسا بے مثال مرقع اور تواضع وانکساری کے ایسے بے مثال پیکر تھے کہ آپ کو دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔

آپ کے اس طرزِ عمل میں آج کل کے سادات کرام کے لیے بہت بڑا درسِ عبرت ہے جو اپنی سیادت اور خاندانی شرافت پر ہردم فخر کرتے رہتے ہیں؛ بلکہ اسی گھمنڈ وغرور میں علوم و اعمالِ صالحہ سے بھی اپنے کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔

کاش! یہ لوگ اپنے دادا حضرت امام زین العابدین کی مقدس زندگی سے سبق حاصل کرتے! اور پیکرِ تواضع وانکسار بن کر خضوع وخشوع کے ساتھ اپنے رب کریم کی عبادت کرتے اور اپنے علوم واعمالِ صالحہ کی بدولت اُمت رسول کے لیے ذریعہ ہدات بنتے؛ مگر افسوس کہ آج کل کے بعض مدعیانِ سیادت کا تو یہ حال ہے کہ نہ علم، نہ عمل بس خانقاہ، لے دے کر ان کی کل کائنات یہی ہے۔

لبوں پہ ہے 'پدرم بادشاہ بود' کا شور
تفاخر من و تو کے سوا کچھ اور نہیں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی عبادت وریاضت اور خوفِ الٰہی سے ان کی گریہ وزاری کا ایک منظر تو آپ نے دیکھ لیا اب ذرا یہ بھی سن لیجیے کہ سفر اور حضر میں کبھی آپ کی نمازِ تہجد قضا نہیں ہوئی اور روزانہ بلا ناغہ ایک ہزار رکعت نمازِ نفل پڑھا کرتے تھے، اور اپنی زندگی میں دو مرتبہ اپنا سارا مال خدا کی راہ میں خیرات کیا۔

آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ بہت سے غربائے اہل مدینہ کے گھروں میں ایسے پوشیدہ طریقوں سے رقم بھیجا کرتے تھے کہ ان غربا کو خبر ہی نہیں ہوتی تھی کہ یہ رقم کہاں سے آتی ہے؟، مگر جب آپ کا وصال ہوگیا تو غریبوں کو پتہ چلا کہ یہ حضرت امام زین العابدین کی سخاوت تھی!۔ آپ کے تہجد اور نوافل کی کثرت اور راتوں کو آپ کی آہ وزاری اور گریہ وبیقراری ہی کی وجہ سے تمام اُمت نے آپ کو 'زین العابدین' کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا اور بلاشبہ

آپ اس عظیم الشان لقب کے مستحق ہیں۔ سچ ہے(۱)۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

بات ایک اُستاد اور ایک شاگرد کی

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ (م۹۴ھ) کے نوجوان شاگرد ابو وداعہ کہتے ہیں کہ میں اپنے مشفق اُستاد حضرت سعید بن مسیّب کی محفل میں با قاعدگی سے حاضرا ہوا کرتا تھا، پھر چند روز حاضر نہ ہوسکا۔ جب دوبارہ آپ کی درسگاہ میں پہنچا تو آپ نے اتنے دن غائب رہنے کا سبب پوچھا: میں نے کہا: دراصل میری اہلیہ کا انتقال ہوگیا تھا تو اسی پریشانی میں چند دن حاضری کی سعادت سے محروم رہ گیا۔

یہ سن کر انھوں نے فرمایا: تو نے مجھے اِطلاع کیوں نہیں دی؛ تاکہ میں خود بھی اس جنازہ میں شرکت کرتا!۔ میں شرمندہ ہوا اور خاموشی بیٹھا رہا۔ پھر جب میں نے رخصت چاہی تو انھوں نے فرمایا: کیا تم نے دوسری شادی کرلی ہے؟۔ جب میں نے نفی میں جواب دیا تو پوچھا: کیا دوسری شادی کرنا چاہو گے؟۔ میں نے کہا: حضور! میں تو بہت ہی غریب ہوں، میرے پاس بمشکل چند درہم ہیں، مجھ غریب کو اپنی بیٹی کون دے گا؟۔

انھوں نے فرمایا: فکر نہ کرو، میں تمہاری شادی کا انتظام کرتا ہوں۔ میں نے حیران ہوتے ہوئے عرض کیا: کیا آپ میری شادی کرائیں گے؟۔ فرمایا: ہاں! میں تمہاری شادی کراؤں گا۔ پھر انھوں نے اللہ کی حمد بیان کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام پڑھا اور میری شادی اپنی بیٹی سے کرادی۔

میں وہاں سے اُٹھا اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں اتنا خوش تھا کہ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں، کیا نہ کروں۔ پھر میں سوچنے لگا کہ مجھے کس کس سے اپنا قرضہ وصول کرنا

(۱) روحانی حکایات، عبد المصطفیٰ اعظمی: ۲/۴۷ تا ۴۸۔

ہے،اوراسی طرح میں آنے والے لمحات کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر میں نے مغرب کی نماز مسجد میں اَدا کی اور دوبارہ گھر کی طرف چلا آیا۔

میں گھر میں اکیلا ہی تھا۔ پھر میں نے زیتون کا تیل اور روٹی دسترخوان پر رکھی اور کھانا شروع ہی کیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے پوچھا: کون؟ آواز آئی۔سعید۔ میں نے پوچھا: کون سعید؟، کیوں کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے اُستاد کبھی میرے دروازے پر تشریف لائیں گے۔فرمایا: سعید بن مسیّب۔اب میری حیرتوں کی انتہا ہوگئی۔ میں نے دوڑ کر دروازہ کھولا،اورآپ اندر تشریف لے آئے۔

میں نے عرض کیا: حضور! آپ نے کیوں زحمت فرمائی، پیغام بھیج دیتے، میں خود ہی حاضر ہوجاتا۔فرمانے لگے: نہیں بلکہ تم اس بات کے زیادہ حقدار ہوکہ تمہارے پاس آیا جائے۔ میں نے عرض کیا: فرمائیں، میرے لیے کیا حکم ہے؟۔

توانھوں نے فرمایا: اب تم غیر شادی شدہ نہیں ہو،تمہاری شادی ہوچکی ہے۔اور میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم شادی ہوجانے کے بعد بھی اکیلے ہی رہو۔ پھر وہ ایک طرف ہٹے تو ان کی بیٹی ان کے پیچھے کھڑی تھی۔انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑااور میرے کمرے میں چھوڑ آئے اور مجھ سے فرمایا: یہ آج سے تمہاری زوجہ ہے۔

اتنا کہنے کے بعد تشریف لے گئے۔ میں دروازے کے قریب گیااور جب اطمینان ہوگیا کہ استاذِ گرامی جاچکے ہیں تو واپس کمرے میں آیا، کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے چاند میرے گھر میں اُتر آیا ہےاورایک شرم وحیا کی پیکر زمین پر بیٹھی ہوئی ہے۔

میں نے جلدی سے زیتون کے تیل اور روٹیوں والا برتن اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیا تاکہ وہ اسے دیکھ نہ سکے۔ پھر میں اپنے مکان کی چھت پر چڑھا اور اپنے پڑوسیوں کو آواز دینے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں سب جمع ہوگئے اور مجھ سے پوچھنے لگے: تمہیں کیا پریشانی ہے؟۔

میں نے کہا: آپ لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اب میں اکیلا نہیں رہا، میرے استاذِ گرامی حضرت سعید بن مسیّب نے اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردی اور وہ اسے میرے گھر بھی

پہنچا گئے ہیں؛ لہٰذا کسی دوشیزہ کو میرے گھر دیکھ کر تم کسی شک میں مبتلا نہ ہونا۔

لوگوں نے بے یقینی سے پوچھا: کیا حضرت سعید بن مسیّب نے تجھ سے اپنی بیٹی بیاہ دی ہے؟، اس نے کہا: ہاں! یقین نہ ہو تو اندر جا کر دیکھ لو کہ ان کی صاحبزادی موجود ہے۔ جب میری والدہ کو خبر ہوئی تو وہ بھی فوراً حاضر ہوئیں اور مجھ سے فرمانے لگیں: ابھی تو اس کے قریب نہ جانا جب تک کہ میں اسے دلہن نہ بنا لوں۔

اس طرح اس کے ساتھ میں نے کوئی چند روز گزارنے کے بعد جب اپنے استاذ کی بارگاہ میں جانے کے لیے گھر سے نکلنا چاہا تو بیوی نے ہاتھ پکڑ کر مجھ سے عرض کیا: میرے شوہر نامدار! آپ کہاں جا رہے ہیں؟۔

میں نے کہا: تمہارے باپ اور اپنے استاذ حضرت سعید بن مسیّب کی درسگاہ میں۔ اس نے کہا: اب آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو وہ سب کچھ سکھا پڑھا دوں گی جو میرے والد آپ کو پڑھائیں گے۔ اس کی یہ باتیں سن کر میں دنگ رہ گیا کہ ظاہری حسن و جمال کے ساتھ ساتھ علمی فضل و کمال میں بھی وہ طاق نکلی۔ وہ قرآن کی حافظہ بھی تھی، سنت رسول کو بہت زیادہ جاننے والی بھی؛ نیز شوہر کے حقوق کو پہچاننے والی بھی۔

پھر اسی طرح کوئی ایک مہینہ گزر گیا۔ نہ تو حضرت سعید بن مسیّب میرے پاس آئے اور نہ میں حاضر ہو سکا۔ پھر میں ہی ان کے پاس گیا، وہ بہت سارے لوگوں کی جھرمٹ میں جلوہ فرما تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا: اس کے بعد مجلس ختم ہونے تک انھوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ جب سب لوگ جا چکے اور میرے علاوہ کوئی اور نہ بچا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا: اُس انسان کو کیسا پایا؟۔

میں نے عرض کیا: حضور! آپ کی صاحبزادی ایسی صفات کی حامل ہے کہ شاید کوئی دشمن ہی اسے ناپسند کرے؛ ورنہ دوست تو ایسی چیزوں کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ فرمایا: اگر وہ تجھے تنگ کرے تو لاٹھی سے اِصلاح کرنا۔ پھر جب میں گھر کی طرف روانہ ہوا تو انھوں نے مجھے بیس ہزار درہم دیے۔ جنھیں لے کر میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن سلمان فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیّب کی اسی صاحبزادی کے لیے خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹے ولید کی شادی کا پیغام بھیجا تھا؛ لیکن حضرت سعید نے انکار کر دیا۔ عبدالملک نے ہر طرح کی کوشش کی کہ کسی طرح وہ اس رشتے پر راضی ہو جائیں؛ مگر وہ برابر اِنکار کرتے رہے، پھر وہ ظلم پر اُتر آیا اور ایک سخت سرد رات میں اس ظالم نے انھیں سو کوڑے مارے اور اُون کا جبہ پہنا کر ان پر ٹھنڈا پانی ڈلوایا۔(۱)

بلا کا ذہین و بہادر نوجوان

قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھنے والا حجاج بن یوسف (م ۹۵ھ) تاریخ میں اپنے ظلم و زیادتی اور قتل و غارت گری کے لیے بہت مشہور ہے۔ ایک دن وہ اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ عراقی حاشیہ بردار اِردگرد موجود تھے۔ اچانک ایک خارجی نوجوان کو لایا گیا جس کی ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں؛ مگر چہرے سے ذہانت و فطانت نمایاں تھی۔ اس کے سر پر لمبے لمبے بال تھے۔

لڑکے نے حاضرین کی پروا کیے بغیر محل کی چیزوں کو دیکھنا شروع کیا۔ اسے قطعاً اِحساس نہ تھا کہ وہ حجاج بن یوسف کے دربار میں آیا ہے۔ وہ گردن کو کبھی دائیں اور کبھی بائیں موڑ رہا تھا؛ مگر اس کے چہرے پر مختلف چیزوں کو دیکھ کر تعجب کے آثار ضرور تھے۔ غالباً وہ پہلی مرتبہ کسی محل کی زیب و زینت اور اس کی آرائش و زیبائش کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنے کان پر ہاتھ رکھا اور بلند آواز سے پکارا :

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ، وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ○ (سورۂ شعراء:۲۶/۱۲۸تا۱۲۹)

کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار تعمیر کرتے ہو (محض) تفاخر اور فضول مشغلوں کے لیے۔ اور تم (تالابوں والے) مضبوط محلات بناتے ہو اس اُمید پر کہ تم (دنیا میں) ہمیشہ رہو گے۔

---

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۸۰تا۸۲۔

حجاج بن یوسف تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔لڑکے کی بات سنتے ہی وہ فوراً سیدھا بیٹھ گیا،اور کہنے لگا: آؤلڑکے! تمہارے چہرے سے تو ذہانت اور ذکاوت چھلکتی ہے۔اچھا یہ بتاؤ :

أ حفظت القرآن ؟. کیاتم نے قرآن حفظ کیا ہے؟۔

مگرلڑکے نے الفاظ کواُن کے ظاہری معنی پرمحمول کرتے ہوئے کہا :

أو خفت عليه من الضياع حتىٰ أحفظه، وقد حفظه اللّٰه تعالىٰ .

یعنی کیاتمہیں اس کے ضائع ہونے کا خوف ہے جو اس کو حفظ کروں۔اس کی حفاظت کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے خود لے رکھی ہے!۔

حجاج بن یوسف نے کہا: **أ فجمعت القرآن ؟.**

کیاتم نے قرآن کوجمع کیا ہے؟۔مطلب وہی تھا کہ کیاتمہیں قرآن یاد ہے؟۔

مگراس ذہین لڑکے نے الفاظ کے ظاہری معنی پر محمول کر کے پھر اسے ترکی بہ ترکی یوں جواب دیا: **أو كان مفرقا حتىٰ أجمعه ؟.**

کیاقرآن بکھراہواتھا جومیں اس کو اِکٹھا کروں؟۔

اب حجاج ذرا گھسیایااور کہنے لگا: **أ فأحكمت القرآن ؟.**

کیاتم نے قرآن کو پختہ یادکیا ہے؟۔

لڑکے نے پھرظاہری معنی لیےاورفوراًجواب دیا: **أ ليس اللّٰه أنزله محكما؟.**

کیااللہ ربّ العزت نے اسے محکم اور پختہ نازل نہیں کیا ہے؟۔

حجاج سیخ پاہوکر کہنے لگا: **أستظهرت القرآن ؟.**

کیاتم نے قرآن کریم کا کچھ حصہ زبانی یادکیا ہے؟۔

لڑکے نے پھرظاہری معنی لیےاورکہا: **معاذ اللّٰه أن يجعل القرآن وراء ظهري!.**

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں قرآن کریم کو پیٹھ پیچھے ڈالوں۔

اب حجاج بن یوسف سے کوئی جواب نہ بن پایا تو آپے سے باہر ہوکر بولا:-تیرا خانہ

خراب ہو-اللہ تجھے غارت کرے! میں کیا کہہ رہا ہوں، اور تو کیا سمجھ رہا ہے؟۔اچھا اب تو ہی بتا کہ مجھے کیا کہنا چاہیے؟۔

لڑکا : اللہ تیرا بیڑا غرق کرے، تمہیں اس طرح کہنا چاہیے تھا :

أ وعيت القرآن في صدرک ؟.

کیا تم نے قرآن کریم کو اپنے سینے میں محفوظ کیا ہے؟۔

حجاج : چلو، قرآن پاک کا کچھ حصہ تلاوت کرو۔

لڑکے نے بڑی خوبصورت آواز میں تلاوت قرآن کریم شروع کی :

أعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم : إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالفَتْحُ، وَرَأَيْتَ النَّاسَ –يخرجون من– دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً .

جب اللہ کی نصرت وفتح آجائے اور تم دیکھو کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین سے -نکلتے جا رہے ہیں-

حجاج : تیری بربادی ہو، قرآن میں تو اللہ کے دین میں داخل ہونے کی بات ہے، اور آیت یوں ہے :

وَرَأَيتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً .

لڑکا : ایک وقت تھا کہ لوگ دین میں فوج در فوج داخل ہوتے تھے؛ مگر آج فوج در فوج دین سے نکل رہے ہیں۔

حجاج : آخر کیوں؟۔

لڑکا : لوگوں کے ساتھ تمہارے برے برتاؤ کی وجہ سے۔

حجاج : تیرا ستیاناس ہو! تجھے معلوم ہے کہ تو کس سے مخاطب ہے؟۔

لڑکا : ہاں! میں ثقیف قبیلے کے شیطان حجاج سے مخاطب ہوں۔

حجاج : تیرا برا ہو! تجھے کس نے پالا پوسا اور تربیت کی ہے؟۔

لڑکا : جس نے مجھے پروان چڑھایا ہے۔

حجاج : تیری ماں کون ہے؟۔

لڑکا : جس نے مجھے جنا ہے۔

حجاج : تو کہاں پیدا ہوا تھا؟۔

لڑکا : جنگل میں۔

حجاج : اور پروان کہاں چڑھا ہے؟۔

لڑکا : صحرا میں۔

حجاج : کیا تو دیوانہ ہے کہ تیرا علاج کراؤں؟۔

لڑکا : اگر میں دیوانہ ہوتا تو تیرے دربار تک رسائی نہ ملتی اور تیرے ساتھ اس طرح گفتگو نہ کرتا؛ بلکہ درباریوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے تیرے آگے کھڑا رہتا؛ تا کہ میرے اوپر بھی تیرا کچھ انعام واِکرام ہو، یا سزا کے خوف سے تیرے آگے عاجز ولاچار کی طرح پر اُمید نگاہیں لے کر کھڑا ہوتا۔

حجاج : امیر المومنین کے بارے میں کیا کہتا ہے؟۔

لڑکا : اللہ تعالیٰ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اوران کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

حجاج : میری مراد وہ نہیں جو تو سمجھا، میں تو عبدالملک بن مروان کی بات کر رہا ہوں۔

لڑکا : ارے وہ، وہ تو فاسق وفاجر ہے!۔

حجاج : تیرا ستیاناس ہو، تونے امیر المومنین کو فاسق وفاجر کیوں کہا؟۔

لڑکا : وہ ایک ایسی غلطی کا مرتکب ہوا ہے کہ اس سے بڑی غلطی کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

حجاج : وہ کون سی بڑی غلطی ہے؟۔

لڑکا : اس نے تجھ جیسے ظالم کو اپنی رعیت پر حاکم مقرر کر رکھا ہے، اور تو لوگوں کے اُموال پر ناجائز قبضہ کرتا ہے اوران کا ناحق خون بہاتا ہے۔

یہ سنتے ہی حجاج آگ بگولا ہوگیا اور اپنے درباریوں کی طرف متوجہ ہوکر بولا: بتاؤ اس گستاخ نوجوان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟۔ درباریوں نے کہا: اس نوجوان کو قتل کروا دیجیے۔ اس کا قتل مباح ہے؛ کیوں کہ اس نے اطاعت اور فرماں برداری کا طوق اُتار دیا ہے۔ اور یہ سراسر بغاوت کا مرتکب ہوا ہے۔

لڑکا : اے حجاج سن! تیرے درباری اور حاشیہ نشین، تیرے بھائی فرعون کے درباری اور اُمرا سے بھی بدتر ہیں۔ اَرے! اِن سے تو وہ اچھے تھے کہ جب اُن سے فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو انھوں نے کہا تھا :

اَرْجِهْ وَأَخَاهُ .

اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے دو۔

اور یہ لوگ تجھے میرے قتل کا مشورہ دے رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب تو اللہ رب العزت کے دربار میں کھڑا ہوگا تو تیرے پاس کوئی دلیل اور کوئی وجہ نہیں ہوگی، اور تجھے خوب معلوم ہے کہ اس دن ظالم اور متکبر خوب ذلیل و رسوا ہوں گے!۔

حجاج : لڑکے سن! ذرا اپنی زبان سنبھال کر بات کر اور بڑوں سے بات کرنا سیکھ۔ میں نے تیرے بارے میں حکم دیا ہے کہ تجھے چار ہزار درہم عطا کیے جائیں۔

لڑکا : مجھے تیرے مال و دولت کی کوئی ضرورت نہیں!۔

بیض اللّٰہ وجھک و أعلیٰ کعبک .

اللہ تیرا چہرہ سفید کرے اور تجھے بلند کرے۔

یہ دعائیہ کلمہ ہے؛ لیکن لڑکے نے اس سے بددعا مراد لی تھی۔

حجاج نے اپنے درباریوں کی طرف دیکھا اور کہنے لگا: تمہیں معلوم ہے کہ اس کی 'بیض اللّٰہ وجھک و أعلیٰ کعبک' کہنے سے کیا مراد ہے؟۔ درباریوں نے کہا: آپ ہی بتائیں۔

حجاج : سفید چہرے (بیض اللّٰہ وجھک) سے مراد برص (کوڑھ) کی بیماری اور اندھے ہونے کی بددعا ہے اور (أعلیٰ کعبک) سے میری سولی پر لٹکائے جانے کو مراد لیا ہے۔

پھرلڑکے کی طرف متوجہ ہوااور پوچھا: بتاجو میں نے کہا ہے ٹھیک ہے یا غلط؟۔

لڑکا : اللہ تجھے غارت کرے......تو کس قدر سمجھ دار ہے! یقیناً جوتو نے میرے الفاظ کی تفسیر اور شرح بیان کی ہے وہ درست ہے اور یہی میری مراد تھی۔

حجاج : شدید غصے کے عالم میں اس کی طرف متوجہ ہوا، غصے سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ گستاخ لڑکے! تیری یہ جرأت تو ہمارے سامنے اس قسم کی بدزبانی اور بکواس کرتا ہے۔ لے جاؤ اور اس کو قتل کر دو!۔

دربار میں سناٹا چھا گیا، ایک نوخیز عمر کا لڑکا جو ذہانت، عقلمندی، حاضر جوابی اور بہادری میں بے مثال ہے، قتل ہو جائے گا۔ لوگوں کو اس پر رحم آنے لگا۔ رقاشی نام کا ایک درباری جو حجاج کا چہیتا تھا، عرض کرنے لگا: اللہ اَمیر کو اور زیادہ عزت و شرف بخشے، یہ لڑکا مجھے عنایت کر دیں۔

حجاج : اچھا، تم مانگتے ہو تو یہ میں تم کو ہبہ کرتا ہوں؛ مگر سنو! یہ درست ہے کہ اب یہ تمہارا ہو گیا مگر میری دعا ہے کہ تمہیں اس میں برکت نہ ہو۔

لڑکا : مجھے نہیں معلوم، تم دونوں میں سے کون زیادہ اَحمق ہے، ہبہ کرنے والا یا مجھ کو طلب کرنے والا!۔

رقاشی کہنے لگا: لڑکے! تم عجیب وغریب ہو، میں نے تمہیں قتل ہونے سے بچایا ہے اور تم میرا ہی مذاق اُڑا رہے ہو اور مجھ پر ہی پھبتیاں کس رہے ہو!۔

لڑکا : مجھے شہادت مبارک ہو۔ اللہ کی قسم! اللہ کی راہ میں شہید ہو جانا اپنے گھر والوں کے پاس جانے سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔

حجاج : لڑکے! ہم نے تمہارے لیے ایک لاکھ درہم انعام کا حکم دیا ہے۔ تم نے جو کڑوی، کسیلی گفتگو کی ہے، اس کو ہم نے اس لیے معاف کر دیا ہے کہ تم ابھی چھوٹے ہو۔ تمہارا ذہن صاف ہے اور تم اللہ پر بھرپور بھروسہ کرنے والے ہو، اور دیکھو میں تمہیں نصیحت کروں گا کہ تم کبھی اربابِ حکومت کے ساتھ اس قسم کی گفتگو مت کرنا، ڈر ہے کہ کہیں وہ تمہیں برداشت نہ کریں اور جس طرح ہم نے تمہیں معاف کیا ہے وہ معاف نہ کر سکیں۔

لڑکا : دراصل معافی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔تمہارے ہاتھ میں نہیں اور شکر بھی تمہارا نہیں بلکہ اکیلے اللہ رب العزت کے لیے ہے۔اور میں دعا کرتا ہوں کہ کبھی میں اور تم کسی مجلس میں دوبارہ آمنے سامنے نہ ہوں۔

نوجوان جب یہ گفتگو کر کے دربار سے باہر نکل رہا تھا تو سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا؛ مگر حجاج نے انھیں کہا کہ اس کا راستہ چھوڑ دو۔ میں نے ساری زندگی اس سے زیادہ فصیح اللسان، قادر الکلام، اور بہادر لڑکا نہیں دیکھا اور شاید مستقبل میں بھی نہ دیکھوں۔

میرا دل کہتا ہے کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو یقیناً یہ بہت بڑا آدمی بنے گا۔اور یہ عجوبۂ وقت ہوگا۔تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ لڑکا زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکا۔غالبًا اس کو حجاج بن یوسف ہی کے اِشارے پر زہر دے کر ختم کر دیا گیا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت حطیط زیات جو کہ ایک نوجوان تابعی ہوئے ہیں۔اُن کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ انھیں حجاج بن یوسف کے سامنے لایا گیا۔حجاج نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تو حطیط ہے؟۔فرمایا: ہاں! مجھے ہی حطیط کہتے ہیں، جو بات پوچھنا ہو پوچھ لو۔ میں نے مقام ابراہیم پر اللہ تعالیٰ سے تین عہد کیے ہیں: ایک یہ کہ اگر مجھ سے کوئی سوال کیا جائے گا تو میں اس کے جواب میں حق بات کہوں گا۔دوسرا یہ کہ اگر مجھ پر مصیبت نازل ہوئی تو میں صبر سے کام لوں گا۔تیسرا یہ کہ اگر میں بعافیت رہا تو اللہ کا شکر ادا کروں گا۔

حجاج نے ان سے پوچھا کہ میرے متعلق تم کیا رائے رکھتے ہو؟۔فرمایا: تو روے زمین پر اللہ کا کھلا دشمن ہے۔حرام کاریوں کا ارتکاب کرتا ہے اور لوگوں کو بلا کسی قصور قتل کے گھاٹ اُتار دیتا ہے۔

پھر اس نے پوچھا کہ امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟۔فرمایا: عبدالملک تو تم سے بھی زیادہ برا اور گیا گزرا ہے۔اس کے جرائم بے شمار ہیں۔اس

کی ایک بڑی غلطی خود تمہارا وجود ہے۔

حجاج بن یوسف اس صاف گوئی پر بے حد غضب ناک ہوا اور جلادوں کو حکم دیا کہ حطیط کو ایسی دردناک سزا دو جو اوروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ چنانچہ سزا کا اذیت ناک سلسلہ شروع ہوا، بانس کی کھپاچیں اُن کے گوشت پر رکھ دی گئیں اور انھیں رسی سے باندھ دیا گیا۔ پھر ایک ایک کھپاچ کھینچی جاتی، جس سے آپ کے جسم کا گوشت اُدھڑتا رہا؛ مگر ان تمام تر تکالیف اور جان لیوا سزا کے باوجود وہ جوان خاموش رہا۔ نہ اس نے معافی مانگی اور نہ اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔ سزا دینے والوں نے حجاج سے کہا کہ اب مجرم عالم نزع میں ہے۔ حجاج نے حکم دیا کہ اسے باہر سڑک پر ڈال دیا جائے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔

حضرت جعفر کہتے ہیں کہ میں اور اُن کا ایک رفیق اُن کے پاس پہنچے اور ان سے دریافت کیا کہ اگر کوئی خواہش ہو تو بتائیں۔ انھوں نے پانی مانگا، ہم نے انھیں پانی پلایا۔ پھر وہ ناقابل برداشت تکلیف اور جاں گسل زخموں کی تاب نہ لا کر اس دنیا سے چل بسے۔ اس وقت آپ کی عمر کوئی اٹھارہ برس کی تھی۔(۱)

بزرگی کا معیار تقویٰ

خلفاے بنوامیہ میں سلیمان بن عبدالملک (م ۹۹ھ) بڑی شان وشوکت کا سلطان ہو گزرا ہے۔ اس کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی عجائبات میں سے ہے کہ یہ بہت ہی کثیر خوراک والا تھا؛ چنانچہ منقول ہے کہ ایک نشست میں یہ چھ مرغیاں، ایک بکرا، ستر انار اور تقریباً چھ کلو کشمش کھا کر اٹھا۔ نہایت ہی تندرست اور بے حد وجیہہ وخوش رو اور خوبصورت جوان تھا۔

یحییٰ عنانی کا بیان ہے کہ ایک دن سلیمان بن عبدالملک نے آئینہ میں اپنا حسین وجمیل چہرہ دیکھا تو کہنے لگا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند قدوس کے 'نبی' ہیں، حضرت

(۱) احیاءعلوم الدین: ۳/۷۷......الصبر والثواب علیہ: ۱/۱۳۳۔

ابو بکر 'صدیق' تھے، حضرت عمر 'فاروق' تھے، حضرت عثمان 'حیادار' تھے، حضرت معاویہ 'حلیم' تھے، عبدالملک 'سیاست داں' تھے، ولید بن عبدالملک میرا بھائی 'ظالم' تھا اور میں 'بادشاہِ شباب' ہوں۔

اس کلام کے بعد ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ زندگی کی پینتالیس بہاریں دیکھ کر ۱۰ صفر بروز جمعہ سن ۹۹ ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔

اس میں شک نہیں کہ سلیمان بہت ہی کثیر مقدار میں کھانے والا نہایت ہی پیٹو انسان تھا لیکن اس کے شاندار اصلاحی کارنامے بلاشبہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں؛ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کے بارے میں فرمایا :

كان من خيار ملوك بني أميه .

یعنی یہ شخص بنواُمیہ کے بادشاہوں میں ایک نہایت ہی اچھا بادشاہ تھا۔

فصاحت و بلاغت میں ممتاز اور عدل و انصاف میں یکتا' پابند شرع اور جہاد فی سبیل اللہ کا شیدائی تھا۔ اسی طرح اولیاء و محدثین کے سرخیل حضرت محمد بن سیرین اس جوان بادشاہ سلیمان بن عبدالملک کے لیے اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے :

> اللہ تعالیٰ سلیمان بن عبدالملک پر اپنی رحمت نازل فرمائے اس نے اپنی خلافت کا اِفتتاح اس طرح کیا کہ پوری سلطنت میں ہر نماز کو اوّل وقت میں اَدا کرنے کا اہتمام کیا اور خلافت کا خاتمہ اس طرح کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے خلیفہ راشد کو اپنا جانشین بنا کر دنیا سے رخصت ہوا۔(۱)

نوٹ: سلیمان بن عبدالملک کی خوش پوشاکی اور کثیر خوراک کے باوجود جلیل القدر اماموں کا اس کی مدح و ثنا کے ساتھ اس کے لیے دعاے خیر کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محض کم خوراکی اور پھٹے پرانے کپڑوں پر تقویٰ و بزرگی کا دارومدار نہیں ہے اور قلیل غذا اور سادہ لباس اگرچہ عام طور پر بزرگوں کا طریقہ رہا ہے؛ مگر یہ پرہیزگاری اور تقویٰ شعاری کا کوئی خاص معیار نہیں ہے۔

(۱) تاریخ الخلفاء، امام سیوطی: ۱۵۷۔

کیوں کہ نہایت لذیذ و کثیر غذا کھا کر اور انتہائی دیدہ زیب ونفیس پوشاک پہن کر بھی اگر کوئی شخص تقویٰ و پرہیز گاری کی زندگی بسر کرے اور شریعت مطہرہ کی پابندی اور خدا کی عبادت کرے تو بلاشبہ یہ شخص بڑے متقی و پرہیز گار اور محمودِ خلائق ومحبوب پروردگار سمجھا جائے گا؛ چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ مثلاً: حضرت خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیجیے کہ جن کی بزرگی پر تمام اُمت کا اِجماع ہے۔

عام مورخین کا ان کے بارے میں یہی بیان ہے کہ یہ شاہانہ خوراک و پوشاک والے تھے۔ اطلس و دیباج کے خیموں میں کمخواب کا فرش بچھواتے۔ آپ کے جلوس کے ساتھ اور آپ کے جھنڈے کے نیچے بہت سے سلاطین واُمرا دست بستہ پا پیادہ چلتے تھے؛ چنانچہ مولانا جامی علیہ الرحمہ نے ان ہی حقائق کی طرف لطیف اِشارہ فرماتے ہوئے کہا ہے :

چو فقر اندر لباسِ شاہی آید ☆ بہ تدبیر عبیداللّٰہی آید

یعنی جب درویشی' بادشاہی کے لباس میں آئی تو حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کی تدبیر سے آئی۔

بہر حال! عوام کا جو آج کل یہ نظریہ ہوگیا ہے کہ فلاں شخص بہت بزرگ ہیں؛ کیونکہ وہ صرف جنگلی درختوں کے پتے کو کھاتے ہیں، اور ٹاٹ کا لباس پہنتے ہیں، اور زمین پر بلا بستر کے سوتے ہیں، یہ نظریہ سراسر جاہلانہ ہے۔

لباس اور غذا ہرگز ہرگز بزرگی کا کوئی معیار نہیں؛ بلکہ درحقیقت بزرگی کا دارومدار تقویٰ اور اِتباعِ شریعت ہے۔ ایک خوش خوراک وخوش پوشاک مسلمان بھی اگر وہ متقی و پرہیز گار' اللہ ورسول کا فرماں بردار اور اپنے پروردگار کا عبادت گزار ہے تو یقیناً وہ اس قابل ہے کہ اگر خداوند قدوس اپنا فضل فرمائے تو اس کو ولایت وکرامت کا حقدار بنادے۔

فارسی کی مشہور کہاوت ہے: 'درعمل کوش و ہر چہ خواہی پوش' یعنی عمل میں کوشش کرو اور جو لباس چاہو پہنو۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اس بارے میں کیا خوب فرمایا ہے۔

دلقت بچہ کار آید' تسبیح و مرقع ☆ خود را ز عمل ہائے نکوہیدہ بری دار

حاجت بہ کلاہِ ترکی داشتن نیست ☆ درویش صفت باش وکلاہِ تتری دار

یعنی کفنی، تسبیح اور گدڑی تمہارے کیا کام آئے گی! تم برے اعمال سے اپنے کو بچائے رکھو۔ کلاہِ ترکی (صوفیوں کی ٹوپی) پہننے کی تم کو کوئی ضرورت نہیں ہے، تم درویشوں کی صفت اپنے اندر پیدا کرلواور کلاہِ تتری (سپاہیوں کی ٹوپی پہنو)۔

کیوں! اس لیے کہ بزرگی کا معیار اور ولایت کا دارومدار لباس وخوراک نہیں بلکہ ایمان کامل واعمالِ صالحہ کے ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ یہ درحقیقت ولایت وبزرگی کی عمارت کے وہ بنیادی پتھر ہیں جن پر ولایتوں اور کرامتوں کے فلک بوس محلات قائم ہیں۔ سچ ہے کیا خوب فرمایا کسی حقیقت شناس نے ؎

توحید کا پیغام نہ ہندی نہ عراقی ☆ اسلام کے نقشہ میں نہ قندھار نہ جمرود

جب تک کہ براہیم کی فطرت نہ ہو پیدا ☆ وجدان بھی آزر ہے تخیل بھی ہے نمرود

ایمان کے سائے میں خطائیں بھی ہیں مقبول ☆ بے جذبِ یقیں نیکی اعمال بھی مردود[1]

ہر بیٹا باپ جیسا نہیں ہوتا

حضرت مالک بن انس کا بیان ہے کہ دونوجوان امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (م۱۰۱ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے والدمحترم کی وفات ہوگئی، وہ ہمارے واسطے چچا حمید کے پاس مال چھوڑ گئے ہیں، ان سے آپ ہماراحق لے دیں۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حمید کو بلانے کا حکم دیا۔ جب حمید حاضر خدمت ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا: اے حمید! کیا تم ہی ان اشعار کے کہنے والے ہو ؎

حميدٌ الذي أمجُّ داره ☆ أخو الخمر ذوالشيبة الأضلع

أتاني المشيب على شربها ☆ و كان كريما فما ينزع

(۱) روحانی حکایات: ۳۵/۲ تا ۳۸۔

یعنی وہ حمید ہی ہے جس کا گھر شراب و کباب سے پُر ہے، وہ بوڑھا شراب نوش ہے
جس کے سر کے بال گر چکے ہیں۔

مجھے شراب پیتے پیتے بڑھاپے نے آگھیرا جب کہ یہ بڑھاپا معزز اور کریم تھا لیکن یہ
بوڑھا شراب سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچتا ہے۔

حمید نے جواب میں کہا: ہاں۔ عمر بن عبدالعزیز فرمانے لگے: جب تم نے اِقرار کر ہی لیا ہے تو میں اب تجھے کوڑے لگائے بغیر نہیں رہوں گا۔ حمید نے پوچھا: وہ کیوں؟۔

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: تم نے از خود شراب نوشی کا اِقرار کرلیا ہے اور اپنے اشعار میں یہ بھی کہا ہے کہ شراب نوشی سے تم اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے۔ حمید ہنستے ہوئے کہنے لگا: اُف، کہاں ہیں آپ اَمیر المومنین! کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا ہے :

وَ الشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الغَاوُنَ، اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِی کُلِّ وَادٍ یَهِیْمُونَ وَ اَنَّهُمْ یَقُولُونَ مَا لاَ یَفْعَلُونَ o (سورۂ شعراء:۲۲۴/۲۶)

اور شاعروں کی پیروی بہکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ (شعراء) ہر وادیِ (خیال) میں (یوں ہی) سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔ (انھیں حق میں سچی دلچسپی اور سنجیدگی نہیں ہوتی بلکہ فقط لفظی و فکری جولانیوں میں مست اور خوش رہتے ہیں)۔ اور یہ کہ وہ (ایسی باتیں) کہتے ہیں جنھیں (خود) کرتے نہیں ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: تیرا بھلا ہوا حمید! بلا شبہ تم نے (سزا سے) چھٹکارا حاصل کرلیا۔ چند لمحے بعد امیر المومنین نے کہا: تیرا ناس ہوا حمید! تیرا باپ اچھا آدمی تھا لیکن تو بہت برا نکلا۔

حمید نے برجستہ عرض کیا: امیر المومنین! اللہ آپ کو صحیح سلامت رکھے۔ آپ اچھے آدمی ہیں؛ لیکن آپ کے والد اس قدر اچھے نہیں تھے۔ ہر بچہ تو اپنے باپ جیسا نہیں ہوتا!۔

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ یہ بچے کہہ رہے ہیں کہ ان کا والد وفات پا گیا ہے اور تیرے پاس مال چھوڑ گیا ہے؟۔ حمید نے کہا: یہ اپنی بات میں سچے ہیں، میں ابھی ان کی

امانت لاتا ہوں، پھر وہ بچوں کے باپ کی دی ہوئی انگوٹھی عمر بن عبد العزیز کے پاس لایا اور بتایا کہ ان بچوں کے والد کا انتقال اتنے دنوں قبل ہوا ہے، میں ان پر اپنے ذاتی مال سے خرچ کرتا رہا ہوں اور یہ انگوٹھی ان کے حوالے ہے۔

عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: تیرے علاوہ کوئی دوسرا اس انگوٹھی کا مستحق نہیں ہے (کیوں کہ تو نے اپنا بہت سا مال ان بچوں پر خرچ کیا ہے، اس لیے اب یہ انگوٹھی اپنے ہی پاس رکھ لے)۔حمید نے کہا: امیر المومنین! میرے ہاتھ سے نکلی ہوئی چیز لوٹ کر میرے پاس نہیں آسکتی۔ (یعنی ایسا کرنا میرے لیے عیب و عار کا باعث ہے)۔(۱)

اَہمیتِ شکر

منقول ہے کہ ایک وفد حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ان میں سے ایک نوجوان اپنی بات کہنے کے لیے کھڑا ہوا۔آپ نے فرمایا: پہلے تم میں سے وہ شخص بولے جو عمر میں سب سے بڑا ہو،اس کے بعد اس سے چھوٹا، یہاں تک کہ تمہارا نمبر آئے۔

اس نے عرض کیا: امیر المومنین! اگر معاملہ عمر پر منحصر ہوتا تو مسلمانوں کا امیر کوئی ایسا شخص ہوتا جو عمر میں آپ سے بڑا ہوتا۔آپ نے فرمایا: اچھا تم ہی بولو۔اس نے عرض کیا: امیر المومنین! ہم لوگ یہاں نہ کچھ مانگنے آئے ہیں اور نہ کسی خوف سے حاضر ہوئے ہیں۔ مانگنے کی ضرورت ہمیں اس لیے نہیں کہ آپ عدل پرور ہیں اور عادل سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ہم تو صرف اس لیے آئے ہیں کہ زبان کے ذریعہ آپ کا شکر اَدا کریں اور واپس چلے جائیں۔(۲)

---

(۱) سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی: ۲/۱۴۸...... تاریخ مدینۃ دمشق: ۴۵/۱۴۲...... سیر اعلام النبلاء: ۵/۱۱۸...... تاریخ الاسلام ذہبی: ۲/۳۲۷...... معجم ما استعجم: ۱/۵۷...... المحاضرات فی اللغۃ والادب: ۱/۱۱۱...... الروض المعطار فی خبر الاقطار: ۳۱...... بہجۃ المجالس وانس المجالس: ۸۱۔

(۲) احیاء علوم الدین: ۳/۱۸۴۔

بات ایک عارف نوجوان کی

کچھ لوگ حضرت عمر بن عبد العزیز کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے، آپ نے ان میں ایک نوجوان کو دیکھا جو انتہائی نحیف ونزار تھا۔ آپ نے اس نوجوان سے پوچھا کہ تیری یہ حالت کیوں ہے؟ اس نے عرض کیا امیر المومنین! مجھے بیماری نے اس حال کو پہنچا دیا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: میں تجھے اللہ کی عزت کی قسم دیتا ہوں مجھ سے سچ سچ بتلا۔ اس نے عرض کیا: امیر المومنین! صحیح بات یہ ہے کہ میں نے دنیا کا مزہ چکھا، اور اسے نہایت تلخ پایا، اور میرے نزدیک اس کی رونق اور حلاوت حقیر ہوگئی، اور میری نظروں میں اس کا سونا اور پتھر برابر ہوگئے۔ اور اب میرا یہ حال ہے کہ میں خود کو عرشِ معلیٰ کے مشاہدے میں محو پاتا ہوں۔ لوگ میرے سامنے جنت اور دوزخ کی طرف لے جائے جارہے ہیں، میں اسی لیے دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں اور راتوں کو جاگتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کے ثواب وعذاب کے مقابلے میں مجھے اپنا ہر حال اور ہر عمل ہیچ نظر آتا ہے۔(۱)

عدل واِنصاف کی جیت

بیان کیا جاتا ہے کہ سمرقند کی ایک گہری سرد رات میں ایک شخص اپنے گھر سے نکلتا ہے، چاروں طرف گھپ اندھیرا ہے۔ اس کا رخ شاہی محل کی طرف ہے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا، اندھیرے میں راستہ تلاش کرتا بالآخر محل کے قریب جا پہنچتا ہے۔

اس کے ایک جانب معبد ہے، جس کے دروازے پر ایک بھاری بھرکم پتھر رکھا ہوا ہے جس پر مورتیاں کھدی ہوئی ہیں۔ اس پر رعب طاری ہوا جاتا ہے؛ کیوں کہ وہ زندگی میں پہلی بار کسی معبد میں داخل ہورہا ہے۔ اس سے پہلے اس کو کبھی یہ موقع میسر نہ آیا تھا۔

(۱) عیون الاخبار: ۱/۲۷۰...... مختصر تاریخ دمشق: ۸/۴۶۸...... احیاء علوم الدین مترجم: ۴/۶۱۱۔

یہ بھاری بھرکم نوجوان بزدل نہیں بلکہ نہایت بہادر شخص ہے۔اس کا قد خاصا لمبا ہے۔ نہایت ذہین وفطین ہے۔سوچ اور فکر بلند ہے، وہ نہایت مدبر ہے۔مقامی زبان تو اس کی مادری ہے.؛مگر اس میں ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس کو عربی زبان پر عبور حاصل ہے اور وہ فرفر عربی زبان بولتا ہے۔

اسے معبد کے سب سے بڑے عہدیدار نے ملاقات کے لیے بلا رکھا ہے۔اس ملاقات کے شوق اور خوف نے اسے ایک عجیب کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔اس کا جسم کانپ رہا ہے؛ کیوں کہ اس معبد میں بہت کم لوگ داخل ہو سکتے ہیں۔اور جو اس کے ذمہ داران ہیں وہ بس ایک مرتبہ اندر داخل ہوتے ہیں اور پھر ساری زندگی ان کو سورج کی روشنی نصیب نہیں ہوتی !۔

وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا گیا،اس کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔اگلے کمرے کے وسط میں اس نے ایک عظیم الجثہ شخص کو دیکھا۔اس کی داڑھی سفید لمبی تھی۔اس نے اس کو اس کے نام سے پکارااور اپنے پیچھے آنے کا اِشارہ کیا۔وہ سمجھ گیا کہ یہ معبد کا چوکیدار ہے۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔کئی غلام گردشوں سے گزرنے کے بعد کاہنوں کے سردار کے سامنے جا پہنچا۔اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔وہ معبد سے نکلتا ہی نہیں تھا۔بہت کم ہی لوگ اس سے ملاقات کر پاتے۔اس ملک کے حقیقی حکمران دراصل یہی کاہن تھے۔کوئی بھی ان کی مخالفت کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔لوگوں میں یہ بات معروف تھی کہ ان کی حکم عدولی دراصل خداؤں کی نافرمانی کے مترادف ہے اور ایسے لوگ لعنت کے مستحق ہوں گے۔

اس نوجوان کی نگاہیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں،جب اس نے دائیں بائیں دیکھا کہ کاہن ایک صف میں کھڑے ہیں۔اس نے بڑے کاہن کی طرف اپنے کان لگا دیے جو آہستہ آہستہ گفتگو کر رہا تھا۔پہلے تو اس نوجوان کو ان کی کچھ سمجھ نہ آئی؛مگر بتدریج اس کو مفہوم سمجھ میں آنے لگا کہ وہ سمرقند کی تاریخ اور اس کا ماضی بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ کس طرح مسلمانوں نے اس ملک پر قبضہ کرلیا ہے!۔

ہم نے اس قبضے کے خلاف کتنی ہی ناکام کوششیں کیں؛ مگر ان کا اقتدار بتدریج مضبوط ہوتا جارہا ہے؛ لیکن اب ہم ان کے سامنے تاش کا پتا پھینکنا چاہتے ہیں اور وہ یوں کہ ہم نے سنا ہے کہ اس قوم کا بادشاہ نہایت عادل شخص ہے، وہ دمشق میں رہتا ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے پاس اپنا ایلچی بھیجا جائے جس کے ہاتھ ہم اپنی شکایت ارسال کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا کرتا ہے۔ چوں کہ تم عربی زبان سے واقف ہو؛ لہٰذا ہم نے تمھیں منتخب کیا ہے۔ تم نہایت ذہین اور دلیر بھی ہو۔ گفتگو کا فن جانتے ہو۔ کیا تم اس کام کے لیے آمادہ ہو؟۔

نوجوان نے اِثبات میں سر ہلا دیا۔

بڑا کاہن کہنے لگا کہ پھر فوری طور پر اپنے سفر پر روانہ ہوجاؤ۔ تمھیں زادِ راہ وافر مہیا کردیا جائے گا۔ نوجوان وہاں سے نکلا تو خوشی اور مسرت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ آج سب سے بڑے کاہن نے مجھے شرفِ باریابی بخشا ہے۔ مجھے ایک عظیم مشن کے لیے منتخب کیا ہے۔ اب وقت ہے کہ میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرسکوں، اس طرح سمرقند کو آزادی دلانے میں میرا بھی حصہ ہوگا۔

وہ گھر واپس آیا اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔ معبد کی طرف سے اس کو زادِ راہ وافر مقدار میں مہیا کردیا گیا۔ اس کا تیز رفتار گھوڑا اس کے ہمراہ تھا۔ وہ اس پر سوار ہوا، اس کا رُخ بخارا کی طرف تھا۔ وہ مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتا حلب پہنچ گیا۔ دمشق اس کی آخری منزل تھی جو اَب بالکل قریب تھی، اور وہ دن بھی آیا جب وہ دمشق میں داخل ہورہا تھا۔

دمشق مسلمانوں کا دارالخلافہ تھا، اس کی اپنی عظمتیں تھیں۔ بہت بڑا شہر، نہایت صاف ستھرا، اور گہوارۂ تہذیب وتمدن مانا جاتا تھا۔ اس نوجوان کو یہ شہر سمرقند سے کہیں بڑا نظر آیا۔ پھر وہ ایک سرائے میں اُترا اور اس کے مالک سے پوچھا: مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ امیر المومنین سے ملنے کا کیا طریقہ ہے؟۔ سرائے کے مالک نے کہا کہ ہمارے امیر المومنین سے ملنا نہایت آسان ہے۔ تم مسجد اُموی کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں کسی بھی شخص سے ان کے گھر کا راستہ پوچھ لینا۔ وہاں کوئی پہرے دار نہیں ہے، اور نہ ہی ملاقات پر کوئی پابندی ہے۔

وہ مسجد اموی میں داخل ہوا۔ ایسی خوبصورت عمارت اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی، اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ شاید یہ شاہی محل ہے؛ چنانچہ اس نے ایک شخص سے پوچھ ہی لیا۔ اس کے لہجے اور شکل سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس شہر میں اجنبی ہے۔ اس شخص نے کہا: کیا تم قصر خلافت کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟۔

مگر کیا یہ قصر خلافت نہیں ہے؟۔ نوجوان نے تعجب سے پوچھا۔

اس شخص نے مسکراہٹ بھرے لہجے میں کہا: نہیں۔ میرے اجنبی دوست! یہ تو اللہ کا گھر ہے، اسے مسجد کہتے ہیں، کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟۔

نماز...... میں کیسے نماز اَدا کر سکتا ہوں؟۔ میں تو سمرقند کے کاہنوں کے دین پر ہوں۔ اس دین کو کاہنوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور وہ اَسرار سے بھرا ہوا ہے!۔ آدمی نے سمرقندی سے دوبارہ سوال کیا کہ پھر تمہارا رب کون ہے؟۔ اس نے جواب دیا: وہی معبد کا خدا۔

اب اس نے اگلا سوال کیا: اگر تم اس سے مانگو تو کیا تمہیں عطا کرتا ہے اور اگر تم بیمار ہو تو تمہیں شفا دیتا ہے؟۔ کہنے لگا: مجھے معلوم نہیں۔

اس شخص نے موقع غنیمت جانا کہ ایک شخص شکل وصورت سے ذہین وفطین ہے، اجنبی ہے، اس کا کوئی دین اور مذہب نہیں، اس کو دین کے اُصول بتائے جائیں؛ چنانچہ اس نے اسلام کی خوبیاں اس سے بیان کرنا شروع کیں اور پھر چند لمحوں کی بات تھی کہ اس سمرقندی کے دل کا غبار چھٹ گیا اور کلمہ توحید پڑھ کر وہ دین اسلام میں داخل ہو گیا۔

اب اس شخص نے اپنے اس نومسلم بھائی سے کہا: چلو اب ہم امیر المومنین سے ملنے کے لیے چلتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ وقت انھوں نے گھر والوں کے لیے مختص کر رکھا ہے، پھر بھی وہ بڑے متواضع ہیں، ہمیں نامراد نہیں کریں گے، اور ہماری پکار پر ضرور لبیک کہیں گے۔

چنانچہ مسجد سے نکل کر وہ گلی میں آئے۔ اور ایک نہایت ہی سادہ سے دروازے کی طرف اِشارہ کر کے اس نے بتایا کہ یہ امیر المومنین کا گھر ہے۔ وہ حیرت واستعجاب میں پڑ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ بڑا عالیشان محل ہوگا؛ مگر یہ تو معمولی سا گھر ہے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبد العزیز باہر نکلے، اس کا خیر مقدم کیا اور اس کا حال پوچھا، نیز آنے کا مقصد معلوم کیا کہ بتاؤ تمہارا مسئلہ کیا ہے؟۔

اس نے عظیم سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ ہمارے ملک پر مسلمانوں نے زبردستی قبضہ کرلیا ہے۔ یہ دھوکے سے قبضہ ہوا ہے، نہ تو اعلانِ جنگ ہوا اور نہ ہمیں اسلام کی دعوت دی گئی۔ ہمارے ساتھ سراسر ظلم ہوا ہے۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرمانے لگے: اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ عدل وانصاف کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ آواز دی: اے غلام! کاغذ اور قلم لایا جائے۔ غلام کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے کر حاضر ہوگیا۔ اس پر دو سطریں لکھیں، اس پر مہر لگائی، پھر اس کو سر بمہر کرکے سمرقندی سے کہا کہ اسے اپنے شہر کے حاکم کے پاس لے جاؤ۔

سمرقندی واپس ہوا۔ اب اس کا سینۂ توحید کے نور سے بھرا ہوا تھا۔ جہاں جاتا وہاں سیدھا مسجد میں داخل ہوجاتا۔ نماز پڑھتا اور اپنے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کرکے اپنی منزل کو روانہ ہوجاتا۔

سفر کی ایک عجیب لذت تھی۔ اب اس کے لیے کوئی شخص اجنبی نہ تھا اور نہ وہ دوسروں کے لیے اجنبی۔ وہ جس مسجد میں نماز اَدا کرتا، لوگ اس کی طرف دیکھتے۔ اس کی شکل وشباہت سے پتا چل جاتا کہ وہ مسافر ہے، اس علاقے کا رہنے والا نہیں ہے۔ اور پھر نمازیوں میں اس کی مہمان نوازی کے لیے بازی لے جانے کی کوشش ہوتی۔ ہر کوئی اسے اپنے گھر میں لے جانے اور اس کی ضیافت کرنے کے لیے اِصرار کرتا۔

اب اس کو مسجد کی اہمیت اور دین حنیف کی بے شمار خوبیوں کا اِدراک ہوچلا تھا۔ پھر ایک دن آیا جب وہ سمرقند میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سیدھا معبد کی طرف گیا؛ کیوں کہ اسے کاہنوں کو رپورٹ دینی تھی، ان کو خلیفۃ المسلمین کے جواب سے مطلع کرنا تھا۔ وہ معبد میں داخل ہوا۔ اَب وہ اس کی تاریک گلیوں اور غلام گردشوں سے خائف نہیں تھا۔

پتھروں سے بنے ہوئے بت جو کبھی اس کے لیے معما سے کم نہ تھے، اب ان کی حقیقت سے واقف ہو گیا تھا۔ یہ بت تو ہاتھوں کے بنائے ہوئے تھے، کسی کاریگر کے ہاتھوں کا کمال، نہ نفع ونقصان کے مالک اور نہ اپنے آپ کو کلہاڑے کی ضرب سے بچا سکنے والے!۔

وہ ان پر ایک حقارت کی نگاہ ڈالتا ہوا بڑے دروازے پر جا پہنچا۔ دربان اس کو خوب پہچانتا تھا، اور پھر اس کے لیے دروازے کھلتے چلے گئے۔ اور وہ چند منٹوں کے بعد بڑے کاہن کے سامنے کھڑا تھا۔

کاہن کو اسے دیکھ کر اِعتبار نہ آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کو قتل کر دیا گیا ہوگا؛ مگر ان کا ایلچی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ان کے سامنے تفصیل سے سفر کے حالات بیان کیے، کیسے گیا، کہاں کہاں سے گزرا، مگر اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ وہ جان بوجھ کر گول کر گیا۔ خلیفہ سے ملاقات اور حکم نامہ حاصل کرنے تک ایک ایک بات ان کے گوش گزار کی گئی۔

کاہنوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔ بشاشت ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ ہماری آزادی کا وقت آ گیا ہے۔ خلیفہ کی طرف سے واضح حکم ہے کہ قاضی کے سامنے اس مقدمے کو پیش کیا جائے۔ کاہنوں کو مکمل آزادی ہوگی کہ وہ اپنے دلائل دیں۔ مدعا علیہ قتیبہ بھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوگا اور پھر قاضی جو فیصلہ دے اس کو نافذ کیا جائے گا۔ اور پھر وہ دن آ گیا جس کا اہلِ سمرقند کو اِنتظار تھا۔

بے شمار لوگ اس تاریخی مقدمے کی کارروائی سننے کے لے چلے آئے۔ عدالت مسجد میں لگی ہوئی ہے۔ وہ کاہن جن کو کبھی کسی شخص نے نہ دیکھا تھا، مقدمے کی پیروی کے لیے حاضر ہیں۔ مسلمانوں کا سپہ سالار، امیر اور فاتح قتیبہ بھی حاضر ہے۔ سب کے سب قاضی کے لیے سراپا انتظار بنے ہوئے ہیں۔

کاہن کس بات کی اُمید اور مقدمہ لے آئے ہیں؟، ذرا غور کیجیے، یہ کہ ایک فاتح قوم مفتوح علاقوں سے نکل آئے۔ مقدمہ جس شخصیت پر دائر کیا گیا ہے وہ عظیم قائد اور سپہ سالار ہے۔ نگاہیں مسجد کے دروازے کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ کب قاضی داخل ہوتا ہے۔

حاضرین کو بہت زیادہ دیر اِنتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک چھوٹے قد اور نحیف جسم والا شخص معمولی لباس پہنے، سر پر عمامہ رکھے ہوئے دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے اس کا غلام ہے۔ لوگوں میں سناٹا چھا گیا ہے۔ بعض نے اپنی انگلیاں منہ میں دبالی ہیں۔ اچھا یہ ہے مسلمانوں کا قاضی!۔ یہ کاہنوں اور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے درمیان فیصلہ کرے گا!۔

قاضی مسجد کے ایک کونے میں اپنی نشست سنبھالتا ہے۔ اس کا غلام اس کے سر پر کھڑا ہے۔ بغیر کسی لقب کے امیر کا نام لے کر اسے بلایا جا رہا ہے کہ وہ عدالت کے سامنے حاضر ہو۔ امیر شہر حاضر ہوا۔ عدالت نے اسے بیٹھنے کا اِشارہ کیا اور اب غلام کاہنوں کے سردار کو بلوا رہا ہے جو امیر کے ایک طرف بیٹھ گیا ہے۔ اور اب عدالت کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔

قاضی اپنی نہایت پست آواز میں کاہن سے مخاطب ہے: بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟، اس نے کہا :

إن القائد المجيل قتيبة بن مسلم قد دخل بلدنا غدرا من غير منابذة ولا دعوةٍ إلى الإسلام .

یعنی قائد عصر قتیبہ بن مسلم ہمارے ملک میں دھوکے سے داخل ہوئے۔ اعلانِ جنگ نہیں کیا اور ہمیں اسلام کی دعوت بھی نہیں پیش کی گئی۔

قاضی نے اب امیر کی طرف دیکھا کہ تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟۔ وہ گویا ہوا :

إن الحرب خدعة وهٰذا بلد عظيم قد أنقذه الله بنا من الكفر وأورثه المسلمين .

یعنی لڑائی تو دھوکا ہوتی ہے۔ یہ ملک بہت بڑا ملک ہے، اس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری وجہ سے کفر و شرک سے محفوظ فرمایا ہے اور اسے مسلمانوں کی ملکیت اور وراثت میں دے دیا ہے۔

قاضی: کیا تم نے حملے سے پہلے اہل سمرقند کو اسلام کی دعوت دی تھی یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا تھا، یا دونوں صورتوں میں انکار پر انھیں لڑائی کی دعوت دی تھی؟۔

سپہ سالار: نہیں، ایسا تو نہیں ہوا۔ تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اِعتراف کرلیا ہے۔ اب

آگے قاضی کے منصفانہ الفاظ پر غور کریں :

وإن اللّٰہ ما نصر هذه الأمة إلا اتباع الدين و اجتناب الغدر .

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کی مدد اس لیے کی ہے کہ اس نے دین کی اتباع کی اور دھوکا دہی سے اجتناب کیا۔

وإنا واللّٰه ما خرجنا من بيوتنا إلا جهاداً في سبيل اللّٰه وما خرجنا لنملك الأرض .

یعنی اللہ کی قسم! ہم اپنے گھروں سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے ہیں، ہمارا مقصود زمین پر قبضہ جمانا نہیں ہے!۔

ولا لنعلو فيها بغير الحق، حكمت بأن يخرج المسلمون من البلد و يردوه إلى أهله ثم يدعوهم وينابذوهم ويعلنوا الحرب عليهم .

اور نہ حق کے بغیر وہاں حکومت کرنا ہمارا مقصد ہے۔ میں فیصلہ دیتا ہوں کہ مسلمان اس شہر سے نکل جائیں۔ اور شہر اس کے اصل باشندوں کو واپس کریں۔ پھر ان کو دعوتِ دین دیں، جنگ کا چیلنج دیں اور ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔

اہل سمرقند اور کاہنوں نے جب اس فیصلے کو سنا تو انھیں اپنے کانوں اور آنکھوں کے سننے اور دیکھنے پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انھوں نے سوچا: ہم کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔

عجب ہے کہ قاضی نے حکومت کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ بہت سوں کو تو پتا ہی نہ چلا کہ عدالت برخواست ہو چکی ہے اور قاضی اور امیر روانہ بھی ہو چکے ہیں۔

ہمارا سمرقندی (مسلم) سفیر حیرت و تعجب سے بڑے کاہن کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اس کے چہرے کے تأثرات کو خوب غور سے ملاحظہ کر رہا ہے۔ چہرے کے رنگ بدل رہے ہیں۔ وہ گہری سوچ میں مبتلا ہے۔

بڑے کاہن نے اپنے دماغ پر زور دینا شروع کیا ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔ اس نے اپنی سابقہ زندگی پر غور کرنا شروع کیا ہے۔ اپنے عقیدے اور منہج کے بارے میں سوچتا ہے:

کتنا عجیب وغریب عقیدہ ہے۔ اس کا دائرہ کتنا مختصر اور چھوٹا ہے جو صرف کاہنوں کے درمیان گھومتا ہے؟، اور اب اس کا ذہن دین اسلام کے حوالے سے سوچ رہا ہے۔ اس کا دائرہ کتنا وسیع اور بڑا ہے۔ خیر سے بھرپور، عدل وانصاف کرنے والا دین، جس کی بلندیوں کو سورج کی شعاعیں اور چاند کی روشنی بھی چھونے سے قاصر ہیں۔

وہ آنکھیں بند کر کے بہت دیر تک بیٹھ کر سوچتا رہا۔ اس کا ذہن اور فکر مسلسل بدل رہا ہے۔ میں کب تک اندھیروں میں رہوں گا؟، روشنی تو بڑی واضح ہے۔ یقیناً اسلام عدل وانصاف کا دین ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔ آج عدالت میں سب لوگوں نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ قاضی کے سامنے حاکم کس طرح سرنگوں ہو کر بیٹھا تھا۔ کیا ہمارا بادشاہ اس طرح عدالت کے سامنے پیش ہو سکتا ہے؟۔

وہ ابھی اسی غور وفکر میں تھا کہ اسے گھوڑوں کے چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ لوگ بازاروں سے گزر رہے تھے۔ شور برپا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ آوازوں کی طرف کان لگائے، اور پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟۔

اسے بتایا گیا کہ قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے اور فوجیں واپس جا رہی ہیں۔ ہاں وہ عظیم اَفواج جن کے سامنے مدینہ سے لے کر سمرقند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی، جنھوں نے قیصر وکسریٰ اور خاقان کی قوتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا، جو طاقت بھی مسلمانوں کے راستے میں آئی اسے وہ خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گئے؛ مگر آج اسلامی فوج ایک کمزور سے نحیف ونزار جسم کے مالک قاضی کے فیصلے کے سامنے دست بردار ہو گئی ہے!۔

ابھی تو آج ہی صبح کی بات ہے، ایک شخص جس کے ساتھ صرف ایک غلام تھا۔ اس نے مقدمے کی سماعت کی۔ چند منٹوں کی سماعت، عدالت میں دوطرفہ بیانات سنے، سپہ سالار کا اِقرار اور پھر دو تین فقروں پر مشتمل فیصلہ۔ مسلمانوں کے اَمیر کو عدالت نے شہر خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ عدالت کے حکم کے مطابق وہ باقاعدہ چیلنج دیں گے اور پھر دوبارہ لڑائی کریں گے۔

کاہن اپنے ساتھیوں کی باتیں سنتا جا رہا ہے اور پھر اس نے اپنے آپ سے سوال کیا: کیا اہل

سمرقند اس سیل رواں کے سامنے ڈٹ سکیں گے؟ کیا ان کے پاس مقابلے کی قوت ہے؟ دنیا کے تمام ممالک ان کے سامنے جھک گئے۔ کیا ہمارا دین باطل اس حق کے سامنے ٹھہر سکے گا؟ کیا وہ نورِ اسلام کا مقابلہ کر پائے گا؟، نہیں ہرگز نہیں۔ رب کا فیصلہ آچکا ہے کہ ظلم وستم کی رات اب اپنے بیڑے اُٹھالے، دنیا پر نئی فجر طلوع ہو رہی ہے۔ اس نور کے مقابلے میں کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔

اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے؟، ہمیں کیا کرنا چاہیے؟، کیا ہم ان کا مقابلہ کرسکیں گے؟، ارے جواب کیوں نہیں دیتے؟، اس نے انھیں پکارا۔ سمرقندی مسلم ایلچی زور سے کہنے لگا: ساتھیو! میرا فیصلہ اور مشورہ سنو۔ کان اس کی طرف لگ گئے اور اس نے بیانگ دہل اعلان کر دیا :

فلقد شهدت أنه لا إله الا الله وأن محمداً عبده ورسوله .

میں گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اب بڑے کاہن کی باری تھی، چنانچہ وہ بھی عدالت اسلامی کے سامنے یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر دنیا میں کوئی دین ہے تو بس اسلام ہے، اور پھر اس نے کہا: میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ سمرقند کی گلیاں اور چوک اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہے ہیں۔ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ انھوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں، اور منت وسماجت کرنے لگے: خدا را! اس ملک سے واپس نہ جائیں۔ ہمیں اسلامی عدل وانصاف کی ضرورت ہے۔

ہم نے اپنوں کا راج دیکھا، ان کے ظلم وستم سے ہم خوب واقف ہیں۔ آپ سب لوٹ آئیں۔ ہم نے بھی آپ کے دین کو قبول کرلیا ہے۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ مسلمان فوج واپس ایک مفتوح شہر میں داخل ہو رہی ہے۔ تاریخ کہتی ہے :

لم يبق حاكم ولا محكوم ولا غالب ولا مغلوب صار الجميع

إخوانا في الله .

یعنی کوئی حاکم ومحکوم باقی نہیں رہا، کوئی غالب ومغلوب نہیں رہا، تمام کے تمام اسلامی اوردینی بھائی بن گئے ہیں۔

سچ ہے کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں، کوئی طاقتور کمزور پر بھاری نہیں۔ ہاں اگر کوئی چیز فرق کرنے والی ہے تو وہ صرف تقویٰ ہے۔ اس طرح سمرقند کی سرزمین میں اسلام کی دولت داخل ہوگئی اور پھر اس میں سے کبھی یہ دولت نہیں نکل سکی۔(۱)

عظیم باپ کا عظیم بیٹا

حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے نوجوان پاکباز بیٹے عبدالملک کا واقعہ آپ مقدمہ کتاب میں پڑھ آئے ہیں۔ یہاں اس نوجوانِ رعنا کی شخصیت کے چند ایک تشنہ پہلوؤں کو تفصیل سے اجاگر کیا جارہا ہے۔

یہ عبدالملک کون ہے؟ اس نوجوان کی داستان کیا ہے جس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے اپنے والد کو عبادت گذاری پر اُکسایا، زاہدوں کی راہ پر چلایا اور اولیا کی صف میں لا کھڑا کردیا۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارہ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، تمام اولاد متقی، پرہیزگار اور ہونہار تھی، اپنے بہن میں عبدالملک درخشاں ستارہ اور گوہر آبدار تھا۔ علاوہ ازیں وہ بہت ذہین اور ماہر ادیب تھا۔ یوں تو وہ نوخیز نوجوان تھا لیکن عقل ودانش میں بوڑھوں کو بھی مات کرتا تھا۔ اس نے نیکی اور تقویٰ کے ماحول میں پرورش پائی، اس میں خاندانِ فاروقِ اعظم کے اوصاف پائے جاتے تھے، خاص طور پر تقویٰ، پاکیزگی اور خشیت الٰہی میں حضرت عبداللہ بن عمر کے ہم پلہ تھا۔

(۱) قصص من التاریخ، شیخ طنطاوی۔

عبدالملک کا چچازاد بھائی عاصم بیان کرتا ہے کہ میں ایک دفعہ دمشق گیا اور وہاں اپنے چچیرے بھائی عبدالملک کے پاس ٹھہرا۔ ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ہم نے عشا کی نماز پڑھی اور سونے کے لیے دونوں اپنے اپنے بستر پر دراز ہوگئے۔

عبدالملک نے چراغ گل کردیا۔ ہم دونوں نے اپنی آنکھیں نیند کے حوالے کیں۔ جب آدھی رات کو میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ عبدالملک اندھیرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے اور قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کررہا ہے :

اَفَرَاَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰھُمْ سِنِیْنَ . ثُمَّ جَآءَ ھُمْ مَا کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ . مَا اَغْنٰی عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ o (سورۂ شعراء:۲۶/۲۰۵-۲۰۷)

بھلا بتایئے اگر ہم انہیں برسوں فائدہ پہنچاتے رہیں، پھر ان کے پاس وہ (عذاب) آ پہنچے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ (تو) وہ چیزیں (ان سے عذاب کو دفع کرنے میں) کیا کام آئیں گی جن سے وہ فائدہ اٹھاتے رہے تھے۔

میں نے دیکھا کہ وہ دل کو ہلا دینے والی گڑگڑاہٹ اور آہ وزاری کے ساتھ بار بار اس آیت کی تلاوت وتکرار کررہا ہے اور زاروقطار روئے جارہا ہے۔ جب میں نے محسوس کیا کہ یہ آہ وزاری اس کا کام تمام کردے گی، تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے قدرے اونچی آواز سے لاالٰہ الا اللہ والحمدللہ کہا۔

میں نے یہ جملہ اس انداز میں کہا جیسے کوئی نیند سے بیدار ہوتے وقت کہتا ہے۔ میری نیت یہ تھی کہ وہ میری آواز سن کر رونا بند کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب اس نے میری آواز سنی، وہ خاموش ہوگیا، اور ایسی چپ سادھ لی جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہیں۔

اس ہونہار آلِ فاروق اعظم کے نوخیز نوجوان نے اپنے دور کے اکابر علما سے کتاب وسنت کا علم حاصل کیا۔ قرآن وحدیث کے علوم سے اپنے سینے کو منور کیا، دینی مسائل میں فقیہ کی مسند پر فائز ہوئے اور نوعمری کے باوجود شامی علما وفقہا پر فوقیت حاصل کی۔

ایک مرتبہ امیر المومنین عمر بن عبد العزیز نے شامی علما وفقہا کو اکٹھا کیا اور ان سے یہ مسئلہ دریافت کرتے ہوئے فرمایا: اے علمائے کرام، اور فقہائے عظام! میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ میرے خاندان میں سے جن اشخاص نے لوگوں کا مال ظلم واستبداد سے چھینا ہے ان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟۔

سب نے یہ جواب دیا کہ اے امیر المومنین! یہ کام آپ کے دورِ حکومت میں نہیں ہوا اس کی ذمہ داری آپ پہ نہیں آتی اس کا گناہ اسی پر ہوگا جس نے مال غصب کیا، یقیناً اس معاملے سے آپ بری الذمہ ہیں، لیکن علما کے اس بیان سے آپ مطمئن نہیں ہوئے۔ ایک عالم جو دیگر علما سے مختلف رائے رکھتا تھا کہنے لگا: امیر المومنین! آپ اپنے فرزندار جمند عبد الملک کو بلائیں، وہ ماشاء اللہ علم وفقہ اور عقل ودانش میں ممتاز مقام رکھتا ہے، اس مسئلہ میں اس کی رائے بھی دریافت فرمالیں۔

چنانچہ عبد الملک کو بلوایا گیا۔ جب وہ پیغام کے مطابق دربارِ خلافت میں پہنچا تو امیر المومنین نے کہا: بیٹا ان اموال کے متعلق تیری کیا رائے ہے جو ہمارے چچا کے بیٹوں نے لوگوں سے چھینے ہیں؟ کیوں کہ مظلوم لوگ اس وقت اپنا حق وصول کرنے کے لیے میرے پاس آئے ہوئے ہیں۔

بیٹے نے جواب دیا: ابا جان! ان مظلوموں کی دادرسی کرتے ہوئے ان کا مال واپس لوٹانا آپ کا فرض ہے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ بھی اس ظلم میں برابر کے شریک سمجھے جائیں گے؛ کیوں کہ آپ کو اس ظلم کا علم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس سے گلوخلاصی آپ کا فرض ہے۔ یہ بات سن کر امیر المومنین کا چہرہ کھل اُٹھا، دل کو اطمینان نصیب ہوا اور وہ غم کافور ہوا جس نے آپ کو نڈھال کر رکھا تھا۔

خاندانِ فاروقی کے عظیم سپوت نے دمشق کے پُر رونق بازار، لہلہاتے ہوئے تروتازہ باغات، سہانے دلکش ٹھنڈے سایہ دار درخت اور بل کھاتی رواں دواں ندیوں کے دل فریب مناظر کو چھوڑ کر سنگلاخ سرحدی علاقے کو اپنی رہایش کے لیے منتخب کیا تا کہ ہر دم ہر گھڑی حالت

یادِالٰہی اور جہاد فی سبیل اللہ میں رہنے کی سعادتیں حاصل ہوں۔

امیر المومنین عمر بن عبد العزیز کو اس بات کا علم ہونے کے باوجود کہ اس کا بیٹا ہونہار، متقی، مؤدب اور پرہیز گار ہے، پھر بھی انھیں اندیشہ لاحق رہتا کہ کہیں شیطان کے داؤ میں نہ آجائے، وہ جوانی کی خرمستیوں سے بہت خوف زدہ تھے، وہ اپنے فرزند کے متعلق ہر طرح کی معلومات رکھتے اور اس سے کبھی غفلت نہ برتتے۔

امیر المومنین کے وزیر، قاضی اور مشیر حضرت میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے پاس گیا، وہ اپنے بیٹے عبد الملک کو خط لکھ رہے تھے جس میں نصیحت، رہنمائی، تنبیہ اور بشارت پر مبنی جملے لکھے۔

اس خط میں انھوں نے یہ بھی لکھا: بیٹا میری بات سن کر اسے یاد رکھنا اوروں کی نسبت تیرا زیادہ فرض بنتا ہے۔ ذرا خیال کرو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم پر کتنے کرم کیے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کام میں اس نے ہم پر بے انتہا اِحسانات فرمائے ہیں۔

بیٹے! اللہ تعالیٰ کے اس فضل کو یاد کرو جو اس نے تجھ پر اور تیرے والدین پر کیے ہیں۔

عزیز وافر تمیز! تکبر، نخوت اور غرور سے بچتے رہنا، بلاشبہہ یہ شیطانی اوصاف ہیں اور شیطان مومنوں کا اَزلی دشمن ہے۔

جانِ پدر! یہ خط میں تجھے اس لیے نہیں لکھ رہا کہ مجھے کوئی تیری شکایت ملی ہے۔ مجھے تم پر اعتماد ہے، البتہ یہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے دل میں خود پسندی کے جذبات موجزن ہیں۔ یاد رکھنا اگر اس خود پسندی کی وجہ سے تو نے کوئی گل کھلایا تو میں ایسی سرزنش کروں گا جسے تم زندگی بھر یاد رکھو گے، پھر نہ کہنا کہ سختی ہوئی۔

وزیر موصوف حضرت میمون بن مہران کہتے ہیں: خط لکھ کر امیر المومنین نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: میمون! مجھے اپنے بیٹے کے ساتھ بہت پیار ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ پیار اس کی تربیت میں آڑے نہ آجائے، اور میں بھی آنکھیں بند کر کے اسی ڈگر پر چلنے لگوں جس طرح اکثر باپ اپنی اولاد کے بارے میں نرم رویہ اِختیار کرتے ہیں، اور ان کے عیوب پر پردہ ڈالتے

رہتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل اولاد کے حق میں قطعاً بہتر نہیں ہوتا۔

میمون آپ ابھی دمشق جائیں، اور اچھی طرح اس چیز کا جائزہ لیں۔ کہیں میرے بیٹے کے دل میں تکبر، نخوت اور خود پسندی جیسی قباحتیں تو نہیں پائی جاتیں؛ کیوں کہ ابھی وہ بچہ ہے، کہیں شیطان اس پر اپنا پنجہ نہ جمالے۔

حضرت میمون بیان کرتے ہیں کہ میں دربارِ خلافت سے حکم پا کر دمشق کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستوں کے نشیب وفراز سے گزرتا ہوا عبدالملک کے گھر پہنچا۔ اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خوب رو جوانِ رعنا بڑی انکساری کے ساتھ سفید قالین پر جلوہ افروز ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آسمان سے زمین پر مہتاب اُتر آیا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر مجھے خوش آمدید کہا۔

جب میں اس کے پاس بیٹھ گیا تو اس نے کہا: میں نے اباجان سے آپ کی تعریف سنی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اُمت کے افراد کو فائدہ پہنچائے گا۔

میں نے کہا: آپ کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا: اللہ کا شکر واحسان ہے میں بالکل ٹھیک ہوں، لیکن مجھے ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہوجائے جس سے میرے والد محترم کے دل کو ٹھیس پہنچے، اور مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں ان کی میرے ساتھ محبت میرے متعلق درست معلومات حاصل کرنے میں رکاوٹ نہ بن جائے، اور میں ان کے لیے ایک مصیبت بن جاؤں۔

مجھے اس نوجوان کی باتیں سن کر بڑا تعجب ہوا کہ باپ اور بیٹے کی سوچ کس قدر ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: مجھے یہ بتاؤ تمہارا گزارہ کیسے چلتا ہے؟ اس نے بتایا کہ میں نے یہاں آتے ہی زمین کا ایک ٹکڑا خرید لیا تھا اور اس کی قیمت میں نے اپنی ایسی کمائی سے اَدا کی ہے جس کے حلال ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ بس اس زمین سے مجھے اتنا کچھ مل جاتا ہے جو میرے گزارے کے لیے کافی ہے۔ الحمدللہ! میں مسلمانوں کے ٹیکس کا محتاج نہیں۔ اللہ نے مجھے اس سے بے نیاز کر رکھا ہے۔

میں نے پوچھا: تمہاری خوراک کیا ہے؟۔تو اس نے بتایا: کبھی گوشت، کبھی دال اور کبھی سرکہ، اور یہی میرے لیے کافی ہے۔

میں نے پوچھا: کیا تیرے دل میں خود پسندی کے جذبات پائے جاتے ہیں؟۔اس نے بتایا: ہاں، میرے دل میں خود پسندی کے جذبات پائے جاتے تھے؛ لیکن جب سے ابا جان نے مجھے سمجھایا اور شفقت بھرے انداز میں مجھے اس قباحت سے باز رہنے کی تلقین کی، میں نے اسے اپنے دل سے بالکل نکال دیا ہے۔اب میرا دل بالکل صاف ہے اور یہ ابا جان کا مجھ پہ بہت بڑا احسان ہے۔اللہ میرے ابا جان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس طرح میں عبدالملک کے پاس کافی دیر تک بیٹھا رہا، اور کھل کر باتیں ہوئیں۔دورانِ گفتگو بہت ہی مفید اور قیمتی معلومات حاصل ہوئیں۔میں نے اپنی زندگی میں اس سے بڑھ کر خوبصورت، عقل مند اور نوعمری کے باوجود باادب اور سلیقہ شعار کوئی نوجوان نہیں دیکھا۔جب شام ہوئی تو ایک لڑکا اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم فارغ ہو چکے ہیں۔پھر وہ خاموش ہوگیا۔

میں نے پوچھا: یہ کس کام سے فارغ ہوئے ہیں؟۔اس نے بتایا: حمام سے۔

میں نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے بتایا کہ انھوں نے میرے لیے غسل خانہ خالی کروایا ہے، اب میں نہاؤں گا۔

میں نے کہا: یہ تو بڑی عجیب سی بات ہے۔آپ سے مجھے ایسی توقع نہ تھی!۔

میرا یہ انداز دیکھ کر وہ ڈر گیا اور اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اور پوچھا کہ چچا جان اللہ آپ پر رحم کرے کیا ہوا؟ میں نے کہا: کیا یہ غسل خانہ آپ کا ہے؟۔اس نے کہا: نہیں۔

میں نے کہا: پھر آپ کو اسے خالی کرانے کا حق کس نے دیا؟ کیوں آپ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے بلند تر سمجھتے ہیں۔کیا آپ میں کوئی سرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں۔تم نے غسل خانے کے مالک کو بھی نقصان پہنچایا ہے اور جو لوگ غسل خانہ استعمال کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ان کو بھی تمہاری وجہ سے دشواری اُٹھانا پڑی، یہ سب کچھ کیا ہے؟۔تمہیں یہ بات قطعاً زیب نہیں دیتی!۔

وہ میری تلخ باتیں سن کر پہلے مسکرایا اور پھر بڑے ادب سے کہنے لگا: چچا جان! ناراض نہ ہوں میں غسل خانے کے مالک کو دن بھر کی اُجرت دے کر خوش کرلوں گا۔

میں نے کہا: اس طرح تم ایسے اسراف کا ارتکاب کروگے جس میں تکبر کی آمیزش بھی پائی جاتی ہے۔ یاد رکھو تم بھی دوسرے مسلمانوں جیسے ہو، عام لوگوں کی طرح تم بھی حمام استعمال کرنے کے لیے جایا کرو۔

اس نے کہا: چچا جان! دراصل بعض اوقات گنوار قسم کے لوگ برہنہ حمام میں نہاتے ہیں، مجھے اس سے گھن آتی ہے اس لیے میں اکیلا نہانا پسند کرتا ہوں، اور یہی ایک طریقہ ہے جس سے ستر کو ملحوظِ خاطر رکھا جاسکتا ہے، یا آپ مجھے کوئی تدبیر بتائیں کہ میں کیا کروں؟۔

میں نے کہا: آپ لوگوں کی فراغت کا اِنتظار کیا کریں۔ جب وہ حمام میں غسل کرکے ازخود چلے جائیں تو پھر آپ نہانے کے لیے جایا کریں۔ اس نے کہا: میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسے ہی کیا کروں گا۔ آج کے بعد کبھی بھی دن کے وقت حمام کا رخ نہیں کروں گا۔ دراصل اس علاقے کی سردی اور رات کی خنکی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں پہلے بھی دن کو حمام کا رخ نہ کرتا۔

پھر وہ سر نیچا کر کے کچھ سوچنے لگا، اور معاً سر اُٹھا کر کہتا ہے کہ بخدا یہ بات میرے ابا جان کو نہ بتایئے گا، ورنہ انھیں یہ سن کر دلی کوفت ہوگی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھ سے ناراض ہوں اور اسی حالت میں ان کا دم نکل جائے اور میں دور ہونے کی وجہ سے معافی بھی نہ مانگ سکوں۔

میمون بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایسے نازک موقع پر اس کی عقل و دانش کا امتحان لینے کا اِرادہ کیا، تو میں نے کہا: اگر امیر المومنین نے مجھ سے پوچھا: کیا دیکھ کر آئے ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے میں ان کے سامنے جھوٹ بولوں؟۔

اس نے کہا: چچا جان! آپ جھوٹ نہ بولیں، اس سے اللہ بچائے، ہاں جب ابا جان یہ سوال کریں تو آپ پوری وضاحت سے یہ کہہ دیں کہ میں نے ایک ناگوار عادت دیکھی تھی، لیکن اسے سمجھا دیا ہے اور وہ باز آگیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ابا جان پوشیدہ عیب کو کریدیں گے نہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پوشیدہ عیوب کریدنے سے محفوظ رکھا ہے۔

حضرت میمون کہتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین عمر بن عبد العزیز جیسا دنیا میں کوئی باپ نہیں دیکھا، اور نہ ہی عبد الملک جیسا کوئی بیٹا دیکھا۔ اللہ ان دونوں پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے۔(۱)

عظیم ماں کے عظیم بیٹے

ایک مرتبہ پتھر توڑنے والے چند مزدور حضرت وہب بن منبہ علیہ الرحمہ (م۱۰۴ھ) کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: حضور! جس قدر مصیبتوں کا ہمیں سامنا ہے۔ کیا ہم سے پہلے لوگ بھی کبھی ایسی مصیبتوں سے دوچار ہوئے؟۔ آپ نے ان کی یہ بات سن کر اِرشاد فرمایا: اگر تم اپنی مصیبتوں اور اپنے سابقہ لوگوں کے مصائب کا موازنہ کرو تو تمہیں ان کے مصائب کے سامنے اپنی مصیبتیں ایسے محسوس ہوں گی جیسے آگ کے مقابلے میں دُھواں۔ (یعنی ان کی مصیبتیں آگ اور تمہاری دھوئیں کی طرح ہیں)۔

پھر آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک عورت تھی جس کا نام سارہ تھا۔ اس کے سات بیٹے تھے۔ جس ملک میں وہ رہتی تھی وہاں کا بادشاہ بڑا ظالم تھا۔ وہ لوگوں کو زبردستی خنزیر کا گوشت کھلاتا۔ جو انکار کرتا اسے قتل کروادیتا تھا۔ چنانچہ اس عورت کو بھی اس کے بیٹوں سمیت بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔

اس ظالم بادشاہ نے سب سے بڑے لڑکے کو بلوا کر کہا: یہ خنزیر کا گوشت کھاؤ۔ اس مردِ مجاہد نے جواب دیا: میں اللہ عزوجل کی حرام کی گئی چیز کو ہرگز نہیں کھا سکتا۔ بادشاہ نے جب یہ سنا تو حکم دیا کہ اسے سخت ترین سزا دی جائے۔ جلاد آگے بڑھا اور اس کے ہر ہر عضو کو کاٹ ڈالا اور بالآخر اسے شہید کر دیا۔

پھر ظالم بادشاہ نے اس سے چھوٹے لڑکے کو بلایا اور اس کے سامنے بھی خنزیر کا گوشت رکھتے ہوئے کہا: اسے کھاؤ۔ اس نے بھی جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا: میں

(۱) حیاتِ تابعین کے درخشندہ واقعات: ۱۱۸ تا ۱۲۷۔

اللہ کی حرام کی گئی اشیا کبھی بھی نہیں کھاؤں گا۔ یہ سن کر ظالم بادشاہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ ایک تانبے کی دیگ میں تیل ڈال کر اسے آگ پر رکھ دیا جائے؛ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب تیل خوب گرم ہو گیا تو اس نوجوان مجاہد کو تیل میں ڈال دیا گیا، اور اس طرح اس نے جامِ شہادت نوش کر لیا۔

پھر بادشاہ نے اس سے چھوٹے لڑکے کو بلایا اور کہا: یہ گوشت کھاؤ۔ اس نے بادشاہ سے کہا: تو ذلیل و کمزور ہے، تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ تو مجھے اللہ کے حکم کے خلاف کسی بات پر ہرگز آمادہ نہیں کر سکتا۔ جو تیرے جی میں آئے تو کر لے؛ لیکن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حرام کردہ اشیا کبھی نہیں کھاؤں گا۔

بادشاہ یہ سن کر ہنسنے لگا اور لوگوں سے کہنے لگا: کیا تم جانتے ہو کہ اس نے مجھے گالی کیوں دی؟، اس نے یہ سوچ کر مجھے گالی دی ہے کہ میں گالی سن کر طیش میں آ جاؤں گا اور فوراً اسے قتل کرنے کا حکم دے دوں گا، اس طرح یہ آسانی سے موت کے گھاٹ اُتر جائے گا؛ لیکن میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ پھر اس ظالم بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے سخت سے سخت سزا دی جائے؛ چنانچہ ظالم بادشاہ کے حکم پر پہلے اس نوجوان کی گردن کی کھال کاٹی گئی، پھر اس کے سر اور چہرے کی کھال اُتار لی گئی، اور بالآخر اسے بھی شہید کر دیا گیا۔

بادشاہ نے اسی طرح مختلف ظالمانہ انداز میں باقی بھائیوں کو بھی شہید کروا دیا۔ آخر میں سب سے چھوٹا بھائی بچ گیا۔ بادشاہ نے اس کی والدہ کو بلا کر کہا: میں تیرا بھی یہی حشر کروں گا، اگر تو اپنی اور اپنے اس بیٹے کی سلامتی چاہتی ہے تو اسے تنہائی میں لے جا کر سمجھا، اگر یہ ایک لقمہ کھانے پر بھی راضی ہو گیا تو میں تم دونوں کو چھوڑ دوں گا۔ پھر تم من پسند زندگی گزارنا۔

اس عورت نے کہا: ٹھیک ہے، میں اسے سمجھانے کوشش کرتی ہوں۔ پھر وہ اپنے بیٹے کو تنہائی میں لے گئی اور کہا: اے میرے لختِ جگر! کیا تو جانتا ہے کہ تیرے بھائیوں میں سے ہر ایک پر میرا ایک حق ہے، اور تجھ پر میرے دو حق ہیں، وہ اس طرح کہ میں نے تیرے بھائیوں کو دو دو سال دودھ پلایا تھا۔ تیری پیدائش سے چند دن قبل تیرے والد کا انتقال ہو گیا، پھر جب

تیری ولادت ہوئی تو تو بہت زیادہ کمزور تھا۔ مجھے تجھ پر بڑا ترس آیا اور میں نے تیری کمزوری اور تجھ سے اپنی شدید محبت کی وجہ سے تجھے چار سال دودھ پلایا۔ میں تجھے اللہ اور اس اِحسان کا واسطہ دے کر کہتی ہوں جو میں نے تجھ پر کیا کہ تو ہرگز اس چیز کو نہ کھانا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور بروزِ قیامت اپنے بھائیوں سے اس حال میں نہ ملنا کہ تو ان میں سے نہ ہو۔

جب سعادتمند بیٹے نے ماں کی یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا: امی جان! میں تو ڈر رہا تھا کہ آپ شاید مجھے خنزیر کا گوشت کھانے پر اُبھاریں گی؛ مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ جیسی عظیم ماں عطا فرمائی۔ پھر وہ عورت اپنے بیٹے کو لے کر بادشاہ کے پاس آئی اور کہنے لگی: یہ لو، اب یہ وہی کرے گا جو میں نے اسے کہا ہے۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا اور اس کی طرف خنزیر کا گوشت بڑھاتے ہوئے کہا: یہ لو، اس میں سے کچھ کھالو۔ یہ سن کر بہادر نوجوان نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں ہرگز اس چیز کو نہیں کھاؤں گا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔

بادشاہ کو یہ سن کر بہت غصہ آیا؛ چنانچہ اس ظالم نے اس مردِ مجاہد کو بھی شہید کروادیا۔ اسی طرح یہ بھی اپنے بھائیوں سے جاملا۔ پھر بادشاہ نے اس عظیم عورت سے کہا: میرا خیال ہے کہ مجھے تیرے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا پڑے گا جو تیرے بیٹوں کے ساتھ کیا ہے۔ اے بڑھیا! تیری ہلاکت ہو، تو صرف ایک لقمہ ہی کھالے تو میں تجھے منہ مانگا انعام دوں گا اور جو تو کہے گی میں وہی کروں گا، بس ایک لقمہ کھالے، پھر عیش وعشرت سے زندگی گزارنا۔

یہ سن کر اس عظیم ماں نے جواب دیا: اے ظالم! تو نے میرے بچوں کو میرے سامنے مار ڈالا اور اب تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیرے کہنے پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی کروں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اپنے بچوں کی موت کے بعد مجھے زندگی سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ خدا کی قسم! تجھے جو کچھ کرنا ہے کرلے میں کبھی اللہ کی حرام کردہ شے نہیں کھاؤں گی۔ یہ سن کر اس سفاک وظالم بادشاہ نے اسے بھی شہید کروادیا۔ اس طرح اس عظیم ماں کی روح بھی اپنے عظیم فرزندوں سے جاملی۔(۱)

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۴۵۔

محبوب سے ملاقات کا وقت قریب آ گیا

حضرت عبدالملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ربعی بن خراش علیہ الرحمہ (م۱۰۴ھ) نے بتایا کہ ہم تین بھائی تھے، اور ہم میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور سب سے زیادہ روزے رکھنے والا ہمارا منجھلا بھائی تھا۔ ایک مرتبہ میں اپنے دونوں بھائیوں کو چھوڑ کر ایک جنگل کی طرف نکل گیا۔ جب واپس گھر پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ میرا وہی عبادت گزار بھائی مرض الموت میں مبتلا ہے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابھی کچھ دیر قبل اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

لوگوں نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹ رکھا تھا۔ میں اس کے لیے کفن لینے چلا گیا۔ جب کفن لے کر آیا تو یکایک میرے اس مردہ بھائی کے چہرے سے کپڑا ہٹ گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔ میں نے بڑی حیرانگی کے عالم میں جواب دیا اور اس سے پوچھا: میرے بھائی! کیا تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا؟۔

اس نے کہا: جی ہاں!۔ الحمد للہ! میں دوبارہ زندہ ہو چکا ہوں اور تم سے جدا ہونے کے بعد میں اپنے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں حاضر ہوا، میرا رب مجھ سے بہت خوش ہے، اور وہ پاک پروردگار مجھ سے ناراض نہیں۔ اس نے مجھے سبز رنگ کے ریشمی حلے عطا فرمائے اور میں نے اپنا معاملہ تمہارے معاملے سے بہت آسان پایا؛ لہٰذا تم نیک اعمال کی طرف خوب رغبت کرو اور سستی بالکل نہ کرو، اور (موت) سے کبھی بے خبر نہ رہنا۔

دنیا سے رخصت ہونے کے بعد الحمد للہ! میری ملاقات، میری چاہتوں کے محور محبوبِ داور سید وسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی۔ انھوں نے کرم فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا: جب تک تم نہیں آؤ گے میں تمہاری (قبر) سے نہیں جاؤں گا؛ لہٰذا تم میری تجہیز و تکفین میں جلدی کرو، ایک ذرا تاخیر نہ کرو؛ کیوں کہ قبر میں میری ملاقات' مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونے والی ہے۔ پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور اس کی روح اس طرح آسانی سے اس کے بدن سے نکلی جیسے کوئی کنکر جب پانی میں ڈالا جاتا ہے تو آسانی کے ساتھ تہ میں اُتر جاتا ہے۔

جب یہ واقعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا: ہم یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ اِس اُمت میں ایک شخص ایسا ہوگا جو مرنے کے بعد بات کرے گا۔

حضرت ربعی بن خراش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میرا وہ بھائی سخت سردی کی راتوں میں بہت زیادہ قیام کرتا اور سخت گرمی کے دنوں میں ہم سے زیادہ روزے رکھتا تھا۔(۱)

اُمت محمدی میں ایسے بھی ہوئے

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان بن یسار علیہ الرحمہ (م ۱۰۷ھ) اپنی جوانی میں حسن و جمال کا مرقع زیبا تھے۔ ان کی خوبصورتی کا چرچا سن کر ایک حورصفت عورت ان کے گھر ملنے کی غرض سے آئی اور انھیں دیکھتے ہی اپنا دل دے بیٹھی، اس نے ہر طریقے سے انھیں بدکاری پر اُبھارا؛ مگر وہ ہر چند انکار کرتے رہے، اور یہی نہیں بلکہ دوڑتے ہوئے اپنا گھر چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اور وہ عورت خواہشوں کا غبار اپنے دل میں لیے وہیں رہ گئی۔

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ اس رات میں نے خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کی، اور ان سے پوچھا: کیا آپ ہی اللہ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام ہیں؟۔ انھوں نے فرمایا: ہاں میں ہی وہ یوسف ہوں جس نے اِرادہ کرلیا تھا۔ اور کیا تو وہ سلیمان نہیں ہے جس نے اِرادہ تک نہیں کیا؟۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اس قول سے سلیمان بن یسار کی تعریف کی۔ اور قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کی طرف اِشارہ کیا :

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَو لاَ أنْ رَاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۝ (یوسف:۱۲/۲۴)

اور بے شک اس (زلیخا) نے (تو) ان کا اِرادہ کر (ہی) لیا تھا (شاید) وہ بھی اس کا قصد کرلیتے اگر انھوں نے اپنے رب کی روشن دلیل کو نہ دیکھا ہوتا۔(۲)

---

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:۱/۱۵۳،۱۵۴......الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:۱/۱۶۳۔

(۲) حلیۃ الاولیاء:۲/۱۹۰......احیاء علوم الدین:۲/۳۰۵......صفۃ الصفوۃ:۱/۱۹۱......ذم الھویٰ:۱/۲۵۶۔

حضرت سلیمان بن یسار کا اس سے بھی عجیب وغریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ بارادۂ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، ان کے ساتھ ان کا ایک رفیق سفر بھی تھا۔ ان دونوں نے مقام ابواء پر پہنچ کر قیام کیا۔ رفیق نے تھیلا لیا اور خریداری کے لیے بازار چلا گیا۔ حضرت سلیمان بن یسار خیمے میں بیٹھے رہے۔

ایک بدوی عورت کی نگاہ ان کے خوبرو چہرے پر پڑی تو بدل و جان عاشق ہوگئی۔ آپ ایک پہاڑ کے دامن میں مقیم تھے، وہ عورت پہاڑ کی چوٹی پر تھی۔ ان کو دیکھ کر وہ نیچے اُتری اور خیمے میں پہنچ کر رُک گئی۔ اس کے چہرے پر نقاب تھا اور ہاتھوں میں دستانے۔ جب اس نے نقاب اُٹھایا تو ایسا محسوس ہوا جیسے بدلی سے چاند نکل آیا ہو، وہ حسن وجمال کا پیکرِ سراپا عورت تھی۔ اس نے کہا: مجھے کچھ دیجیے۔

حضرت سلیمان بن یسار نے سوچا کہ وہ شاید کھانے کی کوئی چیز مانگ رہی ہے تو وہ اُٹھے اور دسترخوان کا بچا ہوا کھانا اُٹھا کر اسے دینا چاہا۔ اس نے کہا: میں آپ سے روٹی نہیں مانگتی، بلکہ اپنی جوانی کی پیاس بجھانے آئی ہوں۔

یہ سن کر حضرت سلیمان بن یسار نے کہا: تجھے شیطان ملعون بہکا کر یہاں لایا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ اپنے گھٹنوں میں سر دے کر زور زور سے رونے لگے۔ اس عورت نے انھیں اس طرح روتے ہوئے دیکھا تو شرمندہ ہو کر چلی گئی۔ رفیق سفر بازار سے واپس ہوا تو اس نے دیکھا کہ روتے روتے سلیمان کی آنکھیں ورما گئی ہیں۔ پوچھا: کس چیز نے آپ کو رونے پر مجبور کیا؟۔

فرمایا: مجھے اپنی بیٹی یاد آ گئی تھی۔ اس نے بے یقینی سے کہا کہ اس سے پہلے کبھی آپ کو بیٹی یاد نہیں آئی، یہ آج اچانک کیا ہوا۔ الغرض! جب رفیق نے حقیقت جاننے پر بہت زیادہ اِصرار کیا تو آپ نے اسے بدوی عورت کا قصہ سنایا۔ یہ قصہ سن کر اس شخص کی آنکھیں بھر آئیں اور زاروقطار رونے لگا۔ آپ نے پوچھا: اب تم کیوں رو رہے ہو؟، عرض کیا: اس لیے روتا ہوں کہ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو اس عورت کا مطالبہ رد نہ کر پاتا اور گناہ میں مبتلا ہو جاتا۔

تھوڑی دیر تک دونوں روتے رہے، سفر دوبارہ شروع ہوا۔ جب مکہ مکرمہ پہنچے اور طواف

وسعی کے بعد حجرِ اسود کے قریب آئے تو سلیمان اپنے کپڑے سمیٹ کر بیٹھ گئے، بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت دراز قامت مرد ہے، اس کے جسم سے خوشبوئیں پھوٹ رہی ہیں۔ انھوں نے دریافت کیا: آپ کون ہیں؟۔

اس مردِ جوان نے بتلایا کہ میں یوسف ہوں۔ عرض کیا: یوسف صدیق۔ فرمایا: ہاں وہی۔

عرض کیا کہ زلیخا کے ساتھ آپ کا حال بڑا عجیب تھا۔ فرمایا: لیکن مقام اَبواء والی عورت کے ساتھ تمہارا حال اس سے کہیں زیادہ عجیب تر تھا!۔(۱)

اللہ کی رحمتوں سے مایوس نہ ہوں

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۱۱۰ھ) سے حکایت نقل کی جاتی ہے کہ آپ کے ہاتھوں پر عباس نامی ایک پُر اَز معاصی نوجوان نے توبہ کی۔ پھر توبہ شکنی کر بیٹھا۔ اس نے اپنی زندگی میں سینکڑوں بار توبہ کیا ہوگا؛ مگر پھر اسے توڑ دیا کرتا تھا۔

جب عمر کی آخری منزل میں پہنچا اور موت کا وقت قریب آ گیا تو اپنی ماں سے عرض کرنے لگا کہ مجھے شیخ کے پاس لے چلو تا کہ ان کے ہاتھوں تجدید توبہ کرلوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ دمِ رخصت کی توبہ قبول فرمالے۔

بوڑھی ماں شیخ کے پاس آئی، اور سلام نیاز کے بعد عرض کیا: میں عباس کی ماں ہوں، وہ جانکنی کے عالم میں ہے، اور آپ کے دست حق پر تجدید توبہ کرنا چاہتا ہے۔ فرمایا: بوڑھی ماں! آپ چلی جائیں مجھے ایسے شخص سے کوئی سروکار نہیں جس نے بار بار توبہ شکنی کی ہو؛ چنانچہ پلکوں پہ اشکوں کے موتی سجائے ہوئے وہ لوٹ گئیں اور کہا: اے عباس! تیرا بیڑا غرق ہو۔ محض تیری شامتِ اعمال کی بنیاد پر شیخ نے تیرے پاس آنے سے انکار کر دیا ہے۔

یہ سن کر نوجوان نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی کہ میرے آقا ومولا! شیخ نے تو ہمیں ٹھکرا دیا ہے مگر تو ہم سے تعلق اُستوار رکھنا اور اپنی رحمتوں سے ہمیں نا اُمید نہ کرنا۔ پھر اپنی ماں سے عرض کیا:

(۱) حلیۃ الاولیاء: ۱/۲۹۴...... احیاء علوم الدین: ۲/۳۰۵۔

امی جان! جب میں مرجاؤں تو اپنا پاؤں میرے چہرے پر رکھ کر میری گردن کو ایک رسی سے کس دینا، اور مجھے کوچہ وبازار میں یہ کہتے ہوئے گھسیٹتی رہنا کہ "اللہ کے نافرمانوں کا یہی انجام ہوتا ہے"۔ شاید مجھے اس حال میں دیکھ کر اللہ کو رحم آجائے اور وہ مجھ پر فضل وکرم فرمادے۔

(ماں کہتی ہے کہ اس کے انتقال کے بعد) میں نے ہمت کرکے جب اپنے پاؤں کو اُس کے چہرے پر رکھنا چاہا تو غیب سے ایک آواز آئی :

لا تضعي قدمک موضع السجود، و اعلمي أن الله سبحانه وتعالیٰ قد غفر له و أعتقه من النار .

یعنی اپنے قدم کو اس بندے کی جاے سجدہ پہ رکھنے کی ہمت نہ کرنا، اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی نہ صرف بخشش فرمادی ہے بلکہ اسے آتش جہنم سے آزاد بھی فرمادیا ہے۔

کہتی ہیں کہ پھر میں نے اس کی تجہیز وتکفین کی اور اُسے سپردِ خاک کرنے کے بعد میں گھر لوٹ آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ شیخ بصری کے خواب میں آکر انھیں تنبیہ فرماتا ہے :

یا حسن، ما حملک علی أن تقنط عبدي من رحمتي، أ لیس أنا الذي خلقته و رحمتي وسعت کل شيء، وعزتي و جلالي لئن عدت إلی مثلها لأمحونک من دیوان الصالحین .

یعنی اے حسن! تمہیں میرے بندے کو میری رحمت سے مایوس اور نا اُمید کردینے کی جرأت کیسے ہوئی؟، کیا میں نے تمہیں پردۂ عدم سے معمورۂ وجود میں نہیں لایا، اور کیا میری رحمت کا سائبان ہر چیز پر سایہ کناں نہیں ہے۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اگر پھر کبھی تو نے ایسی غلطی کا اِعادہ کیا تو یقینی طور پر تمہارا نام صالحین کی فہرست سے خارج کردیا جائے گا۔(۱)

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۲۸/۱۔

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ نے ''اسرار الاولیاء'' میں نقل فرمایا ہے کہ ایک جوان' عابد شب زندہ دار تھا، جس کی پوری زندگی تقویٰ وطہارت کا آئینہ دار رہی؛ لیکن ساری ساری رات عبادت ومناجات الٰہی میں بسر کردینے والے اس شخص کے خوف وخشیت کا یہ عالم تھا کہ دم نزع اس نے اپنی ماں سے وصیت کی کہ ماں! میرا بلاوا اَب آگیا ہے، میری آپ سے تین درخواستیں ہیں، کیا آپ وعدہ کرتی ہیں کہ میری وہ خواہشیں آپ پوری کردیں گی، ماں کی مامتا نے بیٹے کو عالم نزع میں دیکھ کر بے ساختہ وعدہ کرلیا۔

بیٹے نے کہا: میری پہلی درخواست یہ ہے کہ جب میں مرجاؤں تو میرے گلے میں رسی ڈال دینا، اور گھر کے چہار اَطراف میں مجھے گھسیٹتے ہوئے کہنا کہ یہ وہ شخص ہے جو زندگی بھر اللہ کی عبادت سے روگرداں رہا، اور مولا کی یاد سے غافل رہا، تو ایسے لوگوں کا حشر یوں ہوتا ہے!۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ میرا جنازہ رات کو اُٹھانا کہ کہیں لوگ اشارہ کر کے طعنہ دیں کہ گنہ گار کا جنازہ جا رہا ہے، دیکھو اس کا حشر کیا ہوتا ہے!۔ اور تیسری درخواست یہ ہے کہ جب میں دفن کردیا جاؤں تو آپ میری قبر پر کچھ دیر کھڑی رہنا، نکیرین حساب کے لیے آئیں گے، مجھے علم ہے کہ مجھے عذاب ہوگا؛ مگر شاید آپ کے کھڑے رہنے سے آپ کے قدموں کے تصدق سے مجھ سے عذاب اُٹھ جائے اور اس میں کچھ تخفیف ہو جائے۔

ماں نے تینوں وعدے کرلیے، روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ حسب وعدہ ماں نے رسی اُٹھالی اور لرزتے ہاتھوں اس کے گلے کے قریب پہنچی، ابھی رسی گلے میں جانے بھی نہ پائی تھی کہ غیب سے آواز آئی، اے خاتون! رُک جا، جس کے گلے میں تو رسی ڈالنے کے لیے بڑھ رہی ہے، تجھے کیا خبر کہ یہ ہمارا عاشق تھا، یہ جو کچھ تم سے کہہ گیا وہ تو اس کی حالت خوف وخشیت تھی۔ اے خاتون! تو اسے گھسیٹنے کا انتظام کر رہی ہے اور نہ معلوم کتنے ہزار فرشتے اس کی روح کو پورے اہتمام کے ساتھ عرشِ معلیٰ پر لیے جا رہے ہیں۔(۱)

(۱) کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی:۔۔۔۔

اسی انداز کا ایک واقعہ یہ بھی ہے جسے حضرت عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ کو دیکھا جسے ایک عورت اور تین مرد اُٹھا کر لیے جارہے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عورت کی جگہ کاندھا لگادیا اور پھر ہم اسے لے کر قبرستان پہنچے اوراس کی نمازِ جنازہ پڑھ کراس کی تدفین کردی۔

میں نے عورت سے پوچھا: یہ تمہارا کیا لگتا تھا؟، بولی: میرا اپنا بیٹا تھا۔ میں نے پوچھا: کیاتمہارے پڑوسی نہیں ہیں؟ بولی: کیوں نہیں تاہم انھوں نے حقیر سمجھتے ہوئے اس میں شرکت نہ کی۔ میں نے پوچھا: اس حقارت کی کیاوجہ ہے؟، بولی: دراصل یہ مخنث (ہجڑا) تھا۔

کہتے ہیں کہ مجھے اس پر بہت ترس آیا، میں اسے اپنے گھر لے گیااور کچھ درہم پیسے، گیہوں اور کپڑے دے کر واپس کردیا۔ پھر جب اس رات سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے چودھویں کے چاند کی مانند کوئی چمکتا ہوا چہرہ لباسِ فاخرہ زیب تن کیے میرے سامنے رونما ہوا اور بڑی لجاجت کے ساتھ میرا شکریہ اَدا کرنے لگا۔

میں نے پوچھا: تم ہوکون؟، کہنے لگا: وہی مخنث (ہجڑا) جسے آج آپ لوگوں نے دفنایا تھا۔ پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ بولا: میرے پروردگار نے مجھے لوگوں کے حقیر جاننے کی وجہ سے بخش دیا (کہ سب نے تو تجھ سے نظریں ہٹالیں مگر میں رحیم وکریم ہوکر تجھ سے اپنی نگاہِ رحمت کیسے پھیرلوں!)۔(۱)

حضرت ابوعلی دقاق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوعمر بیکندی کسی راہ سے گزر رہے تھے۔انھوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ کسی نوجوان کواس کی شرارت کی وجہ سے محلے سے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں، اور کوئی عورت اس کے پیچھے زاروقطار رورہی ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ اس کی ماں ہے۔اس کے رونے پر مجھے بڑا ترس آیا اور میں نے ان لوگوں سے سفارش کی کہ اس بار اس نوجوان کو میری وجہ سے چھوڑ دو، آئندہ اگر یہ پھر غلطی کرے، تو تمہاری مرضی؛ چنانچہ اسے معاف کردیا گیا، اوراس کے بعد ابوعمر نے بھی اپنی راہ لی۔

(۱) رسالہ قشیریہ: ۱/۶۴۔

کچھ دنوں کے ابوعمر کا پھراسی راہ سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس نوجوان کے دروازے سے کسی بوڑھی کے رونے کی آواز آرہی ہے۔ انھوں نے سوچا ایسا لگتا ہے کہ نوجوان نے پھر کوئی غلطی کی ہوگی اور نتیجے میں محلے والوں نے اسے نکال بھگایا ہوگا۔ حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے انھوں نے دروازے پر دستک دی۔ وہی اس کی بوڑھی ماں باہر نکلی۔ انھوں نے نوجوان کا حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ انتقال کر گیا ہے۔

انھوں نے اس کے آخری لمحات کے بارے میں معلوم کیا تو بڑھیا نے بتایا کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے مجھ سے کہا: امی جان! میرے پڑوسیوں کو میری موت کی خبر نہ دینا؛ کیوں کہ میں نے انھیں بہت اَذیتیں دی ہیں، میری موت کی خبر سن کر پہلے تو وہ مجھے گالیاں دیں گے اور پھر نمازِ جنازہ میں بھی شریک نہیں ہوں گے۔

میری ایک وصیت ہے۔ یہ میری ایک انگوٹھی ہے جس پر ''بسم اللہ'' لکھا ہوا ہے جب تم مجھے دفن کرنا تو میرے ساتھ یہ انگوٹھی بھی رکھ دینا۔ اور پھر میری تدفین کے بعد اللہ کی بارگاہ میں میری بخشش کے لیے سفارش کرنا۔

بوڑھیا کہتی ہے کہ میں نے اس کی وصیت کے مطابق سارے کام انجام دے دیے۔ تدفین کے بعد جب اس کے سرہانے سے لوٹنے لگی تو میں نے اس کی آواز سنی اور وہ خوشی سے کہہ رہا تھا:

إنصرفي يا أماه، قدمت على رب كريم .

یعنی اے میری ماں! اب آپ چلی جائیں۔ میں اپنے کریم پروردگار کی بارگاہ میں (بڑی اچھی حالت میں) پیش کیا جا چکا ہوں۔(۱)

برکت نامِ محمد کی

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ (م ۱۱۰ھ) سے مروی کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن احمد یا محمد نامی کسی شخص کو اپنے روبرو کھڑا کر کے پوچھے گا: میرے بندے! میری نافرمانی

(۱) رسالۂ قشیریہ: ۱/۶۴۔

کرتے ہوئے تجھے ایک ذرا بھی شرم وحیا نہیں آئی؛ حالانکہ تیرا نام میرے محبوب کے نام پر 'محمد' رکھا گیا تھا۔ یہ سن کر بندہ احساسِ ندامت سے اپنا سر جھکا کر عرض کرے گا: میرے پروردگار! مجھے اعتراف ہے کہ میں نے ایسا کچھ کیا ہے۔ اللہ فرمائے گا :

یا جبریل خذ بید عبدي و أدخله الجنة فإني استحيي أن أعذب بالنار من اسمه اسم حبيبي .

یعنی اے جبرئیل! میرے اس بندے کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھے جنت میں داخل کردو؛ کیوں کہ مجھے اس بات سے حیا آتی ہے کہ جس کا نام میرے محبوب کے نام پر محمد ہو اسے آتش عذاب میں جلاؤں۔(۱)

اور پھر وہ کبھی نہ ہنسا

حضرت حسن بصری کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ایک نوجوان کے پاس سے گزرے جو کچھ لوگوں کے درمیان بیٹھا بے تحاشا ہنس رہا تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا: اے نوجوان! کیا تو پل صراط سے گزر راہے؟، اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے سوال کیا: کیا تجھے معلوم ہے کہ پل صراط سے گزر کر تو جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟، اس نے اس سوال کا جواب بھی نفی میں دیا۔ آپ نے فرمایا: جب تیری لاعلمی کا حال یہ ہے تو پھر یہ قہقہے کیسے ہیں؟، راوی کہتے ہیں کہ اس تنبیہ کے بعد اس نوجوان کو پھر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔(۲)

اپنی آنکھیں ہمیشہ تر رکھ

حضرت ابومیمون البراد بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن بصری کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا :

(۱) المدخل: ۱/۱۸۶۔

(۲) احیاء علوم الدین: ۴/۱۸۵۔

رطب لسانک بذکر اللّٰہ و ند جفونک بالدموع من خشیۃ اللّٰہ ..

یعنی (بیٹے!) نصیحت صرف یہ ہے کہ اپنی زبان کو ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رکھ۔ اور اپنے گالوں کو ہمیشہ اللہ کی یاد میں گرنے والے آنسوؤں سے بھیگا ہوا رکھ۔

یعنی تیری آنکھوں سے ہمہ وقت خشیت مولا کے اشک گرتے رہیں اور تیری زبان پر سدا اس کا ذکر جاری رہے، اس سے بڑی کوئی نصیحت نہیں جو تجھے دنیا اور آخرت میں کام آئے۔(۱)

شیطان کا ایک کامیاب وار

حضرت حسن بصری سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص وعظ نہیں کہتا اور عذر یہ کرتا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کہوں کچھ اور خود میرا عمل اس سے مختلف ہو۔ حضرت حسن نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ ہم میں کون ہے جو اپنے کہے پر خود پورا پورا عمل کرتا ہے، شیطان اس طریقے سے لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اس طرح ایک شخص جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا رہا اور برائیوں سے روکتا رہا، دام شیطان میں آ کر خود اس کارِ خیر سے رک جاتا ہے۔(۲)

ایسا رونے والا نہیں دیکھا

حضرت حمزہ اعمیٰ کہتے ہیں کہ میری والدہ مجھے لے کر حضرت حسن بصری کی بارگاہ میں گئیں اور عرض کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے، میری دلی خواہش ہے کہ آپ کی صحبت میں رہے اور آپ کی سنگت اپنائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے تصدق اللہ اس کے لیے خیر و نفع کے در وا فرمادے گا۔

والدہ مجھے چھوڑ کر چلی گئیں اور میں حضرت حسن بصری کی شاگردی میں آ گیا۔ اب جب بھی میں سبق کے لیے ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تو ان کو روتا ہوا ہی پاتا۔ میں نے ایک روز عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجیے کیوں کہ میں یہاں تربیت کے لیے آیا ہوں۔ فرمایا:

(۱) الرقۃ والبکاء ابن ابی الدنیا: ۱/۲۱ حدیث: ۱۹۔

(۲) لطائف المعارف: ۱/۱۷۔

بیٹے! حسن آخرت کو پانے کے لیے غم کو اپنے اوپر لازم کرلے کیوں کہ آخرت غمزدوں کا مقدر ہے۔ نیز فرمایا کہ جب تجھے خلوت اور تنہائی کی ساعتیں میسر آئیں تو رویا کر، شاید تیرے رونے سے تیرا مولا تیری طرف متوجہ ہوجائے۔ اور جب اس کا دھیان تیری سمت ہوجائے تو سمجھ کہ تو اس کی رحمتوں کا مرکز بن گیا اور کامیابی تیرا نصیب بن گئی ہے۔

اس دن مجھے یہ نصیحت فرمادی اور میں نکل کر چلا گیا۔ اگلے دن جب پہنچا تو دیکھا کہ پھر وہی آہ وبکا جاری ہے، اور رو رو کر ہلکان ہوئے جارہے ہیں۔ میں جب طلبہ کے ساتھ جاتا تب بھی روہی رہے ہوتے؛ حتیٰ کہ ہم نے انھیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو نماز کی حالت میں بھی انھیں روتا ہوا پایا۔

مجھ سے رہا نہ گیا اب میں نے جرأت کرکے ان سے پوچھ ہی لیا کہ اے حسن بصری، اے امامِ زمانہ، اے میرے استادِ گرامی! یہ بتائیں کہ آپ اتنا روتے کیوں ہیں، جب ہم آتے ہیں خلوت وجلوت میں آپ کو روتا ہوا پاتے ہیں۔ تو آپ نے روتے ہی ہوئے جواب دیا :

يٰبُنَيَّ فمايصنع المؤمن إذا لم يبك؟يٰبُنَيَّ إن البكاء داع إلى الرحمة .

یعنی میرے بیٹے! مجھے بتا کہ ایک مومن بھلا روئے نہ تو اور کیا کرے؛ کیوں کہ مومن اللہ کی رحمت کا طلب گار ہے، اور گریہ وزاری اللہ کی رحمت کو آواز دیتی ہے؛ لہٰذا اللہ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا سب سے بہتر ذریعہ گریہ وبکا ہے۔

اب اس نے کہا کہ پھر مجھے کچھ نصیحت کیجیے، تو ارشاد فرمایا :

إن استطعت أن لا تكون عمرك إلا باكيا فافعل ...

یعنی بیٹا میری نصیحت بس یہی ہے کہ اگر ہوسکے تو ساری زندگی تم روتے رہنا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رونے سے بڑھ کر کوئی اور عمل محبوب نہیں ہے۔ بیٹے! جولوگ اس زندگی میں خوب رولیتے ہیں انھیں قیامت کے دن ہنسایا جاتا ہے، اور جو یہ زندگی ہنستے کھیلتے گزار دیتے ہیں انھیں قیامت کے دن رلایا جاتا ہے۔(۱)

(۱) الرقۃ والبکاء ابن ابی الدنیا: ۱/۳۹ حدیث: ۳۷۔

حسن بصری سے بھی دانا

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی شخص نے کہا کہ یہاں ایک نوجوان شخص ہے جو تن تنہا کسی ستون کی آڑ میں بیٹھا رہتا ہے۔آپ نے فرمایا: جب تم اس شخص کو کہیں بیٹھے ہوئے دیکھو تو مجھے اطلاع ضرور کرنا، میں اس کا سبب دریافت کروں گا۔

ایک روز وہ شخص نظر پڑا۔لوگوں نے حضرت حسن بصری کو بتلایا کہ یہی وہ شخص ہے جس کے متعلق ہم نے آپ سے کہا تھا۔حضرت حسن بصری اس شخص کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ اے بندۂ خدا! تم عزلت نشین ہوکر کیوں رہ گئے،لوگوں کے پاس اُٹھنے بیٹھنے میں تمہارے لیے کیا رکاوٹ ہے؟۔

اس نے جواب دیا: بس ایک اَمر مانع ہے۔فرمایا: کیا اس شخص کے پاس آنے میں بھی کوئی حرج ہے جسے حسن بصری کہتے ہیں؟۔اس نے کہا: ہاں! حسن کے پاس جانے میں بھی وہی رکاوٹ ہے جو دوسروں کے پاس جانے میں ہے۔

جب اس 'مانع' کی تفصیل پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ میری صبح وشام اللہ کی نعمت اور گناہ کے درمیان ہوتی ہے۔میں لوگوں کے پاس بیٹھنے اُٹھنے میں وقت ضائع کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ اَدا کروں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہوں۔

حضرت حسن بصری نے اس شخص کی تحسین کے طور پر فرمایا: اے نوجوان! تم حسن سے بھی زیادہ سمجھ دار اور دین کا شعور رکھنے والے ہو،تمہیں زیبا ہے کہ تم اسی حال میں رہو۔(۱)

بڑے گھاٹے کا سودا

کسی بزرگ کے حوالے سے آتا ہے کہ ایک روز میں حضرت حسن بصری کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ لوگ ایک مردے کو گھسیٹے ہوئے وہاں سے گزرے۔حضرت حسن اسے دیکھ کر بیہوش

(۱) احیاء علوم الدین:۲/۲۷۲۔

ہوکر زمین پر گر پڑے۔ جب انھیں اِفاقہ ہوا تو میں نے بیہوشی کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا: یہ مردہ کبھی اعلیٰ درجے کے عابدوں اور زاہدوں میں سے تھا۔

میں نے عرض کیا: اے ابوسعید! ہمیں اس کے بارے میں کچھ بتائیں، تو انھوں نے فرمایا: یہ شخص اپنے گھر سے نماز اَدا کرنے کی نیت سے نکلا تو راستے میں اس کی نظر ایک عیسائی لڑکی پر پڑی، اسے دیکھ کر یہ دل دے بیٹھا اور اس کے فتنے میں مبتلا ہوگیا۔ اس لڑکی نے کہا: جب تک تم میرے مذہب میں داخل نہ ہوگے میں تیرے قریب نہ آؤں گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی شہوت و بیتابی بھی بڑھتی گئی۔ آخرکار اس پر بدبختی غالب آگئی اور اس نے لڑکی کی بات مان کر اِسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اُتار کر مذہب عیسائیت قبول کرلیا۔

جب لڑکی کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے کہا: اے شخص! تجھ میں کوئی بھلائی نہیں۔ تو نے گھٹیا شہوت کے لیے اپنا وہ دین چھوڑ دیا جس پر تو نے اپنی پوری زندگی گزاری تھی؛ مگر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اَبدی نعمتوں کے حصول کے لیے عیسائیت چھوڑ کر دامن اسلام میں آباد ہورہی ہوں۔ پھر اس لڑکی نے یہ سورۂ مبارکہ تلاوت کی :

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، اللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ ٥ (سورۂ اخلاص)

(اے نبی مکرم!) آپ فرمادیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

لوگوں کو اس لڑکی کے منہ سے قرآن سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ اس سے پوچھا گیا: کیا تم نے یہ سورہ پہلے سے یاد کر رکھا تھا؟، لڑکی نے قسم کھا کر کہا: ہرگز نہیں بلکہ میں تو اس سورۃ کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتی تھی؛ لیکن جب اس شخص نے مجھ سے اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے اِصرار کیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دوزخ میں داخل ہورہی ہوں۔ اتنے میں اچانک اس شخص کو میری جگہ جہنم میں ڈال دیا گیا۔

یہ خواب دیکھنے کے بعد میں بیحد خوفزدہ ہوئی تو حضرت مالک علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: ڈرو مت، اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو تمہارا فدیہ بنا دیا ہے۔ پھر کسی نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت میں داخل کر دیا۔ میں نے جنت میں ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا :

یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ وَ عِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ ۝ (سورۂ رعد:۱۳/۳۹)

اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے۔

پھر مجھے سورۂ اخلاص سکھائی گئی اور میں نے اسے یاد کر لیا۔ جب میں بیدار ہوئی تو یہ سورۃ مجھے بدستور یاد تھی۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت تو مسلمان ہو کر جنت کی مستحق ٹھہری؛ مگر یہ شخص مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا اور دوزخی ٹھہرا۔(۱)

اور نعش غائب ہو گئی

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں ایک متقی و پرہیزگار شخص کے جنازہ میں شریک ہوا۔ اسے بصرہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ تدفین کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے اور میں قریبی جنگل کی طرف چلا گیا۔ وہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت میں غور وفکر کرتا رہا۔ ایک جگہ گھنے درخت تھے۔ میں نے جب بغور دیکھا تو ان درختوں کے پیچھے ایک غار نظر آیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: شاید یہ غار ڈاکوؤں اور لٹیروں کی کمین گاہ ہے؛ چنانچہ جب میں اس غار کے قریب گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں نورانی چہرے والا ایک حسین نوجوان اُون کا جبہ پہنے بڑے خشوع و رِقت کے ساتھ محوِ عبادت ہے۔ میں اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔

اس نوجوان نے رکوع وسجود کے بعد سلام پھیرا اور میری جانب متوجہ ہوا۔ میں نے سلام کیا اس نے جواب دیا۔ میں نے پوچھا: اے میرے بھائی! تم کہاں کے رہنے والے ہو؟، کہنے لگا: میں ملک 'شام' کا رہائشی ہوں۔

(۱) بحرالدموع ابن الجوزی مترجم:۳/۷۔

میں نے پوچھا: تم شام سے بصرہ کس مقصد کے لیے آئے ہو؟، اس نے جواب دیا: میں نے سنا تھا کہ بصرہ اور اس کے قریبی علاقوں میں عابدین وزاہدین اور باعمل علمائے کرام بہت زیادہ ہیں، تو شام سے بس اسی مقصد کے لیے بصرہ آیا کہ ان اولیائے کرام سے اکتسابِ فیض کر سکوں اور ان سے علم وعمل سیکھوں۔

میں نے اس سے پوچھا: اے بندۂ خدا! تمہارے کھانے پینے کا انتظام کس طرح ہوتا ہے؟، یہاں جنگل میں تمہیں کھانا کیسے میسر آتا ہوگا؟۔ اس نے جواب دیا: جب بھوک لگتی ہے تو درختوں کے پتے کھالیتا ہوں، اور جب پیاس محسوس ہوتی ہے تو جنگل میں موجود تالابوں سے پانی پی لیتا ہوں۔ میں نے کہا: اے نوجوان! میری خواہش ہے کہ میں تمہیں عمدہ آٹے کی دو روٹیاں پیش کر دیا کروں؛ تاکہ تم انھیں کھا کر عبادت پر قوت حاصل کر سکو۔

یہ سن کر وہ نوجوان کہنے لگا: ایسی باتیں چھوڑیے، میں نے کئی سالوں سے کھانا نہیں کھایا۔ پتے کھا کر ہی گزارہ کر رہا ہوں۔ میں نے کہا: اے میرے بھائی! اگر تم ہمارے کھانے کو قبول کرلوگے تو ہماری خوش قسمتی ہوگی۔ تم ہماری طرف سے کچھ نہ کچھ قبول کرلو؛ تاکہ ہمیں برکتیں نصیب ہوں۔ وہ نوجوان بولا: اچھا اگر آپ بضد ہیں تو جَو کے بغیر چھنے آٹے کی دو روٹیاں اور سالن کی جگہ نمک لائیے گا۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پھر میں اس نوجوان کے پاس سے چلا آیا اور جو کے بغیر چھنے آٹے کی دو روٹیاں پکوائیں، ان پر نمک رکھا اور واپس اسی جنگل کی طرف چل دیا۔ جب میں غار کے قریب پہنچا تو وہاں کا منظر دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک خونخوار شیر، غار کے دہانے پر بیٹھا ہوا ہے۔

میں نے دل میں سوچا: کہیں ایسا نہ ہو کہ اس خونخوار درندے نے اس نوجوان کا کام تمام کر دیا ہو۔ میں بہت پریشان ہوگیا تھا، پھر ایک اونچی جگہ پر چڑھ کر غار کا اندرونی حصہ ملاحظہ کیا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ الحمدللہ! وہ نوجوان صحیح وسالم مصروفِ عبادت ہے۔

میں نے بلند آواز سے اسے پکارا: اے میرے بھائی! تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو اپنے آس پاس کے حالات سے بے خبر ہے؟ شاید عبادتِ الٰہی میں مشغولیت کی وجہ سے تجھے باہر کے

حالات کی خبر نہیں۔ میری یہ آواز سن کر اس نوجوان نے نماز میں تخفیف کی اور سلام پھیرنے کے بعد کہنے لگا: اے اللہ کے بندے! آپ نے ایسی کیا چیز دیکھ لی ہے جس کی وجہ سے اتنے پریشان ہورہے ہیں؟، میں نے کہا: وہ دیکھو، غار کے دہانے پر ایک خونخوار شیر گھات لگائے بیٹھا ہے، اور ایسا لگتا ہے کہ وہ ابھی حملہ کردے گا۔

اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے خدا کے بندے! اگر آپ اُس ذات سے ڈرتے جس نے اِس شیر کو پیدا کیا ہے تو آپ کے لیے بہت بہتر تھا!۔ پھر اس نوجوان نے شیر کی طرف توجہ کی اور کہا: اے درندے! بے شک تو اللہ کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔ اگر تجھے بارگاہِ خداوندی سے حکم ملا ہے کہ تو مجھے کوئی نقصان پہنچائے تو پھر میں تجھے روکنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اگر تجھے اللہ کی طرف سے حکم نہیں ملا تو پھر مجھے تیرا کوئی خوف نہیں۔ پھر تیری بہتری اسی میں ہے کہ تو یہاں سے چلا جا، تو خواہ مخواہ میری اور میرے بھائی کی ملاقات میں حائل ہورہا ہے!۔

ابھی اس نیک خصلت نوجوان نے اپنی بات بھی مکمل نہ کی تھی کہ وہ شیر دہاڑنے لگا اور دُم ہلاتا ہوا وہاں سے اس طرح بھاگا جیسے اسے اپنا کوئی شکار نظر آ گیا ہو۔ جب شیر وہاں سے چلا گیا تو میں اس نوجوان کے پاس آیا اور یہ کہتے ہوئے دونوں روٹیاں اس کے سامنے رکھ دیں کہ: اے میرے دوست! جو چیز تو نے طلب کی تھی وہ حاضر ہے۔

اس نے روٹیاں لیں اور انھیں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا، پھر وہ رونے لگا، روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ پھر اس نے روٹیاں نیچے رکھ دیں، اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا: اے میرے پاک پروردگار! میں تجھے عرشِ عظیم کا واسطہ دے کر التجا کرتا ہوں کہ اگر تیری بارگاہ میں میرا کچھ مرتبہ و مقام ہے اور میں تیری بارگاہ میں مردود نہیں ہوں تو اے میرے اللہ! مجھے اپنے قربِ خاص میں بلالے اور میری روح ابھی قبض فرمالے۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ابھی اس نوجوان نے یہ دعا مکمل ہی کی تھی کہ فوراً اس کی بے قرار روح اس دنیوی زندگی کی قید سے آزاد ہوکر عالم بالا کی طرف پرواز کرگئی۔ میں واپس اپنے علاقہ میں آیا اور چند متقی و پرہیزگار لوگوں کو جمع کیا تاکہ ہم اس نوجوان کی

تجہیز و تکفین کرسکیں۔ میں اپنے ان ساتھیوں کو لے کر غار کی طرف چل دیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ غار میں تو کوئی بھی موجود نہیں، جس خوش نصیب نوجوان کی لاش کو میں ابھی ابھی چھوڑ کر گیا تھا، اب وہاں اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

میں بہت حیران وپریشان ہوا کہ آخر اس کی لاش کہاں غائب ہوگئی! ۔ اچانک ایک غیبی آواز سنائی دی، کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے ابوسعید! اپنے رفقا سے کہو کہ وہ واپس چلے جائیں، اب اس نوجوان کی لاش کبھی نہیں ملے گی؛ کیوں کہ اس کی لاش کو یہاں سے اُٹھالیا گیا ہے۔(1)

جب تری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی
جان لینے کو دلہن بن کے قضا آئی ہے

دریائے رحمتِ الٰہی کا جوش

حضرت عبدالرحمٰن بن ابراہیم فہری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کے زمانے میں ایک نوجوان گناہوں بھری زندگی گزار رہا تھا۔ اسی بدمستی کے عالم میں اسے سخت بیماری لاحق ہوگئی اور مرگی کے دورے پڑنے لگے۔ جب کمزوری حد سے بڑھنے لگی تو انتہائی رنج وغم کے عالم میں بہت ہی خفیف آواز کے ساتھ اپنے رحیم وکریم پروردگار کی بارگاہ میں اس نے اس طرح التجا کی :

اے میرے پروردگار! میرے گناہوں سے درگزر فرمایا، مجھے اس بیماری سے چھٹکارا عطا فرما۔ اے میرے مالک! اب کبھی بھی گناہ نہیں کروں گا۔

اس کی دعا قبول ہوئی اور اللہ نے اسے شفا عطا فرمادی؛ لیکن صحت یابی کے بعد وہ دوبارہ گناہوں میں منہمک ہوگیا، اور پہلے سے زیادہ نافرمانی کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس پر بیماری مسلط فرمادی۔ وہ پھر گڑگڑانے لگا اور عرض گزار ہوا: اے میرے پاک پروردگار! اس مرتبہ مجھے شفا عطا فرمادے، اب دوبارہ کوئی گناہ نہ کروں گا۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۳۵۸ تا ۳۶۰۔

اللہ تعالیٰ نے اسے پھر تندرستی عطا فرمادی؛ لیکن اس کی آنکھوں پر پھر غفلت کا پردہ پڑ گیا اور گناہوں کی طرف مائل ہوکر پہلے سے بھی زیادہ نافرمان ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر بیماری میں مبتلا کردیا۔ اس مرتبہ مرض بہت شدید تھا، اس نے بڑی نقاہت بھری غمگین آواز میں خدائے رحمٰن ورحیم کو پکارا: اے میرے پروردگار! میرے گناہوں کو بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے بیماری سے شفا عطا فرما۔ میرے مولا! میں پھر کبھی تیری نافرمانی نہ کروں گا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کرم کیا اور اسے پھر صحت عطا فرمادی۔ تندرست ہوتے ہی وہ پھر گناہوں میں مبتلا ہوا اور بہت زیادہ نافرمان ہوگیا۔ ایک مرتبہ اچانک اس کی ملاقات حضرت حسن بصری، ایوب سختیانی، مالک بن دینار اور صالح المری علیہم الرحمہ سے ہوئی۔ جب حضرت حسن نے اس نوجوان کو گناہوں میں منہمک دیکھا تو فرمایا: اے نوجوان! اللہ سے اس طرح ڈر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو یہ مت بھول کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یہ سن کر اس نوجوان نے کہا: اے ابوسعید! مجھ سے دور رہیے، بے شک میں تو مصیبت وآفت میں ہوں اور دنیا کو خوب ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت حسن بصری اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم! اس نوجوان کی موت بہت قریب آ گئی ہے۔ موت کے وقت اسے بہت پریشانی ہوگی، نزع کی سختیاں اسے بہت تنگ کریں گی۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد حضرت حسن بصری ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اس گناہ گار نوجوان کا بھائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوا: اے ابوسعید! میں اسی نوجوان کا بھائی ہوں جسے آپ نے نصیحت فرمائی تھی۔ میرے بھائی پر موت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں، اس پر نزع کی کیفیت طاری ہے، اور بڑی مصیبت میں مبتلا ہے۔

حضرت حسن بصری نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: آؤ، چل کر دیکھتے ہیں کہ اللہ اس کے ساتھ کیا معاملہ فرماتا ہے؟؛ چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس کے گھر پہنچے۔ دروازے پر دستک دی تو اس کی بوڑھی ماں نے پوچھا: کون ہے؟، فرمایا: حسن۔ آپ کی آواز سن کر بوڑھی ماں نے کہا: اے ابوسعید! آپ جیسے نیک شخص کو کیا چیز میرے پاس کھینچ لائی؛ حالاں کہ یہ تو ہمیشہ

گناہوں کا مرتکب رہا اور حرام کاموں میں پڑا رہا؟۔

فرمایا: محترمہ! آپ ہمیں اپنے بیٹے کے پاس آنے کی اِجازت دیں، بیشک ہمارا پاک پروردگار گناہوں کو بخشنے والا اور خطاؤں کو مٹانے والا ہے۔ بوڑھی ماں نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ حضرت حسن بصری دروازے پر کھڑے ہیں، وہ اندر آنا چاہتے ہیں۔ کہا: امی جان! حضرت حسن بصری یا تو میری عیادت کرنے آئے ہیں یا پھر زَجر و توبیخ کرنے۔ بہرحال! آپ دروازہ کھول دیں۔

جب آپ اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ نوجوان' نزع کی سختیوں میں مبتلا ہے، اس پر نااُمیدی اور رنج واَلم کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے نوجوان! اللہ سے معافی طلب کر، بے شک وہ رحیم وکریم پروردگار تیرے گناہوں کو بخش دے گا۔

نوجوان نے کہا: اے ابوسعید! اب وہ میرے گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ فرمایا: اے نوجوان! کیا تم اللہ کے لیے بُخل ثابت کرنا چاہتے ہو؟، وہ پاک پروردگار تو بہت زیادہ کریم وجواد ہے۔ اس کی رحمت سے مایوس کیوں ہوئے جاتے ہو!۔

نوجوان نے کہا: اے ابوسعید! میں نے رحیم وکریم پروردگار کی نافرمانی کی، تو اس نے مجھے بیماری میں مبتلا کر دیا۔ میں نے شفا طلب کی تو اس نے شفا عطا فرمائی۔ میں نے پھر نافرمانی کی تو دوبارہ بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ پھر گناہوں سے معافی طلب کی اور صحت یابی کی دعا مانگی، تو اس پاک پروردگار نے مجھے شفا عطا فرما دی۔ میں اسی طرح گناہ کرتا رہا اور وہ معاف کرتا رہا۔ اب پانچویں مرتبہ بیمار ہوا ہوں، میں نے اس مرتبہ اس سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی اور صحت یابی کے لیے عرض کی تو اپنے گھر کے کونے سے یہ غیبی آواز سنی: تیری دعا و مناجات قبول نہیں، ہم نے تجھے کئی مرتبہ آزمایا مگر ہر مرتبہ تجھے جھوٹا پایا۔

نوجوان کی یہ بات سن کر حضرت حسن بصری نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: چلو واپس چلتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد اس نوجوان نے اپنی والدہ سے کہا: اے میری ماں! یہ حسن بصری تھے، شاید یہ میری طرف سے میرے پروردگار سے

نا اُمید ہو گئے ہیں؛ حالاں کہ میرا مولا تو گناہوں کو بخشنے والا اور خطاؤں سے درگزر فرمانے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے۔

اے میری ماں! میری موت کا وقت قریب ہے۔ جب سانس اُکھڑنے لگے، میرا جسم بے جان ہونے لگے، میری آنکھیں بند ہو جائیں، جسم پیلا پڑ جائے، آواز بند ہو جائے اور میری روح دار الفنا سے دار البقا کی طرف پرواز کرنے لگے تو میرا گریبان پکڑ کر مجھے گھسیٹنا، میرا چہرہ خاک آلود کر دینا، پھر میرے پاک پروردگار سے میرے گناہوں کی معافی طلب کرنا، بے شک وہ رحمٰن ورحیم مولا گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ میں اس کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں۔

اتنا کہہ کر نوجوان خاموش ہو گیا۔ اس کی بوڑھی ماں نے حسب وصیت اس کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا، اس کے چہرے پر مٹی ڈالی، پھر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور اللہ کی بارگاہ میں اس طرح فریاد کرنے لگی :

اے میرے مولا! میں تجھ سے تیری اُس رحمت کا سوال کرتی ہوں جو تو نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر نازل فرمائی اور ان کے بیٹے کو ان سے ملا دیا۔ اے میرے پروردگار! تجھے اسی رحمت کا واسطہ جو تو نے حضرت ایوب پر نازل فرمائی اور ان کی آزمائش کو دور فرما دیا۔ اے میرے خالق و مالک! میرے بیٹے پر بھی رحم فرما، اور اس کے گناہوں سے درگزر فرما کر اسے بھی معاف فرما دے۔

جب اس نوجوان کا انتقال ہو گیا تو اس کی والدہ نے ہاتف غیبی سے یہ آواز سنی: تیرے بیٹے پر اللہ نے رحم فرمایا اور اس کے تمام گناہ معاف کر دیے۔ اسی طرح ایک آواز حضرت حسن بصری کو سنائی دی، کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے ابوسعید! اللہ نے اس نوجوان پر رحم فرما کر اس کے گناہوں کو بخش دیا، اب وہ جنتی ہے۔ چنانچہ حضرت حسن بصری اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس نوجوان کے جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔(۱)

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۲۱ تا ۲۴۔

زمانۂ شباب سے فائدہ اُٹھانے کی ترغیب

حضرت حفصہ بنت سیرین علیہا الرحمہ (م ۱۱۰ھ قریباً) جوانوں کو عہد شباب سے فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دیا کرتی تھیں۔

علامہ ابن جوزی علیہ الرحمہ نے ہشام بن حسان سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ حضرت حفصہ رحمہا اللہ ہمیں کہا کرتی تھیں :

یا معشر الشباب ! خذوا من انفسکم و أنتم شباب، فإني ما رأیت العمل إلا في الشباب . (۱)

یعنی اے جوانو! جوانی کے زمانے میں اپنی جانوں سے فائدہ حاصل کرو؛ کیوں کہ میں نے جوانی کے عمل ایسا (بہترین) عمل کسی اور زمانے میں نہیں دیکھا!۔

اطاعت وعبادت تو زندگی کے ہر مرحلے میں بھلی اور اچھی ہے؛ لیکن زمانۂ شباب کی نیکی، فرماں برداری اور بندگی کے کیا کہنے! یقیناً یہ تو آنکھوں کو ٹھنڈا اور دلوں کو باغ باغ کر دیتی ہے۔

اس کی شان وعظمت پر وہ حدیث بھی دلالت کناں ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات اشخاص کا ذکر فرمایا جنھیں عرصہ محشر میں اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ خاص میں جگہ عنایت فرمائے گا جس دن دور دور تک کہیں کسی سائے کا نام ونشان نہ ہوگا۔ انھیں سات میں سے ایک شخص کے متعلق فرمایا :

شاب نشأ في عبادة اللّٰه . (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھنے والا جوان۔

---

(۱) مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی: ۱/۲۵...... صفۃ الصفوۃ: ۴/۲۴...... تفسیر روح البیان: ۹/۲۶۸۔

(۲) شعب الایمان بیہقی: ۱/۴۰۵ حدیث: ۵۴۹...... مشکل الآثار طحاوی: ۱۳/۶۲ حدیث: ۵۱۱۵۔

ابلیس یقیناً کھلا دشمن

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ (م۱۱۴ھ) ماضی کی ایک حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک شخص عالم جوانی میں تاجِ بادشاہت سے سرفراز کردیا گیا۔ تخت سلطنت پر براجمان ہونے کے بعد اس نے کہا: بادشاہی میں ایسا کیف وسرور ہے جس کا بیان از حد مشکل ہے۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ دنیا کا ہر بادشاہ ایسے ہی محسوس کرتا ہے یا یہ معاملہ کچھ میرے ہی ساتھ خاص ہے۔

اسے بتایا گیا کہ دنیا جہان کے سارے بادشاہوں کی یہی روایت رہی ہے۔ اس نے پوچھا: تو ایسی کیا سبیل ہے کہ اس کو سدا قائم ودائم رکھا جاسکے؟۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ اسے تادیر باقی رکھنے کا بس ایک ہی نسخہ ہے کہ تم جی جان سے اللہ کی فرماں برداری کرو اور کسی حال میں اس کے نافرمان نہ بنو۔

چنانچہ اس نے اپنی سلطنت کے چیدہ اور برگزیدہ شخصیتوں کو بلاکر حکم دیا کہ تم سفروحضر میں ہمہ وقت میری صحبت میں رہنے کی کوشش کرو؛ جو کام اللہ کی طاعت کے ہوں، مجھے بتاؤ تاکہ میں انھیں رنگ عمل دے سکوں، اور جو کام اس کی معصیت کے ہوں، مجھے سختی سے انھیں کرنے سے روکو۔ اس طرح دونوں نے اپنی اپنی ذمہ داریاں خلوصِ نیت کے ساتھ نبھائیں اور کوئی چار سو سال تک اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کے سنہرے ماحول میں اس کی سلطنت وحکومت چلتی رہی۔

ابلیس کو اس بادشاہ کا یہ عمل ایک آنکھ نہ بھایا اور وہ جل بھن کر کہنے لگا: میری غفلت وکوتاہی کی وجہ سے ایک شخص چار سو سال سے مسلسل اللہ کی طاعت میں مشغول ہے، اب ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر مجھے کچھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ بادشاہ کے پاس آیا اور ایک نوجوان کی شکل میں اچانک اس کے سامنے ظاہر ہوا، بادشاہ اسے دیکھتے ہی خوفزدہ ہوگیا، اور پوچھنے لگا: تم کون ہو؟ اور یہاں کس لیے آئے ہو؟۔

ابلیس نے کہا: ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ مجھے تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟۔

بادشاہ نے کہا: میں اولادِ آدم کا ایک فرد ہوں۔

ابلیس نے کہا: اگر تم بنی نوعِ انساں سے ہوتے تم جس طرح دیگر آدمی مرتے ہیں تم بھی مر چکے ہوتے۔ ذرا سوچو تو سہی کتنے لوگ دنیا سے جا چکے ہیں اور کتنی صدیاں بیت چکی ہیں! اگر تم ان میں سے ہوتے تو یقیناً تم بھی اب تک آغوشِ موت میں پناہ گزیں ہو چکے ہوتے!، سچی بات یہ ہے کہ تم خدا ہو اور خدا کبھی نہیں مرتا؛ لہٰذا تمہیں میری نصیحت یہ ہے کہ تم لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دو۔

ابلیس کا یہ وار اس بدبخت بادشاہ کے دل میں اُتر گیا، اور اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگا۔ اس نے منبر آراستہ کرایا اور اس پر کھڑے ہو کر کہنے لگا: لوگو! ایک راز جو مدتوں سے میں نے تم سے چھپائے رکھا وقت آ گیا ہے کہ اس کا اِفشا و اِعلان کروں۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے چار سو سال تک تم پر حکومت کی۔ اگر میں بنی آدم سے ہوتا تو دیگر لوگوں کی طرح میں بھی مر چکا ہوتا لیکن میں چوں کہ خدا ہوں، جو تا ہنوز زندہ ہوں اور مجھے کبھی موت نہیں آئے گی؛ لہٰذا اب تم اللہ کی بجائے میری عبادت کرنا شروع کر دو۔

اس کی یہ بات سن کر سارا محل دہل گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی کے پاس یہ وحی کی کہ اس سے یہ بات کہہ دیں کہ میں نے اس وقت تک اس کے ساتھ خیر کا معاملہ کیا جب تک اس کا سلوک میرے ساتھ اچھا رہا؛ لیکن اب جب وہ میری طاعت سے مکر گیا ہے تو اس کے لیے قیام و دوام نہیں۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! بخت نصر پیدا ہو چکا ہے، بہت جلد ہی اس کی سلطنت پر قبضہ کرنے والا ہے، وہ نہ صرف خزانے ہتھیا لے گا بلکہ اس کی گردن ہواؤں میں اُڑا دے گا۔ اور اس دور میں یہ اُصول تھا کہ اللہ تعالیٰ جس سے ناراض ہوتا اس پر بخت نصر کو مسلط فرما دیتا۔

ابھی اس بادشاہ کو اپنے قول پر نظر ثانی کرنے کی توفیق بھی نہ ملی تھی کہ بخت نصر نے چڑھائی کر دی اور اس کی گردن اُڑا کر سارا خزانہ بٹور لیا۔ بتایا جاتا ہے کہ حاصل شدہ خزانے میں صرف سونا اتنا تھا کہ اس سے ستر (۷۰) کشتیاں بھر گئیں۔(۱)

(۱) تاریخ الرسل والملوک: ۱/۶۵...... عیون الحکایات ابن الجوزی: ۱۴۵، ۱۴۶۔

ذرا سوچو تو سہی!

حضرت محمد بن واسع علیہ الرحمہ (م۱۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد کے اندر چند نوجوانوں کو دیکھا جو ایک دوسرے کی عیب جوئی اور غیبت میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا: کیا تم میں سے کوئی اپنے دوست کی مخالفت کرنا پسند کرے گا کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا دوست بنالے؟۔

نوجوان کہنے لگے: نہیں بالکل نہیں۔ میں نے کہا: پھر یہ کتنے حیرت کی بات ہے کہ تم اللہ کے گھر میں بیٹھ کر اس کے حکم کی مخالفت کرر ہے ہو اور لوگوں کی غیبت میں مصروف ہو۔ نوجوانوں نے کہا: ہم اپنی اس حرکت سے توبہ کرتے، اور آئندہ اس سے باز رہنے کا عہد کرتے ہیں۔

میں نے کہا: میرے بھائیو! وہ پروردگار عالم تمہار رب بھی ہے اور تمہارا دوست بھی ہے جب تم اس کی نافرمانی کروگے اور دوسرے لوگ اس کی فرماں برداری کریں گے تو تمہیں نقصان ہوگا اور دوسرے لوگ فائدہ اُٹھالیں گے، تو کیا یہ بات تم پر گراں نہ گزرے گی؟۔

وہ سب کہنے لگے: کیوں نہیں، تو میں نے کہا: یوں ہی جو اس کے حکم کی نافرمانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اسے عذاب میں مبتلا کردے تو کیا تم اپنی جوانی پر غیرت نہ کھاؤ گے کہ تم کس طرح جہنم میں جل رہے ہو اور عذاب میں مبتلا ہو جب کہ دوسرے لوگ جنت اور ثواب کا مزہ لوٹیں۔ یہ سن کر نوجوانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ کہنے لگے: آپ نے بالکل حق فرمایا۔ اور پھر ان لوگوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے سچی لو لگالی۔(۱)

ابتلا و آزمائش بھی راحت قلب وجاں

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ (م۱۲۷ھ) کے حوالے سے نقل کیا جاتا ہے کہ آپ کسی نوجوان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ بستر مرگ پر بے بس پڑا ہوا ہے۔

---

(۱) بحر الدموع ابن الجوزی مترجم: ۳۰/۳۔

کہتے ہیں کہ میں نے اس سے احوال پوچھے تو اپنی زبان سے وہ جواب نہ دے سکا، اپنی آنکھوں کے اشارے سے اپنی خیریت بتائی۔

ابھی ہم اس کے پاس ہی تھے کہ اتنے میں موذن کی اَذان سنائی دی تو اس نے نہ صرف یہ کہ اذان کا جواب دیا بلکہ شہادتین کے وقت اپنی انگلی شہادت بھی اُٹھائی۔ پھر اس کے بیٹوں نے اسے وضو کرایا اور قبلہ رو کر دیا اس نے لیٹے لیٹے ہی اشارے سے نماز ادا کی۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا :

اے مالک! ایمان کی رمق باقی ہو تو مولا کی آزمائش میں بھی قلبی راحت وسکون ملتا ہے۔ اے مالک! ذرا سوچو کہ اس کی نعمتیں کیسی بے انتہا ہیں مگر آزمائش صرف ایک ہے۔

حضرت مالک فرماتے ہیں کہ اس کے صبر ویقین اور محبت ووفا کی سچائی کو دیکھ کر میں ورطہ حیرت میں آ گیا، پھر ذرا سی دیر میں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔(۱)

گناہوں سے شرمندگی کا اِحساس

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک نوجوان کو دیکھا کہ ایک پرانی قمیص پہنے مغموم وپریشان کھڑا رو رہا ہے اور جسم سے پسینہ بہا جا رہا ہے جب کہ موسم سردی کا تھا۔ آپ اَز راہِ تعجب فرمانے لگے: صاحبزادے! کیوں رو رہے ہو اور اس سردی میں یہ پسینہ کیسا؟۔

نوجوان نے کہا: حضرت! اس جگہ مجھ سے ایک مرتبہ گناہ سرزد ہو گیا تھا، جب یہاں آیا تو وہ گناہ یاد آ گیا، پھر اللہ کے خوف سے ندامت وحیا کا اس قدر غلبہ ہوا کہ یہ کیفیت ہو گئی۔(۲)

(۱) العاقبۃ فی ذکر الموت:۱/۱۲۱۔
(۲) بولوں سے حکمت پھوٹے:۔۔

جنت کے محل پر قبضہ جمالیا

حضرت جعفر بن سلیمان رحمہ اللہ حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کی معیت میں شہر بصرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ سیر وتفریح کے دوران ہماری نظر ایک زیر تعمیر محل پر پڑ گئی جو کہ ایک خوبرو نوجوان کی ماتحتی میں مرحلہ تعمیر سے گزر رہا تھا، اور وہ جوانِ رعنا' مزدوروں، مستریوں اور کام کرنیوالوں کو بڑے انہماک اور توجہ سے ہر ہر کام کی ہدایت دے رہا تھا۔

حضرت مالک نے مجھ سے فرمایا: ذرا دیکھو کہ جوان محل کی تعمیر وتزئین کے معاملے میں کتنی دلچسپی رکھتا ہے مگر مجھے اس کے حال پر رحم آرہا ہے، اور چاہتا ہوں کہ اللہ سے اس کے حق میں دعا کروں کہ اسے اس حال سے نجات دے، کیا عجب کہ یہ جوانانِ جنت سے ہو جائے؛ چنانچہ ہم اس کے پاس گئے، اور سلام کیا۔ اس نے بڑے چاؤ سے سلام کا جواب دیا۔

حضرت مالک نے پوچھا: اس محل کی تعمیر پر کتنا خرچ کرنے کا اِرادہ ہے؟ کہا: کوئی ایک لاکھ درہم۔ فرمایا: ایسا کیوں نہیں کرتے کہ یہ سارا مال مجھے دے دو تاکہ میں اسے اس کے مستحقین میں صرف کردوں اور اس کے بدلے تمہیں جنت میں اس سے کہیں بہتر ایک عالی شان محل کی ضمانت عطا کردوں، جو اس سے زیادہ پائیدار، خوبصورت، اور دیرپا ہے، جس کی مٹی مشک وزعفران کی ہوگی، وہ کبھی منہدم نہ ہوگا، اور صرف محل ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ خادم، خادمائیں اور سرخ یاقوت کے قبے، نہایت شاندار اور حسین خیمے وغیرہ محل کے ساتھ ہوں گے اور اس کو معماروں نے نہیں بنایا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے 'کن' فرمانے سے بن گیا ہے۔ اس نوجوان کے دل میں حضرت مالک کی بات نے تیر کی طرح اثر کیا؛ تاہم اس نے عرض کیا کہ اس بارے میں مجھے ایک شب غور کرنے کی مہلت عنایت فرمائیں۔

حضرت مالک کو شب بھر بار بار اس نوجوان کا خیال آتا رہا، رات سے صبح تک اس کے حق میں دعاء خیر کرتے رہے۔ صبح کے وقت پھر اس جانب تشریف لے گئے تو نوجوان کو اپنے

دروازہ پر کھڑا منتظر پایا۔نوجوان (ایک لاکھ درہموں کی تھیلیاں مالک بن دینار کے حوالے کرتے ہوئے کہتا ہے کہ) یہ رہی میری پونجی اور یہ حاضر ہیں قلم، دوات اور کاغذ۔

حضرت مالک بن دینار کاغذ اور قلم ہاتھ میں لے کر اس مضمون کا بیع نامہ تحریر فرماتے ہیں:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم هذا ما ضمن مالک بن دینار لفلان بن فلان اني ضمنت لک علی اللّٰہ قصرا بدل قصرک صفته کما وصفت و الزیادة علی اللّٰہ و اشتریت لک بهذا المال في الجنة افسح من قصرک في ظل ظلیل بقرب العزیز الجلیل .

یعنی اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع۔ یہ تحریر اس غرض کے لیے ہے کہ مالک بن دینار فلاں بن فلاں کے لیے اس کے اس مکان کے عوض اللہ تعالیٰ سے ایک ایسا شاندار محل دلانے کا ضمانت دار ہے۔ اور اگر اس محل میں مزید کچھ اور ہو تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور اس ایک لاکھ درہم کے بدلے میں میں نے جنت کا ایک محل فلاں بن فلاں کے لیے خرید لیا ہے جو اس کے محل سے زیادہ وسیع اور شاندار ہے اور وہ محل قرب الٰہی کے سائے میں ہے۔

پھر آپ نے اس رقعہ کو بند کر کے نوجوان کے حوالے کر دیا۔ اور اس سے وصول شدہ ساری رقم فقرا و مساکین پر خرچ کر دیا۔ ابھی کوئی چالیس دن بھی نہیں ہوئے ہوں گے کہ اس نوجوان کا اِنتقال ہو گیا اور اس نے یہ وصیت کر رکھی تھی کہ دم واپسی وہ رقعہ میرے زیر کفن رکھ دیا جائے۔ پھر اللہ کی شان دیکھیں کہ حضرت مالک بن دینار نے اس کی وفات کی رات اس رقعہ کو مسجد کے محراب میں پڑا پایا، اسے کھول کر دیکھا تو اس میں تحریر تھا:

هٰذه براءة من اللّٰہ العزیز الحکیم مالک بن دینار و فینا الشاب القصر الذي ضمنته له و زیادة سبعین ضعفا .

یعنی یہ معافی کا پروانۂ اِلٰہی ہے۔ مالک بن دینار کو معلوم ہو کہ وہ نوجوان سردست اس محل میں اِستراحت پذیر ہے جس کی تم نے ضمانت لی تھی بلکہ اس کا ستر گنا زیادہ اسے عطا کیا گیا ہے۔

اس تحریر کو لے کر حضرت مالک بن دینار دوڑے ہوئے نوجوان کے گھر کی جانب تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے گھر کا دروازہ ماتم گسار ہے، اور اندر سے نالہ وشیون کی آواز آرہی ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ نوجوان کل خدا کو پیارا ہوگیا ہے.....۔(۱)

اور چٹان سے پانی بہہ نکلا

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران مجھے سخت پیاس لگی تو میں پانی کی تلاش میں اپنے راستے سے ہٹ کر ایک وادی کی جانب چل پڑا۔ اچانک میں نے ایک خوفناک آواز سنی، میں نے سوچا: شاید! یہ کوئی درندہ ہے جو میری طرف آرہا ہے۔ چنانچہ میں بھاگنے ہی والا تھا کہ پہاڑوں سے کسی پکارنے والے نے مجھے پکار کر کہا: اے انسان! ایسا کوئی معاملہ نہیں جس طرح تم سمجھ رہے ہو، یہ تو اللہ عزوجل کا ایک ولی ہے جس نے شدتِ حسرت سے ایک لمبی سانس لی تو اس کی آواز بلند ہوگئی۔

جب میں اپنے راستے کی جانب واپس مڑا تو ایک نوجوان کو عبادت میں مشغول پایا۔ میں نے اسے سلام کیا اور اپنی پیاس کا بتایا تو اس نے کہا: اے مالک! اتنی بڑی سلطنت میں تجھے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملا۔ پھر وہ چٹان کی طرف گیا اور پاؤں کی ٹھوکر مار کر کہا: اس ذات کی قدرت سے ہمیں پانی سے سیراب کر جو بوسیدہ ہڈیوں کو بھی زندہ فرمانے پر قادر ہے۔

اچانک چٹان سے پانی ایسے بہنے لگا جیسے چشمہ سے بہتا ہے۔ میں نے جی بھر کر پینے کے بعد عرض کی: مجھے ایسی چیز کی نصیحت فرمائیے جس سے مجھے نفع ہوتا رہے۔ تو اس نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: تنہائی میں اللہ عزوجل کی عبادت میں مشغول ہو جائیے، وہ آپ کو جنگلات میں پانی سے سیراب کردے گا۔ اتنا کہہ کر وہ اپنے راستے پر چلا گیا۔(۲)

---

(۱) روض الریاحین: ۵۶ تا ۵۷..... تفسیر روح البیان: ۴۱۰/۳..... التوابین: ۶۷/۱۔

(۲) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق مترجم: ۳۱۹، ۳۲۰۔

محبّ، محبوب کے ساتھ ہوتا ہے

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں قبرستان کی طرف چلا۔ دیکھا کہ دو خوبرو نوجوان بیٹھے کچھ لکھ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: اللہ تم پر رحمت فرمائے، تم کون ہو؟، بولے: ہم فرشتے ہیں اور یہاں بیٹھ کر محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کی فہرست تیار کررہے ہیں۔

میں نے کہا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں سچ بتانا کہ میرا اِس میں کہیں ذکر ہے کہ نہیں؟ بولے: نہیں۔ اتنا سننا تھا کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی۔

جب اِفاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم اللہ واسطے میرا نام بھی کہیں نچلی سطروں میں لکھ لو کہ مالک بن دینار طفیلی ہے، اور اس کا دل اللہ سے محبت کرنے والوں کی محبت سے آباد و منور ہے۔ پھر جب رات ہوئی تو مجھے در پردۂ خواب بتایا گیا کہ تیرا نام بھی ان محبین کی فہرست میں شامل کرلیا گیا ہے کیوں کہ انسان اُصولاً اپنے چاہنے والے کے ساتھ ہی ہوا کرتا ہے۔(۱)

بات ایک خدا آگاہ کی

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج بیت اللہ کی نیت سے نکلا۔ راستے میں اچانک ایک نوجوان سے ملاقات ہوگئی، جس کے پاس نہ توشہ تھا نہ توشہ دان اور نہ ہی کوئی سواری۔ علیک سلیک کے بعد میں نے اس سے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟، کہا: اُس کے پاس سے۔

پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ کہا: اُس کی طرف۔

پوچھا: زادِراہ کہاں ہے؟ کہا: اُس کے ذمہ کرم پر۔

---

(۱) شعب الایمان بیہقی: ۲/۳۲ حدیث: ۴۹۱...... تاریخ دمشق: ۵۶/۴۰۱۔

میں نے کہا: راستہ کافی کٹھن ہے یوں اِتنی آسانی سے بلا پانی دانہ تو نہیں کٹ جائے گا!۔ کیا تمہارے پاس کچھ زادِ راہ ہے؟۔ کہا: ہاں۔ پانچ حرفوں کو میں اپنا زادِ راہ بنا کر گھر سے نکلا ہوں۔ پوچھا: یہ پانچ حروف کیا ہیں؟ کہا: کھٰیٰعص۔

میں نے پوچھا: یہ کھٰیٰــــعــــص کا کیا مطلب ہے؟۔ کہا: ک سے مراد کافی۔ ہ سے مراد ہادی۔ ی سے مراد مؤدی (جگہ دینے والا)۔ ع سے مراد عالم۔ اور ص سے مراد صادق ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ جس کا ہم سفر کافی، ہادی، مؤدی، عالم اور صادق ہو، اسے اور کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے!۔ جس کا معاون اتنی خوبیوں کا حامل ہو اُسے نہ تو اپنے ضیاع کا خوف ہوتا ہے اور نہ اسے کسی زادِ راہ کی حاجت ہوتی ہے!۔

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کی یہ تفسیر نفیس سنی تو میں نے وجد میں آ کر اپنی قمیص اُتار کے اسے پہنا دینا چاہی؛ مگر اس نے قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا: اے شیخ! اس فنا کے گھر میں یہ بے لباسی، قمیص سے بہتر ہے۔ یہاں کے حلال پر حساب دینا ہوگا اور یہاں کے حرام پر سزاوارِ سزا ہونا پڑے گا۔ پھر جب رات کی تیرگی چھائی تو اس نے اپنا رُخ آسمان کی سمت اُٹھا کر کہنا شروع کر دیا:

یا من تسره الطاعات و لا تضره المعاصي هب لي ما يسرک و اغفرلي ما لا يضرک .

یعنی اے وہ ذات! نیکیاں جسے بھاتی ہیں اور بدکاریاں جسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ مجھے ایسے امور کی توفیق مرحمت فرما جو تجھے خوش کر سکیں۔ اور میری ان خطاؤں کو درگزر فرما دے جو تجھے کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتیں۔

پھر جب لوگوں نے حج کا اِحرام باندھ کر تلبیہ پڑھنا شروع کیا۔ تو میں نے پوچھا: تم تلبیہ کیوں نہیں پڑھتے؟، کہا: اے شیخ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اِدھر سے تو میں لبیک کہہ کر اپنی حاضری کی یقین دہانی کراؤں اور اُدھر سے جواب آئے کہ لا لبیک۔ جا ہمیں نہ تمہاری حاضری منظور ہے، نہ تمہاری نیکیاں قبول ہیں، اور نہ ہی ہم تمہاری باتیں سنیں گے اور نہ تمہاری طرف تکیں گے۔

حضرت مالک بن دینار کہتے ہیں کہ پھر میں نے وادیِ منی میں اسے اس حال میں دیکھا کہ اس کے لبوں پر یہ کلمات جاری تھے :

اللّٰھم إن الناس ذبحوا و تقربوا إلیک بضحایاھم و ھدایاھم و لیس لي شيء أتقرب به إلیک سوی نفسي فتقبلھا مني ثم شھق شھقة فخر میتا . و إذا قائل یقول: ھٰذا حبیب اللّٰہ ھٰذا قتیل اللّٰہ قتل بسیف اللّٰہ .

یعنی اے پروردگار! لوگ اپنی اپنی قربانیاں پیش کرکے تیرا مقامِ قرب حاصل کررہے ہیں، اور میرے پاس سوائے میری اپنی جان کے اور کوئی چیز نہیں جس کو پیش کرکے میں تیرا تقرب حاصل کرسکوں؛ لہٰذا اِسے میری طرف سے قبول فرمایا۔ اتنا کہہ کر اس نے ایک گہری سانس بھری، ذرا ہچکی سی آئی اور وہیں مردہ لاش بن کر ڈھیر ہوگیا۔ پھر پردۂ غیب سے کسی کہنے والے نے کہا: یہ اللہ کا دوست تھا، اور شمشیرِ قدرت سے قتل ہوا ہے۔

فرماتے ہیں کہ پھر میں نے تجہیز و تکفین کے بعد اس کی تدفین کی اور اس رات اس کے معاملات میں غور وخوض کرتے کرتے وہیں سو رہا۔ خواب میں اس کی زیارت ہوئی تو پوچھا: اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟، کہا: پروردگارِ عالم نے میرے ساتھ کچھ وہی سلوک کیا جس طرح اس نے شہداے بدر کے ساتھ کیا تھا۔ (فرق صرف اتنا تھا کہ) وہ کفار کی تلواروں سے شہید ہوئے تھے اور میں جبار کی تلوار سے۔(۱)

گناہوں کی شامت

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ مجھے خبر ہوئی ہے کہ ایک نوجوان نے کبھی کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا تھا؛ چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ نہر کے پاس غسل کرنے کے لیے پہنچا تو اسے وہ سابقہ گناہ یاد آ گیا۔ تھوڑی دیر وہ وہیں مارے شرم کے ٹھہرا رہا، اور نہانے کا اِرادہ ترک کردیا۔

(۱) تفسیر روح البیان:۹۳/۴......المستطرف فی کل فن مستظرف:۱۵۶/۱۔

پھر جب وہ وہاں سے لوٹنے لگا تو نہر نے بزبانِ انسان اس سے کہا :

یا عاص لو دنوت مني لغرقتک . (۱)

یعنی اے خاطی و بدکار انسان ! (اچھا ہوا کہ) تو میرے قریب نہیں آیا؛ ورنہ میں تجھے غرق ہی کر دیتی۔

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حضرت مالک بن دینار سے حکایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے بصرہ میں کچھ لوگوں کو جنازہ لے جاتے ہوئے دیکھا؛ مگر اس جنازہ کی مشایعت میں چلنے والا کوئی نہ تھا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو بتا چلا کہ وہ بڑا پاپی اور گنہ گار شخص تھا۔

کہتے ہیں کہ میں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اسے قبر میں اُتارا اور وہیں ایک سائے کی آڑ لے کر سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دو فرشتے آسمان سے اُترے، اس کی قبر کو شق کیا، ان میں سے ایک اس کے پاس گیا اور دوسرے سے کہا کہ اسے جہنمیوں میں سے لکھ لو؛ کیوں کہ اس کے جسم کا انگ انگ گناہوں سے آلودہ معلوم ہو رہا ہے۔

دوسرے نے کہا: فیصلہ لینے میں اتنی جلدی نہ کرو، ذرا اُس کی آنکھوں کا جائزہ لو۔ کہا: میں نے ان کا جائزہ لے لیا ہے، ان آنکھوں نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں ہے۔ کہا: اس کے کانوں کا جائزہ لو۔ بولا: ان کا بھی جائزہ لے لیا ہے، ان کانوں نے تاحیات بے حیائیوں اور برائیوں کے علاوہ کچھ سنا ہی نہیں ہے۔

کہا: اس کی زبان کا جائزہ لو۔ بولا: اس کی بھی جانچ کر لی ہے، اس زبان نے زندگی بھر ارتکاب معاصی اور غلط بیانی کے علاوہ کچھ کیا ہی نہیں ہے۔ کہا: اس کے ہاتھوں کا جائزہ لو۔ بولا: ان کا بھی امتحان لے لیا ہے۔ یہ ہاتھ ہمیشہ حرام خوری اور شہوت و ہوس کے پجاری

(۱) التوبہ ابن ابی الدنیا: ۲۹۲/۱ حدیث: ۱۶۴۔

بنے رہے۔ کہا: اس کے پاؤں کا جائزہ لو۔ بولا: ان کی بھی خبر لے لی ہے، ان پاؤں نے بھی ناپاکیوں اور غلاظتوں میں دندناتے پھرنے کے اور کچھ نہ کیا ہے۔

کہا: ابھی بھی کسی عجلت سے کام لینے کی ضرورت نہیں، ذرا ہٹو میں اس کی قبر میں اُتر کر دیکھتا ہوں؛ چنانچہ وہ دوسرا فرشتہ قبر میں اُترا اور تھوڑی دیر اس کے پاس کھڑا رہا، اور کہا: میرے دوست میں نے اس کے دل کا جائزہ لیا تو اسے دولتِ ایمان سے بھرپور پایا ہے؛ لہٰذا بس اسی باعث اسے نیکوں اور پکے ازمرحومین میں شامل کرلو؛ چنانچہ ایمان کی اس حلاوت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اس پر اتنا فضل فرمایا کہ اس کی زندگی کے سارے جرم و خطا معاف فرمادیے۔(۱)

ایک سیاہ فام نوجوان

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بصرہ کے اندر بارش ہونا بند ہوگئی۔ ہم نے یکے بعد دیگرے کئی دن نمازِ استسقا وغیرہ پڑھی مگر کہیں سے بارش کے آثار نہیں دکھائی پڑے؛ لہٰذا ایک دن حضرات عطا سلیمی، ثابت بنانی، محمد بن واسع، حبیب فارسی، صالح مری اور کچھ دوسرے شیوخِ وقت کی معیت میں ہم نکلے اور بصرہ کی عیدگاہ میں جاکر نمازِ استسقا پڑھی اور خوب دعاے باراں کی؛ مگر پھر بھی اَبر بارندہ کی مہربانیوں سے ہم محروم رہے۔

دیگر حضرات تو لوٹ کر چلے گئے؛ مگر میں اور ثابت بنانی وہیں عیدگاہ میں رُکے رہے۔ جب رات کی سیاہی چھائی، تو بڑے پیٹوں والا ایک سیاہ فام نوجوان شخص موٹی چادر اوڑھے ہوئے آیا، جلدی میں پانی لے کر وضو کیا اور مختصراً دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنی نگاہیں آسمان کی طرف بلند کرکے کہنے لگا: مولا! تو اپنے بندوں کو کب تک تڑپائے گا؟ اگر تیرے پاس بارش ہے تو اسے ہم پر اُتار۔ مولا! تجھے مجھ سے محبت فرمانے کی قسم! اب وہ گھڑی آگئی ہے کہ ہم پر بارانِ رحمت کا نزول ہو۔

(۱) تفسیر روح البیان، اسمٰعیل حقی: ۳۱/۴۔

فرماتے ہیں کہ ابھی اس کی بات مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ہرطرف سے گھنگھور گھٹائیں چھائیں، اور موسلادھار بارش شروع ہوگئی اور آب باراں ہم تک پہنچ آیا۔ یہ دیکھ کر ہم ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ اور اس سیاہ فام کے پاس پہنچے...... ہمیں دیکھ کر اس نے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی۔ ہم نے کہا: اللہ کے بندے! ذرا رکو۔ تو وہ کہنے لگا میں غلام ہوں اور اپنے چھوٹے آقا کی طاعت مجھ پر فرض ہے، یہ کہتے ہوئے وہ نحاس کے گھر میں جا گھسا۔

ہم سرِ صبح نحاس کے پاس آئے اور پوچھا: تمہارے پاس خدمت کے لیے کوئی غلام ہے؟، کہا: ہاں میرے پاس تو سینکڑوں غلام ہیں، دیکھ لو کون سا پسند ہے؛ چنانچہ ہم یکے بعد دیگرے سارے غلاموں کا جائزہ لیتے رہے اور کہتے رہے یہ نہیں یہ نہیں۔ میں نے پوچھا: اس کے علاوہ بھی غلام ہیں؟، کہا: ہاں، ایک اور ہے۔ جب ہم گئے تو دیکھا کہ وہی سیاہ فام اپنے بوسیدہ کٹیا میں کھڑا (محوِ عبادت) ہے۔ میں نے کہا: مجھے اسی کی تلاش تھی۔ کہا: یہ تو بالکل بے کار غلام ہے۔ ہمہ وقت روتا رہتا ہے، یہ آپ کی خدمت کیا کرے گا۔ کہا: اسی مقصد کے لیے تو میں اسے خرید رہا ہوں۔ کہا: پھر اسے من چاہی قیمت پر لے لو؛ مگر مجھے اس کے عیوب سے بری رکھنا؛ چنانچہ میں نے بیس دینار دے کر اُسے خرید لیا۔

جب ہم وہاں سے نکلے تو وہ کہنے لگا: آقا! آپ نے مجھے کیوں خریدا؟، میں نے کہا: تاکہ ہم تمہاری خدمت کرسکیں۔ پوچھا: مگر ایسا کیوں کریں گے؟، (کیا کہیں آقا بھی غلام کی خدمت کرتا ہے) کہا: کیا گزشتہ شب عیدگاہ میں تم ہمارے ساتھ نہ تھے؟، کہتے ہیں کہ جیسے ہی اس نے یہ سنا دوڑتا ہوا قریب کی ایک مسجد میں جا گھسا، دو رکعت نماز اَدا کی اور پھر دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے: اے پروردگار! میرے اور تیرے درمیان جو رازہائے سربستہ تھے وہ آج مخلوق کے سامنے فاش ہوگئے ہیں۔ مجھے تیری قسم! ابھی میری روح قبض کرلے۔ اتنا کہتے ہی اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ اور اس کی تکفین وتدفین عمل میں آئی۔

(حضرت مالک بن دینار) فرماتے ہیں کہ ہم آج تک اس کی قبر سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور قحط سالی میں بارش کی دعائیں کرکے فیض یاب ہوتے ہیں۔(۱)

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۱/۴۰۱...... المستطرف فی کل فن مستظرف: ۱/۱۵۰۔

خوفِ خدا نے زندگی کا دھارا بدل دیا

شہر بصرہ میں ایک متمول گھرانے کا خوش رو نوجوان تھا، زرق برق لباس، کھیل کود اور خوشحال زندگی۔ حضرت مالک بن دینار کو وہ ایک روز بصرہ سے دور کسی مقام پر مصروفِ آہ و بکا ملا، اشکوں کے موتی اس کی آنکھوں سے ڈھلک کر اس کے دامن کو بھگو رہے تھے۔ حضرت مالک بن دینار نے اسے پہلے خوشحال اور توانائی میں دیکھا تھا، اب اِس کیفیت میں پاکر مشکل سے پہچان سکے۔ اس کی یہ حالت زار دیکھ کر آپ کی آنکھیں بھی اشک بار ہوگئیں۔ نوجوان نے حضرت مالک بن دینار سے گزارش کی :

آپ اپنے اوقاتِ خاص میں میرے لیے دعا کیجیے گا اور رب تعالیٰ سے میری توبہ اور بخشش مانگیے گا، میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ کی دعا کی برکت سے غفار وستار پروردگار مجھے معاف فرمادے گا۔ پھر اس نے کچھ دردانگیز اشعار پڑھے۔

اسی سال حج کے موقع پر حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران دیکھا کہ حجاج کے اِزدحام میں کوئی زار و قطار رو رہا ہے جس کی وجہ سے طواف کرنے والے رک رک جاتے ہیں۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو وہی بصری نوجوان تھا۔ حضرت مالک بن دینار، مطاف میں اس نوجوان کو پاکر بہت خوش ہوئے، سلام کر کے قریب گئے اور کہا: پروردگار عالم کا شکر ہے کہ اس نے تیرے خوف کو امن سے بدل دیا اور تیری آرزو برآئی۔ اے نوجوان! اللہ واسطے اب تو مجھے بتا کہ تیرا حال کیا ہے؟۔

نوجوان نے کہا: رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے اس نے مجھے بلایا، میں چلا آیا اور پھر میں نے جو طلب کیا اس نے مجھے عطا کیا۔ حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں ابھی طواف ہی میں مصروف تھا کہ وہ چلا گیا اس کے بعد نہ میں اس سے ملا اور نہ اس کی کوئی خبر پائی۔(۱)

(۱) روض الریاحین: ۱۰۶ تا ۱۰۷، بحوالہ بزم اولیاء: ۱۸۱ تا ۱۸۲۔

اِسے کفن کون دے گا......!

حضرت ابوعبداللہ علیہ الرحمہ ایک مسجد میں موذن تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ میرا ایک نوجوان پڑوسی تھا جیسے ہی میں اَذان دیتا وہ فوراً مسجد میں آجاتا اور ہر نماز میرے ساتھ باجماعت اَدا کرتا۔ نماز کے فوراً بعد جوتے پہنتا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوجاتا۔ میری یہ خواہش تھی کہ اے کاش! یہ نوجوان مجھ سے گفتگو کرے یا مجھ سے اپنی کوئی حاجت طلب کرے۔ پھر ایک دن وہ نوجوان میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبداللہ! کیا تم مجھے کچھ دیر کے لیے عاریۃً قرآن پاک دے سکتے ہو؛ تاکہ میں تلاوت کرسکوں؟۔

میں نے اسے قرآن کریم دے دیا۔ اس نے قرآن حکیم کو اپنے سینے سے لگایا اور کہنے لگا: آج ہمیں ضرور کوئی عظیم واقعہ پیش آنے والا ہے۔ یہ کہہ کر وہ نوجوان اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا اور سارا دن مجھے نظر نہ آیا۔ میں نے مغرب کی اَذان دی اور نماز پڑھی؛ لیکن وہ نوجوان نہ آیا، پھر عشا کی نماز میں بھی وہ نہ آیا تو مجھے بڑی تشویش ہوئی۔

نماز کے فوراً بعد میں اس کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس نوجوان کی میت وہاں موجود ہے، اور ایک طرف بالٹی اور لوٹا پڑا ہوا ہے، اور قرآن پاک اس نوجوان کی گود میں ہے۔ میں نے قرآن پاک اُٹھایا اور لوگوں کو اس کی موت کی خبر دی اور پھر ہم نے اسے اٹھا کر چارپائی پر رکھا۔

میں ساری رات یہ سوچتا رہا کہ اس کا کفن کس سے مانگوں؟ اور اسے کفن کون دے گا؟۔ جب نمازِ فجر کا وقت ہوا تو میں نے اَذان دی اور پھر جیسے ہی مسجد میں داخل ہوا تو مجھے محراب میں ایک نور سا نظر آیا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک کفن وہاں پڑا ہوا ہے۔ میں نے اسے اُٹھایا اور اپنے گھر رکھ آیا اور اللہ رب العزت کا شکر اَدا کیا کہ اس نے کفن کا مسئلہ حل فرمادیا۔ پھر میں نے نمازِ فجر پڑھنا شروع کی، جب سلام پھیرا تو دیکھا کہ میری دائیں طرف حضرت ثابت بنانی، حضرت مالک بن دینار، حضرت حبیب فارسی اور حضرت صالح المری موجود ہیں۔

میں نے ان سے پوچھا: اے میرے بھائیو! آج صبح صبح آپ لوگ یہاں کیسے تشریف لائے، خیریت تو ہے؟۔ وہ فرمانے لگے: کیا تمہارے پڑوس میں آج رات کسی کا انتقال نہیں ہوا ہے؟۔ میں نے کہا: جی ہاں! ایک نوجوان کا انتقال ہوا ہے جو میرے ساتھ ہی نماز پڑھا کرتا تھا۔ انھوں نے فرمایا: ہمیں اس کے پاس لے چلو۔

میں انھیں لے کر اس نوجوان کے گھر پہنچا تو حضرت مالک بن دینار نے اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور اس کے سجدے والی جگہ کو بوسہ دینے لگے، پھر فرمایا: اے حجاج! میرے ماں باپ تجھ پر قربان! جہاں بھی تیرا حال لوگوں پر ظاہر ہوا تو نے اس جگہ کو چھوڑ دیا اور ایسی جگہ سکونت اختیار کر لی جہاں کوئی تجھے جاننے والا نہ تھا۔

اس کے بعد ان بزرگوں نے اس نوجوان کو غسل دینا شروع کیا۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک کفن تھا۔ ہر ایک یہی کہنے لگا: اس نوجوان کو میں کفن دوں گا۔ جب معاملہ طول پکڑ گیا تو میں نے ان سے کہا: میں ساری رات اسی پریشانی میں رہا کہ اس نوجوان کو کفن کون دے گا، پھر جب صبح، میں مسجد میں آیا اور اَذان دینے کے بعد نماز پڑھنے لگا تو سامنے محراب میں مجھے یہ کفن نظر آیا۔ میں نہیں جانتا کہ کس نے یہ کفن وہاں رکھا تھا!۔

یہ سن کر سبھی کہنے لگے: اس نوجوان کو یہی کفن دیا جائے گا۔ پھر ہم نے اس کی اسی میں تجہیز وتکفین کر دی اور اسے لے کر قبرستان کی طرف چل دیے۔ اس نوجوان کے جنازے میں اتنے لوگ شریک ہوئے کہ ہمیں کندھا دینے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ خدا معلوم اتنے زیادہ لوگ کہاں سے اس نوجوان کے جنازے میں شرکت کے لیے آگئے تھے!۔(۱)

شہنشاہِ وقت کے روبرو تبلیغ

حضرت خالد بن صفوان علیہ الرحمہ (م۱۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ (یمن کے گورنر) یوسف بن عمر نے مجھے عراق کے ایک وفد کے ساتھ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۹۷، ۹۸۔

بھیجا۔ جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک اپنے لاؤلشکر، اہل وعیال اور خدم وحشم کے ساتھ سیر وسیاحت کے لیے روانہ ہورہا ہے؛ چنانچہ میں بھی اس سفر میں لشکر کے ساتھ شامل ہوگیا۔

خلیفہ نے ایک ایسی وادی میں لشکر کے پڑاؤ کا حکم دیا جو نہایت وسیع وعریض، خوبصورت اور صاف ستھری تھی۔ موسم بہار میں وہاں کئی بارشیں ہوچکی تھیں جس کی وجہ سے وادی پھولوں اور مختلف قسم کے نباتات سے آراستہ وپیراستہ تھی۔

وہ وادی ایسی دیدہ زیب اور دل فریب تھی کہ اسے دیکھتے ہی وہاں قیام کرنے کو جی چاہتا تھا، اور ویسے بھی وہ ہر اعتبار سے قیام کے لیے موزوں تھی۔ وہاں کی مٹی ایسی تھی جیسے کافور کی ڈلیاں۔ اور وہاں کے ڈھیلے ایسے صاف وشفاف کہ اگر انھیں اٹھا کر پھینکا جائے تو ہاتھ بالکل گرد آلود نہ ہوں۔ وہاں خلیفہ کے لیے وہ ریشمی خیمے نصب کیے گئے جنھیں یوسف بن عمر نے یمن سے بھجوایا تھا، پھر ان خیموں میں سرخ ریشم کے چار بستر لگائے گئے اور ایسے ہی سرخ ریشمی تکیے ان پر رکھے گئے۔

تمام انتظامات کے بعد جب محفل سج گئی اور تمام لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو میں نے سر اٹھا کر خلیفہ کی طرف دیکھا۔ اس کی نظر بھی مجھ پر پڑگئی۔ اس کے دیکھنے کا انداز ایسا تھا گویا وہ کہہ رہا ہو: بولو! کیا بولنا چاہتے ہو؟۔

میں نے کہا: اے امیر المومنین! خدا آپ کو خوش رکھے، اپنی بے پایاں نعمتوں سے بہرہ یاب فرمائے، اُمورِ خلافت میں آپ کو جادۂ مستقیم پر گامزن رکھے۔ اور آپ کا انجام ایسا فرمائے جو قابل تعریف ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ نعمتیں آپ کو اس لیے دی ہیں تاکہ آپ ان کے ذریعہ تقویٰ اختیار کریں۔ خداوند قدوس نے آپ کو بکثرت پاکیزہ عنایات سے نوازا ہے، اور آپ کو ایسی نعمتیں عطا کی ہیں جن میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں غم کا دور دور تک کوئی سایہ نہیں۔

آپ مسلمانوں کے لیے ایک قابل اعتماد خلیفہ ہیں، اور آپ ان کے لیے خوشی اور سرور کا باعث ہیں۔ جب انھیں کوئی مصیبت درپیش ہوتی ہے تو وہ آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں

اور ہر مشکل کے وقت آپ ان کے لیے جاے پناہ ہیں۔

اے امیر المومنین! اللہ عزوجل مجھے آپ پر فدا کرے۔ جب مجھے آپ کی ہم نشینی اور زیارت کا موقع مل ہی گیا ہے تو اب میرا حق بنتا ہے کہ خداے تعالیٰ نے آپ پر جو نعمتیں نچھاور فرمائی ہیں اور جو جو کمالات عطا کیے ہیں، میں آپ کو ان کی یاددہانی کراؤں اور آپ کو ان نعمتوں پر شکر کرنے کی ترغیب دلاؤں، جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ میں آپ کو سابقہ بادشاہوں کے قصے سناؤں۔ کیا آپ کی طرف سے مجھے اس بات کی اِجازت ہے؟۔

یہ سن کر خلیفہ ہشام بن عبدالملک سیدھا ہوگیا، سب تکیے ایک طرف رکھ دیے اور کہا: اب مجھے شوق سے پہلے بادشاہوں کے حالات بتاؤ۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! سابقہ بادشاہوں میں ایک بادشاہ تھا۔ وہ بھی ایک مرتبہ سیر و سیاحت کے لیے بالکل ایسے ہی موسم میں نکلا، اُس سال بھی خوب بارشیں ہوئی تھیں۔ زمین پھولوں اور نباتات سے مزین ہوگئی تھی۔ جب اس بادشاہ نے ان تمام نعمتوں، اپنے مال و متاع، خدام اور لشکر کی طرف نظر کی تو بڑے فخریہ اَنداز میں کہنے لگا: جیسی نعمتیں میرے پاس ہیں کیا کسی اور کو بھی ایسی عظیم الشان نعمتیں کبھی ملی ہیں؟۔

اس وقت اس کے لشکر میں ایک حق مردِ مجاہد بھی موجود تھا۔ اس کو بادشاہ کا یہ متکبرانہ جملہ ایک نہ بھایا اور اس نے بڑے دلیرانہ انداز میں کہا: اے شاہِ ذی جاہ! آپ نے ایک بہت بڑے اَمر کے متعلق سوال کر دیا ہے، اگر اِجازت ہو تو میں اس کا جواب دوں؟۔

بادشاہ نے کہا: ہاں! کہو تمہیں اس کی اجازت دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس مردِ مجاہد نوجوان نے کہا: اے بادشاہ! یہ جو نعمتیں آپ کے پاس موجود ہیں۔ کیا یہ تمام کی تمام ہمیشہ آپ کے پاس رہیں گی؟ کیا ان میں کمی واقع نہ ہوگی؟ کیا یہ آپ تک بطورِ میراث نہیں پہنچیں؟ کیا یہ آپ سے زائل ہو کر پھر آپ کے بعد والوں تک منتقل نہ ہو جائیں گی؟۔ جب بادشاہ نے اس باہمت مخلص نوجوان کی حقیقت پر مبنی گفتگو سنی تو کہنے لگا: اے نوجوان! تو نے جو باتیں کیں وہ بالکل برحق ہیں؛ کیوں کہ ان نعمتوں میں کمی بھی ہو جائے گی، اور جس طرح یہ مجھے میراث میں ملی ہیں، اسی طرح میرے مرنے کے بعد میرے وارثین کو مل جائیں گی۔

یہ سن کر اس باہمت نوجوان نے کہا: بادشاہ والا جاہ! جب یہ سب باتیں حق ہیں تو پھر ان معمولی نعمتوں پر فخر کرنا ایک تعجب خیز بات نہیں!۔اے بادشاہ! یہ نعمتیں آپ کے پاس بہت کم عرصہ رہیں گی، اور جب آپ اس دنیا سے جائیں گے تو خالی ہاتھ ہی لوٹیں گے۔اور کل بروزِ قیامت آپ سے ان تمام نعمتوں کا پائی پائی حساب لیا جائے گا۔اور یہ ایک انتہائی سخت اَمر ہے؛ ان سارے حقائق کے باوجود آپ کا دل اس دنیاے فانی میں کیوں کر لگا ہوا ہے؟۔

نوجوان کی یہ خلوص آگیں باتیں بادشاہ کے دل میں تاثیر کا تیر بن کر پیوست ہوگئیں۔اس کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ ہٹ گیا، اور اس نے بے چین ہوکر کہا: اے نوجوان! پھر تم ہی بتاؤ کہ میں اِن مصائب سے نجات پا کر کس طرح اپنے مقصدِ اصلی تک پہنچ سکتا ہوں؟۔

اس پر اس خیرخواہ نوجوان نے کہا: بادشاہ سلامت! آپ کی نجات کے دو راستے ہیں: ایک تو یہ کہ آپ اپنی بادشاہت کو قائم رکھیں۔اور ہر حال میں اللہ کی طاعت کریں، تمام فیصلے شریعت کے مطابق سرانجام دیں، عدل وانصاف سے کام لیں، خوشی وغمی، اور تنگی وفراخی ہر حال میں آپ کی جبین نیاز اپنے رب کے حضور خم ہو۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ تاج وتخت چھوڑ کر درویشی کا لباس اختیار کرلیں اور کسی پہاڑ کے دامن میں گوشہ نشین ہوکر اپنے پاک پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوجائیں۔آپ کی نجات کا ان کے علاوہ مجھے کوئی اور راستہ نظر نہیں آرہا؛ لہٰذا ان دو میں سے آپ جس کو چاہیں اختیار کرلیں۔

بادشاہ نے کہا: اے نوجوان! کل میرے پاس آنا، آج رات میں غور کروں گا کہ مجھے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔اگر میں نے بادشاہت والا راستہ اختیار کیا تو میں تجھے اپنا وزیر بنالوں گا، اور ہر معاملے میں تیری اطاعت کروں، کبھی بھی حکم عدولی سے کام نہ لوں گا۔اور اگر بادشاہت چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کروں گا تو تم میرے ساتھ رفیق بن کر رہنا۔میں تمہاری ہر بات مانوں گا۔اتنا کہنے کے بعد بادشاہ اپنے خیمے کی طرف چلا گیا۔

صبح کے وقت جب وہ مخلص نوجوان بادشاہ کے پاس گیا تو اس نے دیکھا کہ بادشاہ نے تاجِ شاہی اور لباسِ خسروانہ اُتار کر فقیروں والا لباس پہن رکھا ہے۔اب اس بادشاہ نے پختہ

اِرادہ کرلیا تھا کہ خلوت میں رہ کر اپنے رب ذوالجلال کی عبادت کرے گا؛ چنانچہ وہ تاج وتخت اور دنیا کی رنگینیوں کو چھوڑ کر اس مخلص نوجوان کے ساتھ جنگل کی طرف چلا گیا۔ اور وہ دونوں آخری وقت تک وہیں ایک پہاڑ پر اپنے خالق حقیقی کی عبادت میں مشغول رہے۔

حضرت خالد بن صفوان علیہ الرحمہ کی زبانی خورنق کے بادشاہ کا واقعہ سن کر خلیفہ ہشام بن عبدالملک زاروقطار رونے لگا، اور اتنا رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، اور اس کا عمامہ بھی اشکوں سے بھیگ گیا۔ پھر خلیفہ نے حکم دیا: تمام خیمے اکھاڑ دیے جائیں اور تمام بستر اُٹھالیے جائیں اور تمام لشکر فوراً محل کی طرف روانہ ہوجائے۔

چنانچہ خلیفہ اپنے سارے لشکر کو لے کر روتا ہوا محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے (تمام امورِ مملکت اپنے بھائیوں کے سپرد کیے اور خود) محل کا ایک کونہ سنبھال لیا، اور تمام دنیاوی آسائشوں کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی کی عبادت میں مشغول ہوگیا۔ جب اس کے اہل خانہ اور خدام وغیرہ نے خلیفہ کی یہ حالت دیکھی تو وہ سب کے سب حضرت خالد بن صفوان کے پاس آئے اور کہنے لگے: اللہ کے بندے! آپ نے امیر المومنین کی کیا حالت کردی ہے!۔ آپ نے اس کے سارے مزے پر پانی پھیر دیا، اور آپ کی باتیں سن کر اس نے سیر وسیاحت بھی ترک کردی ہے؟۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا: تم سب مجھ سے دور ہوجاؤ۔ بے شک میں نے اپنے پروردگار سے وعدہ کیا ہے کہ جب بھی میں کسی بادشاہ سے ملوں گا تو اسے نیکی کی دعوت ضرور دوں گا اور بری باتوں سے منع کروں گا، نیز اسے اللہ کی یاد دلاؤں گا، اور مجھے خوشی ہے کہ میں اپنا کام کر چلا ہوں۔(۱)

حقیقی مردِ مومن

ملک شام کے اس پاکیزہ فطرت نوجوان کے دل میں یہ سوچ پیدا ہوئی کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لانے اور ارکانِ اسلام پر عمل کرنے سے جنت مل سکتی ہے؛ لیکن اس طرح کے بارِ شریعت کو اُٹھا کر جنت کی طرف سفر کرنا خاص کٹھن معاملہ

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۶۴ تا ۶۶۔

ہے، اور کتنے سارے مسلمان ہیں جو اس بارِ شریعت کو اُٹھا کر جنت کا طویل راستہ طے نہیں کر پا رہے، اور ہمت ہار کر فسق وفجور کی راہ پر چل رہے ہیں؛ لہٰذا کوئی ایسا عمل کیوں نہ اختیار کیا جائے جو عند اللہ مقبول بھی ہو اور اس کے ذریعہ جنت کی طرف جانے والا سالہا سال کا طویل سفر مہینوں میں اور مہینوں کا سفر ہفتوں میں اور ہفتوں کا سفر دنوں میں طے ہو جائے۔

تو اس کے جی میں آیا کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک ایسا عمل ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بہت ہی پیارا ہے، اور زندگی بھر بلا ناغہ مسلسل نمازیں پڑھتے رہنا اور روزے سے رہنا اس کے پل برابر نہیں ہو سکتا، اور اس کے ذریعہ طویل سفر سمٹ سکتا ہے اور انسان بڑی آسانی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاتا ہے؛ چنانچہ اس نے یہ سوچ کر اپنی وفادار بیوی اور ننھے منے بچوں کو والدین کے ہاں اللہ کے سپرد کیا اور ہتھیار زیب تن کر کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، اور معسکر میں پہنچ گیا اور وہاں سے جنگ پر جانے والے جہادی قافلے میں شریک ہو گیا۔

یہ جہادی قافلہ شام کے سرسبز کھیتوں اور ہرے بھرے باغوں، طویل نہروں اور وسیع وعریض مرغزاروں، فلک بوس پہاڑوں اور ان کے دامن میں بہتی ہوئی آبشاروں سے گزرتا ہوا فارس وخراسان کے محاذوں پر پہنچ گیا اور جنگوں میں مصروف ہو گیا۔

اس نوجوان نے محاذِ جنگ پر شجاعت کے جوہر دکھائے اور اللہ کی نصرت وتائید اور کفار کی ہزیمت اور شکست کے چشم دید مظاہرے دیکھے۔ اسے وہاں ایک عجیب سماں نظر آیا کہ مجاہدین اسلام دشمن پر حملہ آور ہونے سے قبل ان الفاظ میں دعا کرتے ہیں کہ اے یونس بن عبید جیسے نیکوکاروں کے رب! ہمیں دشمن پر فتح نصیب فرما، پھر وہ دشمن پر یلغار کرتے ہیں تو اللہ ان کی نصرت فرماتا اور انھیں فتح سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ ذرا سوچیں تو سہی کہ اللہ جل مجدہ اپنے یاروں کے دیے ہوئے وسیلے کی کتنی لاج رکھتا ہے!۔

اس نوجوان کے دل میں آیا کہ یونس بن عبید ایسا کون سا بزرگ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نام کی لاج رکھ لیتا ہے اور مسلمانوں کو اس کے طفیل سے فتح عطا فرماتا ہے۔ اچھا اگر اللہ نے شہادت عطا فرمائی فبہا؛ ورنہ اس کی زیارت کی تگ ودو ضرور کروں گا۔

اس دور کے مجاہدین بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ جنگوں کا پانسہ پلٹنے کے لیے اہل اللہ کے وسیلے بہت اہم اور تیر بہدف ذرائع ہیں۔ اور اللہ اپنے نیک بندوں کے وسیلے سے کی گئیں

دعاؤں کو کبھی رد نہیں فرماتا۔

اس شامی نوجوان کے دل میں رہ رہ کر یہ خیال آتا کہ آخر وجہ کیا ہے کہ مجاہدین خصوصی طور پر **اللّٰھم ربَّ یونسَ بن عبیدٍ انصرنا علی عدوِّنا**، کہہ کر فتح کی دعا مانگتے ہیں، پتہ نہیں اس بزرگ کے کس عمل کی بنا پر یہ اللہ سے فتح کی اُمید رکھتے ہیں۔ کاش! اللہ شہادت سے پہلے پہلے اس کی زیارت کرادے۔

خیر! اس عرصہ میں لشکر اسلام مختلف محاذوں پر دادِ شجاعت دیتا رہا اور صداقت اسلام کے جھنڈے گاڑتا رہا آگے بڑھتا رہا اور مفتوحین ان کے عدل وانصاف اور حسن کردار سے متاثر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے رہے، اور اسے مختلف لڑائیوں میں چار چھ ماہ گزر گئے، تو ایک دن اس کے دل میں ننھے منے بچوں، وفادار بیوی، بوڑھے والدین اور جوان بہن بھائیوں سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا تو اس نے امیر لشکر سے واپسی کی رخصت مانگی جو اسے آسانی سے مل گئی، اور یہ محاذ جنگ سے واپس ہوتا ہوا، عراق کے شہر بصرہ میں پہنچ گیا تا کہ وہاں مالِ غنیمت سے ملنے والے طلائی سکوں سے گھر والوں کے لیے اچھا سا تحفہ خرید سکے، اس نے سوچا کہ عورتیں پھولدار ریشمی ملبوسات کی دلدادہ اور شائق ہوتی ہیں؛ اس لیے بصرہ کے بازار سے ریشمی تھان خرید لینا چاہیے۔

چنانچہ یہ تحفہ خریدنے کے ارادے سے بصرہ کے بازاروں میں گھومنے لگا، بازاروں میں بڑی چہل پہل اور رونق تھی، یہ گھومتا پھرتا ایک دوکان کے سامنے جا کھڑا ہوا، اس دکان کا مالک اپنے بھتیجے کو دکان پر بٹھا کر نمازِ باجماعت اَدا کرنے کے لیے مسجد کی طرف جارہا تھا۔

یہ اس دکان میں داخل ہوگیا اور رنگا رنگ کے تھان دیکھنے لگا، ان تھانوں میں سے ایک ریشمی تھان اسے بہت پسند آیا، اس نے بچے سے اس کی قیمت پوچھی تو اس نے چار سو درہم بتائی، اس نے فوراً چار سو درہم اَدا کر دیے، اور تھان لے کر خوشی سے جھومتا ہوا بازار میں چلنے لگا؛ تا کہ کچھ دیگر تحائف خرید کر اپنے ملک کی طرف عازمِ سفر ہو۔

اسے خوشی اس بات کی تھی کہ وہ ملک شام میں فروخت ہونے والے ریشمی تھانوں کے مقابلے میں سو درہم سستا تھا۔ وہ اسی سوچ میں مگن جارہا تھا کہ اچانک اس کا گزر ایک مسجد کے دروازے پر ہوا، اس مسجد میں جماعت ہوچکی تھی، اور لوگ بقیہ نوافل ادا کر کے دکانوں کی طرف واپس جارہے تھے، ان میں سے ایک آدمی اس شامی نوجوان کے پاس آیا اور اس سے پوچھنے

لگا: نوجوان یہ ریشمی تھان کون سی دکان سے خرید کر لے جارہے ہو؟۔

اس نے کہا: بازار کی فلاں دکان سے خرید کر لے جارہا ہوں۔

پوچھا: یہ تھان کتنے میں خریدا ہے؟۔ بولا: چار سو درہموں میں خریدا ہے۔

کہا: آپ یہ سوٹ مہنگا خرید کر لے جارہے ہیں، یہ تھان اتنا قیمتی تو نہیں ہے!۔ بولا: نہیں جناب! یہ مہنگا نہیں بلکہ پورے سو درہم سستا ہے، ہمارے ملک کے بازاروں میں یہ پانچ سو درہموں سے کم میں نہیں ملتا، اور میں تو چار سو درہموں میں خرید کر لے جارہا ہوں۔

نا میرے برادر! اگر تو نے یہ تھان اسی دکان سے خریدا ہے تو یہ چار سو درہم کا نہیں ہے، میرے ساتھ چلو تاکہ اس کی زائد قیمت لوٹائی جاسکے۔

ناصاحب! میں واپس نہیں جاؤں گا۔ میں نے یہ تھان اپنی رضامندی سے مناسب داموں میں خریدا ہے، اور بیچنے والا کوئی نادان بچہ نہیں ہے کہ اس نے مجھے سو درہم سستا فروخت کردیا ہے۔

میرے برادر! تو میرا مسلمان بھائی ہے، اور مجھے تیری خیرخواہی مطلوب ہے۔ میں تیرا بھلا چاہتا ہوں، اور وہ دکان میری ہے، اور جس نے تو نے تھان خریدا ہے وہ میرا بھتیجا ہے۔ میں کوئی بہانہ کرکے تجھ کو واپس دکان پر نہیں لے جارہا کہ وہاں جاکر ساڑھے چار سو یا اس سے زائد درہم وصول کروں، یا تھان واپس لے لوں، میرے ساتھ واپس دکان پر چل، اور کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہ کر۔

یہ شامی نوجوان اس پر اعتبار کرکے اس کے ساتھ چل پڑا، اور اس دکان پر واپس آگیا۔ مالک دکان نے دکان کے اندر داخل ہوکر اپنے بھتیجے سے دریافت کیا: یہ تھان تو نے اسے فروخت کیا ہے؟۔ جی ہاں! میں نے ہی فروخت کیا ہے۔

کتنے میں فروخت کیا ہے؟۔ چار سو درہموں میں۔

تجھے اللہ سے شرم نہ آئی جو تو نے چار سو درہم وصول کرلیے۔ یہ تھان چار سو درہم کا ہے؟ میں تجھے بتا کر نہیں گیا تھا کہ یہ تھان چار چار سو درہم کے ہیں، اور وہ تھان دو دو سو درہم کے ہیں۔ تو تو نے دو سو درہم والا تھان چار سو درہم میں کیوں فروخت کیا؟۔ چچا جان! اس نے تھان

کے دام پوچھے، میں نے چار سو درہم بتائے، جو اس کے وارے میں تھے اور اس نے بخوشی اَدا کردیے۔

اس نے بخوشی ادا کرنے ہی تھے؛ کیوں کہ اس کے شہر میں یہ تھان پانچ سو درہموں میں فروخت ہوتا ہے، اور یہاں اسے چار سو درہموں میں مل رہا تھا؛ لیکن تجھے تو شرم کرنی چاہیے تھی کہ ہماری دکان پر یہ چار سو درہم کا نہیں بلکہ دوسو درہموں کا ہے۔

اے میرے مسافر بھائی! اگر تجھے یہ تھان پسند ہے تو اسے رکھ لے، اور دوسو درہم بھی واپس لے لے؛ ورنہ یہ تھان واپس کر کے کوئی اور تھان پسند کر لے جو واقعی چار سو درہم کا ہو۔

شامی نوجوان نے دوسو درہم واپس لے کر حیرانی کے عالم میں پوچھا: صاحب آپ کا نام کیا ہے؟۔ جواب ملا: میں مسلمانوں میں سے ایک انسان ہوں۔ تجھے نام پوچھ کر کیا کرنا ہے؟۔

صاحب تمہیں اللہ کے مقدس نام کی قسم! مجھے اپنا نام ضرور بتا!۔ میرے بھائی! میرا نام یونس بن عبید ہے، اور میں اس شہر کا عام مسلمان ہوں۔

یہ سن کر شامی نوجوان نے اسے غور سے دیکھا اور کہا اللہ اکبر! آپ ہی ہیں وہ عبد صالح جس کے نام کے حوالے سے ہم دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے یوں دعا کرتے ہیں:

اللّٰھم ربَّ یونسَ بن عبیدٍ انصرنا علی عدوِّنا.

شامی نوجوان کے منہ سے یہ الفاظ سن کر یونس بن عبید (م۱۳۳ھ) حیرت سے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہہ کر اس کا منہ تکتے رہ گئے۔(۱)

ماں! تیری حسنِ تربیت کو سلام

حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ (م۱۳۶ھ) کا شمار اپنے دور کے اکابر فقہا میں ہوتا تھا، مسجد نبوی میں اُن کی خصوصی درسگاہ لگتی اور تابعین کا جم غفیر آپ کو سماعت کرتا۔ آپ

(۱) حلیۃ الاولیاء:۳/۱۵......المنتظم:۲/۴۷۳۔

نے کافی لمبی عمر پائی؛ مگر آپ کی پوری زندگی عبادت وریاضت سے عبارت رہی، رات کا قیام اور شب بیداری آپ کے معمولات میں تھی۔

حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں کہ جب سے ربیعہ کا جنازہ اُٹھا ہے ایسا لگتا ہے فقہ کا مزا جاتا رہا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے بھی ان کے خوانِ علم وفقہ سے کچھ لقمے چنے ہیں۔

اہل مدینہ بیان کرتے ہیں کہ بنوامیہ کے زمانے میں حضرت ربیعہ کے والد ابوعبدالرحمٰن فروخ، خراسان کی کسی جنگ میں لڑنے گئے، اور ربیعہ اس وقت رحم مادر میں تھے۔ جاتے جاتے فروخ اپنی بیوی کو تیس ہزار درہم بھی دیتے گئے کہ نہ معلوم کب تک واپسی ہوگی۔ پھر کوئی ستائیس سال کے بعد مدینہ لوٹ کر آئے، مجاہدانہ شان کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ گھوڑے سے اُترے اور نیزے سے دروازے کو دھکا دیا۔ آواز سن کر ربیعہ باہر نکلے اور کہا: اللہ کے بندے! کیا میرا گھر ڈھانے آئے ہو؟۔ فروخ نے کہا نہیں؛ مگر یہ بتاؤ کہ تم جوان آدمی میرے گھر میں کیا کررہے ہو؟۔

اس بات کو لے کر دونوں جھگڑ پڑے اور ایک دوسرے کو سخت وسست کہنا شروع کردیا، ان کا شورشرابا سن کر پڑوسی جمع ہوگئے۔ حضرت مالک بن انس اور مدینہ کے دیگر بزرگ حضرات بھی آ پہنچے اور ربیعہ کی طرفداری کرنے لگے۔ ربیعہ نے کہا: قسم بخدا! میں تمھیں چھوڑوں گا نہیں، میں یہ قضیہ سلطان کی دہلیز تک پہنچا کر رہوں گا۔ اور فروخ نے کہا: اللہ کی عزت کی قسم! میں بھی تمھیں نہیں چھوڑوں گا اور سلطان کے پاس تمہارا فیصلہ کرواہی کے دم لوں گا کہ تم اِس بھری جوانی میں میرے گھر کے اندر میری بیوی کے پاس کیا کررہے تھے!۔

جب اُن کا مسئلہ سنگین صورت اِختیار کرتا چلا گیا تو حضرت مالک نے فرمایا: اے فروخ! کیا ضروری ہے کہ آپ اسی گھر میں رہیں، مدینہ میں اور بھی بہت سے مکانات ہیں کہیں جا کر آپ پناہ گزیں ہوجائیں۔ یہ سن کر فروخ نے کہا: آپ کیا باتیں کررہے ہیں یہ میرا اپنا گھر ہے، اور میں بنی فلاں کا غلام فروخ ہوں۔

جب ان کی بیوی نے ان کی آواز سنی فوراً باہر آئی اور کہنے لگی: یہ میرے شوہر فروخ ہیں۔

اور یہ ربیعہ اُن کا بیٹا ہے، جہاد میں جاتے وقت اسے میرے شکم میں امانت چھوڑ گئے تھے۔ یہ سن کر دونوں بغل گیر ہو گئے اور دیر تک روتے رہے۔ پھر جب فروخ گھر میں داخل ہوئے تو بیوی سے پوچھا کہ یہی میرا بیٹا ہے؟، کہا: ہاں۔

پوچھا: وہ مال کہاں ہے جو جاتے وقت میں تیرے حوالے کر گیا تھا، اور یہ دیکھو چار ہزار دینار میرے پاس اور ہیں۔ بیوی نے کہا: وہ مال تو میں نے دفن کر دیا ہے، کچھ دنوں بعد نکال کر آپ کے حوالے کر دوں گی۔

حضرت ربیعہ مسجد میں چلے گئے اور اپنی درسگاہ مسجد نبوی میں آراستہ کر دی۔ حضرت مالک بن انس، حسن بن زید، ابن علی لہبی، مساحقی اور مدینہ کی سربرآوردہ ہستیاں ان کے حلقہ درس میں آکر بیٹھ گئیں۔ جب سامعین کا ایک جم غفیر ہو گیا تو ربیعہ کی ماں نے فروخ سے کہا کہ جائیں اور جا کر مسجد نبوی میں نماز پڑھ آئیں۔

چنانچہ فروخ آئے، اور اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگوں کا ایک اُمنڈتا ہوا سیلاب مسجد میں موجود ہے، آپ قریب ہوئے اور اس حلقہ درس کا حصہ بن گئے؛ مگر چوں کہ لوگوں کی اتنی کثرت تھی کہ ربیعہ کو پہچان نہ سکے۔

انھوں نے حیرانگی کے عالم میں پوچھا: یہ درس دینے والے عالم کون ہیں؟۔ لوگوں نے کہا: آپ انھیں نہیں جانتے، حیرت ہے، یہ ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن ہیں۔ کہا: کیا کہتے ہو، یہ میرا اَپنا بیٹا ہے، اللہ نے اسے اتنی عزت و رفعت بخشی ہے۔

خوشی میں جلدی سے گھر آئے اور ربیعہ کی ماں سے کہا: تمہارے بیٹے کو میں نے علم و فقہ کی اس منزل پر فائز پایا جہاں کم ہی لوگ پہنچ پاتے ہیں۔ بیوی نے کہا: اب آپ بتائیں کہ آپ کیا لیں گے۔ وہ تیس ہزار دینار چاہیے، یا ایسا سعادت مند بیٹا۔ کہا: قسم بخدا! مجھے ایسا سعید بیٹا منظور ہے۔ کہا: اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ وہ سارا مال میں نے اس کی حسن تعلیم و تربیت پر خرچ کیا، اس میں سے ایک پائی بھی ضائع ہونے نہیں دیا ہے۔(۱)

(۱) صفۃ الصفوۃ، ابن جوزی: ۲۰۹/۱۔

عبادتِ الٰہی کا منفرد اَنداز

حضرت عطا سلیمی (بعد ۱۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم عتبہ غلام کے ساتھ نکلے۔ ہم میں بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی۔ ان سب کی عبادت و ریاضت کا عالم یہ تھا کہ عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ ان کے پاؤں طولِ قیام کی وجہ سے ورما جاتے تھے۔ ان کی آنکھیں اندر کو دھنس جاتی تھیں۔ ان کی کھالیں ہڈیوں سے چپک جاتی تھیں۔ ان کی رگیں اس طرح سوکھ جاتی تھیں گویا تار ہوں اور ان کا حال یہ ہو جاتا تھا گویا خربوزے کے چھلکے ہوں، جسموں میں جان باقی نہیں رہتی تھی، لگتا تھا ابھی قبروں سے باہر نکلے ہیں۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت گزاروں کو عزت بخشی ہے اور گنہ گاروں کو رُسوا کیا ہے۔

ان ہی بزرگوں میں سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دن کہیں چلا جارہا تھا کہ راستہ میں بے ہوش ہوکر گر پڑا؛ حالاں کہ سردی شدید تھی مگر اس کی پیشانی پسینے سے تر ہورہی تھی، اس کے رفقا یہ حالت دیکھ کر رونے لگے، اس کے چہرے پر پانی وغیرہ ڈالا گیا تو ہوش میں آیا۔ اس کی کیفیت دریافت کی گئی تو اس نے کہا: دراصل مجھے یہ بات یاد آگئی کہ میں نے اس جگہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی۔(۱)

اور دِل کی دنیا بدل گئی

حضرت عتبہ نوجوان تھے اور (توبہ سے پہلے) فسق و فجور اور شراب نوشی میں مشہور تھے۔ ایک دن حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ کی مجلس میں آئے۔ اس وقت حضرت حسن اس آیت کریمہ کی تفسیر فرمارہے تھے:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ٥ (سورۂ حدید:۱۶)

(۱) احیاءعلوم الدین:۱۸۶/۴۔

کیا ایمان والوں کے لیے (ابھی) وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لیے رقت کے ساتھ جھک جائیں۔

آپ نے اس قدر موثر وعظ فرمایا کہ لوگوں پر گریہ طاری ہوگیا۔ ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے نیک آدمی! کیا اللہ تعالیٰ مجھ جیسے فاسق وفاجر کی توبہ قبول کرلے گا اگر میں توبہ کروں۔ شیخ نے فرمایا: تیرے فسق وفجور کے باوجود اللہ تعالیٰ تیری توبہ قبول کرے گا۔ جب عتبہ نے یہ بات سنی تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور سارا بدن کانپنے لگا۔ وہ چلایا اور غش کھا کر گر گیا، اور اس کے ہونٹوں پر یہ اشعار تھے۔

أيا شابا لرب العرش عاصي ☆ أتدري ما جزاء ذوي المعاصي

سعير للعصاة لها زفير ☆ وغيظ يومٍ يؤخذ بالنواصي

فإن تصبر على النيران فاعصه ☆ و إلا كن عن العصيان قاصي

وفيما قد كسبت من الخطايا ☆ رهنت النفس فاجهد في الخلاصِ

یعنی اے مالک عرش کی نافرمانی کرنے والے نوجوان! کیا تجھے کچھ خبر ہے کہ گنہ گاروں کی کیا سزا ہے؟۔

نافرمانوں کے لیے جہنم ہے جس میں گرج ہوگی اور جس دن انھیں ان کی پیشانیوں سے پکڑا جائے گا، اس دن تو غضب ہوجائے گا!۔

تو اگر تجھے اپنے آپ پر صبر کرنے کا یارا ہے تو نافرمانی کر؛ ورنہ اس سے باز آجا۔

تونے گناہ کس لیے کیے ہیں۔ تو نے اپنے آپ کو پھنسا کے رکھ دیا ہے؛ لہٰذا اب نجات اور خلاصی کے لیے جدو جہد کر۔

پھر جب اسے ہوش آیا اور کچھ اِفاقہ ہوا تو کہنے لگا: اے شیخ! کیا مجھ جیسے کمینے کی توبہ بھی رب کریم قبول فرمالے گا۔ شیخ نے فرمایا: کم نصیب بندے کی توبہ اور معافی رب تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ پھر حضرت عتبہ نے سر اُٹھایا اور تین دعائیں کیں۔

☆ اے میرے پروردگار! اگر تو نے میری توبہ قبول کرلی اور میرے گناہ معاف فرمادیے تو

مجھے فہم و یادداشت عطا کر، مجھے عزت عطا فرما کہ علوم دین اور قرآن کریم سے جو کچھ سنوں حفظ کرلوں۔

☆ اے اللہ! مجھے حسن آواز کا اِعزاز عطا فرما کہ جو بھی میری قراءت سنے، اگر وہ سنگدل بھی ہو تو اُس کا دل نرم ہو جائے۔

☆ اے میرے مالک و مولا! رزقِ حلال عطا کر، اور مجھے وہاں سے روزی عطا فرما کہ مجھے اس کا گمان بھی نہ ہو۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی تمام دعائیں قبول کرلیں۔ ان کا فہم تیز ہوگیا۔ جب بھی وہ قرآن کی تلاوت کرتے تو ہر سننے والا بےخود ہوکر تائب ہو جاتا۔ ان کے گھر روزانہ سالن کا ایک پیالہ اور دو روٹیاں رکھی ہوتیں اور پتا نہیں چلتا تھا کہ کون رکھ جاتا ہے۔ اور پھر اسی حالت میں اُن کا انتقال ہوگیا۔(۱)

آم تو آم گٹھلیوں کے دام

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ (م۱۵۰ھ) کی خدمت میں ایک نوجوان حاضر ہوا، اور عرض کرنے لگا: حضور! مجھے دو اچھے کپڑوں کی ضرورت ہے۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ آپ میرے ساتھ اِحسان فرماتے ہوئے از روے مروّت و ہمدردی میری مدد فرماتے!، مجھے نکاح اور شادی کا مسئلہ درپیش ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر اچھا جوڑا پہن لوں تاکہ سسرال میں کچھ عزت بن سکے۔

امام اعظم نے فرمایا: بھائی دو ہفتے صبر کرو؛ چنانچہ دو ہفتوں کے بعد جب وہ شخص دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو امام اعظم نے اس نوجوان کو دو قیمتی کپڑے عنایت فرمائے، جن کی قیمت اس زمانے میں بیس دینار کے قریب پہنچتی تھی، نیز آپ نے اس کے ساتھ ایک دینار نقد رقم کا عطیہ بھی اُسے مرحمت فرمایا۔ نوجوان خلافِ توقع اس قدر قیمتی سوغات اور نقدی کو دیکھ کر ششدر رہ

(۱) مکاشفۃ القلوب: ۲۸ تا ۲۹۔

گیا۔ امام اعظم نے اس کی حیرت کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا: یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ تو تمہاری اپنی رقم ہے، اور تمہارا اپنا مال ہے!۔

دراصل ہوا یوں کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ سامان تمہارے نام سے اپنے سامانِ تجارت میں بغداد بھیج دیا تھا۔ وہ سب فروخت ہوگیا جس کے منافع میں آپ کے لیے یہ بیس دینار کے دو کپڑے لے لیے گئے، اور ایک دینار کے رقم کی نقدی بھی بچ گئی اور مجھے اپنا اصل رأس المال بھی واپس موصول ہو گیا ہے۔ تو اب اگر آپ اسے قبول کرلیں گے فبہا؛ ورنہ میں ان کپڑوں کو بیچ دوں گا اور ان کی رقم اور یہ ایک دینار تمہاری طرف سے صدقہ کردوں گا۔(۱)

میخانے سے عبادت خانے تک

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں نے ایک نوجوان شرابی کا دلچسپ قصہ عام طور پر یوں نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا ایک پڑوسی تھا جو شراب کا بڑا رسیا تھا اور پیشے کے اعتبار سے موچی تھا۔ دن بھر بازار میں کام کرتا، جوتے بناتا اور گانٹھتا۔ پھر سرِشام جب کام سے فارغ ہوتا تو اپنی موٹی گاڑھی کمائی سے پینے پلانے کا سامان اور شراب و کباب لے کر گھر آتا۔ محفل جماتا، دوستوں کو بھی مدعو کرتا، اور پھر رات بھر نشے کی حالت میں خوب اودھم مچاتا۔

راوی کا بیان ہے کہ ہم نے اس کے پڑوس میں ہونے کی وجہ سے اس کے بہت سے خرافات و واہیات سنے اور نشے کی حالت میں وہ یہ شعر کثرت سے پڑھا کرتا تھا جو بار بار سن کر تقریباً سبھوں کو یاد ہو گیا تھا۔

أضاعوني و أيَّ فتى أضاعوا ☆ ليومِ كـــريهةٍ وسدادِ ثغر

یعنی لوگوں نے مجھے ضائع کردیا اور کتنے بڑے باکمال نوجوان کو ضائع کردیا۔ جو جنگ کے دنوں اور کٹھن حالات میں اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت میں کام آسکتا تھا!۔

امام ابوحنیفہ اسے بار بار سمجھاتے، نصیحت فرماتے؛ مگر وہ ان حرکتوں سے باز نہ آتا۔ محلّہ

(۱) عقود الجمان: ۲۳۸......مناقب موفق: ۲۴۱۔

والے بھی اس کی ان ہنگامہ آرائیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ شاید کسی نے بیزار ہو کر شکایت کر دی ہو گی کہ ایک روز جب رات ہوئی تو پولیس اس کے گھر آ دھمکی، اور وہ رنگے ہاتھ گرفتار ہو کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا گیا۔

جب رات ہوئی تو امام اعظم کے کانوں میں حسب معمول اپنے اس شرابی پڑوسی کی آواز نہ آئی۔ دریافت فرمایا کہ ہمارے پڑوسی کو کیا ہو گیا ہے کہ آج اس نے ہمیشہ کا معمول ترک کر دیا ہے، اور اس کی آواز نہیں سنائی دے رہی!۔

جب لوگوں نے اصل صورتحال بتائی تو آپ بے چین ہو گئے اور اپنے فاسق و فاجر پڑوسی کی مصیبت میں گرفتاری کو ایک لمحہ بھی برداشت نہ کر سکے۔ آپ سیدھے دار القضا پہنچے۔ اُدھر کچہری میں کھلبلی مچ گئی کہ امام ابو حنیفہ آج یہاں کیسے پہنچ گئے ہیں۔ حاکم کو اطلاع ہوئی تو اجلاس چھوڑ کر باہر نکل آیا، اور بڑی تعظیم و توقیر کی اور خاطر و مدارات سے پیش آیا، اور وہ کبھی امام اعظم کا شاگرد بھی ہوا کرتا تھا۔

بہر حال! تعجب سے حاکم نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ آج خلافِ معمول یہاں آپ کے قدم رنجہ فرمانے کی وجہ کیا ہوئی؟۔ حاکم امام اعظم کا یہ جواب سن کر دنگ رہ گیا جب امام نے فرمایا کہ میرے محلّہ کا ایک موچی جو میرا پڑوسی ہے، پولیس والوں نے اسے گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا ہے، میں حاضر ہوا ہوں کہ میری ذمہ داری پر اُسے اَب رہا کر دیا جائے۔

بھلا اس میں حاکم کے لیے عذر کی گنجائش کیا ہو سکتی تھی!۔ چنانچہ حاکم نے امام اعظم کے شرابی پڑوسی اور اس کے عیاش ساتھیوں کو فوراً آزاد کر دیا۔ جب ابو حنیفہ کا پڑوسی جیل سے باہر آیا تو دیکھا گیا کہ امام صاحب اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں اور اسے بار بار کہے جا رہے ہیں :

کیوں بھائی! میں نے تو تمہیں ضائع نہیں ہونے دیا نا! اور اس سے امام اعظم کا اس کے گائے ہوئے مشہور شعر کی طرف اِشارہ تھا جو اوپر درج کر دیا گیا ہے۔ موچی بے چارہ آنکھیں جھکائے ہوئے تھا۔ وہ امام ابو حنیفہ کے اس خلق عظیم سے بیحد متاثر ہوا اور ندامت میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر بڑے اَدب سے عرض کرنے لگا۔

لا يا سيدي ومولائي لا تراني بعد اليوم أفعل شيئاً تتأذى به .

یعنی نہیں میرے سردار! میرے آقا! آج کے دن کے بعد آپ مجھے ایسی حرکتوں میں مبتلا نہیں پائیں گے، جن سے آپ کو اَذیت پہنچی ہو۔

چنانچہ اس کے بعد وہ باقاعدگی سے امام اعظم ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی توبہ میں سچا ثابت ہوا اور ایک وقت آیا کہ وہی شرابی کوفہ کے علمائے کبار میں شمار ہونے لگا۔(۱)

ایک حیلہ اور ایک تدبیر

بشیر بن ولید سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے پڑوس میں ایک نوجوان رہتا تھا جو آپ کے حلقے میں کثرت سے آتا اور عموماً حاضر باش رہتا۔ اس نے ایک روز حضرت امام اعظم سے عرض کیا کہ میں کوفہ کے فلاں خاندان سے رشتہ کرنا چاہتا ہوں اور اس سلسلے میں میں نے اُن کے ہاں پیغامِ نکاح بھی بھیج دیا ہے؛ تاہم انھوں نے مجھ سے اتنا بڑا مہر طلب کیا ہے جو میری مالی طاقت و وسعت سے باہر ہے اور ادھر طبیعت بھی نکاح کر لینے کے لیے بے قرار ہے؛ لہٰذا اس سلسلے میں مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازیے۔

امام اعظم نے فرمایا: اِستخارہ کرلو اور پھر جو کچھ وہ مہر طلب کریں کسی بھی طریقہ سے یعنی قرضہ وغیرہ لے کر انھیں دے دو؛ چنانچہ اس نے آپ کی ہدایت کے مطابق مطلوبہ مہر اَدا کرنے کی ذمہ داری قبول کرلی، اور لڑکی کے خاندان کو اطلاع کردی۔ اس طرح عقدِ نکاح منعقد ہوگیا۔ پھر وہ شخص امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں نے لڑکی کے خاندان سے درخواست کی ہے کہ مہر کی کچھ رقم اَبھی لے لو، بقیہ رقم جب بھی مجھے میسر ہوگی اَدا کردوں گا؛ مگر وہ نہیں مانتے اور لڑکی کی رخصتی پر رضامند نہیں ہورہے ہیں جب تک کہ میں سارا مہر اَدا نہ کردوں۔

(۱) مناقب موفق: ۱/۳۰۱......وفیات الاعیان: ۵/۴۱۰۔

امام اعظم نے فرمایا: ایک حیلہ اور تدبیر اختیار کرو۔ اس وقت مہر کی رقم کسی سے قرض لے کر اَدا کردو، اور کسی طرح اپنی بیوی تک پہنچ جاؤ، مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کی درشتی اور سخت مزاجی کی وجہ سے تمہارا کام آسان ہوجائے گا۔ ان شاءاللہ۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ لوگوں سے قرض لیا اور زیادہ تر قرضہ خود امام اعظم نے دیا اور دینِ مہر اَدا کردیا تو والدین نے بخوشی لڑکی کی رخصتی کردی۔ اب امام اعظم نے اس شخص کو سمجھایا کہ تم یہ ظاہر کردو کہ تمہارا اِس شہر سے دور دراز جانے کا اِرادہ ہے، نیز یہ کہ میری بیوی بھی اس سفر میں میرے ہمراہ رہے گی، اور تم میں سے کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ دو اونٹ کرائے پر لایا اور یہ ظاہر کردیا کہ وہ طلب معاش کے لیے خراسان جانے کا اِرادہ رکھتا ہے اور اس کا اِرادہ بیوی کو بھی ہمراہ لے جانے کا ہے۔ لڑکی کے خاندان والوں پر اس کا یہ اِرادہ بڑا ناگوار اور بہت شاق گزرا۔ وہ امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کی شکایت کرنے لگے اور اس سلسلہ میں مسئلہ دریافت کیا کہ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟۔

امام اعظم نے فرمایا کہ بحیثیت شوہر اس کو شرعاً اختیار ہے کہ جہاں چاہے اپنی بیوی کو لے جائے۔ انھوں نے کہا: لیکن ہم پر اپنی لختِ جگر کی جدائی بہت شاق ہے۔ ہم کسی طرح بھی لڑکی کو ساتھ لے جانے کی اِجازت دینے کے لیے تیار نہیں۔

یہ سن کر امام اعظم نے فرمایا: ایک آسان صورت یہ نظر آرہی ہے کہ تم اس کو راضی کرلو، اور جو کچھ مال تم نے اس سے لیا ہے وہ واپس کردو۔ جب انھوں نے یہ بات مان لی تو امام اعظم نے اس کو بلایا اور کہا کہ لڑکی کے خاندان والے اس بات پر رضامند ہوگئے ہیں کہ جو کچھ انھوں نے تم سے مہر لیا ہے واپس کردیں اور تجھے قرضہ وغیرہ سے بری کردیں۔ امام اعظم کی اس تجویز سے نوجوان کو شہ ملی اور وہ مزید بگڑ کر کہنے لگا:

فأنا أريد منهم شيئاً آخر فوق ذٰلک .

یعنی میں تو ان سے اس رقم سے بڑھ کر مزید کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

اس کے مزاج کی اُڑان کو دیکھ کر امام اعظم نے اسے تنبیہ کی اور اس کے ناجائز اِقدام اور

حصولِ دولت کے نشے کو کافور کرتے ہوئے فرمایا کہ یا تو اِسی رقم پر راضی ہو جاؤ؛ ورنہ پھر اگر عورت نے کسی کے بارے میں اپنے ذمے قرض کا اِعتراف کرلیا تو پھر جب تک وہ قرضہ اَدا نہیں کر لیتی تم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے۔

نوجوان گھبرایا اور سٹپٹا کر کہنے لگا: خدارا جو کچھ آپ دِلوا رہے ہیں میں اسی پر راضی ہوں۔ کہیں اس ترکیب سے وہ مطلع نہ ہو جائیں اور میرا بنا ہوا مسئلہ نہ بگڑ جائے۔ چنانچہ جو رقم امام اعظم اس کو دلوا رہے تھے اسی کو واپس لینے پر وہ رضامند ہو گیا۔(۱)

'مجھ سے جو چاہو پوچھ لو'

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قتادہ محدث رحمۃ اللہ تعالی علیہ جو نہایت ہی بلند پایہ عالم اور جامع العلوم علامہ تھے۔ بالخصوص علم حدیث اور تفسیر میں تو اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ کوفہ تشریف لائے تو ان کی زیارت کے لیے ایک عظیم الشان مجمع جمع ہو گیا۔ آپ نے تقریر فرماتے ہوئے حاضرین سے کئی بار یہ فرمایا :

سَلُوْا عَمَّا شِئْتُمْ .

یعنی آج تم مجھ سے جو چاہو پوچھ لو۔

حاضرین پر آپ کی علمی جلالت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ سب لوگ دم بخود اور ساکت و خاموش بیٹھے رہے؛ مگر جب آپ نے بار بار للکارا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو ابھی بہت کم عمر تھے، اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے تھے، خود تو بکمالِ ادب کچھ نہ بولے؛ مگر آپ نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ حضرت قتادہ علیہ الرحمہ سے یہ پوچھئے کہ وادیِ نمل میں جس چیونٹی کی تقریر سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام مسکرا کر ہنس پڑے تھے، وہ چیونٹی نر تھی یا مادہ؟۔

چنانچہ جب لوگوں نے یہ سوال کیا تو حضرت قتادہ علیہ الرحمہ ایسے سٹپٹائے کہ بالکل لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے، پھر لوگوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا تو آپ

(۱) عقودُالجمان: ۲۵۹ تا ۲۶۰......مناقب موفق: ۱۳۰۔

نے فرمایا کہ 'وہ چیونٹی مادہ تھی'۔

حضرت قتادہ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس کا ثبوت؟، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس چیونٹی کے لیے 'قالت نملۃ' مونث کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ چیونٹی نر ہوتی تو 'وقال نمل' مذکر کا صیغہ ذکر کیا گیا ہوتا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس دلیل کو تسلیم کر لیا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دانائی اور قرآن فہمی پر حیران رہ گئے اور اپنے بڑے بول پر نادم ہوئے۔(۱)

اَب شرم آنے لگی ہے

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ اَشعب بن جبیر (م۱۵۴ھ) نامی ایک نوجوان کسی تاجر کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوا۔ تاجر نے ہر خدمت انجام دی۔ اپنے اور اشعب کے تمام کام وہ خود کرتا۔ سامان اُتارنا، جانوروں کو پانی پلانا، لکڑیاں جمع کرنا، کھانا بنانا اور اس جیسے دیگر چھوٹے موٹے کام وہی کرتا رہا اور اکتاہٹ کا شکار ہوگیا۔

واپسی پر وہ ایک جگہ دوپہر کا کھانا کھانے اُترے۔ اشعب اطمینان سے زمین پر لیٹ گیا اور آرام کرنے لگا۔ تاجر نے سارا سامان اُتارا اور اشعب سے مخاطب ہوکر کہنے لگا: اُٹھو، لکڑیاں جمع کرو۔ میں گوشت بناتا ہوں۔ اشعب نے جواب دیا: واللہ! میں تو سفر کی تھکاوٹ سے چور ہوں۔

تاجر خود ہی اُٹھا، لکڑیاں اکٹھی کیں اور اشعب سے کہا: اُٹھ کر آگ جلاؤ۔ اس نے کہا: دھویں کے قریب جاؤں تو سینے میں تکلیف ہوتی ہے۔ تاجر نے آگ بھی جلائی، پھر اشعب سے کہا: اچھا! گوشت بنانے میں میری مدد کرو۔ اشعب ڈھٹائی سے بولا: ارے وہ کیوں! میرے ہاتھ میں چھری لگ گئی تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟۔

(۱) عجائب القرآن::۱۸۳تا۱۸۴۔

تاجر نے اکیلے گوشت بنایا اور پھر اشعب سے کہنے لگا: اشعب! اُٹھو، گوشت ہانڈی میں ڈالو اور کھانا پکاؤ۔ اشعب نے کہا: کھانا پکاتے ہوئے بار بار ہنڈیا دیکھنی پڑتی ہے، مجھ سے یہ نہیں ہو پائے گا۔

تاجر بے چارے نے یہ کام بھی اپنے سر لیا۔ کھانا تیار ہوا تو وہ تھک کر لیٹ گیا۔ اشعب سے کہا: اشعب، ذرا اُٹھ کر دسترخوان تو بچھانا اور پلیٹ میں کھانا بھی نکال دینا۔ اشعب بولا: میرا جسم بھاری ہے، مجھ سے تو یہ کام ہونے سے رہے!۔

تاجر اِس بار بھی خود ہی اُٹھا اور کھانا نکال کر دسترخوان پر لگایا، پھر اشعب سے کہا: آؤ، کھانا کھالو۔ اب اشعب بے شرمی سے بولا: واللہ! مجھے شرم آرہی ہے، میں نے تمہاری ہر بات ٹال دی؛ لیکن اب تمہاری بات مانوں گا: یہ کہہ کر وہ کھانے میں شریک ہو گیا۔

بارہ سواروں کا قافلہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی علیہ الرحمہ (م ۱۵۷ھ) فرماتے ہیں: مجھے ایک بزرگ نے یہ واقعہ سنایا کہ میں اولیاے کرام کی تلاش میں ہر وقت سرگرداں رہتا اور ان کی قیام گاہوں کو ڈھونڈنے کے لیے صحراؤں، پہاڑوں اور جنگلوں میں پھرا کرتا تاکہ ان کی صحبت سے فیض یاب ہوسکوں۔ ایک مرتبہ اسی مقصد کے لیے مصر کی طرف روانہ ہوا، جب میں مصر کے قریب پہنچا تو ویران سی جگہ میں ایک خیمہ دیکھا، جس میں ایک ایسا شخص موجود تھا جس کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں (جذام کی) بیماری کی وجہ سے ضائع ہو چکی تھیں؛ لیکن اس حالت میں بھی وہ مردِ عظیم ان الفاظ کے ساتھ اپنے رب کی حمد و ثنا کر رہا تھا:

> اے میرے پروردگار! میں تیری وہ حمد کرتا ہوں جو تیری تمام مخلوق کی حمد کے برابر ہو۔ اے میرے مالک و مولا! بے شک تو تمام مخلوق کا خالق ہے اور تو سب پر فضیلت رکھتا ہے، میں اس انعام پر تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے مجھے اپنی مخلوق میں کئی لوگوں سے افضل بنایا۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس شخص کی یہ حالت اوراس کی زبان پر یہ کلمات دیکھے تو میں نے اپنے جی میں کہا: خدا کی قسم! میں اس شخص سے یہ ضرور پوچھوں گا کہ کیا حمد کے یہ پاکیزہ کلمات تمہیں سکھائے گئے ہیں یا تمہیں اِلہام ہوئے ہیں؟، چنانچہ اسی اِرادے سے میں اس کے پاس گیا اور اسے سلام کیا، اس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا: اے مردِ صالح! میں تم سے ایک چیز سے متعلق سوال کرنا چاہتا ہوں کیا تم جواب دو گے؟۔ وہ کہنے لگا: اگر مجھے معلوم ہوا تو ان شاء اللہ ضرور جواب دوں گا۔

میں نے کہا: وہ کون سی نعمت ہے جس پر تم اللہ کی حمد کر رہے ہو اور وہ کون سی فضیلت ہے جس پر تم شکر اَدا کر رہے ہو؟۔ وہ شخص کہنے لگا: کیا تو دیکھتا نہیں کہ میرے رب نے میرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا ہے؟۔ میں نے کہا: کیوں نہیں، میں سب کچھ دیکھ چکا ہوں۔ پھر وہ کہنے لگا: دیکھو! اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہتا تو مجھ پر آسمان سے آگ برسا دیتا جو مجھے جلا کر راکھ بنا دیتی۔ اگر وہ پروردگار چاہتا تو پہاڑوں کو حکم دیتا اور وہ مجھے تباہ و برباد کر ڈالتے۔ اگر اللہ چاہتا تو سمندر کو حکم فرماتا جو مجھے غرق کر دیتا یا پھر زمین کو حکم فرماتا تو وہ مجھے اپنے اندر دھنسا دیتی؛ لیکن دیکھو کہ پروردگارِ عالم نے مجھے ان تمام مصیبتوں سے محفوظ رکھا، پھر میں اپنے رب کا شکر کیوں نہ اَدا کروں، اس کی حمد و ثنا کیوں نہ کروں، اور اس پاک پروردگار سے ٹوٹ کر محبت کیوں نہ کروں!۔

اس کے بعد وہ مجھ سے کہنے لگا: مجھے تم سے ایک کام ہے، اگر کر دو گے تو تمہارا اِحسان ہوگا؛ چنانچہ وہ کہنے لگا: میرا ایک بیٹا ہے جو نماز کے اَوقات میں آتا ہے اور میری ضروریات پوری کرتا ہے اور اسی طرح اِفطاری کے وقت بھی آتا ہے؛ لیکن کل سے وہ میرے پاس نہیں آیا، اگر تم اس کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کر دو تو تمہارا اِحسان ہوگا۔

میں نے کہا: میں تمہارے بیٹے کو ضرور تلاش کروں گا، اور پھر میں یہ سوچتے ہوئے وہاں سے چل پڑا کہ اگر میں نے اس مردِ صالح کی ضرورت پوری کر دی تو شاید اسی نیکی کی وجہ سے میری مغفرت ہو جائے۔ چنانچہ میں اس کے بیٹے کی تلاش میں ایک طرف چل دیا۔ چلتے چلتے جب ریت کے دو ٹیلوں کے درمیان پہنچا تو وہاں کا منظر دیکھ کر میں ٹھٹک کر رہ گیا۔

میں نے دیکھا کہ ایک درندہ ایک لڑکے کو چیر پھاڑ کر اس کا گوشت کھا رہا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ ہونہ ہو یہ اسی شخص کا بیٹا ہے۔ مجھے اس کی موت پر بہت افسوس ہوا اور میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور واپس اسی شخص کے خیمے کی طرف چل دیا۔

میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر میں نے اس پریشان حال شخص کو اس کے بیٹے کی موت کی خبر فوراً ہی سنا دی تو وہ یہ خبر سن کر کہیں مر ہی نہ جائے۔ آخر کس طرح اسے یہ غمناک خبر سناؤں کہ اسے صبر ہو جائے۔ چنانچہ میں اس شخص کے پاس پہنچا، اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا، پھر میں نے اس سے پوچھا: میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کیا تم جواب دو گے؟۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا کہ اگر مجھے معلوم ہوا تو ان شاء اللہ ضرور جواب دوں گا۔

میں نے کہا: تم یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام کا مقام ومرتبہ زیادہ ہے یا تمہارا؟۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا: یقیناً حضرت ایوب کا مقام ومرتبہ ہی زیادہ ہے۔ میں نے کہا: جب اُن کو مصیبتیں پہنچیں تو انھوں نے ان بڑی بڑی مصیبتوں پر صبر کیا یا نہیں؟۔ وہ کہنے لگا: حضرت ایوب علیہ السلام نے کما حقہ مصیبتوں پر صبر کیا۔

میں نے کہا: ان کو تو اس قدر بیماری اور مصیبتیں پہنچیں کہ جو لوگ ان سے بہت زیادہ محبت کیا کرتے تھے انھوں نے بھی ان سے دوری اختیار کر لی، اور راہ چلنے والے اُن سے اِعراض کر کے نکل جاتے تھے۔ کیا انھوں نے ایسے عالم میں صبر سے کام لیا یا نہیں؟۔ وہ شخص کہنے لگا: بیشک انھوں نے ایسی حالت میں صبر و شکر سے کام لیا اور صبر و شکر کا حق اَدا کر دیا۔

یہ سن کر میں نے اس شخص سے کہا: پھر تم بھی صبر سے کام لو۔ سنو! اپنے جس بیٹے کا تم نے تذکرہ کیا تھا اس کو درندہ کھا گیا ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے دل میں دنیا کی حسرت ڈالی۔ پھر وہ شخص زار و قطار رونے لگا اور اتنا رویا کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔ میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور سوچنے لگا کہ میں اس جنگل و بیابان میں اکیلے اس کی تجہیز و تکفین کیسے کروں گا، یہاں اس ویرانے میں میری مدد کو کون آئے گا۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک سمت مجھے دس بارہ سواروں کا قافلہ نظر آیا۔ میں

نے انھیں اِشارے سے اپنی طرف بلایا تو وہ میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا: تم کون ہو اور یہ مردہ شخص کون ہے؟ میں نے انھیں سارا واقعہ سنایا تو وہ وہیں رک گئے اور اس شخص کو سمندر کے پانی سے غسل دیا اور اسے وہ کفن پہنایا جو اُن کے پاس تھا، پھر مجھے اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کو کہا تو میں نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی، اور انھوں نے میری اِقتدا میں نماز اَدا کی۔

پھر ہم نے اس عظیم شخص کو اسی خیمہ میں دفن کر دیا۔ ان نورانی چہروں والے بزرگوں کا قافلہ ایک طرف روانہ ہو گیا۔ میں وہیں اکیلا رہ گیا، رات ہو چکی تھی؛ لیکن میرا وہاں سے جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، مجھے اس صابر و شاکر انسان سے محبت ہو گئی تھی، میں اس کی قبر کے پاس ہی بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا تو میں نے خواب میں ایک نورانی منظر دیکھا کہ میں اور وہ شخص ایک سبز قبے میں موجود ہیں اور وہ سبز لباس زیب تن کیے کھڑے ہو کر قرآن حکیم کی تلاوت کر رہا ہے۔

میں نے اس سے پوچھا: کیا تو میرا وہی دوست نہیں جس پر مصیبتیں ٹوٹ پڑی تھیں اور وہ انتقال کر گیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ہاں!، میں وہی ہوں۔ میں نے پوچھا: یہ بتاؤ کہ تمھیں یہ عظیم الشان مرتبہ کیسے میسر آیا اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا: الحمدللہ! مجھے میرے رب کریم نے ان لوگوں کے ساتھ جنت میں مقام عطا فرمایا ہے جو مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں، اور جب انھیں کوئی خوشی پہنچتی ہے تو شکر اَدا کرتے ہیں۔

حضرت امام اوزاعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے اس بزرگ سے یہ واقعہ سنا تب سے میں اہل مصیبت سے بہت زیادہ محبت کرنے لگا ہوں۔(۱)

درہم کے بدلے دینار!

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں عید الفطر کی شب اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی شخص نے میرے دروازے پر دستک دی، میں باہر آیا تو دیکھا کہ میرا ہمسایہ

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۱۴۶، ۱۴۹۔

کھڑا ہے۔ میں نے کہا کہو بھائی! کیسے آنا ہوا؟۔ اس نے کہا: کل عید ہے لیکن میرے گھر میں خاک اُڑ رہی ہے اور خرچ کے لیے ایک پیسہ تک نہیں ہے۔ اگر آپ کچھ عنایت فرما دیں تو عزت وآبرو کے ساتھ ہم عید کا دن گزار لیں گے۔

حضرت امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ میں نے عید کے مصارف کے لیے پچیس درہم جمع کر رکھے تھے، فوراً ہی اپنی بیوی سے کہا کہ ہمارا فلاں ہمسایہ نہایت غریب ہے، اس کے پاس عید کے دن خرچ کرنے کے لیے ایک پیسہ تک نہیں ہے، اگر تمہاری رائے ہو تو جو پچیس درہم ہم نے عید کے مصارف کے لیے رکھ چھوڑے ہیں وہ ہمسائے کو دے دیں، ہمیں اللہ تعالیٰ اور دے گا۔ نیک بیوی نے کہا: بہت اچھا، شوق سے دے دیں۔

چنانچہ میں نے وہ سب درہم اپنے اُس پڑوسی کے حوالے کر دیے اور وہ دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میرا دروازہ پھر کسی نے کھٹکھٹایا۔ میں نے دروازہ کھولا تو ایک نوجوان مکان میں داخل ہو کر میرے قدموں پر گر پڑا اور رونے لگا، میں نے کہا: خدا کے بندے! تجھے کیا ہوا ہے، اور تو کون ہے؟۔

اس نوجوان نے جواب دیا کہ میں آپ کے والد کا غلام ہوں، عرصہ ہوا بھاگ گیا تھا، اب مجھے اپنی حرکت پر بہت ندامت ہوئی، یہ پچیس دینار میری کمائی کے ہیں، آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، قبول فرما کر مجھے ممنون فرمائیے۔ آپ میرے آقا ہیں اور میں آپ کا غلام۔

میں نے وہ دینار لے لیے اور غلام کو آزاد کر دیا، پھر میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ خدا کی شان دیکھو اس نے ہمیں درہم کے بدلے دینار کیسے عطا کیے!۔

نوجوانانِ ملت! ذرا دیکھو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنے سے اللہ کس کس بہانے عطا فرماتا ہے؛ اس لیے ہم تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ عید کے دن صرف اپنی ہی خوشی کے لیے ہر ساز و سامان کا بندوبست نہ کریں؛ بلکہ غریبوں، مسکینوں اور پڑوسیوں کی خوشی کا بھی خیال رکھیں۔ اگر کوئی غریب آپ کے پڑوس میں رہ رہا ہو اور عید کے دن اپنی غربت کی وجہ سے رو رہا ہو تو حقیقت یہ ہے کہ آپ کی عید عید نہیں ہے!۔

آگ کی زنجیریں

حضرت محمد بن یوسف حضرت ابوسنان سے نقل کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں بیت المقدس کی پہاڑیوں میں تھا، ایک جگہ مجھے انتہائی پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر گھومتا ہوا ایک غمگین نوجوان نظر آیا۔ میں اس کے پاس آیا اور سلام کے بعد اس سے پریشانی کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا: ہمارے ایک پڑوسی کا بھائی فوت ہوگیا ہے، تم میرے ساتھ چلو تاکہ ہم اس کی تعزیت کریں اور اسے تسلی دیں۔

میں اس نوجوان کے ساتھ چل دیا، ہم ایک شخص کے پاس پہنچے جو بہت اُداسی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہم نے اسے صبر کی تلقین کی اور تسلی دینے لگے؛ لیکن اس نے ہماری باتیں نہ سنیں اور بے صبری کرتے ہوئے آہ وزاری اور چیخ وپکار کرنے لگا۔ ہم نے اسے محبت وپیار سے سمجھاتے ہوئے کہا: اے اللہ کے بندے! اس طرح بے صبری کا مظاہرہ نہ کر، اللہ تعالیٰ سے ڈر، اور صبر سے کام لے۔ بے شک موت ہر کسی کو آنی ہے جس نے بھی زندگی کا سفر شروع کیا اس کی منزل واِنتہا قبر ہی ہے۔ موت ایک ایسا پل ہے جس سے ہر ایک کو گزرنا ہے۔ کچھ گزر گئے اور کچھ گزر رہے ہیں اور کچھ گزر جائیں گے۔

ہماری یہ باتیں سن کر وہ شخص کہنے لگا: میرے بھائیو! تم نے بالکل ٹھیک کہا، تمہاری باتیں برحق ہیں؛ مگر میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے بھائی کو قبر میں بڑی پریشانی کا سامنا ہے۔ ہم نے اس کی بات سنی تو کہا: سبحان اللہ! کیا تم غیب جانتے ہو جو تمہیں معلوم ہوگیا کہ تمہارا بھائی عذابِ قبر سے دوچار ہے۔ تو وہ کہنے لگا: میں اس ہولناک منظر کی وجہ سے پریشان ہوں جو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ آؤ، میں تمہیں تفصیل سے واقعہ سناتا ہوں۔

جب میرے بھائی کا انتقال ہوگیا تو تجہیز وتکفین کے بعد ہم نے اسے قبرستان لے جا کر دفن کردیا۔ لوگ واپس آگئے، میں کچھ دیر قبر کے پاس کھڑا رہا۔ یکایک میں نے قبر سے ایک دردناک آواز سنی۔ میرا بھائی نہایت درمندانہ انداز میں چیخ رہا تھا: 'مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ'۔ جب

میں نے یہ آواز سنی تو کہا: واللہ! یہ تو میرے بھائی کی آواز ہے۔ میں نے بے چین ہو کر قبر کھودنا شروع کر دی تو ایک غیبی آواز نے مجھے چونکا دیا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے اللہ کے بندے! اس قبر کو نہ کھود، یہ اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، اسے پوشیدہ ہی رہنے دے۔

یہ آواز سن کر میں قبر کھودنے سے باز رہا۔ پھر میں وہاں سے اُٹھا اور جانے لگا تو مجھے دردناک آواز سنائی دی۔ مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ۔ مجھے اپنے بھائی پر ترس آنے لگا اور میں نے دوبارہ قبر کھودنا شروع کر دی، ابھی میں نے تھوڑی سی مٹی ہٹائی ہوگی کہ پھر وہی غیبی آواز سنائی دی: اے بندے! اللہ کے رازوں کو نہ کھول، اور قبر کھودنے سے باز آجا۔

غیبی آواز سن کر میں نے دوبارہ قبر بند کر دی، اور وہاں سے جانے لگا، تو پھر بڑی دردناک آواز میں میرے بھائی نے پکارا: مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ۔ اس مرتبہ میں نے قبر کھودنا شروع کی، جیسے ہی میں نے قبر سے سِل ہٹائی تو قبر کا اندرونی منظر دیکھ کر میرے ہوش اُڑ گئے۔ اندر انتہائی خوفناک منظر تھا، ابھی ابھی ہم نے جس بھائی کو دفنایا تھا، اس کا سارا جسم آگ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، اور اس کی قبر آگ سے بھری ہوئی تھی۔

جب میں نے اپنے بھائی کو اس حالت میں دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اسے زنجیروں سے آزاد کرانے کے لیے اپنا ہاتھ اس کی گردن میں بندھی ہوئی زنجیر کی طرف بڑھایا۔ جیسے ہی میرا ہاتھ زنجیر کو لگا میرے ہاتھ کی انگلیاں جل کر ہاتھ سے جدا ہو گئیں، مجھے بہت زیادہ تکلیف محسوس ہونے لگی۔ میں نے جیسے تیسے قبر کو بند کیا اور وہاں سے بھاگتا ہوا گھر آیا۔

یہ دیکھو میرے ہاتھ کی انگلیاں بالکل جل چکی ہیں، اور اب تک مجھے شدید درد ہو رہا ہے، اتنا کہنے کے بعد اس نے چادر سے اپنا ہاتھ نکالا تو واقعی اس کی چار انگلیاں غائب تھیں اور ہاتھ پر زخم کا عجیب و غریب نشان موجود تھا۔ ہم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے عافیت طلب کی اور وہاں سے چلے آئے۔

حضرت ابوسنان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد جب میں حضرت امام اوزاعی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور انھیں یہ سارا واقعہ سنایا اور پوچھا: حضور! جب کوئی یہودی

یا نصرانی مرتا ہے تو اس کا عذابِ قبر لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتا؛ لیکن مسلمانوں کی قبروں کے حالات بعض دفعہ ظاہر ہو جاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟۔

تو انھوں نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کفار کے عذابِ قبر میں تو کسی مسلمان کو شک ہی نہیں۔ انھیں تو دائمی عذاب کا سامنا کرنا ہی ہے۔ سب مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ کفار مرتے ہی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں؛ اس لیے ان کے عذاب کو ظاہر نہیں کیا جاتا۔ ہاں! بعض مرتبہ گناہ گار مسلمانوں کی قبروں کا حال لوگوں پر منکشف کر دیا جاتا ہے؛ تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور گناہوں سے تائب ہوکر اپنے پاک پروردگار کی رضا والے اعمال کی طرف راغب ہوں۔(۱)

اللہ مجھے سلامت رکھنا

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ (م ۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان شخص کو غلافِ کعبہ سے چمٹا ہوا دیکھا کہ وہ اس طرح دعا مانگ رہا ہے: اے اللہ مجھے سلامت رکھ۔ میں نے اس سے پوچھا: بات کیا ہے، اور کس چیز سے سلامتی کی دعا مانگ رہے ہو؟۔

تو اس نے کہا: اے میرے دوست! میرے کل چار بھائی تھے، جن میں سے ایک نصرانی ہوکر مرا، دوسرا یہودی ہوکر اور تیسرا مجوسی بن کر۔ اب باقی صرف میں بچا ہوں، مجھے خوفِ الٰہی دامن گیر ہے؛ (اس لیے خاتمہ کی) سلامتی کی دعا کر رہا ہوں۔(۲)

درودِ پاک کی برکات

حضرت محمد بن منکدر - رحمہ اللہ - اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سفیانِ ثوری - علیہ الرحمہ - نے دورانِ طواف ایک ایسے نوجوان کو دیکھا جو قدم قدم پر درود شریف پڑھ

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲۶۲، ۲۶۳۔
(۲) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۹/۱۔

رہا تھا۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے نوجوان! تم تسبیح وتہلیل چھوڑ کر صرف درود شریف ہی پڑھ رہے ہو، کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟۔

نوجوان نے پوچھا: آپ کون ہیں؟۔ میں نے جواب دیا: سفیان ثوری۔

اس نے کہا کہ اگر آپ کا شمار اہل اللہ میں نہ ہوتا تو میں کبھی بھی آپ کو یہ راز نہ بتاتا۔ ہوا یوں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ حج کے ارادے سے نکلا، راستے میں ایک جگہ والد گرامی پر سخت بیماری کا حملہ ہوا، میں نے بہت ساری کوششیں کی مگر انھیں موت سے نہ بچا سکا، موت کے بعد یکایک ان کا چہرہ سیاہ ہوگیا۔ یہ دیکھ کر میری کیفیت دگرگوں ہوگئی اور میں نے بے تابانہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر ان کا چہرہ ڈھک دیا۔

اسی غم والم کے عالم میں میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہوگئیں، کیا دیکھتا ہوں کہ نفیس ترین کپڑوں میں ملبوس' حسن وجمال میں یکتا ایک بزرگ تشریف لائے جن کے وجودِ مسعود سے خوشبو کی لپٹیں آرہی تھیں، وہ بزرگ نازک خرامی کے ساتھ آئے اور میرے باپ کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر ہاتھ سے چہرے کی طرف اشارہ کیا ہی تھا کہ ان کا چہرہ چمک دار اور روشن ہوگیا۔

جب وہ بزرگ واپس تشریف لے جانے لگے تو میں نے ان کا دامن تھام لیا اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے طفیل اس غریب الوطنی میں میرے باپ کی آبرو رکھ لی، تو جاتے جاتے یہ تو بتا جائیں کہ آپ ہیں کون؟۔ انھوں نے لبوں پر تبسم سجا کر فرمایا: تم مجھے نہیں پہچانتے؟۔ میں صاحبِ قرآن نبی آخر الزمان محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ تیرا باپ اگر چہ بہت گنہ گار تھا؛ مگر مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرتا تھا، جب اس پر مصیبت نازل ہوئی، اس نے مجھ سے مدد طلب کی اور میں اس شخص کا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھے (بطورِ خاص) فریاد رس ہوں۔ نوجوان کہتا ہے کہ اس کے بعد اچانک میری آنکھ کھل گئی اور کیا دیکھتا ہوں کہ واقعتاً میرے باپ کا چہرہ سفید و روشن ہوگیا ہے۔(۱)

(۱) مکاشفۃ القلوب: ۱۳۶۔ مترجم: علامہ تقدس علی خان۔

راہِ خدا میں بیٹے کی قربانی

جس وقت حضرت ابراہیم بن ادہم -رحمۃ اللہ علیہ- (م۱۶۲ھ) نے شہر بلخ کی سلطنت کو خیر باد کہا، اس وقت آپ کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد اس نے ایک مرتبہ اپنی ماں سے پوچھا کہ امی جان! میرے والد کہاں ہیں؟ تو والدہ نے پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد بتایا کہ وہ اس وقت مکہ معظّمہ میں مقیم ہیں۔

یہ سن کر لڑکے نے پورے شہر میں ندا کرادی کہ جو لوگ میرے ہمراہ سفرِ حج پر چلنا چاہیں میں ان کے پورے اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ یہ منادی سن کر تقریباً چار ہزار اَفراد چلنے پر آمادہ ہوگئے، جن کو وہ لڑکا اپنے ہمراہ لے کر والد کے دیدار کی تمنا میں کعبۃ اللہ پہنچ گیا اور جب اس نے مشائخ حرم سے اپنے والد کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ تو ہمارے مرشد ہیں اور اس وقت وہ جنگل سے لکڑیاں لینے گئے ہیں کہ فروخت کر کے اپنے اور ہمارے کھانے کا کچھ انتظام کریں۔

یہ سنتے ہی لڑکا جنگل کی جانب چل پڑا اور ایک بوڑھے کو سر پر لکڑیوں کا بوجھ لاد کر لاتے ہوئے دیکھا۔ فرطِ محبت سے وہ بیتاب ہوگیا؛ لیکن بطورِ سعادت مندی اور ناواقفیت اَحوال' خاموشی کے ساتھ آپ کے پیچھے بازار تک پہنچ گیا اور جب وہاں جا کر حضرت ابراہیم بن ادہم نے آواز لگائی کہ کون ہے جو پاکیزہ مال کے عوض پاکیزہ مال خریدے، تو ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے چند روٹیوں کے عوض وہ لکڑیاں خرید لیں۔ پھر وہ روٹیاں لا کر آپ نے اپنے اِرادت مندوں کے سامنے رکھ دیں اور خود نماز میں مشغول ہوگئے۔

آپ اپنے مریدوں کو ہمیشہ یہ ہدایت فرماتے کہ کبھی کسی عورت یا بے ریش لڑکے کو نظر بھر کر نہ دیکھنا، اور خصوصاً اُس وقت زیادہ محتاط رہنا جب ایامِ حج کے دوران کثیر تعداد میں عورتیں اور بے ریش لڑکے جمع ہوجاتے ہیں۔ تمام افراد اس ہدایت کے پابند رہتے ہوئے آپ کے ہمراہ شریک رہتے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول ہیں، اتنے میں آپ کا وہی لڑکا آپ کے سامنے آ گیا، اور محبت پدری نے جوش مارا اور بے ساختہ آپ کی نگاہیں اس پر پڑیں تو جمی کی جمی رہ گئیں۔ فراغتِ طواف کے بعد آپ کے ارادتمندوں نے عرض کیا۔ اللہ آپ کے حال پر رحم فرمائے۔ آپ نے ہمیں جس بات سے باز رہنے کی ہدایت کی تھی آج اس میں آپ خود ہی ملوث ہو گئے۔ کیا آپ اس کی وجہ بیان کر سکتے ہیں؟۔

آپ نے فرمایا: یہ بات تو تمہارے علم میں ہے ہی کہ جس وقت میں نے بلخ چھوڑا تھا اس وقت میرا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، اور مجھے یقین ہے کہ دورانِ طواف میں نے اپنے ہی بچے پر نظر ڈالی تھی۔ بہرحال! اگلے دن آپ کا ایک مرید جب بلخ کے قافلہ کی تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہی لڑکا حریر اور دِیباج کے خیمہ میں ایک کرسی پر بیٹھا تلاوتِ قرآن کر رہا ہے اور جب اس نے آپ کے مرید سے آنے کا مقصد دریافت کیا تو مرید نے سوال کیا کہ آپ کس کے صاحبزادے ہیں؟۔

یہ سنتے ہی اس لڑکے نے روتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے والد کو نہیں دیکھا لیکن کل ایک بوڑھے لکڑہارے کو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ شاید یہی میرے والد ہیں، اور اگر میں ان سے کچھ پوچھ گچھ کرتا تو اندیشہ تھا کہ وہ فرار ہو جاتے؛ کیوں کہ وہ مدتوں سے گھر سے فرار ہیں، اور ان کا اسم گرامی ابراہیم بن ادہم ہے۔

یہ سن کر مرید نے کہا کہ چلیے میں ان سے آپ کی ملاقات کروا دوں۔ وہ اپنے ہمراہ آپ کی بیوی اور بیٹے کو لے کر بیت اللہ میں داخل ہو گیا، جس وقت بیٹے کی نظر آپ پر پڑی تو فرطِ محبت سے بیتابانہ دونوں لپٹ گئے اور روتے روتے بیہوش ہو گئے اور ہوش میں آنے کے بعد حضرت ابراہیم نے بیٹے سے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا: اسلام۔

پھر سوال کیا کہ کیا تم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟۔ لڑکے نے اثبات میں جواب دیا۔

پھر پوچھا کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ تعلیم حاصل کی ہے؟۔ لڑکے نے کہا: جی ہاں!۔

یہ سن کر فرمایا کہ الحمد للہ۔ اس کے بعد جب آپ جانے کے لیے اُٹھے تو بیوی اور بچے

نے اِصرار کرکے آپ کو روک لیا جس کے بعد آپ نے آسمان کی طرف چہرہ اُٹھا کر کہا: یاالٰہی! اَغِثْنِی یہ کہتے ہی آپ کے صاحبزادے زمین پر گر پڑے اوران کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔

جب ارادتمندوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ جب میں بچے سے ہم آغوش ہوا تو وفورِ جذبات اور فرطِ محبت سے بے تاب ہوگیا اوراسی وقت غیب سے یہ ندا آئی کہ ابراہیم! دوستی کا دعویٰ تو ہم سے ہے اور گرفتار دوسرے کی محبت میں ہوگئے! یہ سن کر میں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! ہم دونوں میں سے کسی ایک کو لے لے؛ چنانچہ لڑکے کے حق میں دعا قبول ہوگئی۔(۱)

محبت الٰہی میں مست نوجوان

حضرت ابراہیم ادہم علیہ الرحمہ کے حوالے سے آتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار اتفاقاً مجھے ایک ایسے جنگل میں جانا پڑا۔ جہاں سوسوکوس تک کہیں پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر اس جگہ قدرتِ خداوندی سے کوئی آدمی آنکلے تو کچھ بعید نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان شخص پورے جاہ وحشمت کے ساتھ چلا آرہا ہے جس کے سر پر تاجِ مرصع ہے اور کمر پر اس نے ایک زرّیں پٹکا باندھ رکھا ہے۔ لباس وپوشاک کی صفائی ونظافت اور چہرے بشرے کی ملاحت ولطافت سے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ جیسے ابھی سیدھا حمام سے نہا کر آرہا ہے۔ میں نے جب اسے غور سے ملاحظہ کیا تو وہ بظاہر کم سن تھا مگر کمالاتِ باطنی میں مردانِ طریقت سے بڑھ کر معلوم ہوتا تھا۔

میں نے پوچھا: اے جوان! کہاں سے آرہے ہو؟۔ روتے ہوئے کہنے لگا: اے شیخ! میری بابت پوچھ کر کیا کریں گے!، میں شاہِ کرمان کا بیٹا ہوں۔ مجلس شراب میں بیٹھا تھا، جو حسین وجمیل معشوقوں سے آراستہ تھی۔ ناگاہ ایک دوست نے شراب کا پیالہ مجھ کو بھر کر پیش کیا۔ میں نے جب اس میں نگاہ کی تو دروازۂ عالم ملکوت کو کھلا دیکھا، جہاں فرشتوں اور روحوں کے مقام کو

(۱) لطائف المعارف: ۱/۶۸...... روض الریاحین: ۱۳۰۔

میں نے ملاحظہ کیا، اور صرف یہی نہیں بلکہ صاحب مجلس خداوند قدوس کے دیدار سے بھی مشرف ہوا، اور وہاں کی ہر چیز میں اسی کے حسن لازوال کا عکس نظر آیا۔ اور ہر شے کی زبانِ حال سے یہی ترانہ سنا۔

ہو مستِ فنا بادۂ وحدت پی کے
طالب ہے خدا کا تو گزر دنیا سے

اس سودے میں کچھ دیر کا وعدہ نہ سمجھ
اِس ہاتھ سے دے بندے اُس ہاتھ سے واپس لے

نوجوان کہتا ہے کہ اسی وقت سے میں نے دنیا کو ترک کر کے لباسِ فقیرانہ پہنا اور اس طرح سے گزر اوقات کرتا ہوں۔ اور پھر یہ کہہ کر وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا کہ اے عزیزو! اگر تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دوست بننا چاہتے ہو اور تمنا رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے تو اس بات کو اپنے اوپر لازم کر لو کہ اس کے سوا ہر گز کسی سے نفع ونقصان کی اُمید نہ رکھو، اس کی عبادت میں کبھی کسی کو شریک نہ کرو اور نہ کسی لذت کو اس کی لذتِ محبت کے برابر جانو۔(۱)

گناہ کرنے سے پہلے سوچ لو

ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا: اے ابو اسحاق! میں اپنے نفس پر بے حد زیادتی کرتا ہوں، مجھے کچھ نصیحت کیجیے جو میرے لیے تازیانۂ اصلاح ہو۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تم پانچ خصلتوں کو قبول کر لو اور اس پر قادر ہو جاؤ تو یقین ہے کہ گناہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا!۔

آدمی نے کہا: بتایئے وہ پانچ خصلتیں کیا ہیں؟۔ ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم اللہ کی نافرمانی کرنا چاہو تو اس کے رزق میں سے مت کھاؤ۔ آدمی نے کہا: تو پھر میں کہاں سے کھاؤں جبکہ زمین کی ساری اشیا اسی کی پیدا کردہ ہیں۔

(۱) مقاصد الصالحین: ۶ تا ۷۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: اے شخص! کیا تجھے زیب دیتا ہے کہ تو اسی کے رزق سے کھائے اور اسی کی نافرمانی کرے؟۔

آدمی نے کہا: بالکل نہیں۔ اچھا دوسری خصلت بتائیے۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم اللہ کی نافرمانی کرنا چاہو تو اس کی زمین میں مت رہو۔ آدمی نے کہا: یہ تو بڑا مشکل معاملہ ہے، پھر رہوں گا کہاں؟۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: اے شخص! کیا تجھے زیب دیتا ہے کہ تو اسی کا رزق کھائے، اسی کی زمین پر رہے اور اسی کی نافرمانی کرے؟۔

آدمی نے کہا: بالکل نہیں۔ اب تیسری خصلت بتائیے۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم اللہ کی نافرمانی کا اِرادہ کرو تو ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں وہ تجھے نہ دیکھ رہا ہو۔ اس نے کہا: اللہ تو اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے، اس سے کون چھپ سکتا ہے!۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: اے شخص! تو کیا تجھے زیب دیتا ہے کہ تم اسی کا رزق کھاؤ، اسی کی زمین پر رہو پھر اسی کی نافرمانی کرو جو تجھے دیکھ رہا ہے اور تیرے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے؟۔

آدمی نے کہا: بالکل نہیں۔ چلیے اب چوتھی خصلت بتائیے۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آئے تو اس سے کہو کہ ذرا مہلت دو کہ خالص توبہ کرلوں اور نیک عمل کا توشہ تیار کرلوں۔

آدمی نے کہا: (فرشتہ) میری گزارش کبھی قبول نہیں کرے گا۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم توبہ کرنے کے لیے موت کو مؤخر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جان رہے ہو کہ موت کا فرشتہ آ گیا تو ایک سکنڈ کے لیے بھی تاخیر نہیں ہوسکتی تو نجات کی اُمید کیوں کر رکھتے ہو؟۔

آدمی نے کہا: بہت خوب، اچھا اب پانچویں خصلت بتائیں۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب جہنم کے داروغے تجھے جہنم کی طرف لے جانے کے لیے آئیں تو اُن کے ہمراہ مت جانا۔ آدمی نے کہا: وہ تو میری ایک نہ سنیں گے!۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: تو پھر نجات کی اُمید کیوں کر رکھتے ہو!۔

آدمی نے کہا: اے ابراہیم! آپ کی یہ نصیحت میرے لیے کافی ہے۔ میں آج ہی توبہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سچی توبہ کی اور پھر اپنی پوری زندگی عبادت وریاضت میں گزار دی۔

زمرۂ صالحین میں شامل ہونے کا نسخہ

حضرت عبدالرحمٰن سلمی نے طبقات الصوفیہ میں حضرت ابراہیم بن ادہم کا قول نقل فرمایا ہے کہ ایک شخص خانۂ کعبہ کے طواف میں دیوانہ وار مصروف تھا، اور دورانِ طواف اللہ کے حضور بآوازِ بلند التجائیں کر رہا تھا کہ باری تعالیٰ! مجھے صالحین کا درجہ عطا کر دے اور مجھے زمرۂ صالحین میں شامل فرمالے۔ دوران طواف آپ نے اس کی بات سنی اور اس کو ایک طرف لے جا کر نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! جب تک چھ چیزیں اور چھ تکلیفیں تو اپنے اوپر لازم نہ کرلے، اس وقت تک صالحین کے زمرے میں شامل نہیں ہوسکتا۔ اگر صالحین میں شامل ہونے کا آرزومند ہے تو تیرے لیے ضروری ہے کہ چھ دروازے اپنے اوپر بند کرلے اور چھ دروازے کھول لے۔

پہلا یہ ہے کہ نعمت وسہولت اور عیش وعشرت کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے۔ اور شدت ،مشقت اور تکلیف کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

دوسرا یہ کہ عزت اور شان وشوکت کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے۔ اور ذلت ومسکنت اور عاجزی وانکساری کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

تیسرا یہ کہ راحت وآرام کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے، راحت وآرام دوسرے کو دے، اور اپنے اوپر جہد اور بے آرامی کا دروازہ کھول لے۔

چوتھا یہ کہ نیند وغفلت کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے اور بے خوابی کا دروازہ اپنے اوپر

کھول لے۔

پانچواں یہ کہ مال ودولت اور غناوثروت کا دروازہ بند کرلے۔ اور فقرو بے نیازی کا دروازہ اپنے اوپر کھول دے۔

چھٹواں یہ کہ لمبی اُمیدوں اور آرزوؤں کا دروازہ بند کرلے۔ اور موت کی طرف اپنا دھیان جمالے، اور راہِ آخرت کی مسافرت کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

حضرت ابراہیم ادہم علیہ الرحمہ نے فرمایا: بیٹے! اگر تو نے ان چھ نصیحتوں کو رنگ عمل دے دیا تو تو یقین رکھ کہ تجھے زمرۂ صالحین میں شمولیت نصیب ہوجائے گی۔(۱)

داستان ایک نابینا نوجوان کی

حضرت سوار فرماتے ہیں: ایک دن جب میں خلیفہ مہدی (م۱۶۹ھ) کے دربار سے واپس آیا تو نہ جانے کیوں بے قراری و بے چینی سی محسوس ہونے لگی، نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں اُٹھا، سواری تیار کی، اور باہر آگیا، راستے میں اپنے کاروباری وکیل سے ملاقات ہوئی، اس کے پاس دراہم کی تھیلیاں تھیں، میں نے پوچھا: یہ رقم کہاں سے آئی؟۔ کہا: یہ کاروباری نفع کے دو ہزار درہم ہیں۔

میں نے کہا: انھیں اپنے پاس رکھو اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اتنا کہہ کر میں نہر کی جانب چل پڑا، پل عبور کرکے شارعِ 'دارِ رفیق' کی طرف صحرا کے قریب پہنچ کر کچھ دیر 'بابِ انبار' کے گرد گھومتا رہا، پھر بابِ انبار کی سڑک پر چلتا ہوا ایسے صاف ستھرے مکان کے قریب رُکا جو سرسبز وشاداب اور درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ دروازے پر خادم موجود تھا۔ میں نے پانی مانگا تو وہ خوشبودار میٹھے پانی سے بھرا ایک بہترین گھڑا لے آیا۔ میں نے پانی پی کر اس کا شکریہ اَدا کیا اور نمازِ عصر کے لیے قریب ہی ایک مسجد میں چلا گیا۔

(۱) طبقات الصوفیہ سلمی: ۲۹/۱۔

نمازِ عصر کے بعد ایک نابینا نوجوان نظر آیا جو کسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے کہا: اے بندۂ خدا! تجھے کس کی تلاش ہے؟۔ کہا: میں آپ ہی کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں نے کہا: کہو کیا کام ہے؟ اس نے بیٹھتے ہوئے کہا: میں نے آپ سے بہت عمدہ خوشبو سونگھ کر یہ گمان کیا ہے کہ آپ مالدار لوگوں میں سے ہیں۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں، اگر اجازت ہو تو عرض کروں؟ میں نے کہا: بتاؤ، کیا بات ہے؟۔ اس نے قریب ہی موجود ایک عمدہ محل کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا: آپ اس محل کو دیکھ رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: یہ عظیم الشان محل میرے والد کا تھا، اسے بیچ کر ہم خراسان چلے گئے۔

پھر کیا ہوا کہ گردشِ ایام کی زَد میں آکر ہم اپنی نعمتوں سے محروم ہوتے چلے گئے، تنگدستی ومفلسی نے ہمارے آنگن میں ڈیرے ڈال لیے، بالآخر میں مجبور ہو کر یہاں آیا تاکہ اس نئے مالک سے کچھ اِمداد کا مطالبہ کروں اور اپنے والد کے بہترین دوست سوّار کے پاس پہنچ کر اپنی حالت سے آگاہ کروں۔ نابینے نوجوان کی گفتگو سن کر میں نے پوچھا: تمہارے والد کا نام کیا ہے؟ جب اس نے اپنے والد کا نام بتایا تو وہ واقعی میرا بہترین اور سچا دوست تھا۔ میں نے اس نوجوان سے کہا: اے نوجوان! اللہ نے تجھے تیرے مطلوب تک پہنچا دیا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُس سے نینداور کھانے پینے کو روکے رکھا یہاں تک کہ اسے تیرے پاس لے آیا۔

سنو! میں ہی تمہارے والد کا دوست 'سوّار' ہوں۔ آؤ، میرے قریب آکر بیٹھو۔ نوجوان یہ سن کر حیرانی وخوشی کے عالم میں میرے قریب آبیٹھا۔ میں نے اپنے کاروباری وکیل سے دو ہزار درہم لیے اور اس نوجوان کو دیتے ہوئے کہا: ابھی یہ رقم اپنے پاس رکھ لو اور کل میرے گھر چلے آنا۔ یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا۔

اب میں نے سوچا کیوں نہ اس واقعہ کی اِطلاع خلیفہ مہدی کو دی جائے۔ چنانچہ میں خلیفہ کے پاس پہنچا اور اوّل سے آخر تک سب واقعہ کہہ سنایا۔ خلیفہ یہ سن کر بہت متعجب ہوا اور میرے لیے دو ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ میں واپس آنے لگا تو کہا: بیٹھو، اور یہ بتاؤ کہ کیا تم پر کسی کا قرض وغیرہ ہے؟۔ میں نے کہا: ہاں! میں پچاس ہزار دینار کا مقروض ہوں۔ خلیفہ چند لمحے

خاموش رہا، پھر تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد کہا: اب تم اپنے گھر چلے جاؤ، میں واپس آنے لگا تو میرے ساتھ ایک غلام تھا جس کے پاس پچاس ہزار دینار تھے۔اس نے مجھ سے کہا: خلیفہ نے حکم دیا ہے کہ اس رقم کے ذریعہ اپنا قرض اَدا کیجیے، پھر میں نے وہ رقم لے لی۔

آج دوسرا دن تھا لیکن وہ نابینا نوجوان ابھی تک نہ آیا تھا۔ میں اسی کے انتظار میں تھا کہ خلیفہ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ میں وہاں پہنچا تو خلیفہ نے کہا: ہم نے تمہارے معاملے میں غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ تمہارا قرض تو اَدا ہو جائے گا لیکن اس کے بعد دیگر ضروریات کے لیے تمہیں پھر کسی سے قرض لینا پڑے گا یا اور کسی اور اَمر کی طرف محتاجی ہوگی؛ لہٰذا میں تمہیں مزید پچاس ہزار دینار دے رہا ہوں، جاؤ! یہ تمہیں مبارک ہوں۔

میں پچاس ہزار دینار لے کر دوبارہ چلا آیا۔ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہ نابینا نوجوان آ گیا۔ میں نے کہا: اللہ بڑا جواد و کریم ہے، اس نے اپنے فضل وکرم کی خوب بارش برسائی ہے۔ یہ لو! یہ دو ہزار دینار لے جاؤ، اللہ تعالیٰ بہت رحیم وکریم ہے؛ چنانچہ اس نوجوان نے وہ رقم لی اور مجھے دعائیں دیتا ہوا رخصت ہو گیا۔(۱)

پردۂ خواب پر اُترنے والا ایک نوجوان

صاحب تنبیہ الغافلین امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھ تک حضرت صالح مری-علیہ الرحمہ-(م۱۷۲ھ) کا یہ قصہ پہنچا ہے کہ وہ جمعہ کی رات کو جامع مسجد میں نماز فجر پڑھنے آئے، راستہ میں ایک مقبرہ ملا، دل میں آیا کہ صبح صادق کے وقت مسجد چلے جائیں گے (یہ سوچ کر) مقبرے میں ٹھہر گئے، دو رکعت نماز پڑھی اور ایک قبر سے کچھ سہارا لگا لیا، آنکھوں میں نیند بھر آئی، کیا دیکھتے ہیں کہ سب اَصحاب قبور اپنی اپنی قبروں سے نکل کر حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ وہیں میں نے ایک نوجوان کو بھی دیکھا جو بالکل میلے کپڑے میں اُداس ومغموم ایک جانب بیٹھا ہوا ہے۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/ ۲۸۷، ۲۸۹۔

اتنے میں خوان پوشوں سے ڈھکے بہت سے خوان آئے، ہر آدمی اپنا اپنا خوان لے کر چلتا بنا آخر وہی جوان بے چارہ رہ گیا اس کے پاس کچھ بھی نہ آیا، وہ غم کا مارا اُداسی کے عالم میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا، جب قبر میں داخل ہونے لگا تو صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تو اُداس کیوں ہے؟ تو اس نے کہا: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کس قدر خوان آئے ہوئے تھے؟ میں نے کہا: ہاں!۔

اس نے کہا یہ تحفہ تحائف تھے جو اُن کے واسطے ان کے خیر خواہوں نے بھیجے تھے۔ وہ جو بھی صدقہ و دعا وغیرہ کرتے ہیں ان کو جمعہ کی رات پہنچ جاتا ہے۔ میں ملک ہند کا رہنے والا ہوں، اپنی ماں کو لے کر حج کے واسطے آیا ہوا تھا، بصرہ پہنچا تو میرا اِنتقال ہو گیا میری ماں نے میرے بعد نکاح کر لیا اور دنیا میں مشغول ہو کر مجھے بھول گئی، نہ منہ سے کبھی نام لیتی ہے اور نہ زبان سے کبھی دعا کرتی ہے، اب میں غمگین نہ ہوں تو کیا کروں، میرا کوئی نہیں جو مجھے یاد کرے۔

تب صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا تیری ماں کہاں ہے؟ اس نے پتا بتا دیا۔ میں نے صبح کی نماز پڑھی اور اس کا گھر ڈھونڈتا ہوا اس تک پہنچ گیا، اس نے اندر سے آواز دی، تو کون ہے؟ میں نے کہا صالح مری۔ پھر اس نے مجھے اندر بلایا اور میں چلا گیا۔ میں نے کہا: بہتر یہ ہے کہ میری اور تیری بات کوئی دوسرا نہ سنے، تب میں اس کے نزدیک گیا۔

میں نے کہا: خاتون! - اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے- یہ تو بتا تیرا کوئی بیٹا ہے؟۔ بولی نہیں۔ میں نے پوچھا: کبھی ہوا تھا۔ تب وہ سانس بھرنے لگی اور بولی، ایک جوان بیٹا تھا مگر اللہ کو پیارا ہو گیا، تب میں نے وہ مقبرہ والا قصہ اس سے بیان کر دیا، یہ سن کر وہ زار و قطار رونے لگی اور کہنے لگی: اے صالح مری! میرا وہ بیٹا میرا کلیجا اور میری آنکھوں کا تارا تھا۔ پھر اس عورت نے مجھے ہزار درہم دیے اور کہا کہ یہ میرے نورِ چشم کی طرف سے خیرات کر دیجیے گا اور اب جب تک دم میں دم ہے، میں اس کو دعا و خیرات میں یاد کرنا نہ بھولوں گی۔

صالح مری فرماتے ہیں کہ پھر میں نے وہ ہزار درہم خیرات کر دیے، اور آئندہ جمعہ کی رات پھر اس مقبرے میں گیا، دو رکعت نماز اَدا کی اور ایک قبر کے سہارے سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

پھر میں نے ان لوگوں کو قبروں سے نکلتے دیکھا اور اس جوان کو بھی دیکھا؛ مگر اب وہ پہلے کی طرح نہیں تھا بلکہ اوروں کی طرح وہ بھی سفید کپڑے پہنے ہوئے نہایت ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ اتنے میں وہ خوش خوش میرے پاس آ کر کہنے لگا: اے صالح مری! - اللہ آپ کا بھلا کرے - جو ہدیہ اور تحفہ آپ نے مجھے بھیجا تھا وصول ہو گیا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا تم جمعہ کو پہچانتے ہو؟۔ کہا: میں کیا، جانور تک اسے پہچانتے ہیں اور یہ کہا کرتے ہیں :

سلام ليوم صالح يعني يوم الجمعة -انتهىٰ-

مبارک دن یعنی روز جمعہ کو سلام۔(۱)

جب خوفِ آخرت دل میں گھر کر جائے

حضرت صالح مری علیہ الرحمہ ایک محفل میں وعظ فرما رہے تھے۔ انھوں نے اپنے سامنے بیٹھنے والے ایک نوجوان سے کہا کہ کوئی آیت پڑھو، تو اس نے یہ آیت پڑھ دی :

وَ اَنْذِرْهُمْ يَومَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِيْنَ، مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّ لاَ شَفِيْعٍ يُّطَاعُ o (سورۂ مومن: ۱۸/۴۰)

اور آپ اُن کو قریب آنے والی آفت کے دن سے ڈرائیں جب ضبطِ غم سے کلیجے منہ کو آئیں گے۔ ظالموں کے لیے نہ کوئی مہربان دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

یہ آیت سن کر آپ نے فرمایا: کوئی ظالم کا دوست یا مددگار کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہوگا؟۔ بے شک تم سرکشی کرنے والے گنہ گاروں کو دیکھو گے کہ انھیں زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا اور وہ برہنہ پاؤں ہوں گے۔ ان کے جسم بوجھل، چہرے سیاہ، اور آنکھیں خوف سے نیلی ہوں گی۔ وہ پکار پکار کر کہیں گے: ہم ہلاک ہو گئے، ہم برباد ہو گئے!۔ آخر ہمیں کیوں جکڑا گیا ہے، ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے اور آخر کار ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟۔

(۱) الکبائر ذہبی: ۱/۷۷..... تنبیہ الغافلین۔

فرشتے انھیں آگ کے کوڑوں سے ہانکیں گے، کبھی وہ منہ کے بل گریں گے اور کبھی انھیں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا۔ جب رورو کر ان کے آنسو خشک ہو جائیں گے تو خون کے آنسو رونا شروع کر دیں گے۔ ان کے دل دہل جائیں گے اور وہ حیرانی و پریشانی کے عالم میں ہوں گے۔ اگر کوئی انھیں دیکھ لے تو ان پر نگاہ نہ جما سکے گا۔ نہ دل کو سنبھال سکے گا، اور یہ ہولناک منظر دیکھنے والے کے بدن پر لرزہ طاری ہو جائے گا۔

یہ کہنے کے بعد حضرت صالح مری علیہ الرحمہ پھوٹ پھوٹ کر گریہ وزاری کرنے لگے اور پھر آہ بھر کر کہنے لگے: افسوس! کیسا خوفناک منظر ہوگا وہ۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگے اور ان کو روتا دیکھ کر لوگ بھی رونے لگے۔ اتنے میں ایک نوجوان کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: حضور! کیا یہ سارا منظر بروزِ قیامت ہوگا؟۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اور یہ منظر زیادہ طویل نہ ہوگا؛ کیوں کہ جب انھیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو ان کی آوازیں آنا بند ہو جائیں گی۔

یہ سن کر نوجوان نے ایک چیخ ماری اور کہا: افسوس! میں نے اپنی ساری زندگی غفلتوں کی نذر کر دی۔ افسوس! میں کوتاہیوں کا شکار رہا۔ افسوس! میں نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی۔ آہ میں نے اپنی زندگی فضول و عبث گنوا دی۔ یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگا۔

کچھ دیر کے بعد مناجاتی انداز میں عرض کرتا ہے: اے میرے پروردگار! میں اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کے لیے تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، مجھے تیرے سوا کسی سے غرض نہیں، مجھ سے جو برائیاں ہوئی ہیں انھیں معاف فرما کر مجھے قبول کر لے۔ مجھ سمیت تمام حاضرین پر اپنا فضل و کرم فرما اور ہمیں اپنی سخاوت سے مالا مال کر دے۔ یا ارحم الراحمین! میں نے گناہوں کی گٹھری تیرے سامنے رکھ دی ہے اور صدق دل سے تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اگر آج تو نے مجھے قبول نہیں کیا تو پھر میں ہلاک ہو جاؤں گا۔

اتنا کہہ کر وہ نوجوان غش کھا کر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ اور چند روز تک بستر علالت پر گزار کر انتقال کر گیا۔ اس کے جنازے میں کثیر لوگوں نے شرکت کی، اور رورو کر اس کے لیے دعائیں کی گئیں۔

حضرت صالح مری علیہ الرحمہ اس نوجوان کا ذکر اکثر اپنے وعظ میں کیا کرتے تھے۔ایک دن کسی نے اس نوجوان کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ تو اس نے جواب دیا: مجھے حضرت صالح مری کی محفل سے بہت سی برکتیں ملیں اور انجام کار مجھے جنت میں داخل کر دیا گیا۔(۱)

اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حضرت ابوقدامہ شام کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے وقت کے عظیم مجاہد اور مسلمانوں کے لشکر کے سپہ سالار تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔

ایک دن مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ کسی شخص نے کہا: ابوقدامہ! آپ نہ جانے کتنے معرکوں میں حصہ لے چکے ہیں۔ یقیناً اس جہاد میں بعض ایسے واقعات بھی پیش آئے ہوں گے جن سے آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے ہوں گے۔ہمیں کوئی ایسا واقعہ سنائیں جس سے ہمارے ایمان تازہ ہوں اور ہمارے اندر بھی غلبہ دین الٰہی کا جذبۂ جنون پیدا ہو۔

ابوقدامہ کہنے لگے: اگر یہی بات ہے تو سنو! میں تمہیں ایک ایسا واقعہ سناتا ہوں جس سے میں خود بھی بہت زیادہ متعجب اور متاثر ہوا :

صلیبیں جنگیں اپنے عروج پر تھیں۔ جب بھی عیسائیوں سے مقابلہ ہوتا، ہمارے نوجوان اسلام کی عظمت رفتہ لوٹانے کے لیے سر پر کفن باندھ کر دشمن کے مقابلے میں فولاد بن جاتے۔ جب ہمیں معلوم ہوا کہ اسلامی سرحد پر دشمن کی فوج جمع ہو رہی ہے، تو میں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ 'رِقہ' کا رخ کیا۔

رقہ' شام میں دریائے فرات کے کنارے ایک بڑا قصبہ ہے۔ میں نے وہاں سے اونٹ خریدا اور اس پر سامانِ حرب رکھا۔شام کے وقت قصبے کی مساجد میں گیا اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔کئی نوجوان ہمارے ساتھ دشمن کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔مجاہدوں کے لیے لوگوں نے ساز و سامان کا ڈھیر لگا دیا۔

(۱) کتاب التوابین: ۲۵۰ تا ۲۵۲۔

رات ہوئی تو میں نے ایک کمرہ کرائے پر لیا اور وہاں ٹھہر گیا۔ رات کا کچھ حصہ گزرا تو کسی نے دروازے پر دستک دی۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اتنی رات گئے مجھ سے کون ملنے کے لیے آسکتا ہے۔ میں اس شہر میں بالکل اجنبی اور نو وارد ہوں۔ آخر یہ کون ہوسکتا ہے؟ اسی سوچ بچار میں تھا کہ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو گلی میں ایک باپردہ باحیا خاتون نظر آئی۔ جب رات گئے ایک خاتون کو دیکھا تو ڈر گیا کہ یاالٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟۔ میں نے کہا: اللہ کی بندی! تو یہاں کیا لینے آئی ہے؟۔ کہنے لگی: کیا تم ہی ابوقدامہ ہو؟۔

میں نے کہا: ہاں! میں ہی ابوقدامہ ہوں۔ پھر بولی: آج تم ہی نے مساجد میں مجاہدین کے لیے ساز وسامان اکٹھا کیا ہے؟۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ ایک چھوٹی سی پوٹلی میرے حوالے کرکے روتی ہوئی چل دی۔ مجھے اس کے رونے پر بڑا تعجب ہوا۔ پوٹلی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے قندیل روشن کی اور پوٹلی کو کھولا تو اس میں ایک خط اور بالوں سے بنی ہوئی رَسی تھی۔ میں نے اس خط کو پڑھا۔ خط کا مضمون کچھ یوں تھا :

> ابوقدامہ! آج تم نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی اور اس میں مالی طور پر شرکت کی دعوت دی۔ میں ایک عورت ذات ہوں، خاتونِ خانہ ہوں۔ میں جہاد نہیں کرسکتی، نہ میرے پاس مال ودولت کی کثرت ہے کہ میں مجاہدین کے لیے مال پیش کرسکوں؛ چنانچہ میرے پاس جو نہایت خوب صورت اور اہم چیز تھی وہ میں آپ کے پاس لے کر آئی ہوں۔
>
> یہ دیکھیں، میرے بالوں کی لٹ ہے۔ میں نے اس سے یہ رسی بنائی ہے۔ تم اس رسی سے کسی مجاہد کے گھوڑے کو باندھ لینا۔ ہوسکتا ہے کہ جب میرا ربّ مجاہد کے گھوڑے کو میرے بالوں سے بنی ہوئی رسی سے بندھا دیکھے تو اس کو میرا یہ عمل پسند آجائے اور وہ مجھ سے راضی ہوجائے اور مجھے معاف کرکے جنت دیدے۔

ابوقدامہ کہنے لگے: مجھے اس خاتون پر بڑا تعجب ہوا، راہِ جہاد میں اس کی شرکت، اپنی مغفرت کی فکر اور جنت کا شوق- سبحان اللہ- ہر چند کہ یہ کام شریعت میں جائز نہیں کہ کوئی عورت اپنے بالوں کو کاٹے اور ان کی رسی بنائے؛ لیکن غلبہ دینِ الٰہی کی لگن، جہاد کی محبت اور جنت کا

شوق اس پر غالب آ گیا اور وہ یہ کام کر گزری۔ میں اس رسی کو اپنے سامان میں رکھ کر سو گیا۔

اگلے دن صبح سویرے حسب پروگرام مجاہدین کا قافلہ سرحد کی طرف میدانِ جنگ میں شرکت کے لیے روانہ ہوا۔ جب ہم مسلمہ بن عبدالملک کے قلعہ کے پاس پہنچے تو پیچھے سے ایک گھڑسوار تیزی سے ہماری طرف بڑھتا نظر آیا۔ وہ آواز لگا رہا تھا: اے ابوقدامہ! ذرا رک جاؤ، ذرا رک جاؤ۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم چلو! میں اس آدمی کی بات سن کر آتا ہوں۔

چنانچہ میں رک گیا اور اس سوار کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھڑسوار میرے پاس آ کر رکا۔ چہرہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا، آتے ہی بولا: اللہ کا شکر ہے کہ میری آپ سے ملاقات ہوگئی ہے اور میں نے گھر والوں سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کر دیا ہے۔

میں نے کہا: کون سا وعدہ، اور مجھ سے ملنے کی غرض وغایت کیا ہے؟۔ کہنے لگا: میں جہاد میں شرکت کے لیے آیا ہوں، تاخیر ہوگئی۔ میں نے کہا: اپنے چہرے سے کپڑا تو ہٹاؤ۔ اگر تمہاری عمر جنگ وقتال کے قابل ہوئی تو تمہیں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا؛ ورنہ میں تمہیں واپس کر دوں گا۔ جب اس نے چہرے سے پردہ ہٹایا تو میرے سامنے سولہ سترہ سال کا نہایت خوبصورت نوجوان کھڑا تھا۔

میں نے اس سے کہا: تمہارا والد زندہ ہے؟۔ کہنے لگا: نہیں۔ اس کو صلیبیوں نے شہید کر دیا ہے۔ میں اللہ کے ان دشمنوں سے جہاد کرنے کے لیے آیا ہوں۔ میں نے کہا: تمہاری والدہ زندہ ہے؟، کہنے لگا: ہاں وہ زندہ ہے۔ میں نے کہا: پھر اس کی خدمت کرو اور اس کے پاس واپس چلے جاؤ، اس کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔

اس نے میری اس بات پر بڑا تعجب کیا اور کہنے لگا: آپ میری والدہ کو نہیں جانتے؟، میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اتنی جلدی بھول گئے۔ میری والدہ وہی پوٹلی والی خاتون ہے جو رات کو آپ کی خدمت میں آئی تھی۔ مجھے رات کا واقعہ یاد آ گیا۔ میں نے کہا: اچھا تو وہ تمہاری والدہ تھیں؟، کہنے لگا: ہاں وہ میری والدہ تھی اور اسی نے مجھے کافروں سے جہاد کے لیے روانہ کیا ہے اور مجھے قسم دی ہے کہ میں جہاد میں شرکت کیے بغیر گھر واپس نہ آؤں۔

ابوقدامہ! جب میں یہاں آرہا تھا تو میری والدہ نے کچھ نصیحتیں کیں، اور کہنے لگیں :

میرے بیٹے! میری باتیں غور سے سنو! جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو دیکھنا کہیں تمہارے قدم پھسل نہ جائیں۔تمہارے قدموں میں لغزش نہ آنے پائے، جم کراور ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔دشمن کے مقابلے میں بھاگ نہ جانا۔اور ہاں جنگ کے وقت رب کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اپنے رب سے اس کے جوار رحمت میں جگہ اور مقام طلب کرنا۔ جنت میں اپنے والد اور اپنے ماموں کی ہمسائیگی مانگنا، اور پھر میرے پیارے بیٹے! اگر تم کوشہادت مل جائے تو رب سے میری مغفرت کی شفاعت کرنا۔

پھر میری والدہ نے مجھے اپنے سینے سے لگالیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگی: اے اللہ! یہ میرا بیٹا ہے، میرالختِ جگر ہے، میں اسے تیرے سپرد کرتی ہوں۔اے اللہ! اسے اپنے والداور ماموں کے پاس جگہ عطا فرمادے۔

ابوقدامہ نے کہا: مجھے اس نوجوان کی گفتگو سن کر بڑا تعجب ہوا۔اس نوجوان نے جلدی سے کہا: ابوقدامہ! آپ کو اللہ کی قسم، مجھے جہاد میں شرکت سے محروم نہ کرنا۔ میں رب کی راہ میں شہادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ان شاء اللہ شہید ہوں گا، ایک شہید کا بیٹا، ایک شہید کا بھانجا۔ میری چھوٹی عمر پر نہ جائیں۔ میں حافظِ قرآن ہوں، تیراندازی اور شمشیرزنی کا ماہر ہوں، گھڑ سواری میرے لیے کھیل اور تماشا ہے۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں؛ چنانچہ اب میرے پاس سوائے اس نوجوان کو ہمراہ لے جانے کے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

ابوقدامہ نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: دورانِ سفر واقعی اس نوجوان نے جیسا کہا تھا میں نے ویسا ہی اس کو پایا۔ وہ ہم سب سے آگے آگے اور مجاہدین کی خدمت میں پیش پیش رہتا۔شام ہونے کو تھی۔ہم سارے دن کے سفر کی وجہ سے خاصے تھکے ہوئے تھے۔ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور کھانا پکانے کا سامان کرنے لگے۔اسی دوران وہ لڑکا میرے پاس آیا اور مجھے قسم دے کر کہنے لگا: چچاجان! آپ کو اللہ کی قسم! مجھے مجاہدین کا کھانا تیار کرنے کی سعادت حاصل کرنے دیں۔ میں ان کا نوکر اور خادم ہوں۔ میں ان کا کھانا پکاؤں گا۔

میں نے ہر چند انکار کیا مگر اس کا اِصرار غالب آ گیا۔ میں نے اس سے کہا: اچھا پڑاؤ سے ذرا دور جا کر آگ جلاؤ تا کہ اس کے دھویں سے ساتھی پریشان نہ ہوں؛ چنانچہ وہ ہم سے ذرا دور آگ جلا کر کھانا پکانے میں مصروف ہو گیا۔ خاصی دیر ہو گئی تو میرے ساتھیوں نے کہا: اے ابوقدامہ! اپنے ساتھی کی ذرا خبر تو لیجیے، وقت خاصا ہو چکا ہے اور وہ ابھی تک کھانا لے کر نہیں آیا۔ میں نے کہا: میں ابھی اس کے پاس جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کھانا کس مرحلے میں ہے۔

جب اس کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چولھے پر برتن رکھا ہے، آگ جل رہی ہے اور ذرا دور وہ نوجوان ایک پتھر پر سر رکھ کر سو رہا ہے۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا اور ہمدردی کے جذبات اُمڈ آئے۔ میں نے اس کو گہری نیند سے اُٹھانا مناسب نہ جانا اور خود پکانے میں مشغول ہو گیا۔ اس دوران میں کبھی کبھار اس کے پُرسکون چہرے کو دیکھتا رہا۔ سارے دن کے سفر کی تھکاوٹ سے وہ دنیا جہان سے بے پروا ہو کر سو رہا تھا۔

اچانک اس کے چہرے پر مسکراہٹ طاری ہو گئی۔ میں نے غور سے اس کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی، پھر اس نے اچانک ہنسنا شروع کر دیا اور پھر زوردار ہنسی کے دوران اس کی آنکھ کھل گئی۔ جیسے اس کی نظر مجھ پر پڑی، وہ بڑا شرمندہ اور کھسیانا سا ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہا: مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کے کھانے میں تاخیر کر دی۔ دراصل تھکاوٹ کی وجہ سے نیند کا غلبہ ہو گیا اور میں غالباً گہری نیند سو گیا تھا۔ پھر میری آنکھوں میں ایک خواب اُتر آیا۔

میں نے محبت سے اس کو دیکھا اور کہا: کوئی بات نہیں، تم میرے بیٹے ہو، آؤ مل کر کھانا پکاتے ہیں۔ اس نے کہا: نہیں میں آپ کا خادم ہوں، کھانا میں تیار کرتا ہوں۔ اب کی بار میں نے اس کو قسم دی کہ جب تک تم اپنا خواب اور خواب میں مسکرانے اور پھر ہنسنے کا قصہ نہیں سنا لیتے، میں تمہیں کھانے کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گا۔ کہنے لگا: چچا جان! اس خواب کو میرے اور میرے رب کے درمیان ہی رہنے دیں۔ میں نے پھر اس کو قسم دی کہ سناؤ تم نے خواب میں کیا دیکھا ہے؟۔

کہنے لگا: چچا جان! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں۔اس کی خوب صورتی اور حسن و جمال کے کیا کہنے! میں اس کی خوبصورتی میں محوآگے بڑھتا گیا۔راستے میں مجھے ایک نہایت خوبصورت محل نظر آیا۔سونے اور چاندی کا بنا ہوا، یہ محل اپنی نظر آپ تھا۔اس کے دروازے سونے کے تھے، اوران پرموتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔اس کے اندر نہایت خوبصورت لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ان میں سے ایک نے اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی کو مخاطب کیا اور میری طرف اِشارہ کر کے کہنے لگی: یہ مرضیہ کا خاوند ہے۔یہی مرضیہ کا شوہر ہے۔

میں نہیں جانتا تھا کہ مرضیہ کون ہے؛ چنانچہ میں نے اس سے پوچھا: کیا تم مرضیہ ہو؟۔کہنے لگی: نہیں، میں تو اس کی نوکرانیوں میں سے ایک ہوں۔تم اگر مرضیہ کو دیکھنا اور ملنا چاہتے ہو تو اس محل میں داخل ہو جاؤ، وہ تمہیں مل جائے گی۔چنانچہ میں اس محل میں داخل ہو گیا۔اس کے کمرے ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت تھے۔اوپر والی منزل میں ایک نہایت خوب صورت کمرہ، جس میں مسہری سجی ہوئی اور اس پر نہایت خوبصورت روشن چہرے والی خوبرو لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔

میں جب اس کے قریب ہوا تو کہنے لگی: اے اللہ کے بندے، اور اس سے محبت کرنے والے! مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور تمہیں میرے لیے پیدا کیا ہے، میری اور تمہاری ملاقات ضرور ہوگی؛ مگر اس ملاقات میں ابھی تھوڑا سا وقت باقی ہے۔میں نے جب اس کی گفتگو سنی تو چہرے پر مسکراہٹ طاری ہوگئی۔پھر میں شوقِ ملاقات میں ہنسنے لگا۔ابوقدامہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا: اللہ مبارک کرے، تم نے نہایت اچھا خواب دیکھا ہے۔

ابوقدامہ آگے بیان کرتے ہیں: ہم نے رات کا کھانا کھایا اور اگلے دن کے سفر کی تیاری کر کے آرام کرنے کے لیے اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔فجر کی نماز کے بعد ہم نے چھاؤنی کی طرف کوچ کیا اور وہاں باقی اسلامی فوج کے ساتھ شامل ہو گئے۔دن ذرا روشن ہوا تو ہم دشمن کے ساتھ مقابلے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔صفوں کو سیدھا کیا گیا اور کمانڈر نے میمنہ اور میسرہ پر نگران مقرر کر دیے۔سورۂ انفال کی آیات تلاوت کی گئیں اور جہاد کے اَجر و ثواب کو بیان کیا گیا۔

مجاہدین میں ایک جوش و خروش پیدا ہو گیا، اور وہ مرتبہ شہادت پر فائز ہونے کے لیے بے

چین ہو گئے۔ساتھیوں نے اپنے دائیں بائیں اپنے رشتہ داروں،عزیزوں اور بہادروں کو جمع کیا کہ وقت آنے پر ایک دوسرے کی مدد کرسکیں؛ مگر اس نوجوان کا یہاں کوئی واقف کار تھا نہ باپ نہ رشتہ دار، جو اس کے بارے میں سوچتا، اور اس کو اپنے قریب بلاتا۔ میں اسی سوچ اور فکر میں تھا کہ اس کو اپنے ساتھ رکھوں۔ اچانک میری نظر اس پر پڑی، وہ بالکل اگلی صفوں میں نظر آرہا تھا۔ میں صفوں کو چیرتا ہوا اس کے پاس جا پہنچا اور کہا: میرے بیٹے! کیا اس سے پہلے کبھی کسی معرکے میں شرکت کرنے کا موقع میسر آیا ہے؟،اس نے کہا: نہیں، یہ میری پہلی جنگ، پہلا معرکہ اور کافروں سے پہلا مقابلہ ہے۔ میں پہلی مرتبہ میدانِ جنگ کو دیکھ رہا ہوں۔

میں نے کہا: بیٹے! جنگ کوئی کھیل نہیں، بڑے بڑے بہادروں اور سورماؤں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔تم ایسا کرو کہ میدانِ جنگ کے پچھلے حصے میں چلے جاؤ۔ اگر اللہ نے ہم کو فتح عطا کی تو تم بھی اس میں حصہ دار ہوگے، اور اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس رہا تو کم از کم تمہاری جان تو بچ جائے گی۔ یہ سن کر اس نے میری طرف عجیب نظروں سے دیکھا اور کہا: آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں!! میں نے کہا: ہاں، میں ایسی بات کہہ رہا ہوں۔ کہنے لگا: چچا جان! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں جہنمی بن جاؤں؟۔

میں نے کہا: نعوذ باللہ، بیٹے! میں ایسا کیوں چاہنے لگا!۔تب وہ مجھ سے کہنے لگا: ذرا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کریں :

يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفاً فَلاَ تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ، وَمَـن يُـوَلِّهِـمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ اِلَّا مُتَحَرِّفاً لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزاً اِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (سورۂ انفال:۸/۱۵،۱۶)

اے ایمان والو! جب تم (میدانِ جنگ میں) کافروں سے مقابلہ کرو (خواہ وہ) لشکرِ گراں ہو پھر بھی انہیں پیٹھ مت دکھانا۔ اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا، سوائے اس کے جو جنگ (ہی کے لیے کوئی داؤ چل رہا ہو یا اپنے (ہی) کسی لشکر سے (تعاون کے لیے) ملنا چاہتا ہو، تو واقعتاً وہ اللہ کے غضب کے ساتھ پلٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ (بہت ہی) برا ٹھکانا ہے۔

کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں میدانِ جنگ سے بھاگنے والوں میں سے بن جاؤں، اور پھر جہنم میرا ٹھکانہ ہو؟۔

ابوقدامہ کہنے لگے: میں اس کی سوچ اور فکر پر بڑا حیران ہوا۔ اس آیت کا مفہوم، اور غلبہ دینِ حق کا یہ جذبۂ جنوں! میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ٹھیک اسی دوران لڑائی شروع ہو گئی۔ گھمسان کا رَن پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ ہمارے درمیان گھوڑے حائل ہو گئے۔ دونوں طرف سے بہادروں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھانے شروع کر دیے۔

ایسے عالم میں ہر ایک کو اپنی اپنی فکر۔ زرہیں اور خود کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ لوگ زخمی ہو کر اپنے گھوڑوں سے نیچے آ رہے تھے۔ پھر میدانِ جنگ میں گرد و غبار چھا گیا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا حتیٰ کہ دوپہر کا وقت ہو گیا۔ مومنین کی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے مدد فرمائی اور انھیں غلبہ نصیب ہوا۔ دشمن بھاگنے پر مجبور ہو گئے، اور صلیبیوں کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔

جب میدانِ جنگ خالی ہوا تو ہم نے ظہر کی نماز اَدا کی اور پھر ہر کوئی اپنے عزیز و اقارب کو تلاش کرنے اور اس کا حال دیکھنے اور پوچھنے کے لیے نکل کھڑا ہوا؛ مگر وہ نوجوان جس کا نہ کوئی قریبی رشتہ دار تھا اور نہ کوئی اس کو پوچھنے والا تھا، میرے دل میں اسی کا خیال تھا کہ وہ کہاں ہے؟ کہیں زخمی تو نہیں، کہیں شہید تو نہیں ہو گیا؟ کہیں دشمن بھاگتے ہوئے اسے قیدی بنا کر نہ لے گئے ہوں؟ دل میں طرح طرح کے خیالات اور وسوسے آتے رہے اور میں اس کو تلاش کرنے کے لیے چل پڑا۔ میں مقتولین اور زخمیوں میں اسے تلاش کرتے کرتے آگے بڑھ گیا کہ دفعتاً ایک طرف سے آواز سنائی دی: لوگو! میرے چچا ابوقدامہ کو تلاش کرو۔

میں نے آواز کی جانب کان لگائے اور اس طرف چل دیا۔ سامنے اس نوجوان کو شدید زخمی حالت میں دیکھا۔ اس کا جسم زخموں سے چور تھا۔ سینے کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ وہ نیم صحرا میں جاں کنی کے عالم میں تھا۔

میں تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔ میرے بیٹے! میری طرف دیکھو۔ میں ہوں تمہارا چچا ابوقدامہ۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور گویا ہوا: اللہ تیرا شکر ہے، ابوقدامہ میرے پاس آ گئے

ہیں۔ چچا! میری وصیت کو پلے باندھ لیں، اسے غور سے سنیں۔ میں نے اس کو اپنی گود میں لٹا لیا۔ اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھا تو میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اتنا خوب صورت چہرہ! میں نے اپنی عبا سے اس کے چہرے کو صاف کیا۔ دل میں اس کی ماں کا تصور آیا کہ جب اس کو بیٹے کی اِطلاع ملے گی تو اس کا کیا حال ہوگا! ۔ گزشتہ برس اس کا خاوند شہید ہوا، پھر اس کا بھائی، اور یہ اس کا بیٹا۔ اللہ اکبر!، اس کے دل پر کیا بیتے گی! ۔

نوجوان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا: چچا! اپنی چادر سے میرے جسم کو صاف نہ کریں بلکہ میری چادر سے اس لہو کو صاف کریں۔ چچا جان! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جب میں وفات پا جاؤں تو مجھے اسی میدان میں دفن کر دیں اور 'رقہ' میں میری والدہ کے پاس ضرور جائیں۔ اس کو خوش خبری سنائیں کہ اس کے رب نے اس کے تحفے کو قبول کر لیا ہے۔ اس کا بیٹا رب کی بارگاہ میں شہید ہو کر پہنچا ہے۔ اس نے زخم اپنے سینے پر کھائے ہیں۔ دشمن کے مقابلے میں پیٹھ نہیں پھیری۔ میری والدہ سے کہیں کہ کل ان شاء اللہ میں جنت میں اپنے والد اور ماموں سے ملاقات کروں گا تو ان کو آپ کا سلام پیش کر دوں گا۔

چچا جان! میری والدہ میری موت کا یقین نہیں کرے گی۔ ایسا کریں کہ میرے خون آلود کپڑے اپنے ہمراہ لے جائیں، اس کو دکھائیں اور اس سے کہیں کہ اب تمہاری اپنے بیٹے سے ملاقات ان شاء اللہ جنت ہی میں ہوگی۔

چچا جان! میرے گھر میں میری نو سالہ چھوٹی بہن ہے، جو مجھ سے بہت زیادہ محبت اور پیار کرتی تھی۔ جب بھی گھر جاتا خوشی سے چہک اُٹھتی۔ جب گھر سے روانہ ہوتا تو غمگین ہو جاتی۔ گزشتہ برس والد بزرگوار کی شہادت سے بڑی غمگین اور پریشان رہی۔

جب میں جہاد کے لیے آ رہا تھا اور اس کو میری روانگی کا پتا چلا تو وہ میرا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی: بھیا! ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ رک جاؤ، بھیا! جلدی واپس آنا، زیادہ دیر نہ کرنا، میں اُداس ہو جاؤں گی۔ چچا جان! میری بہن کو دلاسہ دیں، اس کے سر پر ہاتھ رکھیں اور اس کو حوصلہ بخشیں۔

اس کی آواز بتدریج آہستہ ہوتی گئی۔ وہ مجھ سے گھر کی، اپنے والدین کی اور غلبہ دین حق کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ اس کی باتیں اچھی طرح سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ دراصل اس کا آخری وقت آچکا تھا۔ اچانک اس نے زور سے کہا: چچا جان! اللہ کی قسم میرے رب نے اس خواب کو سچ کر دکھایا ہے۔ رب کعبہ کی قسم! جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ سچا تھا۔ اللہ کی قسم! اب میں مرضیہ کو کھلی آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔ اس کی خوشبو آرہی ہے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے میرے ہاتھوں میں جان دیدی۔

ابوقدامہ کہہ رہے تھے: میں نے اس کے خون آلود کپڑوں کی گٹھری بنائی، شہدا کو دفن کیا اور اس کا پیغام اس کی والدہ کو پہنچانے کے لیے 'رقہ' آگیا۔ رقہ میں نہ تو اس کی والدہ کے نام کا پتا تھا اور نہ میں اس نوجوان کا نام ہی پوچھ سکا۔

میں اسی سوچ بچار میں تھا کہ اس کے گھر کے بارے میں کہاں سے پتا پاؤں۔ گلیوں میں چلتے چلتے ایک مکان کے باہر میں نے ایک پریشان صورت بچی کو دیکھا جو مختلف راہ گیروں سے پوچھ رہی تھی کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ اگر کوئی کہتا کہ میں میدانِ جہاد سے آرہا ہوں تو وہ اپنے بھائی کے بارے میں سوال کرتی کہ میرا بھائی کہاں ہے؟ تم نے اس کو نہیں دیکھا؟ سارے لوگ آرہے ہیں، وہ کیوں نہیں آرہا ہے؟ کہاں چلا گیا؟۔ لوگ ''ہمیں معلوم نہیں'' کہہ کے آگے بڑھ جاتے۔

پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی تو پوچھنے لگی: چچا! آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے کہا: جہاد سے۔ وہ بولی: پھر تو آپ کو میرے بھیا کے بارے میں ضرور معلوم ہوگا۔ میں نے اس سے پوچھا: تمہاری والدہ کہاں ہے؟۔ کہنے لگی کہ گھر میں ہے۔ میں نے کہا کہ اس کو باہر بلاؤ۔ تھوڑی دیر میں اس کی والدہ چادر میں لپٹی ہوئی باہر نکلی۔ جب اس نے میری آواز سنی تو اس نے پوچھا: تم ابوقدامہ ہو؟۔ میں نے کہا: ہاں، میں ابوقدامہ ہوں۔

کہنے لگی تو پھر بتاؤ کہ تم میرے لیے خوش خبری لے کر آئے ہو یا بری خبر۔ میں نے کہا: اماں جان! آپ کے نزدیک خوش خبری کے معنی کیا ہیں؟۔ کہنے لگی: اگر تم مجھے یہ خبر دو کہ میرا بیٹا اسلام

کے دشمنوں صلیبیوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا ہے تو یہ میرے لیے خوش خبری ہو گی کہ میں شہید کی ماں بن گئی ہوں۔ اور اگر مجھے یہ بتاؤ کہ میرا بیٹا بچ کر' غازی بن کر' مالِ غنیمت لے کر لوٹا ہے تو یہ میرے لیے اچھی خبر نہیں کہ میرے رب نے میرے ہدیے کو قبول نہیں فرمایا۔

میں نے دل پر قابو رکھ کر کہا: اماں جان! میں آپ کے پاس شہادت کی بشارت لے کر آیا ہوں۔ آپ کا بیٹا! رب کی راہ میں شہید ہو گیا ہے۔ اس نے زخم سینے پر کھائے ہیں۔ دشمن کے مقابلے میں اس نے نہ تو منہ پھیرا، اور نہ ہی بھاگا۔ ماں کہنے لگی: ابوقدامہ! مجھے تمہاری بات پر پورا یقین نہیں آ رہا ہے، تمہارے پاس اس کا ثبوت کیا ہے؟۔

میں نے وہ خون آلود کپڑوں کی گٹھڑی کھولی اور اس میں سے اس نوجوان کے کپڑے نکالے۔ یہ دیکھو اس کی چادر، اسی سے آپ نے اپنے ہاتھوں اس کے سر پر عمامہ باندھا تھا۔ میں اس کو روتے ہوئے کپڑوں کو دکھاتا گیا۔ اس کی بہن خاموشی سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی والدہ نے اللہ اکبر کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

اس کی بہن کو جب اپنے بھائی کی شہادت کا پتا چل گیا، اور یقین ہو گیا تو اس نے چیخ مارا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اس کی ماں دوڑتی ہوئی اندر گئی اور پانی کا پیالہ لے کر آئی۔ میں بچی کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا اور اس کو ہوش میں لانے کی ترکیب کرنے لگا۔ اس کی ماں نے بچی کو اپنے ہاتھوں سے اُٹھایا اور گھر میں چلی گئی۔ پھر اس نے دروازے کو بند کر لیا۔ میں دروازے سے منہ لگائے کھڑا اس کی آہ و زاری سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی :

> اے میرے پروردگار! اے میرے مالک و مولا! میں نے اپنا خاوند، اپنا بھیا، اور اپنا لاڈلا تیرے سپرد کر دیا۔ وہ تیری راہ میں شہید کر دیے گئے۔ اے اللہ! تو اپنے فضل و کرم سے مجھ سے راضی ہو جا اور مجھے بھی ان کے ساتھ جنتیوں میں شامل کر دے۔

ابوقدامہ کہنے لگے: میں نے متعدد بار اس کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ شاید وہ دروازہ کھول دے تو اس کی مالی طور پر کچھ مدد کر دوں یا اس کے بارے میں لوگوں کو مطلع کروں؛ مگر نہ اس نے دروازہ

کھولا اور نہ اس کی آواز سنائی دی۔

حضرت ابوقدامہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے اس سے زیادہ اسلام سے، غلبہ دین حق سے اور اپنے رب سے محبت کرنے والی کوئی خاتون نہیں دیکھی!۔ اور اپنی زندگی میں سب سے زیادہ میں اسی واقعہ سے متاثر ہوا۔(۱)

فروغِ اسلام کے لیے بیٹے کی قربانی

بصرہ میں کچھ عبادت گزار بیبیاں تھیں جن میں سے ایک کا نام ابراہیم الھاشمیہ تھا انہی دنوں دشمنوں نے مسلمانوں کی کسی سرحد پر حملہ کر دیا، اس حملے کے دفاع کے لیے مجاہدین کی ضرورت تھی۔ اس وقت کے (ایک جید عالم دین بزرگ) عبدالواحد بن زید بصری رحمہ اللہ (م ۱۷۷ھ) نے لوگوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے کے لیے تقریر کے دوران حور عین کا تذکرہ چھیڑا اور ان کے اوصاف بیان فرمائے اور ان کی شان میں چند اشعار پڑھے (جن کا مفہوم کچھ یوں ہے):

> وہ نوجوان لڑکیاں ہیں۔ ناز ونخرے میں پلی ہوئیں، خوبصورت چال چلنے والی۔ ان سے وہ سب کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے جس کی چاہت کی جائے۔ وہ حسن پاکیزگی سے بنی ہیں اور ہر تمنا اور ہر خواہش ان سے پوری کی جاسکتی ہے۔ وہ خوبصورت جسم اور کالی آنکھوں والی ہیں۔ مشک کی خوشبو ان کے رخساروں سے چھلکتی ہے۔ ان کے چہروں پر خوشی کی چمک اور ناز ونعمت کی دمک رقصاں رہتی ہے۔ جب نرگسی باغوں میں پیالوں کا دور چل رہا ہوگا اور وہاں کی ہوا میں خوشبو مہک رہی ہوگی، تب وہ اپنے پیغام دینے والے (خاوندوں) کو اپنی خوبصورت آواز میں کہتی ہیں اور ان کی آواز میں ایسی محبت بھری ہوتی ہے جو خالص اور دل کو باغ باغ کرنے والی ہو: اے میرے محبوب! میں تمہارے علاوہ کسی کو نہیں

(۱) صفۃ الصفوۃ ابن جوزی: ۱/۱۹۸۔

چاہتی اور جب تمہاری دنیا سے جدائی ہوگی تب ہمارے ملاپ کا آغاز ہوگا، تم
ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو منزل کے قریب پہنچ کر سرکشی اِختیار کر لیتے ہیں۔
اے محبوب! مجھے غافل لوگ پیغام نکاح نہیں دے سکتے مجھے تو وہ لوگ پیغام دیتے
ہیں جو اللہ کے سامنے گڑگڑانے والے ہوتے ہیں۔

یہ اشعار سن کر مجمع (شوقِ آخرت میں) بیقرار ہو گیا اور وہ خاتون اچانک کھڑی ہو گئیں اور کہنے لگیں: اے ابو عبیدہ (یہ شیخ عبدالواحد کی کنیت ہے) کیا تم میرے بیٹے ابراہیم کو نہیں جانتے، بصرہ کے بڑے بڑے مالدار اور رئیسوں نے اس کے لیے اپنی لڑکیوں کے پیغام بھیجے ہیں مگر میں نے کسی لڑکی کو پسند نہیں کیا لیکن آج آپ نے جس لڑکی (یعنی حورعین) کا تذکرہ کیا وہ مجھے بہت پسند آئی ہے اور میں اسے اپنی دلہن بنانا چاہتی ہوں۔ مہربانی کر کے آپ دوبارہ اس کی خوبیاں اور اس کا حسن و جمال بیان فرمائیں۔

یہ سن کر شیخ عبدالواحد رحمہ اللہ نے پھر حورعین کی خوبیاں بیان فرمائیں اور پھر یہ اشعار پڑھے (جن کا مفہوم یہ ہے):

ان کے چہرے کے نور سے اصلی نور پیدا ہوتا ہے اور ان کے خوشبودار بدن
سے لگنے والی ہوا عطر کے مقابلے میں فخر کرتی ہے۔ اگر وہ پتھروں اور کنکریوں پر
اپنا جوتا رکھ دیں تو بارش کے بغیر مشرق و مغرب سرسبز و شاداب ہو جائیں۔ اگر تم
ان کی کمر کو گرہ لگانا چاہو تو ریحان کی سبز پتوں والی ڈالی کی طرح تم آسانی سے
گرہ لگا لو گے۔ اگر وہ اپنا لعابِ دہن کھاری سمندر میں ڈال دیں تو زمین کے
لوگ ان سمندروں کو (شہد سمجھ کر) مزے سے پی جائیں۔ قریب ہے کہ آنکھ کی
جھپک ان کے نازک رخساروں کو زخمی کر دے اور دل کے خیالات ان کی پیشانی
پر پڑھے جائیں۔

یہ اشعار سن کر لوگوں کا شوق اور بے چینی اور زیادہ بڑھ گئی اور خاتون دوبارہ کھڑی ہوئیں اور کہنے لگیں: مجھے یہ لڑکی پسند آئی ہے، میں دس ہزار دینار مہر دے کر اسے اپنے بیٹے کی دلہن بنانا

چاہتی ہوں۔اے شیخ عبدالواحد! میرے بیٹے کا اس لڑکی سے نکاح کرادیجئے، وہ اس لڑائی میں آپ کے ساتھ نکلے گا ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے شہادت نصیب فرمادے اور قیامت کے دن میری اور اپنے والد کی شفاعت کا ذریعہ بن جائے۔

شیخ عبدالواحد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اے خاتون! اگر آپ نے اپنے بیٹے کو جہاد میں بھیج دیا تو وہ بھی کامیاب ہوجائے گا اور آپ اور اس کا والد بھی بڑی کامیابی پائیں گے۔ پھر اس خاتون نے اپنے بیٹے کو آواز دی۔ بیٹا ابراہیم۔ آواز سن کر مجمع میں سے ایک نوجوان تیزی سے کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: میں حاضر ہوں امی جان۔

خاتون نے کہا اے بیٹے! کیا تو اس لڑکی (یعنی حورعین) کو اس شرط پر بیوی بنانے کے لیے تیار ہے کہ تو اپنی جان اللہ کے راستے میں قربان کرے گا اور گناہوں میں واپس نہیں لوٹے گا؟۔

جوان کہنے لگا: امی جان! خدا کی قسم! میں بخوشی اس شادی پر راضی ہوں۔

یہ سن کر وہ خاتون کہنے لگیں: اے میرے پروردگار! تو گواہ رہنا کہ میں نے اپنے بیٹے کی شادی اس لڑکی سے اس شرط پر کردی ہے کہ میرا بیٹا اپنی جان تیری راہ میں قربان کرے گا اور گناہوں کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا۔ اے ارحم الراحمین! میری طرف سے اسے قبول فرمالے۔

اس کے بعد وہ خاتون گھر گئیں اور دس ہزار دینار لاکر شیخ عبدالواحد کو دیے اور فرمانے لگیں یہ اس لڑکی کا مہر ہے۔ آپ اپنے لیے اور دوسرے مجاہدین کے لیے اس سے سامانِ جہاد خریدیں۔ پھر وہ واپس ہوگئیں اور انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے عمدہ گھوڑا خریدا اور بہترین اسلحہ اسے دیا پھر جب شیخ عبدالواحد اس لشکر کو لے کر روانہ ہوئے تو ابراہیم بھی دوڑتا ہوا ساتھ نکلا اور کچھ قرآن مجید کے قاری اس کے اردگرد یہ آیت پڑھتے ہوئے جارہے تھے :

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۝

(سورۂ توبہ: ۹/۱۱۱)

بیشک اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال، ان کے لیے جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔

وہ خاتون بھی لشکر کو رخصت کرنے کے لیے نکلیں جب وہ واپس ہونے لگیں تو انہوں نے اپنے بیٹے کو کفن اور خوشبو دی اور فرمایا: اے پیارے بیٹے! جب دشمن سے مقابلے کے لیے نکلنا تو یہ کفن باندھ لینا اور خوشبو لگا لینا اور اللہ کے راستے میں لڑتے ہوئے کوتاہی مت کرنا۔ پھر انہوں نے اسے سینے سے لگایا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا: پیارے بیٹے! میری دعا ہے کہ اللہ تعالی اب ہم دونوں کو قیامت کے میدان میں ہی ملائے۔

عبدالواحد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ہم محاذ پر پہنچ گئے اور جنگ کا اعلان ہو گیا تو کچھ لوگ آگے لڑنے کے لیے نکلے، ان میں ابراہیم سب سے آگے تھا، اس نے بہت سارے دشمنوں کو قتل کیا مگر پھر دشمنوں نے اسے گھیر کر شہید کر دیا۔

جب ہم بصرہ کی طرف واپس آنے لگے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابراہیم کی والدہ کو اس کے بیٹے کی شہادت کی خبر نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو وہ غم میں اپنا اجر ضائع کر بیٹھے۔ جب ہم بصرہ پہنچ گئے تو لوگ آ آ کر ہم سے ملنے لگے۔ ان لوگوں میں ابراہیم کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے جیسے ہی مجھے دیکھا فرمانے لگیں: اے ابوعبیدہ! اگر اللہ تعالیٰ نے میرا ہدیہ قبول کر لیا ہے تو میں خوشی مناؤں۔ اور اگر واپس لوٹا دیا ہے تو میری تعزیت کی جائے۔

میں نے کہا: بخدا اللہ تعالی نے تمہارا ہدیہ قبول کر لیا ہے اور تمہارا بیٹا حقیقی زندگی پا کر شہدا کے ساتھ کھا پی رہا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ شکراً ادا کرتی ہوئی سجدے میں گر گئیں اور کہنے لگیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے مایوس نہیں کیا اور میری قربانی کو قبول فرمایا۔ اس کے بعد وہ واپس چلی گئیں۔

اگلے دن وہ پھر مسجد میں آ گئیں اور سلام کر کے کہنے لگیں۔ مبارک ہو اے ابوعبیدہ! رات خواب میں میں نے اپنے بیٹے کو ایک خوبصورت باغ میں ایک سبز محل میں دیکھا، وہ موتیوں کی مسہری پر تاج پہنے بیٹھا مجھے کہہ رہا تھا: مبارک ہو امی جان! آپ کا دیا ہوا مہر قبول کر لیا گیا اور دلہن کی رخصتی ہو گئی۔(۱)

(۱) قافلۃ الداعیات: ۱۲۱/۲۱......موسوعۃ الخطب والدروس: ۳۔

نوجوانانِ ملت! یہ سچے واقعات پکار پکار کر ہمیں بتا رہے ہیں کہ اگر کل ایسی مائیں پیدا ہو سکتی تھیں تو آج اُمت مسلمہ بانجھ نہیں ہوگئی بلکہ آج بھی ایسی مائیں پیدا ہوسکتی ہیں بلکہ موجود ہیں جو اِبراہیم کی والدہ کی طرح اپنے بیٹوں کا نکاح حورعین سے کرانا چاہتی ہیں اور اپنے لیے اللہ کی محبت اور جنت کے باغات کی طلب گار ہیں۔

اگر کل کی اس ماں کی گود میں ابراہیم جیسا ایک بیٹا تھا تو آج کی ماں کی گود بھی خالی نہیں ہے۔ آج کی مائیں بھی کئی کئی جوان بیٹے پال رہی ہیں۔ کل کی وہ ماں اگر دس ہزار سونے کے دینار دے کر اپنے بیٹے کو عزت وعظمت کی راہوں پر چلا رہی تھی تو آج کی ماں کے پاس بھی سونے کی کمی نہیں ہے؛ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کی ماں کو اِعلائے کلمۃ اللہ اور غلبہ دین حق کی حقیقت سمجھائی جائے۔ آج کی ماں کو بھی آخرت کی فکر دلائی جائے۔ آج کی ماں میں بھی غیرتِ ایمانی کو بیدار کیا جائے۔

ذاتِ حق کی پہچان

حضرت عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ایک سمندر کے جزیرے پر تھے، اچانک طوفانی ہوا چلنا شروع ہوگئی۔ وہیں ہم نے ایک شخص کو بت کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا۔ ہم نے کہا: اے جوان! کس کی پوجا کررہے ہو؟ تو اس نے اپنے ہاتھ سے بت کی طرف اشارہ کیا۔ ہم نے اس سے کہا: ہمارے ساتھ کشتی میں کوئی ایسا شخص نہیں جو بت پرستی کرتا ہو۔ اس نے حیرت سے کہا: پھر تم کس کی پوجا کرتے ہو؟۔

ہم نے کہا: ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟۔

ہم نے کہا: یہ وہ ذات ہے جس کا عرش، آسمان پر ہے، اور جس کی سلطنت زمین پر۔ نیز زندہ و مردہ ہر ایک میں اس کے فیصلے چلتے ہیں۔ اس نے پوچھا: تمھیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟۔

ہم نے کہا: اس نے ہمارے پاس اپنا ایک پیغمبر بھیجا، جس نے ہمیں ان چیزوں کی خبر دی ہے۔ اس نے پوچھا: پھر اس پیغمبر کا کیا بنا؟۔

ہم نے کہا: (تکمیل شریعت کے بعد) اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس بلالیا۔

اس نے پوچھا: کیا وہ تمہارے پاس کوئی نشانی چھوڑ گئے ہیں؟۔ ہم نے کہا: ہاں! انھوں نے ہمیں ایک مقدس کتاب عطا کی ہے۔ اس نے کہا: مجھے وہ کتاب دکھاؤ۔

چنانچہ ہم نے مصحف کو اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے کہا: مجھے اس کی کوئی پہچان اور معلومات نہیں۔ تو ہم نے اس کے سامنے ایک سورت کی تلاوت کی جسے سن کر اس کی آنکھیں چھلک گئیں، اور کہنے لگا: جس ذات کا یہ کلام ہے ہمیں چاہیے کہ ہم کبھی بھی اس کی نافرمانی نہ کریں۔ یہ کہہ کر وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔

ہم نے اسے اپنی کشتی میں سوار کرلیا اور مبادیاتِ دین کے ساتھ قرآن کی چند سورتیں اسے سکھا دیں۔ پھر جب رات کا اندھیرا چھایا تو ہم نے نماز اَدا کر کے اپنے اپنے بستر ے پکڑ لیے۔ اس نے پوچھا: لوگو! جس معبود کی تم نے مجھے پہچان کروائی ہے کیا رات آنے پر وہ بھی سوجاتا ہے؟۔

ہم نے کہا: نہیں، وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، وہ آپ قائم ہے، اسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔ اس نے کہا: پھر تم کتنے گئے گزرے بندے ہو کہ تمہارا آقا تو جاگ رہا ہوتا ہے اور تم نیند کے مزے لیتے رہتے ہو!۔

حضرت عبدالواحد بن زید کہتے ہیں کہ اس کی یہ عارفانہ بات سن کر ہم حیرت میں پڑ گئے۔ پھر جب ہم عبّادان پہنچ گئے تو ہم نے کچھ درہم جمع کر کے اس کے حوالے کیے اور کہا کہ اسے اپنی ضرورتوں میں خرچ کر لینا۔ یہ دیکھ کر اس نے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھا اور کہا: تم مجھے ایسی راہ پر چلانا چاہتے ہو جس پر تم خود جادہ پیما نہیں ہو!۔ ذرا سوچو کہ میں سمندر کے اس ویران جزیرے میں رہ کر اللہ کے سوا بت کی پوجا کرتا تھا۔ جب اس وقت اس نے مجھے ضائع نہیں ہونے دیا تو آج وہ مجھے کیسے ضائع ہونے دے گا جب کہ اب مجھے اس کی پہچان ہوگئی ہے۔

کچھ دنوں کے بعد ایک شخص میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ وہ نومسلم جوان سکرات کے عالم میں ہے۔ چنانچہ میں بھاگا ہوا اس کے پاس آیا اور پوچھا کہ کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ اس نے کہا:

میری ضرورت اس نے پوری کردی ہے جس کی آپ نے مجھے پہچان کرادی تھی۔

ابھی میں اس سے بات ہی کررہا تھا کہ میرے آنکھوں میں نیند اُتر آئی، خواب میں ایک خوبصورت باغ دیکھتا ہوں، جس میں ایک گنبد بنا ہوا ہے اور سورج سے کہیں زیادہ روشن ایک دوشیزہ اس میں ایک تخت پر بیٹھی ہوئی ہے، اور کہہ رہی ہے: میں نے تجھے اللہ سے مانگ لیا ہے سو جتنا جلدی میرے پاس آسکتے ہو آجاؤ۔

پھر جب میں نیند سے بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی روح پرواز کرچکی ہے۔ میں نے اس کی تجہیز وتکفین کی اور اس کو قبر میں اُتار دیا۔ پھر رات خواب میں گنبد کے اندر موجود اسی دوشیزہ کو اس کے بازو میں پڑی دیکھتا ہوں جس کی زبان پر یہ آیت جاری تھی :

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ o (سورۂ رعد:۱۳/۲۴)

تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کے صلہ میں، پس (اب دیکھو) آخرت کا گھر کیا خوب ہے!۔(۱)

شاید کہ اُتر جائے......

کسی روز حضرت عبدالواحد بن زید نے اپنے اہل مجلس کو وعظ کیا تو ایک شخص چیخ کر کہنے لگا: اے اَبوعبیدہ! بس کریں کیوں کہ آپ کے اندازِ موعظت نے میرے دل کے بخیے اُدھیڑ دیے ہیں۔ حضرت عبدالواحد اس کی بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنا وعظ کہتے رہے، جب مجلس ختم ہوئی تو دیکھا گیا کہ وہ شخص مردہ پڑا ہوا ہے۔

یوں ہی حضرت شیخ شبلی کی مجلس میں وعظ کے دوران کسی شخص کی چیخ نکلی اور وہیں مرگیا۔ چنانچہ اس کے اہل خانہ نے خلیفہ وقت کے دربار میں شیخ شبلی کے خلاف مقدمہ کردیا۔ شیخ شبلی نے فرمایا: وعظ سن کر اس کا دل پگھل گیا اور شوقِ ملاقات میں سسکیاں بھرنے لگا پھر جب غیب سے اُسے بلایا گیا تو اس نے اس پکار پر لبیک کہہ دیا تو اب اس میں شبلی کا کیا قصور ہے!۔

(۱) غذاء الالباب فی شرح منظومۃ الآداب:۴/۱۰۵تا۱۰۶۔

فكر في أفعاله ثم صاح　　　لاخير في الحب بغير افتضاح

قد جئتكم مستأمنا فارحموا　　　لا تقتلوني قد رميت السلاح

یعنی جب اس نے اپنے کرتوتوں پر احتسابی نظر دوڑائی تو چیخ پڑا۔اس محبت میں کوئی مزہ نہیں جس میں ذلت ورسوائی نہ مول لینی پڑے۔

میں تمہارے پاس امانت بن کر آیا ہوں لہٰذا مجھے اپنی رحمتوں کی خیرات سے نوازو، مجھے ذبح نہ کرو؛ کیوں کہ نیزوں کے زخم نے مجھے پہلے ہی چور چور کر دیا ہے۔(۱)

دُعا سے بینائی گئی اور پھر لوٹ بھی آئی

حضرت مالک بن انس علیہ الرحمہ (م ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں: حضرت یونس بن یوسف علیہ الرحمہ اپنے زمانے کے مشہور اولیا میں ہوئے ہیں۔ان کا زیادہ تر وقت مسجد میں گزرتا تھا اور وہ ہمہ وقت اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ابھی ان کا عالم شباب تھا، اور جوانی ہی میں انھوں نے اپنے آپ کو وقفِ عبادت وریاضت کر رکھا تھا۔

ایک مرتبہ آپ مسجد سے باہر نکلے تو اچانک نگاہ راہ چلتی ایک نوجوان عورت پر پڑ گئی اور دل کچھ دیر اس کی طرف مائل ہو گیا، لیکن پھر فوراً اپنے اس فعل پر نادم ہوئے اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے اور ان الفاظ میں دعا مانگنے لگے :

> اے میرے پاک پروردگار! بے شک تو نے مجھے آنکھیں عطا فرمائیں جو بڑی نعمت ہیں لیکن مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں ان آنکھوں کی وجہ سے میں عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤں اور یہ آنکھیں میرے لیے ہلاکت کا باعث نہ بن جائیں۔اس لیے اے میرے مالک! تو میری اِن آنکھوں کی بینائی ابھی سلب کر لے۔جیسے ہی وہ دعا سے فارغ ہوئے، ان کی بینائی جاتی رہی تھی اور وہ نابینا ہو چکے تھے۔

(۱) لطائف المعارف، ابن رجب حنبلی: ۱/۱۷۔

پھر وہ اپنے بھتیجے کو اپنے ساتھ رکھتے جو نمازوں کے اَوقات میں انھیں مسجد تک لے جاتا اور دیگر حاجات میں بھی وہ اس سے مدد لیتے۔ بھتیجے کا معمول یہ تھا کہ وہ انھیں مسجد چھوڑ جاتا اور خود بچوں کے ساتھ کھیلنے کودنے میں لگ جاتا۔ جب انھیں کوئی حاجت درپیش ہوتی تو اسے بلا لیتے؛ چنانچہ اسی طرح وقت گزرتا رہا۔

ایک مرتبہ وہ مسجد میں تھے کہ اپنے جسم پر کوئی چیز رینگتی ہوئی محسوس کی۔ بھتیجے کو آواز دی لیکن وہ بچوں کے ساتھ کھیل میں مگن رہا اور ان کے پاس نہ آسکا۔ اِدھر انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں کوئی نقصان نہ پہنچادے تو انھوں نے دوبارہ بارگاہِ الٰہی میں ان الفاظ کے ساتھ فریاد کرنا شروع کردی :

اے میرے رحیم وکریم پروردگار! تونے مجھے آنکھوں کی دولت سے نوازا جو کہ ایک عظیم نعمت تھی لیکن پھر مجھے خوف ہوا کہ کہیں ان آنکھوں کے غلط استعمال کی وجہ سے میں مبتلائے عذاب نہ ہوجاؤں؛ چنانچہ میں نے تجھ سے دعا کی کہ میری بینائی سلب کرلے۔ لیکن اے میرے مولا! اب مجھے یہ خوف ہے کہ اگر میری بینائی واپس لوٹ کر نہ آئی تو کہیں یہ میرے لیے آزمائش اور رسوائی کا باعث نہ ہوجائے؛ کیوں کہ میں اب دیکھ تو نہیں سکتا، کوئی موذی جانور مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے اور بار بار اپنی حاجتوں کو پورا کرنے کے لیے دوسروں سے مدد درکار ہوتی ہے جس سے مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے۔ اے میرے مالک ومختار پروردگار! مجھے میری بینائی لوٹا دے تاکہ میں رسوائی اور لوگوں کی محتاجی سے بچ جاؤں۔

حضرت مالک بن انس علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ابھی وہ مردِ صالح اپنی دعا سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ اس کی بینائی واپس لوٹ آئی، اور اب وہ خود دوسروں کی مدد کے بغیر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا......۔(۱)

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲۶۹/۱، ۲۷۰......تہذیب التہذیب: ۳۹۸/۱۱۔

ایک عظیم ماں کے تین ہونہار سپوت

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ (م۱۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کو گیا، تو دورانِ سفر مجھے ایک ضعیفہ خاتون کہیں راستے میں بیٹھی ملیں، جنھوں نے اون کا کپڑا پہن رکھا تھا اوران کی اوڑھنی بھی اونی ہی تھی۔

میں نے ان کے قریب جا کر کہا: **السلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته .**

خاتون نے جواب دیا: **سَلاَمٌ قَوْلاً مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ o** (سورۂ یٰس:۵۸/۳۶)

میں نے پوچھا: اللہ آپ پر رحم کرے، یہاں اکیلی کیا کررہی ہیں؟۔خاتون نے کہا :

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ o (سورۂ اعراف:۱۸۶/۷)

جسے اللہ گمراہ کردے اس کو راہ بتانے والا کوئی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ شاید وہ راستہ بھول گئی ہے یا پھر اپنے قافلے سے بچھڑ گئی ہے۔ چنانچہ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کا کہاں جانے کا اِرادہ ہے؟۔خاتون بولیں :

سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الاَقْصٰى o (سورہ بنی اسرائیل:۱/۱۷)

پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ حج بیت اللہ سے فارغ ہوچکی ہیں اور اب بیت المقدس جانا چاہتی ہیں؛ چنانچہ میں نے پوچھا کہ آپ کب سے یہاں بیٹھی ہیں؟۔خاتون نے کہا :

ثَلاَثَ لَيَالٍ سَوِيًّاo (سورۂ مریم:۱۰/۱۹)

پوری تین راتیں۔

میں نے کہا کہ آپ کے پاس بظاہر کوئی کھانے پینے کی چیز نظر نہیں آتی۔ آخر آپ نے اتنا وقت یہاں کیسے گزارا؟۔ خاتون بولیں :

هُوَ يُطْعِمُنِي وَ يَسْقِيْنِ ٥ (سورۂ شعراء:۲۶/۷۹)

وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ میرے رزق کا بندوبست کر دیتا ہے۔

میں نے کہا: پانی بھی آپ کے ساتھ نہیں ہے۔ آخر آپ وضو کیسے کرتی ہیں؟۔ بولیں:

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيْداً طَيِّباً ٥ (سورۂ نساء:۴۳۔ سورۂ مائدہ:۶)

پھر اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرلیا کرو۔ (مطلب یہ تھا کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم سے کام چلا رہی ہوں)۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ مجھے اس کی حالت زار پر بہت رحم آیا، میں نے پوچھا کہ میرے پاس کچھ کھانا ہے، فرمایئے کیا کچھ کھانا چاہیں گی؟۔ خاتون نے جواب دیا :

اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ ٥ (سورۂ بقرہ:۲/۱۸۷)

روزوں کو رات تک پورا کرو۔ (مطلب یہ تھا کہ میں روزے سے ہوں)۔

میں نے کہا : بڑی بی! یہ رمضان المبارک کا مہینہ تو نہیں پھر آپ روزہ دار کیوں ہیں؟۔ بولیں :

وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ٥ (سورۂ بقرہ:۲/۱۵۸)

اور جو بطورِ نفل نیک کام کرے تو اللہ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ (مطلب یہ تھا کہ میرا نفلی روزہ ہے)۔

میں نے کہا کہ سفر کی حالت میں تو ماہِ رمضان کا فرض روزہ بھی رکھنے کی اجازت نہیں ہے، چہ جائے کہ نفلی روزہ؟۔ خاتون نے جواب دیا :

وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٥ (سورۂ بقرہ:۲/۱۸۴)

اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم کو (ثواب کا) علم ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ان کے یہ سارے قرآنی جوابات سن کر میں نے کہا

کہ جس طرح میں آپ سے عام انداز ہ میں گفتگو کر رہا ہوں آپ اس طرح مجھ سے باتیں کیوں نہیں کرتیں؟۔ بولیں :

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ o (سورۂ ق:۱۸/۵۰)

انسان جو بات بھی منہ سے نکالتا ہے اس پر ایک نگہبان فرشتہ مقرر ہے۔

میں نے پوچھا کہ آپ کا وطن کہاں ہے اور آپ کا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟۔ بولیں :

وَلاَ تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ، اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَالفُؤَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کَانُ عَنْهُ مَسْئُولاً o (بنی اسرائیل:۳۶/۱۷)

اور جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑ جاؤ۔ بے شک کان، آنکھ اور دل سب سے باز پرس ہوگی۔ (مطلب یہ ہے کہ ایسی باتوں سے کان اور دل کو آلودہ نہ کرو جن کا جواب دینا پڑ جائے)۔

میں نے کہا: معاف کیجیے گا، مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ بولیں :

لاَ تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الیَومَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ o (سورۂ یوسف:۹۲/۱۲)

آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے۔

میں نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اپنی اونٹنی پر سوار کرلوں اور جہاں چاہیں وہاں پہنچادوں۔ بولیں :

وَ مَا تَفْعَلُوا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ o (سورۂ بقرہ: ۱۹۷/۲)

اور نیکی کا کام جو تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ سن کر میں نے اونٹنی ان کے قریب لے جا کر بٹھادی اور خاتون سے کہا کہ اس پر سوار ہوجائیں؛ مگر وہ سوار ہونے سے پہلے بولیں :

قُلْ لِلْمُومِنِیْنَ یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ o (سورۂ نور:۳۰/۲۴)

مومنوں سے فرما دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ (مطلب یہ تھا کہ تم اپنی آنکھیں بند کرلو یا منہ پھیر کر سوار ہوجاؤ تاکہ میں بلا جھجک سوار ہوجاؤں)

چنانچہ میں نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں اوران سے کہا کہ لیں اب سوار ہوجائیں۔ جب وہ خاتون سوار ہونے لگیں تو اونٹنی اچانک کھڑی ہوگئی اوران کی اوڑھنی کجاوے سے اُلجھ کر پھٹ گئی۔ میں نے اس پر اظہارِ افسوس کیا تو وہ بولیں :

مَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ ٥

(سورۂ شوریٰ:۴۲/۳۰)

تمہیں جو مصیبت پہنچی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اوراللہ بہت سی خطاؤں کومعاف کردیتا ہے۔

یعنی اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں یہ سب میرے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔

میں نے کہا کہ ذرا ٹھہرجائیں میں اپنی اونٹنی کے پاؤں باندھ دوں؛ تاکہ آپ اطمینان کے ساتھ سوار ہوسکیں۔تو خاتون نے کہا :

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَیْمَانَ ٥ (سورۂ انبیاء:۲۱/۷۹)

تو ہم نے سلیمان کو سمجھادیا۔یعنی اونٹنی کے پاؤں ضرور باندھو۔ایسا کرنے ہی سے یہ قابو میں رہے گی۔ پھر میں نے اونٹنی کے پاؤں باندھے اوران سے عرض کیا کہ اب سوار ہوجائیں؛ چنانچہ وہ سوار ہوگئیں اوراس آیت کریمہ تلاوت کی :

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ٥ (سورۂ زخرف:۴۳/۱۳تا۱۴)

پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا مطیع کردیااور ہم اس کی صلاحیت نہ رکھتے تھےاور بے شک ہم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

میں نے اونٹنی کی مہار پکڑی اوراس کو ہنکاتے ہوئے چل پڑا، میری رفتار بھی تیز تھی اور جوشِ خوشی میں میری آواز بھی کچھ زیادہ بلند ہوگئی۔اس پر وہ خاتون بولیں :

وَاقْصِدْ فِی مَشْیِکَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ٥(سورۂ لقمان:۳۱/۱۹)

اپنے چلنے میں اعتدال سے کام لواوراپنی آواز کو پست رکھو۔

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور ساتھ ہی مدح خوانی کرنے لگا۔ اس پر وہ خاتون بولیں :

فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ο (سورۂ مزمل:۷۳/۲۰)

قرآن سے پڑھو جتنی توفیق ہو۔ (مطلب یہ تھا کہ اس حدی خوانی سے بہتر ہے کہ قرآن پاک کا کوئی رکوع پڑھو۔

میں نے کہا کہ اے خاتونِ محترم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، ان خوبیوں سے آراستہ ہونے کے لیے کیا چیزیں درکار ہیں؛ اور آپ کی طرح کوئی کیسے بن سکتا ہے؟۔ اس پر وہ بولیں :

وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُو الاَلْبَابِ ο (سورۂ آل عمران:۳/۷)

پھر میں نے چلتے چلتے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کا کوئی شوہر بھی ہے؟۔ جواب دیا :

یٰاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لاَ تَسْئَلُوا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ ο (سورۂ مائدہ:۵/۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھیں ناگوار معلوم ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ اب میں نے بالکل چپکی سادھ لی، اور اسی عالم میں دھیرے دھیرے قافلہ کے قریب جا پہنچا۔ میں نے پوچھا کہ کیا قافلے میں کوئی آپ کا قرابت دار ہے؟۔ انھوں نے جواب دیا :

الْمَالُ وَ الْبَنُونَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ο (سورۂ کہف:۱۸/۴۶)

مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔

میں نے سمجھ لیا کہ قافلہ کے اندر اس کے بیٹے موجود ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ ان کی کوئی نشانی ہو تو بتائیں تاکہ انھیں تلاش کرنے میں آسانی ہو۔ بولیں :

وَ عَلاَمَاتٍ وَّ بِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُونَ ο (سورۂ نحل:۱۶/۱۶)

اور علامتیں ہیں اور ستارے ہی سے وہ راستہ پاتے ہیں۔

میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے قافلہ کے رہبر ہیں؛ چنانچہ اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے قافلے میں چکر لگانے لگا اور ان سے کہا کہ اپنے بیٹوں کو ڈھونڈ لیں۔ بولیں :

وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً o (سورۂ نساء:۱۲۵) ...... **وَ كَلَّمَ مُوسٰى تَكْلِيْماًo** (سورۂ نساء:۱۶۵) ...... **يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ o** (سورۂ مریم:۱۲)

مطلب یہ کہ تم ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ کے نام لے کر آواز دو۔ یہ سن کر میں نے زور سے آواز لگائی۔ **یا ابراهیم، یا موسیٰ، یا یحییٰ!** فوراً ہی تین خوبصورت نوجوان ایک خیمہ سے نکلے اور بڑی عزت کے ساتھ اپنی والدہ کو اونٹنی سے اُتارا۔

جب ہم اطمینان سے بیٹھ گئے تو خاتون نے اپنے بیٹوں سے مخاطب ہوکر یہ آیت پڑھی :

فَابْعَثُوا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَاماً فَلْيَاتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ o (سورۂ کہف:۱۸/۱۹)

اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے سو اس میں سے تمہارے لیے کچھ کھانا لے آئے۔

یہ سنتے ہی ایک نوجوان دوڑا ہوا گیا اور قریبی شہر سے کچھ کھانا لے کر آیا۔ جب اس نے وہ کھانا میرے سامنے رکھا تو خاتون نے کہا :

كُلُوا وَ اشْرَبُوا هَنِيْئاً بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِى الاَيَّامِ الخَالِيَةِ o (سورۃ الحاقہ: ۶۹/۲۴)

خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو، یہ ان اعمال کے سبب ہے جو تم نے پچھلے دنوں میں کیے ہیں۔

مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نوجوان سے پوچھ بیٹھا کہ جب تک تم مجھے اس خاتون کی حقیقت نہ بتلاؤ گے، میں اس کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

چنانچہ ایک نوجوان گویا ہوا کہ یہ ہماری والدہ ہیں اور ان کی پچھلے چالیس سال سے یہی کیفیت ہے۔ اس عرصہ میں انھوں نے کوئی لفظ آیاتِ کلام الٰہی کے سوا زبان سے نکالا ہی نہیں۔

اور یہ پابندی انھوں نے اپنے اوپر اس لیے لگائی ہے کہ کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکل جائے جس کی قیامت کے دن ان سے باز پرس ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہا :

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ o (سورۂ جمعہ:۶۲/۴)

آپ اندازہ لگائیں کہ اس دور کی عورتیں علم وفضل میں کس قدر ممتاز تھیں کہ ہر سوال کا جواب قرآن پاک کی روشنی میں دینے پر قادر تھیں۔ ظاہر ہے ایسی خواتین جب بچوں کی تربیت کریں گی تو وہ اپنے وقت کے آفتاب وماہتاب کیوں نہ ہوں گے!۔(۱)

نوجوانانِ ملت! آپ ذرا اندازہ لگائیں کہ اس دور کی عورتیں علم وفضل میں کس قدر ممتاز ہوا کرتی تھیں کہ ہر سوال کا جواب قرآن پاک کی روشنی میں دینے پر انھیں قدرت وملکہ حاصل تھا۔ ظاہر ہے ایسی خواتین جب بچوں کی تربیت کریں گی تو وہ اپنے وقت کے آفتاب وماہتاب کیوں نہ ہوں گے!۔

بات ایک خدا رسیدہ حبشی غلام کی

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں مکہ معظّمہ حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ اس سال وہاں بالکل بارش نہیں ہوئی، پورے شہر میں قحط کی سی کیفیت ہے، اور مسجد حرام میں بارش کے لیے دعائیں مانگی جارہی ہیں۔

میں بابِ بنی شیبہ کے پاس کھڑا تھا، اتنے میں ایک سیاہ فام غلام آیا۔ اس نے کھدر کے دو کپڑے پہن رکھے تھے، ایک کپڑے کا تہبند باندھ بنالیا تھا جب کہ دوسرا کپڑا اس نے اپنے کندھوں پر اوڑھ رکھا تھا۔ وہ وہیں ایک مقام پر چھپ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اسے کچھ یوں دعا مانگتے ہوئے دیکھا :

(۱) نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس:۱/۲۲۳ بحذف واضافہ.

یاالٰہی! تو نے ہر طرح کے لوگ پیدا فرمائے، کچھ تو ایسے ہیں کہ گناہوں کا اَنبار ان کے سروں پر ہے اور وہ برے اعمال کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اے میرے پاک پروردگار! تو نے ہم سے بارش روک لیا ہے تا کہ لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا ملے اور وہ راہِ راست پر گامزن ہوں۔ اے حلیم ولطیف! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اے وہ پاک ذات جس سے اس کے بندے بھلائی ہی پاتے ہیں، انھیں ابھی فوراً سیراب کر دے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ابھی اس سیاہ فام غلام نے اتنا ہی کہا تھا کہ ہر طرف گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں، ٹھنڈی ہوائیں بارانِ رحمت کا مژدہ سنانے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے رحمت کی برسات چھما چھم ہونے لگی، مرجھائی کلیاں کھل اُٹھیں اور ہر طرف خوشی کا سماں ہو گیا۔ وہ سیاہ فام غلام کوئی حقیقتاً مقبولِ بارگاہِ الٰہ تھا، اپنی جگہ بیٹھا ذکر الٰہی میں مشغول رہا۔

یہ منظر دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر وہ نیک غلام اپنی جگہ سے اُٹھا اور ایک جانب چل دیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا؛ بالآخر وہ ایک گھر میں داخل ہو گیا۔ میں نے اس گھر کی پہچان کر لی، اور حضرت فضیل بن عیاض کے پاس چلا آیا۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا: کیا بات ہے کہ آپ کے چہرے پر اَفسردگی دیکھ رہا ہوں؟۔ میں نے کہا: ہم پیچھے رہ گئے، کوئی دوسرا ہم پر سبقت لے گیا، اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے بجائے اسے اپنی ولایت عظمیٰ عطا کر دی۔ انھوں نے پوچھا: وہ کیسے؟۔ تو میں نے پورا قصہ بیان کر دیا۔

یہ سن کر آپ نے ایک چیخ ماری اور زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ پھر فرمایا: اے ابن مبارک! تمہارا بھلا ہو، مجھے ابھی اس کے پاس لے چلو۔ میں نے کہا: اب تو وقت بہت کم ہے، انشاءاللہ کل کچھ کریں گے۔ پھر جب اگلا دن آیا تو میں نے فجر کی نماز پڑھی اور اس حبشی غلام کے گھر کی طرف چل دیا۔ میں نے گھر کے دروازے پر ایک بوڑھے کو دیکھا جو چادر بچھا کر بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو پہچان کر کہنے لگا: مرحبا، اے ابوعبدالرحمٰن! خوش آمدید۔ فرمایئے، کیسے تشریف لانا ہوا؟۔

میں نے کہا: مجھے ایک غلام کی حاجت ہے۔ اس نے کہا: ہاں! میرے پاس بہت سے غلام ہیں، آپ ان میں سے جسے چاہیں پسند فرما لیں۔ پھر اس نے آواز دی تو ایک چاک و چوبند غلام باہر نکلا۔ بوڑھے نے مجھے بتایا کہ یہ غلام بہت نیک سیرت ہے، آپ کے لیے بہت اچھا رہے گا۔ میں نے کہا: نہیں، مجھے یہ نہیں چاہیے۔ وہ بوڑھا شخص ایک کے بعد دوسرا غلام بلاتا رہا اور میں انکار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے میرے مطلوبہ غلام کو بلایا تو اسے دیکھ کر میری آنکھیں بھیگ گئیں۔ بوڑھے نے کہا: کیا یہ غلام آپ کو پسند ہے؟۔

میں نے کہا: ہاں۔ مگر وہ کہنے لگا: میں اس غلام کو نہیں بیچ سکتا؛ کیوں کہ اس کا میرے گھر میں رہنا باعثِ برکت ہے۔ جب سے اس گھر میں اس کے قدم پڑے ہیں ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچی۔ میں نے پوچھا: اس کا کھانا کہاں سے آتا ہے؟۔

اس نے کہا کہ یہ کھجور کی رسیاں بن کر کچھ رقم کما لیتا ہے۔ اگر رسیاں بک گئیں فبہا؛ ورنہ وہ دن یوں ہی گزار لیتا ہے، اور میرے غلاموں نے اس کے بارے میں بتایا کہ وہ طویل ترین راتوں میں بھی بالکل نہیں سوتا، کسی سے میل جول بالکل نہیں رکھتا، نہ ہی فضول باتیں کرتا ہے، اس کی اپنی ہی دنیا ہے جس میں ہر وقت مگن رہتا ہے؛ جب سے میں نے اس کے ان پاکیزہ خصائل کے متعلق سنا اور اس کی یہ خوبیاں دیکھیں میں اسے دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگا ہوں، یہی وجہ ہے کہ میں اسے خود سے دور نہیں کرنا چاہتا۔

یہ سن کر میں نے اس بوڑھے سے کہا: میں حضرت سفیان ثوری اور حضرت فضیل بن عیاض علیہما الرحمہ کے حکم پر آیا تھا کیا ان کا کام پورا کیے بغیر واپس چلا جاؤں؟۔ مگر اس بوڑھے نے کوئی جواب نہ دیا۔ واپسی پر میں دوبارہ اس کے پاس گیا، اور اس غلام کے لیے منت سماجت کی تو اس بوڑھے نے کہا: آپ کا میرے پاس دوبارہ چل کر آنا ہی بڑی بات ہے۔ آپ اسے جتنی قیمت پر چاہیں لے جائیں۔

بہرحال! میں نے وہ غلام خرید لیا، اور اسے لے کر حضرت فضیل بن عیاض کے گھر کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ مجھ سے کہتا ہے: اے آقا! تو میں نے جواباً کہا: لبیک

(میں حاضر ہوں)۔ تو اس نے کہا: حضور! یہ آپ کے شایانِ شان نہیں کہ مجھے لبیک کہیں، میں تو آپ کا غلام ہوں اور غلام پر لازم ہے کہ وہ اپنے آقا کو 'لبیک' کہے۔

میں نے کہا: میرے دوست! تمہیں کس چیز کی حاجت ہے؟۔ کہنے لگا: میں کمزور بدن والا غلام ہوں، آپ کی خاطر خواہ خدمت نہ کرسکوں گا، آپ میری جگہ کوئی دوسرا غلام خرید لیتے، میرے مالک نے آپ کو مجھ سے طاقتور غلام بھی دکھایا تھا۔ میں نے کہا: میں تجھ سے خدمت تھوڑی لوں گا!، میں نے تو تجھے اس لیے خریدا ہے کہ تجھے اپنے بیٹوں کی طرح رکھوں، تیری شادی کراؤں اور خود تیری خدمت کروں۔

یہ سن کر وہ نیک سیرت غلام رونے لگا تو میں نے پوچھا: تجھے کس چیز نے رلایا؟ تو وہ کہنے لگا: آپ نے مجھے اسی لیے خریدا ہے کہ آپ نے میرے اور میرے پروردگار کے درمیان جو پوشیدہ معاملات ہیں ان میں سے کسی معاملہ کو جان لیا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو بقیہ تمام غلاموں کو چھوڑ کر آپ مجھے نہ خریدتے!۔ اب میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں، مجھے بتایئے کہ آپ میرے کون سے راز پر مطلع ہوئے ہیں؟۔

میں نے کہا: بارگاہِ خداوندی میں تمہاری قبولیت دعا کو دیکھ کر۔ اس نے کہا: میرا حسن ظن ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے اور آپ اللہ کے نیک بندے ہیں، بے شک اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ ان کی شان صرف انھیں پر ظاہر فرماتا ہے جو اس کے پسندیدہ اور مقبول بندے ہوتے ہیں۔ پھر وہ کہنے لگا: میرے آقا! اگر اجازت عطا فرمائیں تو میں اِشراق کی نماز اَدا کرلوں۔

میں نے کہا: حضرت فضیل بن عیاض کا گھر قریب ہی ہے، وہیں چل کر اَدا کر لینا۔ کہا: حضور! مجھے یہیں پڑھنے کی اِجازت دیں؛ کیوں کہ اللہ کے اَحکام بجالانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے؛ چنانچہ وہ مسجد میں داخل ہوا اور دیر تک نماز میں مشغول رہا، پھر میرے پاس آکر بولا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟، میں نے پوچھا: وہ کیوں؟ اس نے کہا: اس لیے کہ میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا: کہاں جانا چاہتے ہو؟ کہا: آخرت کی طرف۔

میں نے کہا: ایسا نہ کرو میں تم سے کچھ نفع اُٹھالوں۔

یہ سن کر وہ کہنے لگا: اس وقت میری زندگی کتنی خوشگوار تھی جب معاملہ میرے اور میرے پروردگار کے درمیان تھا۔ اب جب کہ آپ بھی اس پر مطلع ہوگئے ہیں تو عنقریب اور بھی بہت سے لوگ جان لیں گے؛ لہٰذا مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں۔ پھر وہ منہ کے بل گر کر دعا مانگنے لگا: یاالٰہی! ابھی فوراً میری روح قبض فرمالے۔ جب میں اس کے قریب گیا اور اسے غور سے دیکھا تو اس کا انتقال ہوچکا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: خداوندقدوس کی قسم! میں جب بھی اسے یاد کرتا ہوں تو میرا غم طویل ہوجاتا ہے۔ دنیا اپنی وسعت کے باوجود میری نگاہوں میں تنگ معلوم ہونے لگتی ہے اور مجھے اپنے عمل حقیر نظر آنے لگتے ہیں۔(۱)

اُستاذ ہو تو ایسا......!

حضرت محمد بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ اکثر 'طرطوس' کی طرف جایا کرتے اور وہاں ایک مسافر خانے میں ٹھہرتے۔ ایک نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر حدیث سنا کرتا۔ جب بھی آپ 'رِقہ' نامی شہر میں تشریف لے جاتے وہ نوجوان حاضر خدمت ہوجاتا۔

ایک مرتبہ جب آپ 'رقہ' پہنچے تو اس نوجوان کو نہ پایا۔ آپ اس وقت جلدی میں تھے؛ کیوں کہ مسلمانوں کا ایک لشکر جہاد کے لیے گیا ہوا تھا اور آپ بھی اس میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ لشکر میں شامل ہوگئے۔ الحمدللہ! مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور آپ غازی بن کر واپس 'طرطوس' آئے اور 'رقہ' پہنچ کر اپنے اس نوجوان شاگرد کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ نوجوان مقروض تھا اور اس کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ وہ قرض اَدا کرتا؛ لہٰذا قرض اَدا نہ کرنے کی وجہ سے اسے گرفتار کرلیا گیا ہے۔

---

(۱) بحرالدموع ابن الجوزی مترجم:۲/۱۳،۱۴......کرامات اولیاء اللہ، لالکائی:۱/۱۸۰تا۱۸۱۔

آپ نے پوچھا: میرے نوجوان شاگرد پر کتنا قرض تھا؟ بتایا گیا: دس ہزار درہم۔آپ پوچھتے پوچھتے قرض خواہ کے گھر پہنچے، اسے دس ہزار درہم دے کر اپنے شاگرد کی رہائی کا مطالبہ کیا اور کہا: جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک کسی کو بھی اس واقعہ کی خبر نہ دینا۔ پھر راتوں رات آپ وہاں سے رخصت ہوگئے۔قرض خواہ نے صبح ہوتے ہی مقروض نوجوان کو رہا کردیا۔

نوجوان جب باہر آیا تو اسے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مبارک ادھر ہی تھے، اور اس کے بارے میں پوچھ رہے تھے تو ان کی محبت نے جوش مارا اور وہ بے تابانہ اپنے استاد کو تلاشنے لگا۔ پوچھتا پوچھتا اگلی بستی میں ان سے جاملا۔ انھوں نے پوچھا: اے نوجوان! تم کہاں تھے؟۔ میں تمہاری بستی میں تھا، میں نے تمہیں مسافر خانے میں بہت تلاش کیا؛ مگر تم نظر نہیں آئے۔

نوجوان نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! میں قرض کی مصیبت میں پھنس گیا تھا جس کے عوض مجھے قید کرلیا گیا تھا۔ آپ نے پوچھا: پھر تمہاری رہائی کا کیا سبب بنا؟۔نوجوان نے تفصیل بتائی: کوئی اللہ کا نیک بندہ تھا، میں اسے نہیں جانتا، اس نے میرا قرض اَدا کردیا تو میرا مقدمہ واپس ہوگیا اور مجھے جیل سے رہائی مل گئی۔

آپ نے فرمایا: اے نوجوان! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر اَدا کرو کہ اس نے کسی کو تیرا قرض اَدا کرنے کی توفیق دی اور تجھے رہائی عطا فرمائی۔اس نوجوان کو آپ نے اِحساس تک نہ ہونے دیا کہ اس کا قرض انھوں ہی نے خود اَدا کیا ہے۔

راوی کہتے ہیں: جب تک حضرت عبداللہ بن مبارک زندہ رہے تب تک اس قرض خواہ نے کسی کو بھی خبر نہ دی کہ نوجوان کا قرض کس نے اَدا کیا تھا، آپ کے وصال کے بعد اس نے سارا واقعہ لوگوں کو بتادیا۔(۱)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء:۳۸۶/۸......تاریخ بغداد:۱۵۸/۱۰......عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:۲/ ۸۵،۸۶۔

بڑوں کی بڑی باتیں

حضرت موسیٰ بن محمد رضی اللہ عنہما (م۱۸۳ھ) کے حوالے سے ایک ایسا ایمان افروز واقعہ ملتا ہے جس سے ان کی خدا آ گاہی کا اندازہ ہوتا ہے۔حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی (م۱۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ ۱۴۹ھ میں میں بلخ سے حج بیت اللہ کے اِرادے سے نکلا۔جب مقام قادسیہ پہنچا تو دیکھا کہ لوگ کیسی کیسی زیب وزینت کی چیزوں سے آراستہ وپیراستہ ہیں۔اتنے میں نظر ایک خوبصورت جوان پر جا کر ٹک گئی،اس کے گندمی رنگ میں ایسی نورانیت تھی کہ نظریں اس کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔اس نے اون کا لباس زیب تن کر رکھا تھا،سر پر عمامہ،اوپر سے اونی شال اوڑھے،پیروں میں جوتیاں،سب سے کنارہ کش ایک جانب بیٹھا تھا۔

میرے دل میں شیطانی وسوسہ آیا کہ یہ نوجوان اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرنا چاہتا ہے؛ تاکہ لوگ اس کی تعظیم وتوقیر کریں،اوراسے اپنے قافلے کے ساتھ حج کے لیے لے جائیں۔یہ خیال آتے ہی میں نے دل میں کہا:اللہ کی قسم!میں ضرور اس کی نگرانی کروں گا اوراسے ملامت کروں گا کہ اس طرح کا بناوٹی انداز درست نہیں؛ چنانچہ میں اس نوجوان کے قریب گیا،جیسے ہی میں اس کے قریب پہنچا تو وہ میری طرف پوری طرح متوجہ ہوا اور میرا نام لے کر کہتا ہے:اے شقیق!

اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۝ (سورۂ حجرات:۱۲/۴۹)

اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بے شک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی ہے)۔

اتنا کہنے کے بعد وہ پراَسرار نوجوان مجھے وہیں چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔میرے دل میں ندامت ہوئی کہ یہ تو کوئی بندۂ صالح معلوم ہوتا ہے اور میں نے اس کے بارے میں کچھ اور سوچا،پھر اسے میرے دل کی بات پر بھی اطلاع ہوگئی۔مجھے اس کی فیضِ صحبت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اوراس کے ساتھ رہ کر کچھ سیکھنا چاہیے؛ چنانچہ یہ سوچ کر میں اس کے پیچھے دوڑا؛ مگر وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور تلاشِ بسیار کے باوجود میں اسے پانے میں ناکام رہا۔

حاجیوں کا قافلہ وہاں سے روانہ ہوکر جب مقام 'واقصہ' میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان ایک گوشہ میں نماز اَدا کر رہا ہے، اس کا پورا بدن تھر تھر کانپ رہا ہے، اور آنکھیں سیلاب بنی ہوئی ہیں۔ میں نے کہا: اب اس کا ساتھ نہیں چھوڑنا، اچھا موقع ہے؛ چنانچہ وہیں بیٹھ کر نماز سے اس کی فراغت کا انتظار کرنے لگا، جب وہ فارغ ہوا تو قبل اس کے کہ میں اس کی طرف متوجہ ہوتا وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہوکر کہنے لگا: اے شقیق! اس آیت کی تلاوت کرو :

وَاِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدَىo(سورۂ طہٰ: ۸۲/۲۰)

اور بے شک میں بہت زیادہ بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیا پھر ہدایت پر (قائم) رہا۔

اتنا کہہ کے پھر مجھے تنہا چھوڑ کر وہ اپنی راہ لیتا بنا۔ میں نے جی میں کہا: ہونہ ہو یہ کوئی اَبدالوں میں سے لگتا ہے؛ کیوں کہ یہ دومرتبہ میرے رازوں پر آگاہی پاچکا ہے، اب میں اس نوجوان سے بہت زیادہ متاثر ہو چکا تھا۔

پھر جب ہم مقام رمال پر پہنچے۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان ہاتھ میں چمڑے کا ایک تھیلا لیے ایک کنوے کے پاس کھڑا ہے، اور پانی نکالنا چاہتا ہے۔ پانی نکالنے کی کوشش کرتے کرتے وہ تھیلا کنوے کے اندر گر گیا۔ میں یہ سب کچھ مشاہدہ کر رہا تھا۔ اتنے میں میں نے آسمان پر بجلی کی ایک چمک دیکھی، اور اس نوجوان کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔

أنت ربي إذا ظمئت من الما .... ء و قوتي إذا أردت الطعاما

اللّٰھـــم یا سیـــدی مـالی .... ســواھــا فــلا تعـدمنیـھـا

یعنی مولا! وہ تو ہی ہے کہ جب میں پیاسا ہوا تو تو نے میری خشک حلق کو پانی سے تر کردیا، اور جب بھوک لگی تو کھانے کا انتظام فرمایا۔

اے پروردگار! اس بھری دنیا میں میرا تیرے سوا کوئی نہیں؛ لہٰذا مجھے غیر کی ٹھوکر پر نہ ڈالنا اور مجھے برباد ہونے سے بچالینا۔

حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ جوان ابھی اتنا ہی کہنے پایا کہ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ

کنوے کا پانی جوش مارتا ہوا اُمڈ کر منڈیر تک آ گیا۔ نوجوان نے ہاتھ بڑھا کر اپنا تھیلا اُٹھایا، اسے پانی سے بھرلیا، اور کنوئیں کا پانی واپس نیچے چلا گیا۔ نوجوان نے وضو کیا اور چار رکعت نماز اَدا کی، نماز سے فراغت کے بعد وہ ایک ریتیلے ٹیلے پر چڑھا، میں بھی چپکے سے اس کے پیچھے ہولیا، وہاں جا کر اس نے ریت اُٹھائی اور اس تھیلے میں ڈالنے لگا، پھر تھیلے کو ہلایا اور اس میں موجود ریت ملے ہوئے پانی کو پینے لگا۔

یہ سب کچھ دیکھ کر میں اس کے پاس آیا، اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا، میں نے کہا: اے نیک سیرت نوجوان! اللہ نے آپ پر جو کچھ انعام کیا اس سے مجھے بھی کچھ نوازیں۔ یہ سن کر اس نوجوان نے کہا: اے شقیق! اللہ جل مجدہ اپنے بندوں پر ہر وقت فضل وکرم فرماتا رہتا ہے، کوئی آن ایسی نہیں گزرتی جس میں وہ پاک پروردگار اپنے بندوں پر نعمتیں نازل نہ فرماتا ہو؛ لہٰذا اے شقیق! اس کے ساتھ حسن ظن رکھو۔

اتنا کہنے کے بعد اس نوجوان نے وہ چمڑے کا تھیلا میری طرف بڑھایا، جیسے ہی میں نے اس میں سے پیا تو اسے شکر اور خالص ستو ملا ہوا ایک بہترین مشروب پایا، اور وہ اتنا لذیذ تھا کہ قسم بخدا! ایسا من پسند اور خوشبودار مشروب میں نے کبھی زندگی میں نہیں پیا تھا؛ اس لیے میں نے خوب جی بھر کر سیرابی حاصل کی، اور اس کی برکت سے کئی دنوں تک کھانے پینے کی کوئی خواہش نہیں ہوئی۔ پھر وہ میری نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔

جب ہم مکہ پہنچے، تو ایک شب میں نے آدھی رات کو اسے قبہ چاہِ زمزم کے پاس دیکھا کہ کامل خشوع، رقت قلب اور چشم اشک بار کے ساتھ وہ مصروفِ نماز ہے، اور وہ اپنی عبادت گزاری میں ایسا جٹا رہا کہ کاروانِ شب گزر گیا اور وہ یوں ہی یادِ مولا میں مگن رہا۔ جب سپیدۂ سحر طلوع ہوا تو اپنی جائے نماز پر بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگا، پھر اُٹھا اور نماز فجر اَدا کرنے کے بعد خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف ہو گیا، سات چکر لگانے کے بعد وہ صحن کعبہ سے باہر جانے لگا، میں اس کے پیچھے لگ گیا؛ لیکن اب اس کی حالت اس سے بالکل سوا تھی جو میں نے راہ میں دیکھی تھی؛ کیوں کہ اب اس کے اِرد گرد اہل عقیدت کا ہجوم تھا، خدم وحشم نیاز مندی میں لگے ہوئے تھے، اور لوگ جوق در جوق اس کی دست بوسی کر رہے تھے۔ میں یہ حالت دیکھ کر حیران کھڑا تھا۔

خانۂ خدا میں اس کی یہ جاہ وحشمت دیکھ کر میں نے اس کے قریبی ایک آدمی سے پوچھا کہ یہ صالح نوجوان کون ہے؟۔ جواب ملا: یہ حضرت امام موسیٰ بن جعفر صادق بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ حضرت شقیق بلخی کہتے ہیں: یہ سن کر میں نے کہا کہ تبھی تو ایسے ایسے خوارقِ عادات دیکھنے میں آئے، اور اِن ساداتِ کرام ہی سے ایسے عجیب وغریب اُمور کی توقع کی جاسکتی ہے، اور انھیں لوگوں کو ایسی کرامتیں اور سعادتیں زیبا ہیں۔(۱)

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور نور
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

بے اَدبی کا وبال

ایک مرتبہ حضرت شقیق بلخی اور حضرت اَبوتراب بخشی رضی اللہ عنہما، حضرت شیخ ابویزید رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا تو وہاں بیٹھا ہوا ایک نوجوان کھڑا ہوگیا۔ حضرت شقیق رضی اللہ عنہ نے اسے کھانے پر بلایا کہ اے نوجوان! آ ہمارے ساتھ کھانے میں شامل ہوجا۔ جوان نے کہا: میں روزے سے ہوں۔

حضرت شقیق نے فرمایا: ہمارے ہمراہ کھالے، اور تیرے لیے ایک ماہ کے روزوں کا ثواب ہے؛ مگر جوان ہرچند انکار ہی کرتا رہا۔ حضرت ابویزید نے بھی فرمایا کہ آجا ہمارے ساتھ کھالے، اور تیرے لیے ایک سال کے روزوں کا ثواب ہے۔ مگر جوان نے پھر انکار کردیا۔ تو حضرت ابویزید نے فرمایا: جو اللہ کی نظر سے گرگیا اسے چھوڑ دو۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ایک سال کے بعد وہ جوان چوری کے عمل میں ملوث ہوگیا اور پھر اسی جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اولیا کی بے اَدبی سے بچائے اور اپنے غضب سے مامون فرمائے۔ آمین)۔(۲)

(۱) صفۃ الصفوۃ:۱/۲۱۸......روض الریاحین:۱۲۲تا۱۲۳......عیون الحکایات ابن الجوزی:۱/۲۴۰۔
(۲) روض الریاحین فی حکایات الصالحین، بحوالہ بزم اولیا:۴۳۶۔

خوفِ خدا باعثِ نجات

ابوالعباس حضرت محمد بن صبیح معروف بہ ابن السماک رحمہ اللہ (م ۱۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ایک مجلس میں تقریر کی۔ تقریر کے دوران ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے ابوالعباس! آج آپ نے اپنی تقریر میں ایک جملہ کہا ہے، ہمارے لیے صرف وہ ایک جملہ ہی کافی ہے، اگر آپ اس کے علاوہ کچھ نہ کہتے تو ہمیں کچھ پروا نہ ہوتی۔

میں نے اس سے دریافت کیا وہ جملہ کیا ہے؟ اس نوجوان نے کہا کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ خائفین کے دلوں کو دو خلود (ہمیشہ رہنے) نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، اور وہ دو خلود یہ ہیں: جنت میں ہمیشہ رہنا ہے یا جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔ یہ بات کہہ کر وہ رخصت ہوگیا۔ اگلی مرتبہ جب میں تقریر کی تو وہ نوجوان موجود نہیں تھا۔ میں نے حاضرین سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتلایا کہ وہ بیمار ہے۔

میں یہ سن کر اس کی عیادت کو گیا اور اس سے کہنے لگا: یہ تمہارا کیا حال ہوگیا ہے؟۔ وہ کہنے لگا: اے ابوالعباس! آپ نے اس دن دوزخ میں یا جنت میں ہمیشہ رہنے کی بات کہی تھی، آپ کے اس جملے نے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں۔ پھر چند روز بعد معلوم ہوا کہ اس نوجوان کا اِنتقال ہوگیا ہے۔

ایک رات میں نے خواب میں اسے دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟۔ تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی ہے، اور مجھ پر خاص کرم فرماتے ہوئے مجھے جنت میں داخل کر دیا ہے۔ میں نے پوچھا: تم پر اللہ کی یہ نوازش کیوں ہوئی؟ اس نے جواب دیا: اسی جملے سے متاثر ہونے کی وجہ سے جو آپ نے کہا تھا۔(۱)

(۱) احیاء علوم الدین: ۴/۱۸۷۔

ایک جوان شہزادے کی توبہ

حضرت ابن سماک بیان کرتے ہیں کہ بنواُمیہ کا بانکا، چھریرا، خوبصورت، حسین وجمیل نوجوان موسیٰ بن محمد بن سلیمان ہاشمی اپنے عیش وعشرت، تن پروری، خوش لباسی اور ماہ وش کنیزوں اور غلاموں کی جھرمٹ میں سرمستی حیات کا عادی تھا۔ انواع واقسام کے لذائذ سے اس کا دسترخوان ہمہ وقت لبریز رہتا۔ وہ زرق برق ملبوسات میں لپٹا، مجلس طرف سجائے، رات کی رات غم وآلام دنیا سے بےخبر پڑا رہتا۔

ایک سال میں تین لاکھ تین ہزار دینار کی آمدنی تھی اور یہ ساری کی ساری دولت وہ اپنی عیاشیوں پر قربان کردیتا۔ اس نے شارعِ عام پر نہایت بلند وبالا خوبصورت مکان بنا رکھا تھا، جس کا گیٹ نہایت شاندار تھا، اپنے محل میں بیٹھا کبھی وسیع گزرگاہ کی رونقوں سے محظوظ ہوتا، عقبی جانب نہایت شاندار باغ لہلہارہا تھا، جس میں حسین وجمیل پھولوں کی کیاریاں قرینے سے آراستہ رہتیں، کبھی اس میں مجلس طرف سجاتا۔ موسیٰ کے محل میں ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک قبہ تھا جس میں چاندی کی میخیں تھیں اور جس کے بعض حصوں پر سنہرا جڑاؤ تھا، قبہ کے عین بیچوں بیچ قیمتی تخت خاص شہزادے کے جلوس کے واسطے بنایا گیا تھا۔

جسم پر قیمتی لباس اور جڑاؤ عمامہ پہن کر موسیٰ اس پر بیٹھتا، اِردگرد دوست واَحباب کی نشستیں ہوتیں، پشت پر خدام وغلام ایستادہ ہوتے، قبے کے باہر گویوں کے بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی، جہاں بیٹھ کر وہ اپنے نغمہ وسرور سے موسیٰ اور اس کے ہم مشربوں کا جی بہلاتے۔ مہ جمال گانے والیاں بھی کبھی رونق مجلس بڑھاتیں۔ ان میں اور مردانہ نشست گاہ میں ایک باریک پردہ حائل رہتا جسے حسب خواہش کبھی ہٹا دیا جاتا، پردہ کو جنبش دینا اس بات کا اِشارہ تھا کہ فوارۂ نغمات کا اُبال شروع ہو، اور جب گانا بند کروانا چاہتا تو اس وقت بھی محض اِشارہ کردیتا۔

رات ڈھلے عیش وعشرت سے تھک کر ماہ وش کنیزوں میں سے جس کے ہمراہ چاہتا شب باشی کرتا۔ دن کو شطرنج ونرد کی بساطیں جمتیں، کبھی بھولے سے بھی اس کی مجلس پر موت یا کسی غم

واندوہ کے تذکرے کا سایہ نہ پڑتا، اسی عالم سرمستی وشباب میں ستائیس سال گزر گئے تھے۔

ایک رات حسب معمول ساز ورباب کی محفل میں بالا خانے پر بیٹھا گانے سن رہا تھا، اس کی نگاہوں کے سامنے بازار رقص وسرود گرم تھا، شراب کے جام چل رہے تھے کہ اتنے میں کہیں سے اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی، اس پُر درد آواز سے اس کے دل پر چوٹ لگی، اس کی طبیعت میں ایک تغیر آ گیا، آواز میں ایسا اُتار چڑھاؤ تھا کہ وہ ٹھیک سے سن نہیں پا رہا تھا، اس نے ہمہ تن گوش ہوکر اسے سننے کی کوشش کی، اور حکم دیا کہ یہ رقص وسرود بند کردو۔ غلاموں سے کہا کہ یہ بھینی بھینی آواز میں کون نغمہ سرا ہے، جاؤ اسے میرے دربار میں لے کر آؤ۔

غلام نکل پڑے، ساتھ ہی ایک مسجد تھی، اندر پہنچے تو دیکھا کہ ایک جوان ہے جو شوریدہ سر پھٹی پرانی چادر اوڑھ کر اللہ کی خشیت ویاد میں دیوانہ وار مناجات کیے جا رہا ہے، جاگ جاگ کر گردن سوکھ گئی تھی، فاقے کی وجہ سے جسم پر لاغری آ گئی تھی، شدتِ پیاس سے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ غلاموں نے اسے مسجد سے نکالا اور شہزادے کے سامنے پیش کر دیا۔

شہزادے نے پوچھا: اے درویش صفت جوان! تم کیا گا رہے تھے، جسے سن کر میری طبیعت دگرگوں ہوگئی۔ اس نے جواب دیا: میں نغمہ لاہوتی گا رہا تھا اور اللہ کے کلام کی تلاوت کر رہا تھا۔ شہزادے نے کہا: ذرا ہمیں بھی سناؤ؛ چنانچہ اس جوان نے اس طرح پڑھنا شروع کیا :

إِنَّ الْأَبْـرَارَ لَـفِي نَعِيمٍ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَـضْرَةَ النَّعِيمِ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيـقٍ مَـخْـتُـومٍ خِـتَـامُهُ مِسْكٌ وَ فِي ذٰلِكَ فَـلْيَتَـنَـافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ وَ مِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ عَيْناً يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ o (سورۂ مطففین: ۸۳/۲۲ تا ۲۸)

بے شک نیکوکار (راحت ومسرت سے) نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ تختوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے۔ آپ اُن کے چہروں سے ہی نعمت وراحت کی رونق اور شگفتگی معلوم کرلیں گے۔ انھیں سربہ مہر بڑی لذیذ شرابِ طہور پلائی جائے گی۔ اس کی مہر کستوری کی ہوگی، اور (یہی وہ شراب ہے) جس کے حصول میں شائقین کو جلد کوشش کر کے سبقت لینی چاہیے۔ اور اس (شراب) میں آبِ تسنیم کی آمیزش ہوگی۔

(یہ تسنیم) ایک چشمہ ہے جہاں سے صرف اہلِ قربت پیتے ہیں۔

یہ سن کر وہ شہزادہ ہاشمی بے اختیار چیخ پڑا اور اُٹھ کر اس جوان سے لپٹ گیا۔ درباریوں کی چھٹی کر دی، اور محل کے سارے پردے گرا دیے گئے۔ شہزادہ اسے لے کر صحن میں آ گیا اور ایک بوریا بچھا کر بیٹھ گیا، اور فریاد کر کے کہنے لگا کہ مجھے اس طرح کی کچھ اور باتیں سناؤ؛ چنانچہ دیر تک اس جوان نے اسے اللہ کی آیتیں، اس کے وعدے، آخرت کی نعمتیں، پھر یوں ہی اس کے دیدار کی باتوں تک مضمون کھینچ کر لے گیا۔

یہ سن کر وہ تڑپ گیا، زمین پر گر پڑا، اور سچے دل سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی۔ اور سارا سیم وزر، غلام وکنیز اور جائداد وغیرہ راہِ خدا میں خیرات کر دی۔ پھر اس نوجوان سے کہا کہ خدارا مجھے اپنی صحبت سے محروم نہ کرو جہاں رہو مجھے بھی ساتھ رکھو؛ چنانچہ دونوں ساتھ ساتھ رہنے لگے، اور اس نے ایسی عبادت وریاضت اختیار کی اور ایسی شب خیزی واشک ریزی کی کہ اس دور کے صلحا واولیا اس کی زیارت کو آیا کرتے تھے۔

پھر ٹاٹ کے کپڑے پہن کر شرم سارانہ ننگے پاؤں مکہ معظّمہ روانہ ہوگیا، حج کیا، اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ ایک دن وفات سے ذرا قبل وہ دیوانہ وار پچھلی رات خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، طوفِ حرم کے دوران جب وہ بابِ کعبہ کے سامنے آیا تو عرض کرنے لگا :

أتیتک عاصیا یا ذا المعالي ففرج ما تری من سوء حالي

إلی من یرجع المملوک إلا إلی مولاہ یا مولی المـوالي

یعنی مولا مجھے تیری خبر نہ تھی، میں تیری معرفت سے بے خبر تھا، اور اسی بے خبری میں میں تیری نافرمانی کرتا گیا، بلندی والے رب جو میرا برا حال ہے، اسے اپنی بخشش کے ساتھ خوش حالی سے بدل دے۔ میں تیرا غلام ہوں بتا اب تجھے چھوڑ کے کدھر جاؤں، اس لیے کہ غلام اچھا ہو برا ہو پلٹ کر پھر اپنے مالک کے پاس ہی تو آیا کرتا ہے۔

یہ شعر پڑھ کر وہ تڑپنے لگا اور چیخ وپکار، آہ وزاری کرتے کرتے اس نے اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دی۔(۱)

(۱) روض الریاحین: ۵۷تا۶۰۔

پُراَسرار جزیرہ

حضرت عبداللہ بن غالب الحدانی علیہ الرحمہ (م۱۸۳ھ) کے حوالے سے آتا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بحری سفر پر روانہ ہوا، ہماری کشتی سمندر کے سینے کو چیرتی ہوئی جانب منزل چلی جارہی تھی۔ اچانک ہماری کشتی ایک جزیرہ کے قریب جا پہنچی، ہم نے وہاں کشتی روکی تو وہ ایک ویران اور بڑی ہولناک جگہ تھی، وہاں ہمیں کوئی شخص نظر نہ آیا۔ میں نے اِرادہ کیا کہ میں اس جگہ کو ضرور دیکھوں گا شاید یہاں کوئی عجیب وغریب شے نظر آئے۔

چنانچہ میں کشتی سے اُترا اور اکیلا ہی اس پراَسرار جزیرے کی طرف چل پڑا۔ وہاں کا منظر بڑا ہولناک تھا، مجھے وہاں کوئی انسان نظر آیا نہ ہی کوئی گھر وغیرہ۔ پھر کچھ دور ایک گھر نظر آیا، میں نے جان لیا کہ اس میں ضرور کوئی نہ کوئی رہتا ہوگا اور یہاں کوئی عجیب وغریب بات ضرور ہوگی؛ کیوں کہ اس ویرانے میں کسی گھر کا موجود ہونا ایک عجیب سی بات ہے۔

میں نے تہیہ کرلیا کہ اس گھر کے راز کو ضرور جانوں گا؛ چنانچہ میں وہاں سے واپس اپنے دوستوں کے پاس آیا اور ان سے کہا: مجھے تم سے ایک کام ہے، اگر تم اسے پورا کردو تو اِحسان ہوگا۔ انھوں نے پوچھا: بتائیے کیا کام ہے؟۔ میں نے کہا: آج رات ہم اسی جزیرہ میں قیام کریں گے، اور صبح سفر پر روانہ ہوں گے۔ میرے رفقا میری اس خواہش پر وہیں رات بسر کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ میں پھر یہ سوچتے ہوئے اس گھر کی طرف چل دیا کہ جب رات ہوگی تو اس گھر میں رہنے والے ضرور یہاں آئیں گے اور میں ان سے ملاقات کرلوں گا۔

چنانچہ میں وہیں ٹھہر گیا۔ پھر یہ سوچ کر میں گھر میں داخل ہوگیا کہ آخر دیکھوں تو سہی کہ اس میں کیا ہے۔ میں نے اس چھوٹے سے گھر کو بالکل خالی پایا، اس میں صرف ایک گھڑا تھا اور وہ بھی بالکل خالی، اور ایک بڑا سا تھال تھا جس میں کچھ نہ تھا، اس کے علاوہ اس گھر میں کوئی اور شے نہیں تھی۔

میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جب سورج غروب ہو گیا اور رات نے اپنے پَر پھیلا دیے تو مجھے اچانک ایک آہٹ سی محسوس ہوئی اور پہاڑ کی جانب سے ہلکی ہلکی آواز آنے لگی۔ میں محتاط ہو کر بیٹھ گیا اور غور سے اس آواز کو سننے لگا۔ یہ کسی نوجوان کی آواز تھی جو اللہ اکبر، سبحان اللہ، اور الحمد للہ کی صدائیں بلند کرتا اسی گھر کی طرف چلا آ رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد ایک پُر کشش نورانی شکل وصورت والا نوجوان اس گھر میں داخل ہوا، اس نے آتے ہی نماز پڑھنا شروع کر دی اور کافی دیر نماز میں مشغول رہا۔ نماز سے فراغت کے بعد وہ اس برتن کی طرف بڑھا جو بالکل خالی تھا، نوجوان نے اس برتن سے کھانا شروع کر دیا حالانکہ میں دیکھ چکا تھا کہ وہ برتن بالکل خالی تھا؛ لیکن وہ نوجوان اسی برتن میں سے نہ جانے کیا کھا رہا تھا؟۔ کچھ دیر بعد وہ اُٹھا اور گھڑے کی طرف آیا اور ایسا لگا گویا کہ اس میں سے پانی پی رہا ہو حالاں کہ میں نے دیکھا تھا کہ اس گھڑے میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ میں بڑا حیران ہوا، اور چھپ کر بیٹھا رہا۔

اس نوجوان نے کھانے پینے کے بعد اللہ کا شکر اَدا کیا اور دوبارہ نماز میں مشغول ہو گیا، اور فجر تک نماز پڑھتا رہا۔ فجر کے وقت مجھ سے رہا نہ گیا اور میں اس کے سامنے ظاہر ہو گیا۔ اس کی اقتدا میں نماز اَدا کی۔ نماز کے بعد وہ نوجوان مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اللہ کے بندے! تم کون ہو اور میری اِجازت کے بغیر میرے گھر میں کیسے گھس آئے؟۔

میں نے کہا: اے مردِ صالح! اللہ تجھ پر رحم کرے، میں کسی بری نیت سے یہاں نہیں آیا بلکہ میں تو بھلائی ہی کے لیے یہاں آیا ہوں، مجھے چند باتوں سے بڑی حیرانی ہوئی ہے۔ میں نے تمہارے آنے سے پہلے گھڑے کو دیکھا تھا تو اس میں پانی بالکل نہ تھا لیکن تم نے اسی میں سے پانی پیا۔ اسی طرح برتن سے تم نے کھانا تناول کیا جب کہ وہ تو بالکل خالی تھا۔ میرے لیے یہ باتیں بڑی حیران کن ہیں۔ یہ سن کر نوجوان کہنے لگا: آپ نے بالکل ٹھیک کہا کہ وہ برتن اور گھڑا خالی تھا لیکن میں نے جو کھانا اس برتن سے کھایا وہ ایسا کھانا نہیں جسے لوگ طلب کرتے ہیں، اسی طرح میں نے جو پانی پیا وہ ایسا نہیں جیسا لوگ پیتے ہیں!۔

یہ سن کر میں نے اس نوجوان سے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو تازہ مچھلی لا کر دوں؟۔ نوجوان کہنے لگا: کیا تم مجھے دنیاوی غذا کی دعوت دے رہے ہو؟۔ میں نے کہا: اے نوجوان! اس اُمت کو یہ حکم نہیں دیا گیا جیسے تم کر رہے ہو بلکہ ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جماعت کے ساتھ رہیں، مساجد میں حاضر ہوں، باجماعت نماز کی فضیلت حاصل کریں، مریضوں کی عیادت کریں، مسلمانوں کے جنازوں میں حاضر ہوں اور مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کریں؛ لیکن تم نے یہ سب کچھ چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے اور ان سعادتوں سے محروم ہو گئے ہو۔

یہ سن کر وہ نوجوان کہنے لگا: آپ نے جو باتیں ذکر کیں الحمد للہ مجھے وہ تمام سعادتیں حاصل ہیں؛ یہاں قریب ہی ایک بستی ہے جہاں جا کر میں عوام الناس کی خیر خواہی بھی کرتا ہوں، اور آپ کے ذکر کردہ باقی اُمور بھی سرانجام دیتا ہوں۔ اتنا کہنے کے بعد اس نوجوان نے ایک پرچہ پر کچھ لکھا اور پھر زمین پر لیٹ گیا۔ میں سمجھا کہ شاید اس کا اِنتقال ہو گیا، قریب جا کر دیکھا تو وہ واقعی اپنے مالک حقیقی سے جا ملا تھا۔ جب اس کی قبر کھودی گئی تو اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔(۱)

اپنے کیے پر شرمساری

حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ (م ۱۸۷ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو حج کے دنوں میں طوافِ خانۂ کعبہ کرتے ہوئے دیکھا۔ لوگ دعائیں مانگ رہے تھے؛ مگر اس کے لب خاموش تھے۔ میں نے پوچھا: تم دعا میں شریک کیوں نہیں ہوتے اور اپنی مہر سکوت کیوں نہیں توڑتے؟۔

اس نے جواب دیا: میں وحشت میں مبتلا ہوں؛ کیوں کہ میرا وقت فوت ہو گیا ہے اور اب دعا کی کوئی صورت نہیں۔ میں نے کہا: دعا کر، اللہ نے چاہا تو اس اجتماع کی برکت سے تیری مراد بر آئے گی۔ اس نے چاہا کہ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے؛ مگر بے اختیار اس نے ایک آہ بھری اور وہیں گر کر جاں بحق ہو گیا۔(۲)

---

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱۴۰/۱، ۱۴۱۔
(۲) کشف المحجوب مترجمہ علامہ فضل الدین گوہر: ۴۵۰۔

محبت کی حلاوت چکھ لینے کے بعد

حضرت محمد بن فضیل علیہا الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو زمین پر لیٹے ہوئے دیکھا جو زار و قطار روئے جا رہا تھا۔ میں نے اپنے ایک دوست سے کہا: آؤ، اس کے پاس چلیں، یقیناً یہ کوئی بیمار معلوم ہوتا ہے۔

میرے دوست نے کہا: یہ بیمار نہیں، بلکہ باطن میں عاشق اور ظاہراً مجنون ہے۔ اس کا دل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے، اور اسے 'عبید مجنون' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

حضرت محمد بن فضیل فرماتے ہیں کہ میں اس کے قریب ہوا تو دیکھا کہ اس نوجوان کا جسم نہایت کمزور و ناتواں ہے، اُس پر اُون کا ایک جبہ پڑا ہوا ہے، اور وہ دیوانہ وار کہے جا رہا ہے: تعجب ہے اُس پر جس نے تیری محبت کی حلاوت کو چکھ لیا، آخر وہ کیسے تیری بارگاہ سے دور ہو سکتا ہے؟۔

پھر وہ اسی بات کو دہراتا دہراتا بے ہوش ہو گیا۔ میں نے اپنے دوست کو کہا: اللہ عزوجل کی قسم! مجنون وہ ہوتا ہے جو اس مقام تک نہ پہنچا ہو۔

جب اُس کو ہوش آیا تو پوچھنے لگا: آپ مجھے کیوں دیکھ رہے ہیں؟۔ ہم نے کہا: شاید آپ کو دوا کی ضرورت ہے جو آپ کو اس بیماری سے شفایاب کر دے۔ اس نے کہا: جس ذات نے مجھے اس بیماری میں مبتلا کیا ہے، دوا بھی اُسی کے پاس ہے؛ لیکن جو بھی اس بیماری کا علاج کرانا چاہتا ہے وہ مزید بیمار ہو جاتا ہے۔

میں نے کہا: وہ علاج کیا ہے؟۔ تو اس نے بتایا کہ 'اس بیماری کا علاج حرام کو ترک کرنے، گناہوں سے اجتناب کرنے، مراقبہ کرنے، اور رات کو نمازِ تہجد اَدا کرنے میں ہے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

یہ کہنے کے بعد وہ ایک بار پھر آہ وزاری کرنے لگا، اسے دیکھ کر ہم نے بھی رونا شروع کر دیا۔ پھر ہم نے اس سے کہا: ہم آپ کے مہمان ہیں، ہمارے لیے دعا فرمائیے۔ تو اس نے کہا: میں اس میدان کے شاہسواروں میں سے نہیں ہوں۔

ہم نے اس کو قسم دی تو اس نے دعا کی: اللہ عزوجل ہمارے اور آپ کے اعمالِ صالحہ قبول فرمائے اور مغفرت کے ساتھ تمہاری میزبانی فرمائے، جنت کو تمہارا ٹھکانہ بنائے اور تمہارے اور میرے دل میں موت کی یاد ڈال دے۔ پھر ہم اُس سے جدا ہو گئے، اور ہمارا حال یہ تھا کہ اُس کی پُرسوز اور خوبصورت دعا ہمارے کانوں میں رس گھول رہی تھی، اور اس کے کلام و نصیحت کو سن کر ہمارے دلوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

عزیزانِ گرامی! ذرا سوچیں کہ یہ تو ایک دیوانے کی حالت ہے جو کہ اپنے خالق و مالک سے محبت کرتا ہے۔ تو پھر اس کے مقابلے میں ہم جیسے عقلمند اور دانا کا کیا حال ہونا چاہیے؟۔ ہمارا رب ہمیں بلاتا ہے لیکن ہم جواب نہیں دیتے۔ ہمیں توبہ کا حکم دیتا ہے مگر ہم توبہ نہیں کرتے۔

وہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی بارگاہ میں حاضر رہیں اور ہم ہیں کہ ہر وقت غائب رہتے ہیں۔ کب تک ہم اپنی عمریں یوں ہی ضائع کرتے رہیں گے؟۔ کیا دیا دنیا نے ہمیں؟۔ کب تک ہم اپنی لغزشوں کا بہانہ بناتے رہیں گے؟۔

خدارا! اس کی بارگاہ میں توبہ کے لیے جلدی کریں، وہ ہمارے قریب ہے۔ ہم اس سے ہدایت و توفیق کا سوال کریں۔ غم و تنگی کو دور کرنے میں اُسی کا قصد کریں کہ وہ اپنی بارگاہ کا اِرادہ کرنے والوں کو رُسوا نہیں فرماتا، اور اُس کے پسندیدہ اعمال کے ذریعے اس کا قرب حاصل کریں۔ اس کی نافرمانیوں سے ڈریں؛ اس لیے کہ وہ حاضر ہے، غائب نہیں۔ اور ہر حال میں اسی سے مانگیں، اس لیے کہ وہ اپنے مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے۔ (۱)

---

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق مترجم: ۷۱، ۷۲۔

اللہ کرے شوقِ طلب اور زیادہ

حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رضی اللہ عنہ (م۱۹۱ھ) تعلیم وتربیت میں انہماک کے حوالے سے اپنی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں علم اور وقت کی کیا اہمیت تھی اور اس کے لیے انھوں نے کیا کچھ برداشت نہیں کیا۔

فرماتے ہیں کہ چھوٹی سی عمر میں میری اپنی چچا کی بیٹی (کزن) سے شادی ہوگئی، ابھی کچھ ہی دن اس کے ساتھ گزارنے پائے تھے کہ پھر اچانک علم دین کا سودا میرے سر میں سما گیا، ہر چند میں نے چاہا کہ کچھ اور دن نئی نویلی دلہن کے ساتھ گزاروں؛ مگر علم کی تشنگی نے اِجازت نہ دی اور مجھے ہر قیمت پر طلب دین کے لیے نکل جانا پڑا۔

گھر سے نکلتے وقت میں نے بیوی سے کہا کہ چوں کہ تحصیل علم کے لیے جا رہا ہوں؛ اس لیے نہیں معلوم کتنا وقت لگ جائے سو تمھیں اختیار ہے چاہو تو میرے نکاح میں رہو چاہو تو طلاق لے لو؛ مگر اس نے میرے نکاح میں رہنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ میں گھر سے اس حال میں نکلا کہ وہ اُمید سے تھی۔ طلب چوں کہ صادق تھی اس لیے سفر کی مشکلات کو خاطر میں لائے بغیر میں تھوڑے ہی دن میں مرکز علم وایمان 'مدینہ منورہ' پہنچ گیا۔

ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام مالک کے حلقہ درس سے خود کو وابستہ کرلیا اور صبح وشام زیورِ علم واَدب سے خود کو آراستہ کرتا رہا۔ یوں تو ہر وقت ہی ہم لکھنے پڑھنے میں لگے رہتے تھے؛ لیکن سپیدۂ سحر نمودار ہونے کے وقت میں حضرت امام مالک سے بطورِ خاص دو چند مسائل یا تین چار حدیثیں سماعت کیا کرتا تھا جب وہ مسجد نبوی کے لیے سرِ صبح گھر سے نکل رہے ہوتے؛ کیوں کہ اس وقت مجھے کافی انشراحِ صدر ہوتا تھا اور ذہن وفکر کو اس وقت سیکھنے کے لیے زیادہ آمادہ پاتا تھا۔

چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ میں اپنے معمول کے مطابق سرِ صبح آیا، اور ان کے دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھا ہی تھا کہ میری آنکھوں میں نیند اُتر آئی اور میں وہیں سو گیا۔ اسی دوران امام مالک مسجد کے لیے نکل بھی گئے اور مجھے اس کا شعور تک نہ ہو سکا۔

کہتے ہیں کہ تھوڑی ہی دیر میں گھر سے ان کی ایک کالی سی باندی نکلی اور مجھے دروازے پر سویا دیکھ کر اپنے پیر سے ٹھوکا دیتے ہوئے کہنے لگی کہ تمہارے آقا (امام مالک) دیر ہوئی مسجد کو جاچکے ہیں، وہ تمہاری طرح لاپروا نہیں ہیں بلکہ انھیں وقت کا کافی خیال ہوتا ہے اور وہ اپنے معمولات کے بہت ہی پابند ہیں۔ آج کوئی اُنچاس (۴۹) سال ہوگئے ہیں اس دوران ان کا معمول رہا ہے کہ وہ فجر کی نماز، عشا کے وضو سے اَدا فرماتے آرہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے دل کی آنکھیں کھل گئیں اور میں نے اپنے آپ کو امام مالک کے دروازے سے ایسا مربوط کر لیا کہ کوئی سترہ سال تک مسلسل پوری تن دہی، وقت کی پابندی اور ذمہ داری کے ساتھ علم واَدب کی تحصیل میں لگا رہا۔ اس دوران سوائے علم وفضل حاصل کرنے کے میں نے نہ کوئی تجارت کی اور نہ کسی اور کام میں خود کو مشغول رکھا۔

کہتے ہیں کہ ایک دن معمول کے مطابق میں ان کے حلقہ درس میں بیٹھا ہوا تھا کہ حجاجِ مصر کا ایک قافلہ نمودار ہوا؛ جس میں ایک چھریرا خوبصورت جوان بھی شامل تھا، ہمارے پاس آکر اس نے بڑی نیازمندی سے سلام عرض کیا اور پوچھا کہ کیا آپ لوگوں میں ابن القاسم نامی کوئی بزرگ بھی ہیں؟۔ لوگوں نے میری طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہاں! یہ ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ سن کر وہ جوان میرے پاس آیا اور میری آنکھیں اور میرے ہاتھ چومنے لگا جس سے ایسی خوشبو پھوٹ رہی تھی جس نے میری مشامِ جاں کو معطر کر رکھا تھا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ میرا اَپنا بیٹا ہے جسے میں گھر سے نکلتے وقت اس کی ماں کے شکم میں اَمانۃً چھوڑ آیا تھا، اور اب وہ جوانِ رعنا ہو چکا تھا۔(۱)

(۱) ترتیب المدارک وتقریب المسالک: ۱۵۷۔

یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں.......

مشہور محدث حضرت محمد بن سوید (م۱۹۲ھ) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اہل مدینہ شدید قحط کا شکار ہوئے، ان دنوں مسجد نبوی میں ایک نیک اور غیر معروف آدمی رہا کرتا تھا۔ ایک دن بہت سے لوگ دعا میں مصروف تھے کہ ایک شخص آیا، اس کے جسم پر پرانے کپڑے تھے۔ اس جوانِ صالح نے دو مختصر سی رکعتیں پڑھیں اور پھر اس طرح دعا کی: اے اللہ! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ اسی وقت بارش عطا فرما۔

راوی کہتے ہیں کہ ابھی اس مردِ صالح نے ہاتھ نیچے بھی نہ گرائے تھے کہ آسمان پر اَبر چھا گیا اور اتنا پانی برسا کہ مدینہ کے لوگ سیلاب کے ڈر سے فریاد کرنے لگے۔ پھر اس نے دعا کی کہ اے پروردگار! اگر تو اس قدر بارش کو اُن کے لیے کافی سمجھتا ہے تو اب اسے روک لے؛ چنانچہ بارش فوراً ہی رک گئی۔ پھر یہ شخص اس نیک آدمی کے پیچھے پیچھے ہولیا جو مسجد نبوی میں مصروفِ عبادت رہا کرتا تھا، اور ان کے گھر کا پتا دریافت کر کے واپس آگیا۔

صبح سویرے ان کے گھر پہنچا۔ وہ باہر نکلے، آنے کا مقصد دریافت کیا: اس نے بتلایا کہ میں یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ اپنی دعاؤں میں مجھے خاص طور پر یاد رکھا کریں۔

انھوں نے کہا: سبحان اللہ! آپ اور مجھ سے یہ درخواست کرتے ہیں؛ حالاں کہ میں کل اپنی آنکھوں سے آپ کی دعا کی مقبولیت دیکھ چکا ہوں۔

پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کو یہ مرتبہ کیسے ملا ہے؟۔

انھوں نے جواب دیا: اَوامر ونواہی میں اللہ تعالیٰ کی اِطاعت نے مجھے یہ شرف عطا کیا ہے کہ میں جو دعا کرتا ہوں قبول ہوجاتی ہے۔(۱)

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۴۶۴/۲۔

پاسِ اَدب ہوتو ایسا ہو!

خلیفہ ہارون الرشید (م۱۹۳ھ) ایک معروف ومشہور خلیفہ گزرے ہیں۔ بادشاہت کے زمانہ میں ۱۰۰/رکعت روزانہ نفل پڑھنے کا معمول تھا جو مرتے دم تک رہا۔ اپنے ذاتی مال سے ہزار درہم روزانہ صدقہ کیا کرتے تھے۔ ایک سال حج کرتے ایک سال جہاد میں شرکت کرتے تھے۔ جس سال خود حج کو جاتے اپنے ساتھ ۱۰۰/علما کو مع ان کے بیٹوں کے لے جاتے۔ جس سال خود حج نہ کرتے تین سو آدمیوں کو ان کے پورے اخراجات وسامان ولباس وغیرہ کے ساتھ بھیجتے۔ خرچ بھی وسعت سے دیا جاتا اور لباس بھی عمدہ دیا جاتا۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید نے دیکھا کہ ان کا بیٹا اپنے استاد کے پاؤں پر پانی ڈال رہا تھا۔ ہارون الرشید بہت برہم ہوئے اور بیٹے کو خوب ڈانٹنے لگے۔ اس وقت استاد یہ سمجھے کہ ان کے پاؤں پر شہزادے کو پانی ڈالنے کی وجہ سے ڈانٹ ڈپٹ ہو رہی ہے۔ استاد خلیفہ صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرض کی کہ نماز کا وقت جا رہا تھا اس لیے میں نے شہزادے کو پاؤں پر پانی ڈالنے کی زحمت دی۔

خلیفہ نے فرمایا: میں تو اس بات پر ناراض ہو رہا ہوں کہ شہزادے کا ایک ہاتھ خالی ہے وہ اس سے آپ کے پاؤں کیوں نہیں دھوتا!۔ سچ ہے کہ 'ہیرے کی کان میں ہیرے ہی ہوتے ہیں'۔

عزت والا کون!

خلیفہ ہارون الرشید کے دونو جوان بیٹے امین اور مامون، امام کسائی کے شاگرد تھے۔ ایک مرتبہ استاذ اپنی مجلس سے اُٹھے تو دونوں بھائی استاد کو جلدی سے جوتے پکڑانے کے لیے لپکے۔ دونوں میں تکرار ہوئی کہ کون استاد کے جوتے پیش کرے۔

بالآخر دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دونوں ایک ایک جوتا پیش کردیں۔ جب ہارون الرشید کو قصے کا پتا چلا تو اس نے امام کسائی کو بلایا۔ جب وہ آئے تو ہارون نے کہا: لوگوں

میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟۔

امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری رائے میں امیر المومنین سے زیادہ عزت والا کون ہوسکتا ہے؟۔خلیفہ نے کہا: عزت والا وہ ہے کہ جب وہ اپنی مجلس سے اُٹھے تو خلیفہ کے دونوں صاحبزادوں میں اس بات پر جھگڑا ہو کہ ان میں سے کون استاد کو جوتے پہنائے۔

امام کسائی نے سوچا کہ شاید خلیفہ اس بات سے ناراض ہوا ہے؛ لہٰذا اپنی صفائی پیش کرنے لگے۔ ہارون الرشید نے کہا: سنیے! اگر آپ نے میرے بیٹوں کو اس اَدب واحترام سے روکا تو میں آپ سے سخت ناراض ہوجاؤں گا۔اس کام سے ان کی عزت ووقار میں کمی نہیں ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہوا ہے اوران کے اندر چھپی ہوئی فراست کا اِظہار ہوا ہے کہ وہ کتنے عقل منداوردانا ہیں۔

سنیے! خواہ کوئی شخص کتنا ہی عمر،علم یا مرتبے میں بڑا کیوں نہ ہو، تین اَفراد کے سامنے بڑا نہیں ہوتا: قاضی، استاداوراپنے والدین کے سامنے!۔

'جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے'

بغداد میں ایک نوجوان صالح عالم دین تھے جو لوگوں کو علی الاعلان گناہوں سے روکتے تھے؛ یہاں تک کہ خلیفہ بغداد ہارون الرشید کو بھی اس کے خلافِ شرع افعال پر ٹوک دیا کرتے تھے۔خلیفہ نے غصہ میں آکر ایک مرتبہ اس نوجوان عالم دین کو گرفتار کرکے ایک تنگ کوٹھری میں بند کروادیا اوراس کے تمام سوراخوں کو بھی بند کردیا؛ تاکہ یہ بھوکے پیاسے گھٹ کر مرجائے؛ مگر چنددنوں کے بعد خلیفہ نے دیکھا کہ وہی نوجوان عالم ربانی ایک باغ میں ٹہل رہا ہے۔

خلیفہ نے اسے گرفتار کرکے دربارشاہی میں بلایا اور پوچھا کہ تم کو کوٹھری میں سے کس نے نکالا؟۔نوجوان نے کہا: جس نے مجھے قید کیا تھا۔

خلیفہ نے کہا: تم کو بند کس نے کیا تھا؟۔نوجوان نے کہا: جس نے مجھے نکالا ہے۔

یہ جواب سن کر خلیفہ تعجب سے حیران رہ گیا اورحق کی ہیبت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس

نے حکم دے دیا کہ اس نوجوان اور صالح عالم دین کو گھوڑے پر سوار کرا کے سارے شہر میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ یہ وہ شخص ہے جس کو خدا نے عزت دی ہے؛ مگر اس کو خلیفہ ذلیل کرنا چاہتا تھا؛ مگر جس کو خدا عزت دے اس کو کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔(۱)

عالم غفلت میں وقت آخر نہ آجائے

شہر بصرہ کے نواحی ویرانوں میں ایک نہایت حسین وجمیل، شکیل ورعنا سولہ سالہ نوجوان جس کے خدوخال سے شرافت ونجابت کا نور ٹپک رہا تھا، موت وحیات کی کشمکش میں پڑا ہوا ہے۔ نہ کوئی دوست ہے نہ شناسا، رفیق ہے نہ دم ساز، بستر ہے نہ تکیہ، گھر ہے نہ چوکھٹ، صرف ننگی زمین کا فرش ہے اور اینٹ کا تکیہ۔

بصرہ کا ایک باشندہ ابوعامر ویرانے میں موت کی ہچکیاں لیتے ہوئے اس روشن پیشانی والے نوجوان کے قریب پہنچا تو احساسِ درد سے اس کے بھی آنسو نکل گئے، نوجوان بالکل بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ ابوعامر کے سلام کی آواز سن کر اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں، ابوعامر نے نوجوان کا سر اپنی آغوش میں رکھ لینا چاہا؛ مگر نوجوان نے اشارے سے روکا اور ہلکی آواز میں چند اشعار پڑھے :

يا صاحبي لا تغتتر بتنعم　　　فالعمر ينفد و النعيم يزول

و إذا حملت إلى القبور جنازة　　　فاعلم بأنک بعدها محمول

یعنی اے میرے دوست! دنیا کی فانی لذتوں اور نعمتوں پر نہ اِترا، دنیا تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے؛ کیوں کہ عمر کا چراغ بہت جلد گل ہو جائے گا اور نعمتوں کا یہ لہلہاتا چمن ویران ہو جائے گا۔

اور جب تم کسی کا جنازہ لے کر قبرستان کو چلو تو یہ سمجھو کہ اب اس کے بعد اٹھنے والا جنازہ خود تمہارا ہوگا۔

(۱) روح البیان: ۳۹۱/۵، بحوالہ روحانی حکایات: ج۱، ص۱۲۶ تا ۱۲۷۔

نوجوان نے مزید کہا: اے ابوعامر! اب میرا آخری وقت قریب آگیا ہے، میں تجھے چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہیں کہ میرا اِنتقال ہوجائے تو مجھے میرے انھیں کپڑوں میں دفنادینا۔

ابوعامر: ایسا کیوں؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں نیا کفن بھی نہیں دے سکتا۔

نوجوان: نئے کپڑوں کی ضرورت مردوں کے بلحاظ زندوں کو زیادہ ہوتی ہے۔ مجھے بس میرے انہی کپڑوں میں لپیٹ کر سپردِ خاک کردینا۔ جب پوری زندگی انہی کپڑوں میں گزاردی تو اب نئے کپڑوں کی حاجت بھی کیا!۔ اے ابوعامر! اگر تو نے مجھے نئے کپڑوں کا کفن دے بھی دیا تو آخران کپڑوں کو بھی خاک ہی ہونا ہے، ہاں باقی رہنے والی چیز صرف عمل صالح ہے، اور یہ لو میری زنبیل اور تہبند گورکن کو دے دینا، اور یہ مصحف شریف اور انگشتری میں تمہارے حوالے کرتا ہوں، یہ امیر المومنین ہارون الرشید کی خدمت میں پہنچا دینا، اور اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ امانتیں تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے پہنچانی ہیں۔ امیر المومنین کی خدمت میں یہ امانتیں پہنچانے کے بعد مجھ مسکین و عاجز کی جانب سے عرض کردینا کہ امیر المومنین! کہیں اسی عالم غفلت میں وقت اخیر نہ آن پہنچے۔

یہی سب باتیں کرتے کرتے نوجوان نے آنکھیں موند لیں اور کچھ دیر کے بعد نہایت سکون وطمانیت سے جانِ شیریں' جان آفریں کے سپرد کردی۔ نوجوان کی وصیت کے مطابق ابوعامر نے اس کی تجہیز وتکفین کی۔ روشن وتابناک پیشانی والے اس شکیل وصالح نوجوان کو سپرد لحد کرتے وقت ابو عامر کو اس نوجوان کی چند ملاقاتیں یاد آرہی تھیں، جن کو بار بار سوچ کر ابوعامر کی پلکیں آنسوؤں سے بھیگ جاتیں۔

وہ تو بصرہ کے بازار میں اپنے مکان کی ٹوٹی ہوئی دیوار کی مرمت کرانے کے لیے مستری اور مزدور کی تلاش کرنے گیا تھا۔ مزدوروں میں اسے یہ جوان ملا تھا، ابوعامر کا دل خود بخود اس کی جانب کھنچتا چلا گیا، اور اس نے پوچھا: کیا تم کام کروگے؟ نوجوان نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا: کام ہی کرنے کے لیے تو پیدا ہوا ہوں لیکن تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟۔

ابوعامر: مکان کی تعمیر کا کام۔

نوجوان: کام تو میں کروں گا؛ مگر ایک شرط ہے۔ شرط یہ کہ مزدوری ایک درہم اور ایک دانق لوں گا، اور نماز کے وقت کام نہیں کروں گا، نماز ادا کروں گا۔ ابو عامر راضی ہوگیا اور چلنے کو کہا۔

نوجوان نے اپنی زنبیل اُٹھائی، مصحف گلے سے لگایا اور چل پڑا۔ ابو عامر نے گھر آکر نوجوان کو کام کی نوعیت سمجھائی، اینٹ گارے اور سامان دکھا دیے اور خود اپنی ضرورت سے کہیں چلا گیا۔ مغرب کے وقت لوٹا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس اکیلے لڑکے نے دس آدمیوں کا کام کر ڈالا ہے۔ ابو عامر خوش ہوگیا اور اس نے اسے دو درہم مزدوری پیش کی؛ مگر اس نے قبول نہیں کیے اور کہا میں نے ایک درہم اور ایک دانگ پر بات طے کی تھی اس سے زیادہ نہیں لوں گا اور بالآخر اتنا ہی لے کر چلا گیا۔

ابو عامر دوسرے روز پھر اس کی تلاش میں بازار پہنچا؛ مگر اسے وہاں نوجوان نہیں ملا دوسرے مزدوروں سے اس کی تفتیش کرنے پر پتا چلا کہ وہ لڑکا صرف شنبہ کے دن کام کرتا ہے۔ ابو عامر نے نہ جانے کیا سوچ کر اپنا کام بند کر دیا اور شنبہ کے دن کا انتظار کرنے لگا، دوسرے شنبہ کو بازار پہنچا تو نوجوان کو اسی جگہ پایا، اور وہ اسی روز کی طرح شرط کر کے پھر کام پر آیا۔ ابو عامر حیران تھا کہ اس نے گزشتہ ہفتہ ایک ہی دن میں اتنا زیادہ کام اکیلے کیسے کر لیا تھا؛ چنانچہ لڑکے کو کام پر لگا کر ابو عامر ایک خفیہ جگہ بیٹھ کر معاینہ کرنے لگا۔

ابو عامر نے دیکھا کہ نوجوان نے گارا اُٹھا کر بچھایا، پھر اس کے بعد اینٹ پتھر خود بخود اُٹھ کر ایک دوسرے سے لگتے چلے جا رہے تھے۔ ابو عامر سمجھ گیا کہ یہ کوئی خدا رسیدہ نوجوان ہے اور اس کے سر پر تائید غیبی کا سایہ ہے۔ شام ہوئی تو ابو عامر نے تین درہم مزدوری دینی چاہی؛ مگر پھر نوجوان نے ایک درہم اور ایک دانق قبول کیے اور چلا گیا۔

اور آج جب کہ ابو عامر تیسرے ہفتہ نوجوان کی تلاش میں بازار گیا تو مزدوروں نے نوجوان کی سخت علالت اور ویرانہ میں اس کی موجودگی کا حال بتایا جسے سن کر ابو عامر وہاں پہنچا جس کے بعد اب اس کے مرقد کی بالیں پر کھڑا تاسف کے آنسو بہا رہا ہے۔ ابو عامر کو نوجوان کا چہرہ، اس کے عادات واطوار بار بار یاد آ رہے تھے۔

عروس البلاد بغداد کی شاہراہوں پر ''قصر الرشید'' کے سامنے لشکر اسلامی کے ایک ہزار سواروں کا جلوس گزر رہا ہے، عام لوگوں نے دورویہ کھڑے ہوکر جلوس کو گزرنے کا راستہ دے رکھا ہے، اس کے پیچھے بھی ایسے ہی فوج کا دوسرا دستہ آرہا ہے، اس میں بھی ہزار سوار ہیں۔ اسی طرح نوفوجی جلوس کے بعد فوج کا دسواں دستہ رونما ہوا۔ لوگ جوش وخروش سے نعرے لگا رہے ہیں، سلام وتحیت پیش کررہے ہیں۔

دسویں جلوس کے جلو میں امیر المومنین ہارون الرشید کی سواری نظر آئی، دیکھنے والوں میں جوش وخروش اور بڑھ گیا، اور لوگ سلام نیاز گزارنے لگے۔ زائرین وناظرین کی اسی بھیڑ میں بصرہ کا باشندہ ابوعامر بھی تھا جو امیر المومنین کے پاس اس نوجوان کی امانت پہنچانے آیا ہوا تھا۔ بھیڑ اور ازدحام اتنا کہ ابوعامر کا امیر المومنین تک پہنچنا مشکل نظر آرہا تھا، کھوے سے کھوا چل رہا تھا۔

ابوعامر سخت اضطراب میں تھا کہ میں کسی طرح امیر المومنین تک رسائی حاصل کروں۔ انسانوں کے امنڈتے ہوئے سیلاب میں ابوعامر گویا ایک تنکے کی مانند بہہ رہا تھا۔ بغداد کی شاہراہوں پر امیر المومنین کا جلوس دیکھنے کے لیے لوگ امنڈے چلے آئے تھے۔

امیر المومنین کی سواری جب ابوعامر کے قریب سے گزرنے لگی تو اس نے پوری قوت سے چیخنا شروع کیا اے امیر المومنین! آپ کو قرابت رسول کا واسطہ ذرا توقف تو فرمائیں۔ امیر المومنین ہارون الرشید کے کانوں تک ابوعامر کی چیخ وپکار پہنچی تو انھوں نے سواری روک لی اور ابوعامر کو قریب آنے کا موقع دیا۔

ابوعامر نے امیر المومنین کو مصحف اور انگشتری سپرد کی اور کچھ کہنا چاہا؛ مگر امیر المومنین نے ابوعامر کو اپنے دربان کی نگرانی میں دیتے ہوئے خاموش رہنے کا اِشارہ کیا۔ اس وقت امیر المومنین کی آنکھیں نمناک ہوگئی تھیں۔ جلوس سے واپسی کے بعد دربان نے ابوعامر کو خلیفہ کی خدمت میں حاضر کیا۔ ہارون الرشید ابوعامر کو لے کر خلوت میں گئے، دروازے بند کرادیے، دربان نے ابوعامر کو سمجھادیا تھا کہ امیر المومنین غمگین اور اُداس ہیں؛ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو کم باتیں کرنا۔

امیر المومنین: ابوعامر! آؤ میرے قریب بیٹھو، بتاؤ کیا تم میرے لڑکے کو جانتے تھے؟۔

ابوعامر: حضور! وہ آپ کے شہزادے تھے، یہ کسی کو کیا معلوم؟۔

امیرالمومنین: بتاؤ وہ کیا کام کرتا تھا؟۔

ابوعامر: گارے مٹی کا۔

امیرالمومنین: کیا تم نے بھی اس سے محنت مزدوری کروائی؟۔

ابوعامر: جی حضور۔

امیرالمومنین: اے ابوعامر! میرے جگر گوشے سے تمہیں ایسا کام اور ایسی خدمت لیتے ہوئے شرم نہیں آئی؟ کم ازکم تم نے قرابت رسول کا تو کچھ پاس ولحاظ کیا ہوتا!۔

ابوعامر: امیرالمومنین! مجھے معاف فرمائیں، میں بالکل واقف نہیں تھا۔ البتہ وقت وصال مجھے اس بات کا پتا چلا کہ وہ آپ کے نورِ چشم اور پارۂ جگر ہیں۔

امیرالمومنین: کیا تم نے میرے لال کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیا؟۔

ابوعامر: جی ہاں! میں نے اپنے انہی ہاتھوں سے آپ کے نورنظر کو غسل وکفن دے کر سپرد لحد کیا تھا۔

امیرالمومنین: لاؤ اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں میں دو، (یہ کہہ کر ہارون الرشید نے ابوعامر کے ہاتھوں کو تھام لیا، اور اپنے سینہ پر رکھ کر زاروقطار رونے لگے اور کہا: تم نے میرے اس فرزند دل بند کو کس طرح مٹی کے اندر دبایا، اس پر کس دل سے خاک ڈالی۔ اپنے فرزند صالح کے غم میں امیرالمومنین نے رورو کر اپنے دامن عبا کو تر کرلیا)۔

حضرت شیخ یافعی یمنی فرماتے ہیں کہ امورِ خلافت میں مشغولیت سے پہلے ہارون الرشید کے گھر اس فرزند کی ولادت ہوئی تھی۔ اسے زاہدوں، اور درویشوں کی صحبت بہت پسند آتی تھی۔ قرآن مجید، اور دیگر ضروری علوم کی تعلیم کے بعد اس کے دل سے دنیا کی محبت جاتی رہی۔ ماں کا نہایت خدمت گزار تھا، اس پر ہمہ وقت آخرت کا خوف طاری رہتا، نیم شبی خلوتوں میں اُٹھ کر سجدوں کے نذرانے لٹاتا، اور عشق الٰہی میں دیوانہ وار پھرا کرتا تھا۔

اس کا یہ حال تھا کہ قبرستان میں چلا جاتا، اور مردوں سے مخاطب ہوتا اور کہتا: تم ہم سے پہلے موجود تھے اور دنیا کے مالک تھے اور اب تم قبروں میں محصور ہو۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ تم

لوگوں سے کیا کہا کرتے تھے اور لوگ تمہیں کیا جواب دیا کرتے تھے اور حسرت ویاس کی باتیں کہہ کہہ کر پھوٹ کر رو یا کرتا تھا۔

امیر المومنین ہارون الرشید جب مسند خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی، دنیا کے مال ومتاع میں سے کچھ بھی اپنے ساتھ نہیں لیا۔ ہارون الرشید نے ایک انگوٹھی اس کی ماں کے توسط سے اسے دی، جسے محض ماں کی محبت واطاعت میں اس نے اپنے پاس رکھ لیا، اس کا یاقوت بڑا ہی قیمتی تھا مگر اسے فروخت کر کے اپنے مصرف میں نہیں لگایا اور دمِ نزع ہارون کو دینے کے لیے ابو عامر کے حوالہ کیا۔

ایک دن کی بات ہے، ہارون الرشید اپنے دربار میں امرا ومصاحبین کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ یہ شہزادہ جسم پر پرانا کمبل اوڑھے ہوئے دربار میں آیا۔ حاضرین دربار نے دیکھا تو ان میں سے بعض کہنے لگے اس سے تو خلیفہ کی رسوائی ہوتی ہے۔ خلیفہ کو اس کے ساتھ سختی کرنی چاہیے؛ تاکہ یہ اپنی یہ حالت بدل دے اور خلیفہ کی رسوائی کا سبب نہ بنے۔ امیر المومنین نے مصاحبین کی ناگواری محسوس کر کے بیٹے سے کہا: بیٹا! تو نے مجھے رسوا کر ڈالا۔

شہزادے نے خلیفہ کی طرف دیکھا اور جواب میں ایک لفظ نہیں کہا، البتہ دربار کے عین سامنے قصر کے کنگورے پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا تھا، اس کو اِشارہ کر کے کہا: اے پرندے! تجھے تیرے خالق ومالک کی قسم! آ اور میرے ہاتھ بیٹھ، وہ پرندہ یہ سن کر محل سے اُتر کر شہزادے کے ہاتھ پر آ بیٹھا۔ پھر کچھ دیر کے بعد شہزادے نے اسے اپنی جگہ چلے جانے کا حکم دیا تو وہ اُڑ کر چلا گیا اور کہا: تجھے تیرے پیدا کرنے والے کی قسم! امیر المومنین کے ہاتھ پر نہ آنا۔ اس کے بعد شہزادہ ہارون الرشید سے مخاطب ہوا، ابا جان! اب میں جا رہا ہوں، آپ کو رسوا کرنے نہیں آؤں گا۔

ہارون الرشید ابو عامر کے ہمراہ بصرہ کے اس ویرانے میں آئے جہاں ان کا سولہ سالہ نوجوان شہزادہ آسودۂ خاک تھا۔ قبر کو دیکھتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑے اور ہوش میں آئے تو حسرت وغم کے اشعار زبان پر جاری تھے۔

اسی شب کی بات ہے ابو عامر اپنے اوراد ووظائف سے فارغ ہو کر سوئے تو انھوں نے

خواب دیکھا کہ ایک نور کا قبہ ہے جس کے اوپر نورانی اَبر چھایا ہوا ہے، ناگاہ وہ چادرِابر شق ہوئی اور اس میں سے وہی شہزادہ یہ کہتا ہوا برآمد ہوا: اے ابو عامر! رب تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، تم نے واقعی میری وصیتوں کو نہایت خوبی سے پورا کیا۔

ابو عامر نے پوچھا: شہزادے! آپ پر کیا بیتی، اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ کیا معاملہ رہا؟ اور آپ کا مقام کہاں ہے؟۔ جواب دیا: اپنے رحیم وکریم پروردگار کے قرب میں ہوں اور وہ مجھ سے راضی ہے، کچھ بھی ناراض نہیں اور اس نے مجھے ایسی ایسی نعمتیں عطا کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی وہم وگمان میں آئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بقسم فرمایا ہے کہ جو بندہ دنیا کی نجاستوں سے تیری طرح نکل آئے گا تو اس کو ایسی ہی نعمتیں دوں گا جیسے تجھے دی ہیں۔(۱)

اکثر کے منہ قبلہ سے پھرے ہوئے

حضرت ابن حبیق اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت یوسف بن اَسباط علیہ الرحمہ (م۱۹۵ھ) ایک ایسے نوجوان سے ملاقات کے لیے جاتے جو تن تنہا جزیرے میں رہا کرتا تھا۔ دس سال تک اس نے حضرت یوسف بن اسباط سے گفتگو نہ کی۔ جب کبھی دن یا رات میں آپ اس سے ملنے جاتے اسے روتا گڑگڑاتا ہوا پاتے۔ ایک دن آپ نے اس سے پوچھا: اے نوجوان! کیا بات ہے، میں ہر وقت تجھے روتا اور گڑگڑاتا ہوا دیکھتا ہوں، آخر تم اتنا کیوں روتے ہو؟ نوجوان نے اپنا حال بیان کرتے ہوئے کہا: توبہ سے قبل میں لوگوں کے کفن چرایا کرتا تھا۔

آپ نے پوچھا: جب تو قبر کھولتا تو مردے کو کس حال میں پاتا؟۔ عرض کیا: میں نے جب بھی کوئی قبر کھولی سوائے چند کے اکثر کے منہ قبلے سے پھرے ہوئے دیکھے۔ آپ نے یہ سنا تو بہت غمگین ہوئے اور آپ کے منہ سے بے اختیار نکلا: 'سوائے چند کے اکثر کے منہ پھرے ہوئے تھے'۔

اس خبر سے آپ کے دماغ پر بہت اَثر ہوا؛ حتیٰ کہ صدمے کی وجہ سے آپ کی عقل زائل

(۱) التوابین: ۱/۱۷۱تا۱۷۳......روض الریاحین: ۶۰ تا ۶۳ بحوالہ: بزم اولیا: ۱۲۳تا۱۲۹۔

ہوگئی۔ اب ضرورت تھی کہ آپ کا علاج کروایا جائے؛ چنانچہ ہم نے مشہور شاہی طبیب سلیمان کو بلایا۔ طبیب نے دیکھا کہ آپ کو جب بھی اِفاقہ ہوتا یہی کہتے: 'سوائے چند کے اکثر کے منہ قبلہ سے پھرے ہوئے تھے'۔

پھر طبیب نے آپ کا علاج شروع کیا: اور الحمدللہ! شفامل گئی۔ صحت یابی کے بعد آپ نے ہم سے پوچھا: میرا کامیاب علاج کرنے پر طبیب کو کیا دو گے؟ ہم نے کہا: حضور! وہ طبیب آپ کے علاج پر کچھ بھی اُجرت نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تم میرے علاج کے لیے شاہی طبیب لے کر آئے، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اسے کچھ بھی نہ دوں!۔ ہم نے کہا: اگر دینا ہی چاہتے ہیں تو سونے کی ایک اشرفی دے دیں۔

آپ نے ایک تھیلی ہماری طرف بڑھاتے ہوئے کہا: یہ اس طبیب کو دے دینا اور کہنا کہ اس وقت میرے پاس صرف اتنا ہی مال ہے، یہ نہ سمجھنا کہ ہم مروّت میں بادشاہوں سے کم ہیں، اگر میرے پاس اس وقت مزید مال ہوتا تو تیری اُجرت میں اِضافہ کر دیتا۔ جب ہم نے تھیلی کھول کر دیکھی تو اس میں پندرہ اَشرفیاں تھیں، ہم نے وہ رقم طبیب کو دے دی۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت یوسف بن اَسباط اپنے ہاتھوں سے کھجور کے پتوں کی ٹوکریاں بنا کر رزقِ حلال کمایا کرتے اور مرتے دم تک یہی کام کرتے رہے۔(۱)

واقعہ مکار سانپ کا

امام ابونعیم اصبہانی نے 'حلیۃ الاولیاء' میں یحییٰ بن عبدالحمید حمانی کے حوالے سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) کی مجلس علم وحکمت میں بیٹھا ہوا تھا، جہاں کم وبیش ہزار کے قریب طالبان علم وفیض کا جم گھٹا موجود تھا۔ اچانک حضرت سفیان بن عیینہ اپنی دائیں طرف مجلس کے اخیر میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے ہیں: اُٹھیے اور ان لوگوں کے سامنے سانپ والا واقعہ بیان کیجیے۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/ ۱۴۳، ۱۴۴۔

چنانچہ اس شخص نے کہا: مجھے ٹھیک سے ٹیک لگا کر بٹھایا جائے۔ اسے بٹھا دیا گیا تو اس نے اپنی آنکھوں کی پلکیں برابر کرتے ہوئے کہا: لوگو! جو واقعہ میں تم سے بیان کرنے لگا ہوں اسے غور سے سننا اور یاد کر لینا۔ مجھ سے میرے والد، اور وہ اپنے باپ کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن حمیر نام کے ایک بزرگ تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند، دن روزوں سے گزرتا اور راتیں قیام میں؛ مگر ساتھ ہی انھیں شکار کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔

چنانچہ ایک روز شکار کے اِرادے سے نکلے۔ جب وہ ایک ویران جگہ پہنچے تو ان کی سواری کے سامنے ایک سانپ آ گیا، اور اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور بڑی لجاجت سے کہنے لگا: اے محمد بن حمیر! (خدا کے لیے) مجھے میرے دشمن سے پناہ دیجیے، اللہ آپ کو عرشِ عظیم کے سائے میں اس دن پناہ دے گا جس دن اس کے عرش کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، برائے کرم مجھے میرے دشمن سے بچا لیجیے، ورنہ وہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

حضرت محمد بن حمیر علیہ الرحمہ نے پوچھا کہ آخر تو ہے کون؟ اور مجھ سے پناہ کیوں چاہتا ہے؟۔ کہنے لگا: مسلمانوں میں سے ہوں، اور لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دی۔ چنانچہ میں نے اس کے لیے اپنی چادر کھول دی اور کہا کہ آؤ اس میں چھپ جاؤ۔ کہنے لگا: یہاں نہیں میرا دشمن مجھے دیکھ لے گا۔ میں نے کہا: پھر میں تجھے کہاں چھپاؤں؟ وہ سانپ کہنے لگا: اگر آپ نیکی کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اپنے پیٹ میں پناہ دے دیجیے۔

میں نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ تم مجھے مار نہ ڈالو۔ کہنے لگا: نہیں، قسم بخدا! میں ایسی حرکت کبھی نہ کروں گا۔ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اور اس کے سارے فرشتے جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس پر گواہ ہیں۔

حضرت محمد بن حمیر کہتے ہیں کہ اس کی قسم سے مطمئن ہو کر میں نے اس کے لیے اپنا منہ کھول دیا اور اسے اپنے پیٹ میں جانے دیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک نوجوان آیا جس نے ایک تیز تلوار اپنے کندھے پر لٹکائی ہوئی تھی، اس نے آتے ہی کہا: اے شیخ! کیا آپ نے ایک سانپ دیکھا ہے، مجھے گمان ہے کہ شاید آپ نے اسے اپنی چادر میں چھپا رکھا ہے؟۔

حضرت محمد بن حمیر نے فرمایا: میں نے کسی سانپ کو نہیں دیکھا۔نوجوان یہ بات سن کر وہاں سے چلا گیا۔ پھر میں نے اس 'نہیں' کہنے کی وجہ سے سو بار استغفار پڑھا؛ کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ کہاں ہے؟۔اس نوجوان کے جاتے ہی سانپ نے اپنا منہ نکالا اور پوچھا: کیا میرا دشمن جاچکا ہے؟۔

آپ نے فرمایا: ہاں! وہ تو جاچکا ہے، اب تو بھی میرے جسم سے باہر آجا کہ مجھے کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ سن کر وہ مکار سانپ کہنے لگا: اب تو میں آپ کے جسم سے باہر نہیں آؤں گا، اب آپ کے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو میں آپ کو زہر سے ہلاک کردوں گا، یا تیرے دل میں سوراخ کردوں گا۔

آپ نے اس سے کہا: سبحان اللہ! تیرا وہ وعدہ کہاں چلا گیا؟، اور تیری وہ قسمیں کہاں گئیں؟، تو تو بڑا بھلکڑ معلوم ہوتا ہے، آخر یہ تو بتا کہ تو مجھے کس دشمنی کی سزا دینا چاہتا ہے؟، سانپ نے کہا: آپ بہت احمق ہیں کہ آپ نے نیکی کے لیے میرا اِنتخاب کیا۔کیا آپ مجھے نہیں جانتے کہ میں نے آپ کے باپ آدم سے کس طرح دشمنی کی، اور انھیں جنت سے نکال کر دم لیا۔آخر آپ نے میرے ساتھ اِحسان کیوں کیا؟، آخر آپ کو مجھ سے کیا لالچ تھا، نہ تو میرے پاس مال و دولت ہے اور نہ ہی کوئی سواری وغیرہ ہے کہ جسے بطورِ انعام میں آپ کو دوں۔

آپ نے فرمایا: میں نے صرف رضائے الٰہی کے لیے تیرے ساتھ نیکی کی تھی، اگر تو مجھے مارنا ہی چاہتا ہے تو مجھے پہاڑ پر جانے دے؛ تاکہ میں وہیں رہ کر اپنی جان دے دوں۔سانپ نے کہا: ٹھیک ہے، آپ پہاڑ پر چلے جائیں؛ چنانچہ آپ پہاڑ پر آئے اور موت کا اِنتظار کرنے لگے۔زندگی سے مایوس ہو کر آپ نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف بلند کر کے یوں دعا کی:

يَا لَطِيفُ يَا لَطِيفُ يَا لَطِيفُ الْطُفْ بِي بِلُطْفِكَ الخَفِيِّ يَا لَطِيفُ بِالْقُدْرَةِ الَّتِي اسْتَوَيتَ بِهَا عَلَى الْعَرْشِ فَلَمْ يَعْلَمِ العَرْشُ أَيْنَ مُسْتَقَرُّكَ مِنْهُ إِلاَّ كَفَيْتَنِي هٰذِهِ الحَيَّةَ .

یعنی اے لطیف! اے لطیف! اے لطیف! اپنے لطفِ خفی سے مجھ پر مہربانی فرما۔آج مجھے اپنی اس قدرت کا کرشمہ دکھا کہ تو مستوی تو عرش پر ہے؛ مگر عرش کو بھی

تیرے مستقر کا پتا نہیں، خداوندا! مجھے اس سانپ سے نجات عطا فرما۔

ابھی دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ اچانک وہاں خوشبوؤں میں بسا ہوا ایک نوجوان نظر آیا جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا، اس نے کہا: اے شیخ آپ یہاں زندگی سے مایوس ہوکر موت کا انتظار کیوں کرر ہے ہیں؟۔ چنانچہ انھوں نے سانپ والا سارا واقعہ بیان کیا اور کہا: اب بھی سانپ میرے پیٹ میں موجود ہے، میں نے تو اسے دشمن سے بچانے کے لیے پناہ دی تھی؛ مگر یہ مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔

اس نوجوان نے کہا: میں آپ کی مدد کے لیے آیا ہوں۔ پھر اس نے اپنی چادر سے ایک بوٹی نکالی اور آپ کو کھلائی۔ جیسے ہی آپ نے وہ بوٹی کھائی، آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور آپ کپکپانے لگے، پھر اس نوجوان نے دوبارہ وہی بوٹی کھلائی تو آپ کے پیٹ میں شدید ہلچل ہوئی اور درد سا محسوس ہونے لگا، پھر جب تیسری بار وہ بوٹی کھلائی تو سانپ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر پیچھے کے مقام سے نکل گیا اور آپ کو سکون حاصل ہوا۔ آپ نے اس نوجوان سے پوچھا: اے میرے عظیم محسن! آپ یہ تو بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ آج آپ نے مجھ پر بہت بڑا اِحسان کیا ہے۔

وہ نوجوان کہنے لگا: کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟ ارے میں آپ کا نیک عمل ہوں۔ جب سانپ نے آپ کو دھوکا دیا اور آپ کی جان کے درپے ہوگیا تو تمام ملائکہ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: یا اللہ! اس کو سانپ کے شر سے محفوظ رکھ۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں نے وہ ساری حرکتیں دیکھ لی ہیں جو سانپ نے میرے بندے کے ساتھ کیا ہے، اور پھر مجھے حکم دیا کہ اے فلاں بندے کے نیک عمل! جنت کا ایک سبز پتا لے کر میرے بندے محمد بن حمیر کے پاس پہنچ اور اس کی مدد کر اور اس سے کہہ کہ تو نے محض ہماری رضا کی خاطر نیکی کی، جا تیری اس نیکی کے بدلے ہم نے تجھے اِحسان کرنے والوں میں شامل کرلیا اور ہم تیرا انجام بھی محسنین کے ساتھ فرمائیں گے اور ہم تیرے دشمنوں سے تیری حفاظت کریں گے۔(۱)

(۱) الارج فی الفرج، امام سیوطی: ۲۷......عیون الحکایات، امام ابن الجوزی: ۱۱۳ تا ۱۱۵۔

بددعا کی بجائے دُعا

حضرت ابراہیم اطروش کہتے ہیں کہ ہم حضرت معروف کرخی علیہ الرحمہ (م۲۰۰ھ) کی صحبت میں بغداد کے اندر دریاے دجلہ کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں کچھ نوجوان لڑکے ایک کشتی میں نظر آئے جو اچھلتے کودتے، دف بجاتے اور شراب پیتے ہوئے جا رہے تھے۔ لوگوں نے حضرت معروف کرخی سے کہا: کیا آپ انھیں نہیں دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح بے شرمی کے ساتھ علی الاعلان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمربستہ نظر آتے ہیں، آپ ان کے لیے بددعا فرمائیں۔

آپ نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی: اے پروردگار! جیسے تو نے انھیں دنیا میں خوشی بخشی ہے اسی طرح آخرت میں بھی انھیں مسرور رکھنا۔ یہ سن کر لوگوں نے حیرت سے کہا کہ آپ ان کے لیے بددعا کی بجائے ایسی دعا کرتے ہیں!۔ فرمایا: اگر ان کی قسمت میں آخرت کی خوشیاں ہوئیں تو انھیں توبہ کی توفیق ضرور مل جائے گی۔(۱)

کم سن بچوں میں بھی اولیاء اللہ ہوتے ہیں

حضرت احمد بن یحییٰ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت معروف کرخی علیہ الرحمہ کے پاس بیٹھا تھا، ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے ابومحفوظ! آج ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تیرا بھلا کرے، بتاؤ تو سہی، کیا واقعہ پیش آیا؟ پھر اس نے اپنا واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا:

میرے گھر والوں نے مجھ سے مچھلی کھانے کی فرمائش کی۔ میں نے بازار جا کر مچھلی خریدی اور اسے گھر پہنچانے کے لیے ایک کمسن مزدور بلایا، اس نے مچھلی اُٹھائی اور میرے پیچھے پیچھے چل دیا۔ راستے میں اَذان کی آواز سنائی دی، اس مزدور لڑکے نے کہا: چچا جان! اَذان ہو رہی

(۱) احیاء علوم الدین مترجم:۴/۱۵۵۔

ہے، کیا ہم نماز نہ پڑھ لیں؟۔اس کی یہ بات سن کر مجھے ایسا لگا جیسے وہ نوعمر لڑکا مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کر رہا ہے۔ میں نے کہا: کیوں نہیں! آؤ پہلے نماز پڑھ لیتے ہیں۔

چنانچہ اس نے مچھلی وضوخانے پر رکھی اور مسجد میں داخل ہوگیا۔ ہم نے باجماعت نماز اَدا کی اور پھر گھر کی طرف چل دیے۔ گھر پہنچ کر میں نے گھر والوں کو اس نیک کمسن مزدور کے بارے میں بتایا تو وہ کہنے لگے: اس سے کہو آج دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھالے۔ میں نے اسے دعوت دی تو اس نے کہا: میرا روزہ ہے۔ میں نے کہا: پھر اِفطاری ہمارے ساتھ کر لینا۔ کہا: ٹھیک ہے، آپ مجھے مسجد کا راستہ بتا دیں۔ میں نے اسے مسجد پہنچا دیا وہ مغرب تک مسجد ہی میں رہا۔ نماز کے بعد میں نے کہا: اللہ تجھے خوش رکھے، چلو اب گھر چلتے ہیں۔ اس نے کہا: کیا ہم عشا کی نماز پڑھ کر نہ چلیں؟ میں نے اپنے دل میں سوچا: اس کی بات مان لینے ہی میں بھلائی ہے۔

چنانچہ میں مسجد میں رُک گیا، نمازِ عشا کے بعد ہم گھر آئے۔ ہمارے گھر میں تین کمرے تھے، ایک میں' میں اور میری زوجہ رہتے تھے۔ دوسرے کمرے میں ایک پیدائشی معذور لڑکی رہتی تھی جو چلنے پھرنے سے بالکل عاجز تھی اور اسی حالت میں بیس سال گزر چکے تھے۔ تیسرا کمرہ مہمانوں کے لیے تھا، ہم سب نے کھانا کھایا اور اپنے اپنے کمروں میں سو گئے۔ نوعمر نیک لڑکے کو ہم نے مہمانوں والے کمرے میں سلا دیا۔

رات کے آخری پہر دروازے پر کسی نے دستک دی، میں نے کہا: کون ہے؟ اس نے اپنا نام بتا کر کہا: میں فلاں لڑکی ہوں۔ میں نے کہا: وہ تو چلنے پھرنے سے عاجز ہے؛ گویا وہ تو گوشت کے ٹکڑے کی طرح ہے اور ہر وقت اپنے کمرے ہی میں رہتی ہے، تم وہ کیسے ہوسکتی ہو؟۔ اس نے کہا: میں وہی ہوں تم دروازہ تو کھولو۔ ہم نے دروازہ کھولا تو واقعی ہمارے سامنے وہی لڑکی موجود تھی۔ میں نے کہا: تم ٹھیک کیسے ہوگئی ہو؟۔ کہا: میں نے تمہاری آوازیں سنی تھیں کہ آج ہمارے ہاں ایک نیک مہمان آیا ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ اس نیک مہمان کے وسیلے سے دعا کروں شاید اسی کے صدقے اللہ تعالیٰ مجھے شفا عطا فرما دے۔

چنانچہ میں نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی: اے میرے پاک پروردگار! اس مہمان کے صدقے بیماری کو زائل کر دے اور مجھے تندرستی عطا فرما۔ یہ دعا کرتے ہی میں فوراً ٹھیک ہوگئی

اور اللہ کے حکم سے میرے ہاتھ پاؤں میں حرکت شروع ہوگئی۔ دیکھو میں تمہارے سامنے صحیح سالم موجود ہوں، اور میں خود اپنے قدموں سے چل کر یہاں آئی ہوں۔

لڑکی کی یہ بات سن کر میں فوراً اس کمرے کی طرف گیا جس میں وہ نوعمر مزدور لڑکا تھا، دیکھا تو کمرہ بالکل خالی تھا اور اس میں کوئی بھی نہیں۔ میں باہر دروازے کی طرف گیا تو وہ بھی بند تھا، نہ جانے ہمارا نوعمر مہمان کہاں غائب ہوگیا۔

حضرت احمد بن یحییٰ فرماتے ہیں: حضرت معروف کرخی نے یہ واقعہ سن کر مجھ سے فرمایا: اللہ کے اَولیا میں کم عمر بچے بھی ہوتے ہیں اور بڑی عمر والے بھی۔ وہ لڑکا اللہ کا ولی تھا۔(۱)

چور جب ولی بنا

حضرت شیخ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ویرانے میں ایک صالح جوان کو دیکھا۔ اس کی خوبصورت زلفیں تھیں، ایک چادر اوڑھے ہوئے، بدن پر کتان کا کرتا اور پاؤں میں تسمہ دار جوتا تھا۔ ایسے جنگل ویرانے میں اس کا یہ لباس دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ سلام وجواب کے بعد میں نے پوچھا: کہاں کے باشندے ہو؟۔ کہنے لگا: میں دمشق کا رہنے والا ہوں۔ میں نے پوچھا: وہاں سے کب چلے ہو؟۔ عرض کیا: آج ہی چاشت کے وقت۔

مجھے یہ سن کر تعجب ہوا کیونکہ وہاں سے دمشق کئی منزل دور تھا۔ میں نے پھر پوچھا کہ کہاں کا اِرادہ ہے؟۔ کہنے لگا: ان شاء اللہ تعالیٰ، مکہ معظّمہ جاؤں گا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ جوان' رحمت باری کے سہارے چل رہا ہے، اور پھر میں اسے رخصت کر کے آگے بڑھ گیا۔

کوئی تین سال کا عرصہ گزر گیا میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ ایک روز اپنے گھر میں بیٹھا اس کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ معلوم نہیں اس کے بعد جوان کا کیا حال ہوا؟، اتنے میں اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو باہر وہی جوان تھا۔ سلام کے بعد میں نے اسے اندر لایا، اس وقت وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں تھا، اور اس کے جسم پر کمبل کا ایک کرتا تھا۔

(۱) کرامات اولیاء اللہ، لالکائی: ۱/۷۲۳ تا ۲۳۸..... عیون الحکایات ابن الجوزی: ۲/۳۳، ۳۴۔

میں نے پوچھا: کیا خیر وخبر ہے؟۔ جوان نے کہا: استاذ محترم! مجھے میرے معاملہ کی اطلاع نہیں کی جاتی۔ کبھی میرے ساتھ لطف کا برتاؤ ہوتا ہے، کبھی بے وقار ہوجاتا ہوں، پھر کبھی وہ بھوکا رکھتا ہے، کبھی کھلاتا ہے۔ کاش کہ مجھے اپنے اولیا کے اَسرار واَحوال کی کچھ خبر دیتا پھر جو چاہتا کرتا۔

یہ کہہ کر وہ بہت رویا، اور اس کی عارفانہ باتیں سن کر مجھے بھی رونا آ گیا، اور میں نے پوچھا مجھ سے ملنے کے بعد تم پر کیا گزری؟۔

نوجوان نے کہا: افسوس! وہ جس شے کو چاہتا ہے کہ میں چھپاؤں میں اسے ظاہر کردیتا ہوں!، بہرحال! پہلا کام جو میرے ساتھ میرے مالک ومولا نے کیا وہ یہ کہ مجھے تیس روز بھوکا رکھا۔ اس کے بعد میں ایک گاؤں کے اندر کھیرے کے ایک کھیت کے قریب پہنچا۔

میں نے دیکھا کہ خراب کھیرے نکال کر پھینک دیے گئے تھے۔ میں ان میں سے چن چن کر کھانے لگا۔ اتنے میں کھیت کا مالک وہاں پہنچا اور مجھے کوڑے سے مارنے لگا اور کہنے لگا: چور کہیں کا۔ تو ہی کھیت کو خراب کیا کرتا تھا، میں کئی روز سے تجھے ڈھونڈ رہا تھا، اب میں نے تجھے پکڑا ہے۔

اتنے میں ایک اَسپ سوار تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کے سر پر آ پہنچا، اور اس سے کوڑا چھین کر کہتا ہے: اللہ کے دوستوں پر حملہ کرتا ہے، اور انہیں مار کر ان کی توہین کرتا ہے، اور انہیں چور کہتا ہے۔ کھیت والے نے یہ سنا تو مجھے اپنے گھر لے گیا۔ مجھ سے معافی طلب کی اور جس قدر عزت وتوقیر ممکن تھی کی؛ کیونکہ میں اس کے نزدیک چور سے ولی بن چکا تھا۔

نوجوان ابھی اتنا ہی واقعہ بیان کرسکا تھا کہ کسی نے حضرت شیخ معروف کرخی کے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھلا تو وہی کھیرے کے کھیت والا شخص تھا۔ وہ دولت مند تھا آیا اور اس نے اپنی ساری دولت فقیروں پر تقسیم کردی، اور اس نوجوان کے ہمراہ ہوگیا۔ دونوں حج کے لیے روانہ ہوئے اور جنگل ویرانے میں وفات پاگئے۔(۱)

(۱) روض الریاحین؛ بحوالہ بزم اولیاء: ۷۵۶ تا ۷۵۸۔

نگاہِ مردِ مومن

حضرت امام شافعی -رحمۃ اللہ علیہ- (م۲۰۴ھ) جامع مسجد بغداد میں موجود اپنے دو چہیتے شاگردوں ربیع بن سلمان اور اسمٰعیل بن یحیٰ مزنی کے ساتھ علمی گفتگو میں مصروف تھے۔ رواج کے مطابق کئی دوسرے مسافر، بے گھر اور نادار لوگ بھی اِدھر اُدھر سوئے پڑے تھے۔ اچانک امام شافعی نے دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور مشعل کی روشنی میں سوئے ہوئے لوگوں کو باری باری اس طرح دیکھنے لگا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔

فرزندِ مکہ امام شافعی کچھ دیر انتہائی انہماک سے اسے دیکھتے رہے اور پھر اپنے مخصوص دھیمے دھیرے اور نپے تلے لہجے میں ربیع بن سلمان سے کہا: ربیع! جاؤ اور کسی کی تلاش میں سرگرداں پھرنے والے اس شخص سے پوچھو کہ تمہارا وہ حبشی غلام جس کی ایک آنکھ ناقص ہے کہیں غائب یا گم تو نہیں ہو گیا؟۔

استاد کے حکم کی تعمیل میں ربیع اس اجنبی کے پاس گیا اور امام کا سوال دہرایا، تو وہ شخص متعجب سا ہو کر ربیع کے ساتھ ہی امام کے حضور حاضر ہو گیا اور سلام کے بعد بولا: اگر آپ کے علم میں ہے تو برائے کرم بتائیے کہ میرا غلام کہاں ہے؟۔

''وہ تو کسی قید خانہ میں بند پڑا ہوگا''۔ امام شافعی نے کچھ ایسے یقین کے ساتھ کہا کہ وہ اجنبی اور خود اُن کے ہم نشین حیرت زدہ سا ہو کر امام کو تکنے لگے۔ وہ شخص اسی وقت عجلت میں مسجد سے رخصت ہو گیا۔ اور امام شافعی دوبارہ اپنے شاگردوں کے ساتھ درس و بحث میں مصروف ہو گئے۔ ابھی تھوڑی دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ شخص دوبارہ حاضر آیا اور عاجزی سے بولا :

حضرت! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرا گمشدہ غلام ڈھونڈنے میں میری مدد اور راہنمائی فرمائی۔ یہ سن کر امام شافعی کے دونوں شاگرد تصویرِ حیرت بنے یہ سوچ رہے تھے کہ کیا ہمارے امام کو غیب سے خبریں ملنے لگی ہیں!۔

وہ شخص امام کا شکریہ اَدا کرنے کے بعد سلام کر کے رخصت ہوا تو اسمٰعیل مزنی سے رہا نہ گیا

اور اس نے بیتاب ہوکر پوچھا: اے استادِ محترم ومکرم! آپ کو اس شخص کے غلام سے کیا لینا دینا! آپ تو مکہ سے تشریف لائے ہیں۔ اس شخص سے نہ کوئی جان نہ پہچان، تو پھر یہ سب کیا ہے؟۔

امام شافعی ہلکا سا مسکرائے اور فرمایا: یہ شخص جب مسجد میں داخل ہوا تو اس کی چال ڈھال اور تیور بتا رہے تھے کہ یہ کسی کی تلاش میں ہے۔ آپ کی یہ بات تو درست ہے؛ لیکن آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ وہ کسی غلام ہی کو تلاش کر رہا ہے اور وہ بھی ایک ایسے غلام کو جس کی ایک آنکھ میں نقص بھی ہے!۔

اس بار ربیع نے سوال کیا تھا تو امام شافعی نے فرمایا: وہ اس طرح کہ سوئے ہوئے لوگوں میں یہ شخص اُس طرف زیادہ متوجہ تھا جہاں سیاہ فام حبشی سوئے ہوئے تھے اور پھر میں نے محسوس کیا کہ یہ ہر خوابیدہ حبشی کی بائیں آنکھ پر زیادہ روشنی اور توجہ دے رہا ہے؛ اس لیے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس کا کوئی ایسا غلام غائب ہے جس کی ایک آنکھ میں کجی ہے۔

پُرجوش شاگردوں نے اگلا سوال پوچھا: امام! مگر آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ اس شخص کا گمشدہ غلام کسی قید خانے میں ہوگا؟۔ امام نے پوری متانت سے کہا: میرا زندگی بھر کا تجربہ یہ ہے کہ غلام جب بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے، اور اگر پیٹ بھرا ہو تو بدکاری کی طرف مائل ہوتا ہے؛ سو میں نے اَندازہ لگا لیا کہ وہ اِن دونوں میں سے ایک حالت کا شکار ہوگا جس کا منطقی انجام قید خانہ ہی ہوسکتا ہے۔

سبحان اللہ! امام شافعی نے اپنی فراست باطنی سے یہ عقدہ حل فرما دیا کہ واقعی غلام ابن غلام ابن غلام بے کردار ہوتا ہے۔

دل کے بند کھولنے والی نصیحت

حضرت عبداللہ بن محمد بلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں حضرت امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی کے ساتھ بغداد کے کسی علاقے میں تھا۔ آپ نے ایک نوجوان کو دیکھا جو اچھے طریقے سے وضو نہیں کر رہا تھا، تو اسے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! اپنا وضو ٹھیک کر، اللہ عزوجل دنیا وآخرت

میں تجھ پر احسان فرمائے گا۔

پھر آپ تشریف لے گئے۔ نوجوان نے جلدی سے وضو مکمل کیا اور آپ سے جا ملا۔ وہ دراصل آپ کو پہچانتا نہ تھا۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اِستفسار فرمایا: کیا کوئی کام ہے؟، عرض کی: جی ہاں! مجھے بھی وہ علم سکھایئے جو اللہ عزوجل نے آپ کو سکھایا ہے۔

تو آپ نے فرمایا: جان لے! جس نے اللہ عزوجل کی معرفت پالی وہ نجات پا گیا۔ جس نے اپنے دین کے معاملے میں خوف کیا وہ تباہی سے بچ گیا۔ جس نے دنیا میں زہد اختیار کیا تو کل بروزِ قیامت جب وہ اللہ عزوجل کی طرف سے اس کا ثواب دیکھے گا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

پھر فرمایا: کیا تجھے کچھ مزید نہ بتاؤں؟، اس نے عرض کی: جی ہاں! ضرور بتایئے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: جس میں تین خوبیاں جمع ہوگئیں اس کا ایمان مکمل ہوگیا: جو نیکی کا حکم دے اور خود بھی اس پر عمل کرے۔ جو برائی سے منع کرے اور خود بھی اس سے باز رہے، اور جو حدودِ الٰہی کی حفاظت کرے۔

پھر ارشاد فرمایا: کیا کچھ اور بھی بتاؤں؟ عرض کی: کیوں نہیں، ضرور بتایئے۔ تو ارشاد فرمایا: دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا شوق رکھنے والا ہو جا، اور اپنے ہر کام میں اللہ عزوجل سے سچ کا معاملہ کر نجات پانے والوں کے ساتھ نجات پا جائے گا۔ پھر آپ چل دیے۔ بعد میں اس نوجوان نے آپ کے متعلق پوچھا تو اسے بتایا گیا: یہ حضرت سیدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی تھے۔(۱)

اور زمین سونا بن گئی

حضرت ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمہ (م ۲۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں رزقِ حلال حاصل کرنے کے لیے پہاڑوں سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور انھیں بیچ کر اپنی ضرورت کی چیزیں خریدتا، اس طرح میرا گزر بسر ہوتا تھا۔ میں حد درجہ احتیاط کرتا کہ کہیں میرے رزق میں شبہہ

(۱) احیاءعلوم الدین، بحوالہ صحبتیں اور نصیحتیں: ۴۰۱۔

والی یا ناجائز چیز شامل نہ ہو جائے۔ یعنی میں خوب اِحتیاط سے کام لیتا اور شکوک وشبہات والی چیزوں کو ترک کر دیتا تھا۔

ایک مرتبہ میں نے اولیاے بصرہ کی ایک جماعت کو خواب میں دیکھا۔ ان میں حضرات حسن بصری، مالک بن دینار اور فرقد سنجی علیہم الرحمہ بھی تھے۔ میں نے انھیں اپنے حالات سے آگاہ کیا اور عرض کی: آپ لوگ مسلمانوں کے اِمام ومقتدا ہیں، مجھے رزقِ حلال کے حصول کا کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ جس میں نہ خالق کی نافرمانی ہو، اور نہ ہی مخلوق کا اِحسان اُٹھانا پڑے۔

میری یہ بات سن کر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے شہر طرطوس سے دور ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں حلال پرندوں کی کثرت تھی۔ اُن بزرگوں نے مجھے یہاں چھوڑ دیا اور فرمایا: تم یہاں رہو اور اللہ کی نعمتیں کھاؤ، یہی وہ طریقہ ہے جس میں نہ خالق کی نافرمانی ہے، اور نہ مخلوق میں سے کسی کا اِحسان۔

حضرت دارانی فرماتے ہیں کہ میں ایک طویل مدت تک اس جگہ ٹھہرا رہا، وہاں سے حلال پرندے شکار کرتا، کبھی ان کو بھون کر اور کبھی کچا ہی کھا لیتا، اور پھر شام کو ایک مسافر خانہ میں جا کر قیام کرتا۔ میری اس حالت سے لوگ باخبر ہو گئے اور جب میں مشہور ہو گیا تو لوگ میری عزت کرنے لگے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اب یہاں رہنا مناسب نہیں۔ اگر مزید یہاں رہا تو ریا کاری یا غرور وتکبر جیسے فتنوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے؛ چنانچہ میں نے اس مسافر خانے میں جانا چھوڑ دیا اور تین ماہ تک کسی اور جگہ رہائش رکھی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں اپنے دل کو پاک وصاف اور مطمئن پاتا اور میری حالت ایسی ہو چکی تھی کہ مجھے لوگوں کی باتوں سے بالکل کوئی اُنس نہیں رہا تھا۔

ایک مرتبہ میں مقام 'مدیف' کی طرف گیا اور راستے میں بیٹھ گیا۔ اچانک میری نظر ایک نوجوان پر پڑی جو 'لامیس' سے 'طرطوس' کی جانب جارہا تھا۔ میرے پاس کچھ رقم تھی جو میں نے اس وقت سے بچا کر رکھی تھی جب میں لکڑیاں بیچا کرتا تھا۔ میں نے سوچا میں تو حلال پرندوں کا گوشت کھا کر گزارہ کر لیتا ہوں، کیا ہی اچھا ہوتا اگر میں یہ رقم اس مسافر کو دے دوں تاکہ جب

یہ طرطوس شہر میں داخل ہو تو وہاں سے کوئی چیز خرید کر کھالے۔

اس خیال کے آتے ہی میں اس نوجوان کی طرف بڑھا اور رقم کی تھیلی نکالنے کے لیے جیسے ہی میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس مسافر نوجوان کے ہونٹوں نے حرکت کی اور میرے آس پاس کی ساری زمین سونا بن گئی، جس کی چمک سے میری آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ یہ دیکھ کر مجھ پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ میں آگے بڑھ کر اسے سلام بھی نہ کرسکا اور وہ وہاں سے آگے گزر گیا۔

پھر کچھ عرصہ بعد اس عظیم نوجوان سے دوبارہ میری ملاقات ہوئی، وہ طرطوس کے علاقے میں ایک بُرج کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، اور اس کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے جا کر سلام کیا اور گفتگو کرنا چاہی تو اس نے پانی سے بھرا پیالہ پلٹ دیا اور کہنے لگا: فضول گوئی نیکیوں کو ایسے ہی چوس لیتی ہے جس طرح خشک زمین پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ اگر تو دانا ہے تو تیرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔(۱)

درسِ زہد و توکل

حضرت احمد بن حواری فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوسلیمان دارانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ میں لُکام کے پہاڑوں میں گیا، وہاں ایک نوجوان اپنے پاک پروردگار کی بارگاہ میں اس طرح مناجات کر رہا تھا: اے میرے مولا! اے اُمیدوں کو پورا کرنے والے! اے اُمید دلانے والے! اے وہ ذات جس کی عطا سے میرے اَعمال مکمل ہوتے ہیں! میرے پاک پروردگار! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اُس دعا سے جو تیری بارگاہ تک نہ پہنچے۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اُس بدن سے جو تیری عبادت کے لیے کھڑا نہ ہو۔ الٰہی! میں پناہ چاہتا ہوں ایسے دل سے جو تیرا مشتاق نہ ہو، اور میں پناہ چاہتا ہوں ایسی آنکھ سے جو تیری یاد میں نہ روئے۔

حضرت ابوسلیمان فرماتے ہیں: جب میں نے اس کا یہ جملہ سنا: ’میں پناہ چاہتا ہوں ایسی آنکھ سے جو تیری یاد میں بہنے والی نہ ہو‘ تو میں سمجھ گیا کہ اس شخص کو مقام معرفت حاصل ہے۔

(۱) بحر الدموع ابن الجوزی مترجم: ۳/۶ ...... عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۲۴۵، ۲۴۶۔

میں نے کہا: اے نوجوان! بے شک عارفین کے لیے مقام و مراتب اور مشتاقوں کے لیے نشانیاں ہیں۔نوجوان نے جھٹ پوچھا: وہ علامتیں اور مراتب کیا ہیں؟۔

میں نے کہا: مصائب کو چھپانا، کرامات دکھانے سے بچنا۔کہا: مجھے کچھ اور نصیحت کیجیے۔میں نے کہا: ابھی جاؤ؛ مگر اس پاک پروردگار کے علاوہ کسی اور طرف نہ جانا اور اس کے علاوہ کسی سے اُمید نہ رکھنا۔اس راستے میں فقر غنا ہے۔اللہ کی طرف سے آنے والی آزمائش درحقیقت شفا ہے، اور توکل زندگی کا بہترین سرمایہ ہے، بے شک ہر مصیبت کا ایک مقررہ وقت ہے، نہ اس کی طرف سے ملنے والی خیر کو ٹھکرا، نہ ہی اس کی عطا کردہ اشیا میں بخل کر۔دنیوی خواہشات کی طرف ہرگز نہ جا۔میری یہ باتیں سن کر اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور آہ وزاری کرنے لگا۔

میں اسے اسی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔کچھ دور مجھے ایک اور نوجوان سویا نظر آیا، میں نے اسے جگا کر کہا: اے نوجوان! اب بیدار ہوجا، بے شک مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں آنا، سو مرنے کے بعد آرام کرلینا۔نوجوان نے میری آواز سن کر اپنا سر اُٹھایا اور کہا: اے ابوسلیمان! مرنے کے بعد موت سے بھی زیادہ سختیاں ہیں۔میں نے کہا: اے نوجوان! جو موت پر یقین رکھتا ہے وہ اعمالِ صالحہ کے لیے ہر دم کوشاں رہتا اور اپنے آپ کو تیار رکھتا ہے اور پھر اسے دنیوی نعمتوں کی خواہش نہیں ہوتی!۔(۱)

حور سے منگنی کے عوض

حضرت سلیمان دارانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال بے سروسامانی کی حالت میں محض خدا کے بھروسے پر حج وزیارت کا ارادہ کیا۔راستے میں میں نے ایک زرد رنگ عراقی نوجوان کو دیکھا اور وہ بھی اسی مقصد سے سفر کر رہا تھا۔

جب قافلہ حجاج چلتا تو وہ عراقی نوجوان قرآن مجید کی تلاوت کرتا، اور لوگ منزل پر ٹھہرتے تو وہ نماز پڑھتا، اس کے علاوہ دن کو روزہ رکھتا اور رات کو تہجد ادا کرتا۔اسی معمول پر وہ

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۹۱،۹۲۔

مکہ معظمہ تک گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ مجھ سے جدا ہونے لگا، تو میں نے اس سے پوچھا: اے فرزند! تجھے کس شے نے اتنی سخت عبادت وریاضت پر آمادہ کردیا ہے؟۔

اس نے جواب دیا: اے ابوسلیمان! مجھے ملامت نہ کرو، میں نے خواب میں جنت کا ایک محل دیکھا، جو چاندی اور سونے کی اینٹوں سے بنایا گیا ہے۔ اس میں اسی طرح کے بالا خانے ہیں، اور ان بالا خانوں کے درمیان ایک ایک ایسی ایسی حور دیکھی کہ کسی دیکھنے والے نے ایسے حسن و جمال والی نہیں دیکھی ہوگی، وہ اپنی زلفیں لٹکائے ہوئے تھی، ان حوروں میں سے ایک مجھے دیکھ کر مسکرائی تو اس کے دانتوں کی چمک سے پوری جنت جگمگا اٹھی، اور اس نے کہا :

اے نوجوان! اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش اور مجاہدہ وریاضت کر؛ تاکہ میں تیری اور تو میرا شریک حیات بن سکے۔

اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔ اے ابوسلیمان! یہ ہے میرا قصہ۔ پھر مجھے تو کوشش کرنی ہی چاہیے؛ کیونکہ جو کوشش کرتا ہے وہی پاتا ہے۔ یہ جو کچھ ریاضتیں آپ نے دیکھیں یہ تو ایک حور کی منگنی کے لیے تھیں۔

حضرت شیخ دارانی نے اس نوجوان سے دعا کے لیے فرمایا: اس نے دعا کی، اور دوستی کا عہد کر کے چلا گیا۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں: میں نے اپنے نفس پر سختی کی، اور کہا: اٹھ اور یہ اشارہ سن جو ایک خوشخبری ہے۔ ایک عورت کی طلب کے لیے جب اس قدر محنت ومشقت اور ریاضت ہے تو جسے اس حور کا رب اور پروردگار مطلوب ہو اسے کتنی ریاضت اور مجاہدہ شاقہ کرنا چاہیے!۔(۱)

بے اَدب بے نصیب

امام قبیصہ بن عقبہ علیہ الرحمہ (م ۲۱۵ھ) کے دروازے پر بادشاہ ابوالف کا لڑکا اپنے خادموں کے ساتھ حدیث کی روایات حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت قبیصہ نے نکلنے میں کچھ دیر کی تو نوجوان شہزادے کے خادموں نے زور سے آواز لگانا شروع کردی کہ شہزادہ دروازے پر ہے اور آپ باہر نہیں آتے؟۔

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۴۰۷ تا ۴۰۶۔

حضرت قبیصہ کو اُن کا یہ انداز ناگوارِ خاطر ہوا، اور اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ کے تہبند کے کنارے پر خشک روٹی کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: جو شخص دنیا سے صرف اس پر راضی ہو وہ شہزادے کو کیا جانتا ہے!۔ بخدا میں (شہزادے کی بے ادبی کی وجہ سے) اس سے حدیث بیان نہیں کروں گا!۔(۱)

باپ سے بدسلوکی کا انجام

ابوسعید عبدالملک بن قریب اصمعی (م۲۱۶ھ) ایک اعرابی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے یہ واقعہ سنایا: میں ایک بستی سے یہ سوچ کر نکلا کہ سب لوگوں سے زیادہ بد بخت اور نیک بخت فرد کے بارے میں معلومات حاصل کروں اور اسے تلاش کروں۔ میں بستی بستی، نگر نگر بد بخت اور نیک بخت ڈھونڈتا رہا۔ ایک بستی سے میرا گزر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھے شخص کی گردن میں ایک رسی بندھی ہوئی ہے اور اس رسی کے ساتھ ایک بڑی سی بالٹی لٹک رہی ہے۔ اس کے پیچھے ایک نوجوان تھا، وہ اس رسی کو کھینچ رہا تھا جو بوڑھے کی گردن سے بندھی ہوئی تھی، ساتھ ساتھ وہ اسے چابک سے مارتا بھی جارہا تھا۔

میں نے نوجوان سے کہا: اس بوڑھے اور کمزور شخص کے بارے میں تجھے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے؟ اس کی گردن میں تو پہلے ہی ایک رسی اور بڑی بالٹی لٹک رہی ہے جس سے یہ ہلکان اور پریشان ہے، اس کے باوجود تو اسے چابک بھی مار رہا ہے، تو کتنا سفاک ہے! نوجوان کہنے لگا: ہاں! مگر میں تمہاری اطلاع کے لیے بتادوں کہ یہ میرا باپ ہے!۔

میں نے اس سے کہا: اگر یہ تیرا باپ ہے تو میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے کوئی بھلائی نہ دے! کیا کوئی اپنے ہی باپ کے ساتھ اس طرح کا ظالمانہ سلوک کرسکتا ہے؟۔ نوجوان بولا:

اسکت فهٰكذا كان يصنع بأبيه، وكذا كان يصنع أبوه بجده .

(۱) التذکرۃ: ۱/۳۴۰۔

یعنی خاموش رہو! (تمھیں کیا معلوم!) یہ بھی اپنے باپ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتا تھا (جیسا مجھے اس کے ساتھ کرتے دیکھ رہے ہو) اور پھر اسی طرح اس کا باپ بھی اس کے دادا کے ساتھ یہی کچھ کیا کرتا تھا۔

میں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ کر کہا :

هٰذا أعق الناس .

یعنی بس یہی بڈھا سب سے زیادہ بد بخت ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا اس دنیا میں سب لوگوں سے زیادہ نیک بخت اور خوش قسمت ہے، اوراس کے برعکس سب سے بڑا بد بخت وہ ہے جو اپنے والدین سے برا سلوک کرتا ہے اور انھیں تکلیف دیتا ہے۔(۱)

صبر وشکیب کی پہاڑ‘ خاتون

حضرت اصمعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ سفر پر تھا۔ جنگل سے گزرتے ہوئے ہم راستہ بھول گئے، کچھ دور ایک خیمہ نظر آیا تو اس طرف گئے، وہاں پہنچ کر بلند آواز سے سلام کیا، تو ایک عورت خیمے سے باہر آئی اور ہمارے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا: تم کون ہو؟ ہم نے کہا: ہم راستہ بھول گئے ہیں، خیمہ دیکھا تو اس طرح چلے آئے۔

عورت نے کہا: تم لوگ تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو یہاں تک کہ میں تمہارا حق پورا کروں جس کے تم حقدار ہو۔ ہم وہیں کھڑے رہے۔ وہ پردے کے پیچھے چلی گئی اور کہا: تم اپنا منہ دوسری طرف کرو یہاں تک کہ تمھیں تمہارا حق دیا جائے۔

ہم دوسری طرف دیکھنے لگے، اس نے اپنی چادر اُتار کر بچھائی اور خود پردے کے اوٹ میں ہی رہی اور کہنے لگی: اس چادر پر بیٹھ جاؤ، میرا بیٹا ابھی آتا ہی ہوگا، پھر تمہاری ضیافت کا اِہتمام کر دیا جائے گا۔ ہم چادر پر بیٹھ گئے، کچھ دور ایک سوار آتا دکھائی دیا تو بولی: یہ اونٹ تو

(۱) المحاسن والمساوی، ابراہیم بیہقی:۵۵۳...... عاقبۃ عقوق الوالدین، ابراہیم الحازمی:۴۹۔

میرے بیٹے کا ہے؛ لیکن اس پر سوار ہونے والا میرے بیٹے کے علاوہ کوئی اور ہے۔ کچھ ہی دیر بعد سوار خیمے کے پاس پہنچ گیا، اس نے عورت سے کہا: اے ام عقیل! اللہ تمہارے بیٹے کے معاملے میں تمہیں عظیم اَجر عطا فرمائے۔

یہ سن کر اس عورت نے کہا: تمہارا بھلا ہو، کیا میرا بیٹا مر گیا؟۔ کہا: ہاں! پوچھا: اس کی موت کا سبب کیا بنا؟ کہا: وہ اونٹوں کے درمیان پھنس گیا تھا، اونٹوں نے اسے کنویں میں ڈھکیل دیا جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

بیٹے کی موت کی خبر سن کر وہ صابرہ خاتون نہ روئی اور نہ ہی کسی قسم کا واویلا کیا بلکہ اس اونٹ والے سے کہا: نیچے اُترو ہمارے ہاں کچھ مہمان آئے ہیں ان کی ضیافت کا اہتمام کرو، وہ سامنے مینڈھا بندھا ہوا ہے، اسے ذبح کرکے مہمانوں کو پیش کرو۔

چنانچہ مینڈھا ذبح کیا گیا اور اس کے گوشت سے ہماری دعوت کی گئی۔ ہم کھانا کھاتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ یہ عورت کتنی صبر والی ہے کہ نوجوان بیٹے کی موت پر کسی طرح کا غیر شرعی کام نہ کیا اور نہ ہی کسی قسم کا شور شرابہ کیا!۔

جب ہم کھانا کھا چکے تو صابرہ خاتون کہنے لگی: کیا آپ میں سے کوئی شخص مجھے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کچھ آیات سنا کر مجھ پر اِحسان کرے گا؟۔ میں نے کہا: ہاں! میں تمہیں قرآنی آیات سناتا ہوں۔ صابرہ خاتون نے کہا: مجھے کچھ ایسی آیات سناؤ جن سے صبر و شکر کی دولت نصیب ہو؛ چنانچہ میں نے سورۂ بقرہ کی درج ذیل آیتیں تلاوت کیں:

وَ بَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥ (سورۂ بقرہ:۲/۱۵۵،۱۵۶)

اور خوش خبری سنا اُن صبر والوں کو کہ جب اُن پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔

خاتون یہ آیات سن کر بے قرار ہوگئیں اور کہنے لگیں: جو آپ نے پڑھا، کیا قرآن میں بالکل اسی طرح ہے؟، میں نے کہا: ہاں! قسم بخدا، قرآن میں بالکل اسی طرح ہے۔

صابرہ خاتون نے کہا: تم پر سلامتی ہو، اللہ تمہیں خوش رکھے۔ پھر اس نے نماز پڑھا اور کہا: 'انا للہ وانا الیہ راجعون'، بےشک میرا بیٹا عقیل اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا ہوگا، تین مرتبہ اس نے یہی کلمات کہے، پھر اس طرح ملتجی ہوئی: اے میرے پاک پروردگار! جیسا تو نے حکم دیا میں ویسا ہی کیا اب تو بھی اپنے وعدے کو پورا فرمادے جو تو نے کیا، بےشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔(۱)

درسِ صبر و شکر

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ یوں ملتا ہے جسے حضرت عبد الرحمٰن علیہ الرحمہ اپنے چچا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت جو جنگل میں چراگاہ کے قریب رہتی تھی، اس کے متعلق مجھے ایک شخص نے بتایا کہ وہ بڑھیا جب بہت عقلمند اور صابرہ وشاکرہ تھی۔ لوگ اس کے صبر وشکر اور دانائی کی مثالیں دیا کرتے تھے۔

اس کا ایک بیٹا تھا جو انتہائی وجیہ وشکیل تھا، کافی عرصہ بیمار رہا، بوڑھی ماں نے بہت اچھے طریقے سے اس کی تیمارداری کی۔ عرصہ دراز تک بسترِ علالت پر اپنے زندگی کے اَیام گزارنے کے بعد بالآخر اس کا نوجوان حسین وجمیل اکلوتا بیٹا اس دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گیا۔ اس کی موت کے بعد بڑھیا اپنے گھر کے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔

لوگ تعزیت کے لیے آئے تو بڑھیا نے ایک ضعیف العمر شخص سے کہا: کتنا اچھا ہے وہ خوش بخت جس نے عافیت کا لباس پہن لیا، جس پر نعمتوں کا رنگ چڑھ گیا، جسے ایسی فطرت عطا کی گئی کہ جب تک وہ اپنے مسائل حل نہ کرلے اسے توفیق وہمت دی جاتی رہے۔ پھر بڑھیا نے دو عربی اَشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے :

> یعنی وہ میرا بیٹا تھا مجھے معلوم نہیں کہ اس کی وجہ سے مجھے کتنا اَجر ملا، میری مدد اس کے لیے یہ تھی کہ میں نے اس کی پرورش کی اور میں اس کی دیکھ بھال کرنے والی تھی۔ اگر میں اس کی موت پر صبر کروں تو وہ اَجر دِی جاؤں گی اور اگر گریہ وزاری اور چیخ وپکار

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۱۷۹، ۱۸۰۔

کروں تو اس رونے والی کی طرح ہو جاؤں گی جسے اس کے رونے دھونے نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔

بڑھیا کی یہ حکمت بھری باتیں سن کرضعیف العمر شخص نے کہا: اب تک تو ہم یہی سنتے آئے ہیں کہ رونا دھونا، واویلا کرنا عورتوں کی عادت ہے؛ لیکن تم تو مردوں سے بھی زیادہ صبر والی ہو، تمہارا صبر عظیم ہے اور عورتوں میں تمہاری نظیر ملنا مشکل ہے۔

یہ سن کر بڑھیا نے کہا: جب بھی کوئی شخص دو چیزوں یعنی صبر وشکر اور جزع فزع (بے صبری) کے درمیان ہو تو اس کے سامنے دوراستے ہوتے ہیں۔ بہر حال! صبر تو ہر حال میں اُچھا ہے، وہ ظاہراً حسین اور اس کا انجام محمود ہے۔ جب کہ بے صبری پر تو کوئی ثواب ہی نہیں۔ اگر صبر و بے صبری انسانی شکل میں ہوتے تو صبر، حسن وعادات اور دین کے معاملے میں بے صبری سے بدرجہا افضل ہوتا!۔ صبر دینی معاملات اور نیکی کے کاموں میں جلدی کرنے والا ہے، جسے اللہ تعالیٰ دولت صبر عطا فرمائے اسے اللہ تعالیٰ کا وعدہ کافی ہے۔ صبر میں بھلا ہی بھلا اور بے صبری میں نقصان ہی نقصان!۔(۱)

ظاہر کی چمک باطن کی چمک کی آئینہ دار

دولت عباسیہ کے تاجدار مامون الرشید (م۲۱۸ھ) نے ایک مرتبہ اپنی فوج کا معاینہ کیا۔ اس دوران اس کے سامنے ایک بدصورت نوجوان پیش کیا گیا۔ جب مامون نے اس سے گفتگو کی تو پتہ چلا کہ وہ ہکلا بھی ہے۔

یہ دیکھ کر مامون نے اسے فوجی خدمات سے معزول کر دیا اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جب روح کی چمک چہرے پر نمودار ہوتی ہے تو خوبصورتی کا باعث بنتی ہے، اور باطن پر عیاں ہوتی ہے تو فصاحت کا روپ اختیار کرتی ہے؛ مگر افسوس! یہ شخص ظاہر و باطن دونوں کے حسن سے محروم ہے۔(۲)

---

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:۲/۱۱۸۰، ۱۸۱۔

(۲) احیاء علوم الدین:۳/۲۰۷۔

پگڑی کے نیچے بزرگی

امام لغت واَدب محمد بن عباد بہت ہی جید عالم تھے؛ لیکن شکل وصورت کے لحاظ سے بہت ہی غیر وجیہ اور انتہائی بدشکل تھے۔ یہ خلیفہ بغداد مامون رشید کے دربار میں پہنچے تو خلیفہ نے ان کا انتہائی اِعزاز واکرام کیا؛ یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھنے لگا۔ خلیفہ کی ایک لونڈی یہ منظر دیکھ کر مسکرانے لگی۔

خلیفہ نے پوچھا کہ تو ہنس کیوں رہی ہے؟۔ محمد بن عباد فوراً بول اٹھے کہ امیر المومنین! میں آپ کو بتاتا ہوں، یہ میری بدصورتی اور آپ کے اس اعزاز واکرام پر ہنس رہی ہے۔ یہ سن کر خلیفہ مامون الرشید نے کہا کہ اے نادان لونڈی! تو تعجب مت کر، تجھے کیا خبر کہ اس پگڑی کے نیچے ایک مجسم بزرگی ہے۔

وهل ينفع الفتيان حسن وجوههم اذا كانت الاعراض غير حسان

فلاتجعل الحسن الدليل على الفتى فما كل مصقول الحديد يمانى

یعنی اگر آبرو میں کوئی حسن وخوبی نہ ہوتو جوانوں کے چہروں کی خوبصورتی سے کیا فائدہ!۔ خوبصورتی کسی جوان کے کمال کی دلیل نہیں؛ کیونکہ ہر صیقل کیا ہوا لوہا یمنی تلوار نہیں ہوتا۔

خلیفہ مامون الرشید کی یہ حقیقت افروز گفتگو سن کر پورے دربار پر سکتہ طاری ہوگیا اور لونڈی شرم وغیرت سے پانی پانی ہوگئی۔(۱)

نوجوانانِ ملت! مذکورہ بالا حکایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قوم مسلم کا ستارۂ اقبال جب انتہائی عروج کی منزل میں تھا اور ساری دنیا میں اس قوم کی عظمت وشوکت کا ڈنکا بجتا تھا اور اَقوامِ عالم کے دل ودماغ پر قوم مسلم کی برتری اور شاہانہ شان وشوکت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا، اس وقت عوام تو عوام اُمرا تو اُمرا بادشاہوں کے دلوں میں بھی علمائے دین کی عزت وعظمت کا چراغ

(۱) المستطرف فی کل فن مستظرف: ۱/۱۱۶۔

جلتا تھا، اور وہ علمائے کرام کی خدمت کو اپنے لیے سرمایۂ اِفتخار وعظمت تصور کرتے تھے اور ان با خدا بزرگوں کی دعاؤں سے اپنی خالی جھولیوں کو گوہر مراد سے بھرتے تھے۔

مگر آج اسی قوم مسلم کا یہ حال ہے کہ مکان میں ہوں یا دکان میں' ہوٹل میں ہوں یا بازار میں ہر جگہ علمائے دین کی تذلیل وتحقیر' اُن کا محبوب ترین مشغلہ' اور علما کے ساتھ اِستہزا اور بے اَدبی اُن کی ضروریاتِ زندگی میں داخل ہوگیا ہے اور درحقیقت اسی انقلاب کی یہ نحوست ہے کہ آج قوم مسلم کے سر پر ذلت ونکبت کا عفریت' ہلاکت کا بھوت بن کر سوار ہوگیا ہے اور یہ قوم ذلت وخواری کے ایسے عمیق غار میں گرتی چلی جارہی ہے جہاں عزت وعظمت کے آفتاب کی شعاعیں بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ اس غضب خداوندی کو قیامت انگیز سانحہ نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

غضب ہے بولہبی ظلمتوں کے طوفاں میں
نگاہِ مصطفوی خط و خال بھول گئی(۱)

قصر شاہی سے درویش کی جھونپڑی تک

بیان کیا جاتا ہے کہ عباسی خلیفہ مامون رشید کا صاحبزادہ علی بن مامون ایک روز قصر شاہی کی چھت پر بغداد کا معاینہ کرنے کے لیے چڑھا اور بلند برجوں سے شہر بغداد کا نظارہ کرنے لگا۔ وہ بالکل کڑیل نوجوان تھا، سو اُس کی خوراک لذیذ تھی، اس کی سواری پرسکون اور نرم وگداز تھی، اس کی زندگی لطف ومزے میں کٹ رہی تھی، وہ قابل فخر اور خوبصورت لباس زیب تن کرتا، اچھے سے اچھا اور لذیذ سے لذیذ کھانا کھاتا؛ مگر اس کی زندگی کا یہ پہلا دن تھا کہ اسے بھوک نہیں لگ رہی تھی اور نہ کچھ پینے کی خواہش ہورہی تھی۔

خلیفہ کا یہ شہزادہ علی' شاہی محل کی چھت سے بازار کے اندر لوگوں کی نقل وحرکت دیکھ رہا تھا۔ یہ جارہا ہے وہ آرہا ہے، یہ بیچ رہا ہے وہ خرید رہا ہے، غرض ہر ایک اپنے اپنے کام میں

(۱) روحانی حکایات: ج۱، ص۶۸ تا ۷۰۔

منہمک ومشغول ہے۔شہزادے نے اپنی نظر ایک آدمی پر گاڑ لی جو اُجرت پر باربرداری کا کام کررہا تھا، اس کے اوپر صلاح ونیکی اور تقویٰ و پرہیزگاری کے آثار نمایاں تھے۔ اس کے مونڈھوں پر رسیاں لٹک رہی تھیں۔اس کی پیٹھ پر بوجھ (بوریاں یا کوئی سامان) لدا ہوا تھا۔وہ سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ایک دکان سے دوسری دکان اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کررہا تھا۔

شہزادہ علی اس محنت ومشقت کرنے والے باربردار (قلی) کی حرکات وسکنات کا بغور معاینہ کررہا تھا۔ جب چاشت کا وقت ہوا تو وہ قلی اپنا کاروبار چھوڑ کر بازار سے نکل گیا اور دجلہ کے ساحل پر چلا گیا۔وہاں اس نے دجلہ کے پانی سے وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں یوں مناجات کی :

سبحان من يعفو و نهفو دائما　　و لم يزل مهما هفا العبد عفا

يعطي الذي يخطي و لا يمنعه　　جلاله عن العطا لذي الخطا

یعنی پاک ہے وہ ہستی جو ہماری ہمیشہ کی لغزشوں سے درگزر فرماتی ہے، اور جب کبھی بندہ لغزش کرتا ہے (پھر توبہ کرتا ہے) تب اللہ اسے معاف فرما دیتا ہے۔

خطا کار کو بھی وہ نوازتا ہے، اس کی عظمت وجلالت خطا کار کو بھی اس کے عطیات سے نہیں روکتی۔

اس کے بعد پھر اس نے کچھ یوں دعائیں کرنا شروع کر دیں :

بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کی طرف فقرا ومساکین رجوع کرتے ہیں، بڑا بزرگ ہے وہ اللہ جس کے دربار میں کمزور ومظلوم دستِ سوال بلند کرتے ہیں اور بہت پاک ہے وہ ہستی جس کو معمولی حیثیت کے لوگوں نے پہچان لیا لیکن بڑے بڑے مالدار اور باحیثیت لوگ اس کو پہچاننے میں چوک جاتے ہیں۔

بہت قابل قدر ہیں وہ لوگ جو خیموں میں اور عام چبوتروں پر رہ کر محض روٹی کے ٹکڑوں پر زندگی گزار کر بھی اللہ کو پہچان لیتے ہیں؛ مگر بلند قلعوں میں رہنے والے، اونچے اونچے عہدوں پر کام کرنے والے اور اپنی طاقت پر اِترانے والے انسان اللہ کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

غرضیکہ شہزادہ علی اپنی نظر اس قلی کے اوپر گاڑے ہوئے تھا۔ جب قلی نے دو رکعت چاشت کی نماز پڑھ لی اور دعا سے فارغ ہوگیا تو پھر اپنے کام پر واپس ہوگیا اور مسلسل محنت ولگن کے ساتھ ظہر سے کچھ وقت پہلے تک اپنے کام میں مشغول رہا۔ پھر ایک درہم میں ایک خشک روٹی خریدی اور اسے لے کر دریاے دجلہ کے کنارے چلا گیا۔

وہاں اس نے پانی میں روٹی بھگوئی اور کھا کر پانی پیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر نماز ظہر کے لیے وضو کیا، نماز پڑھ کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر گڑ گڑا کر دعائیں مانگیں اور اپنے پروردگار سے سرگوشی کرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سو رہا، پھر بیدار ہوا اور بازار میں اپنے کام کاج میں مشغول ہوگیا۔ اس نے دن بھر انتہائی محنت ومشقت سے اپنا کام کیا اور جب شام ہوئی تو ایک روٹی خریدی اور اپنے گھر واپس چلا گیا۔

دوسرے دن وہ پھر بازار آیا اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا اور اسی معمول کے مطابق اس نے اپنا دن گزارا اور پھر شام کو اپنے گھر لوٹ گیا۔ اسی طرح اس نے تیسرے اور چوتھے دن بھی کیا اور اس معمول کے مطابق اپنی زندگی گزارتا رہا۔

شہزادہ علی اس قلی کو دیکھ کر بڑے تعجب میں پڑ گیا اور اس کے حالات سے واقفیت کا شوق اس کے دل میں سما گیا۔ چنانچہ اس نے قلی کو بلوانے کے لیے اپنے ایک فوجی کو بھیجا۔ وہ فوجی گیا اور قلی سے کہا کہ شہزادہ صاحب آپ کو قصر شاہی میں یاد فرما رہے ہیں۔

قلی نے فوجی کو جواب دیا: مجھے اور بنو عباس کے بادشاہوں سے کیا واسطہ، میرے اور ان خلفا کے درمیان کوئی رشتہ داری بھی نہیں اور نہ ان کے پاس مجھے کوئی مقدمہ دائر کرنا ہے۔ نہ مجھے کسی قسم کی کوئی دشواری ہے اور نہ مجھے کوئی اہم معاملہ درپیش ہے۔ اگر کوئی مشکل گھڑی آ پہنچتی ہے تو میں اس ہستی کی طرف رجوع کرتا ہوں جو زندہ ہے اور آسمان وزمین سب اسی سے قائم ہیں۔ جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے آسودہ کرتا ہے، اور جب میں پیاسا ہوتا ہوں تو مجھے اللہ تعالیٰ سیراب کرتا ہے۔ میرے پاس نہ تو اپنا کوئی گھر ہے، نہ کوئی جائداد اور نہ کوئی زمین!۔

فوجی نے کہا: یہ امیر کا حکم ہے؛ اس لیے آج ہر صورت میں تجھے شہزادے کے محل میں

حاضری دینی ہی پڑے گی۔ مسکین قلی نے سمجھا کہ امیر اس کا محاسبہ کرے گا، اس کے خلاف کوئی حکم صادر کرے گا، چنانچہ اس نے کہا :

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الوَکِیلُ o (سورۂ آل عمران:۳/۱۷۳)

اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔

یہی وہ کلمہ ہے جو ہر فقیر و مسکین، پریشاں حال اور مظلوم کا ہتھیار ہے جس کو وہ جابر و ظالم بادشاہوں کے سامنے استعمال کر کے ان کا سرنگوں کر دیتے ہیں......اور یہی وہ کلمہ ہے جو ابراہیم خلیل اللہ نے اس وقت کہا تھا جب انھیں بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا تھا......یہی کلمہ نبی رحمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر و اُحد، اَحزاب اور تبوک کی جنگوں میں مسلمانوں کی قلت وضعف اور دشمنانِ اسلام کی کثرت وقوت کو دیکھ کر کہا تھا۔

الغرض! فقیر و مسکین قلی نے امیر المومنین مامون رشید کے صاحبزادے علی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان کچھ یوں مکالمہ شروع ہوا :

شہزادہ علی: کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟۔

قلی: میں کبھی آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا، جب میں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں تو پہچان کیسے سکتا ہوں؟!۔

شہزادہ علی: میں خلیفہ کا صاحبزادہ ہوں۔

قلی: لوگ بھی یہی بتا رہے تھے۔

شہزادہ علی: تمہارا کام کیا ہے؟۔

قلی: اَعمل مع عباد اللہ فی بلاد اللہ۔

یعنی میں اللہ تعالیٰ کے ملک میں اس کے بندوں کے ساتھ کام کرتا ہوں۔

شہزادہ علی: میں نے تجھے کئی دنوں تک مشقت کے کام کرتے ہوئے دیکھا، اس لیے میری خواہش ہوئی کہ میں تیرا بوجھ کچھ ہلکا کر دوں۔

قلی: وہ کیسے؟۔

شہزادہ علی: تم اپنے اہل وعیال کے ساتھ آ جاؤ اور ہمارے محل میں رہائش پذیر ہو جاؤ۔ کھاؤ پیو، آرام کرو، کوئی رنج ہو گا نہ غم اور نہ ہی کام کاج کے بارے میں کچھ فکر کرنی پڑے گی۔

قلی: شہزادہ صاحب! رنج تو اسے نہیں ہو گا جو گناہ کے کاموں میں ملوث نہیں ہوتا، غم سے وہ بچا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کے کاموں سے خود کو الگ تھلگ رکھتا ہے، اور جو کوئی برائی نہیں کرتا اس کو فکر کس بات کی؟!۔

البتہ جو آدمی اللہ کے غیظ وغضب میں اور اس کی نافرمانی میں اپنی صبح وشام گزارتا ہے وہی رنج وغم سے دوچار ہوتا ہے۔

شہزادہ علی: تمہارے گھر والے ہیں؟۔

قلی: میری ایک ماں ہے جو نہایت ہی بوڑھی ہے۔ میری ایک ہمشیرہ ہے جو اندھی ہے۔ وہ دونوں ہر روز روزے سے رہتی ہیں۔ میں روزانہ مغرب سے قبل ان دونوں کے لیے افطار کا بندوبست کر کے لاتا ہوں۔ ہم سب مل کر افطار کرتے ہیں اور عشا کی نماز کے بعد سو جاتے ہیں۔

شہزادہ علی: پھر تم جاگتے کب ہو؟۔

قلی: جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر رات کے تیسرے حصے میں جلوہ افروز ہوتا ہے!۔

شہزادہ علی: کیا تیرے اوپر کسی قسم کا کچھ قرض ہے؟۔

قلی: گناہوں کا بوجھ ہے جو میرے اور اللہ کے درمیان ہے۔

شہزادہ علی: کیا تو نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ شاہی محل میں رہے؟۔

قلی: اللہ کی قسم! نہیں۔

شہزادہ علی: آخر کیوں؟۔

قلی: مجھے سختیِ دل اور دین کے ضیاع کا خوف ہے۔

شہزادہ علی: کیا تجھے یہ منظور ہے کہ تو ایک بھوکا قلی بنا رہے اور تیرے جسم پر کپڑے بھی نہ ہوں

اور یہ منظور نہیں کہ میرے ساتھ قصر شاہی میں زندگی گزارے!۔

قلی: یہی بات ہے اللہ کی قسم!۔

پھر قلی، شہزادہ علی کے پاس سے واپس ہوگیا۔

قلی کے جواب سے شہزادہ بڑا متاثر ہوا۔ ایک رات شہزادہ اپنی غفلت سے ہوش میں آیا اور چیختے ہوئے نیند سے بیدار ہوا، اسے یقین ہو چلا کہ وہ اب تک گہری نیند سو رہا تھا، اب توبہ کر کے اللہ کا مخلص بندہ بن جانا چاہیے۔ چنانچہ نوجوان شہزادہ آدھی رات کو نیند سے بیدار ہوا اور اپنے حشم و خدم سے کہنے لگا: میں دور دراز علاقے میں جا رہا ہوں۔ جب تین دن کا وقفہ گزر جائے تو میرے والد کو تم لوگ بتلا دینا کہ میں کوچ کر چکا ہوں۔ اب میری اور میرے والد کی ملاقات قیامت ہی کے روز ہوگی :

إن كان قد عزفي الدنيا اللقاء ففي

مواقف الحشر نلقاكم و يكفينا

یعنی اگر دنیوی زندگی میں ملاقات مشکل ہو جائے تو میدانِ محشر میں ہم تم سے ملاقات کریں گے اور ہمیں وہ ملاقات کفایت کر جائے گی۔

شہزادہ علی رات کے اندھیرے میں شاہی محل سے نکلا، اپنی شاندار و خوبصورت پوشاک کو اُتار پھینکا اور فقرا و مساکین کا لباس زیب تن کر کے راتوں رات نکل پڑا اور جا کر ایسے چھپ گیا کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کدھر چلا گیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ شہزادہ علی، شہر واسط کی طرف روانہ ہوا، اس نے اپنی ہیئت تبدیل کر لی اور مسکین و فقیر بن گیا۔ اس نے اینٹ بنانے والے ایک تاجر کے ساتھ بحیثیت مزدور کام کرنا شروع کر دیا، اب وہ اینٹ اور مٹی ڈھونے اور مکانات بنانے کا کام کرتا تھا۔

جی ہاں! خلیفہ وقت کا بیٹا شاہی محل کو چھوڑ کر اب درویش بن گیا۔ وہ کثرت سے روزے رکھتا، رات کو دیر دیر تک اللہ عزوجل کی عبادت کرتا۔ صبح و شام دعا و مناجات میں مشغول رہتا۔ قرآن کریم حفظ کرتا، سخت گرمی میں روزے رکھتا، رات عبادت میں گزارتا اور اللہ تعالیٰ سے

لولگائے رکھتا۔ اس کے پاس صرف ایک ہی دن کی خوراک ہوتی؛ چنانچہ اب اس کے رنج وغم اور کرب و پریشانی سب غائب ہوگئے اور اس کا کبرونخوت سب ختم ہوگیا۔

اَوَ مَنۡ كَانَ مَيۡتاً فَاَحۡيَيۡنَاهُ وَجَعَلۡنَا لَهُ نُورًا يَّمۡشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعۡمَلُونَ o (سورۂ انعام:۱۲۲/۶)

بھلا وہ شخص جو مردہ (یعنی ایمان سے محروم) تھا پھر ہم نے اسے (ہدایت کی بدولت) زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے (ایمان ومعرفت کا) نور پیدا فرما دیا (اب) وہ اس کے ذریعہ (بقیہ) لوگوں میں (بھی روشنی پھیلانے کے لیے) چلتا ہے اس شخص کی مانند ہوسکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ (وہ جہالت اور گمراہی کے) اندھیروں میں (اس طرح گھِرا) پڑا ہے کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتا!۔ اسی طرح کافروں کے لیے ان کے وہ اعمال (ان کی نظروں میں) خوش نما دکھائے جاتے ہیں جو وہ انجام دیتے رہتے ہیں۔

جب شہزادے کی موت کا وقت آن پہنچا تو اس نے اپنے تاجر کو اپنی اصلیت سے آگاہ کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ خلیفہ مامون رشید کا صاحبزادہ ہے۔ نیز اس نے اپنے تاجر کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے نہلا دھلا اور کفنا کر دفن کر دے، پھر اس نے اپنی انگوٹھی نکال کر تاجر کے حوالے کر دی کہ وفات کے بعد یہ انگوٹھی خلیفہ مامون کے حوالے کر دینا۔

چنانچہ جب شہزادے کا انتقال ہوگیا تو تاجر نے اسے نہلایا دھلایا کفنایا اور پھر اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا۔ اس کے بعد انگوٹھی لے کر تاجر خلیفہ مامون کی خدمت میں پہنچا۔ جب خلیفہ کی نگاہ اپنے صاحبزادے کی انگوٹھی پر پڑی تو وہ دہل سا گیا اور چیخ چیخ کر اس قدر زاروقطار رونے لگا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ پھر خلیفہ مامون نے تاجر سے اپنے صاحبزادے کے متعلق پوچھا کہ اس کی کیا مصروفیات ہیں؟۔

تاجر نے خلیفہ کو بتلایا کہ شہزادہ علیٰ اللہ تعالیٰ کی کثرت سے عبادت کیا کرتا تھا، زہدوورع اس کی خاص صفت تھی۔ وہ اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ رجوع کرتا تھا، اور اسی کے ذکر اذکار

میں اس کے اوقات گزرتے تھے۔ یہ بیان کرنے کے بعد تاجر نے خلیفہ کو بتایا کہ اب اس کا بیٹا اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔

یہ سننا تھا کہ خلیفہ چیخ پڑا اوراس کے ساتھ وزرا بھی زاروقطار رونے لگے۔ ان کی آہ وزاری سے فضا گونج اُٹھی اور سبھی کو یقین ہوگیا کہ درحقیقت شہزادہ علی نے سعادت وکامرانی کی راہ کو پہچان لیا تھا، اس لیے قیامت کے روز کامیابی کے لیے اپنی راہ بدل لی اور شاہی کرسی کو چھوڑ کر درویشوں کی زندگی کو ترجیح دی؛ مگراس کو دیکھ کر ایسا نہیں ہوا کہ وہ لوگ بھی کامیاب وکامران زندگی کی راہ طلب کرتے اوراللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے۔ سچ ہے :

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَ مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقاً حَرَجاً كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِo (سورۂ انعام:۱۲۵/۶)

پس اللہ جس کسی کو (فضلاً) ہدایت دینے کا اِرادہ فرماتا ہے اس کا سینہ اِسلام کے لیے کشادہ فرمادیتا ہے اور جس کسی کو (عدلاً اس کی اپنی خرید کردہ) گمراہی پر ہی رکھنے کا اِرادہ فرماتا ہے اس کا سینہ (ایسی) شدید گھٹن کے ساتھ تنگ کردیتا ہے گویا وہ بمشکل آسمان (یعنی بلندی) پر چڑھ رہا ہو۔(۱)

ایک بیوہ کی آزادانہ فریاد

خلیفہ مامون الرشید کے ایک بیٹے کا تو یہ عالم تھا اوراس کے ایک دوسرے شہزادے عباس بن مامون کا واقعہ بھی دیکھتے چلیں کہ ایک مرتبہ عباس، طائفۃ النمل کے قریب شکار میں مصروف تھا۔ غروب ہونے والے آفتاب کی رنگین شعاعیں آبِ دجلہ پر اُتر رہی ہیں، خوش الحان پرندے دجلہ کے کنارے حسین نغمات کے ساتھ وداعِ روزِ روشن کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ اتنے میں مامون الرشید کے نوجوان صاحبزادے عباس کی نگاہ ایک حسین عورت پر پڑتی ہے جو پانی کا گھڑا بھر رہی ہیں۔

(۱) المسک والعنبر فی خطب المنبر، عائض قرنی۔

'تو کون ہے اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے، کیا ایسے غیر آباد مقامات پر بھی
جہاں پہاڑ اور جنگلوں کے سوا کچھ نہیں ہے' حسن جنم لے سکتا ہے'؟۔

شہزادہ اپنا فقرہ ختم کر کے دیکھتا ہے تو غیور حسینہ کے چہرے پر بل آچکا تھا۔اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اُٹھا۔اس نے شہزادے کا سوال حقارت سے ٹھکرا دیا اور آگے بڑھ گئی۔

باپ کی عظیم الشان حکومت کا نشہ عباس کے سر پر سوار تھا، حکم دیا: اس مغرور عورت کا حسب ونسب معلوم کرو اور میری طرف سے نکاح کا پیغام دے دو۔نوکر چاکر اس عورت کے پیچھے روانہ ہوئے۔شہزادے نے اپنا شکار ملتوی کیا اور خیمے میں جا کر خاموش بیٹھ گیا۔آدھی رات تک اسی الجھن میں گرفتار رہا۔کبھی خیمے سے باہر آتا تھا کبھی اندر۔اتنے میں ایک خادم نے آکر عرض کی :

عورت' خاندانِ برامکہ سے تعلق رکھتی ہے، نام مغیرہ بنت ازار ہے۔وہ دو بچوں کی ماں اور حسین بن موسیٰ کی بیوہ ہے۔اس کے عزیز واَقارب میں سے اب کوئی زندہ نہیں، صرف دو معصوم بچے ہیں۔نکاح کا پیغام اس کے واسطے قیامت سے کم نہ تھا۔وہ سنتے ہی آپے سے باہر ہوگئی، اور اس نے یہ الفاظ کہے :

ہارون الرشید ہماری جانیں تباہ کر چکا، اب مامون ہماری عزت وناموس کے درپے ہے؛ لیکن عباس یاد رکھے کہ اس کی شہزادگی کو اس ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کی دہلیز پر دونوں ہاتھوں سے مسل دوں گی۔

رات کا پردہ دنیا کے چہرے سے اُٹھا۔ادھر صبح صادق آلِ برامکہ کی بربادی کا افسوس کرتی ہوئی نمودار ہوئی، ادھر طائفۃ النمل کے ایک مختصر سے مکان میں مغیرہ نے نماز فجر سے فراغت پا کر چھوٹے بچے کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور کچھ کہنا چاہتی تھی کہ شہزادہ عباس کا پیغام ایک قاصد کے ذریعے سے اس کے کان میں پہنچا :

شہزادہ عباس کا قصہ تیرے جان ومال کو خاک میں ملا دے گا۔یہ مکان ضبط کیا جاتا ہے اور تجھ کو دو گھنٹے کی مہلت دی جاتی ہے، یہ مکان خالی کر دے۔

مغیرہ یہ پیغام سن کر دروازے پر آئی اور قاصد سے کہا: عباس اُس وقت کو بھول جائے

جب میرے دادا جعفر کا سر اُس کے دادا ہارون کے سامنے رکھا گیا اور اس بے گناہ قتل نے آلِ برامکہ کو دو دو دانوں کو محتاج کر دیا؛ لیکن برامکی بیبیاں عباسی مظالم کو جس تحمل سے برداشت کرتی آئی ہیں، تاریخ اس کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی!۔

اتنا کہہ کر مغیرہ ایک سفید چادر سر پر ڈال کر دونوں بچوں کو ساتھ لے کر باہر چلی گئی۔

دوسری صدی ہجری ختم ہونے کے قریب ہے۔ مامون الرشید کا دربار گرم ہے۔ مامون کے پہلو میں عباس تخت نشین ہے۔ اُمرا و وزرا خاموش بیٹھے ہیں کہ مظلوم مغیرہ؛ جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کو شرماتا تھا لیکن اب ضعیفی کے آثار نمودار ہو رہے تھے، دربارِ شاہی میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی :

> ایک بیوہ کا مکان صرف اس لیے کہ وہ اپنی عصمت کی محافظ تھی سلطنت عباسیہ کو مبارک ہو؛ لیکن مامون الرشید! یاد رکھنا ایک دن اس بادشاہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کی سلطنت کبھی فنا نہ ہوگی۔ ایک ظالم کے خلاف تیرے پاس فریاد لائی ہوں، انصاف کر اور داد دے۔

تمام درباری عورت کا منہ تکنے لگے؛ مگر کسی میں اتنی ہمت و جرأت نہ تھی کہ خلیفہ کی موجودگی میں اس سے بات کر سکتا!۔ مامون الرشید نے عورت سے کہا: اس ظالم کا نام بتا کہ وہ کون ہے؟۔عورت نے ہنس کر کہا: شہزادہ عباس؛ جو تختِ شاہی پر آپ کے برابر بیٹھا ہے۔

آج مسلمانوں کی حالت لاکھ خراب سہی؛ مگر یہ کمزور قوم کبھی اس قدر توانا تھی کہ مامون کا چہرہ اتنا سنتے ہی غصے سے سرخ ہو گیا، اس نے چوبدار کو حکم دیا کہ عباس کو اس عورت کے برابر کھڑا کر دے؛ تاکہ مدعی اور مدعا علیہ میں کوئی اِمتیاز نہ رہے۔

شہزادہ عباس خاموش تھا اور ہر سوال کے جواب میں رک رک کر ایک آدھ بات کہہ دیتا تھا۔مغیرہ دھڑلے سے اپنی داستانِ مصیبت بیان کر رہی تھی۔اس کے چہرے سے عصمت کا خون ٹپک رہا تھا یہاں تک کہ اس کی زبان سے یہ لفظ نکلے :

> عباس! یہ صحیح ہے کہ تو مامون الرشید کا لڑکا اور سلطنت کا مالک ہے؛ لیکن یہ ہاتھ منتظر

تھے اس وقت کے کہ اگر تو اپنی دھن میں آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچتا تو تیری گردن مروڑ کر رکھ دیتے۔ آلِ برامکہ کی دولت عباسیوں نے پامال کردی؛ مگر ہماری عصمت وہ دولت ہے کہ ہم عباسی سلطنت کو اس پر قربان کردیں گے۔

وزرائے سلطنت، مغیرہ کی جرأت پر متعجب ہوئے اور کہا: یہ بے باکی آدابِ شاہی کے خلاف ہے، اَدب سے گفتگو کرو۔

مامون نے کہا: اس کو مت روکو۔ یہ حق رکھتی ہے کہ جو کچھ اس کے منہ میں آئے کہے۔ یہ صرف اس کی صداقت ہے جس نے اس کی زبان کو تیز اور اس کے حوصلے کو بلند کردیا ہے، اور عباس کی کمزوری ہے جس نے اس کو گونگا بنادیا ہے۔

اسی وقت پانچ تھیلیاں اشرفیوں سے بھری ہوئی اہلکاروں سے لے کر مامون الرشید نے مغیرہ کے قدموں میں ڈال دیں اور نہ صرف اس کا مکان واپس کیا بلکہ ایک عالیشان محل 'قصر عباس' مغیرہ کو عطا فرما کر درخواست کی کہ وہ نوجوان شہزادے کا قصور معاف کردے۔(۱)

ایک جوان کی نماز

حضرت منصور بن عمار خراسانی (م ۲۲۵ھ) نے ایک جواں سال کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ خوف سے لرز رہا تھا، اور اس کی نماز کا طریقہ اہل خشوع جیسا تھا۔ حضرت منصور نے سوچا یقیناً یہ کوئی ولی اللہ ہے۔ جب وہ نماز ختم کر چکا تو انھوں نے سلام کیا اور کہا :

تمھیں معلوم ہے جہنم میں ایک وادی ''لظیٰ'' ہے جو کھال کھینچ لے گی۔ وہ اس شخص کو پکڑ لے گی جس نے روگشی کی ہوگی، بے رخی سے پیش آیا ہوگا اور مال جمع کرکے اٹھا رکھا ہوگا۔

یہ باتیں سنیں تو نوجوان غش کھا کر گر پڑا۔ پھر کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا اور اس نے کہا کچھ اور بھی سناؤ۔ منصور بن عمار نے یہ آیات تلاوت کیں :

(۱) ناقابل فراموش واقعات، محمد دین فوق: ۱۶۵ تا ۱۶۷۔

يٰـأَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُـوا قُـوا أَنـفُسَـكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْـحِـجَارَةُ عَلَيْهَا مَـلَائِكَةٌ غِـلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ٥ (سورۂ تحریم:۶۶/۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت مزاج طاقت ور فرشتے (مقرر) ہیں جو کسی بھی امر میں جس کا اللہ انھیں حکم دیتا ہے، اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام انجام دیتے ہیں، جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔

یہ آیات سن کر وہ شخص گر پڑا اور انتقال کر گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے سینے پر قلم قدرت سے تحریر ہے :

فَهُوَ فِي عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ٥ (الحاقہ:۶۹/۲۱)

سو وہ پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۔ بلند وبالا جنت میں۔ جس کے خوشے (پھلوں کی کثرت کے باعث) جھکے ہوئے ہوں گے۔

انتقال کی تیسری شب منصور بن عمار نے اس نوجوان کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک مرصع تخت پر بیٹھا ہے اور سر پر تاج چمک رہا ہے۔ انھوں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟۔ جواب دیا: کریم رب نے مجھے بخش دیا اور اہل بدر کا ثواب عطا کیا بلکہ اور زیادہ؛ اس لیے کہ حضرات اہل بدر تو شمشیر کفار سے شہید ہوئے تھے اور میں کلام ربانی سے شہید ہوا۔(۱)

خشیت الٰہی کا جداگانہ رنگ

حضرت منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی سال حج کرنے کے بعد جب میں کوفہ لوٹا تو بالکل اندھیری رات میں ایک گلی سے گزرنے کا اِتفاق ہوا، ساری دنیا سو رہی ہے؛ مگر ایک نوجوان رات کی تنہائیوں میں چیخیں لگا لگا کر فریاد کر رہا ہے :

(۱) روض الریاحین: بحوالہ بزم اولیاء:۳۰۹ تا ۳۱۱۔

مولا! مجھے تیرے عزت وجلال کی قسم! میری نافرمانیوں کا مطلب تیری مخالفت کرنا نہیں تھا۔ جب جب میں نے گناہ کیے میں تیری سزا سے ناواقف نہ تھا؛ لیکن شومئی قسمت کہ جب بھی کوئی گناہ کرنے کا وقت آیا میری بدبختی مجھ پر غالب آئی اور میں اس کا ارتکاب کر بیٹھا، اور تونے چوں کہ پردہ ڈال رکھا ہے اس لیے اور بھی اس کی ہمت بندھ گئی۔ گناہ کر کر کے میں بیزار ہو چکا ہوں، تو اب کس کی پناہ لوں، اور اب تیرے عذاب سے مجھے کون چھٹکارا دلائے گا۔ اور محبت وتعلق کی جس ڈوری میں تونے مجھے باندھ رکھا ہے، اگر وہ بھی تونے کاٹ دی تو پھر میرا کیا بنے گا؟ ہائے میری جوانی! ہائے میری جوانی!!۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی جارہی ہے گناہوں کا سلسلہ بھی بڑھتا جارہا ہے۔ ہائے بربادی! کب تک توبہ کر کر کے اسے توڑتا رہوں گا، اور اپنے رب سے بےشرمی کا مظاہرہ کروں گا۔

حضرت منصور بن عمار فرماتے ہیں کہ جب وہ اپنی فریاد کر کے کچھ خاموش ہوا تو میں نے اس کے دروازے پر اپنا منہ رکھ اس آیت پاک کی تلاوت کر دی :

قُوآ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ○ (تحریم:۶۶/۶)

اپنی جان اور اپنے اہل خانہ کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

اس کے بعد میں نے ایک زور کی کپکپاہٹ اور تھرتھراہٹ سنی، اور پھر دیر تک کوئی آواز نہیں آئی۔ چنانچہ میں وہاں سے چلا گیا۔ کل ہو کر جب اپنے معمول کے راستے سے لوٹ رہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جنازہ نکلا ہوا ہے اور ساتھ میں ایک ناتواں بوڑھی عورت موجود ہے۔ میں نے اس سے میت کے بارے میں کچھ جاننا چاہا، تو وہ کہنے لگی: میرا غم تازہ نہ کرو۔ میں نے کہا: میں ایک اجنبی آدمی ہوں، مجھے اس کی بابت کچھ بھی پتا نہیں ہے۔

اس نے کہا: قسم بخدا! اگر تم اجنبی نہ ہوتے تو میں تمہیں کبھی نہ بتاتی۔ یہ میرا لڑکا ہے، میرا لخت جگر؛ جس پر مجھے بڑا گھمنڈ تھا کہ میرے انتقال کے بعد یہ میرے لیے دعاے خیر کرے گا (مگر یہ مجھ سے پہلے ہی چل بسا) میرا یہ بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں میں سے تھا۔ جب رات آتی، اپنے محراب میں کھڑا ہو جاتا اور اپنے گناہوں کا سوچ سوچ کر آہیں بھرتا رہتا.... پھر کیا ہوا کہ گزشتہ رات کوئی راہ چلتا میرے بیٹے کے پاس سے گزرا۔ اللہ اس کا بیڑا غرق

کرے- اور وہ اپنے محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، تو اس شخص نے قرآن کریم کی کوئی آیت تلاوت کی جس سے اس کے جوڑ جوڑ ہل گئے، اور بالآخر وہ تاب نہ لا کر وہیں گر پر مر گیا۔

یہ سن کر حضرت منصور وہاں سے چلے گئے اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ایسے ہوتے ہیں ڈرنے والے!''۔(۱)

اور شہزادے کا دل پسیج گیا

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک روز حضرت سیدنا منصور بن عمار علیہ الرحمۃ بصرہ کی گلیوں میں سے گزر رہے تھے۔ آپ نے ایک جگہ ایک محل نما عمارت دیکھی جس کی دیواریں نقش ونگار سے مزین تھیں، اور اس کے اندر خدام وحشم کا ایک ہجوم تھا جو اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر مختلف کاموں کو سرانجام دینے میں مصروف تھے، اس میں بے شمار خیمے لگے ہوئے تھے اور محل کے دروازے پر دربان بالکل اسی طرح سے بیٹھے تھے جس طرح بادشاہ کے محل کے باہر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس محل نما عمارت کے مقفّل دیوان خانے میں سونے چاندی کا جڑا ہوا تخت رکھا ہوا تھا جس پر ایک انتہائی خوبصورت نوجوان پورے وقار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور خدام اس کے گرد ہاتھ باندھے اس کے اِشارے کے منتظر تھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس محل نما خوبصورت عمارت میں داخل ہونا چاہا تو دربانوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور اندر داخل ہونے سے منع کر دیا۔ میں نے سوچا کہ اس وقت یہ نوجوان دنیا کا بادشاہ بنا بیٹھا ہے؛ لیکن اسے بھی موت تو آنی ہے، جب موت آئے گی تو اس کی بناوٹی بادشاہی کا خاتمہ ہو جائے گا، جو کچھ اس کے پاس کل تک تھا وہ اگلے دن تک نہیں رہے گا؛ لہٰذا مجھے ڈرنا نہیں چاہیے اور اس کے پاس جا کر حق بات کی نصیحت کرنی چاہیے، شاید اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

چنانچہ میں موقع کی تلاش میں رہا جونہی دربان ذرا مشغول ہوئے، میں آنکھ بچا کر اندر داخل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نوجوان نے کسی عورت کو آواز دی، اتنے میں ایک حسین

(۱) حلیۃ الاولیاء:۴/۳۳۹......التوابین:۱/۲۸۹......مختصر تاریخ دمشق:۷/۴۱۳......تاریخ الاسلام ذہبی:۳/۴۹۶......عیون الحکایات ابن الجوزی۔

اندام کنیز حاضر ہوگئی، اسے دیکھ کر مجھے ایسا لگا جیسے دن چڑھ آیا ہو۔اس کے ساتھ اور بھی بہت سی کنیزیں تھیں جن کے ہاتھوں میں خوشبودار مشروب سے بھرے ہوئے برتن تھے۔اس مشروب کے ساتھ اس نوجوان کے دوستوں کی خدمت کی گئی۔مشروب سے لطف اندوز ہونے کے بعد اس کے تمام اَحباب یکے بعد دیگرے اس کو سلام کرکے رخصت ہونے لگے۔

جب وہ دروازے تک پہنچے تو انھوں نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا۔میں نے ان سے خوف زدہ ہونے کی بجائے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟۔انھوں نے بتایا: یہ بادشاہِ وقت کا بیٹا ہے۔میں یہ سن کر تیزی سے اس نوجوان کی طرف بڑھا اور اس کے سامنے جا کر رُک گیا۔جب شہزادے نے مجھ جیسے فقیر کو بالکل اپنے سامنے کھڑا پایا تو سخت غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: ارے پاگل! تو کون ہے؟۔ تجھے کس نے اندر داخل ہونے دیا، اور میری اِجازت کے بغیر یہاں کیسے آ گیا۔

میں نے کہا: شہزادہ سلامت! ذرا ٹھہر جائیے اور میری لاعلمی کو اپنے علم،اور میری خطا کو اپنے کرم سے درگزر کر دیجیے۔میں دراصل ایک طبیب ہوں۔میرے اتنا کہنے سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور کہنے لگا: ٹھیک ہے،تو ذرا ہمیں بھی بتاؤ کہ تم کیسے طبیب ہو؟۔میں نے کہا: میں گناہوں کے درد،اور نافرمانیوں کے زخموں کا علاج کرتا ہوں۔اس نے کہا: اپنا علاج بیان کرو۔میں نے کہا: اے شہزادے! تو اپنے گھر میں آرام سے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا لہوولعب میں مصروف ہے جب کہ تیرے کارندے باہر لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔

کیا تجھے اللہ سے خوف نہیں آتا،اس کے دردناک عذاب کا سوچ کر تیرا دل نہیں دہلتا، تجھے اُس دن کا کوئی لحاظ نہیں جس دن تمام بادشاہوں اور حکمرانوں کو ان کی بادشاہیوں اور حکمرانیوں سے معزول کر دیا جائے گا اور تمام سرکش ظالموں کے ہاتھ باندھ دیے جائیں گے۔ یاد کر اس اندھیری رات کو جو یومِ قیامت کے بعد آنے والی ہے،اور جہنم کی وہ آگ جو غصے کی وجہ سے پھٹنے والی ہے،اور غیظ وغضب سے چنگھاڑ رہی ہے۔اس کے خوف سے ہر کوئی حواس باختہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ایک عقل مند آدمی کو دنیا کی فانی نعمتوں، چھن جانے والی حکومتوں اور حسیناؤں کے ان خوبصورت تھرکتے ہوئے جسموں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے جنھیں مرنے کے بعد صرف تین دن میں خون پیپ اور بدبودار لوتھڑوں میں تبدیل ہوجانا ہے۔ بلکہ دانا شخص تو وہ ہے جو جنت کی سدا بہار نعمتوں اور حسن و جمال میں ڈوبی ہوئی وہاں کی عورتوں (حوروں) کا طالب ہوتا ہے، جن کا خمیر کستوری، عنبر، اور کافور سے اُٹھایا گیا ہے، اور جو ایسی حسین و جمیل ہیں کہ آج تک کسی آنکھ نے ویسا حسن نہ دیکھا ہوگا اور نہ سنا ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں کے متعلق فرمایا ہے:

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ، فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ، كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ٥ (سورۂ رحمٰن:۵۶تا۵۸)

اور ان میں نیچی نگاہ رکھنے والی (حوریں) ہوں گی جنہیں پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ گویا وہ (حوریں) یاقوت اور مرجان ہیں۔

اس لیے خردمند وہی ہے جو جنت کی کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں کی تمنا رکھے اور عذابِ جہنم سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے۔

میری یہ باتیں سن کر شہزادے نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگا: اے طبیب! تو نے تو الٹی چھری سے مجھے ذبح کر دیا۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا ہمارا رب اپنے نافرمان بھگوڑے بندوں کو قبول کر لیتا ہے اور کیا وہ مجھ جیسے گنہ گار اور پاپی شخص کی توبہ قبول فرمائے گا۔ میں نے کہا: کیوں نہیں! وہ بڑا غفورٌ رحیم اور کریم ہے۔

میرا یہ کہنا تھا کہ اس نے اپنی قیمتی عبا چاک کر ڈالی اور محل کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ چند سالوں بعد جب میری قسمت نے یاوری کی اور میں حج کے لیے مکہ معظّمہ گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک نوجوان دیوانہ وار طوافِ کعبہ میں مصروف ہے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میری طرف لپکا، نیازمندانہ سلام پیش کیا اور کہنے لگا: کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہی بادشاہِ وقت کا بیٹا ہوں جس کا دل آپ کی باتیں سن کر پسیج گیا تھا اور اسے توبہ کی توفیق نصیب ہوگئی تھی۔(۱)

(۱) حکایات الصالحین:۲۷۔

تائبین کے لیے بخشش کی نوید

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ماہِ رمضان کے آخری جمعہ حضرتِ منصور بن عمار واعِظ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی محفل میں حاضر ہوا۔ آپ نے روزوں کی فضیلت، راتوں کی عبادت اور مخلِصین کے لیے جو اَجر تیار کیا گیا ہے اس کے متعلق بیان فرمایا تو ایسے لگ رہا تھا گویا آپ کے بیان کے اَثر سے ٹھوس پتھروں سے آگ ظاہر ہو رہی ہے۔

لیکن آپ کی محفل میں نہ کسی نے حرکت کی، نہ ہی کسی نے اپنے گناہوں کی شکایت کی۔ جب آپ نے محفل کی خاموشی کو ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا: اے لوگو! کیا اپنے عیوب سے آگاہ ہو کر کوئی بھی رونے والا نہیں؟۔ کیا یہ مہینہ توبہ و بخشش کا نہیں؟۔ کیا یہ مہینہ عفوو رضا کا سرچشمہ نہیں؟۔ کیا اس میں جنت کے دروازے نہیں کھولے جاتے؟۔ کیا اس میں جہنم کے دروازے بند نہیں کیے جاتے؟۔ کیا اس میں شیاطین کو جکڑا نہیں جاتا؟۔ کیا اس میں انعام واکرام کی بارش نہیں ہوتی؟۔ کیا اس میں اللہ عزوجل تجلی نہیں فرماتا؟ کیا اس میں ہر رات افطاری کے وقت دس لاکھ جہنمی جہنم سے آزاد نہیں کیے جاتے؟۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اس ثواب سے محروم ہوتے ہو؟ ۔اور مخالفت کے لبادے میں تکبر کرتے ہو۔ ارشادِ ربانی ہے :

اَفَسِحْرٌ هٰذَا اَمْ اَنْتُمْ لاَ تُبْصِرُوْنَ ٥ (سورۂ طور:۱۵/۵۲)

تو کیا یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھتا نہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: سب اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توبہ کرو، تو سب اہلِ مجلس بلند آواز سے گریہ وزاری کرنے لگے اور ایک نوجوان اپنے گناہوں کی وجہ سے روتا ہوا غم کی حالت میں کھڑا ہو گیا اور عرض کی: یاسیدی! بتائیے کہ کیا میرے روزے مقبول ہیں؟، کیا میرا راتوں کا قیام دوسرے قیام کرنے والوں کے ساتھ لکھا جائے گا؟ حالانکہ مجھ سے بہت گناہ سرزد ہوئے، میں نے اپنی عمر نافرمانیوں میں برباد کردی، عذاب کے دن سے غافل رہا۔

تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کرو؛ کیونکہ اس نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا ہے :

وَ اِنِّی لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ o (سورۂ طٰہٰ:۸۲/۲۰)

اور بیشک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی۔

اس کے بعد آپ نے قرآن پڑھنے والے کو یہ آیت مبارکہ پڑھنے کا حکم فرمایا :

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُو عَنِ السَّیِّئَاتِ o (سورۂ شوریٰ:۲۵/۴۲)

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔

یہ آیت جیسے ہی اس کے کان میں پڑی، اس نوجوان نے ایک زوردار چیخ ماری اور کہا: میری خوش نصیبی ہے کہ اس کا احسان مجھ تک پہنچتا رہا؛ لیکن اس کے باوجود میں نافرمانیوں میں اضافہ کرتا رہا اور گمراہی کے راستے سے نہ لوٹا۔ کیا گزرے ہوئے وقت کی جگہ کوئی اور وقت ہو گا کہ جس میں اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا۔ پھر اس نے دوبارہ چیخ ماری اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔(۱)

چمکتے ہوئے چراغ

حضرت بشر بن حارث علیہ الرحمہ (م ۲۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ملک شام روانہ ہوا۔ راستے میں میری ملاقات ایک عجیب وغریب قسم کے جوان شخص سے ہوئی، اس کے جسم پر ایک پھٹا پرانا کرتہ تھا، جس میں جگہ جگہ گرہیں لگی ہوئی تھیں، وہ بڑا حیران وپریشان ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا؛ گویا وہ کسی خوفناک چیز سے وحشت زدہ ہے۔

---

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق مترجم:۹۶، ۹۷۔

میں نے اس کے قریب جا کر کہا: اے بھائی! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے، تو کہاں سے آیا ہے؟۔ کہنے لگا: اسی کے پاس سے آیا ہوں۔ میں نے پوچھا: کہاں کا اِرادہ ہے؟ بولا: اسی کی طرف۔ میں نے کہا: اللہ تجھے خوش رکھے، یہ بتا کہ نجات کس چیز میں ہے؟۔ کہنے لگا: تقویٰ و پرہیزگاری اور اس ذات کے بارے میں غور وفکر کرنے میں جس کے تم طالب ہو۔

میں نے کہا: مجھے کچھ نصیحت کرو۔ تو اس نے کہا: میں آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ آپ نصیحت قبول کریں گے۔ میں نے کہا: ان شاء اللہ میں نصیحت قبول کروں گا۔ یہ سن کر اس نے کہا: لوگوں سے ہمیشہ دور بھاگیں، کبھی ان کی قربت اختیار نہ کریں، دنیا سے ہمیشہ بے رغبت رہیں؛ ورنہ یہ آپ کو ہلاکتوں کے منہ میں ڈال دے گی۔ جس نے دنیا کی حقیقت کو جان لیا وہ کبھی بھی اس کی طرف مطمئن نہیں ہوگا۔ جس نے اس کی تکالیف دیکھ لیں اس نے ان تکلیفوں کی دوائیں بھی تیار کرلیں۔ اور جس نے آخرت کو جان لیا وہ اس کے حصول میں مگن ہوگیا۔ جو شخص بھی آخرت کی نعمتوں میں غور وفکر کرتا ہے وہ ضرور ان کو طلب کرتا ہے، اور مشکل ترین نیک اعمال اس کے لیے آسان ہوجاتے ہیں۔ جب ان اُخروی نعمتوں کی طرف ہر سمجھ دار کا دل مائل ہوتا ہے تو جس پروردگار نے یہ نعمتیں بنائیں اور انھیں پاکیزہ و مسرت بخش بنایا وہ ذات اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی طرف رغبت کی جائے، اور اسی کی رضا کے لیے اعمالِ صالحہ کیے جائیں۔

لہٰذا عقل مند لوگ مخلوق کی بجائے خالق کی طرف دل لگائے ہوئے ہیں، اسی کی محبت کے اَسیر ہیں۔ وہ پروردگار انھیں اپنی محبت کے جام پلاتا ہے، اور یہ لوگ اپنی زندگی میں ہر وقت اس کی محبت کے پیاسے ہوتے ہیں۔ انھیں سیرابی ہوتی ہی نہیں، وہ ہر وقت اپنے خالق حقیقی کے عشق میں سرمست رہتے ہیں۔

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوکر پوچھنے لگا: کیا آپ ان باتوں کو سمجھ چکے ہیں جو میں نے بیان کیں؟۔ میں نے کہا: اللہ تم پر رحم فرمائے، جو کچھ تمہاری زبان سے نکلا وہ تاثیر کا تیر بن کر میرے دل میں پیوست ہوچکا ہے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو یہ باتیں سمجھا دیں۔ یہ کہتے وقت اس کے چہرے پر ایک خوشی کی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ پھر مجھ سے کہا: آپ کے لیے وہ لوگ مشعل راہ ہیں جو اس کی محبت کے پیاسے ہیں اور وہ جامِ عشق سے سیر نہیں

ہوتے۔ان کے دلوں میں حکمت کے چشمے موجزن ہیں۔

یہ لوگ بہت عقل مند و تیزفہم ہیں، ان کی خواہشات انھیں گمراہ نہیں کرسکتیں، اور نہ ہی کوئی انھیں اللہ کی محبت سے غافل کرسکتا ہے۔ اپنی مضبوطی اور دلیری میں یہ شیر کی طرح ہیں، اپنے توکل میں غنی ہیں، مصیبتوں میں ثابت قدم رہنے والے ہیں، مخلوق میں سب سے زیادہ نرم دل اور انیس ہیں، شرم وحیا کے معاملے میں بہت شدید ہیں، اور اپنے مقاصد میں بہت شریف۔ نہ غرور وتکبر کرتے ہیں، نہ ہی جھوٹی عاجزی دکھاتے ہیں۔ سمجھ لیں کہ یہ لوگ اللہ کے مخلص بندے اور مخلوق کے لیے چمکتے ہوئے چراغ ہیں۔

پھر اس نے مجھ سے کہا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں ان چند کلمات کا اچھا صلہ عطا فرمائے۔ اس کے بعد اس نے سلام کیا اور جانے لگا۔ میں نے کہا: میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں؛ مگر اس نے ایک نہ سنی اور یہ کہتا ہوا چلتا بنا: میں آپ کو یاد رکھوں گا آپ مجھے یاد رکھیے گا۔ پھر وہ چلا گیا اور میں وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہ گیا۔

حضرت بشر حافی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جب حضرت عیسیٰ بن یونس سے میری ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے اس جوان کا واقعہ سنایا تو وہ کہنے لگے کہ اس نے تجھ سے محبت کا اِظہار کیا۔ وہ بڑا امرِد صالح ہے، اور اس کا شمار اکابر اولیاے کرام میں ہوتا ہے۔ اس نے ایک پہاڑ پر رہائش اختیار کر رکھی ہے، صرف نمازِ جمعہ کے لیے شہر میں آتا ہے اور اس دن سوکھی لکڑیاں بیچتا ہے، ان سے جو رقم ملتی ہے وہ اسے پورے ہفتے کفایت کرتی ہے۔ مجھے تو تعجب ہے کہ اس نے تجھ سے بات چیت کی اور تو نے اس سے سنی ہوئی نصیحتوں کو یاد کرلیا۔(۱)

عشق الٰہی میں سرمست نوجوان

حضرت بشر حافی بن حارث رضی اللہ عنہ (م۲۲۷ھ) فرماتے ہیں: میں نے ایک جوانِ رعنا کو دیکھا جو والہ وشیدا ہوکر یہ اشعار گنگنائے جا رہا تھا:

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۹۹ تا ۱۰۰۔

كـم زللت فـلـم أذكرك فـي ذلل
و أنت يا واحد في الغيب تذكرني
كم أهتك السر جهراً عند معصيتي
و أنت تلطف بي حبا و تسترني
و لا بكـيت بدمع العين من أسف
و لا بكيت بكاء الـواله الـحزن

یعنی میں نے کتنی لغزشیں کیں مگر کسی بھی لغزش کے وقت تجھے یاد کرنے کی توفیق نہ ہوئی؛ مگر اے میرے واحد وصمد پروردگار! تو پردۂ غیب میں رہ کر بھی ہمیں یاد کرتا رہتا ہے۔

ارتکابِ معصیت کے وقت میں نے کتنے سربستہ رازوں کو فاش کر دیا مگر مجھ پر تیری لطف وعنایت کا عالم یہ ہے کہ تو رازوں کو چھپالیتا ہے۔

کبھی کف افسوس ملتے ہوئے آنکھوں سے میں نے اشک گرانے کی بھی زحمت نہ کی اور نہ ہی کبھی غم واَلم میں بے قابو ہو کر رونے والوں کی طرح رونا ہی نصیب ہوا۔(۱)

اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے

منقول ہے کہ ایک نوجوان شخص ایک عورت کو زبردستی پکڑے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھ میں چھری تھی۔ عورت مارے دہشت کے چلا رہی تھی؛ لیکن کسی کی ہمت نہ تھی کہ اس بدمعاش نوجوان کے پاس جا کر اسے اس کی حرکت سے باز رکھے۔

اتنے میں مشہور صوفی بزرگ حضرت بشر حافی کا اچانک وہاں سے گزر ہوا۔ آپ اس کے قریب گئے اور اس کے شانہ سے شانہ ملا کر کھڑے ہو گئے اور اس کے کان میں کچھ کہا، وہ شخص فوراً بے ہوش ہو کر وہیں گر پڑا اور اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا، اس طرح وہ عورت اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ جب کچھ دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا کہ تجھ کیا گزری؟۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۹/۱۔

اس نے کہا: بس میں اتنا جانتا ہوں کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اپنا بدن میرے بدن سے ملا کر میرے کان میں آہستہ سے کہا: اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ تو کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ اس بات کی ہیبت سے میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ وہ وقت کے عظیم بزرگ حضرت بشر حافی تھے۔ اس نے کہا کہ میں شرمسار ہوں کہ اب میں ان کا دیدار بھی نہیں کر سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نوجوان شخص کو بخار چڑھنا شروع ہوا، اور پھر ایک ہفتہ کے اندر اندر وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔(۱)

چوں کہ ہمارے بزرگانِ دین کی زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہا کرتی تھی اور وہ ہماری طرح ہر وقت فضول 'بک بک' نہیں کرتے تھے؛ لہٰذا ان کی زبانِ حق ترجمان کی تاثیر کا تیر بڑے بڑے مجرموں اور بگڑے ہوئے لوگوں کے جگر کو چیر دیتا ہے اور ان کے نفوسِ قدسیہ کی نظر فیض اثر سے بڑے بڑے گنہ گاروں کی تقدیر بدل جایا کرتی ہے۔ یہ بالکل سچ ہے ۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

تجھ پر جہدِ مسلسل لازم ہے

حضرت بشر بن حارث حافی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں نے ملک شام کی پہاڑیوں میں 'اَقرع' نامی ایک پہاڑ پر ایک نوجوان کو دیکھا جس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو چکا تھا۔ اس نے اُون کا لباس پہن رکھا تھا؛ اگر چہ اس کا جسم انتہائی کمزور تھا تاہم چہرہ' عبادت کے نور سے جگمگا رہا تھا، دل خود بخود اس کی تعظیم کی طرف مائل ہو رہا تھا۔

میں نے قریب جا کر سلام کیا، اس نے جواب دیا: میں نے دل میں کہا: میں اس نوجوان سے کہوں گا کہ مجھے وعظ و نصیحت کرے۔ میں اپنی اس خواہش کا اِظہار کرنے ہی والا تھا کہ اس نوجوان نے میری دلی کیفیت جانتے ہوئے کہا: اے نصیحت کے طالب! اپنے نفس کو خود ہی

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۲۳۵...... کیمیائے سعادت: ۳۹۱ مترجم: علامہ محمد شریف نقش بندی۔

نصیحت کر، اپنا نفس قابو میں رکھ، غیروں کو نصیحت کرنے کی بجائے اپنی اِصلاح میں لگ جا۔ اللہ کا ذکر تنہائیوں میں کر وہ تجھے برائیوں سے محفوظ رکھے گا، اور تجھ پر جہدِ مسلسل لازم ہے۔

پھر روتے ہوئے کہنے لگا: دل فانی ہو جانے والی گھٹیا چیزوں میں مشغول ہو گئے۔ جسموں کو لمبی لمبی اُمیدوں اور سہل پسندی نے بڑھا کر موٹا کر دیا۔ پھر نوجوان نے مجھے میرا نام لے کر مخاطب کیا حالاں کہ آج سے قبل نہ تو اس نے مجھے دیکھا تھا اور نہ ہی وہ مجھے جانتا تھا، اس نے مجھ سے کہا: اے بشر! بیشک اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جن کے دل غموں سے چور چور ہیں، غم نے ان کی راتوں کو بے چین اور دنوں کو پیاسا رکھا، ان کی آنکھیں یادِ الٰہی میں ہر وقت آنسو بہاتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صفات بیان کرتے ہوئے اپنی لاریب کتاب میں یوں ارشاد فرماتا ہے:

كَانُوا قَلِيْلاً مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ، وَ بِالاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ o

(سورۂ ذاریات: ۵۱/ ۱۷، ۱۸)

وہ راتوں کو تھوڑی سی دیر سویا کرتے تھے، اور رات کے پچھلے پہروں میں (اُٹھ اُٹھ کر اپنے رب سے) مغفرت طلب کرتے تھے۔

اِس آیت کریمہ کا اس کی زبان سے نکلنا تھا کہ وہ نوجوان تڑپ اُٹھا، زار و قطار رونے لگا اور اس کی گھگیاں بندھ گئیں۔(۱)

متبرک تربوز

حضرت ابو علی روذباری علیہ الرحمہ کی بہن فاطمہ بنت احمد کا بیان ہے کہ بغداد میں دس نوجوان ایک ساتھ رہتے تھے۔ ان کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا تھا، دن رات دنیوی مشاغل میں مصروف رہتے۔ ایک دن انھوں نے اپنے ایک دوست کو کسی کام سے بازار بھیجا۔ اس نے آنے میں کافی دیر کر دی، سب اس پر بہت ناراض ہو رہے تھے۔ پھر وہ ہاتھوں میں ایک

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/ ۲۳۵، ۲۳۶۔

تربوز لیے ہنستا ہوا اپنے دوستوں سے پاس آیا۔اس کی یہ حالت دیکھ کر دوستوں نے کہا: ایک تو تم آئے بہت دیر سے ہو اور ہنس بھی رہے ہو؟۔

نوجوان نے کہا: میں آپ کے پاس ایک بہت ہی عجیب چیز لے کر آیا ہوں۔ یہ دیکھو! اس تربوز پر زمانے کے مشہور ولی حضرت بشر بن حارث حافی علیہ الرحمہ نے اپنا مبارک ہاتھ رکھا تھا، میں نے اسے بیس دینار میں خرید لیا۔ یہ سن کر سب باری باری تربوز کو بڑی عقیدت ومحبت سے چوم کر اپنی آنکھوں پر ملنے لگے۔ پھر ان میں سے کسی نے کہا: کیا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ حضرت بشر حافی کو اس عظیم مقام ومرتبے تک کس چیز نے پہنچایا؟۔ سب نے کہا: تقویٰ وپرہیز گاری نے۔

یہ سن کر اس نوجوان نے بآوازِ بلند اپنے دوستوں سے کہا: تم سب گواہ رہنا کہ میں اپنے تمام گناہوں سے تائب ہوکر اللہ کی طرف رجوع کر رہا ہوں۔ یہ سن کر بقیہ دوستوں نے بھی بیک زبان کہا: ہم سب بھی اپنے گناہوں سے تائب ہوکر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ پھر دس کے دس نوجوان شب وروز عبادتِ الٰہی میں مشغول رہنے لگے۔ ایک قول کے مطابق انھوں نے 'طرطوس' کی طرف جہاد میں شرکت کی اور لڑتے لڑتے راہِ خدا میں جان دے دی۔(۱)

نشہ، ہر برائی کی جڑ ہے

محمد بن زکریا فلابی اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات مغرب کی نماز کے بعد عبداللہ بن محمد بن عائشہ (م ۲۲۸ھ) مسجد سے نکل کر اپنے گھر جا رہے تھے۔ راستہ میں انھوں نے دیکھا کہ قبیلہ قریش کا ایک نوجوان نشہ کی حالت میں سرِ راہ پڑا ہے اور ایک عورت کو پکڑے ہوئے ہے، وہ عورت چیخ کر لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلا رہی ہے۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۲۴۸، ۲۴۹۔

ابن عائشہ اس نوجوان سے واقف تھے، انھوں نے لوگوں سے کہا کہ تم میرے بھتیجے کو چھوڑ دو، لوگ الگ ہٹ گئے ۔ آپ نے نوجوان کو اپنے پاس بلایا، وہ شرماتا ہوا آیا۔ ابن عائشہ نے اسے محبت اور شفقت سے گلے لگایا اور اپنے گھر لے گئے اور خادم سے کہا کہ اسے اپنے پاس سلالو جب اس کا نشہ اُتر جائے تو اسے بتلا دینا کہ وہ کیا حرکات کر رہا تھا۔ اگر وہ جانا چاہے تو جانے مت دینا بلکہ پہلے اسے میرے پاس لے کر آنا؛ جب اس کی حالت درست ہوئی اور نشہ اُترا تو خادم نے اسے رات کے واقعے سے مطلع کیا۔

نوجوان یہ سن کر سخت شرمندہ ہوا اور رونے لگا۔ جب اس نے واپسی کا اِرادہ ظاہر کیا تو خادم نے اپنے آقا کے حکم سے آگاہ کیا۔ وہ نوجوان ابن عائشہ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس سے کہا کہ تجھے شرم نہ آئی تو نے اپنے آباؤ اجداد کی شرافت سر بازار نیلام کردی اور ان کے لیے ذلت ورسوائی کا سامان کر دیا۔ تجھے نہیں معلوم کہ تو کس کا بیٹا ہے۔ اللہ سے ڈر اور اپنی حرکتوں سے باز آ۔

نوجوان گردن نیچی کیے آنسو بہاتا رہا، جب ابن عائشہ خاموش ہوئے تو اس نے کہا کہ آج سے میں عہد کرتا ہوں کہ اب کبھی شراب نہیں پیوں گا اور نہ عورتوں کے ساتھ دست درازی کروں گا۔ میں اپنے گناہوں پر نادم ہوں اور بارگاہِ ایزدی میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ بھی میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ آپ نے اسے اپنے قریب بلایا اور اس کے سر پر بوسہ دیا اور فرمایا: بہت خوب بیٹے! تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔

وہ نوجوان ان کے نرم لہجے اور لطف ومہربانی سے بھرپور نصیحتوں سے اس قدر متاثر ہوا کہ ان کی خدمت میں رہنے لگا اور ان سے احادیث سیکھنے لگا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں لیکن ان کا معروف' منکر ہو جاتا ہے۔ اس لیے اپنے تمام معاملات میں نرمی وتواضع اختیار کرو؛ کیوں کہ نرمی کے ذریعہ تم اپنا مقصد زیادہ بہتر طریقے پر پورا کر سکتے ہو۔(۱)

(۱) احیاءعلوم الدین:۲/۲۳۵۔

اپنا کفن واپس لے لو!

حضرت ابوعبداللہ براثی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت خلف بن ہشام بزار رحمۃ اللہ علیہ (م۲۲۹ھ) نے بتایا کہ میری کفالت میں ایک کوڑھ زدہ نوجوان دیا گیا جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے تھے اور آنکھوں سے بھی اندھا تھا۔ میں نے اسے کوڑھ زدہ لوگوں کے ساتھ کر دیا۔ اسی طرح کافی دن گزر گئے کہ میں اس سے بالکل غافل رہا۔ پھر مجھے اس کا خیال آیا، تو میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! تمہارا کیا حال ہے؟۔ میں تمہاری طرف سے کافی غفلت میں رہا، اور تم سے تمہارا حال دریافت نہ کر سکا۔

وہ کہنے لگا: میرا ایک دوست ہے جس کی محبت نے میری تمام تکلیفوں کا اِحاطہ کر رکھا ہے۔ اس کی محبت کی وجہ سے مجھے اپنا درد وغم محسوس نہیں ہوتا۔ میرا وہ دوست مجھ سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ میں نے کہا: (مجھے معاف کرنا) میں تمہیں یکسر بھول گیا تھا۔

وہ کہنے لگا: مجھے آپ کے بھولنے کی کوئی پرواہ نہیں، مجھے یاد کرنے والا موجود ہے، جو مجھے ایک ذرا نہیں بھولتا۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کو یاد نہ رکھے۔ میرا دوست ہر وقت میرا خیال رکھتا ہے۔

میں نے اس سے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمہاری شادی کسی ایسی عورت سے کرادوں جو تمہاری اس گندگی کو دور کر دے اور تمہارے زخموں کی دیکھ بھال کرے۔ یہ سن کر وہ رونے لگا، پھر ایک آہِ سرد دلِ پُردرد سے کھینچی اور آسمان کی طرف نظر اُٹھاتے ہوئے کہنے لگا: اے میرے دل وجان سے پیارے دوست! اتنا کہہ کر اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ پھر جب اِفاقہ ہوا تو میں نے اس سے پوچھا: تم کیا کہتے ہو، تمہاری شادی کرادوں؟۔

کہنے لگا: تم میری شادی کیسے کراؤ گے؛ حالاں کہ میں تو دنیا کا بادشاہ اور سردار ہوں۔ میں نے کہا: اللہ کے بندے! تیرے پاس دنیا کی کون سی نعمت ہے؟ ہاتھ پاؤں تیرے نہیں، آنکھوں سے تو اندھا ہے اور تو اپنے منہ سے اس طرح کھاتا ہے جیسے جانور کھاتے ہیں، پھر بھلا تو دنیا کا سردار

کیسے ہوسکتا ہے؟۔وہ کہنے لگا: میں اپنے مولا سے راضی ہوں کہ اس نے میرے جسم کو آزمائش میں مبتلا کیا اور میری زبان کو اپنے ذکر سے تروتازہ رکھا۔ یہ میری سب سے بڑی خوش نصیبی ہے۔

پھر وہ شخص میرے پاس سے چلا گیا اور کچھ ہی عرصہ بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ میں اس کے لیے کفن لے کر آیا جو کچھ بڑا تھا، میں نے بڑا حصہ کاٹ لیا اور اس کو کفن پہنا کر نمازِ جنازہ پڑھی، پھر اسے دفنا دیا گیا۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا تو کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے خلف! تم نے ہمارے ولی اور دوست کے کفن میں کنجوسی کی، تو تمہارا یہ کفن تمہیں واپس دیا جاتا ہے، اور ہم نے اپنے اس ولی کو سندس وریشم کا قیمتی کفن پہنا دیا ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرا دیا ہوا کفن گھر میں پڑا ہوا تھا۔(۱)

جرأتِ مومنانہ

ابن مہاجر بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ منصور بن مہدی (م ۲۳۶ھ) حج کے اِرادے سے مکہ معظّمہ حاضر ہوا تو اس نے اپنا معمول بنایا کہ دار الندوہ سے رات کے آخری حصے میں نکلتا، طواف کرتا، اور نوافل پڑھتا۔ لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہونے دیتا کہ خلیفہ وقت طواف کررہا ہے، یا نماز میں مشغول ہے۔ طلوعِ فجر کے بعد وہ دار الندوہ میں واپس آتا۔ مؤذن آتے اسے سلام کرتے اور نماز کی اطلاع دیتے۔ نماز ہوتی اور پھر وہ لوگوں کی امامت کرتا۔

ایک رات طوافِ خانۂ کعبہ کے دوران ملتزم کے پاس گزر ہوا تو اس نے کسی جوان شخص کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! میں تیرے حضور یہ شکایت لے کر آیا ہوں کہ زمین پر ظلم وفساد کا دور دورہ ہے، اور حقدار کے حق کے درمیان طمع اور ظلم حائل ہوگیا ہے۔

منصور تیزی سے اس طرف گیا، اور کان لگا کر اس کی بات سنی، پھر واپس آگیا اور مسجد کے ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ ایک خادم کو بلا کر کہا کہ اس دعا مانگنے والے پر نگاہ رکھنا، جب دعا ختم کرلے اسے میرے پاس بلا کر لاؤ۔ خادم نے امیر المومنین کا حکم پہنچا دیا۔ اس نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور دو رکعت نماز اَدا کی اور قاصد کے ساتھ منصور کے پاس پہنچا اور اسے سلام کیا۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۹۸، ۹۹۔

منصور نے اس سے پوچھا کہ اے جوان! تم یہ کیا کہہ رہے تھے کہ زمین پر فساد پھیل گیا ہے اور مستحقین کے حقوق، طمع کے ذریعہ پامال ہورہے ہیں۔اس نے عرض کی: اگر امیر المومنین جاں بخشی کا وعدہ فرمائیں تو حقیقت حال بیان کروں۔منصور نے کہا: ہم وعدہ کرتے ہیں، تم صحیح بات پیش کرو، جب ہم نے تمہارے الفاظ سنے ہیں دل مضطرب اور طبیعت پریشان ہے، کسی پہلو چین نہیں آتا۔

جوان نے کہا: جس شخص کو طمع و لالچ کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے اور جس نے حق داروں کو ان کے حق سے محروم کردیا ہے وہ آپ ہی ہیں۔منصور نے کہا: کم بخت! میں کیوں طمع کرنے لگوں جب کہ سفید و سیاہ کا مالک میں ہوں اور ہر اچھی بری چیز میرے قبضے میں ہے!۔

اس نے کہا کہ جتنی طمع آپ کے اندر پیدا ہوگئی ہے کسی میں بھی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کا حکمران مقرر کیا ہے، اور ان کے مال آپ کے قبضے میں دیے ہیں؛ مگر آپ کا حال یہ ہے کہ آپ ان سے غافل ہیں اور اپنے مال کی افزائش میں مشغول ہیں۔آپ نے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان پتھر کی دیواریں، اور لوہے کے دروازے حائل کردیے ہیں، اور ان دروازوں پر مسلح دربانوں کا ہجوم ہے، اندر آپ قید ہیں۔لوگوں سے مال وصول پر آپ نے عمال متعین کر رکھے ہیں، وزرا اور مددگاروں کی ایک بڑی فوج آپ کے اِرد گرد موجود ہے؛ حالاں کہ یہ ایسے نہیں کہ اگر آپ کوئی بات بھول جائیں تو آپ کو یاد دلادیں، اور آپ کو یاد ہو تو عمل پر آپ کی مدد کریں۔آپ نے خزانوں کے منہ کھول کر، سواریاں مہیا کرکے اور جسموں پر ہتھیار سجا کر ظلم پر انھیں جری کردیا ہے، باہر لوگ دندناتے پھرتے ہیں، ان کے ظلم و ستم کی سنوائی ہے مگر مظلوموں کی کوئی دادرسی نہیں؛ کیوں کہ آپ نے لوگوں کی آمد و رفت پر پابندی لگا رکھی ہے، چند مخصوص اور متعین لوگوں کے علاوہ کوئی شخص آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔

آپ نے اپنے دربانوں سے یہ نہیں کہا کہ اگر کوئی مظلوم، پریشان حال، بھوکا ننگا، معذور و کمزور اور مسکین و عاجز قصر خلافت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو اسے اندر آنے دیا جائے۔آپ کے حاشیہ نشین، مصاحب اور وزرا و اَعوان نے جب یہ دیکھا کہ خود خلیفہ کسی حق کے بغیر بیت المال

کی اس رقم کو اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لیے صرف کر رہا ہے جو درحقیقت مسلمانوں کے لیے ہے تو انھوں نے بھی خیانت شروع کر دی۔ انھوں نے سوچا کہ جب خلیفۃ اللہ کی خیانت کر سکتا ہے تو ہم خلیفہ کی خیانت کیوں نہیں کر سکتے؟۔ اس لیے انھوں نے باہمی اتفاق سے یہ بات طے کر لی کہ عوام کی کوئی بات، اور ملک وملت کا کوئی مسئلہ آپ تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ صرف وہی باتیں آپ کے علم میں آئیں جنھیں وہ ضروری سمجھیں۔ اسی طرح اگر کوئی عامل آپ کی طرف سے کہیں جاتا ہے اور وہ ان کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اسے رہنے نہیں دیتے، اس کی طرح طرح سے تذلیل کرتے ہیں، اور آپ کی نظروں میں اس کی قدر ومنزلت گرا دیتے ہیں۔

آپ کے مقربین کا حال یہ ہے کہ لوگ ان سے ڈرتے ہیں، اور انھیں بڑا سمجھتے ہیں، خود آپ کے عمال اور کارکن ان کی عظمت کے معترف ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے اس عظمت کا اعتراف کرتے ہیں، اور جب وہ ان مقربین کی قربت حاصل کر لیتے ہیں تو عوام پر ظلم کرنے میں کوئی خوف یا جھجک ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ یہ لوگ مالداروں اور خوش حال لوگوں سے رشوتیں لیتے ہیں اور اس کے صلے میں انھیں کم حیثیت، غریب لوگوں پر ظلم کرنے کی آزادی دیتے ہیں۔

اتنا کہتے کہتے جوان جذبے میں آکر کہنے لگا: خدائے پاک کی یہ سرزمین شر وفساد، حرص وہوس اور ظلم وجبر سے لبریز ہوگئی ہے۔ یہ تمام لوگ آپ کے اقتدار میں شریک ہیں، اور آپ ان سے غافل ہیں۔ جب کوئی مظلوم کسی ظالم کی شکایت لے کر آپ کے پاس آتا ہے تو اسے آپ کے پاس جانے نہیں دیا جاتا۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ کسی ایسے موقع پر جب کہ اپنی خلوت سے باہر آئیں تو آگے بڑھ کر ذرا بلند آواز سے آپ کو اپنی مظلومیت کی داستان سنا دے تو اسے روک دیا جاتا ہے۔

آپ نے مظلوموں کی شکایات سننے کے لیے ایک ناظر مقرر کر رکھا ہے۔ جب کوئی مظلوم اس کے پاس اپنی شکایت لے کر پہنچتا ہے تو آپ کے حاشیہ بردار اسے اس شکایت کو آپ تک پہنچانے سے روک دیتے ہیں۔ ناظر بیچارہ ان کے احکامات پر عمل کرنے پر مجبور ہے خواہ اسے

آپ کے دربار میں عزت ومرتبہ ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ مظلوم کی شنوائی نہیں ہوتی، اس کی شکایات کا اِزالہ نہیں کیا جاتا، بلکہ اسے دھکے دے کر نکال دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی باہمت مظلوم آپ کی سواری نکلنے کے موقع پر بآواز بلند اپنی شکایت سنانا چاہتا ہے تو اسے ایسا زدوکوب کیا جاتا ہے کہ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ہل جاتا ہے۔ آپ اس دوران خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، نہ انھیں منع کرتے ہیں، نہ ظالمین کو سزا دیتے ہیں اور نہ ہی مظلوموں کی دادرسی کرتے ہیں۔

اب مجھے بتایئے! کیا یہی اسلام ہے؟ کیا اِس دور میں اسلام نام کی کوئی چیز باقی رہ گئی ہے؟ کیا ہمیں مسلمان کہلانے کا استحقاق ہے؟۔ پہلے بنواُمیہ کی حکومت تھی، جب کبھی کوئی مظلوم ان کے دربار میں پہنچا، اس کی فوری شنوائی ہوئی، اور حق وانصاف کے ساتھ اس کی شکایت دور کی گئی۔ بارہا ایسا ہوتا کہ ملک کے آخری کناروں سے لوگ آتے اور قصر سلطانی کی بلند وبالا دیوار اور پرشکوہ دروازوں سے مرعوب ہوئے بغیر اہل اسلام کو آواز دیتے تو لوگ ان کی طرف لپکتے اور ان سے پوچھتے کہو کیا بات ہے؟ تمہیں کیا شکایت ہے؟، پھر وہ اپنے ڈھائے جانے والے ظلم کی کہانی سناتے اور انصاف پاتے۔

امیر المومنین میں نے ایک مرتبہ چین کا سفر کیا، ان دنوں اس ملک پر جو شخص حکومت کر رہا تھا، وہ نہایت خدا ترس اور نیک انسان تھا۔ جب میں چین کی حدود میں داخل ہوا اور اس بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو یہ قصہ سب کی زبانوں پر تھا کہ ان کے بادشاہ کی سماعت میں خلل پیدا ہوگیا ہے اور اب وہ کوئی بات سن نہیں پاتا۔ قوت سماعت سے محرومی کے باعث بادشاہ حد درجہ ملول رہتا اور بعض اوقات رونے لگتا۔ جب وزرا رونے کی وجہ دریافت کرتے تو وہ کہتا کہ میں اس مصیبت کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں جو مجھ پر نازل ہوئی بلکہ اس مظلوم کا سوچ کر رو رہا ہوں جو انصاف کے لیے میرے دروازے پر آئے گا اور چیخ چیخ کر اپنی فریاد پیش کرے گا لیکن میں اس مظلوم کی آواز نہیں سن سکوں گا۔ پھر اس نے یہ کہا: اگرچہ میری سماعت باقی نہیں رہی لیکن بینائی تو باقی ہے تم لوگ پورے ملک میں اعلان کرادو کہ سرخ رنگ کا لباس صرف مظلوم پہنے، مظلوم کے علاوہ کوئی نہ پہنے؛ چنانچہ وہ صبح وشام گشت لگایا کرتا تھا تاکہ سرخ لباس پہنے ہوئے کوئی

مظلوم اسے نظر آجائے اور وہ اس کے ساتھ انصاف کر سکے۔

جوان نے کہا: امیر المومنین! غور فرمائیں۔ چین کا شہنشاہ اپنے کفر و شرک کے باوجود اپنی رعایا کے ساتھ رحم و کرم اور عدل و انصاف کا معاملہ کرتا ہے جب کہ آپ اللہ و رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور پھر آپ کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد سے ہونے کا شرف بھی حاصل ہے اس کے باوجود آپ مسلمانوں پر رحم نہیں کرتے اور اپنے نفس کو ملک پر ترجیح دیتے ہیں۔

آپ مال سمیٹنے میں منہمک ہیں حالاں کہ جن وجوہات کی بنا پر آپ مال جمع کر رہے ہیں وہ سب فانی ہیں۔ مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ میں اولاد کے لیے مال جمع کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بچے کے سلسلے میں عبرت کا مشاہدہ کرا دیا ہے۔ جب بھی کوئی بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے خالی ہاتھ آتا ہے، زمین پر اس کے لیے کوئی مال نہیں ہوتا، اور کوئی مال ایسا نہیں ہوتا جس پر کسی کا قبضہ نہ ہو؛ مگر اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کے شامل حال ہوتی ہے اور وہ مال سے محروم نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ اس کے مقدر میں ہوتا ہے حاصل کر لیتا ہے۔ یہ مال اسے آپ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

اگر آپ کہیں کہ میں اپنے اقتدار کے استحکام اور سلطنت کی پائداری کے لیے جمع کر رہا ہوں تو یہ مقصد بھی اہم نہیں ہے۔ آپ کے پیش رووں نے سونے چاندی کے انبار لگائے، اور بے حد و حساب مال جمع کیا؛ لیکن کیا ان کا اقتدار مستحکم ہوا؟ جب موت آئی تو جاہ و حشم، عزت و رتبہ اور مال و دولت کچھ کام نہ آیا۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کے بھائیوں کے پاس مال دینے کا اِرادہ کیا تو خوب دیا اور یہ اَمر رکاوٹ نہ بنا کہ اس سے پہلے آپ کے اور آپ کے بھائیوں کے پاس مال کم تھا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ میں موجودہ زندگی سے بہتر زندگی حاصل کرنے کے لیے مال جمع کرتا ہوں تو یہ بات یاد رکھیں کہ اس سے بہتر زندگی اعمالِ صالحہ ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔

امیر المومنین! مجھے بتلائیں کیا آپ اپنے کسی محکوم کو قتل سے بڑھ کر کوئی سزا دے سکتے ہیں؟

منصور نے جواب دیا: نہیں۔ اس نے کہا کہ پھر اس ملک کو لے کر کیا کریں گے جس کی حکومت آپ کو تفویض کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے نافرمانوں کو قتل کی سزا نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذابِ الیم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ذرا اُس دن کا تصور کیجیے جب بادشاہِ حقیقی یہ سلطنت چھین لے گا اور آپ کو حساب کے لیے بارگاہِ خداوندی میں پیش ہونا ہوگا۔ دنیاوی اقتدار و سلطنت کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ کام نہ آئے گی۔

منصور، جوان کی یہ باتیں سن کر زار و قطار رونے لگا اور اتنا رویا کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور کہنے لگا: اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ اے کاش! میں کچھ نہ ہوتا۔ پھر اس نے نصیحت کرنے والے جوان سے دریافت کیا کہ اب مجھے بتلاؤ کہ میں اپنی سلطنت میں کیا تدبیر کروں اور ان خیانت پیشہ لوگوں سے کس طرح نمٹوں جو میرے اِردگرد موجود ہیں، مجھے تو سب خائن ہی نظر آتے ہیں، ایسے لوگ کہاں سے لاؤں جو دیانت داری کے ساتھ میری اعانت کر سکیں؟۔

اس نے جواب دیا: آپ صالحین اُمت کو اپنے ساتھ رکھیں۔ منصور نے پوچھا: وہ کون لوگ ہیں؟۔ اس نے جواب دیا: یہ علما ہیں۔ منصور کہنے لگا: علما مجھ سے راہِ فرار اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا: علما آپ سے اس لیے دور رہتے ہیں کہ کہیں آپ ان کے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار نہ کریں جو عمال اور خدام کے ساتھ ہے۔

لہٰذا سب سے پہلے تو آپ کو اپنے دروازے ہر خاص و عام کے لیے وا کرنے چاہئیں، اور مسلح دربانوں کا ہجوم کم کرنا چاہیے۔ ظالم سے مظلوم کا انتقام لینا، ظالم کو ظلم سے روکنا، حلال ذرائع سے مال حاصل کرنا اور عدل کے ساتھ تقسیم کرنا آپ کا شیوہ ہونا چاہیے۔ اگر آپ نے ان تدابیر پر عمل کیا تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ جو لوگ آج گریزاں ہیں وہ کل آپ کے پاس آجائیں اور رعایا کی بہتری کے لیے آپ کی مدد کریں گے۔

منصور نے دعا کی: اے پروردگارِ عالم! مجھے ان تدابیر پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ حرم شریف کے موذنوں نے آکر نماز کی اطلاع دی۔ منصور نماز کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ نماز سے فراغت کے بعد منصور نے شاہی محافظ کو حکم دیا کہ اس جوان کو بلا کر لائے جو

ابھی مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اگر تو نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی تو میں تیری گردن قلم کر دوں گا۔

بے چارہ محافظ اُفتاں لرزاں اس نامعلوم شخص کی تلاش میں نکلا، طویل اور صبر آزما تلاش کے بعد محافظ نے دیکھا کہ وہ شخص ایک گھاٹی میں نماز ادا کر رہا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو محافظ نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں؟ جواب دیا: ہاں پہچانتا ہوں۔ محافظ نے کہا: اگر آپ کو اللہ کی معرفت ہے اور اس سے ڈرتے ہیں تو برائے کرم میرے ساتھ چلیے امیر المومنین نے آپ کو طلب کیا ہے اور انھوں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں آپ کو لے کر نہ پہنچا تو وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

اس نے کہا: اب تو میں جاؤں گا نہیں؛ البتہ وہ میرے نہ جانے کی وجہ سے تجھے قتل بھی نہیں کرے گا۔ محافظ نے پوچھا: اس کی وجہ؟۔ اس نے کہا: میں تجھے ایک پرچہ دیتا ہوں، کیا تجھے پڑھنا آتا ہے؟۔ محافظ نے جواب دیا: نہیں۔ اس نے اپنے تھیلے سے ایک پرچہ نکال کر محافظ کو دیا اور کہا کہ اسے جیب میں رکھ لے، اس میں ''دعاے کشادگی'' لکھی ہوئی ہے۔

محافظ نے پوچھا: دعاے کشادگی کسے کہتے ہیں؟۔ اس نے کہا: دعاے کشادگی صرف شہیدوں کو عطا کی جاتی ہے، محافظ نے عرض کیا کہ جب آپ نے مجھ پر اتنا کرم فرمایا ہے تو یہ بھی بتلا دیں کہ اس دعا کی فضیلت اور خصوصیت کیا ہے، اور اس دعا کے الفاظ کیا ہیں؟۔

اس نے جواب دیا کہ جو شخص اسے صبح وشام پڑھے گا، اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اس کے لیے دائمی خوشی لکھ دی جائے گی، اس کی دعائیں قبول ہوں گی، اسے رزق میں کشادگی عطا ہوگی، اس کی اُمیدیں برآئیں گی، دشمنوں پر فتح نصیب ہوگی، اللہ کے نزدیک اس کا شمار صدیقین میں ہوگا اور اسے شہادت کی موت نصیب ہوگی۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ كَمَا لَطَفْتَ فِي عَظْمَتِكَ دُوْنَ اللُّطَفَاءِ وَعَلَوْتَ بِعَظْمَتِكَ عَلَى الْعُظَمَاءِ وَ عَلِمْتَ مَا تَحْتَ أَرْضِكَ كَعِلْمِكَ بِمَا فَوْقَ عَرْشِكَ، وَكَانَتْ وَسَاوِسُ الصُّدُوْرِ كَالْعَلَانِيَّةِ عِنْدَكَ وَعَلَانِيَّةُ الْقَوْلِ كَالسِّرِّ فِي عِلْمِكَ، وَانْقَادَ كُلُّ شَيءٍ لِعَظْمَتِكَ وَ خَضَعَ كُلُّ

ذِیْ سُلْطَانٍ لِسُلْطَانِکَ وَ صَارَ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالآخِرَةِ کُلِّهٖ بِیَدِکَ اِجْعَلْ لِی مِنْ کُلِّ هَمٍّ اَمْسَیْتُ فِیْهِ فَرْجاً وَّمَخْرَجاً o اللّٰهُمَّ اِنَّ عَفْوَکَ عَنْ ذُنُوبِی وَ تَجَاوُزَکَ عَنْ خَطِیْئَتِی وَ سَتْرَکَ عَلٰی قَبِیْحِ عَمَلِی اَطْمَعَنِی اَنْ اَسْئَلُکَ مَا لاَ اسْتَوجِبُهُ لِمَا قَصَرْتُ فِیْهِ اَدْعُوکَ اٰمَنًّا وَ اَسْئَلُکَ مُسْتَأنَسًا وَ اِنَّکَ الْمُحْسِنُ اِلَیَّ وَ اَنَا الْمُسِیئُ اِلٰی نَفْسِی فِیْمَا بَیْنِی وَبَیْنَکَ تَتَوَدَّدُ اِلَیَّ بِالنِّعَمِ وَ اتبَغِضُ اِلَیْکَ بِالْمَعَاصِی وَلٰکِنَّ الثِّقَةَ بِکَ حَمَلَتْنِی عَلٰی الْجُرْاَءةِ عَلَیْکَ فَعُدْ بِفَضْلِکَ وَاِحْسَانِکَ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ .

یعنی اے اللہ! جیسے تو عظمت میں دوسرے لطیفوں کے سوا لطیف ہوا، اور اپنی عظمت کے تمام عظمتوں پر برتر ہوا، اور زمین کے نیچے کا حال تو نے اسی طرح جانا جس طرح تو عرش کے اوپر کا حال جانتا ہے، سینوں کے وسوسے تیرے نزدیک کھلی بات کی طرح ہیں، اور کھلی بات تیرے علم میں چھپی بات کی طرح ہے (یعنی تیرے لیے اور علانیہ اور سر میں کوئی فرق نہیں ہے) ہر چیز تیری عظمت کے سامنے سرنگوں ہے، اور ہر ذی اقتدار تیرے اقتدار کے سامنے پست ہے۔ دنیا و آخرت کے تمام امور تیرے ہاتھ میں ہیں، تو ہر اس غم سے جس میں میں مبتلا ہوں نجات عطا فرما۔

اے اللہ! تو نے میرے گناہ معاف کیے، میری غلطیوں سے درگزر کیا اور میری بداعمالیوں کی پردہ پوشی کی۔ تیرے اس سلوک نے مجھے یہ طمع دلائی کہ میں تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کا میں اپنے قصور کے باعث مستحق نہیں۔ میں تجھ سے بے خوف ہوکر اور مانوس ہوکر سوال کرتا ہوں، تو مجھ پر احسان کرتا ہے اور میں اپنے نفس کے ساتھ برائی کرتا ہوں، تو نعمتوں سے نواز کر مجھے دوست بناتا ہے اور میں گناہ کر کے تجھے ناراض کرتا ہوں؛ لیکن تیری ذات پر میرے اعتماد نے مجھے اس جرأت پر اکسایا، تو مجھ پر اپنے فضل و احسان کا اعادہ فرما تو ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

محافظ کہتا ہے کہ میں نے وہ پرچہ لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا، اور امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا، جب میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے نظر اُٹھائی، میری طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہنے لگا کہ نالائق! تو جادو خوب جانتا ہے، میں نے عرض کیا: نہیں یا امیر المومنین! بخدا میں سحر نہیں جانتا۔ ہاں یہ قصہ ضرور ہوا ہوں۔ پھر خلیفہ نے مجھ سے وہ تعویذ طلب کر لی اور مجھ سے کہا کہ جا تو بچ گیا، ورنہ میں تجھے ضرور قتل کر دیتا۔ پھر اس تعویذ کی نقل تیار کرائی اور مجھے دس ہزار درہم بخشش کیے اور مجھ سے فرمایا کہ تم جانتے ہو وہ جوان کی شکل میں کون شخص تھا؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ کہا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔(۱)

اَحکامِ الٰہی کو پامال کرنے کا انجام

حضرت سلمان بن ابوجعفر منصور بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ خلیفہ منصور کے دربار میں اسماعیل بن علی موجود تھے، میں بھی وہیں تھا کہ بنواُمیہ کی حکومت کے زوال کا تذکرہ چھڑ گیا۔ عبداللہ نے بنواُمیہ کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا بھی ذکر ہوا، خلیفہ نے بنوامیہ کے متعلق کہا: اللہ نے اُن پر اِحسان فرمایا یہاں تک کہ انھوں نے ہماری حکومت کی طرف نظر اُٹھائی جیسا کہ ہماری نظر ان کی طرف اُٹھی، جیسے ہم ان کی طرف راغب ہوئے ایسے ہی وہ بھی ہماری طرف راغب ہوئے، قسم ہے مجھے اپنی جان کی! انھوں نے خوش بختی کی زندگی گزاری؛ لیکن فقیروں کی حالت میں مرے۔

اسماعیل بن علی جو دربار میں ہی موجود تھے کہنے لگے: اے خلیفہ! بے شک عبیداللہ بن مروان آپ کی قید میں ہے اس کے پاس ملک 'نوبہ' کے بادشاہ کا عجیب وغریب قصہ ہے، اسے بلا کر وہ قصہ سنیں۔ چنانچہ خلیفہ نے میسّب کو حکم دیا کہ عبیداللہ بن مروان کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی، مضبوط و بھاری زنجیروں میں جکڑے ایک نوجوان کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ نوجوان کی گردن میں بہت وزنی طوق تھا اس نے آتے ہی بآوازِ بلند 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ' کہا۔

(۱) احیاء علوم الدین: ۱۸۷/۲...... المنتظم: ۴۸۴/۲...... اعلام الناس بما وقع للبرامکۃ: ۳۵/۱...... المستطرف فی کل فن مستظرف: ۴۸۰/۱۔

خلیفہ منصور نے کہا: اے عبید اللہ! سلام کا جواب دینا امن وسلامتی دینا ہے، اور میرا نفس اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تجھے امن وسلامتی دی جائے۔ تو زنجیرون میں جکڑا ہوا میرے سامنے کھڑا رہ۔ پھر خدام خلیفہ کے لیے تکیہ لائے، خلیفہ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور کہا: اے عبید اللہ! مجھے پتا چلا ہے کہ تیرے پاس 'نوبہ' کے بادشاہ کا کوئی عجیب وغریب قصہ ہے، بتا! وہ کیا ہے؟۔

عبید اللہ بن مروان نے کہا: اے خلیفہ! اس پروردگار کی قسم جس نے آپ کو مسند خلافت پر فائز کیا! لوہے کی یہ مضبوط وبھاری زنجیریں وضووطہارت کا پانی لگنے کی وجہ سے زنگ آلود ہو کر بہت زیادہ تکلیف دہ ہوگئی ہیں، ان کے ہوتے ہوئے میں کس طرح کلام کرسکوں۔ خلیفہ نے اسے بیڑیوں اور طوق سے آزاد کرادیا۔

عبید اللہ نے کہا: ہاں! اے خلیفہ! اب میں آپ کو 'نوبہ' کے بادشاہ کا واقعہ سناتا ہوں، سنیے! جب عبداللہ بن علی نے ہم پر حملہ کیا تو اس کا مطلوبِ اوّل میں ہی تھا؛ کیوں کہ اپنے والد مروان بن محمد کے بعد میں ہی ان کا ولی عہد تھا۔ چنانچہ میں نے خزانے سے دس ہزار دینار لیے، دس خادموں کو اپنے ساتھ لیا، ہر ایک کو ہزار ہزار دینار دے کر علاحدہ علاحدہ سواریوں پر بٹھایا۔ مزید پانچ خچروں پر قیمتی سامان رکھا، پھر ان سب کو لے کر میں سلطنت نوبہ کی طرف بھاگ گیا۔ تین دن مسلسل سفر جاری رہا بالآخر 'نوبہ' کے قریب ایک ویران قلعے میں پہنچ کر میں نے خدام کو حکم دیا کہ اسے اچھی طرح صاف کرو، پھر بہترین قالین بچھادو۔ کچھ ہی دیر میں بہترین قالین بچھادیے گئے۔

میں نے اپنے سب سے زیادہ بااِعتماد و عقلمند خادم کو بلا کر کہا: تم 'نوبہ' کے بادشاہ کے پاس جاؤ، اسے میرا سلام کہنا اور میرے لیے اَمان طلب کرنا، پھر کچھ اَناج وغیرہ شہر سے خرید لانا۔

خادم پیغام لے کر بادشاہ کے پاس چلا گیا، کافی دیر گزر گئی؛ لیکن وہ واپس نہ آیا۔ مجھے اس کے بارے میں بدگمانی ہونے لگی، پھر کچھ دیر بعد وہ آیا تو اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔ اس نے نہایت اَدب وتعظیم سے پیش آتے ہوئے ملاقات کی، پھر میرے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا: ہمارے بادشاہ نے آپ کو سلام کہا ہے، وہ پوچھتے ہیں کہ آپ کو ہمارے ملک میں آنے کے لیے کس چیز نے مجبور کیا، کیا ہم سے جنگ کا اِرادہ رکھتے ہیں یا ہمارے مذہب کی محبت آپ کو یہاں کھینچ لائی، یا آپ پناہ چاہتے ہیں؟۔

میں نے اس قاصد سے کہا: اپنے بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو: میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں آپ سے جنگ کروں، باقی رہا دین ومذہب تبدیل کرنے کا معاملہ، تو میں کبھی بھی اپنا دین چھوڑ کر آپ کا مذہب قبول نہ کروں گا، ہاں میں پناہ کا طلب گار ہوں، اگر مجھے پناہ مل جائے تو اِحسان وکرم ہوگا۔

قاصد یہ پیغام لے کر بادشاہ کے پاس گیا، پھر واپس آ کر کہنے لگا: ہمارے بادشاہ نے آپ کو سلام پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ ''کل میں خود تمہارے پاس آؤں گا، تم اپنے دل میں کسی قسم کا خدشہ پیدا نہ ہونے دینا اور نہ ہی غلہ وغیرہ خریدنا، جس چیز کی تمہیں ضرورت ہے وہ تمہارے پاس پہنچادی جائے گی۔

بادشاہ کا پیغام سن کر میں نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ بہترین قسم کے قالین بچھاؤ اور ان قالینوں پر بادشاہ اور میرے لیے ایک جیسی نشست گاہ بناؤ، کل میں خود بادشاہ کے اِستقبال کے لیے جاؤں گا۔ خادموں سے جتنا ہوسکا، خوب سجاوٹ کی۔

دوسرے دن میں بادشاہ کا اِنتظار کر رہا تھا کہ خادموں نے اس کے آنے کی اِطلاع دی۔ میں ایک اونچی جگہ کھڑا ہو کر بادشاہ کو دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص دو موٹی چادروں میں ملبوس ننگے پاؤں پیدل ہی ہماری طرف آ رہا تھا، اس کے ساتھ دس سپاہی تھے، تین اس کے آگے اور سات پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

میں نے جب بادشاہ کو اس حالت میں دیکھا تو وہ مجھے بہت معمولی سا آدمی لگا، میرے دل میں آیا کہ اس کو قتل کر دوں اور خود اس کی جگہ لے لوں؛ لیکن جب وہ قریب آیا تو میں نے ایک بہت بڑا لشکر دیکھا۔ کچھ ہی دیر بعد دس ہزار گھڑ سوار اسلحے سے لیس ہمارے قلعے کی طرف آئے اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیا، پھر فقیرانہ لباس میں ملبوس وہ بادشاہ اندر آیا اور پوچھا: وہ شخص کہاں ہے؟۔ ترجمان نے میری طرف اِشارہ کیا۔ بادشاہ نے میری طرف دیکھا تو میں اَدب بجالانے کے لیے اس کی طرف دوڑا۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ چوم کر اپنے سینے پر رکھ لیا، پھر اپنے پاؤں سے قالین لپیٹا اور خالی زمین پر بیٹھ گیا۔

میں نے ترجمان سے کہا: سبحان اللہ! ہم نے یہ تمام چیزیں بادشاہ کے لیے بھجوائیں ہیں، پھر یہ قالین پر کیوں نہیں بیٹھ رہا؟ جب ترجمان نے بادشاہ سے پوچھا تو اس نے جواب دیا: میں بادشاہ ہوں اور ہر بادشاہ پر حق ہے کہ وہ اللہ کی عظمت و بزرگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے سامنے تواضع وانکسار اِختیار کرے۔

بادشاہ کافی دیر تک زمین کو اپنی انگلی سے کریدتا رہا اور کچھ سوچتا رہا۔ پھر سر اوپر اُٹھایا اور کہا: تم سے یہ ملک کیوں چھن گیا؟ تم سے اِقتدار کیوں جاتا رہا؟ حالاں کہ دوسرے لوگوں کی نسبت تم اپنے نبی سے زیادہ قربت رکھتے ہو؟۔

میں نے کہا: اے بادشاہ ذی جاہ! ایک ایسا شخص آیا جو ہماری نسبت ہمارے نبی کا زیادہ قریبی تھا اس نے ہم پر حملہ کیا تو ہمارا اِقتدار جاتا رہا اور ہم لاوارث ہوگئے۔ اب میں بھاگ کر آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں، اللہ کے بعد مجھے آپ ہی کا سہارا ہے۔

بادشاہ نے کہا: تم لوگ شراب کیوں پیتے ہو؟ حالانکہ تمہاری کتاب (قرآن کریم) میں اس کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ میں نے کہا: یہ کام ہمارے غلاموں، عجمیوں اور دوسرے لوگوں کا ہے، جو ہماری سلطنت میں ہماری رضامندی کے بغیر گھس آئے ہیں۔

بادشاہ نے کہا: تم لوگ سونے چاندی اور ریشم سے مزین سواریوں پر کیوں سوار ہوتے ہو؟ حالانکہ تمہارے دین میں یہ چیزیں جائز نہیں۔ میں نے کہا: یہ بھی ہمارے غلاموں اور عجمی لوگوں کا کیا دھرا ہے، وہ ہی ایسے ناجائز اُمور میں مبتلا ہیں۔

بادشاہ نے پھر کہا: تم لوگ کہیں سفر پر یا شکار کے لیے جاتے وقت جب کسی وادی سے گزرتے ہو تو اس کے رہائشیوں کو کیوں پریشان کرتے ہو اور ان پر بے جا ٹیکس کیوں لگاتے ہو؟ جب تک ان کی فصلوں کو اپنی سواریوں سے روند نہ ڈالو تمہیں سکون نہیں ملتا، نصف درہم کے لیے بھی خوب نقصان کرتے اور فساد برپا کرتے ہو؟ آخر ایسا کیوں؟ حالانکہ تمہارے دین میں ایسا فساد حرام کیا گیا ہے۔

میں نے جواب دیا کہ یہ سب کام ہمارے خدام اور غلام وغیرہ کرتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا:

نہیں، بلکہ تم لوگوں نے اُن چیزوں کو حلال سمجھ لیا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا تھا، جن باتوں سے اس نے روکا تم نے وہی اختیار کر لیں تو اللہ نے تم سے عزت چھین کر ذلت کا لباس پہنا دیا۔

خدائے بزرگ و برتر کا اِنتقام ابھی تمہارے متعلق پورا نہیں ہوا، مجھے ڈر ہے اگر تم میرے ملک میں رہے اور اللہ کا عذاب آیا تو کہیں وہ تمہارے ساتھ مجھے بھی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ بے شک عذاب کہہ کر نہیں آتا، جب وہ آئے گا تو سب کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔

سنو! مہمان نوازی کا حق تین دن ہی ہوتا ہے، تین دن بعد تم یہاں سے چلے جانا۔ تمہیں جو ضرورت ہے وہ لے لو۔ اگر تین دن کے بعد یہاں رکو گے تو تمہارا سامان چھین لیا جائے گا۔

اتنا کہہ کر بادشاہ وہاں سے چلا گیا۔ میں تین دن وہاں ٹھہر کر واپس آیا تو مجھے قید کر کے آپ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اب میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ زندگی سے زیادہ اَب مجھے موت پیاری ہے، کاش! مجھے موت آجائے۔

عبید اللہ بن مروان کی یہ عبرت ناک روداد سن کر خلیفہ منصور کو اس پر ترس آنے لگا جب اسے آزاد کرنا چاہا تو اسماعیل بن علی نے منع کرتے ہوئے کہا: اس کی گردن میں بنو اُمیہ کی بیعت ہے۔ خلیفہ نے کہا: پھر تمہاری کیا رائے ہے؟۔ اسماعیل بن علی نے کہا: اسے ہمارے قید خانوں میں ہی رہنے دیں اور جس سزا کا یہ مستحق ہے وہ اس پر جاری کر دیں۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر عبید اللہ بن مروان کو واپس قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ وہ منصور کی خلافت میں ہی مر گیا یا مہدی نے اسے آزاد کر دیا۔ اللہ ہم سب کو ظالموں سے محفوظ رکھے اور دنیا و آخرت میں ہمارے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ فرمائے۔(۱)

بہترین و خوبصورت نصیحت

ایک جوان شخص سفر پر جانا چاہتا تھا، حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳۷ھ) کے پاس جا کر کہنے لگا: آپ مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ حضرت حاتم اصم نے فرمایا:

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۱۶۵ تا ۱۶۸۔

اگر دوستی چاہتے ہو تو تمہارے لیے خدا کی دوستی کافی ہے...... اگر ساتھی چاہتے ہو تو تمہارے لیے کراماً کاتبین (یعنی نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے) کافی ہیں...... اگر عبرت چاہتے ہو تو تمہارے لیے یہ دنیا عبرت کے لیے کافی ہے...... اگر مونس و ہمدم چاہتے ہو تو تمہارے لیے قرآن کریم کافی ہے...... اگر کام چاہتے ہو تو عبادت تمہارے لیے کافی ہے...... اگر نصیحت چاہتے ہو تو موت تمہارے لیے کافی ہے...... اگر یہ چیزیں تمہارے لیے کافی ہوگئیں تو پھر دوزخ سے نجات مل جائے گی۔

عظیم باپ کی عظیم بیٹیاں

حضرت محمد بن سوید طحان سے منقول ہے کہ جس دن علم وعمل کے پیکر، مردِ قلندر حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ (م ۲۴۱ھ) کو مسئلہ خلق قرآن کے مسئلہ پر نہایت بے دردی سے کوڑے مارے جارہے تھے اور آپ کوہِ استقامت بن کر ظلم وستم کی خطرناک آندھیوں کا سامنا کر رہے تھے۔

اس دن ہم حضرت عاصم بن علی کے پاس تھے۔ ابن عبید قاسم بن سلام، ابراہیم بن ابولیث کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ وہاں موجود تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا مردِ مجاہد ہے جو میرے ساتھ ظالم حاکم کے پاس چلے تاکہ ہم اس سے پوچھیں کہ وہ وقت کے امام پر ظلم وستم کیوں کر رہا ہے؟۔

حضرت عاصم کے ساتھ چلنے کے لیے کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ ظالم حاکم کے پاس جانے سے سب گریز کر رہے تھے۔ ابراہیم بن ابولیث کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے ابوالحسن! میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ ان کا یہ جذبہ دیکھ کر حضرت عاصم نے حیران ہوتے ہوئے کہا: اے نوجوان! کیا تم میرے ساتھ چلو گے، اچھی طرح سوچ لو کہ ہم کس کے پاس جارہے ہیں؟۔

کہا: اے ابوالحسن! میں نے خوب سوچ لیا ہے، میں ضرور بالضرور آپ کے ساتھ اس ظالم حاکم کے پاس جاؤں گا۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دیجیے؛ تاکہ گھر جا کر اپنی بیٹیوں کو وصیت اور

انھیں دین پرعمل پیرا رہنے کی تلقین کر آؤں۔

یہ کہہ کر وہ اپنے گھر کی طرف چلے گئے، ہم سمجھ رہے تھے کہ یہ اپنے لیے کفن وغیرہ کا انتظام کرنے گئے ہیں؛ کیوں کہ ظالم حاکم کے پاس جانا موت کو دعوت دینا تھا۔ بہر حال! کچھ دیر بعد واپس آئے تو حضرت عاصم نے پوچھا: کیا تم تیار ہو؟۔ کہا: ہاں! میں بالکل تیار ہوں۔ بچیوں کو نصیحت کر آیا ہوں، جب میں نے انھیں بتایا کہ میں حاکم کے پاس جا رہا ہوں تو وہ رونے لگیں، میں انھیں روتا چھوڑ آیا ہوں، ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ قاصد حضرت عاصم کی صاحبزادیوں کا خط لے کر آیا، خط میں لکھا تھا :

اے ہمارے والد محترم! ہمیں خبر پہنچی ہے کہ ایک ظالم شخص، امام احمد بن حنبل کو قید کر کے کوڑے لگوا رہا ہے؛ تا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ کلام اللہ (قرآن) مخلوق ہے۔ اے ابا جان! اللہ سے ڈرنا، ہمت و اِستقامت سے کام لینا، باطل کے سامنے ہرگز ہرگز سر نہ جھکانا، امام جلیل کے حوصلہ و ثبات قدمی کو پیش نظر رکھنا۔ اگر حاکم بد آپ کو ناحق بات کہلوانا چاہے تو ہرگز غلط بات نہ کرنا، خدائے بزرگ و برتر کی قسم! آپ کی موت کی خبر آنا ہمیں اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ آپ موت کے خوف سے ناحق بات تسلیم کرلیں۔ جان جاتی ہے تو جائے؛ مگر ایمان نہ جائے۔

والسلام: عظیم باپ کی بیٹیاں.(۱)

اور فالج دور ہوگئی

امام احمد بن حنبل دنیائے فقہ وولایت کے ایک تابندہ ستارے ہیں۔ ایک روز وہ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ رات کا وقت تھا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ امام صاحب نے

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۱۱۱،۱۱۲۔

پوچھا: کون ہے؟ جواب ملا: میں ایک نوجوان ہوں۔ امام صاحب نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔

وہ نوجوان کہنے لگا: امام صاحب! میری والدہ پر فالج کا حملہ ہوا ہے۔ کوئی دوا فائدہ نہیں دے رہی ہے۔ اس نے مجھے آپ کے پاس بھیجا کہ آپ اس کی شفایابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ امام صاحب نے نوجوان سے کہا: آپ لوگوں سے کس نے کہا ہے کہ میں مستجاب الدعوات ہوں۔ اپنی ماں کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ ہمارے لیے دعا کرے۔

وہ نوجوان روتا ہوا چل دیا۔ اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ اچانک امام صاحب کی والدہ محترمہ کی اس نوجوان پر نظر پڑی۔ انھوں نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: اماں جان! میں نے اپنی والدہ کی شفایابی کے لیے امام صاحب سے دعا کی درخواست کی تھی؛ لیکن امام صاحب نے دعا نہیں کی۔

امام صاحب کی والدہ کہنے لگیں: اطمینان سے اپنی والدہ کے پاس جاؤ۔ میں نے احمد بن حنبل کو تمہاری والدہ کے لیے دعا کرتے ہوئے سنا ہے۔

یہ سن کر وہ نوجوان اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ جب اس نے دروازے پر دستک دی تو اس نے دیکھا کہ والدہ کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے امام احمد بن حنبل جیسے ولی اللہ کی دعا کی برکت سے اسے شفایاب کر دیا تھا۔(۱)

خوفِ خدا رکھنے والا جوان

ایک مشہور بزرگ احمد بن سعید (م۲۴۳ھ) اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں کوفہ میں ایک نوجوان رہتا تھا، جو انتہائی عبادت گزار تھا اور ہمہ وقت جامع مسجد میں پڑا رہتا تھا۔ ساتھ ہی وہ انتہائی دراز قامت، خوبصورت اور نیک سیرت بھی تھا۔ ایک حسین عورت

(۱) سلسلۃ اروع القصص۔

نے اسے دیکھا تو پہلی ہی نظر میں فریفتہ ہوگئی۔ ایک مدت تک عشق کی چنگاری اس کے دل میں سلگتی رہی، لیکن اسے اپنی محبت کے اِظہار کا موقع نہ ملا۔

ایک روز وہ نوجوان مسجد جارہا تھا، وہ عورت آئی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی: نوجوان! پہلے میری بات سن لو، اس کے بعد جو دل میں آئے وہ کرو؛ لیکن نوجوان نے کوئی جواب نہ دیا اور چلتا بنا۔ یہاں تک کہ مسجد میں پہنچ گیا۔ واپسی میں وہ عورت پھر راستے میں کھڑی نظر آئی، جب نوجوان قریب پہنچا تو اس نے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی، نوجوان نے کہا کہ یہ تہمت کی جگہ ہے، میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص مجھے تمہارے ساتھ کھڑا دیکھ کر تہمت لگائے؛ اس لیے میرا راستہ نہ روکو اور مجھے جانے دو۔

اس نے کہا: خدا کی قسم! میں یہاں اس لیے نہیں کھڑی ہوئی کہ مجھے تمہاری حیثیت کا علم نہیں ہے، یا میں یہ نہیں جانتی کہ یہ تہمت کی جگہ ہے، خدا نہ کرے لوگوں کو میرے متعلق بدگمان ہونے کا موقع ملے؛ لیکن مجھے اس معاملے میں بذاتِ خود تم سے ملاقات پر اس اَمر نے اُکسایا ہے کہ لوگ تھوڑی سی بات کو زیادہ کر لیتے ہیں اور تم جیسے عبادت گزار لوگ آئینے کی طرح ہیں کہ معمولی سا غبار بھی ان کی صفائی کو متاثر کر دیتا ہے۔ میں تو سو بات کی ایک بات یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میرے دل و جان بلکہ جسم کا ہر ہر رگ و ریشہ تم پر فدا ہے، اور اللہ ہی ہے جو میرے اور تمہارے معاملے میں کوئی فیصلہ فرمائے۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ نوجوان؛ عورت کی یہ تقریر سن کر کوئی جواب دیے بغیر خاموشی کے ساتھ گھر لوٹ آیا۔ گھر پہنچ کر نماز پڑھنی چاہی؛ لیکن نماز میں دل نہیں لگا، اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ مجبوراً قلم کاغذ سنبھالا اور اس عورت کے نام ایک خط لکھا۔ باہر آکر دیکھا کہ وہ عورت اسی طرح راہ میں کھڑی ہے۔ اس نے خط اس کی طرف پھینک دیا اور خود تیزی سے گھر میں داخل ہوگیا۔ خط کا مضمون کچھ یوں تھا :

> اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع۔ اے عورت! تجھے یہ بات جان لینی چاہیے کہ جب بندہ اپنے خدا کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ درگزر سے کام لیتا ہے،

جب وہ دوبارہ اسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تب بھی وہ پردہ پوشی فرماتا ہے؛ لیکن جب وہ اسی معصیت کو اپنا مشغلہ اور پیشہ بنالیتا ہے تو پھر ایسا غضب نازل فرماتا ہے کہ زمین وآسمان، شجر وحجر اور چوپائے تک کانپ اُٹھتے ہیں۔ اس کی ناراضگی کو برداشت کرنے کی تاب کس میں ہے؟۔ جو کچھ تو نے کہا ہے، اگر وہ غلط ہے تو اس دن کو یاد کر کہ آسمان گلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا اور زمین دھنی ہوئی روئی کی مانند، اور تمام لوگ جبار پروردگار کے آگے سربہ سجود ہوں گے۔ خدا کی عزت کی قسم! میرا اپنا حال یہ ہے کہ میں اپنے نفس کی اِصلاح سے عاجز ہوں، اس صورت میں دوسرے کی اِصلاح کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے اور اگر تیرا کہنا سچ ہے تو میں تجھے ایک ایسے طبیب کا پتا بتلائے دیتا ہوں جو تمام زخموں اور مرضوں کا شافی اور تسلی بخش علاج کرتا ہے۔ اور وہ طبیب' اللہ ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے، اس کے حضور میں اپنی درخواست پیش کر، اور اسی سے اپنی مطلب برآری چاہ۔ میں تیرے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ میں تو بس یہ آیت کریمہ تلاوت کرتا رہتا ہوں :

وَ اَنْـذِرْهُـمْ يَـومَ الْأزِفَةِ اِذِ الْقُـلُـوبُ لَـدَى الْـحَـنَـاجِرِ كَاظِمِيْنَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلاَ شَفِيْعٍ يُّطَاعُ o يَعْلَمُ خَائِنَةَ الاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُo (سورۂ غافر:۴۰/۱۸تا۱۹)

اور آپ اُن کو قریب آنے والی آفت کے دن سے ڈرائیں جب ضبطِ غم سے کلیجے منہ کو آئیں گے۔ ظالموں کے لیے نہ کوئی مہربان دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ وہ خیانت کرنے والی نگاہوں کو جانتا ہے اور (ان باتوں کو بھی) جو سینے (اپنے اندر) چھپائے رکھتے ہیں۔

چندروز کے بعد وہ عورت پھر راستے میں کھڑی نظر آئی۔ نوجوان نے اسے دیکھ کر واپس لوٹنے کا اِرادہ کیا؛ لیکن ملاقات ہوگئی، اور وہ عورت یہ کہہ کر خوب روئی اور کہنے لگی کہ میں خدا سے -جس کے ہاتھ میں تمہارا اور میرا دِل ہے- یہ دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہارے سلسلے میں

درپیش میری مشکل آسان فرمادے۔ اس کے بعد اس سے نصیحت اور وصیت کرنے کی درخواست کی؛ چنانچہ نوجوان نے کہا: تمہارے لیے میری صرف یہی نصیحت ہے کہ خود کو اپنے نفس سے محفوظ رکھنا اور اِس آیت کو ہمہ وقت ذہن میں رکھنا :

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (انعام:۶/۶۰)

اور وہی ہے جو رات کے وقت تمہاری روحیں قبض فرمالیتا ہے اور جو کچھ تم دن کے وقت کماتے ہو وہ جانتا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ نصیحت سن کر وہ عورت دہاڑھیں مار مار کر رونے لگی۔ جب اِفاقہ ہوا تو اپنے گھر پہنچی اور کچھ عرصہ عبادت میں مشغول رہ کر اللہ کو پیاری ہوگئی۔ جب اس نوجوان کو اس کی موت کی خبر ہوئی تو وہ بہت مغموم ہوا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ اب رونے اور غم کرنے سے کیا حاصل! تم نے تو اسے اپنی طرف سے بالکل ہی مایوس کردیا تھا۔ وہ جواب دیتا کہ میں نے پہلے ہی روز اس کی خواہش نفس کو ذبح کردیا تھا اور اپنے اس عمل کے سلسلے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ عمل ذخیرۂ آخرت ہوگا لیکن اب ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ ذخیرہ واپس نہ ہوجائے۔(۱)

کفن بدوش اَسیرانِ زلف یار چلے

ابوالعباس ہاشمی٫ صالح ابن مامون سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے حضرت حارث محاسبی (م۲۴۳ھ) کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ کبھی آپ نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا ہے؟۔ فرمایا: ہاں! پہلے کبھی ایسا کرلیا کرتا تھا۔

میں نے عرض کیا: اب نہیں کرتے؟۔ فرمایا: اب تو میں اپنا حال چھپاتا ہوں، قرآن کریم کی آیت پڑھتا ہوں اور اس میں بخل کرتا ہوں کہ میرا نفس نہ سنے۔ اگر مجھ پر اس آیت کے پڑھنے میں سرور غالب نہ آجایا کرے تو میں کبھی اس کا اِظہار نہ کروں۔

(۱) احیاء علوم الدین:۴/۱۷۱تا۱۷۲......عیون الحکایات ابن الجوزی:۲/۴۲تا۴۴۔

ایک رات میں اپنے خلوت کدے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جوانِ رعنا خوشبوؤں میں رچا بسا لباس پہنے ہوئے آیا، سلام کر کے میرے سامنے بیٹھ گیا، میں نے اس سے پوچھا: نوجوان! تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں سیاح ہوں اور ان لوگوں کی زیارت وملاقات میرا مشغلہ وشوق ہے جو اپنے خلوت کدوں میں بیٹھے عبادت گزیں ہوتے ہیں۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں تو بظاہر آپ پر محنت کی کوئی علامت نہیں پاتا، آپ کی عبادت کس نوعیت کی ہے؟ اور آپ کا عمل کیا ہے؟۔

میں نے جواب دیا: مصائب کی پردہ پوشی اور منافع کا حصول۔ اس جوان نے یہ سن کر چیخ ماری اور کہنے لگا کہ مجھے نہیں معلوم کہ مغرب ومشرق کے مابین اس وسیع تر دنیا میں کوئی شخص اس صفت کا حامل بھی ہے یا نہیں؟۔

میں نے گفتگو جاری رکھی اور اسے بتلایا کہ اہل اللہ کا یہ شیوہ ہے کہ وہ اپنا حال چھپاتے ہیں، اپنے رازوں پر خود بھی پردہ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھی مخفی رکھنے کی درخواست کرتے ہیں۔ جب ان کا حال یہ ہے تو ظاہر ہے کہ تم کس طرح انھیں جان پاؤ گے!۔

اس بات کا اَثر اس پر پہلی بات سے بھی زیادہ ہوا اور وہ جوان چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا، اسی بے ہوشی کے عالم میں وہ دو دن میرے پاس پڑا رہا۔ جب اسے ہوش آیا تو بول وبراز سے اس کے کپڑے گندے ہو چکے تھے۔

میں نے اس سے کہا کہ یہ نیا کپڑا لو جسے میں نے اپنے کفن کے لیے رکھ چھوڑا تھا لیکن میں تمھیں اپنے نفس پر ترجیح دیتا ہوں۔ جاؤ غسل کرو اور یہ کپڑا اپنے جسم پر لپیٹ کر فوت شدہ نمازوں کی قضا کر لو۔ اس نے پانی منگوایا، غسل کیا اور وہ کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھنے لگا۔

نماز سے فراغت کے بعد اس نے باہر جانے کا اِرادہ کیا تو میں نے پوچھا: کہاں چلے؟۔ اس نے کہا کہ آیئے! آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ چنانچہ میں بھی اس کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جوان سیدھا خلیفہ مامون رشید کے پاس پہنچا، اسے سلام کیا اور کہا کہ اے ظالم! اگر تجھے ظالم

نہ کہوں تو میں خود ظالم ہوں۔ میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اور اس کی مغفرت کا طالب ہوں کہ تیرے سلسلے میں کوتاہی سے کام لوں۔ کیا تو اس کے باوجود اللہ سے نہیں ڈرتا کہ اس نے تجھے زمین میں اپنی مخلوق کا حَکَم بنایا ہے۔ اسی طرح کی چند نصیحتیں کرنے کے بعد اس نے باہر نکلنا چاہا۔ میں دروازے پر بیٹھا ہوا تھا۔

مامون نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کس لیے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک سیاح ہوں، میں نے پچھلے صدیقین کے اَحوال کا مطالعہ کیا ہے اور اس اِرادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہاں آ گیا تھا۔

حارث محاسبی کہتے ہیں کہ اس جوانِ رعنا کی اس جرأت نے مامون رشید کے جسم میں غصے اور انتقام کی آگ بھر دی اور اس نے فوراً حکم دیا کہ اس گستاخ نوجوان کی گردن اُڑا دی جائے۔ چنانچہ وہ اسی لباس میں شہادت کا جام نوش کر کے واپس لوٹا۔

میں اس وقت تک دروازے پر بیٹھا ہوا تھا۔ مامون کے نوکروں نے شہر میں منادی کرائی کہ اگر اس لاش کا کوئی وارث ہو تو وہ اسے تدفین کے لیے لے جا سکتا ہے۔ میں نے یہ اعلان سنا مگر یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس لاش کو اپنی تحویل میں لے لوں۔ کوئی وارث نہیں آیا تو علاقے کے غریب مسلمانوں نے باہمی تعاون سے اس جوان کی میت کو دفن کر دیا۔ تدفین کے تمام مراحل میں میں نے شرکت کی، دیگر لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ یہ جوان ابھی چند گھنٹے تک میرے ہمراہ تھا۔ تدفین کے بعد میں قبرستان میں واقع مسجد میں چلا گیا۔

اس جوان کی موت کے صدمے سے میری طبیعت بے حد پریشان تھی، تھوڑی دیر کے لیے لیٹا تو نیند آ گئی۔ میں نے خواب دیکھا کہ وہ جوان انتہائی خوبرو اور حسین حوروں کے جھرمٹ میں ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اے حارث! خدا کی قسم، آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صحیح معنوں میں اطاعت کرتے ہیں اور اطاعت کے ثمرات مخفی رکھتے ہیں۔ میں نے کہا: وہ لوگ کہاں ہیں؟۔

اس نے جواب دیا کہ بس آنے ہی والے ہیں۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ چند سواروں کا

قافلہ میرے قریب آیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟۔ انھوں نے جواب دیا کہ اپنے اَحوال چھپانے والے۔ اس نوجوان کا دل تیرے کلام سے متاثر ہوا اور وہ امرونہی کے اِرادے سے نکلا۔ اس 'جرم' میں اسے قتل کردیا گیا۔ اب یہ نوجوان ہمارے ساتھ ہے۔ اور قاتل کی بدبختی باری تعالیٰ کے غضب کو دعوت دے رہی ہے۔(۱)

جب علم' باغی ہوجائے

حضرت عبدۃ بن عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ (م۲۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ ہم ایک جنگی مہم پر ملک روم کے لیے نکلے؛ ایک نوجوان بھی ہمارے ساتھ ہولیا جس کی قابلیت کا کوئی جواب نہ تھا۔ ہم میں اس سے زیادہ نہ کوئی قرآن کا عالم وقاری تھا اور نہ ہی فقہ وفرائض کا ماہر۔ وہ دن میں روزے رکھتا اور رات میں قیام کرتا تھا۔ اس دوران ہمارا گزر ایک قلعہ سے ہوا۔ وہ جوان لشکر سے کٹ گیا اور قلعہ کے قریب اُتر گیا۔

ہم نے سمجھا کہ شاید اسے کوئی فطری ضرورت ہو، حاجت پوری کرکے واپس آجائے گا۔ اتنے میں اس کی نگاہ قلعہ کے برج سے جھانکتی ہوئی ایک نصرانی عورت پر پڑگئی، جوحسن وجمال کا مجسمہ تھی، اسے دیکھتے ہی نوجوان بے قابو ہوگیا اور پہلی نظر ہی میں اس پر سب کچھ وار بیٹھا۔

اس سے رومی زبان میں کہتا ہے :

کیف السبیل إلیک ؟.

یعنی تم تک پہنچنے کی کیا سبیل ہے؟، اور تم سے قرب ووصال کے لمحات کیسے میسر آسکتے ہیں؟۔

اس نے کہا: بڑا آسان سودا ہے۔ بس نصرانی بن جاؤ، صدر دروازہ تمہارے لیے کھول دیا جائے گا اور پھر میں تمہارے پہلوؤں میں کھیل رہی ہوں گی۔

(۱) احیاء علوم الدین، امام غزالی: ۲/۱۹۰۔

راوی کہتے ہیں کہ خبثِ باطنی کے ہاتھوں مجبور ہوکر اس نے اس کا کہا مان لیا اور قلعہ کے اندر چلا گیا۔ اِدھر ہم نے بڑی جاں فشانی کے ساتھ غزوہ لڑا؛ مگر ہر وقت ہمیں اس کی فکر کھائے جارہی تھی؛ کیوں کہ ہم میں کا ہر شخص اسے اپنے سگے بیٹے سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد ہم پھر ایک دوسری مہم کے لیے اسی راہ پر نکلے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نصرانیوں کے ساتھ قلعہ کے اوپر کھڑے ہوکر نظارے کررہا ہے۔ ہم نے اس سے کہا: اے فلاں! تمہاری قراءت نے تمہیں کیا فائدہ دیا؟ تمہارے علم کا کیا بنا؟؟ اور تمہارے صوم وصلوٰۃ نے تمہیں کیا نفع پہنچایا؟؟؟۔

حسرت ویاس کی تصویرِ مجسم بنا وہ کہنے لگا: یاد رہے کہ میں سارا قرآن بھول چکا ہوں، صرف ایک آیت ابھی تک میرے حافظے کا حصہ بنی ہوئی ہے۔ اور وہ یہ ہے :

رُبَـمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَو كَانُوا مُسْلِمِيْنَ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَ يُلْهِهِمُ الاَمَلُ فَسَوفَ يَعْلَمُونَ o (سورۃ الحجر:۱۵/۲،۳)

کفار (آخرت میں مومنوں پر اللہ کی رحمت کے مناظر دیکھ کر) بار بار آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔ آپ (غمگین نہ ہوں) انہیں چھوڑ دیجیے وہ کھاتے (پیتے) رہیں اور عیش کرتے رہیں اور (ان کی) جھوٹی امیدیں انہیں (آخرت سے) غافل رکھیں پھر وہ عنقریب (اپنا انجام) جان لیں گے۔(۱)

اور نوجوان پانی پر چلنے لگا

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ (م ۲۴۵ھ) سے دریافت کیا گیا: یہ بتائیں کہ آپ کے اَحوال کی شروعات کیسے ہوئی؟۔ فرمایا: میں اپنی جوانی کے عالم میں کھیل کود اور جفاکشی کا بڑا شوقین تھا۔ پھر ہوا یہ کہ قسمت کی یاوری سے ایک بار مجھے حج بیت اللہ شریف کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب میں ساحل سمندر پر آیا تو وہاں ایک بحری جہاز تیار کھڑا تھا جس میں مصری تاجر سوار تھے، میں بھی ان کے ساتھ جا ملا۔

(۱) المنتظم ابن جوزی: ۲/۴۔

اس جہاز میں ایک نہایت حسین وجمیل نوجوان بھی تھا جس کی پیشانی سے سجدوں کا نور ہویدا تھا اور اس کے منور چہرے نے گویا ساری فضا نور بار کردی ہو۔ جب ہمارا جہاز کافی فاصلہ طے کر چکا اور وسط سمندر میں آ گیا تو جہاز کے مالک کی رقم سے بھری تھیلی گم ہوگئی۔ اس نے پوچھ گچھ کی لیکن تھیلی نہ ملی؛ لہٰذا اس نے سب سواروں کو جمع کیا اور سب کی تلاشی لینا شروع کردی؛ لیکن تھیلی کسی کے پاس نہ ملی بالآخر جب تلاشی لینے والا اس نوجوان کے پاس آیا تو نوجوان نے اچانک جہاز سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

یہ منظر دیکھ کر میں حیرتوں میں ڈوب گیا کہ سمندر کی موجوں نے اسے نہ ڈبویا بلکہ وہ اس کے لیے تخت کی طرح ہوگئیں اور وہ نوجوان لہروں پر اس طرح بیٹھ گیا جس طرح کوئی تخت پر بیٹھتا ہو۔ ہم سب مسافر بڑی حیرانگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر اس نوجوان نے کہا :

اے میرے مولا! انھوں نے مجھ پر چوری کی تہمت لگائی ہے۔ اے میرے قرارِدل میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ تو جملہ سمندری جانوروں کو حکم دے دے کہ وہ اپنے منہ میں ہیرے جواہرات لے کر اپنا سر باہر نکال دیں۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابھی اس نوخیز کی بات مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ہم نے دیکھا کہ سمندر کے سارے جانوروں نے اپنا سر نکال دیا اور ان میں سے ہر ایک کے منہ میں چمکتی درخشانی بکھیرتی موتیاں موجود تھیں۔ پھر اس نے ایک اور جست لگائی اور سطحِ آب پر نہایت خوش رفتاری سے چلتا ہوا ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا، اور اُس نوجوان کی زبان پر اس آیت تلاوت کریمہ کا ورد تھا: ”اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ“ .

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ پہلا واقعہ ہے جس کی وجہ سے مجھے سیر وسیاحت کا شوق ہوا؛ کیوں کہ سیر وسیاحت میں اکثر اولیاے کرام سے ملاقات ہوتی ہے اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عظمت نشان ہے :

میری اُمت میں ہمیشہ ۴۰ مرد ایسے رہیں گے جن کے دل حضرت ابراہیم خلیل اللہ

علیہ السلام کے دل پر ہوں گے۔ جب ان میں سے کوئی ایک مرجائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا بدل دے گا۔(۱)

یادِ الٰہی میں گریہ و بکا

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کسی بیابان میں ایک ہٹے کٹے نوجوان شخص کو بلند ٹیلے پر پڑا دیکھا۔ جب اس سے قریب ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے جاری ہیں۔

میں نے پوچھا: تم ہوکون؟ کہنے لگا: اللہ کا ایک دھتکارا ہوا بندہ۔ پوچھا: اور یہ روؤن دھوؤن کیوں کر رہے؟۔ کہا: اپنے قرب و وصال کی اُن گھڑیوں کو یاد کرکر کے رو رہا ہوں جو میرے اور مالک حقیقی کے درمیان تھیں۔(۲)

......جسے مولا بلاتا ہے

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران ایک نوجوان کو دیکھا جو پیہم نماز پڑھتا اور رکوع وسجود کرتا چلا جارہا تھا، رکنے کا نام ہی نہ لیتا۔ انھوں نے پاس جا کر کہا، تم تو نماز پر نماز پڑھتے چلے جارہے ہو؟، (واپس کب چلنا ہے؟) جواب دیا: میں اَزخود کیسے واپس ہو جاؤں، انتظار ہے کہ اجازت ملے تو جاؤں۔

شیخ ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ اس جوان کے اوپر ایک رقعہ گرا جس میں یہ لکھا ہوا تھا :

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۴۱۰/۸ حدیث: ۲۲۸۱۵...... المنتظم ابن جوزی: ۴۱۰/۳...... الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح، ابن جزری: ۱۳...... عیون الحکایات ابن الجوزی: ۱۴۵/۱، ۱۴۶۔

(۲) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۲۴/۱۔

یہ خط خدائے عزیز وغفار کی جانب سے اِس بندۂ شاکر ومخلص کے لیے ہے
واپس جا تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف ہیں۔(۱)

یادِ مولا میں غرق ایک نوجوان

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ملک شام گیا۔ کسی سرسبز وشاداب باغ سے میرا گزر ہوا، میں نے دیکھا کہ سیب کے درخت کے نیچے ایک جوان گریہ وزاری میں مصروف ہے اور نماز وعبادت میں محو ہے۔ میں نے اسے سلام کیا، وہ خاموش رہا، جواب تک نہیں دے سکا۔ نماز اور عبادت سے فارغ ہوکر انگلی سے دو شعر زمین پر لکھ دیے، جن کا مفہوم کچھ یوں تھا:

زبان بولنے سے روک دی گئی ہے؛ کیوں کہ یہی زبان بڑی آزمائشوں کی جڑ ہے۔ سب آفتیں اور بلائیں اسی زبان سے جنم لیتی ہیں۔ سو میں نے اس کو روک رکھا ہے۔ لہٰذا جب بھی بولو صرف اللہ کا ذکر کرو اور اللہ کے ذکر کو کسی وقت نہ بھولو۔

حضرت ذوالنون مصری کہتے ہیں میں نے اس جوان کا شعر پڑھا اور زار وقطار دیر تک روتا رہا اور رونے کے بعد یہ دو شعر اس کے جواب میں لکھ دیے:

ہر لکھنے والا ایک دن قبر میں خاک ہوجائے گا مگر جو لکھ گیا وہ نوشتہ باقی رہ جائے گا۔
اس لیے لازم ہے کہ ہاتھ سے بھی وہ کچھ لکھو کہ جسے قیامت کے دن لکھا دیکھ کر خوشی نصیب ہو۔

حضرت ذوالنون مصری کہتے ہیں کہ میں نے یہ پیغام لکھا، اس جوان نے نگاہ بھر کر پیغام کو پڑھا، ایک چیخ ماری، تڑپا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

(۱) روض الریاحین: ۱۱۳:۳ بحوالہ بزم اولیاء: ۱۹۲۔

نافرمان پر اللہ کا کرم

حضرت یوسف بن حسین کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں ذوالنون مصری کے ہمراہ کسی نہر کے کنارے تھا۔ میری نگاہ نہر کے کنارے موجود ایک بہت بڑے بچھو پر پڑی۔ ہم اسے مارنے کے لیے دوڑے۔ وہ لب نہر پر جا پہنچا، اتنے میں ایک بڑا مینڈک نہر سے برآمد ہوا، بچھو اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور پانی میں تیرتے ہوئے مینڈک نے اسے نہر پار کرا دی۔

حضرت ذوالنون مصری نے مجھ سے کہا: یقیناً اس بچھو کا کوئی خاص مقصد ہوگا، چلو نہر پار چل کر دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ چنانچہ ہم دونوں نہر پار کر کے اس بچھو کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ اچانک ہماری نگاہ ایک نوجوان پر پڑی جو نشے میں مدہوش زمین پر گرا پڑا تھا اور ایک سانپ اس کی ناف کی طرف سے چڑھ کر اس کے سینے پر بیٹھا تھا۔ اتنے میں بچھو سانپ کے پاس پہنچ کر اس پر چڑھ بیٹھا اور اسے ڈنک مار کر ہلاک کر ڈالا۔ جب سانپ مر گیا تو بچھو وہاں سے واپس ہو گیا اور نہر کے کنارے آ کر رک گیا۔ پھر وہی مینڈک نہر سے نکلا اور بچھو اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر نہر پار کر گیا۔

حضرت ذوالنون مصری نے اس مدہوش نوجوان کو نیند سے جگایا۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس سے فرمایا: اے نوجوان! دیکھو اللہ تعالیٰ نے تیری کس طرح حفاظت فرمائی ہے۔ ایک بچھو نے آ کر اس سانپ کو قتل کر دیا جو تجھے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ پھر حضرت ذوالنون مصری نے یہ اشعار پڑھے۔

یا غافلا و الجلیل یحرسہ ☆ من کل سوء یدب في الظلم

کیف تنام العیون عن ملک ☆ تأتیہ منہ فوائد النعم

یعنی اس غافل شخص کو دیکھو کہ اللہ عزوجل اندھیروں میں رینگنے والی ہر اذیت سے اس کی نگرانی کر رہا ہے۔

آنکھیں اس شہنشاہ کی یاد سے کیوں کر سو جاتی ہیں جب کہ دنیا و آخرت کی جملہ نعمتیں اس کے پاس سے ملتی ہیں۔

وہ مدہوش نوجوان گھبرایا ہوا اُٹھا اور یوں گویا ہوا :

إلٰهي هٰذا فعلک بمن عصاک فکیف بر فقک بمن یطیعک .

یعنی اے میرے پروردگار! نافرمان کے ساتھ تیرا یہ کرم ہے تو پھر فرماں بردار کے ساتھ تیری رِفق ومہربانی کا عالم کیا ہوگا!۔

یہ کہہ کر نوجوان چل پڑا تو میں نے اس سے پوچھا: کہاں جارہے ہو؟۔اس نے جواب دیا: تقویٰ وبزرگی اور اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کی طرف۔(۱)

صرف اچھے گمان پر تکیہ اَچھا نہیں

حضرت یوسف بن حسین بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ایک مرتبہ میں لبنان کی پہاڑیوں میں رات کے وقت سفر پر تھا۔ چلتے چلتے مجھے ایک درخت نظر آیا جس کے قریب ایک خیمہ نما جھونپڑی تھی۔ یکا یک اس جھونپڑی سے ایک حسین وجمیل نوجوان نے اپنا چاند جیسا نورانی چہرہ باہر نکالا اور کہنے لگا: اے میرے پروردگار! میرا دل ہر حال میں (چاہے خوشی ہو یا غم) اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تیری ہی ذات ایسی ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کی جامع ہے۔اور پھر میرا دل اس بات کی شہادت کیوں نہ دے؛ حالاں کہ میرے دل میں تیرے سوا اور کسی کی محبت کبھی سمائی ہی نہیں۔ میں تو بس تجھی سے محبت کرتا ہوں، افسوس! صد ہزار افسوس! ان لوگوں پر جنھوں نے تجھ سے محبت نہ کی اور کوتاہی کرتے رہے۔

پھر اس نوجوان نے اپنا نورانی چہرہ جھونپڑی کے اندر داخل کرلیا۔ میں اس کی باتیں سن کر بڑا حیران ہوا، اس کی باتیں مجھے رہ رہ کر یاد آتی تھیں۔ میں یوں ہی پریشان وسراسیمہ کھڑا رہا؛ یہاں تک کہ فجر کا وقت ہوگیا، اس نوجوان نے پھر اپنا نور بار چہرہ جھونپڑی سے باہر نکالا اور چاند کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا: اے میرے معبودِ حقیقی! تیرے ہی نور سے زمین وآسمان روشن ہیں، تیرا ہی نور اندھیروں کو ختم کرتا ہے، اور اسی سے ہر جگہ اُجالا ہوتا ہے، اے میرے رحیم وکریم مالک! میں اس رنج وغم کی حالت میں صرف تجھی سے التجا کرتا ہوں کہ تو مجھ پر کرم کی ایسی نظر فرما جیسی اپنے فرماں بردار بندوں پر ڈالتا ہے۔

---

(۱) التوابین: ۱/۶۲...... المستطرف فی کل فن مستظرف: ۱/۳۵۵...... حیاۃ الحیوان الکبریٰ: ۲/۳۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں: جب میں نے نوجوان کی یہ باتیں سنیں تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں اس کے پاس گیا، اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا۔ میں نے کہا: اے نوجوان! اللہ تجھ پر رحم کرے، میں تجھ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ نوجوان نے کہا: نہیں، تو مجھ سے سوال نہ کر۔ میں نے کہا: تو مجھے سوال کرنے سے کیوں منع کر رہا ہے؟ اس نے کہا: اس لیے کہ ابھی تک میرے دل سے تیرا رعب نہیں نکلا، میں ابھی تک تجھ سے خوفزدہ ہوں۔

میں نے کہا: اے نیک سیرت نوجوان! میں نے ایسی کون سی حرکت کی جس نے تجھے خوفزدہ کر دیا ہے؟۔ وہ کہنے لگا: تم کام (عبادت) کے دنوں میں بے کار پھر رہے ہو، اور آخرت کی تیاری کے لیے کچھ بھی عمل نہیں کر رہے۔ اے ذوالنون مصری! تم نے صرف اچھے گمان پر تکیہ کر رکھا ہے!۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں: میں اس نوجوان کی یہ باتیں سن کر بے ہوش ہو کر زمین گر پڑا، کافی دیر تک بیہوش رہا، پھر سورج کی تیز دھوپ سے مجھے اِفاقہ نصیب ہوا۔ جب سر اُٹھا کر دیکھتا ہوں تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اب میرے سامنے نہ تو کوئی درخت ہے نہ جھونپڑی اور نہ ہی وہ نوجوان!۔

یہ سب چیزیں نہ جانے کہاں غائب ہوگئیں، میں کافی دیر اسی طرح حیران و پریشان وہاں کھڑا رہا، اس نوجوان کی باتیں اب تک میرے دل و دماغ میں گھوم رہی ہیں۔ اَزاں بعد میں اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔(1)

ہنسنے والا مخلص نوجوان

حضرت یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ میں حضرتِ سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر تھا، اور آپ ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کو بیان فرما رہے تھے۔ سب لوگ رو رہے تھے؛ مگر ایک نوجوان ہنس رہا تھا۔ حضرت ذوالنون مصری نے اس سے پوچھا: اے نوجوان! تجھے کیا ہے؟، لوگ رو رہے ہیں اور تم ہنس رہے ہو؟۔

(1) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۱۷۸، ۱۷۹۔

تو اس نے جواب دیا: لوگ یا تو جہنم کے خوف سے عبادت کرتے ہیں، اور نجات کو ہی اُپنا اجر سمجھتے ہیں یا جنت میں جانے کے لیے عبادت کرتے ہیں تا کہ اس کے باغوں میں رہیں اور اس کی نہروں سے پئیں؛ لیکن میرا ٹھکانہ نہ تو جنت ہے اور نہ ہی جہنم۔ میں اپنی محبت کا بدلہ نہیں چاہتا۔

حضرت ذوالنون مصری نے دوبارہ اس سے پوچھا: اگر اس نے تمہیں دھتکار دیا تو کیا کروگے؟۔تو اس نے چند اشعار سنائے جن کا مفہوم یہ ہے :

جب میں نے محبت کے باوجود وصال حاصل نہ کیا تو دوزخ میں ٹھکانا بنالوں گا۔ پھر جب مجھے صبح وشام عذاب ہوگا تو میری چیخ وپکار سے اہلِ دوزخ بھی تنگ آجائیں گے۔ جب میں وصالِ یار پانے کی کوئی راہ نہ پا سکا تو گنہگاروں کی ٹولیاں بھی مجھ پر گریہ وزاری کریں گی۔اے میرے مالک عزوجل! چاہے تو مجھے عذاب میں مبتلا کردے یا آزاد کردے، مجھے تیری مرضی قبول ہے۔اگر میں اپنے دعویٰ محبت میں سچا ہوں تو محض اپنے کرم سے میری حالت کو تبدیل کردے اور اگر میرا دعویٔ محبت جھوٹا ہے تو مجھے اس کی سزا میں طویل عذاب سے دوچار کردے۔

جب وہ چپ ہوا تو ایک غیبی آواز آئی: اے ذوالنون! مخلصین کی اپنے رب عزوجل سے ایسی محبت ہوتی ہے کہ وہ خوشحالی وتنگدستی ہر حال میں اسی سے محبت کرتے ہیں، اور نعمتوں مصیبتوں پر اُسی کا شکر اَدا کرتے ہیں۔

نکتہ: نیک لوگ اس لیے سعادت مند ہوگئے کیونکہ انہوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے رب عزوجل کو مقصود بنایا، جب انہوں نے اس مقصد میں رغبت اختیار کی تو انہیں اس تک پہنچنے سے بیوی بچوں کی محبت نہ روک سکی، انہوں نے اس راہ میں آنے والی مشقت کو شہد سے زیادہ میٹھا پایا، ان کے لیے شہد بھی ان تکالیف جیسی میٹھی نہیں، وہ ہمیشہ اپنے محبوب کی محبت میں مصائب جھیلتے رہے، پھر بھی قرب کی طلب سے پیچھے نہ ہٹے، اور ان کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ جب وہ کسی شہر سے کوچ کرتے ہیں تو وہ شہر بھی ان کے فراق میں آنسو بہاتا ہے۔(۱)

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق مترجم: ۱۴۲۔

ویرانے میں ایک عارف باللہ سے ملاقات

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں حجازِ مقدس کے اِرادے سے سفر پر نکلا تو میں نے کسی کو اپنا ہم سفر نہ بنایا۔ سفر کے دوران جب میں ایک بیابان میں پہنچا تو میرا زادِ راہ ختم ہو گیا، اب مجھے بہت تشویش لاحق ہوئی اور جب مجھے اپنی ہلاکت یقینی دکھائی دینے لگی تو اچانک مجھے صحرا میں ایک گھنا درخت نظر آیا جس کی شاخیں زمین پر لٹک رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ مجھے اس درخت کے سائے میں بیٹھ جانا چاہیے؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو جائے یعنی مجھے موت آ لے۔

جب میں اس درخت کے قریب پہنچا اور اس کے سائے میں بیٹھنے کا اِرادہ کیا تو اس کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی نے میرے چمڑے کا تھیلا پکڑ لیا جس کی وجہ سے اس میں بچا کھچا پانی بھی بہہ گیا اور اس طرح رہا سہا سہارا بھی جاتا رہا اور بظاہر مجھے بچنے کی ایک ذرا اُمید نہ رہی۔ اب چار و ناچار میں اس درخت کے سائے میں گر کر ملک الموت کا اِنتظار کرنے لگا تا کہ وہ آ کر میری روح قبض کر لیں۔

اَچانک میں نے ایک غمگین آواز سنی جو کسی غم زدہ کے دل سے نکل رہی تھی۔ وہ شخص کہہ رہا تھا: اے میرے پروردگار! اے میرے آقا و مولا! اگر تیری رضا اسی میں ہے تو اس میں اور اِضافہ فرما دے؛ تا کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ یہ سن کر میں اُٹھا اور اس آواز کی سمت چل دیا۔ تو میں نے ایک حسین وجمیل شخص کو دیکھا جو ریت پر پڑا ہوا تھا اور بہت سے گدھ اسے گھیرے ہوئے تھے اور اس کا گوشت نوچنا چاہتے تھے۔

میں نے اسے سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دے کر کہا: اے ذوالنون مصری! جب زادِ راہ ختم ہو گیا اور پانی بھی بہہ گیا تو آپ نے فنا اور ہلاکت کا یقین کر لیا۔ میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اس کی باتیں سن کر مجھے تعجب ہوا اور اس کی یہ حالت دیکھ کر میرا جی بھر آیا۔ اتنے میں کھانے کا ایک پیالہ میرے سامنے رکھ دیا گیا پھر اس شخص نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی تو ایک

چشمہ پھوٹ پڑا جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں تھا۔

اس نے مجھ سے کہا: اے ذوالنون! کھاؤ پیو؛ کیوں کہ تمہارا بیت الحرام پہنچنا نہایت ضروری ہے؛ مگر ہاں! میرا ایک کام کرنا نہ بھولنا۔ اگر تم میرا کام کردوگے تو تمہیں اس کا اجروثواب ملے گا۔ میں نے پوچھا: وہ کیا کام ہے؟۔ کہا: جب میں مرجاؤں تو مجھے غسل دے کر دفن کر دینا اور ان وحشی پرندوں سے چھپا کر یہاں سے چلے جانا۔

پھر جب تم حج اَدا کرلو تو بغداد شہر چلے جانا۔ جب تم بابِ زعفران میں داخل ہو گے تو تمہیں وہاں کچھ بچے کھیلتے ہوئے نظر آئیں گے۔ انھوں نے مختلف رنگوں کے لباس پہن رکھے ہوں گے۔ تم وہاں ایک کمسن نوجوان کو پاؤ گے جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر سے کوئی چیز غافل نہ کرتی ہوگی۔ اس نے کپڑا کمر پر باندھ رکھا ہوگا اور دوسرا کندھے پر رکھا ہوگا۔ اس کے چہرے پر آنسوؤں کے مسلسل بہنے کے باعث لکیریں پڑ گئی ہوں گی۔ تم اس سے بطورِ خاص ملاقات کرنا، وہ میرا بیٹا ہے، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک اسی سے ہے۔ اس سے میرا سلام کہنا۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے اپنی بات مکمل کر لی تو میں نے اسے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے سنا۔ پھر اس نے ایک آہ بھری اور اس دنیاے فانی سے رخصت ہوگیا۔ میں نے کلمہ اِسترجاع پڑھا۔ میرے سامان میں ایک قمیص تھی جسے میں نے بہت سنبھال کر رکھا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے غسل دیا اور کفن پہنا کر ریت میں دفنا دیا، اور پھر سوے حرم روانہ ہوگیا۔ مناسکِ حج اَدا کرنے کے بعد حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضہ اَنور کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ زیارت سے فارغ ہونے کے بعد میں نے بغداد کا رخ کیا، اور کوئی عید کے دن بغداد پہنچا۔

میں نے وہاں کچھ بچوں کو کھیلتے ہوئے پایا۔ انھوں نے واقعتاً مختلف رنگوں کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ جب میں نے ان پر نظر دوڑائی تو اس نوجوان کو اچانک ایک جگہ بیٹھے ہوئے پالیا۔ اور اس پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ اسے علام الغیوب کے ذکر کے سوا کوئی شے غافل نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے چہرے پر غم کے آثار نمایاں تھے اور اس کے رخسار پر آنسوؤں کی وجہ سے دو

لکیریں پڑ گئی تھیں۔ اس وقت وہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

الناس كلهم للعيد قد فرحوا ☆ وقد فرحت أنا بالواحد الصمد

الناس كلهم للعيد قد صبغوا ☆ وقد صبغت ثياب الذل والكمد

الناس كلهم للعيد قد غسلوا ☆ و قد غسلت أنا بالدمع للكبد

یعنی تمام لوگ عید کی خوشیوں میں مست و مگن ہو رہے ہیں؛ جب کہ میرے لیے اللہ واحد وصمد کی رضا و خوشی ہی بس ہے۔

سارے لوگوں نے عید کے لیے اپنے کپڑے رنگ برنگے کر لیے ہیں اور میرے لیے عجز و اِنکسار اور بدلی رنگت والے کپڑے ہی بہت ہیں۔

تمام لوگوں نے عید کے لیے غسل کر لیا ہے اور میں نے اپنے قلب وجگر کو آنسوؤں کے ساتھ غسل دے دیا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اسے سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا اور کہنے لگا: والد گرامی کے قاصد کو خوش آمدید! ۔ میں نے پوچھا: بیٹے! تمھیں کس نے بتایا کہ میں تمہارے والد کا قاصد ہوں؟۔ اس نے جواب دیا: اسی نے جس نے مجھے یہ بتایا ہے کہ آپ نے انھیں صحرا میں دفن کیا تھا۔ پھر وہ کہنے لگا: اے ذوالنون! کیا آپ یہ گمان کر رہے ہیں کہ آپ نے انھیں صحرا میں دفن کر دیا تھا۔ خدا کی عزت کی قسم! میرے والد کو سدرۃ المنتہیٰ پر اُٹھا لیا گیا ہے۔ اب آپ میرے ساتھ میری دادی کے پاس چلیے۔

پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے آیا۔ جب مکان کے دروازے پر پہنچا تو آہستہ سے دستک دی۔ ایک بوڑھی عورت باہر نکلی۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو بولی: میرے حبیب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی زیارت سے مشرف ہونے والے کو خوش آمدید!۔ میں نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا کہ میں نے انھیں دیکھا ہے؟۔ وہ کہنے لگیں: اسی نے جس نے یہ بتایا ہے کہ تم نے انھیں دفن کیا ہے اور تمہارا کفن تمھیں واپس لوٹا دیا جائے گا۔ اے ذوالنون! مجھے اپنے رب ذوالجلال کی قسم! اللہ میرے بیٹے کے بوسیدہ لباس پر فرشتوں کے سامنے فخر فرما رہا ہے۔

پھراس نے پوچھا: اے ذوالنون! یہ تو بتاؤ کہ تم نے میرے بیٹے، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور لختِ جگر کو کیسے رخصت کیا تھا؟۔ میں نے کہا: میں نے اسے بے آب وگیاہ جنگل میں ریت اور پتھروں کے درمیان تنہا چھوڑ دیا تھا، اوراس نے اپنے پروردگار ربِ غفار سے جو امید باندھ رکھی تھی وہ پوری ہوگئی۔ جب اس بڑھیا نے یہ بات سنی تو اس نوجوان کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور پھر وہ دونوں میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ آسمان پر اُٹھا لیے گئے یا زمین شق ہوگئی اور وہ دونوں اس میں سما گئے۔

میں انھیں گھر کے مختلف گوشوں میں تلاش کرتا رہا؛ مگر وہ نہ ملے۔ پھر میں نے ہاتف غیب سے آواز سنی کہ ایک کہنے والا کہہ رہا تھا: اے ذوالنون! خود کومت تھکاؤ۔ میں نے پوچھا: وہ کہاں چلے گئے؟۔ جواب ملا: شہدا' مشرکین کی تلواروں سے مرتے ہیں جب کہ اہلِ محبت' شوقِ دیدارِ الٰہی میں مرتے ہیں، اور انھیں نور کی سواریوں پر بٹھا کر عزت والے بادشاہ کی بارگاہ میں لے جایا جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پھر مجھے میرا چمڑے کا گمشدہ تھیلا بھی مل گیا اور جس طرح کا کفن میں نے اس شخص کو پہنایا تھا وہ بھی اسی طرح لپٹا ہوا مل گیا جیسے پہلے تھا۔(۱)

عمدہ پھلوں سے بھرا ہوا تھال

حضرت احمد بن علی الخمیمی سے منقول ہے کہ ہم حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ کی محفل میں حاضر تھے، آپ اولیاے کرام کی کشف وکرامات کے متعلق اِرشادات فرما رہے تھے۔ اتنے میں حاضرین میں سے کسی نے پوچھا: اے ابوفیض! کیا آپ نے کسی صاحب کرامت ولی کو دیکھا ہے؟۔

یہ سن کر حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا: ہاں، اور پھر یوں گویا ہوئے: ایک مرتبہ ایک خراسانی نوجوان سات دن تک میرے ساتھ مسجد میں رہا، اس دوران اس نے کچھ بھی نہیں کھایا۔

(۱) بحرالدموع ابن الجوزی مترجم:۱۹۔

میں نے کئی مرتبہ کھانے کی دعوت دی؛ مگر اس نے ہر بار اِنکار کر دیا۔ اسی دوران کسی سائل نے کوئی چیز مانگی تو خراسانی نوجوان نے کہا: اگر تو مخلوق کو چھوڑ کر خالق سے مانگتا تو وہ تجھے مخلوق سے بے نیاز کر دیتا!۔

سائل نے کہا: میں ابھی اس مقام تک نہیں پہنچا ہوں۔ پوچھا: بتا تو کیا چاہتا ہے؟ کہا: میرا فاقہ دور ہو جائے اور میری ستر پوشی رہے۔ خراسانی نوجوان محراب کی جانب جا کر دو رکعت نماز اَدا کی۔ جب واپس آیا تو عمدہ پھلوں سے بھرا ہوا ایک تھال اور بالکل نئے کپڑے اس کے پاس تھے جو اس نے سائل کو تھما دیے۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں: میں نے نوجوان سے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ کی بارگاہ میں اِتنا بلند مرتبہ ہونے کے باوجود تو نے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا حالاں کہ تو سات دن سے بھوکا ہے۔ میری یہ بات سن کر اسے متلی سے ہونے لگی۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اے ابوفیض! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دل رضائے الٰہی کے نور سے منور ہو پھر بھی زبان اس سے کوئی چیز طلب کرے؟۔

میں نے کہا: جو لوگ اللہ سے راضی ہوں، کیا وہ اس سے سوال نہیں کرتے ؟۔ کہا: رضا کے کئی درجے ہیں؛ بعض لوگ اس درجے میں ہیں کہ ولولہ شوق و محبت میں اس سے سوال کرتے ہیں؛ بعض ایسے ہیں کہ کسی طرح سوال نہیں کرتے؛ بعض ایسے ہیں کہ اپنے لیے تو اس سے کچھ نہیں مانگتے؛ لیکن دوسروں پر رحم کرتے ہوئے ان کے لیے سوال کرتے ہیں۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ جماعت کھڑی ہو گئی۔ اس نے ہمارے ساتھ عشا کی نماز اَدا کی۔ پھر پانی کا برتن اُٹھا کر مسجد سے باہر چلا گیا، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ طہارت کے لیے جا رہا ہو؛ لیکن پھر وہ واپس نہ آیا اور نہ ہی دوبارہ میں نے کبھی اسے دیکھا۔(۱)

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۶۲ تا ۶۳۔

خائف نوجوان کی اَنوکھی موت

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مجھے بتایا گیا کہ یمن میں ایک عبادت گزار شخص ہے جو خائفین میں اعلیٰ مرتبہ اور مجاہد کرنے والوں میں بلند مقام رکھتا ہے۔ اس کی یہ صفات سن کر مجھے زیارت وملاقات کا شوق ہوا؛ چنانچہ حج سے فراغت کے بعد میں 'یمن' گیا اور پوچھتا پوچھتا اس عابد کے گھر پہنچا۔ وہاں دروازے کے پاس بہت سے لوگ جمع تھے، وہ سب بھی زیارت و ملاقات کرنے آئے تھے۔ ہمارے درمیان اِنتہائی کمزور ونحیف بدن اور زرد چہرے والا ایک متقی و پرہیز گار نوجوان بھی تھا، ایسا لگتا تھا جیسے کسی بہت بڑی مصیبت نے اسے موت کے قریب پہنچا دیا ہے۔

کچھ دیر بعد دروازے سے ایک بزرگ آئے اور نمازِ جمعہ کے لیے مسجد کی طرف چل دیے۔ سبحان اللہ! یہی وہ پرہیز گار وعبادت گزار شخص تھے جس کی ولایت کے ڈنکے دنیا بھر میں بج رہے تھے۔ ہم بھی ان کے پیچھے چل دیے اور ایک جگہ ان کے گرد جمع ہو گئے تاکہ اس سے گفتگو کریں۔ اتنے میں وہ کمزور نوجوان آیا اور سلام کیا۔ بزرگ نے اسے خوش آمدید کہا اور بڑی گرم جوشی سے ملاقات کی۔

نوجوان نے کہا: اے شیخ! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ جیسے لوگوں کو دلوں کی بیماری کا طبیب اور گناہوں کے درد کا معالج بنایا ہے۔ مجھے بھی ایک بہت گہرا زخم ہے جو بہت پھیل چکا ہے، اب میری بیماری عروج کو پہنچ کی ہے۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے، اگر مناسب سمجھیں تو اپنے مرہم سے میرے زخموں کا علاج فرما دیجیے اور مجھ پر اِحسان فرمائیے۔

یہ سن کر بزرگ نے اپنے عصا سے ٹیک لگائی اور کہا: پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اصل مسئلہ کیا ہے؟ کہا: حضور! یہ اِرشاد فرمائیے کہ خوف کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خوف تجھے ہر خوف سے نجات دیدے، اس کے علاوہ تجھے کسی کا خوف نہ رہے۔

یہ سن کر نوجوان دردبھری آہیں بھرنے لگا، پھر بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ جب اِفاقہ ہوا تو اپنے ہاتھ سے چہرہ صاف کیا اور کہا: اللہ آپ کو خوش رکھے، یہ بتائیے کہ بندہ خوفِ خدا میں کب پختہ ہوتا ہے؟۔ اسے خوفِ خدا میں درجہ کمال کب نصیب ہوتا ہے؟۔

فرمایا: جب وہ دنیا میں اپنے آپ کو مریض کی طرح رکھے اور بیماری کے خوف سے ہر قسم کے کھانے سے اپنے آپ کو بچائے، مرض کے طویل ہوجانے کے خوف سے دوا کی کڑواہٹ برداشت کرے۔

یہ سن کر نوجوان نے پھر ایک دردبھری چیخ ماری اور منہ کے بل بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش آیا تو کہا: حضور! مجھ پر نرمی فرمائیے۔ بزرگ نے کہا: پوچھو، جو پوچھنا ہے۔ عرض کی: اللہ سے محبت کی علامت کیا ہے؟۔

نوجوان کا یہ سوال سن کر بزرگ پر کپکپی طاری ہوگئی، پھر روتے ہوئے کہا: میرے دوست! بے شک درجہ محبت بہت اعلیٰ درجہ ہے۔

نوجوان نے کہا: حضور! میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اس کے متعلق کچھ بتائیں۔ فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے دل محبت کی وجہ سے چاک ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دلوں کے نور سے خالق کائنات کی عظمت وجلال کی طرف نظر کرتے ہیں، ان کے اَجسام تو دنیا میں ہوتے ہیں لیکن روحیں پردوں میں ہوتی ہیں۔ وہ اُمور کا مشاہدہ علم الیقین کے ساتھ کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت سے شدید محبت کی وجہ سے جتنا ہوسکے ہر لمحے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ جنت کے حصول یا دوزخ سے بچاؤ کے لیے نہیں بلکہ خالص رضائے الٰہی کے لیے اَعمال کرتے ہیں۔

بس اتنا سننا تھا کہ وہ نوجوان تڑپ کر زمین پر گرا اور روتے روتے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کردی۔ بزرگ نے اس کی پیشانی اور ہاتھوں کو چومتے ہوئے فرمایا: یہی حالت خائفین کا میدان اور مجاہدہ کرنے والوں کی راحت ہے اور انھیں اسی حالت میں سکون ملتا ہے۔(۱)

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۳۳۰، ۳۳۱۔

تخت جب گردش کرنے لگا!

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے، وہاں اس بات کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ تمام چیزیں اولیاء اللہ کے تصرف میں ہوتی ہیں اور اُن کی اطاعت کرتی ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا: ایک اطاعت یہ بھی ہے کہ اگر اس تخت کو حکم دیا جائے کہ مکان کے چاروں حصوں میں گشت کر کے پھر اپنی جگہ آ جائے تو تخت ایسا ہی کرے۔

چنانچہ وہ تخت اسی وقت اپنی جگہ سے از خود چل کر چاروں طرف گھوما اور پھر اپنی جگہ پر آ کر رک گیا۔ اس وقت وہاں مجلس میں ایک نوجوان بھی بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس حالت کو دیکھ کر اس پر گریہ طاری ہوا، اور وہ شدتِ خوف سے وہیں جاں بحق ہو گیا۔(۱)

رحمت خداوندی کے بہانے

حضرت شیخ سری سقطی - رحمہ اللہ - (م ۲۵۳ھ) فرماتے ہیں کہ میں بیس سالوں سے خلق خدا کو راہِ راست پر لانے اور اُن کو اللہ والا بنانے کی سعی مسلسل کر رہا تھا مگر ایک شخص کے سوا کوئی میرے دامِ تبلیغ میں نہ پھنسا۔ امر واقعہ یہ کہ میں ایک دن بروز جمعہ بغداد کی جامع مسجد میں کھڑا ہو کر خطاب کر رہا تھا، دورانِ خطبہ میں نے کہا :

عجبت من ضعیف عصی قویا .

یعنی حیرت ہے اس شخص پر جو کمزور ہو کر بھی قوت والے کی نافرمانی کرتا رہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ پھر ہفتہ کے روز نمازِ فجر اَدا کرنے کے بعد میں ذرا دیر کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ ایک جوانِ رعنا دو بچوں سمیت سوار ہو کر میرے پاس آیا اور اس کے پیچھے بھی دو گھڑ سوار تھے۔ وہ

---

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۴۶۶۔

سواری سے اُتر کر بے تابانہ پوچھنے لگا: تم میں سری سقطی کون ہے؟ ہم نشینوں نے میری طرف اِشارہ کیا تو اس نے سلام کیا اور پھر وہیں بیٹھ گیا۔

عرض کرتا ہے کہ کل میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: 'حیرت ہے اس شخص پر جو کمزور ہو کر بھی شہ زور کی نافرمانی کرتا رہتا ہے'۔ اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟ میں نے کہا: ابن آدم سے ضعیف و ناتواں کوئی ضعیف نہیں اور اللہ تعالیٰ سے کوئی قوی نہیں، اور ابن آدم اپنے ہزار ضعف و ناتوانی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کرتا ہے تو کیا یہ باعثِ حیرت نہیں!۔

یہ سن کر وہ رونے لگا اور کہا: اے سری! کیا مجھ جیسے غرقابِ معصیت کی توبہ اللہ قبول کرسکتا ہے؟۔ میں نے کہا: کیوں نہیں، اگر ڈوبتوں کو اللہ پار نہ لگائے تو اور کون لگائے گا۔ کہا: اے سری! میں نے لوگوں پر بے تحاشا ظلم وزیادتی کی ہے تو اس سے خلاصی کی کیا صورت ہوگی؟۔ فرمایا: اگر تم صحیح معنوں میں اللہ کی طرف رجوع کرلو (اور خلوت وجلوت میں اسی کے ہو کے رہو) تو تمہارے مخاصمین کو تم سے راضی کردیا جائے گا؛ کیوں کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشادِ عالی ہے :

إذا كان يوم القيامة و اجتمع الخصوم على ولي الله و كل لكل منهم ملكا يقول لاتروّعوا ولي الله فان حقكم اليوم على الله تعالىٰ.

یعنی عرصہ محشر میں جب مخاصمین (بدلہ لینے کے لیے) اللہ کے ولی کے پاس جمع ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کی طرف سے وکالت کرنے کے لیے ایک فرشتہ کھڑا کردے گا جو کہے گا: اللہ کے اِس ولی کو پریشان نہ کرو، آج تمہارے سارے حقوق اللہ تعالیٰ اُدا فرمائے گا۔

کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد اس کی پلکیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں اور عرض کرنے لگا: اب مجھے بتائیں کہ اللہ کی راہ پر جادہ پیمائی کیوں کر ممکن ہوسکتی ہے؟۔ میں نے کہا: اگر تم پیکرانِ زہد و سلوک میں سے ہونا چاہتے ہو تو صائم النہار اور قائم اللیل بن جاؤ، اور گناہوں سے اپنا ہاتھ

یکسر کھینچ لو۔ اور اگر اَرباب ولایت کی راہ چلنا چاہتے ہو تو خدمتِ مولا کے سوا ہر تعلق سے بے نیاز ہو جاؤ۔ یہ سن کر اس نے اتنا گریہ وبکا کیا کہ اُس کے رومال آنسوؤں سے تر بتر ہو گئے۔ پھر جب وہ لوٹا تو اس نے واقعتاً مال ومنال اور اہل وعیال سب کو خیر آباد کہہ دیا، اپنا حال غیر کرلیا، اور قبرستان جا کر سکونت پذیر ہو گیا اور پھر اسی حالت میں اس جوان کی موت واقع ہوگئی۔

حضرت سری فرماتے ہیں کہ ایک دن میری آنکھ جھپکی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ریشم ودیبا میں ملبوس پورے جاہ وطمطراق سے خراماں خراماں چلا جارہا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے: اے سری! اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں نے پوچھا: یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟۔ کہا: اس نے میرے گناہوں کا حساب کتاب لیے بغیر سیدھے مجھے جنت میں داخل کردیا۔(۱)

بیہوش شرابی کی توبہ

حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ نے ایک شرابی کو دیکھا جو مدہوش زمین پر پڑا تھا اور اپنے آلودہ منہ سے 'اللہ اللہ' کہہ رہا تھا۔ آپ نے وہیں بیٹھ کر اس کا منہ پانی سے دھویا اور فرمایا: اس بے خبر کو کیا خبر کہ ناپاک منہ سے کس پاک ذات کا نام لے رہا ہے؟۔ اس کا منہ صاف کر کے آپ وہاں سے چلے گئے۔

جب شرابی ہوش میں آیا تو لوگوں نے اسے بتلایا کہ تمہاری بے ہوشی کے عالم میں عارف باللہ حضرت سری سقطی یہاں آئے تھے اور تمہارا منہ دھو کر گئے ہیں۔ شرابی یہ سن کر بہت شرمندہ و پشیمان ہوا اور زار وقطار رونے لگا۔ پھر اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: بے شرم! اب تو سری سقطی بھی تجھے اس حال میں دیکھ گئے ہیں، کچھ تو خدا سے حیا کر، اس کی بارگاہ میں توبہ کر، اور آئندہ کے لیے اپنی اس حرکت سے باز آجا۔

رات کو حضرت سری سقطی نے خواب میں کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا: اے سری! تم نے شرابی کا ہماری خاطر منھ دھویا، اور ہم نے تمہاری خاطر اس کا دل دھو دیا۔

(۱) تفسیر روح البیان: ۱/۳۲۳۔

حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ رات کی تنہائیوں میں تہجد کے وقت جب مسجد میں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شرابی نمازِ تہجد پڑھنے میں مشغول ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا: تم میں یہ انقلاب کیسے آ گیا؟ تو وہ کہنے لگا: آپ مجھ سے اس کی بابت کیوں پوچھتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا ہے!۔(۱)

عجیب سے عجیب تر واقعہ

حضرت مظفر بن سہل مقری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت علان خیاط علیہ الرحمہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ دورانِ گفتگو حضرت سری سقطی کا ذکرِ خیر چھڑ گیا، اور ہم ان کے فضائل ومناقب بیان کرنے لگے۔

حضرت علان خیاط نے فرمایا: ایک مرتبہ میں حضرت سری سقطی کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا۔ اچانک ایک عورت نہایت پریشانی کے عالم میں آئی اور آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگی: اے ابوالحسن! میں آپ کے پڑوس میں رہتی ہوں، مجھ پر ایک مصیبت آن پڑی ہے۔ رات میرے جوان بیٹے کو سپاہی پکڑ کر لے گئے اور مجھے خطرہ ہے کہ وہ اسے تکلیف پہنچائیں گے اور اسے سزا دیں گے۔ میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی ہوں، اگر آپ میری مدد فرمائیں اور میرے ساتھ چل کر میرے بیٹے کی سفارش کریں یا پھر کسی کو میرے ساتھ بھیج دیں جو آپ کا پیغامِ سفارش حاکم کو پہنچا دے تو مجھے امید ہے کہ حاکم میرے بیٹے کو چھوڑ دے گا۔ خدارا! میرے حال پر رحم فرمائیں۔

حضرت علان خیاط علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کی یہ فریاد سن کر حضرت سری سقطی کھڑے ہوئے اور نماز میں مشغول ہو گئے اور انتہائی خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے لگے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو اس عورت نے کہا: اے ابوالحسن! جلدی کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ حاکم میرے بیٹے کو قید میں ڈال کر سزا دے اور اسے تکلیف پہنچائے۔ برائے کرم! میرے معاملے کو جلدی حل

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق: ۳۱۷۔

فرمادیں؛ مگر وہ اپنی نماز میں مشغول رہے، پھر سلام پھیرنے کے بعد فرمایا: اے اللہ کی بندی! میں تیرے ہی معاملے کو حل کر رہا تھا۔

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اس عورت کی خادمہ دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی: محترمہ! گھر چلیے، آپ کا بیٹا بخیر و عافیت گھر لوٹ آیا ہے۔ یہ سن کر وہ عورت بہت خوش ہوئی اور آپ کو دعائیں دیتی ہوئی وہاں سے رخصت ہوگئی۔

حضرت علان خیاط نے یہ واقعہ سنانے کے بعد ارشاد فرمایا: اے مظفر! اس سے بھی زیادہ عجیب بات میں آپ کو بتاتا ہوں۔ حضرت سری سقطی تجارت کیا کرتے تھے اور آپ نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ تین دینار سے زیادہ نفع نہیں لوں گا اور آپ اپنے اس عہد پر سختی سے عمل کرتے۔

ایک مرتبہ آپ بازار گئے اور ساٹھ دینار کے چھیانوے صاع بادام خریدی اور پھر انھیں بیچنے لگے اور ان کی قیمت ترسٹھ دینار رکھی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے پاس ایک تاجر آیا اور کہنے لگا: میں یہ سارے بادام آپ سے خریدنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: خریدلو۔ اس نے پوچھا: کتنے دینار لوگے؟ ۔فرمایا: ترسٹھ دینار۔ اس تاجر نے پوچھا: کیا تمہیں پتا نہیں کہ باداموں کا دام بڑھ چکا ہے اور اب چھیانوے صاع باداموں کی قیمت نوے دینار تک جا پہنچی ہے؛ اس لیے آپ مجھے نوے دینار میں یہ بادام فروخت کردیں۔

حضرت سری سقطی نے فرمایا: میں نے اپنے رب ذوالجلال سے وعدہ کرلیا ہے کہ تین دینار سے زیادہ نفع نہ لوں گا؛ لہٰذا میں اپنے وعدے کے مطابق تمہیں یہ بادام بخوشی ترسٹھ دینار میں فروخت کرتا ہوں۔ اگر چاہو تو خریدلو، میں اس سے زیادہ رقم ہرگز نہیں لوں گا۔

وہ تاجر بھی کوئی اللہ کا نیک بندہ تھا، اور اپنے مسلمان بھائی کی بھلائی کا خواہاں تھا۔ دھوکے سے ان کا مال لینے والا یا بددیانت تاجر نہ تھا۔ جب اس نے آپ کی یہ بات سنی تو کہنے لگا: میں نے بھی اپنے رب عزوجل سے یہ عہد کر رکھا ہے کہ کبھی بھی اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ بددیانتی نہیں کروں گا اور نہ ہی کبھی کسی مسلمان کا نقصان پسند کروں گا؛ لہٰذا اگر تم بادام نوے دینار میں بیچو تو میں خریدلوں گا؛ ورنہ اس سے کم قیمت پر کبھی نہیں لوں گا۔

اُدھر حضرت سری سقطی بھی اپنی بات پر قائم رہے اور فرمایا: میں تر سٹھ دینار سے زیادہ میں فروخت کر ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ نہ تو اس اَمانت دار تاجر نے یہ بات گوارا کی کہ میں کم قیمت میں خریدوں اور نہ ہی آپ تین دینار سے زیادہ نفع لینے پر راضی۔ بالآخران کا سودا نہ بن سکا اور تاجر وہاں سے چلا گیا۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت علان خیاط فرماتے ہیں: جن لوگوں میں ایسی عظیم خصلتیں پائی جائیں، جب وہ اپنے پاک پروردگار کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائیں تو ان کی دعائیں قبول کیوں نہ ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسے برگزیدہ بندوں کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت ضرور عطا فرماتا ہے۔ سچ ہے کہ جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کے تمام معاملات کو حل فرما دیتا ہے۔(۱)

دو عجیب وغریب مردے

شیخ ابو علی مصری (م ۲۵۷ھ) فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک مردوں کو غسل دینے والا رہتا تھا، میں نے اس سے کہا کہ تم نے سب سے زیادہ عجیب وغریب جو مردہ دیکھا ہو اس کا حال بیان کرو یہ سن کر غسال نے بیان کیا کہ ایک دن ایک بہت ہی خوبصورت اور خوش پوشاک نوجوان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا تم ہمارے ایک مردہ کو غسل دے دو گے؟۔

میں نے کہا کہ جی ہاں! چنانچہ میں اس جوان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ ایک مکان کے دروازے پر مجھ کو کھڑا کر کے اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر میں ایک لڑکی مکان کے اندر سے نکلی جس کی صورت ہو بہو اس جوان سے ملتی جلتی تھی اس نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے مجھے اندر بلایا۔ میں نے اندر جا کر دیکھا تو وہی جوان تخت پر مردہ پڑا ہوا ہے جو چند منٹ پہلے مجھ کو مکان سے بلا کر لایا تھا؛ چنانچہ میں نے اس کو غسل دے دیا اور کفن پہنا کر خوشبو لگا کر فوراً ہی اس کا جنازہ تیار کر دیا۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۲۶۶، ۲۶۷۔

جنازہ تیار ہو جانے کے بعد وہی لڑکی جو مجھے مکان کے اندر بلا کر لے گئی تھی۔ جنازہ کے پاس آئی اور اس میت کی پیشانی چوم کر یہ کہا کہ بیشک عنقریب ہی میں بھی تم سے ملنے والی ہوں۔ پھر جب میں واپس آنے لگا تو اس لڑکی نے میرا شکریہ اَدا کیا اور یہ کہا کہ اگر تمہاری بیوی اچھی طرح مردے کو غسل دینا جانتی ہو تو اس کو ابھی ابھی ہمارے پاس بھیج دو۔

غسال کا بیان ہے کہ میں اس لڑکی کی بات سن کر لرز گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ جوان کی طرح یہ بھی ابھی ابھی وفات پانے والی ہے؛ چنانچہ میں مکان پر آیا اور بیوی کو سارا ماجرا سنا کر اس کو ساتھ لے کر اس لڑکی کے مکان پر گیا اور دروازے پر دستک دی تو وہ لڑکی اندر سے بولی کہ بسم اللہ تمہاری بیوی مکان کے اندر آ جائے۔

جب میری بیوی مکان کے اندر داخل ہوئی تو یہ دیکھا کہ وہی لڑکی قبلہ رخ لیٹی ہوئی تخت پر مردہ پڑی ہے؛ چنانچہ میری بیوی نے اس کو غسل دے کر کفن پہنایا اور ان دونوں بھائی بہن کا جنازہ ایک ساتھ اٹھایا گیا۔(۱)

اس حکایت سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ بعض اولیاے کرام کو خداوند کریم اس عظیم کرامت سے بھی سرفراز فرماتا ہے کہ انہیں اپنی وفات کا وقت، وفات کی جگہ، دفن کا مقام سب کچھ پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سورۂ لقمان کے آخر میں خداوند قدوس نے فرمایا کہ مندرجہ ذیل پانچ چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے: قیامت کب آئے گی؟...... بارش کب ہوگی؟...... ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے؟...... آدمی کل کیا کمائے گا؟...... اور آدمی کہاں مرے گا؟۔

حالانکہ بہت سے انبیا و اولیا اور فرشتوں نے ان باتوں کی خبر دی ہے؛ جیسا کہ مذکورہ واقعہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح بارش کا وقت، حمل میں کیا ہے، آدمی کل کیا کرے گا اور کہاں مرے گا؟ ان امور کی خبریں بکثرت انبیا و اولیا نے دی ہیں جن کا تذکرہ قرآن وحدیث اور تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔

(۱) المستطرف فی کل فن مستظرف: ج۱ص۱۴۹۔

لہٰذا سورۂ لقمان کی آیت کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ ان پانچ چیزوں کا علم کسی طرح بھی خدا کے سوا دوسرے کو حاصل نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ اگر آیت کا یہ مطلب مان لیا جائے تو ان واقعات سے قرآن کریم کی تکذیب لازم آئے گی؛ لہٰذا ضروری ہے کہ سورہ لقمان کی آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ ان پانچ چیزوں کا علم بغیر خدا کے بتائے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ انہیں پانچ چیزوں کے علم کے بارے میں خداوند قدوس نے سورۂ جن میں ارشاد فرمایا :

عَالِمُ الغَیْبِ فَلاَ یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ o

(سورۂ جن:۲،۲۶/۷۲،۲۷)

یعنی اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

غرض یہ کہ سورۂ لقمان کی آیت کا یہی مطلب متعین ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ان پانچ چیزوں کا علم کسی کو نہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں میں جسے چاہے بتائے؛ چنانچہ سورۂ لقمان کی آیت کا آخری جملہ کہ **اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ** اس مطلب پر نہایت ہی واضح قرینہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور بتانے والا ہے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم وھو الھادی الی الرشاد .**(۱)

حضرت بایزید بسطامی کی نصیحت

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نوجوان شخص حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ (م۲۶۱ھ) کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کرتا ہے کہ مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ آپ نے فرمایا :

انظر إلی السماء بحال، فنظر إلیها، فقال: أ تدري من خلقها؟ قال: اللّٰه تعالیٰ، فقال له: إن الذي خلقها مطلع علیک حیث کنت فاحذره .

(۱) روحانی حکایات: ج۲، ص:۱۴۸تا۱۵۰۔

یعنی ذرا آسمان کی ہیئت پر غور و نظر کر، جب اس نے آسمان کی طرف نگاہ کی تو آپ نے فرمایا: پتا ہے اس کا خالق کون ہے؟۔عرض کی: ہاں! اللہ تعالیٰ۔فرمایا: (پھر اپنے دماغ میں یہ بات بٹھالے کہ) جس نے اس وسیع وعریض آسمان کو پیدا کیا ہے وہ ہمہ وقت تمہارے اَعمال واَحوال پر مطلع ہے؛ لہٰذا بچ کے رہنا۔(۱)

اور بربط ٹوٹ گیا

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ قبرستان میں حاضری دے کر واپس لوٹ رہے تھے کہ راستے میں ایک نوجوان پر نظر پڑی جو بربط (ساز کا آلہ) بجا رہا تھا۔آپ نے اسے دیکھ کر 'لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم' پڑھا تو وہ نوجوان طیش میں آ گیا اور بربط کو اس زور سے آپ کے سر پر دے مارا کہ آپ کا سرِ مبارک زخمی ہوگیا اور وہ بربط بھی ٹوٹ گیا۔آپ اس نوجوان کو کچھ کہے بغیر وہاں سے چلتے بنے۔

گھر پہنچ کر آپ نے اپنے غلام کے ذریعہ بربط کی قیمت اور حلوا بھیجا اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی دیا کہ اس رقم سے دوسرا بربط خرید لو اور چوں کہ میری وجہ سے تمہارا بربط ٹوٹ گیا تھا جس سے تمہارا دل رنجیدہ ہوا ہوگا تو حلوا کھالو تاکہ تمہارا صدمہ ختم ہوجائے۔وہ نوجوان اس اخلاقِ کریمانہ سے ایسا متاثر ہوا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر تائب ہوگیا۔(۲)

گدڑی میں لعل

داؤد ظاہری (م۲۷۰ھ) کا بیان ہے کہ ایک روز میری مجلس میں ایک نہایت ہی شکستہ حال انسان انتہائی بوسیدہ لباس پہنے ہوئے آیا اور میری اجازت کے بغیر دفعۃً میری مسند پر براجمان ہوگیا، اپنا نام ابو یعقوب بصری بتایا اور میری طرف مخاطب ہوکر فخریہ لہجے میں کہا :

---

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح:۱/۲۹۔

(۲) تذکرۃ الاولیاء:۱۳۷،۱۳۸۔

سل یافتی عمابدا لک ؟ .

اے جوان! جو تیرے دل میں آئے مجھ سے پوچھ لے!۔

داوٗد ظاہری کہتے ہیں کہ مجھے اس کے اس فخر آمیز لب ولہجہ پر بڑا غصہ آیا اور میں نے طنز کے طور پر کہہ دیا کہ اگر حجامت (پچھنا لگانے) کے بارے میں جناب کو کچھ معلومات ہوں تو ارشاد فرمائیے؟۔

یہ سن کر ایک دم وہ شخص سنبھل کر بیٹھ گیا اور حدیث: **أفطر الحاجم والمحجوم .** کی تمام روایات کو بیان کر کے بتانے لگا کہ کن کن سندوں سے یہ حدیث مسند ہے، کن کن سندوں سے یہ حدیث موقوف و مرسل ہے اور کون کون سے فقہا کا اس پر عمل ہے۔ پھر اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچھنا لگانے کے مختلف مقامات، مختلف طریقے سے پچھنا لگانے والوں کے نام، پچھنا لگانے کی اُجرتوں اور ان کے احکام کا مفصل بیان کیا۔

حدیث و فقہ کی تمام بحثوں کے بعد وہ اَطبا کے اَقوال کی طرف رجوع ہوا تو ان تمام طبیبوں کے اَقوال بیان کرنے لگا جو مختلف زمانوں میں مختلف اَطبا کہتے رہے تھے۔ پھر حجامت کے فوائد اس کے مختلف طریقوں، اس کے مختلف آلات پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد تاریخ کا نمبر آیا۔ تو اس نے بہت سے شواہد اور دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ عمل حجامت کے موجد اہل اَصفہان ہیں۔

داوٗد ظاہری کہتے ہیں کہ اس شخص کی معلومات کی وسعت اور اس کے سیلابِ تقریر کی جولانی و روانی دیکھ کر میں دریائے حیرت و اِستعجات میں غرق ہو گیا؛ یہاں تک کہ میں نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہہ دیا: اے شخص! بس کر مجھے معاف کر دے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ خدا کی قسم! اب تیرے بعد میں کسی شخص کو بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھوں گا۔(۱)

داوٗد ظاہری کا یہ فیصلہ بالکل صحیح ہے کہ کسی کو شکستہ حال اور بوسیدہ لباس میں دیکھ کر ہرگز کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ بہت باکمال پھٹے پرانے کپڑوں میں شکستہ حال ہیں؛ مگر اپنے علم و فضل کی مستی میں تمام دنیا سے فارغ البال ایسے خوشحال ہیں کہ ۔

(۱) المنتظم ابن الجوزی:۳/۴۸۹......مرآۃ الجنان:۱/۲۸۷......تاریخ بغداد:۶/۳۵۵۔

پھٹے کپڑوں میں خنداں مثل گل ہیں ☆ شرافت کیا بہارِ بے خزاں ہے

بزرگوں نے ایسے لوگوں کو 'گدڑی میں لعل' کہا ہے اور سخت تاکید اور تنبیہ کی ہے کہ۔

خاکسارانِ جہاں رابحقارت منگر

توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی دنیا کے خاکساروں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔ تم کو کیا معلوم کہ اس گرد میں کوئی سوار چھپا ہو اور پھٹے پرانے لباس میں کوئی باکمال شخص ہو۔ صرف صورت ولباس دیکھ کر کسی کے عیب و ہنر کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، انسان کے فضل وکمال کا جوہر تو گفتگو کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی نے اس فلسفہ کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان کردیا ہے۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد ☆ عیب و ہنرش نہفتہ باشد

یعنی جب تک آدمی بات نہیں کرتا۔ اس وقت تک اس کا عیب و ہنر دونوں چھپے رہتے ہیں۔(۱)

ماں کی دُعا کا اَثر

حضرت عبدالرحمٰن بن احمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت اِمام بقی بن مخلد (م ۲۷۶ھ) کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور بڑے غمگین انداز میں یوں عرض گزار ہوئی: حضور! میرے جوان بیٹے کو رومیوں نے قید کرلیا ہے اور وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا اُن کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہا ہے۔ میرے پاس اتنی رقم نہیں کہ میں فدیہ دے کر اسے آزاد کرالوں۔ میری ملکیت میں صرف ایک چھوٹا سا گھر ہے جسے میں بیچ بھی نہیں سکتی، اپنے لخت جگر کی جدائی کے غم نے میرے دن کا قرار اور راتوں کی نیند اُڑادی، مجھے ایک پل سکون میسر نہیں، خدارا! میری حالتِ زار پر رحم فرمائیں، اگر آپ کسی صاحب حیثیت سے کہہ دیں گے تو وہ فدیہ دے کر میرے بیٹے کو آزاد کرالے گا اور اس طرح مجھے قرار نصیب ہوجائے گا۔

(۱) روحانی حکایات: ج۱، ص: ۳۴ تا ۳۵۔

اس بوڑھی ماں کی یہ مامتا بھری باتیں سن کر آپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: محترمہ! اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں، وہ ضرور کرم فرمائے گا۔ میں آپ کے معاملے کو حل کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہوں، آپ بے فکر ہو جائیں۔ جب دکھیاری ماں نے ڈھارس بندھانے والی یہ باتیں سنیں تو دعائیں دیتی ہوئی وہاں سے رخصت ہوگئی۔

راوی کہتے ہیں کہ جب وہ بڑھیا وہاں سے چلی گئی تو آپ سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور آپ کچھ پڑھنے لگے؛ لیکن ہم آپ کے کلام کو نہ سن سکے۔ آپ کافی دیر تک اسی حالت میں رہے۔

کچھ عرصہ کے بعد وہی بوڑھی ماں اپنے جوان بیٹے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ آپ کو دعائیں دے رہی تھی اور آپ کا شکریہ اُدا کر رہی تھی۔ پھر کہنے لگی: حضور! آپ کی برکت سے میرے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے قید سے رہائی عطا فرما دی ہے۔ اس کا واقعہ بڑا عجیب ہے، یہ خود اپنی رہائی کی داستان آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہے؛ چنانچہ نوجوان یوں گویا ہوا:

رومیوں نے مجھے قید کرنے کے بعد چند دیگر قیدیوں کے ساتھ شامل کر دیا۔ وہ ہم سے بہت زیادہ مشقت والے کام کرواتے۔ پھر ہم چند قیدیوں کو ایک بڑے شاہی عہدے دار کے پاس بھیج دیا گیا۔

اس کی ملکیت میں بہت سارے باغات تھے اور وہ بہت بڑی جاگیر کا مالک تھا، وہ ہمارے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر سپاہیوں کی نگرانی میں اپنے باغات اور کھیتوں میں کام کرنے کے لیے بھیجتا۔ ہم سارا دن زنجیروں میں جکڑے ہوئے جانوروں کی طرح کام کرتے، پھر شام کو واپس ہمیں قید خانہ میں ڈال دیا جاتا۔ اس طرح ہم ان کی قید میں مشقتیں برداشت کر رہے تھے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ جب شام کو ہمیں واپس قید خانے کی طرف لایا جا رہا تھا تو یکا یک میرے پاؤں میں بندھی ہوئی مضبوط بیڑیاں خود بخود ٹوٹ کر زمین پر آ پڑیں۔ جب سپاہیوں کو

خبر ہوئی تو وہ میری طرف دوڑے اور چیختے ہوئے کہنے لگے: تو نے بیڑیاں کیوں توڑ ڈالیں؟۔ میں نے کہا: بیڑیاں خود بخود ٹوٹ گئیں، میں نے تو ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو دوسرے قیدیوں سے پوچھ لو۔

نوجوان کی یہ بات سن کر سپاہی بہت حیران ہوئے اور انھوں نے جا کر اپنے اَفسر کو یہ واقعہ بتایا، وہ بھی حیران ہوا اور اس نے فوراً ایک لوہار کو بلایا اور کہا: اس نوجوان کے لیے مضبوط بیڑیاں تیار کرو۔ لوہار نے پہلی بیڑیوں سے مضبوط بیڑیاں تیار کیں، اور مجھے دوبارہ پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ ابھی میں ان بیڑیوں میں چند قدم ہی چلا ہوں گا کہ وہ بھی خود بخود ٹوٹ کر زمین پر گر پڑیں۔

یہ منظر دیکھ کر سارے لوگ بہت حیران ہوئے اور انھوں نے باہم مشورہ سے ایک راہب کو بلایا اور اسے ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ راہب نے ساری گفتگو سن کر مجھ سے پوچھا: اے نوجوان! کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟۔ میں نے کہا: ہاں! الحمدللہ! وہ حیات سے ہیں۔ اب وہ راہب اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: اس نوجوان کی والدہ نے اس کے لیے دعا کی ہے، اس کی دعاؤں نے اس نوجوان کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ماں کی دعا قبول کر لی ہے۔ اب چاہے تم اسے کتنی ہی مضبوط زنجیروں میں قید کرو، یہ پھر بھی آزاد ہو جائے گا؛ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ اسے آزاد کر دو، جس کے ساتھ ماں کی دعائیں ہوں اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

راہب کی یہ بات سن کر ان رومیوں نے نہ صرف مجھے آزاد کیا بلکہ اِسلامی سرحد تک لا کر چھوڑ بھی گئے۔ جب اس نوجوان سے وہ دن اور وقت پوچھا گیا جس دن اس کی بیڑیاں ٹوٹی تھیں، تو وہ وہی دن تھا جس دن بڑھیا امام بقی بن مخلد علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تھی، اور اس نے دعا کے لیے عرض کیا تھا اور آپ نے اس کے بیٹے کے لیے دعا کی تھی۔ اسی دن اور اسی وقت نوجوان کو روم میں وہ واقعہ پیش آیا۔ اس طرح ماں کی دعاؤں اور حضرت ابن مخلد کی برکت سے اس نوجوان کو رہائی حاصل ہوئی۔(۱)

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۲۷۰، تا ۲۷۲۔

صدیق کی فراست، خطانہیں کرتی

حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ (م۲۹۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں بغداد کی جامع مسجد میں چند درویشوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک خوبصورت نوجوان جس کے لباس سے بہترین خوشبو آرہی تھی، مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے اپنے رفقا سے کہا کہ میرے خیال سے یہ نوجوان یہودی ہے، مسلمان نہیں ہے۔ ان لوگوں نے میری بات ناگواری سے سنی اور ایک مسلمان کو یہودی کہہ دینے پر برا منایا۔ میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ وہ شخص بھی باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ نوجوان واپس ہوا اور میرے رفقا سے دریافت کرنے لگا کہ یہ بڑے میاں میرے متعلق کیا کہہ رہے تھے؟ پہلے تو لوگوں نے صحیح بات بتلانے سے گریز کیا؛ لیکن جب اس نوجوان کا اصرار بڑھا تو انھوں نے بتلایا کہ وہ بڑے میاں تمھیں یہودی کہہ رہے تھے۔

حضرت ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد وہ نوجوان میرے پاس آیا۔ سلام کیا، اور میرے سر کو بوسہ دے کر کہنے لگا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ صدیق کی فراست خطا نہیں کرتی۔ میں نے اِرادہ کیا کہ اس قول کی صداقت کا امتحان کروں؛ چنانچہ میں مسلمانوں کے پاس پہنچا، ان کے حالات پر نظر ڈالنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں کے صدیق، درویشوں اور فقیروں کے طبقے ہوتے ہوں گے، یہی سوچ کر میں آج آپ لوگوں کے پاس آیا تھا۔ آپ نے میرا مذہب بتلا کر میرے اِرادے کی تکمیل کر دی اور ساتھ ہی ہمارے مذہبی صحیفوں کے اس قول کی تصدیق بھی ہوگئی کہ صدیق کی فراست خطا نہیں کرتی۔

حضرت ابراہیم الخواص کہتے ہیں کہ وہ نوجوان اس واقعے سے اس قدر متاثر ہوا کہ دامن اسلام میں داخل ہو گیا اور اس قدر عبادت و ریاضت کی کہ ایک دن بڑا صوفی کہلایا۔(۱)

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۲۵۴...... الرسالۃ القشیریۃ: ۱/۱۰۸۔

صحبتوں کے فیوض و برکات

حضرت ابراہیم بن خواص فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں صحرا میں توکل علی اللہ کیے ہوئے چل رہا تھا کہ دور سے کسی آتش پرست نوجوان نے میرا نام لے کر سلام کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ اجازت دے دیں تو میں بھی آپ کا ہم سفر بن جاؤں۔ میں نے کہا کہ جہاں میں جانا چاہتا ہوں وہاں تمہارا گزر نہیں ہوسکتا؛ لیکن اس نے کہا کہ میں ہر شے سے بے پرواہ ہوکر آپ کے ہمراہ چلوں گا تاکہ کچھ نہ کچھ فیض مجھ کو بھی حاصل ہوجائے۔ یہ کہہ کر وہ میرے ہمراہ ایک ہفتہ سفر کرتا رہا؛ لیکن آٹھویں دن کہنے لگا کہ اپنے خدا سے کھانے کے لیے کچھ طلب فرمایئے؛ کیونکہ میں بھوک سے نڈھال ہوچکا ہوں۔

اس کی اِستدعا پر میں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اپنے حبیب کے تصدق میں مجھے اس آتش پرست کے سامنے ندامت سے بچالے۔ اسی وقت غیب سے ایک خوانِ نعمت نازل ہوا جس میں گرم روٹیاں، تلی ہوئی مچھلی، تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی موجود تھا۔ چنانچہ ہم دونوں نے خوب شکم سیر ہوکر کھایا اور اس کے بعد پھر ایک ہفتہ فاقہ کشی کے عالم میں سفر کرتے رہے۔ پھر آٹھویں دن میں نے اس آتش پرست سے کہا کہ آج تم بھی اپنا کوئی کمال پیش کرو۔ یہ سن کر اپنا عصا زمین پر ٹیک کر زیرلب کچھ پڑھا جس کے فوراً بعد پہلے جیسا خوان نعمت غیب سے نازل ہوا اور مجھے یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی کہ یہ کمال اس میں کیسے پیدا ہوگیا اور جب اس نے کہا کہ آیئے ہم دونوں مل کر کھالیں تو میں نے احساس ندامت سے کہا کہ مجھے اس وقت بھوک نہیں ہے تم تنہا کھالو؛ لیکن اس نے کہا کہ آپ حیرت زدہ نہ ہوں؛ بلکہ اطمینان سے کھانا کھالیں اس کے بعد آپ کو دو خوش خبریاں سناؤں گا۔

اوّل یہ کہ آپ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان کرلیں؛ چنانچہ وہ اسی وقت صدق دلی سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا اور دوسری خوش خبری یہ تھی کہ جس وقت آپ نے مجھ سے کمال پیش کرنے کے لیے کہا تو میں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اس بزرگ کے صدقہ میں مجھے ندامت سے بچالے چنانچہ یہ جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں میرے کمال کو قطعاً دخل نہیں، آپ ہی کا فیض صحبت ہے۔(۱)

(۱) تذکرۃ الاولیاء مترجم: ۳۰۱۔

ذِکرِ الٰہی کی برکات

حضرت علی بن محمد حلوانی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ 'رَے' کی جامع مسجد میں اپنے رفقا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک ہمسائے کے گھر سے گانے باجے کی آواز سنائی دی، اس آواز سے مسجد میں موجود تمام لوگ پریشان ہوگئے۔ کسی نے کہا: اے ابواسحٰق! اب کیا کیا جائے؟ یہ سن کر آپ مسجد سے نکلے اور اس کے گھر کی طرف چل دیے جہاں سے گانے کی آواز آرہی تھی۔

آپ گلی کا موڑ مڑنے لگے تو سامنے ایک بیمار و کمزور سا کتا بیٹھا ہوا نظر آیا۔ جب آپ اس کے قریب سے گزرے تو وہ کھڑا ہوکر آپ کو بھونکنے لگا، آپ واپس مسجد میں آگئے اور کچھ سوچنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ اسی مکان کی طرف چل دیے۔ جب اس کمزور وضعیف کتے کے قریب سے گزرے تو وہ دُم ہلانے لگا اور بالکل نہ بھونکا۔

جب اس گھر کے پاس پہنچے جہاں سے گانے کی آواز آرہی تھی تو ایک خوبصورت نوجوان باہر آیا اور کہنے لگا: اے محترم بزرگ! آپ پریشان کیوں ہیں؟ مجھے جب آپ کے ایک ساتھی نے بتایا کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو پریشانی ہورہی ہے تو اسی وقت میں نے اپنے گناہوں سے توبہ کرلی، اب آپ جو چاہیں گے میں وہی کروں گا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کرلیا ہے کہ اب کبھی بھی شراب نہ پیوں گا۔ اس کے بعد اس نوجوان نے تمام آلاتِ لہو ولعب اور شراب کے برتن توڑ دیے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرکے اعمالِ صالحہ کی طرف راغب ہونے کی نیت کرلی۔

آپ واپس مسجد آئے تو لوگوں نے پوچھا: حضور! پہلی مرتبہ وہ کمزور کتا آپ پر بھونکا اور دوسری مرتبہ چاپلوسی کرتے ہوئے دُم ہلانے لگا، اس کی کیا وجہ ہے؟۔ فرمایا: جب میں پہلی مرتبہ باہر گیا تو اللہ سے کیے ہوئے وعدے میں کوتاہی ہوئی اور میں ذکر اللہ سے غافل ہوگیا، اسی لیے وہ کمزور سا کتا بھی مجھ پر دلیر ہوکر بھونکنے لگا۔ جب کوتاہی کا اِحساس ہوا تو میں نے اللہ سے اپنی اس غلطی کی معافی مانگی، پھر دوبارہ گیا تو وہی کتا میری چاپلوسی کرنے لگا اور تم یہ سب اپنی آنکھوں

سے دیکھ چکے ہو۔ لہٰذا یاد رکھو! ہر وہ شخص جو کسی بری چیز کے خاتمے کے لیے جائے اور اپنے رب سے کیے ہوئے کسی وعدے میں اس سے کوتاہی ہو جائے تو تمام چیزیں اس پر دلیر ہو جاتی ہیں؛ لیکن جب وہ اس غلطی و کوتاہی کا اِزالہ کر لے تو کوئی چیز اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور یہ دونوں باتیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔

سو کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ہر گھڑی اللہ کی اِطاعت میں رہتے ہیں۔ ان عظیم لوگوں کے لیے خوش خبری ہے جو ہر گھڑی حکم الٰہی کی بجا آوری کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور انھیں راہِ خدا میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی!۔(۱)

بے نیاز نوجوان

حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے طواف کے دوران میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جس نے دو چادریں اپنے جسم پر لی ہوئی تھیں، ایک کا تہبند اور دوسری کندھوں اور بقیہ جسم پر ڈال رکھی تھی۔ وہ خوبصورت نوجوان بھی خانہ کعبہ کے گرد طواف کر رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ طواف کرتا رہا، پھر نماز پڑھنا شروع کر دی، اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہا۔

اس کے نورانی چہرے اور زہد و عبادت کو دیکھ کر میرے دل میں اس کی عظمت بیٹھ گئی اور وہ میری نظروں میں بہت زیادہ معزز ہو گیا۔ میں روزانہ اس نوجوان کو اسی طرح طواف و نماز میں مشغول دیکھتا۔ میرے پاس چار سو درہم تھے، میں انھیں لے کر اس نوجوان کے پاس گیا، اس وقت وہ مقام ابراہیم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے تمام درہم اس کے قریب رکھ دیے اور کہا: اے میرے بھائی! یہ حقیر سا نذرانہ میری طرف سے قبول کر لو اور اس رقم کے ذریعہ اپنی ضروریات پوری کرو۔ یہ سن کر وہ نوجوان کھڑا ہو گیا اور تمام درہم ادھر اُدھر بکھیر کر کہنے لگا: اے ابراہیم! میں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ستر

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۸۷، ۸۸۔

ہزار دینار خرچ کیے، پھر مجھے یہ حالت اور اس جگہ عبادت کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور آپ مجھے اللہ کی عبادت سے دور کرنا چاہتے ہیں، اور وہ بھی اِتنی کم رقم کے عوض!۔

حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس نوجوان کی یہ بات سن کر میں شرم سے پانی پانی ہوگیا اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ حقیر سمجھنے لگا، پھر میں نے وہ درہم جمع کرنا شروع کیے۔ میں زمین پر بکھرے ہوئے ان درہموں کو بٹور رہا تھا اور وہ نوجوان کھڑا ہو کر بے نیازی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ آج میری نگاہوں میں اس سے زیادہ معزز کوئی نہ تھا، اور وہ مجھے سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد پھر وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔(۱)

بات ایک غریب الوطن کی

حضرت علی بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں سترہ سال تک جنگلوں اور صحراؤں میں پھرتا رہا، اور مختلف مقامات پر اپنے رب ذوالجلال کی عبادت کرتا رہا۔ ان سترہ سالوں میں مجھے جو سب سے زیادہ عجیب واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ میں نے جنگل میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے دونوں ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے تھے، اور وہ گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا، اس کے علاوہ بھی وہ بہت سی مشکلات سے دوچار تھا۔

میں اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا اور مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ میں نے قریب جا کر اسے سلام کیا، اس نے میرا نام لے کر جواب دیا۔ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر مجھے اور بھی حیرت ہوئی، میں نے پوچھا: اللہ کے بندے! تم سے میری یہ پہلی ملاقات ہے، پھر تم نے میرا نام کیسے جان لیا؟۔ وہ نوجوان کہنے لگا: جو ذات آپ کو میرے پاس لائی ہے، اسی نے مجھے آپ کی پہچان بھی کرادی ہے!۔ میں نے کہا: تم نے بالکل بجا کہا، واقعی میرا پروردگار ہر چاہے پر قادر ہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا: کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جانے کا اِرادہ ہے؟۔

---

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۴/۴۱۴......عیون الحکایات ابن الجوزی: ۱/۳۸۳، ۳۸۴۔

اس نے کہا: میں شہر ’بخارا‘ سے آرہا ہوں اور حرمین شریفین کی طرف جا رہا ہوں۔ یہ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ نہ اس جوان کے ہاتھ ہیں نہ پاؤں، پھر یہ بخارا سے یہاں تک کیسے پہنچا اور اب یہ مکہ معظّمہ تک جانا چاہتا ہے جو یہاں سے کافی فاصلے پر ہے، یہ وہاں تک تن تنہا کیسے پہنچے گا؟۔ میں انھیں خیالات میں گم بڑی حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس شخص نے میری طرف جلال بھری نگاہ ڈالی اور کہا: اے ابراہیم! کیا تجھے اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ قادر وقدیر پروردگار مجھ جیسے ضعیف واَپاہج انسان کو یہاں تک کیسے لے آیا!۔ اتنا کہنے کے بعد اس کی آنکھوں سے ’سیلِ اشک‘ رواں ہوگیا، اور وہ زار وقطار رونے لگا۔ میں نے اسے کہا: تم بالکل پریشان نہ ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت ہر شخص کے ساتھ ہے، اور وہ کسی کو مایوس نہیں فرماتا۔

پھر میں اسے وہیں چھوڑ کر آگے روانہ ہوگیا۔ میرا بھی اُس سال حج بیت اللہ کا اِرادہ تھا۔ جب میں مکہ مکرمہ پہنچا اور طواف کے لیے خانۂ کعبہ میں حاضر ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہی اَپاہج نوجوان مجھ سے پہلے خانہ کعبہ پہنچا ہوا ہے اور گھسٹ گھسٹ کر خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول ہے!۔(۱)

حق کا سچا متلاشی

حضرت حامد اَسودؒ حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم الخواص جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو کسی کو بھی اِطلاع نہ دیتے اور نہ ہی کسی کو اپنے ساتھ سفر پر چلنے کے لیے کہتے۔ جب کبھی سفر کا اِرادہ ہوتا تو ایک برتن اپنے ساتھ لے جاتے جو وضو اور پانی پینے کے لیے استعمال فرماتے۔

ایک مرتبہ اسی طرح آپ نے اپنا برتن اُٹھایا اور ایک سمت چل دیے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا۔ ہمارا سفر جاری رہا۔ آپ نے دورانِ سفر مجھ سے کوئی بات نہ کی؛ یہاں تک کہ ہم کوفہ

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۳۸۴، ۳۸۵۔

پہنچ گئے۔ وہاں ہم نے ایک دن اور ایک رات قیام کیا، پھر آپ 'قادسیہ' کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم قادسیہ پہنچے تو آپ میری طرف متوجہ ہوکر پوچھنے لگے: اے حامد! تم یہاں کیسے آئے؟۔ میں نے عرض کی: حضور! میں تو آپ کے ساتھ ساتھ ہی سفر کرتا آ رہا ہوں، اور اس پورے سفر میں میں آپ کے ساتھ رہا ہوں۔

آپ نے فرمایا: میرا اِرادہ توجّ کرنے کا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اب میں مکہ معظّمہ کی طرف جاؤں گا۔ تو میں نے عرض کی: حضور! ان شاء اللہ میں بھی آپ کے ساتھ مکہ شریف چلوں گا۔ چنانچہ ہم سوئے حرم روانہ ہوئے اور مسلسل دن رات سفر کیا۔

ہمارا سفر اسی طرح جاری وساری تھا۔ مکہ مکرمہ قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک ہمیں راستے میں ایک نوجوان ملا، وہ بھی ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ ہمارے ساتھ ایک دن اور رات سفر کرتا رہا؛ لیکن راستے میں اس نے ایک بھی نماز نہ پڑھی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم الخواص نے اس سے فرمایا: اے نوجوان! تو کل سے ہمارے ساتھ ہے، لیکن تو نے ایک بھی نماز نہ پڑھی؛ حالاں کہ نماز، حج سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے!۔

اس نوجوان نے جواب دیا: اے شیخ! مجھ پر نماز فرض نہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تو مسلمان نہیں؟۔ اس نے کہا: نہیں، میں نصرانی ہوں، اور میں اس جنگل بیابان میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ میں توکل میں کتنا کامل ہوں اور مجھے میرے پروردگار پر کتنا بھروسہ ہے؛ کیوں کہ میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ تو توکل میں بہت کامل ہے؛ لیکن میں نے نفس کی بات پر یقین نہ کیا اور یہ تہیہ کرلیا کہ اپنے آپ کو آزماؤں گا اور کسی ایسی جگہ جاؤں گا جہاں میرے رب کے سوا کوئی نہ ہو، پھر وہاں دیکھوں گا کہ میرے اندر کتنا توکل ہے؛ چنانچہ میں اس جنگل بیابان میں آ گیا ہوں اور اپنے آپ کو آزما رہا ہوں۔

اُس نوجوان کی یہ بات سن کر حضرت ابراہیم الخواص علیہ الرحمہ وہاں سے اُٹھے اور چلتے ہوئے مجھ سے فرمایا: اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ نوجوان بھی ہمارے ساتھ ہی چلنے لگا۔ حرم شریف سے قریب 'وادیِ مُر' میں پہنچ کر آپ نے اپنے پرانے کپڑے اُتار کر دھوئے، پھر وضو

کرنے کے بعد اس نوجوان سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟۔عرض کی: عبدالمسیح۔آپ نے فرمایا: اے عبدالمسیح! اب حرم شریف کی حد شروع ہونے والی ہے، اور کفار کا داخلہ حرم میں ممنوع ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم میں فرمایا :

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا o (سورۂ توبہ:۹/۲۸)

مشرکین نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔

لہٰذا تم یہیں رکو اور ہرگز ہرگز حرم شریف میں داخل نہ ہونا۔ اگر تم داخل ہوئے تو ہم حکام سے تمہاری شکایت کردیں گے۔ اتنا کہنے کے بعد ہم نے اس نوجوان کو وہیں چھوڑا اور ہم مکہ معظّمہ کی نور بار مشکبار فضاؤں میں داخل ہوگئے۔ پھر ہم میدانِ عرفات کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں حاجیوں کا ہجوم تھا، اچانک ہم نے اسی نوجوان کو میدانِ عرفات میں دیکھا۔ اس نے حاجیوں کی طرح اِحرام باندھ رکھا تھا، اور بے تابانہ نظروں سے کسی کو تلاش کررہا تھا؛ جوں ہی اس نے ہمیں دیکھا فوراً ہمارے پاس چلا آیا اور حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمہ کی پیشانی کو بوسہ دینے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابراہیم الخواص نے اِرشاد فرمایا: اے عبدالمسیح! تم یہاں کیسے آگئے؟ اس نوجوان نے عرض کی: حضور! اب میرا نام عبدالمسیح نہیں بلکہ عبداللہ ہے؛ یعنی اب میں عیسائی نہیں رہا، دامن اسلام میں داخل ہوچکا ہوں۔

آپ نے فرمایا: اپنا پورا واقعہ بیان کرو کہ تم کس طرح مسلمان ہوئے، تمہاری زندگی میں یہ انقلاب کیسے آیا؟۔ اس نوجوان نے عرض کی: حضور! جب آپ مجھے چھوڑ کر آگئے تھے تو میں وہیں موجود رہا، اور میرے دل میں یہ خواہش مچلنے لگی کہ آخر میں بھی تو دیکھوں کہ وہ مکہ معظّمہ کیسی جگہ ہے جس کی طرف مسلمان سفر و ہجر کی صعوبتیں برداشت کرکے ہر سال حج کے لیے آتے ہیں۔ آخر اس میں ایسی کیا عجیب بات ہے۔ اسی خواہش کی بنا پر میں نے بھیس بدلا اور مسلمانوں جیسی حالت بنالی۔ میری خوش قسمتی کہ وہاں ایک قافلہ پہنچا جو 'حرمین شریفین' آرہا تھا۔

میں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور اس قافلے میں شامل ہو گیا۔

جوں جوں ہمارا قافلہ مکہ مکرمہ سے قریب ہوتا جا رہا تھا، میرے دل کی دنیا بدلتی جا رہی تھی۔ عجیب وغریب کیفیت کا عالم تھا، پھر جونہی میری نظر 'خانۂ کعبہ' پر پڑی، تو میرے دل سے تمام اَدیانِ باطلہ کی محبت نکل گئی، اور 'دینِ اسلام' کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔ میں نے فوراً 'عیسائیت' سے توبہ کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اِختیار کر لی، اور مسلمان ہو گیا، اس وقت میرا دل بہت خوشی محسوس کر رہا ہے۔

قبولِ اسلام کے بعد میں نے غسل کیا، اِحرام باندھا اور دعا کی: اے اللہ! آج میری ملاقات حضرت ابراہیم الخواص سے ہو جائے۔ بارگاہِ الٰہی میں میری دعا قبول ہوئی اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمہ بہت خوش ہوئے۔ اسے خوب شفقتوں اور محبتوں سے نوازا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے حامد! دیکھو سچائی میں کتنی برکت ہے۔ اس نوجوان کو حق کی تلاش تھی، اور یہ اپنی طلب میں سچا تھا؛ لہٰذا اسے حق مل گیا۔ یعنی یہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ پھر وہ نوجوان ہمارے ساتھ ہی رہنے لگا اور بہت بلند مرتبہ حاصل کیا؛ بالآخر وہ دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف روانہ ہو گیا۔(۱)

اولیا کے عالیشان محل

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (م۲۸۳ھ) کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں اس وقت پہنچے جب مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور امام خطبہ دینے کے لیے منبر پر جا رہے تھے۔ یہ صفوں کو چیرتے ہوئے آگے پہنچے، اور پہلی صف میں جا بیٹھے۔ ان کے دائیں جانب ایک نوجوان معطر اونی چادر اوڑھے بیٹھا تھا۔ اس نے حضرت سہل بن عبداللہ کو دیکھا تو پوچھا: سہل! کیا حال ہے؟۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۳۲۲ تا ۳۲۴۔

حضرت سہل: میں اچھا ہوں۔ اَصْلَحَکَ اللّٰہ .

حضرت سہل نے اس نوجوان کو بات کا جواب دے دیا مگر وہ اس ادھیڑ بُن میں رہے کہ یہ ہے کون شخص؟ جس نے مجھے پہچان لیا اور میں اسے نہ پہچان سکا؟۔ اسی دوران حضرت سہل کو پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی؛ مگر وہ سوچنے لگے اس وقت اگر یہاں سے نکلوں تو پھر لوگوں کو تکلیف دوں گا، لامحالہ پھلانگ کر ہی جانا ہوگا، اور اگر نہیں جاتا تو نماز خراب ہوتی ہے۔ وہی نوجوان اتنے میں پوچھتا ہے: آپ کو پیشاب کی حاجت ہے؟۔

حضرت سہل نے کہا: ہاں! بات تو ایسی ہی ہے۔ نوجوان نے اپنے کندھے سے چادر اُتاردی، اور حضرت سہل کو اڑھادی، اور کہا: جلد فارغ ہو کر نماز میں شامل ہو جایئے گا۔

حضرت سہل فرماتے ہیں کہ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی اور جب کھلی تو میں نے خود کو ایک بڑے دروازے پر پایا ایک شخص دروازے پر کھڑا کہتا ہے: اندر چلے آؤ۔ جب میں اندر گیا تو ایک عالیشان محل تھا، اور ایک جانب ایک درخت تھا، جس کے پاس ایک لوٹے میں پانی رکھا ہوا تھا، وہیں پر استنجا خانہ بھی تھا، اور ایک طرف مسواک اور رومال موجود تھے۔

میں نے استنجا اور غسل کیا، اب وضو کر رہا تھا۔ اتنے میں اس شخص کی آواز آئی جب اپنا کام پورا کر چکے ہو تو ہاں کہو تو میں نے کہا۔ ہاں! پھر جب اس نے میرے اوپر سے چادر اُتاری تو میں مسجد میں اسی جگہ موجود تھا، اور میرے اس واقعہ کا کسی کو علم بھی نہیں ہوا، اور میرا یہ حال کہ میں فکر میں ڈوبا ہوا تھا کہ قصہ کیا ہوا؟۔

میں کبھی اس واقعہ کی تصدیق کرتا، اور کبھی تکذیب کرتا۔ اتنے میں جماعت کھڑی ہوئی۔ لوگوں کے ساتھ میں نے بھی نماز پڑھی۔ مجھے اس نوجوان کا برابر خیال رہا۔ نماز ختم ہونے کے بعد میں اسی کے پیچھے چلا۔ وہ ایک مکان میں داخل ہوا، اور میری جانب دیکھ کر کہنے لگا: کیا آپ کو اپنے دیکھے ہوئے پر اعتبار نہیں آیا؟۔

میں نے کہا: نہیں۔ نوجوان نے کہا: اچھا آیئے اس دروازہ میں داخل ہویئے۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ یہ وہی قصر ہے، اندر درخت لوٹا، بھیگا ہوا رومال سب کچھ بعینہٖ موجود تھا۔ میں نے

کہا: اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ .

نوجوان گویا ہوا: اے سہل! جو انسان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے ہر چیز اس کی فرمانبرداری کرتی ہے۔ آپ بھی سچے دل سے اس کے طالب ہوں تو اسے پالیں گے۔ یہ سن کر میری آنکھیں اشکوں سے تر ہوگئیں۔ اس نوجوان نے میرے آنسو پونچھے۔ اس کے بعد جب میں نے آنکھ کھولی تو نہ نوجوان موجود تھا نہ وہ محل ہیں۔ اس مردِ حق آگاہ کے جانے سے اور اس کی صحبت کی محرومی سے مجھے افسوس ہوا۔ پھر میں کارِ عبادت میں لگ گیا۔(۱)

ولی کا ہم شکل فرشتہ

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں مصر کے اندر فاقہ زدہ تھا۔ ایک مسجد میں گیا، وہاں ایک نوجوان نے مجھے ایک بٹوا دیا جس میں کچھ درہم تھے، اور فرمایا: جا کر حجامت بنوالو، اور اپنے کپڑے دھو کر صاف کرلو۔ حجامت کے بعد میں نے حجام کو اس میں سے دو پیسے دے دیے تو اس نے انہیں چوم کر کہا: مرحبا! میں تیس سال سے آپ کی تلاش میں تھا، آپ کو یہ پیسے کہاں سے ملے؟ یہ دنیاوی پیسے نہیں ہیں، ان پر قدرت کا بہت نور ہے۔

میں نے ان سے ماجرا بتایا تو وہ میرا ہاتھ تھامے مسجد میں گیا؛ مگر وہاں نوجوان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اب وہ حجام میرا دوست بن گیا۔ ایک روز مجھ سے کہنے لگا: میں نے حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ ولی کی تین علامتیں ہیں:

(۱) جب کسی مقام پر جانا چاہتے ہیں بلاحرکت وہاں پہنچ سکتے ہیں۔

(۲) اگر اپنے کسی بھائی سے ملنا چاہیں تو وہ اس کے پاس پہنچا دیے جاتے ہیں۔

(۳) وہ اگر عبادت یا کسی اور کام میں مشغول ہوں تو ان کی جگہ ان کی شکل کا ایک فرشتہ باتیں کرتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ولی اللہ سے باتیں کررہے ہیں حالانکہ حقیقتاً وہ فرشتہ ہوتا ہے۔

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیا: ۳۳۶ تا ۳۳۸۔

حجام نے مزید کہا: اس کے چند روز بعد حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے عصر کے بعد بلایا؛ تا کہ میں ان کی حجامت بناؤں اور خون نکالوں۔ میں وقت مقررہ پر گیا اور حضرت کی حجامت بنوائی اور خون نکالا، پھر کچھ دیر بیٹھا رہا۔ کھانا پکایا گیا۔ اتنے میں مغرب کی اذان ہو گئی۔ مجھ سے فرمایا کہ نماز مغرب کے بعد آ کر میرے ساتھ کھانا کھالینا۔ نماز مغرب سے فارغ ہوا تو مجھے حضرت کا ایک مرید ملا، اور کہا آج تم سے بڑی قیمتی چیزیں فوت ہو گئیں۔

آج حضرت سہل بن عبد اللہ نے عصر سے مغرب تک کی نشست میں ایسی ایسی باتیں فرمائیں جو کبھی سننے میں نہیں آئی تھیں۔ میں نے اس شخص سے کہا: تم نے جو کچھ سنا ہے اسے یاد رکھنا، وہ حضرت کی باتیں نہیں تھیں بلکہ فرشتہ کی باتیں تھیں......۔ مجھے اس وقت علم ہوا کہ حضرت نے اولیاء اللہ کی جو نشانیاں فرمائی تھیں وہ خود حضرت کے مرتبہ وشان کا بیان تھا۔(۱)

خاص و عام راستہ

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم شیخ ابو سعید خراز رضی اللہ عنہ (م ۲۸۶ھ) کے ساتھ دریائے صیدیٰ کے کنارے چلے جا رہے تھے، اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص دور سے آ رہا ہے۔ آپ نے ہمراہیوں کو روکا اور فرمایا: یہ شخص کوئی ولی اللہ لگتا ہے۔ جب وہ قریب آیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ ایک حسین وجمیل نوجوان تھا جس کے ہاتھ میں لوٹا اور دوات تھی اور کاندھے پر گلیم لٹکی ہوئی تھی۔

شیخ ابو سعید نے اس کے ہاتھ میں دوات دیکھی تو اپنے پہلے خیال کو غلط کرنے لگے، اور نوجوان سے سوال کیا: اے نوجوان! راہِ مولا کس طرح ملتی ہے؟۔ اس نے جواب دیا: اے ابو سعید! اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے دو راستے ہیں: ایک خاص راستہ، ایک عام راستہ۔ عام راستہ تو وہی ہے جس پر تم اور تمہارے ہمراہی چل رہے ہیں۔ اور خاص راستہ یہ ہے۔

اتنا کہہ کر وہ پانی پر چل کر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ شیخ ابو سعید یہ دیکھ کر حیران ششدر رہ گئے کہ اس نوجوان کو رب تعالیٰ نے کیسی کرامت عطا فرمائی ہے؟۔(۲)

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۶۱۴ تا ۶۱۵۔
(۲) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۴۶۵۔

حضرت جنید بغدادی کی روشن ضمیری

ابوعمران ابن علوان سے ایک طویل قصہ نقل کیا گیا ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ میں ایک روز نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک میرے دل میں ایک بیہودہ خواہش نے انگڑائی لی اور میں دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا؛ یہاں تک کہ اس سے لواطت کی خواہش پیدا ہوئی، یہ خیال آتے ہی میں فوراً زمین پر گر پڑا اور میرا تمام جسم سیاہ پڑ گیا، میں تین دن گھر میں چھپا رہا۔ اس عرصے میں صابن سے مل مل کر نہاتا؛ لیکن جسم کی وہ سیاہی دور نہ ہوئی بلکہ بڑھتی رہی، پھر تین روز کے بعد از خود رنگ صاف ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) کی دعوت پر میں ان کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے بغداد گیا، جب اُن کے بروبرو ہوا تو انھوں نے فرمایا: تمھیں اللہ سے شرم نہیں آئی کہ نماز کی حالت میں ایسا غلط خیال آیا۔ اگر میں تمہارے لیے دعا نہ کرتا اور تمہاری طرف سے توبہ نہ کرتا تو تم اسی سیاہ رنگ کے ساتھ اللہ کے یہاں پیش کیے جاتے۔ ابن علوان کہتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ انھیں میرے دلی خطرات کا حال کیسے معلوم ہو گیا جب کہ میں رقہ میں تھا اور وہ بغداد میں تشریف رکھتے تھے۔(۱)

مست مئے اَلست

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ مستوں کی طرح جھومتا اور اِدھر اُدھر گرتا پڑتا چلا آرہا ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ نشہ شراب میں بے خود ہے تو میں نے کہا: اے جوان! اپنے آپ کو سنبھال ایسا نہ ہو کہ گر پڑے۔

اس ہوشیار دل مستانے نے جواب دیا: اے شیخ! آپ خود کو سنبھالیے کہ میرا گرنا صرف مجھے ہی نقصان دے گا؛ مگر اگر خدا نہ خواستہ آپ گر گئے تو سارا بغداد گر پڑے گا کہ وہ سب آپ

(۱) احیاء علوم الدین، امام غزالی: ۳/۱۵۷۔

کے سلسلہ اِرادت سے بندھے ہوئے ہیں۔اتنے میں ہاتف غیب سے آواز آئی کہ اے جنید! یہ جوان میری شرابِ محبت سے سرمست ہے۔اس نے کوئی انگوری شراب نہیں پی ہے۔تو نے غلطی سے اس مست خدا پر طعن و تشنیع کی زبان کھول دی ہے۔

یہ سن کر جنید بغدادی پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوگئی جس نے آپ کو چالیس دن تک محوآہ وفغاں رکھا، اور آپ اپنی اس بات سے استغفار کرتے رہے؛ لہٰذا اے غافلو! کسی فقیر بیچارے پر کبھی بھی زبانِ طعن نہ کھولا کرو اگر چہ اس کا ظاہر راست وخوب نہ ہو؛ کیوں کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہوئے ہیں کہ ان کا حال اللہ جل مجدہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اور اللہ تعالیٰ ہر دور میں اپنے دوست ظاہر فرماتا رہتا ہے تا کہ مخلوق کی آنکھیں کھلیں کہ اللہ کے دوست ایسے ہوا کرتے ہیں۔تو انھیں دیکھتا تو ہر کوئی ہے؛ مگر پہچانتا کوئی نہیں۔انھیں معنوں میں اللہ تعالیٰ نے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے :

وَ تَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَ هُمْ لاَ يُبْصِرُونَ o (سورۂ اعراف:۷/۱۹۸)

اور تو دیکھتا ہے ان کو کہ وہ دیکھتے ہیں تجھ کو حالاں کہ وہ نہیں دیکھتے۔

ابوجہل لعین نے آپ کو نہیں دیکھا اور عمر نے آپ کو بالیقین دیکھا۔(۱)

دانا وزیرک مرید

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کے بہت سے مرید اور شاگرد تھے۔ان میں ایک نوجوان شاگرد ایسا تھا جس کے ساتھ آپ بہت مہربانی سے پیش آتے تھے۔حضرت جنید کے دوسرے شاگردوں کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔انھوں نے ایک روز ان سے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ آخر وہ بھی ہماری ہی طرح آپ کا شاگرد ہے، پھر آپ اس کے ساتھ ہم سے زیادہ اچھا سلوک کیوں کرتے ہیں؟۔

(۱) مقاصد الصالحین:۷۔

حضرت جنید بغدادی نے جواب دیا: میرا یہ شاگرد اَخلاق واَدب اور علم ودانش میں تم سے بہت بڑھا ہوا ہے اسی وجہ سے میں اسے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ تمہاری تسلی کے لیے ایک روز اس کا امتحان بھی ہو جائے گا۔ چند روز بعد حضرت جنید بغدادی نے اپنے شاگردوں کو جمع کر کے انھیں ایک ایک مرغی اور ایک ایک چھری دی اور کہنے لگے: جاؤ اِن مرغیوں کو ایسی جگہ ذبح کرو جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔

سب شاگرد گئے اور اپنی اپنی مرغی کو ایسی جگہ پر ذبح کر کے لے آئے جہاں کوئی آدمی نہ تھا؛ مگر وہ شاگرد رشید اسی طرح زندہ مرغی واپس لے آیا۔ حضرت جنید بغدادی نے اسے پوچھا: کیوں بھئی! تم نے مرغی کو ذبح کیوں نہیں کیا؟۔

شاگرد نے نیازمندی سے عرض کیا: حضور! مجھے ایسی کوئی جگہ نہیں مل سکی جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔ میں جس جگہ بھی گیا وہاں اللہ تعالیٰ کو موجود پایا؛ اس لیے مجبور ہو کر مرغی واپس لے آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت جنید بغدادی نے اپنے دیگر شاگردوں سے فرمایا:

تم نے دیکھ لیا کہ جتنی عقل وبصیرت اس میں ہے تم میں کسی کے اندر نہیں۔ بس یہی بات مجھے اسے زیادہ عزت دینے پر مجبور کرتی ہے۔(۱)

ذکر الٰہی سنتے ہی چیخ نکل اُٹھتی

روایت ہے کہ حضرت جنید بغدادی کا ایک جوان العمر مرید جب کوئی ذکر سنتا تو چیخنے چلانے لگتا۔ اس کی حرکت سے عاجز آ کر ایک روز جنید بغدادی نے اس سے کہا کہ اگر آج کے بعد تم نے کوئی آواز نکالی تو میں تمھیں اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا۔

اس نوجوان نے اپنے شیخ کی تنبیہ کا گہرا اثر لیا اور ضبط کرنے لگا لیکن چوں کہ اس کی چیخ میں تصنع کا کوئی دخل نہ تھا؛ اس لیے ضبط کی کوشش مہنگی پڑی۔ بعض اوقات ضبط کی جدوجہد میں وہ اس حد تک آگے بڑھ جاتا کہ ہر بال سے پانی کے قطرے ٹپکنے لگتے۔ ایک روز وہ اپنی بے ساختہ

(۱) احیاء علوم الدین، امام غزالی: ۵۱۶/۴۔

چیخیں دبانے کی کوشش میں مصروف تھا کہ گلا گھٹنے لگا، ایک زبردست چیخ بلند ہوئی، دل پھٹ گیا اوراس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔(۱)

واقعہ سال کا سفر ایک دن میں طے کرنے کا

حضرت جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی فرماتے ہیں: میں اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نیک بندوں کا تذکرہ کر رہے تھے کہ اس بیچ حضرت سیدنا سری سقطی فرمانے لگے کہ ایک دفعہ میں بیت المقدس میں ایک چٹان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس سال حج کی سعادت نہ ملنے پر افسوس کر رہا تھا؛ کیونکہ حج میں صرف دس دن باقی رہ گئے تھے، جب میں نے اپنے دل میں سوچا کہ لوگوں کا رخ بیت اللہ شریف کی طرف ہے اور دن بھی بہت تھوڑے ہیں جبکہ میں یہاں ٹھہرا ہوا ہوں، تو بس یہی سوچ کر اور اپنے پیچھے رہ جانے پر میں رونے لگا۔

اچانک میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے سرِی سقطی! مت رو، بے شک اللہ عزوجل نے ایسے لوگوں کو تمہارے لیے مقرر کر دیا ہے جو تمہیں مقامِ حج تک پہنچا دیں گے۔ میں نے دل میں کہا: آخر یہ کیسے ممکن ہوگا؛ حالانکہ میں بیت المقدس میں ہوں اور دن بھی تھوڑے رہ گئے ہیں۔

تو اس غیبی آواز نے کہا: غمگین نہ ہو، اللہ عزوجل تم پر مشکل کام کو آسان فرمادے گا۔

میں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا اور اس غیبی آواز کی سچائی جاننے کے لیے اِنتظار میں بیٹھ گیا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد کے دروازے سے چار نوجوان داخل ہوئے ان کے چہرے اتنے نورانی تھے گویا سورج ان کے چہروں سے طلوع ہو رہا تھا اور نور ان کی پیشانیوں سے چمک رہا تھا۔

(۱) احیاء علوم الدین، امام غزالی: ۲/۳۰۲۔

اُن میں ایک بارعب اور باجلال نوجوان آگے بڑھا اور باقی اس کے پیچھے ہو گئے، ان سب نے بالوں کا لباس اور پاؤں میں کھجور کے پتوں کے جوتے پہنے ہوئے تھے، وہ چٹان کے قریب ہوئے اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کی تو ان کے اَنوار سے مسجد بھر گئی۔ میں بھی ان کے ساتھ جا کر کھڑا ہو گیا اور عرض کی: اے رب عزوجل! شاید یہ وہی لوگ ہیں جن کی وجہ سے تو مجھ پر رحم فرمائے گا اور جن کی صحبت مجھے عنایت کرے گا۔

وہ گنبد میں داخل ہوئے نوجوان اُن کے آگے آگے تھا اور وہ اس کے پیچھے تھے، ہر ایک نے دو دو رکعتیں اَدا کیں، پھر وہ نوجوان اپنے رب عزوجل سے مناجات کرنے لگا۔ میں اس کی مناجات سننے کی خاطر اس کے قریب ہو گیا۔ پھر اس نے گریہ وزاری کرتے ہوئے تکبیر کہی اور ایسی نماز پڑھی جس نے میرا دل اور دماغ سلب کر لیا۔

جب وہ فارغ ہو کر بیٹھا تو باقی تین بھی اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ اَب میں نے ان کے قریب جا کر سلام پیش کیا۔ نوجوان نے کہا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، اے سری سقطی۔ اے وہ شخص جسے آج غیبی آواز کے ذریعے خوشخبری دی گئی کہ اس کا حج اس سال فوت نہیں ہوگا!۔

اس کی یہ بات سن کر میں بے ہوش ہونے کے قریب پہنچ گیا، میرا دل خوشی سے بھر گیا، میں نے عرض کی: اے میرے آقا! جی ہاں، آپ کی آمد سے کچھ دیر پہلے مجھے غیب سے بتایا گیا ہے۔ تو اس نے کہا: اے سرِی سقطی! آپ کو ہاتفِ غیبی کے آواز دینے سے ایک لمحہ پہلے ہم خراسان شہر سے بغداد کی طرف جا رہے تھے، وہاں ہم نے اپنی ضروریات پوری کیں اور بیت اللہ شریف جانے کا اِرادہ ہوا پھر خواہش ہوئی کہ شام میں انبیاے کرام علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کر لیں۔ پھر مکہ مکرمہ حاضری دیں گے، ہم مزارات کی زیارت کرنے کے بعد اب یہاں بیت المقدس کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔

میں نے عرض کی: اے میرے سردار! آپ خراسان میں کیا کر رہے تھے؟۔ اس نوجوان نے بتایا: ہم اپنے دینی بھائیوں حضرت اِبراہیم بن ادہم اور حضرت معروف کرخی کے ساتھ

اکٹھے بیت الحرام کے اِرادے سے بغداد آئے۔ میں بیت المقدس کی زیارت کرنے آ گیا اور وہ دونوں دیہات کے راستے سے چلے گئے۔

میں نے کہا: اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے، خراسان سے بیت المقدس تک تو کوئی ایک سال کی مسافت ہے!۔ اس نے کہا: اگر چہ ایک ہزار سال کی مسافت ہو، بندہ اس کا ہو، زمین بھی اُس کی ہو، آسمان بھی اُس کا ہو، زیارت بھی اُس کے گھر کی ہو اور اِرادہ بھی اسی کی بارگاہ میں حاضری کا ہو تو پھر پہنچانا اور قوت وقدرت مہیا کرنا بھی اُسی کے ذمۂ کرم پر ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ سورج کیسے مشرق سے مغرب تک کا سفر ایک دن میں طے کر لیتا ہے؟، کیا وہ اپنی قوت سے اتنی مسافت طے کرتا ہے یا قادر و مالک پروردگار کی قوت و اِرادے سے؟۔ جب ایک بے جان جامد سورج جس پر نہ حساب ہے، نہ عذاب، ایک دن میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے تو یہ کوئی حیرانگی کی بات نہیں کہ اس کا ایک بندہ ایک دن میں خراسان سے بیت المقدس پہنچ جائے۔ اللہ عزوجل ہی قدرت وقوت کا مالک ہے، اور خلافِ عادت کام اسی سے صادر ہوتا ہے جو اس کا محبوب اور مختار ہو۔ اے سرِی سقطی! دنیاوآخرت کی عزت اختیار کرو اور دنیاوآخرت کی ذلت تک پہنچنے سے بچو۔

میں نے عرض کی: اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے! دنیاوآخرت کی عزت کی طرف میری رہنمائی فرما دیجئے؟۔ تو اس نے کہا: جو بغیر مال کے اَمیری، بغیر سیکھے علم، بغیر خاندان کے عزت چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے دل سے دنیا کی محبت نکال دے، اس کی طرف مائل نہ ہو، اور نہ اس سے مطمئن ہو؛ اس لیے کہ دنیا کی صفائی میں میل کی ملاوٹ، اور اُس کے میٹھے پن میں کڑواہٹ ہے۔

میں نے پھر عرض کی: اے میرے سردار! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو اپنے اَنوار کے ساتھ خاص کیا اور اپنے اَسرار سے آگاہ فرمایا، اب کہاں کا اِرادہ ہے؟۔ اُس نے بتایا: اب حجِ بیت اللہ اور سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ پرانوار کی زیارت مقصود ہے۔

میں نے عرض کی: اللہ عزوجل کی قسم! میں آپ سے جدا نہیں ہوں گا کیونکہ آپ سے جدا

ہونا، روح کے جسم سے جدا ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

اس نے بِسمِ اللہ شریف پڑھی اور میں بھی اُن کے ہمراہ بیت المقدس سے بستی کی طرف چل پڑا، ہم چلتے رہے یہاں تک کہ اس نے کہا: اے سرِی سقطی! ظہر کا وقت ہو گیا ہے تو کیا نماز نہ پڑھ لیں؟۔

میں نے کہا: کیوں نہیں۔ میں نے مِٹی سے تیمّم کا اِرادہ کیا تو اس نے کہا: یہاں پانی کا ایک چشمہ ہے۔ پھر وہ راستے سے کچھ ہٹا اور ایسے چشمے پر لے گیا جس کا پانی شہد سے بھی زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے وضو کیا اور پانی پی کر کہا: اللہ عزوجل کی قسم! میں اس راستے سے کئی مرتبہ گزرا لیکن پانی کا چشمہ یہاں کبھی نہیں پایا۔

اس نے کہا: سب تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے ہیں جس نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا۔ ہم نے نمازِ ظہر اَدا کی، پھر عصر تک چلتے رہے۔ پھر اچانک حجاز کے پہاڑ اور دیواریں ہمارے سامنے ظاہر ہو گئے، میں نے کہا: یہ تو حجازِ مقدس کی زمین ہے۔

اس نے مجھ سے کہا: آپ مکہ مکرمہ میں پہنچ چکے ہیں۔ میں گریہ وزاری کرنے لگا، پھر اس نے مجھ سے پوچھا: اے سری سقطی! کیا تم ہمارے ساتھ داخل ہو گے؟۔ میں نے کہا۔ جی ہاں۔

چنانچہ جب ہم باب الندوہ سے داخل ہوئے تو میں نے دو شخص دیکھے، ان میں سے ایک بوڑھا اور دوسرا جوان تھا۔ جب انہوں نے اس کو دیکھا تو مسکرائے اور کھڑے ہو کر معانقہ کیا، اور کہا: **الحمد للّٰہ علی السلامۃ**۔

میں نے اپنے رفیق نوجوان سے پوچھا: اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے! یہ کون ہیں؟۔ اس نے جواب دیا: عمر رسیدہ بزرگ حضرتِ سیدنا ابراہیم بن ادہم، اور جوان حضرتِ معروف کرخی ہیں۔ پھر ہم نے مغرب وعشا کی نماز پڑھی، ہم سب اپنی طاقت کے مطابق نماز کے لیے کھڑے ہوئے، میں ان کے ساتھ نماز پڑھتا رہا یہاں تک کہ حالتِ سجدہ میں مجھے نیند آ گئی۔ جب میں بیدار ہوا تو وہاں کوئی نہ تھا، میں غمزدہ شخص کی طرح تنہا رہ گیا، ان کو مسجدِ حرام، مکہ مکرمہ اور مِنٰی شریف میں بہت تلاش کیا؛ لیکن کہیں نہ ملے۔ میں ان سے بچھڑنے کی وجہ سے روتا ہوا

واپس آ گیا۔

عزیزانِ گرامی! ان لوگوں کی صفات سنیں جنہوں نے عشق کو چھپایا اور ہمیشہ عشق کرتے بھی رہے۔ سلام عام کیا، کھانا خیرات کیا، ہمیشہ روزے رکھے، راتوں میں نماز پڑھتے رہے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے، گناہوں سے اجتناب کرتے رہے، مخلوق سے کنارا کش رہے اور مولی عزوجل سے مناجات کے لیے خلوت اِختیار کی اور خلوت وتنہائی میں بھی اطاعت کرتے رہے؛ لہٰذا اللہ عزوجل نے ان کی خطائیں معاف فرمادیں، اور ان کے درجات بلند کردیے۔

اللہ کے محبوب، دانائے غیوب، صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے :

الشاب التائِب حبِيب اللّٰهِ .

یعنی جوانی میں توبہ کرنے والا اللہ عزوجل کا حبیب ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کی بندے سے یہ محبت اُس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ جوانی میں توبہ کرنے والا ہو؛ نوجوان؛ تروتازہ اور سرسبز ٹہنی کی طرح ہوتا ہے، جب وہ اپنی جوانی میں اور ہر طرح سے شہوات ولذات سے لطف اٹھانے اور ان کی رغبت پیدا ہونے کی عمر میں توبہ کرتا ہے تو پروردگار اسے اپنا محبوب بنا کر اپنے مقبول بندوں میں شامل کرلیتا ہے؛ کیوں کہ یہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ دنیا اس کی طرف اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ متوجہ ہوتی ہے؛ مگر اس کے باوجود وہ محض رضائے الٰہی کے لیے ان تمام چیزوں کو ترک کردیتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک نوجوان جب توبہ کرکے اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کے لیے زمین وآسمان کے درمیان ستر قندیلیں روشن کی جاتی ہیں اور ملائکہ صف بستہ ہوکر بلند آواز سے تسبیح وتقدیس کرتے ہوئے اسے مبارک باد دیتے ہیں۔ جس وقت ابلیسِ لعین اس کو سنتا ہے تو کہتا ہے: کیا خبر ہے؟، آسمان سے ایک منادی ندا دیتا ہے: ایک بندے نے اللہ عزوجل سے صلح کرلی ہے۔ تو ابلیس ملعون اس طرح پگھلتا ہے جس طرح نمک پانی میں پگھلتا ہے۔(۱)

(۱) حلیۃ الاولیاء: ۳۹۴/۵ بحوالہ حکایتیں اور نصیحتیں: ۲۷تا۷۵۔

آؤ اِک غریب الدیار کا جنازہ پڑھ لو

حضرت سیدنا جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال بیت اللہ شریف کے سفر پر تھا۔ راستے میں ایک شخص کی انتہائی پرسوز آواز سنائی دی۔ میں جلدی سے اس کی طرف گیا اور جا کر اسے سلام کیا۔ اس نے میرا نام لے کر مجھے جواب دیا تو میں نے اس سے پوچھا: اے میرے دوست! آپ کو میرا نام کس نے بتایا؟۔

اس نے جواب دیا: عالمِ ملکوت میں میری اور آپ کی روح کی ملاقات ہوئی تھی لہٰذا مجھے آپ کا نام ہمیشہ رہنے والی اُس ذات نے بتایا جس کو موت نہیں۔ پھر اس نے کہا: اے جنید! جب میں مرجاؤں تو مجھے غسل دینا اور انہیں کپڑوں میں کفن دے کر اس ٹیلے پر چڑھ کر اِعلان کرنا :

الصلوٰةُ عَلی الغرِیبِ یرحمُکم اللّٰه.

یعنی اے لوگو! اللہ عزوجل تم پر رحم فرمائے، اس اجنبی اور غریب الدیار کی نماز جنازہ پڑھ لو۔

اس کے بعد اس نوجوان کی پیشانی پر پسینہ آ گیا، وہ زار وقطار رو کر کہنے لگا: آپ کو اللہ عزوجل کی قسم! جب حج کر کے واپس پلٹو تو بغداد ضرور جانا اور زعفرانی کے گھر کے متعلق دریافت کر کے میری ماں اور میرے بیٹے کے متعلق پوچھنا اور پھر انہیں کہنا کہ تمہیں ایک ایسے مسافر نے سلام بھیجا ہے جس کو نہ تو اس کے گھر پہنچایا گیا اور نہ ہی تمہارے پاس چھوڑا گیا۔ اس کے بعد وہ نوجوان اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

حضرت سیدنا جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ الہادی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو غسل وکفن دے کر اس ٹیلے پر چڑھ کر جب یہ اِعلان کیا: **الصلوٰةُ عَلی الغرِیبِ یرحمُکم اللّٰه .** تو میں نے دیکھا کہ ایک جماعت پہاڑوں سے آ رہی ہے، ہم سب نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا۔

میں نے حج ادا کرنے کے بعد بغداد جا کر جب زعفرانی کے گھر سے متعلق دریافت کیا تو مجھے جو راستہ بتایا گیا تھا میں نے اس پر چند بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا، ان میں سے ایک بچہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے میرے بزرگ! شاید آپ ہمارے والد کی موت کی خبر دینے آئے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مجھے اس بچے کے کلام سے بڑا تعجب ہوا، اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک بوڑھی عورت باہر آئی اور کہنے لگی: اے جنید! میرے بیٹے کا اِنتقال کہاں ہوا؟، شاید عرفہ میں۔ تو میں نے کہا: نہیں۔

یہ سن کر کہنے لگی: تو پھر شاید کسی وادی میں درخت کے نیچے یا کسی جنگل میں۔ تو میں نے کہا: جی ہاں!۔ تو بولی: ہائے افسوس اس لڑکے پر! جسے نہ تو اس کے گھر پہنچایا گیا اور نہ ہمارے پاس چھوڑا گیا۔ پھر اس کے منہ سے ایک آہ نکلی اور اس نے چند اَشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے :

کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ زمانے نے مجھ پر کیسے کیسے ستم ڈھائے اور جدائی کے تیر مارے اور میرے دوست، احباب کو مجھ سے دور کر دیا۔ وہ سب میرے دل میں معزز مقام و مرتبہ رکھتے تھے۔ ان کی جدائی کے بعد میں نے خود کو بڑا مجبور و بے کس پایا کہ میرے دل کے راز چھپانے کے سارے اصول بھی ختم ہو گئے۔ جس دن وہ مجھ سے جدا ہوئے تھے اس دن میری آنکھ نے خون کے آنسو بہائے اور ان کی جدائی نے مجھے سخت دل نہ بنایا تو لوگوں نے گہرا سانس لے کر کہا: اے نوجوان! تو اپنی آنکھوں کی پلکوں کو رو رو کر ورم آلود بنا رہا ہے۔ تو پہلا انسان نہیں کہ جس کے احباب اس سے بچھڑ گئے اور جو حوادثاتِ زمانہ کا شکار ہوا۔ زمانہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ اس میں خوشی، غمی آتی رہتی ہے۔

پھر اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔(۱)

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق مترجم: ۱۷۷، ۱۷۸۔

طلب علم کا ایک عبرت آموز واقعہ

مشہور فقیہ حضرت ابوالحسن الصفار بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بن سفیان نسوی رحمۃ اللہ علیہ (م۳۰۳ھ) کی بارگاہِ علم وفضل میں حاضر خدمت رہا کرتے تھے، آپ کی علمیت کا ڈنکا ملک بھر میں بج رہا تھا۔ دور دراز شہروں سے متلاشیانِ علم کے قافلے آپ کی خدمت میں آتے، اور آپ سے حدیث رسول سن کر لکھ لیتے۔ آپ کے کاشانہ اقدس پر طالبعلموں کا ہجوم لگا رہتا اور آپ علم دین کے متوالوں کو فقہ وحدیث کے شیریں گھونٹ پلاتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بن سفیان جویانِ علم حدیث کی ایک مجلس میں پہنچے اور ان کو مخاطب کرکے فرمایا: حدیث پاک کا اِملا شروع کرنے سے قبل میں ایک عبرت آموز واقعہ بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں جسے سر سے پاؤں تک کان بن کر سماعت کرو۔

مجھے معلوم ہے کہ تم نازونعم میں پرورش پانے والے ہو۔ اور عیش وعشرت کے لحات ترک کرکے یہاں تحصیل علم حدیث کے لیے وارد ہوئے ہو۔ علم وشعور کی پیاس بجھانے اور استفادۂ حدیث کے لیے تم نے اپنے وطن کو خیر آباد کہا ہے، اور دوستوں کا فراق برداشت کیا ہے؛ تو تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے کوئی بڑی بازی مار لی ہے اور تحصیل علم کا حق اَدا کردیا ہے۔ طلب علم کی راہ میں مجھے کن دشوار گزار مراحل سے دوچار ہونا پڑا ہے اور پھر صلے میں اللہ پاک کی کیا کیا رحمتیں اور نوازشیں مجھ پر ہوئی ہیں میں تمہیں اس کی صرف ایک جھلک دکھاتا ہوں؛ جس سے تمہیں شاید کچھ اندازہ ہوسکے کہ یہ کتنی مشکل ترین راہ ہے۔

مجھے اپنے عہد شباب میں جب تحصیل علم کا نشہ سوار ہوا اور دین سیکھنے کا سودا سر میں سمایا تو پھر میں نے بھی اپنے وطن کو ایسے ہی خیر آباد کہہ دیا جیسے تم اپنے وطن کو چھوڑ کر یہاں آئے ہو۔ راستہ میں کچھ دینی احباب ملے اور وہ بھی علم حدیث کے جویا تھے؛ چنانچہ ہم سات اَفراد کی جماعت بن کر شہر مصر کے اندر طلب علم اور سماعت حدیث کی غرض سے داخل ہوئے۔

علم کی پیاس ہم میں اتنی شدید تھی کہ ہم نے کسی ایک شیخ کی سماعت پر قناعت نہ کیا بلکہ

ہمیشہ ایسے شیوخ کی طلب میں سرگرداں پھرتے رہے جو اپنے عہد کا محدث کبیر، کثیر الروایت اور صحیح الروایت ہو، نیز اس کا درجۂ اِستناد نہایت اعلیٰ ہو۔

اِن شیوخ سے ہم روزانہ تھوڑا تھوڑا احدیثوں کا اِملا کیا کرتے تھے۔ شوقِ طلب میں مدتِ اقامت بڑھتی چلی گئی، اور ہمارے پاس موجود سامانِ خرچ گھٹتا چلا گیا حتیٰ کہ اپنے کپڑے اور دیگر اشیا بیچ کر ہم نے اپنی قوتِ لایموت کا انتظام کیا؛ لیکن اب نوبت اس سے بھی آگے جا چکی تھی، اور ہم پر تین شب و روز ایسے گزر چکے تھے کہ ہمیں کچھ بھی اپنی زبان پر رکھنے کو نہ ملا تھا۔

چوتھے دن جب فاقہ کشی اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور بھوک سے لاغری کے باعث ہم میں چلنے کی سکت تک جواب دے گئی اور ایسا لگ رہا تھا کہ اب عزتِ نفس کو داؤں پر رکھ کر ہمیں بھیک مانگنے کی ذلت اُٹھانی پڑے گی؛ مگر ہم کسی طور اس پر تیار نہ ہوئے اور ہمارے ضمیر نے اس فیصلے کو یک قلم مسترد کر دیا؛ لیکن بہرحال! وقت کا جبری تقاضہ تھا کہ بھیک مانگنے کی ذلت خواہی نہ خواہی اُٹھائی جائے۔

بالآخر یہ طے پایا کہ ہر ایک سوال کی ذلت کیوں اُٹھائے، ناموں کی قرعہ اندازی کر لیتے ہیں جس کا نام نکل آئے، وہ کہیں سے کچھ مانگ لائے جس سے ہم سب کا گزارہ ہو جایا کرے گا۔ چنانچہ جب قرعہ ڈالا گیا تو سرفہرست میرا ہی نام نکلا۔ اب تو میری حیرت و دہشت کی کوئی انتہا نہ رہی، اور میں کسی بھی طور اپنے آپ کو بھیک مانگنے کی ذلت پر رضا مند نہ کر سکا؛ لیکن چوں کہ قول وقرار ہو چکا تھا سو کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا!۔

بے کسی کے عالم میں، میں مسجد کے ایک گوشے میں چلا گیا، دو لمبی رکعتیں پڑھنے کے بعد اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں اس کے اسمائے حسنیٰ کا حوالہ دے کر پوری الحاح وزاری کے ساتھ دعائیں مانگنے لگا کہ مشکلوں کا یہ پہاڑ جس طرح ہو ٹل جائے اور اور خوشحالی کے دن دیکھنے نصیب ہو جائیں۔

حضرت حسن بن سفیان کہتے ہیں کہ ابھی میں دعا سے فارغ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ایک خوبصورت، خوش پوشاک، اور خوشبوؤں میں بسا ہوا نوجوان مسجد میں آیا جس کے پیچھے ایک خادم کوئی رومال لیے چل رہا تھا۔ اس نوجوان نے کہا: تم میں حسن بن سفیان کون ہے؟۔

میں نے سجدے سے سر اُٹھا کر کہا کہ مجھے حسن بن سفیان کہتے ہیں۔ کہیے کیا ضرورت پڑ گئی ہے مجھ سے!۔ نوجوان نے کہا: دراصل میرے صاحب امیر ابن طولون نے آپ کو سلام وتحیت بھیجا ہے، اور آپ لوگوں کے احوال سے بے خبر ہونے پر معذرت چاہی کی ہے۔ انھوں نے آپ کو کچھ ہدیہ پیش کیا ہے جو وقتی طور پر آپ کے گزارے کے لیے کافی ہوگا۔ کل وہ از خود آپ لوگوں کی زیارت کے لیے تشریف لانے والے ہیں، اور اپنی زبان سے معذرت خواہی کریں گے۔

پھر اس نوجوان نے ہم میں سے ہر ایک کے سامنے سو سو دینار کی ایک ایک تھیلی رکھ دی۔ یہ دیکھ کر ہماری حیرت واستعجاب کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور ہم نے تعجب سے پوچھا: یہ تو بتائیں کہ امر واقعہ کیا ہے؟۔

اس نوجوان نے کہنا شروع کیا: دراصل میں امیر ابن طولون کا شاہی اور خاص الخاص خادم ہوں۔ آج جب میں نے اس کے دربار میں اپنے جملہ اربابِ سلطنت کے ساتھ حاضر ہوکر سلامِ شوق پیش کیا تو امیر نے مجھ سے کہا: آج مجھے تنہائی میں رہنے کو جی چاہتا ہے سو آپ لوگ اپنے اپنے درِ دولت کو چلے جائیں۔

چنانچہ میں اور سارے خدم وحشم وہاں سے چلے آئے۔ میں اپنے گھر میں ابھی ٹھیک سے بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ اتنے میں امیر ابن طولون کا ایک قاصد دوڑتا ہوا آیا کہ جلدی چلیں امیر نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ میں دوڑا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنا داہنا ہاتھ اپنی کمر پر رکھ کر ایک گھر میں تن تنہا بیٹھے ہوئے ہیں؛ اور انھیں کچھ اندرونی چوٹ آگئی ہے۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اسی بے کسی کے عالم میں وہ مجھ سے پوچھتے ہیں: کیا تم حسن بن سفیان اور ان کے دوستوں کو جانتے ہو؟۔ میں نے کہا: نہیں۔ کہا: فلاں محلّہ اور فلانی مسجد میں چلے جاؤ، وہاں وہ تمھیں ملیں گے۔ یہ تھیلیاں لے جاکر جتنا جلدی ہوسکے ان کے حوالے کرآؤ؛ کیوں کہ پتا چلا ہے کہ وہ تین دن سے بھوک کے باعث سخت مشکل میں ہیں۔ ان سے میری طرف سے پیشگی معذرت کرلینا اور کہہ دینا کہ آنے والی صبح میں خود چل کر ان کی زیارت کو آؤں گا اور بذاتِ خود معذرت خواہی کروں گا۔

جوان کہتا ہے کہ میں نے ان سے اس کا سبب اور تفصیل واقعہ پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ میں اس گھر میں تن تنہا داخل ہوا کہ تھوڑی دیر آرام کرلوں ؛ ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ در پردۂ خواب' ہوا میں اُڑتے ہوئے ایک گھڑ سوار کو دیکھا اور وہ اتنے تمکنت ووقار سے چلا جارہا ہے جیسے کوئی فرشِ زمین پر چلتا ہو۔اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔

میں اسے تعجب بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ وہ میرے اِس گھر کے دروازے پر آکر اُتر گیا۔اس نے نیزے کے پچھلے حصے کو میری کمر پر رکھ کر کہا: اُٹھو اور حسن اور اس کے ساتھیوں کی خبر لو۔جاؤ اور ان کی دادرسی کرو؛ کیوں کہ تین دن ہوگئے ہیں اور وہ فلاں مسجد کے اندر بھوکے پڑے ہوئے ہیں۔

میں نے اس سے پوچھا:تم کون ہو؟۔تو اس نے کہا: میں مالک جنت 'رضوان' ہوں۔

تو جب سے اس کے نیزے کا پچھلا حصہ میری کمر پر لگا ہے ایسی تکلیف ہورہی ہے کہ چلا نہیں جارہا؛ لہٰذا جتنا جلدی ہوسکے یہ اَمانت ان تک پہنچاؤ تاکہ مجھے کچھ درد سے راحت ملے۔

حضرت حسن بن سفیان کہتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں سن کر ہم نے بہت تعجب کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکر اَدا کیا کہ اس نے ہمارے حال پر کرم فرمایا اور عزتِ نفس مجروح ہونے سے بچالیا؛ لیکن اب ایک مشکل یہ درپیش ہوئی کہ امیر ابن طولون ہماری ملاقات کے لیے آنے والا تھا اور یہ ہمارے ضمیر کو گوارا نہیں تھا؛ کیوں کہ اس سے لوگوں میں ہمارا سربستہ راز فاش ہونے کا خطرہ تھا اور یہ ہماری جاہ وعظمت کی سربلندی کا باعث بن سکتا تھا جس میں ریاکاری آنا فطری امر تھا؛ سوہم نے بھلائی اسی میں جانی کہ اسی رات مصر سے روانہ ہوگئے۔اور ہم میں کا ہر شخص اپنے اپنے وقت کا بڑا امام اور علم وفضل میں ممتاز شخصیت کا مالک ہوا۔

پھر جب صبح امیر طولون اس محلے میں آیا اور اسے معلوم ہوا کہ ہم یہاں سے جاچکے ہیں تو اس نے اس تمام محلے کو خریدا اور وہاں ایک بہت بڑا جامعہ بنواکر اسے طالبعلموں کے لیے وقف کردیا تاکہ وہاں دین کا علم سیکھا جاسکے۔پھر اس نے تمام طلبہ کی خوراک اور دیگر ضروریات

اپنے ذمہ لے لی اور سب کی کفالت خود ہی کرنے لگا؛ تاکہ آئندہ کسی طالبعلم کو کبھی ایسی پریشانی نہ ہو جیسی ہمیں ہوئی تھی۔ ہمیں جو سعادتیں ملیں وہ سب علم دین کی برکت اور ہمارے یقین کامل کا نتیجہ تھیں۔ ہمیں اپنے رب کریم پر مکمل بھروسہ ہے، وہ اپنے بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا، اور وہ ہم سب کا والی و مالک ہے۔(۱)

کنیز کی محبت میں ہاتھ جلا ڈالا

حضرت ابوالعباس بن عطا علیہ الرحمہ (م ۳۰۹ھ) سے منقول ہے: ایک حسین و جمیل نوجوان میرے حلقہ درس میں آکر بیٹھا کرتا، اس کا ایک ہاتھ ہمیشہ کپڑے سے ڈھکا رہتا۔ ایک دن خوب بارش ہوئی اور ہمارے حلقہ درس میں اس نوجوان کے علاوہ کوئی نہ آیا۔ میں نے دل میں کہا کہ آج اس کے ہاتھ کے بارے میں ضرور پوچھوں گا۔ پہلے تو میں اپنے اس خیال کو دفع کرتا رہا؛ لیکن مجھ سے رہا نہ گیا بالآخر میں نے پوچھ ہی لیا: اے نوجوان! تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا؟ کہا: میرا واقعہ بہت عجیب و غریب ہے۔ میں نے کہا: تم بیان کرو۔

کہا: میں فلاں بن فلاں ہوں، میرے والد نے اِنتقال کے بعد میرے لیے تیس ہزار دینار چھوڑے تھے، میں ان سے کاروبار کرتا رہا، پھر میں ایک کنیز کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور اسے چھ ہزار دینار میں خرید لیا۔ جب اسے گھر لایا تو اس نے کہا: مجھے روئے زمین پر تجھ سے زیادہ ناپسند کوئی نہیں، تو مجھے میرے سابقہ مالک کی طرف لوٹا دے، جب میں تجھ سے انتہائی بغض رکھتی ہوں تو اس حالت میں تو مجھ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

میں نے اسے سمجھانے کی خوب کوشش کی، ہر طرح کی راحت و عیش کا سامان اسے مہیا کیا؛ لیکن وہ میری طرف بالکل بھی متوجہ نہ ہوئی، میں جتنا اس سے پیار کرتا وہ اتنی ہی نفرت سے پیش آتی۔ اس کے اس رویے سے میرا دل غمگین ہو گیا، میں کسی بھی قیمت پر اسے دور نہیں کرنا چاہتا

(۱) المنتظم: ۸۴/۴ ...... بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب: ۴۲۱/۲ ...... عیون الحکایات ابن الجوزی: ۱۸۱/۱، ۱۸۵۔

تھا۔ اَب میں دن رات اس کے خیالوں میں گم رہنے لگا۔ میری یہ حالت دیکھ کر میری ایک عمر رسیدہ خادمہ نے کہا: تو اس کے غم میں اپنی جان کیوں کھپاتا ہے؟ اس کنیز کو ایک کمرے میں بند کردے، کچھ ہی دنوں میں اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے!۔

چنانچہ کنیز کو ایک علاحدہ کمرے میں بھیجوا دیا گیا۔ اب اس کی یہ حالت تھی کہ نہ کچھ کھاتی، نہ پیتی بس ہر وقت روتی ہی رہتی، اس کا جسم نہایت کمزور ہوگیا، ایسا لگتا تھا کہ اب یہ انتقال کرجائے گی۔ میں روزانہ اس کے پاس جا کر اسے خوش کرنے کی کوشش کرتا؛ لیکن وہ میری کسی بات کا جواب نہ دیتی۔ چار دن بعد میں نے کہا: اگر کوئی چیز کھانے کو جی چاہ رہا ہے تو بتاؤ۔ خلافِ توقع وہ میری جانب متوجہ ہوئی اور کہا: میں دَلیہ کھانا چاہتی ہوں۔

میں اس کا کلام سن کر بہت خوش ہوا اور قسم کھالی کہ میں اپنے ہاتھوں سے دلیہ تیار کروں گا؛ چنانچہ میں نے آگ جلائی اور دیگچی میں آٹا وغیرہ ڈال کر اپنے ہاتھ سے پکانے لگا۔ وہ کنیز میرے قریب آکر بیٹھ گئی، اور اپنی بیماری اور غم کے متعلق مجھے بتانے لگی۔

میں اس کی باتوں میں ایسا مگن ہوا کہ آگ نے میرا سارا ہاتھ جلا ڈالا اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔ اتنے میں میری خادمہ آئی اور پکار کر کہا: اپنا ہاتھ اُٹھا کر دیکھو، آگ نے جلا کر اسے بیکار کردیا ہے۔ میں نے چونک کر ہاتھ اُٹھایا تو واقعی وہ جل کر کوئلہ ہو چکا تھا۔

حضرت ابوالعباس بن عطا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس نوجوان کا حیرت انگیز واقعہ سن کر میں حیرت سے چیخ پڑا اور کہا: اللہ کے بندے! مخلوق کی محبت میں تیرا یہ حال ہوگیا!، کاش! اگر ایسی محبت خالق حقیقی سے ہوتی تو تیرا رنگ کچھ اور ہی ہوتا!۔(۱)

آنکھوں کی آوارگی

حضرت ابوبکر شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ (م۳۳۴ھ) کے بارے میں ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے طواف کے دوران ایک صاحبِ بصیرت شخص کو دیکھا، جس کی نظر

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:۳۸۱/۲، ۳۸۲......ذم الھویٰ:۳۴۸/۱۔

طواف کرتی ہوئی ایک عورت سے چار ہوگئی، اتنے میں ایک تیر (غیب سے نمودار ہوکر) اس کی آنکھ میں چبھ گیا، تو میں لپک کر اس کی طرف بڑھا اور تیر کو اس کی آنکھ سے نکال کر باہر کر دیا، اور دیکھا تو اس تیر پر یہ تحریر تھا :

نظرت بعينك إلى غيرنا فأعميناها، ولو نظرت بقلبك إلى غيرنا لكويناه . (۱)

یعنی تو نے اپنی آنکھوں سے ہمارے علاوہ کسی اور کا نظارا کیا لہٰذا ہم نے اسے اندھا کر دیا، اور اگر تم اپنے دل سے ہمارے غیر کی طرف نظر کرتے تو ہم اسے داغ ہی دیتے۔

برکت ایک صدقے کی

حضرت شیخ شبلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز کسی دیہات کی جانب جا رہا تھا۔ راستے میں ایک طرف ایک نوجوان پر نظر پڑی، جو بہت کمزور، اور نحیف ونزار تھا، اس کا جسم گرد میں اَٹا ہوا، بال اُلجھے ہوئے، اور لباس نہایت خستہ تھا۔ وہ دو قبروں کے درمیان بیٹھا مٹی اٹھا اٹھا کر اپنے چہرے پر ملتا، اور بار بار آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتا تھا۔ اس کے لب ہل رہے تھے، آنسو چہرے پر بہہ رہے تھے، اور وہ متواتر ذکر و استغفار اور دعا کیے جا رہا تھا۔

میں نے دیکھا تو میرا دل اس کی طرف راغب ہوا، اور مجھے ملاقات کرنے کی خواہش ہوئی؛ چنانچہ گزرگاہ چھوڑ کر میں اس کی طرف چلا؛ مگر اس نے مجھے آتے دیکھا تو اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے بھی سبقت کی کہ شاید اسے پالوں۔

شیخ شبلی: اے اللہ کے دوست! مجھ پر مہربانی کرو۔

نوجوان: واللہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

شیخ شبلی: تمہیں اللہ کا واسطہ، ٹھہر جاؤ۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۷۔

نوجوان: انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے، میں نہیں رکوں گا، اور کہا ''اللہ''

شیخ شبلی: اگر تم اس کے بارے میں سچے ہو تو اپنی صداقت ظاہر کرو۔

یہ سن کر نوجوان نے بڑے دردانگیز انداز میں اللہ، اللہ، اللہ کہا، اور گر کر بیہوش ہو گیا۔

شیخ شبلی فرماتے ہیں کہ میں نے جا کر اسے ہلایا تو وہ اِنتقال کر چکا تھا۔

میں یہ دیکھ کر فکرمند بھی ہوا، اور اس کے حال اور صداقت پر حیرت زدہ بھی، اور دل میں کہا: يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کرے۔

بعدازاں لاحول پڑھتے ہوئے اس کی تجہیز و تکفین کے خیال سے ایک قریبی عرب قبیلہ میں گیا۔ واپس آیا تو نوجوان کی لاش وہاں نہیں ملی۔ اور نہ ہی اس کا کوئی سراغ لگا۔ اتنے میں کسی کی آواز آئی:

> اے شبلی! تو اس نوجوان کی فکر نہ کر، ملائکہ نے اس کا کام پورا کر دیا، تم اپنے پروردگار کی عبادت پر توجہ دو، اور زیادہ سے زیادہ صدقہ کرو۔ یہ نوجوان ایک صدقہ کے ذریعہ ہی اس مقام پر پہنچا ہے جو صدقہ اس نے تمام زندگی میں ایک ہی مرتبہ کیا تھا۔

حضرت شیخ شبلی کہتے ہیں: بخدا مجھے بتاؤ کہ اس نے کیا صدقہ کیا تھا؟۔ ہاتف غیب سے آواز آئی: شبلی! یہ شخص ابتدائی عمر میں نافرمان، فاسق اور زانی تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ایک خواب دکھایا گیا جسے دیکھ کر وہ گھبرا گیا، اور پریشان ہو گیا۔

خواب یہ تھا کہ اس کا عضو تناسُل اژدھا بن گیا جو اس کے پورے جسم کو گھیر کر منہ کے سامنے منہ کر کے بیٹھ گیا۔ پھر اژدھے کے منہ سے آگ کے شعلے نکل کر نوجوان کے چہرے کو جھلسانے لگے، اور وہ جل کر کوئلہ ہو گیا۔

یہ خواب دیکھ کر نوجوان سہم گیا، اور دنیا سے راستہ منقطع کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ گیا۔ بارہ سال اسی طرح گریہ وزاری، اور آہ و نالہ میں گزارے۔ کل اس سے مانگنے والے نے ایک دن کی غذا مانگی۔ نوجوان نے اسے اپنے کپڑے اُتار کر دیے، سائل بہت خوش ہوا اور اس

نے نوجوان کے حق میں بخشش کی دعا مانگی۔ رب تعالیٰ نے فقیر کی دعا قبول فرمائی۔تو بس اسی صدقہ کی برکت سے یہ سب کچھ ہوا جس سے اس نے فقیر کا دل خوش کردیا تھا۔حدیث شریف میں ہے:اس وقت سائل کی دعا کو بہت غنیمت جانو جب صدقہ سے اس کا دل خوش ہوگیا ہو۔(۱)

دس ہزاری درود

حضرت سلطان محمود غزنوی (م۴۲۱ھ) بڑے صالح پرہیزگار بادشاہ ہوئے ہیں۔آپ کی طرف منسوب درود شریف کو''الصلوٰۃ المحمودیہ''اور دس ہزاری درود بھی کہتے ہیں یعنی اس کا ایک بار پڑھنا ہزار بار درود پڑھنے کے برابر شمار کیا جاتا ہے۔

مشہور مفسر قرآن علامہ اسماعیل حقی بروصوی علیہ الرحمہ (م۱۱۳۷ھ) نے اپنی تفسیر قرآن ''روح البیان'' میں اس درود شریف کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک نوجوان شخص نے سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ مجھے عرصہ دراز سے یہ تمنا تھی کہ کبھی آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہو تو اپنے دکھ درد ظاہر کروں اور اپنی زبوں حالی کی داستان سناؤں۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے گزشتہ شب میری قسمت کا ستارہ چمکا اور مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا۔ حضور کو مسرور پاکر میں نے عرض کی یارسول اللہ! میں ایک ہزار درہم کا مقروض ہوں اور اس کی ادائیگی سے عاجز ہوں، ڈرتا ہوں کہ اگر موت آگئی تو یہ قرض میرے ذمہ رہ جائے گا۔

یہ سن کر شفیق اُمت علیہ السلام نے فرمایا کہ تم محمود بن سبکتگین کے پاس جاؤ اور کہو کہ مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا ہے؛ لہٰذا میرا قرض اُدا کردو۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! میری بات پر وہ کیسے اعتماد کریں گے،اس کے لیے وہ نشانی طلب کریں گے تو میں کیا کروں گا؟۔

سرکار علیہ السلام نے فرمایا:اسے جاکر کہو کہ محمود! تم میرے لیے تیس ہزار مرتبہ درود شریف سونے سے پہلے پڑھتے ہو اور تیس ہزار مرتبہ درود شریف بیدار ہوکر پڑھتے ہو۔

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء:۴۷۷تا۴۷۹۔

چنانچہ نوجوان نے دربار میں حاضری دی اوراُمرِ واقعہ بتایا۔اس نوجوان شخص سے یہ پیغام سن کرمحمودغزنوی پرگریہ طاری ہوگیااوروہ زاروقطار رونے لگا۔اس کا سارا قرض اَدا کیا گیااور اسے مزید ایک ہزار درہم بطورِ نذرانہ پیش کیے گئے۔

اہل دربار متعجب ہوئے اورعرض کی کہ عالی جاہ! آپ نے اس شخص کی ایسی بات کی تصدیق کردی جو ناممکن ہے،ہم آپ کی خدمت میں شب وروز حاضر رہتے ہیں،ہم نے کبھی اتنی مقدار میں آپ کو درود شریف پڑھتے نہیں دیکھا۔سلطان محمود نے کہا:تم سچ کہتے ہو لیکن میں نے علما سے سن رکھا تھا کہ جو شخص یہ درود شریف ایک مرتبہ پڑھے گا وہ دس ہزار مرتبہ پڑھنے کے برابر ہوگا؛ لہٰذا میں سوتے وقت اس کو تین مرتبہ پڑھ لیتا ہوں اور تین مرتبہ بیدار ہوکر پڑھ لیتا ہوں اور میں یقین رکھتا تھا کہ میں نے ساٹھ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا ہے اور میرے آنسو خوشی کے تھے کہ علما کا ارشاد صحیح تھا کہ اس کا ثواب اتنا ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بارگاہ میں قبول فرمایا۔وہ درود شریف یہ ہے :

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَا اخْتَلَفَ الْمَلَوَانِ وَ تَعَاقَبَ الْعَصْرَانِ وَکَرَّ الْجَدِیْدَانِ وَ اسْتَقَلَّ الْفَرْقَدَانِ وَ بَلِّغْ رُوحَهٗ وَ أرْوَاحَ أهْلِ بَیْتِهٖ مِنَّا التَّحِیَّةَ وَ السَّلَامَ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ کَثِیْراً . (۱)

مومن کے جہاں پڑتے ہیں قدم

حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمہ(م۳۴۴ھ)فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ معظّمہ میں ایک اَعرابی کو صوفیہ کی خدمت کرتے ہوئے دیکھا۔میں نے اس کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ میں ایک ویرانے سے گزر رہا تھا،اچانک میری نگاہ ایک غلام پر پڑی جو ننگے پاؤں، برہنہ سر تھا،اس کے پاس نہ توشہ تھا اور نہ توشہ دان۔

---

(۱) تفسیر روح البیان:۱۲۴/۱۱۔بحوالہ تم پہ کروڑوں درود،خلیل احمد رانا:۳۷تا۳۸۔

☆ لطف کی بات یہ ہے کہ وہابی قاضی محمد زاہد الحسینی کانگریسی نے بھی اپنی کتاب ''رحمت کائنات'' میں یہ درود شریف تفسیر روح البیان کے حوالے سے درج کیا ہے۔ ۱۲منہ

میں نے اپنے دل میں کہا: مجھے اس سے ملاقات کرنی چاہیے، اگر یہ بھوکا ہوتو اسے کھانا کھلاؤں گا، پیاسا ہوتو پانی پلاؤں گا۔ یہی سوچ لے کر میں اس کے پیچھے چل نکلا؛ حتیٰ کہ ہم دونوں کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا؛ مگر پھر وہ اچانک میری نظروں سے اوجھل ہونا شروع ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ شیطان تھا، اتنے میں ایک آواز آئی: نہیں بلکہ یہ ایک دیوانہ تھا۔

میں نے بلند آواز سے التجا کی: اے فلاں! میں تجھے اس ذاتِ پاک کا واسطہ دیتا ہوں جس نے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، ذرا میری بات سننا۔ تو اس نے کہا: اے جوان! تو نے خود کو بھی تھکایا اور مجھے بھی تھکا مارا۔

میں نے کہا: تمہیں اکیلا دیکھ کر میں اصلاً تمہاری خدمت کے لیے آیا تھا۔ اس نے کہا: جس کے ساتھ خدا ہو وہ اکیلا کیسے ہوسکتا ہے!۔ میں نے کہا: مجھے آپ کے پاس کوئی توشہ نظر نہیں آیا۔ اس نے کہا: جب مجھے بھوک لگتی ہے تو ذکرِ الٰہی میرا توشہ بن جاتا ہے اور جب پیاس لگتی ہے تو دیدارِ مولا کی طلب مجھے سیراب کر جاتی ہے۔

میں نے کہا: تو اس وقت مجھے بھوک لگی ہے، کہیں سے کھانے کا انتظام کر دو۔ اس نے پوچھا: کیا تم اولیا کی کرامت کو نہیں مانتے؟۔ میں نے کہا: کیوں نہیں! مگر اطمینانِ قلب کے لیے یہ باتیں پوچھ رہا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ ریتیلی زمین پر مارا اور ایک مٹھی بھر کر میری طرف بڑھائی اور کہنے لگا: اے دھوکا کھانے والے! لو اِسے کھاؤ۔ میں نے دیکھا کہ وہ مٹی لذیذ ترین ستو بن چکی تھی۔ میں نے کہا: کتنی لذیذ ہے۔ تو وہ بولا: بیابان میں اولیا کو ایسی بہت سی نعمتیں میسر ہیں، کاش! تجھے اس کی سمجھ ہوتی!۔

میں نے کہا: اس وقت شدت کی پیاس محسوس ہو رہی ہے، تو اس نے اپنا پاؤں زمین پر مارا، تو شہد اور پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ میں پانی پینے کے لیے چشمے پر بیٹھ گیا پھر جب میں نے سر اُٹھایا تو وہ مجھے نظر نہ آیا۔ نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا۔ لہٰذا اس دن سے فقرا کی خدمت کو میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا، اور ان کی خدمت میں مصروف ہوں شاید اس جیسے کسی ولی کی زیارت کر سکوں۔(۱)

(۱) بحر الدموع ابن الجوزی مترجم: ۱۵۔

تاک جھانک کا خمیازہ

سلطان عضد الدولہ (م۳۷۲ھ) کے دربار میں ایک ترکی نوجوان کام کرتا تھا۔ اس کے ہمسائے میں ایک شریف گھرانہ آباد تھا۔ میاں بیوی نئے نئے شادی کے بندھن میں بندھے تھے۔ دیوار سے دیوار ملی ہوئی تھی۔ اِتفاق کی بات' دیوار سے ایک اینٹ گر پڑی یا اس ترکی نوجوان نے قصداً نکال لی، بہرحال! دیوار میں سوراخ ہوگیا۔ اس ترکی نوجوان نے روزنِ دیوار سے جھانک کر دیکھا، اسے ایک نہایت خوبصورت عورت نظر آئی۔ اب اسے دید و باز دید کا ایسا چسکا پڑا کہ وہ پہروں سوراخ سے اس عورت کو دیکھتا رہتا۔

شروع شروع میں تو عورت کو پتا نہ چلا کہ کوئی اسے دیکھتا ہے؛ البتہ رفتہ رفتہ اسے معلوم ہوگیا کہ ترکی ہمسایہ اسے چوری چھپے دیکھتا رہتا ہے۔ عورت پاک دامن تھی، اس نے اپنے خاوند سے شکایت کی کہ یہ ترکی نوجوان مجھے روزانہ روزنِ دیوار سے جھانکتا رہتا ہے۔ اس مکان میں میرے سوا کوئی اور نہیں ہے؛ اس لیے لوگوں کو شک گزرے گا کہ میری اس سے شناسائی ہے اور میں اس سے باتیں کرتی ہوں گی، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے چھٹکارے کے لیے کیا کروں؟۔

خاوند کو جب یہ مذموم حرکت معلوم ہوئی تو اسے بڑا غصہ آیا کہ اس کی عزت و ناموس پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے۔ اس نے فوراً ایک منصوبہ بنایا اور اپنی بیوی سے کہا: گھبرانے کی ضرورت نہیں، ایسا کرو کہ اس کے نام ایک رقعہ لکھو اور اسی روزن سے اس کی طرف پھینک دو۔ رقعے کا مضمون کچھ یوں ہونا چاہیے :

> نوجوان! فضول کھڑے ہونے اور روزن سے مجھے چوری چھپے تکتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم یوں کرو کہ عشا کے بعد جب اندھیرا چھا جائے اور لوگ سو جائیں تو تم چپکے سے میرے دروازے پر آجانا، ہلکی سی دستک دینا، میں تمہارے لیے خاموشی سے دروازہ کھول دوں گی۔

عورت نے یہ مضمون لکھ کر نوجوان کی طرف روزن سے رقعہ پھینک دیا۔نوجوان نے فوراً رقعہ پڑھا،خوشی سے جھوم اُٹھا اور رات ہونے کا بے تابی سے انتظار کرنے لگا۔

اِدھر خاتون کے شوہر نے گھر کے دروازے کے پیچھے گہرا گڑھا کھودا،اور ترکی نوجوان کی گھات میں بیٹھ گیا۔سورج غروب ہوا۔چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔عشا کے وقت وہ نوجوان عورت کے دروازے پر جا پہنچا اور احتیاط سے دستک دی۔ دروازہ دھیرے سے کھل گیا۔ نوجوان نے جوں ہی اندر قدم رکھا۔شوہر نے زور سے لات ماری اور اسے گڑھے میں گرا دیا۔ پھر میاں بیوی دونوں نے مل کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔

چند دنوں تک تو اس ترکی نوجوان کے بارے میں کسی نے کوئی بات نہیں کی؛ مگر جب وہ متواتر کئی دن تک نظر نہ آیا تو عضد الدولہ کو اس کا دھیان آیا۔اس نے اپنے مقربین سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو اسے بتایا گیا کہ وہ کئی دنوں سے بغیر اطلاع ڈیوٹی سے غائب ہے۔

عضد الدولہ کو اچانک ترکی نوجوان کے غائب ہو جانے پر بڑی تشویش ہوئی۔ وہ اس معاملے کی تفتیش کرنے لگا۔اس نے اس کی رہائش گاہ کے قریب والی مسجد کے مؤذن کو بلا بھیجا۔ مؤذن کو سرکاری دربار سے بلاوا آیا تو یہ خبر آنِ واحد میں پورے محلے میں پھیل گئی کہ مؤذن کو خلیفہ وقت نے طلب کیا ہے۔مؤذن حاضر خدمت ہوا۔بظاہر عضد الدولہ مؤذن سے سختی سے پیش آیا؛ تاہم اس نے جیب سے سو دینار نکالے اور کہنے لگا :

هٰذه مائة دينار ، خذها وامتثل ما آمرک .

یعنی یہ سو دینار لو اور تمہیں جو حکم دوں اس کی تعمیل کرو۔

مؤذن نے عرض کی: حکم دیجیے،فوری تعمیل ہوگی۔عضد الدولہ نے حکم دیا کہ جب تم واپس جاؤ تو عشا کی اَذان دے کر مسجد کے اندر بیٹھ جانا۔سب سے پہلے جو شخص آئے اور میری نسبت پوچھے کہ میں نے تمہیں کیوں طلب کیا تھا تو صبح اس کے بارے میں آکر مجھے مطلع کرنا۔

مؤذن واپس آیا اور عضد الدولہ کے حکم کے مطابق اَذان دے کر مسجد میں بیٹھ گیا۔اَذان سنتے ہی ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔ یہ وہی آدمی تھا جس کی بیوی پر ترکی جوان بری نگاہ رکھے

ہوئے تھا، اور جسے اس نے اپنے دروازے کے پاس گڑھے میں دفن کر دیا تھا۔

مسجد میں داخل ہوتے ہی اس نے موذن سے پوچھا: میرا دل تمہاری ہی طرف لگا ہوا تھا، بتاؤ! خلیفہ نے تمھیں کیوں بلوایا اور وہ تم سے کیا معلوم کرنا چاہتا تھا؟۔ مؤذن نے بتایا: کوئی خاص بات نہیں، عضدالدولہ نے مجھ سے اچھی ہی بات کی ہے۔

صبح ہوتے ہی موذن مسجد سے نکلا اور عضدالدولہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس آدمی کے بارے میں اطلاع دی۔ عضدالدولہ نے فوراً اس آدمی کو بلا بھیجا۔ کچھ دیر بعد وہ آدمی عضدالدولہ کے دربار میں حاضر ہوگیا، وہ گھبرایا ہوا تھا۔ عضدالدولہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا: ترکی نوجوان کا کیا قصہ ہے؟۔

وہ بولا: حضور! آپ نے اس ترکی نوجوان کے بارے میں پوچھ ہی لیا ہے تو میں آپ کو بالکل سچ بتلاتا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ میری بیوی پردہ نشین اور پاکدامن خاتون ہے۔ یہ نوجوان ہمارا پڑوسی تھا۔ وہ مکان کی دیوار سے اسے دیکھتا رہتا تھا، اور ورغلانے کی کوشش کررہا تھا۔ دیوار کے ساتھ صرف میرا ہی گھر ہے اور اس میں صرف میری بیوی ہی رہتی ہے؛ اس لیے وہ اس بات سے بہت پریشان تھی کہ اگر کسی کو اس کی تاک جھانک کا حال معلوم ہوگیا تو وہ یہی سمجھے گا کہ وہ بھی اس نوجوان کی خباثت میں برابر کی شریک ہے۔ یہ براہِ راست میری عزت پر حملہ تھا، میں برداشت نہ کرسکتا تھا؛ لہٰذا میں نے اسے ہمیشہ کے لیے ٹھکانے لگا دیا۔

پھر اس نے مختصر طور پر ترکی نوجوان کو گڑھے میں دفن کرنے کی روداد بھی سنا دی۔ عضدالدولہ نے اس کی ساری گفتگو بہت غور سے سننے کے بعد فرمایا:

اذهب في دعة الله، فما سمع الناس ولا قلنا .

یعنی جاؤ، تم اللہ کے سپرد ہو! نہ لوگوں کو اس بات کی کوئی خبر ہوئی، اور نہ ہم یہ راز فاش کریں گے۔(۱)

(۱) کتاب الاذکیاء ابن الجوزی ۱؍۲۴۔

مردہ لڑکی سے بدکاری!

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ (م۳۷۳ھ) علیہ بیان کرتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے عمر! کیوں روتے ہو؟۔ عرض کی: حضور! دروازے پر کھڑے ہوئے ایک جوان کی گریہ وزاری نے میرا جگر جلا دیا ہے۔

آپ نے فرمایا: اس جوان کو اندر لاؤ۔ جب جوان حاضر خدمت ہوا تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وا لہٖ وسلم) نے پوچھا: اے جوان! کس کے لیے رو رہے ہو؟۔ عرض کی حضور میں اپنے گناہوں کی کثرت اور رب ذوالجلال کی ناراضگی کے خوف سے رو رہا ہوں۔

آپ نے پوچھا: کیا تو نے شرک کیا ہے؟۔ کہا نہیں، یارسول اللہ۔

تو کیا تو نے کسی کو ناحق قتل کیا ہے؟۔ آپ نے دوبارہ پوچھا۔ عرض کیا نہیں، یارسول اللہ۔

آپ نے ارشاد فرمایا: اگر تیرے گناہ ساتوں آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کے برابر ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بخش دے گا۔ جوان بولا: یارسول اللہ! میرا گناہ ان سے بھی بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا: تیرا گناہ بڑا ہے یا کرسی؟۔ عرض کی: میرا گناہ۔

آپ نے فرمایا: تیرا گناہ بڑا ہے یا عرش الٰہی؟۔ عرض کی: میرا گناہ۔

آپ نے فرمایا: تیرا گناہ بڑا ہے یا رب ذوالجلال۔

عرض کی: رب ذوالجلال بہت عظیم ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ جرم عظیم کو رب عظیم ہی معاف فرماتا ہے پھر آپ نے فرمایا: ذرا تم مجھے اپنا گناہ تو بتلاؤ۔

عرض کی: حضور مجھے آپ کے سامنے عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں ہے تم بتلاؤ۔ چنانچہ اب وہ جی کڑا کر کے عرض کرنے لگا: حضور میں سات سال سے کفن چوری کر رہا ہوں۔ انصار کی ایک لڑکی فوت ہوگئی تو میں اس کا کفن چرانے جا پہنچا۔ میں نے قبر کھود کر کفن لے لیا اور چل پڑا۔ کچھ ہی دور گیا تھا کہ مجھ پر شیطان غالب آ گیا، پھر کیا تھا،

میں اُلٹے قدم واپس پہنچا اور لڑکی سے بدکاری کر ڈالی۔

میں گناہ کر کے ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ لڑکی اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی: اے جوان! خدا تجھے غارت کرے، تجھے اس نگہبان کا خوف نہیں آیا جو ہر مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلاتا ہے، تو نے مجھے مردوں کی جماعت سے برہنہ کر دیا اور دربارِ خداوندی میں جانے کے لیے ناپاک کر دیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ سنا تو فرمایا: دور ہو جا اے بد بخت! تو نارِ جہنم کا مستحق ہے۔

جوان وہاں سے روتا ہوا اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوا نکل گیا۔ جب اسے اسی حالت میں چالیس دن گزر گئے تو اس نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور کہا: اے محمد وآدم وابراہیم (علیہم السلام) کے رب! اگر تو نے میرے گناہ کو بخش دیا ہے تو حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو مطلع فرما دے؛ وگرنہ آسمان سے آگ بھیج کر مجھے جلا دے اور جہنم کے عذاب سے بچا لے۔

اسی وقت حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ مخلوق کو آپ نے پیدا کیا ہے؟۔

آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ مجھے اور تمام مخلوق کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اسی نے رزق دیا ہے۔ تب جبریل نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے جوان کی توبہ قبول کر لی ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوان کو بلا کر اسے توبہ کی قبولیت کا مژدہ سنایا۔

قرآن سن کر روح نکل گئی

حضرت ابوبکر شیرازی (م ۴۰۷ھ) سے منقول ہے کہ مکہ مکرمہ سے واپسی پر میں کئی دن عراق کے غیر آباد ویران جنگلوں میں پھرتا رہا۔ مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جس کی میں رفاقت اختیار کرتا۔ کافی دنوں کے بعد مجھے ایک خیمہ نظر آیا، ایسا لگتا تھا جیسے جانوروں کے بالوں سے بنایا گیا ہو۔ میں خیمہ کے قریب گیا تو دیکھا کہ وہ ایک خستہ حال پرانا مکان تھا جسے کپڑے سے

ڈھانپ دیا گیا تھا۔ میں نے سلام کیا تو اندر سے ایک بوڑھی عورت کی آواز سنائی دی، اس نے پوچھا: اے ابن آدم! تم کہاں سے آ رہے ہو؟۔ میں نے کہا: مکہ معظّمہ سے آ رہا ہوں۔ پوچھا: کہاں کا اِرادہ ہے؟۔ میں نے کہا: شام جا رہا ہوں۔

کہا: میں تیرے جیسے اِنسان کو جھوٹا اور غلط دعویٰ کرنے والا دیکھ رہی ہوں۔ کیا تو ایسا نہ کرسکتا تھا کہ ایک کونہ سنبھال لیتا اور اسی میں بیٹھ کر عبادت و ریاضت کرتا یہاں تک کہ تجھے پیغام اجل آ پہنچتا!۔ اے شخص! تو یہی سوچ رہا ہے نا کہ یہ بڑھیا اس بیابان جنگل میں ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہتی ہے، یہ کھاتی کہاں سے ہوگی؟۔ میں خاموش رہا۔ اس نے پوچھا: کیا تمہیں قرآن یاد ہے۔ میں نے کہا: الحمد للہ! مجھے قرآن یاد ہے۔ کہا: سورۂ فرقان کی آخری آیات پڑھو۔ چنانچہ میں نے پڑھنا شروع کیا:

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِيْنَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً، وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَقِيَاماً، وَالَّذِيْنَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً، إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً......o (سورۂ فرقان: ۲۵/۶۳ تا ۶۶)

اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔ اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لیے سجدہ ریزی اور قیامِ (نیاز) میں راتیں بسر کرتے ہیں۔ اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو (ہمہ وقت حضورِ باری تعالیٰ میں) عرض گزار رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو ہم سے دوزخ کا عذاب ہٹا لے، بیشک اس کا عذاب بڑا مہلک (اور دائمی) ہے۔ بیشک وہ (عارضی ٹھہرنے والوں کے لیے) بری قرارگاہ اور (دائمی رہنے والوں کے لیے) بری قیام گاہ ہے۔

اِن آیتوں کا اس کے کان میں پڑنا تھا کہ وہ بے تحاشا چیخنے لگی اور غش کھا کر زمین پر گر پڑی، کافی دیر بعد رات گئے اِفاقہ ہوا تو وہی آیات دبے لفظوں پڑھتی رہی اور شدید آہ وزاری کرتی رہی۔ اس نے دوبارہ مجھے وہی آیات پڑھنے کو کہا: میں نے تلاوت کی تو پہلے کی طرح

پھر بے ہوش ہوکر گر پڑی۔

جب کافی دیر تک ہوش نہ آیا تو میں بہت پریشان ہوگیا اور سوچنے لگا کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ یہ بیہوش ہے یا اِنتقال کرگئی ہے؟۔اسی فکر میں اسے وہیں چھوڑ کر میں ایک سمت چل نکلا۔تقریباً نصف میل چلنے کے بعد مجھے بدوؤں کی ایک وادی نظر آئی۔جب وہاں پہنچا تو ایک لونڈی اور دو نوجوان میرے پاس آئے۔ان میں سے ایک نے پوچھا: اسے مسافر! کیا تو جنگل میں موجود گھر کی طرف سے آرہا ہے؟۔

میں نے کہا: ہاں۔ پوچھا: کیا تو نے وہاں قرآن کی تلاوت کی؟۔ میں نے کہا: ہاں۔ نوجوان نے کہا: ربِّ کعبہ کی قسم! تو نے اس بڑھیا کو قتل کردیا۔ پھر ہم اس گھر کی طرف آئے، لونڈی نے بڑھیا کو دیکھا تو وہ اس دارِفانی سے کوچ کرچکی تھی۔

مجھے نوجوان کے انداز نے تعجب میں ڈال دیا، میں حیران تھا کہ اس نے کیسے جانا کہ قرآن سن کر بڑھیا کا اِنتقال ہوجائے گا۔ میں نے لونڈی سے پوچھا: یہ نوجوان کون ہے اور بڑھیا سے اس کا کیا رشتہ ہے؟۔کہا: یہ خدارسیدہ بڑھیا ان کی بہن تھی، تیس سال سے اس نے کسی انسان سے گفتگو نہ کی، بھوکی پیاسی اسی جنگل میں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتی۔تین دن بعد تھوڑا سا پانی پی کر اور تھوڑا سا کھانا کھا کر گزارہ کرتی؛ یہاں تک کہ آج اپنے خالقِ حقیقی سے جاملی۔(۱)

درودِ پاک کے اِلتزام کی برکات

حضرت محمد بن یحییٰ کرمانی بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت ابوعلی بن شاذان علیہ الرحمہ (م ۴۲۷ھ) کی بارگاہِ فضل وکمال میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک غیر معروف شخص اندر آیا، اور سلام کرنے کے بعد ہم سے پوچھنے لگا کہ آپ لوگوں میں علی بن شاذان کون ہیں؟۔

ہم نے اُن کی طرف اِشارہ کرکے بتادیا۔ چنانچہ وہ اُن کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا: اے شیخ! رات جب میں سویا تو میرا مقدر بیدار ہوگیا اور خواب میں پیارے آقا علیہ السلام کی

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱۰۹/۲، ۱۱۰......صفۃ الصفوۃ: ۳۹۳/۴۔

زیارت سے مشرف ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ابوعلی بن شاذان کے بارے میں معلوم کرو، جب کبھی ان سے ملاقات ہو تو میری طرف سے سلام کہہ دینا۔

بس یہ کہہ کر نوجوان واپس چلا گیا، اور اُدھر ابوعلی بن شاذان کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ کہنے لگے: میں اپنے نامہ اعمال میں ایسا کوئی عمل نہیں دیکھتا جس نے مجھے اس لائق بنا دیا ہے کہ پیارے آقا اپنے سلام سے مجھے مشرف فرمائیں اِلا یہ کہ قراءتِ حدیث پر میں نے جو صبر وشکیب کا مظاہرہ کیا ہے اور ذکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آجانے پر درودِ پاک کی تکرار نے شاید یہ برکتیں مجھے عطا کی ہیں۔(۱)

نصیحت آموز چار اَشعار

حضرت محمد بن محمد الصوفی علیہ الرحمہ (م ۴۶۶ھ) فرماتے ہیں کہ میں ایک بار موسم سرما کی بہت سرد رات کسی کام سے 'حلوان' کی پہاڑیوں میں گیا۔ سردی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ میں نے اپنے جسم پر دوہرا لباس پہن رکھا تھا اور ایک موٹا کمبل بھی اوڑھ رکھا تھا لیکن پھر بھی سردی کی وجہ سے مجھے بہت پریشانی ہورہی تھی۔ اچانک میری نظر ایک نوجوان پر پڑی جس کے جسم پر صرف دو چادریں تھیں جن سے صرف ستر پوشی ہوسکتی تھی، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی کپڑا نہیں تھا، اور وہ بالکل مطمئن نظر آرہا تھا؛ گویا سردی کی وجہ سے اسے کوئی پریشانی ہی نہیں۔

میں اس کی جانب بڑھا لیکن وہ مجھ سے دور ہٹ کر چلنے لگا۔ میں پھر اس کے قریب گیا لیکن وہ مجھ سے دور ہوگیا، پھر میں جلدی جلدی چلا اور اس کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا: تم مجھ سے دور کیوں بھاگ رہے ہو؟۔ کیا میں کوئی درندہ ہوں جو تم مجھ سے دوری چاہ رہے ہو؟۔ یہ سن کر اس نوجوان نے کہا: اگر ستر (۷۰) درندے میرے سامنے آجائیں تو مجھے ان سے اتنی پریشانی نہیں ہوگی جتنی تمہاری ملاقات سے ہورہی ہے۔

(۱) المنتظم، ابن جوزی: ۳۷۴/۴/۴۔

میں نے اس سے کہا: اتنی سخت سردی میں تم نے صرف دو معمولی چادریں جسم پر لپیٹ رکھی ہیں اور تمہیں سردی کا اِحساس تک نہیں ہو رہا اور میری حالت یہ ہے کہ سردی سے حفاظت کے لیے کئی کپڑے موجود ہیں پھر بھی سردی محسوس کر رہا ہوں، تم مجھے کوئی نصیحت کرو تاکہ میں اپنے رب سے صلح کرلوں اور میرے دل میں اس کی محبت راسخ ہوجائے۔ وہ نوجوان کہنے لگا: کیا تم نصیحت آموز باتیں سننا چاہتے ہو؟۔ میں نے کہا: ہاں!۔ تو اس نے یہ اشعار پڑھے ۔

إذا ما عدت النفس ☆ عن الحق زجرناها

وإن مالت إلى الدنيا ☆ عن الأخرىٰ منعناها

تخادعنا و نخدعها ☆ و بالصبر غلبناها

لها خوف من الفقر ☆ و في الفقر أنخناها

یعنی جب کبھی نفس اللہ کے معاملے میں کوتاہی کرتا ہے تو ہم اسے زجر و توبیخ کرتے ہیں۔

جب اُخروی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی طرف مائل ہوتا تو ہم اسے منع کر دیتے ہیں۔

نفس ہمیں دھوکہ دینا چاہتا ہے تو ہم بھی اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور صبر کی وجہ سے اس پر غالب آجاتے ہیں۔

نفس فقر و فاقہ سے خوف زدہ ہوتا ہے جبکہ ہم فقر و فاقہ کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں۔

اس کے بعد وہ نوجوان میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ تین یا چار دن کے بعد جب میری واپسی ہوئی تو میں نے حضرت ابراہیم بن شیبان علیہ الرحمہ سے ملاقات کی اور اس نوجوان کی باتوں کی وجہ سے میری یہ حالت تھی کہ میں نے کمبل اُتار پھینکا تھا اور صرف سادہ لباس پہن رکھا تھا؛ حالاں کہ سخت سردی تھی۔ جب میں حضرت ابراہیم بن شیبان کے پاس پہنچا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا: سفر میں تمہاری ملاقات کس سے ہوئی ؟۔

میں نے اس نوجوان کا واقعہ بتایا تو فرمانے لگے: وہ ابو محمد بسطامی تھے اور اس دن وہ مجھ سے ملاقات کرکے گئے تھے۔ جو اشعار انھوں نے تمہیں سنائے وہ مجھے بھی سناؤ۔ چنانچہ میں نے

وہ اشعار سنانا شروع کیے تو انھوں نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: یہ اشعار بہت نصیحت آموز ہیں، انھیں لکھ لو؛ تو انھوں نے وہ اشعار قلمبند کر لیے۔(۱)

داستان مسلمان جنات کی

حضرت علی بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ (م۵۱۳ھ) اپنے گاؤں کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مقامِ ظفریہ میں ایک گھر تھا، جو بھی اس میں سکونت اختیار کرتا لقمہ اجل بن جاتا۔ ایک مرتبہ ایک قاریِ قرآن آیا اور اس نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے یہ گھر کرایہ پر دے دیا جائے۔

لوگوں نے کہا: اس گھر کے حادثات کا آپ کو علم ہے؟، کہا: ہاں! مجھے سب کچھ پتا ہے۔

چنانچہ وہ اس میں سکونت پذیر ہو گیا، اور اسے کسی مشکل کا سامنا نہ ہوا۔ پڑوسیوں کے لیے یہ بات قابل تعجب تھی؛ کیوں کہ اس گھر میں ایک شب سے زیادہ کوئی رہا ہی نہیں، صبح ہوئی تو اس گھر سے اس کی لاش ہی برآمد ہوئی؛ مگر یہ شخص مدتوں وہاں مقیم رہا اور ہر طرح ہر آفات سے محفوظ رہا۔

جب اس گھر سے منتقل ہو کر دوسری جگہ جانے لگا تو لوگوں نے اس کی بابت پوچھا۔ وہ کہنے لگا: گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے نمازِ عشا اَدا کی، اور کچھ وظیفے پڑھے۔ اتنے میں ایک کڑیل نوجوان کو کنوے سے برآمد ہوتا ہوا دیکھا۔ قریب آ کر اس نے مجھے سلام کیا، اور میں مبہوت سا ہو کر رہ گیا۔

اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا: فکر نہ کریں، آپ کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ ہاں ایک مہربانی یہ کریں کہ آپ اچھے اور خوش الحان قاری ہیں سو مجھے کچھ قرآن سکھا دیں؛ چنانچہ میں نے اسے قرآن پڑھانا شروع کر دیا۔ جب میری بدحواسی کچھ کم ہوئی تو میں نے گھر کا ماجرا اُس سے جاننا چاہا۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱۴۲/۱، ۱۴۳۔

اس نے کہا: دراصل بات یہ ہے کہ ہم مسلمان جن ہیں، اور اس گھر میں رہائش رکھتے ہیں، یہیں ہم نماز اور قرآن وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں۔ مگر اس گھر کا اَلمیہ یہ ہے کہ اس گھر میں جو بھی آیا فاسق وفاجر آیا اور اس کے شراب وکباب میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہمیں کافی تکلیف پہنچتی تھی تو ہم اس کا گلہ ہی گھونٹ دیتے تھے......۔(۱)

بے داغ جوانی کا سچ

حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز (م ۵۶۱ھ) کے عالم شباب کا ایک واقعہ کچھ یوں ملتا ہے کہ ایک قافلہ گیلان سے بغداد کی طرف رواں دواں تھا۔ جب یہ قافلۂ ہمدان شہر سے روانہ ہوا تو جیسے ہی جنگل شروع ہوا، ڈاکوؤں کا ایک گروہ نمودار ہوا اور قافلے والوں سے مال واَسباب لوٹنا شروع کردیا۔ اس قافلے میں ایک نوجوان بھی تھا جس کی عمر اَٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی۔

ایک راہزن اس نوجوان کے پاس آیا اور کہنے لگا: تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟ نوجوان بولا: میرے پاس چالیس دینار ہیں جو کپڑوں میں سلے ہوئے ہیں۔ راہزن نے کہا: مذاق نہ کرو، سچ سچ بتاؤ؟۔ نوجوان نے کہا: میرے پاس واقعی چالیس دینار ہیں۔ یہ دیکھو میرے بغل کے نیچے دیناروں والی تھیلی کپڑوں میں سِلی ہوئی ہے۔

راہزن نے دیکھا تو حیران رہ گیا اور نوجوان کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گیا اور سارا واقعہ بیان کردیا۔ سردار نے کہا: نوجوان! کیا بات ہے، لوگ تو ڈاکوؤں سے اپنی دولت چھپاتے ہیں؛ مگر تم نے سختی کیے بغیر اپنی دولت ظاہر کردی؟۔ نوجوان نے کہا: میری ماں نے گھر سے چلتے وقت مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ بیٹا! ہر حال میں سچ بولنا۔ بس میں اپنی والدہ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ نبھا رہا ہوں۔

---

(۱) تاریخ الاسلام ذہبی: ۸۸/۸۔

نوجوان کا یہ بیان تاثیر کا تیر بن کر ڈاکوؤں کے سردار کے دل میں پیوست ہوگیا، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا چھلکنے لگا، اس کا سویا ہوا مقدر جاگ اُٹھا اور کہنے لگا: صاحبزادے! تم کس قدر خوش نصیب ہو کہ دولت لٹنے کی پرواہ کیے بغیر اپنی والدہ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو نبھا رہے ہو اور میں کس قدر ظالم اور کمینہ ہوں کہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو پامال کررہا ہوں اور مخلوقِ خدا کا دل دکھا رہا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے وہ ساتھیوں سمیت سچے دل سے تائب ہوگیا اور لوٹا ہوا مال قافلے والوں کو واپس کردیا۔(۱)

مجھے اِن کے شر سے بچاؤ

'خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ' کے مصنف علامہ نور الدین ابوالحسن سمہودی نے اپنی اس کتاب میں ایک بڑا ہی روح فرسا اور دل سوز واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک رات' نمازِ تہجد کے بعد سلطانِ عادل نور الدین محمود زنگی (م۵۶۹ھ) نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو سرخی مائل رنگت کے آدمیوں کی طرف اِشارہ کرکے سلطان سے کہہ رہے ہیں کہ 'مجھے ان کے شر سے بچاؤ'۔

سلطان ہڑبڑا کر اٹھا، وضو کیا، نفل اَدا کیے اور پھر اس کی آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ وہی خواب دیکھا۔ اٹھا وضو کیا۔ نفل پڑھے اور سو گیا۔ تیسری بار وہی خواب دیکھا۔ اب اس کی نیند اُڑ گئی۔ اس نے رات کو ہی اپنے مشیر جمال الدین موصلی کو بلا کر پورا واقعہ سنایا۔ مشیر نے کہا: سلطان! یہ خواب تین بار دیکھنے کے بعد آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟۔

اس کا اب کسی سے ذکر نہ کریں اور فوراً مدینے روانہ ہوجائیں۔ اگلے روز سلطان نے بیس مخصوص اَفراد اور بہت سے تحائف کے ساتھ مدینے کے لیے کوچ کیا اور سولہویں روز شام کے وقت وہاں پہنچ گیا۔

(۱) تاریخ مشائخ قادریہ:۲۶۔

سلطان نے روضہ رسول پر حاضری دی اور مسجدِ نبوی میں بیٹھ گیا۔ اعلان کیا کہ اہل مدینہ مسجد نبوی میں پہنچ جائیں، جہاں سلطان ان میں تحائف تقسیم کرے گا۔ لوگ آتے گئے اور سلطان ہر آنے والے کو باری باری تحفہ دیتا رہا۔ اس دوران وہ ہر شخص کو غور سے دیکھتا رہا؛ لیکن وہ دو چہرے نظر نہ آئے جو اسے ایک رات میں تین بار خواب میں دکھائے گئے تھے۔

سلطان نے حاضرین سے پوچھا: کیا مدینے کا ہر شہری مجھ سے مل چکا ہے؟ جواب اِثبات میں تھا۔ سلطان نے پھر پوچھا: کیا تمہیں یقین ہے کہ ہر شہری مجھ سے مل چکا ہے؟۔ اس بار حاضرین نے کہا: سوائے دو آدمیوں کے۔

راز تقریباً فاش ہو چکا تھا۔ سلطان نے پوچھا: وہ کون ہیں؟، اور اپنا تحفہ لینے کیوں نہیں آئے؟۔ بتایا گیا کہ یہ مراقش کے صوم وصلوۃ کے پابند دو متقی باشندے ہیں۔ دن رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں اور ہر ہفتے مسجد قبا جاتے ہیں۔ فیاض اور مہمان نواز ہیں، کسی کا دیا نہیں لیتے۔

سلطان نے کہا: سبحان اللہ! اور حکم دیا کہ ان دونوں کو بھی اپنے تحائف وصول کرنے کے لیے فوراً بلایا جائے۔ جب انہیں یہ خصوصی پیغام ملا تو انہوں نے کہا: الحمدللہ! ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور ہمیں کسی تحفے تحائف یا خیر خیرات کی حاجت نہیں۔

جب یہ جواب سلطان تک پہنچایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان دونوں کو فوراً پیش کیا جائے۔ حکم کی فوری تعمیل ہوئی۔ ایک جھلک ان کی شناخت کے لیے کافی تھی، تاہم سلطان نے اپنا غصہ قابو میں رکھا اور پوچھا: تم کون ہو؟، اور یہاں کیوں آئے ہو؟۔

انہوں نے کہا: ہم مراقش کے رہنے والے ہیں۔ حج کے لیے آئے تھے اور اب روضہ رسول کے سائے میں زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ سلطان نے سختی سے کہا: کیا تم نے جھوٹ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے؟۔ اب وہ چپ رہے۔

سلطان نے حاضرین سے پوچھا: یہ کہاں رہ رہے ہیں؟، بتایا گیا کہ روضہ نبوی کے بالکل نزدیک ایک مکان میں (جو مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں دیوار کے ساتھ تھا) سلطان فوراً اٹھا

اور انہیں ساتھ لے کر اس مکان میں داخل ہو گیا۔

سلطان مکان میں گھومتا پھرتا رہا۔ اچانک نئے اور قیمتی سامان سے بھرے ہوئے اس مکان میں، اس کی نظر فرش پر پڑی ہوئی ایک چٹائی پر پڑی۔ نظر پڑنی تھی کہ دونوں مراقشی باشندوں کی ہوائیاں اُڑ گئیں۔

سلطان نے چٹائی اٹھائی۔ اس کے نیچے ایک تازہ کھدی ہوئی سرنگ تھی۔ سلطان نے گرج کر کہا: کیا اَب بھی سچ نہ بولو گے؟۔ ان کے پاس سچ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ عیسائی ہیں اور ان کے حکمراں نے انہیں بہت سا مال و زر اور ساز و سامان دے کر حاجیوں کے روپ میں مراقش سے اس منصوبے پر حجاز بھیجا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسدِ اقدس روضہ مبارک سے نکال کر لے آئیں۔

اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لیے انہوں نے حج کا بہانہ کیا اور اس کے بعد روضہ رسول سے نزدیک ترین جو مکان کرائے پر مل سکتا تھا، وہ لے کر اپنا مذموم کام شروع کر دیا۔ ہر رات وہ سرنگ کھودتے، جس کا رخ روضہ مبارک کی طرف تھا اور ہر صبح کھدی ہوئی مٹی چمڑے کے تھیلوں میں بھر کر جنت البقیع لے جاتے اور اسے قبروں پر بکھیر دیتے۔

انہوں نے بتایا کہ ان کی ناپاک مہم بالکل آخری مراحل میں تھی کہ ایک رات موسلا دھار بارش کے ساتھ ایسی گرج چمک ہوئی جیسے زلزلہ آ گیا ہو اور اب جب کہ ان کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچنے والا تھا تو سلطان نہ جانے کیسے مدینے پہنچ گئے۔

سلطان نورالدین زنگی نے حکم دیا کہ ان دونوں کو دردناک طریقے پر قتل کر دیا جائے۔ پھر حکم جاری کیا کہ روضۂ مبارک کے گرد ایک گہری خندق کھودی جائے اور اسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا جائے؛ تاکہ آئندہ کوئی بدبخت ایسی مذموم حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔ مذکورہ بالا واقعہ ۵۵۷ھ (مطابق ۱۱۴۲ء) کا ہے۔(۱)

(۱) سبط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی: ۲/ ۲۴۵......الدرر السنیہ : ۶/ ۴۲۲......فتاوی الشبکۃ الاسلامیہ:۳۹۴۔

اِس مجاہدِ اسلام نورالدین زنگی کی سوانح حیات میں علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جس وقت 'قدس' فرنگیوں کے قبضے میں تھا اس وقت عابدوں کا ایک گروہ بیت المقدس کے شہروں کی زیارت کی نیت سے نکلا، اور یہ وہ لوگ تھے جو صحیح معنوں میں عابدوزاہد تھے اوران کی باتیں پایۂ اعتبار کو پہنچی ہوتی تھیں، ان عابدوں نے ان فرنگیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا :

قسیم بن قسیم یعنی نورالدین زنگی کا اللہ کے ساتھ کوئی خاص تعلق ورابطہ ہے؛ کیوں کہ اس نے اپنے بڑے لشکر اور فوجیوں کی کثرت کی وجہ سے ہم پر فتح و نصرت نہیں پائی تھی بلکہ اس کی کامیابی کا راز کچھ اور تھا، اس نے محض اپنی دعاؤں اور شب کی نمازوں کی طفیل ہم پر اپنا قبضہ بحال کیا تھا؛ کیوں کہ وہ رات کی تنہائیوں میں اُٹھتا اور اپنے مالک ومولا کے حضور جھک جاتا اور بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر دعائیں کیا کرتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی مناجات قبول کرتا اور اسے اس کے مقاصد میں کامیاب فرماتا۔

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اندازہ لگائیں اِسلام کے اس عظیم مردِ مجاہد کے حوالے سے یہ کافروں اور اسلام دشمنوں کی شہادت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنے عظیم کام کے لیے اس کا یوں ہی انتخاب تو نہیں فرمایا!۔(۱)

ماں کی خدمت سے آخرت سنور گئی

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سرکار غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ (م۶۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ ایک گنہگار نوجوان کا انتقال ہوا؛ مگر لوگوں نے اسے خواب کے اندر اس حال میں دیکھ کر نہایت تعجب کیا کہ وہ بہشت کے اندر حاجیوں کی جماعت میں شامل ہے اور جنت کے مزے لوٹ رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمھیں یہ نعمتیں کیسے میسر آئیں حالاں کہ تم تو دنیا میں نیک کاموں سے دور رہا کرتے تھے؟۔

(۱) موسوعۃ الخطب والدروس:۳۔

اس نے جواب دیا: ہاں میں دنیا میں یقیناً ویسا ہی تھا لیکن میں جب کبھی گھر سے باہر جاتا تو اپنی بوڑھی ماں کے پاؤں پر سر رکھ کر بوسہ دیتا؛ جس پر ماں مجھے دعا دیتے ہوئے کہتی کہ بیٹا جا! اللہ تجھے بخشے اور حج کا ثواب عطا فرمائے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے میری ماں کی دعا قبول فرمالی اور صرف اسی کی بدولت نہ صرف میری بخشش فرمائی بلکہ حج کا ثواب بھی عطا فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں حاجیوں کی جماعت میں شامل ہوکر فردوسِ بریں کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہورہا ہوں۔(۱)

گلستان و بوستانِ سعدی سے

شیخ شرف الدین سعدی شیرازی علیہ الرحمہ (قریبا ۶۹۱ھ) کا شمار اَخلاقیات کے بہت بڑے مبلغین میں ہوتا ہے، شہد وشکر سے میٹھی اُن کی باتیں تاثیر کا تیر بن کر فوراً دل میں اُتر جاتی ہیں۔ اُن کی کتابیں گلستان و بوستان آج بھی دنیا میں کردار سازی اور اَخلاق نوازی میں اکلوتی تصنیف تصور کی جاتی ہیں۔ مدارسِ اسلامیہ کا نصاب آج بھی ان دونوں کتابوں کے فیوضات و برکات سے متمتع ہوتا چلا آرہا ہے۔

ہم نے چاہا کہ نوجوانوں کے اخلاق وکردار کی آرایش اور ان کے قلب و باطن کی زیبایش سے متعلق حکایت وواقعات کو اِن دونوں کتابوں سے کشید کر کے یہاں پیش کر دیا جائے؛ تاکہ ہمارا نوجوان شیخ سعدی کے حکیمانہ اُسلوب اور ناصحانہ پیرائے سے اِستفادہ کر کے خود اپنے لیے رحمت اور معاشرے کے لیے سامانِ منفعت بن سکے۔

ذیل میں شیخ کی کتاب گلستان و بوستان سے چند اخلاق آموز حکایتیں درج کی جاتی ہیں:

(۱) عظمت والدین، قاضی صوفی اعظم:۶۶۔

انسان اِحسان کا غلام

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان کے پیچھے ایک بکری دوڑی دوڑی جارہی ہے، اوراس کے گلے میں رسی اور پٹہ لگا ہوا ہے۔ میں نے نوجوان سے کہا کہ یہ رسی اور پٹے کا کمال ہے جو بکری تیرے پیچھے پیچھے آرہی ہے۔

اس نوجوان نے میری بات سنی اور بکری کے گلے سے پٹہ اور رسی کو اُتار دیا لیکن بکری بدستور اچھلتی کودتی اس کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ مجھے سمجھ آگئی کہ کیا معاملہ ہے؛ کیوں کہ اس کے ہاتھ سے بکری نے جو اور چارہ کھایا ہے؛ لٰہذا پٹہ اور رسی اس کو اس کے پیچھے پیچھے نہیں لارہی بلکہ اِحسان کی رسی اس کو نوجوان کے پیچھے لارہی تھی۔

مست ہاتھی جو فیل بان پہ حملہ نہیں کرتا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ہاتھی سے زیادہ طاقت رکھتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہاتھی نے اس کے ہاتھوں مہربانیاں دیکھی ہیں۔

سبق: اہل عرب کہا کرتے ہیں کہ 'الانسان عبدالاحسان الذی یقطع اللسان' یعنی انسان بندۂ احسان ہے جو زبان کو لگام چڑھا دیتا ہے، اور احسان کرنے سے انسان تو غلام بے دام بن ہی جاتا ہے جانور بھی تابع دار ہوجاتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ ☆ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

یعنی تو خدا کا تابعدار ہوجا، مخلوق تیری تابع دار ہوجائے گی۔

صوفیہ کرام نے ایک حدیث کتب تصوف میں درج فرمائی ہے: 'من کان للہ کان اللہ لہ' یعنی جو اللہ کا ہوجائے اللہ اس کا ہوجاتا ہے۔ جب خدا اس کا ہوگیا تو خدائی بھی اس کی ہوگئی۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

اہل اللہ بروں سے بھی اچھا سلوک کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گناہ سے نفرت کرو نہ کہ گناہ گار سے۔ بدوں سے پیار اور نوازش کی جائے؛ کیوں کہ اگر تو کتے پر بھی احسان کرتے

ہوئے اس کو لقمہ ڈال دے گا تو وہ بھی تیرا لحاظ کرے گا۔

حکایاتِ اولیا میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ لکھنے کے دوران جب انھوں نے قلم سے سیاہی لگائی تو اچانک ایک مکھی قلم کی سیاہی والے حصے پر آ کر بیٹھ گئی، انھوں نے اس خیال سے لکھنا موقوف کر دیا کہ خدا جانے کتنی پیاس ہوگی، چلو اس کو پیاس بجھا لینے دو، میں دو منٹ بعد میں لکھ لوں گا، بس یہی حسن نیت اور خیر خواہی اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ طریقت وروحانیت کے کئی درجے طے ہو گئے اور اللہ کی رضا بھی نصیب ہوگئی۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ مذکورہ حکایت کے آخری شعر میں فرماتے ہیں۔

برآں مرد کنداست دندان یوز ☆ کہ مالد زباں بہ پنیرش دو روز

یعنی احسان اور مہربانی کی وجہ سے چیتے کے دانت اس شخص پہ کند ہو جاتے ہیں جس کے پنیر سے دو دن زبان مل لیتا ہے۔

جب ایسے درندے مہربانی کے نتیجے میں اس قدر مہربان ہو جاتے ہیں تو اللہ کی مخلوق جو کہ اشرف المخلوقات (انسان) ہے اس پر مہربانی واحسان کرنے سے اللہ تعالیٰ جو ہے ہی رحمٰن ورحیم کس قدر مہربان ہو جاتا ہوگا!۔

اِحسان کا بدلہ اِحسان

ایک دفعہ کسی نوجوان نے ایک ٹکے سے کسی بوڑھے کی مدد کی۔ خدا کرنا ایسا ہوا کہ نوجوان سے کوئی جرم ہو گیا۔ سپاہیوں نے پکڑ لیا اور بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس کو قتل گاہ کی طرف لے جایا جارہا تھا۔

لوگ چھتوں اور گلی بازاروں میں کھڑے ہو کر تماشا دیکھ رہے تھے؛ اچانک اس بوڑھے کی نظر پڑ گئی، اس کی نیکی یاد آ گئی اور پریشان ہو گیا۔ اس نے چیخ ماری اور کہا کہ بادشاہ تو مر گیا ہے۔ سپاہیوں نے یہ سنا تو بدحواس ہو کر دربار کی طرف دوڑے، نوجوان کو بھول گئے، اور وہ چپکے سے بھاگ گیا۔

بادشاہ کو زندہ سلامت پا کر بوڑھے کی طرف لپکے کہ تو نے بادشاہ سلامت کے بارے میں ایسی غلط خبر کیوں مشہور کی؟ بوڑھے نے کہا: اے بادشاہِ سلامت! اس جھوٹی خبر سے تو تو نہیں مرا لیکن اس نوجوان کی جان تو بچ گئی ہے!۔

بادشاہ اس بات سے بہت خوش ہوا اور بوڑھے کو انعام سے نوازا۔ ادھر نوجوان کو کسی نے بھاگتے ہوئے دیکھ کر پوچھا: تجھے قصاص سے کس چیز نے بچالیا؟ تو اس نے جواب دیا: اس ٹکے نے جس سے میں نے بوڑھے کی مدد کی تھی۔

سبق: مٹی میں بیج اس لیے پھینکتے ہیں تا کہ بھوک کے دنوں میں کام آئے۔ ایک لاٹھی سے عوج کافر ہلاک ہوگیا۔ ایک ٹکے سے جوان کی جان بچ گئی۔ حدیث میں ہے کہ صدقہ بلا کو ٹال دیتا ہے۔ قرآن پاک میں اِرشاد رب العالمین ہے: 'ھل جزاء الاحسان الا الاحسان' نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔ اور سعدی فرماتے ہیں کہ اس حقیقت کو ہر بندہ نہیں پہچانتا جیسے شب قدر کی قدر ہر کوئی نہیں جانتا۔

ترا قدر گر کس نہ داند چہ غم ☆ شب قدر را می نہ دانند ہم

یعنی اگر لوگ تیری قدر نہیں جانتے تو کوئی غم نہ کر؛ کیوں کہ لوگ تو شب قدر کی بھی قدر نہیں جانتے۔

پاکیزہ جوانی

ایک نہایت ہی عقل مند نوجوان سمندر کے راستے روم کی بندرگاہ میں آیا۔ لوگوں نے اس کی بہت تعظیم کی اور اس کا سامان اُٹھا کر باعزت طریقے سے رکھا۔ ایک دن ایک نمازی نے نوجوان کو کہا: ذرا مسجد کو صاف کر کے کوڑا باہر پھینک دے۔

یہ سنتے ہی نوجوان مسجد سے باہر نکل گیا، اور پھر اس کو کبھی اس مسجد میں نہ دیکھا گیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید متکبر ہے، چند دن بعد ایک نمازی نے اسے گلی میں جاتے ہوئے پکڑ لیا اور کہا: تیرا رویہ کتنا غلط تھا، کیا تجھے پتا نہیں کہ اللہ کے گھر کی صفائی کتنے بڑے ثواب کا کام ہے!۔

اس کی یہ بات سن کر نوجوان دل گرفتہ ہوا اور رو کر کہنے لگا: اے بھائی! میں نے مسجد میں اپنے علاوہ کہیں بھی کوڑا نہ دیکھا؛ اس لیے میں اپنے آپ کو باہر لے آیا کہ مسجد کوڑے (مجھ) سے پاک ہو جائے۔

سبق: سبحان اللہ! یہ تھی اُس دور کے نوجوانوں کی تواضع وانکسار۔ سچ ہے کہ تواضع سے انسان رفعت پاتا ہے، اور مردانِ حق اپنے آپ کو ہمیشہ حقارت ہی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بلندیت باید تواضع گزیں ☆ کہ ایں بام رانیست سلم جزایں

یعنی اگر تو بلندی چاہتا ہے تو تواضع اِختیار کر؛ کیوں کہ اس بلندی کی یہی سیڑھی ہے۔

ایک شاعر نے اس مفہوم کو یوں نظم کیا ہے۔

خاک میں بھی ڈھونڈنے پر نہ ملے اپنا نشاں
خاکساری خاک کی جب خاک ساری ہوگئی

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو خاک سے بنایا ہے تو اس کو خاک ساری اور عاجزی ہی مناسب ہے۔ خاک والے کو آگ والا (متکبر) بننا مناسب نہیں؛ کیوں کہ شیطان کو آگ سے بنایا گیا اور اس نے اسی کو دلیل بنا کر خدا سے لڑائی مول لی اور ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو گیا؛ جب کہ آدم علیہ السلام نے بھول کر خطا ہونے کو بھی اپنے لیے بڑا عیب سمجھا اور عاجزی وزاری کرنے لگے، تو اللہ نے انھیں خلافت کا تاج پہنا دیا۔

لہٰذا یاد رکھیں کہ عاجزی سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں، اور تکبر سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ حدیث میں ہے: جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔

بیوی کا ستایا ہوا

ایک نوجوان نے ایک بزرگ کے سامنے اپنی بیوی کی نافرمانی کی شکایت کی کہ میں تو چکی کے نچلے پاٹ کی طرح ہر وقت بوجھ اُٹھائے رکھتا ہوں۔

بزرگ نے فرمایا: اگر صبر کرے تو اس میں کوئی شرم والی بات نہیں۔ اگر تو سارا دن نچلے پاٹ کی طرح ہوتا ہے تو رات کو اوپر والا پاٹ بھی تو تو ہی ہوتا ہے؛ لہٰذا جس پھول سے تو خوشی دیکھتا ہے اس کے کانٹے کا بوجھ بھی برداشت کر۔

سبق: میاں بیوی کی رفاقت عمر بھر کی ہوتی ہے۔ اگر ایک دوسرے کے ہاتھوں کبھی کوئی ناگوار بات سامنے آئے تو خوش گوار حالات کا تصور کر کے ناگواری کو بھلا دینا چاہیے؛ کیوں کہ جس درخت کا پھل ہمیشہ کھایا ہو اگر کبھی اس سے کوئی کانٹا چبھ جائے تو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

درختے کہ پیوستہ بارش خوری ☆ تحمل کن آنگہ کہ خارش خوری

تربیت اولاد کے سنہرے اُصول؟

شیخ سعدی علیہ الرحمہ اپنے گہرے تجربات کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ بچہ جب دس سال کا ہو جائے تو اسے نامحرموں کے پاس بیٹھنے سے روک دینا چاہیے؛ کیوں کہ روئی کے پاس آگ جلانے سے ایک لمحے میں سارا گھر جل سکتا ہے۔

اپنی نیک نامی کے لیے اولاد کو آداب سکھانا ضروری ہے؛ ورنہ تیرے بعد تیرا کوئی جانشین نہ ہوگا۔ نزاکت سے پلنے والی اولاد بہت سختیاں جھیلتی ہے؛ لہٰذا اولاد کو عقل مندی اور پرہیزگاری کی تربیت دے، اچھے برے کی تمیز سکھا اگرچہ ڈانٹنا ہی پڑے، ہاں پیار سے زیادہ کام لیا جا سکتا ہے۔

تیرے پاس دولت کے انبار بھی ہوں تو اولاد کو ہنر سکھا، ہوسکتا ہے کہ دولت ہاتھ میں نہ رہے، ایسی صورت میں ہنر اس کے کام آئے گا، زمانے کی گردش سے مختلف ملکوں کا سفر بھی کرنا پڑ سکتا ہے، ہنر پاس ہوگا تو دست سوال کسی کی سامنے نہ پھیلانا پڑے گا۔

میں نے بھی بچپن میں بزرگوں کے تھپڑ کھا کھا کر یہ مرتبہ پایا ہے، نہ کہ جنگلوں کی خاک چھاننے اور دریائی سفر کرنے سے۔ ہمیشہ خادم ہی مخدوم بنتا ہے۔ جو استاد کی مار نہ سہہ سکے اسے زمانے کی سختیاں سہنی پڑتی ہیں۔

جو والدین اولاد کی تربیت میں سختی کو جائز نہیں سمجھتے ان کی اولاد جب غیروں کے ہاتھ لگتی ہے تو ضرور آوارہ ہو جاتی ہے۔ اولاد کو بری صحبت سے بچا؛ ورنہ بد بخت اور گمراہ ہو جائے گی۔

عیب و ہنر

ایک عقل مند صاحب کمال نوجوان جو وعظ کہنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، فصاحت و بلاغت میں مہارت تامہ رکھنے کے باوجود حروفِ ابجد کی اُدائیگی صحیح نہیں کر سکتا تھا۔ حسین اس قدر تھا کہ اس کے رخسا کا خط (داڑھی) ہاتھ کے خط سے زیادہ خوبصورت تھا۔

میں نے ایک دن کسی کے سامنے کہہ دیا کہ کیا وجہ ہے یہ نوجوان اگلے دانت نہیں رکھتا یعنی حروفِ ابجد کی صحیح ادائیگی نہیں کر سکتا؟ اس نے مجھے جھڑک کر کہا: تجھے اس کا ایک عیب تو نظر آ گیا، کئی کمال کیوں نہ نظر آئے؟ سن لے، دنیا میں دوسروں کی اچھائی دیکھنے والا قیامت کے دن برائی نہ دیکھے گا۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے: خذ ما صفا، جو صاف ہے وہ لے لے۔

کئی کمالات والا اگر کبھی پھسل بھی جائے تو اس سے درگذر کر۔ کانٹے اور پھول اکٹھے ہی ہوتے ہیں۔ کانٹوں کو چھوڑ، پھول لے اور گل دستہ بنا۔ جس کی طبیعت ہی بد ہو اُس کو مور کا حسن دیکھنے کی توفیق نہیں بلکہ اس کے پاؤں کو ہی دیکھتا رہتا ہے۔

اپنے اندر صفائی پیدا کر؛ کیوں کہ اندھا شیشہ کچھ نہیں دکھاتا۔ حرف گیری چھوڑ اور اپنے چھٹکارے کی راہ تلاش کر۔ گنہ گار کو وہ سزا دے جو خود گناہ گار نہ ہو۔ جب تیرا اپنا مقدمہ تاویلات کے سہارے پر ہے تو دوسرے پر سختی کرنا مناسب نہیں ہے۔ پہلے خود بدی سے رُک پھر ہمسائے کو کہہ میں جو کچھ بھی ہوں میرا ظاہر تیرے ساتھ ہے باطن پہ عیب کیوں لگاتا ہے۔

میں ریاکار ہوں یا حق پرست اللہ خوب جانتا ہے۔ جب اللہ ایک نیکی کے بدلے دس کا ثواب دیتا ہے تو تو بھی کسی کا ایک کمال دیکھ کر دس عیبوں سے درگزر کر۔ جو اعظ نکتے بیان کرتا ہے اور ایک بار سکتہ کرتا ہے تو تجھے آخر اس کا سکتہ ہی کیوں نظر آتا ہے؟۔

ہاں! صرف اس لیے کہ نیکی دیکھنے والی تیری آنکھ کو حسد نے بند کر دیا ہے۔ انسان کی کمی

بیٹھی جب اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہے تو تو اس کے عیب کیوں نکالتا ہے۔ کیا ہر جنس میں اچھے اور برے نہیں ہوتے۔ پھل ہی لے لو کہ اس میں چھلکا بھی ہوتا ہے مغز بھی؛ لہٰذا دانش مندی یہی ہے کہ مغز کھالے اور چھلکا پھینک دے۔

سبق: اللہ کی مخلوق میں کمالات بھی ہیں اور عیوب بھی۔ کسی کے عیب دیکھ کر اس کے کمالات سے صرفِ نظر کرنا عقل مند کا کام نہیں۔ عیبوں کے باوجود ہر شخص اپنی بعض خوبیوں کی وجہ سے قابل تعریف ہے۔

ماں کی فریاد

ایک جوان نے اپنی ماں کی نافرمانی کی تو ماں کا دردمند دل بھر آیا، بولی: اے وقت کو بھول جانے والے بے وفا! کیا تو وہی نہیں کہ تیری وجہ سے میں کئی راتیں سو نہ سکی۔ جب پنگھوڑے میں تجھے اپنے آپ سے مکھی اُڑانے کی بھی طاقت نہ تھی، آج تو شہ زور بنا پھرتا ہے، ایک وقت پھر تیرے اوپر آنے والا ہے جب قبر کے کیڑے تیری چربی تک کھا جائیں گے۔

جو شخص کسی اندھے کو کنویں کی طرف جاتا ہوا دیکھ کر بھی آنکھوں کی نعمت کا شکر اَدا نہ کرے وہ اور اندھا برابر ہی تو ہیں۔ استاد کی تربیت کو قبول کرنے کی صفت تجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اگر تجھے یہ نہ ملتی تو استاد بھی کیا کر سکتا تھا، جب تو حق اور باطل میں تمیز کرنا ہی نہ جانتا!۔

سبق: انسان کے پاس ساری صلاحیتیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہیں۔ یہی زبان گونگے کے منہ میں بھی ہوتی ہے؛ مگر اس میں بولنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ کان بہرے کے بھی ہوتے ہیں؛ مگر سن نہیں سکتا؛ لہٰذا ان نعمتوں کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنا ضروری ٹھہرا۔ ناشکرا انسان تو جانوروں سے بھی گیا گذرا ہے کہ جانور بے زبان ہو کر اپنے اپنے رنگ میں شکر الٰہی بجالا رہے ہیں اور یہ اشرف المخلوقات ہو کر اس صفت سے محروم ہے۔

تکبر و رعونت

ایک عالم کسی بے ہوش و بدمست نوجوان کے پاس سے گذرا اور اپنی پاک دامنی پہ مغرور

سا ہو گیا۔ اس کی طرف توجہ کیے بغیر گذرنے لگا تو بے ہوش نے آنکھ کھول دی اور سر اُٹھا کر بولا۔

بروشکر کن چوں بہ نعمت دری ☆ کہ محرومی آید ز مستکبری

یعنی اگر تو اچھی حالت میں ہے تو اللہ کا شکر اَدا کر کیوں کہ تکبر سے محرومی آتی ہے۔

کسی کو قیدی دیکھ کر اس کا مذاق نہ اُڑا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی دن زمانے کی گردش تجھے بھی قیدی بنا دے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کل تو میری طرح پڑا ہوا اور میں تیری طرح بن جاؤں؟۔

اگر تیری قسمت میں مسجد لکھ دی گئی ہے تو آتش کدہ والوں کی مذمت نہ کر۔ اگر تو مسلمان ہے تو شکر کر کہ آتش پرست کا جنیو تیری کمر پر نہیں باندھا گیا۔ تقدیر الٰہی کے بغیر تو پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ زمین و آسمان تقدیر کے جال کے قیدی ہیں۔ کائنات کی کوئی شے دائرۂ تقدیر سے باہر نہیں؛ لٰہذا اپنے عمل پہ مغرور ہونے کی بجائے تقدیر خداوندی سے ڈرتے رہنا اور ذاتِ باری تعالیٰ پہ متوکل رہنا چاہیے۔

سبق: کسی گنہگار کو دیکھ کر نہ تو اپنے حسنِ عمل پر مغرور ہونا چاہیے اور نہ ہی اس گنہ گار سے نفرت کرنی چاہیے؛ کیوں کہ تجھے اگر پرہیز گاری کی توفیق دی ہے تو اسی اللہ نے دی ہے جس نے فاسق و فاجر پر اپنی حکمت کے تحت پرہیز گاری کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو اس کا الٹ بھی کرنے پر قادر ہے۔

اسی لیے بزرگانِ طریقت فرمایا کرتے ہیں کہ گناہ سے نفرت کرو، گنہ گار سے نفرت کرنے کی بجائے پیار کرو تاکہ تمہارا پیار اس کے دل کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دے، اور اس کو توفیق ہدایت مل جائے۔

بوڑھے کی حسرت

ایک دن، ہم چند نوجوان جوانی کے جوش میں بیٹھے بلبل کی طرح گانے میں اور پھول کی طرح ہنسنے میں مصروف تھے اور پورے محلے میں ایک شور برپا تھا۔ ایک سفید بالوں والا تجربہ کار بوڑھا ہم سے الگ ایک کونے میں خاموش بیٹھا تھا، جیسے اس کے ہونٹ سلے ہوئے ہیں۔

ہم میں سے ایک جوان نے جا کر اس کو کہا: آپ بھی ہمارے ساتھ گفتگو میں شامل ہوجائیں۔ بوڑھے نے سر اُٹھایا اور کیا ہی بزرگانہ جواب دیا: بادِصبا چلتی ہے تو جوان درخت ہی جھولتے اچھے لگتے ہیں، خشک اتنا اگر جھولے گا تو ٹوٹ جائے گا۔

موسم بہار میں جوان درختوں پہ ہی پھل لگتا ہے، پرانے درختوں کے تو پتے بھی جھڑ جاتے ہیں۔ اب تو میرے رخسار بھی سفید ہوگئے ہیں، مجھے جوانوں کے ساتھ ٹہلنا زیبا نہیں ہے۔ میری زندگی کا باز اب رسّی کاٹ رہا ہے۔ اب اس دسترخوان پر بیٹھنے کی باری تمہاری ہے، ہم اپنا حصہ کھا چکے اور ہاتھ بھی دھو چکے، میرے سیاہ بال سفید ہوچکے، اب بلبل کی طرح باغ کا تماشا نہیں کرسکتا۔

خوبصورت مور جلوے دکھائے تو سو بار دکھائے، بے پر باز دکھائے تو کیا دکھائے۔ میری (زندگی کی) فصل تو بوریوں میں بھر دی گئی ہے جب کہ تمہاری عمر کا سبزہ اب اُگ رہا ہے۔ جب پھول کملا جائے تو اسے گلدستے میں کون سجاتا ہے؟۔

اب میرا تکیہ زندگی پر نہیں لاٹھی پر ہے۔ جوان اگر اچھلے کودے تو درست ہے، بوڑھوں کو تو گرنے سے بچاؤ کے لیے سہارا چاہیے۔ میرا گلاب جیسا چہرہ اب سونے کی طرح زرد ہوگیا ہے، اور سورج کا رنگ جب زرد ہوجاتا ہے تو ڈوب جاتا ہے۔

اُمیدیں باندھنا بچوں کے لیے برا نہیں؛ لیکن میرے میرے جیسے بوڑھے کو تو اب گناہوں کی شرمندگی کی وجہ سے بچوں کی طرح رونا چاہیے۔ کیا خوب کہا حضرت لقمان نے کہ گناہوں کی زندگی سے تو مرجانا بہتر ہے؛ کیوں کہ مرنا کوئی جرم تو نہیں۔

اپنی دوکان صبح سویرے ہی بند کرلینا اس سے بہتر ہے کہ سارا دن کما کر شام کو چوروں کی نذر کردیا جائے۔ نفع بھی گیا اور رأس المال بھی۔ جوان کو تو خیال ہوگا کہ بوڑھا ہوکر توبہ کرلوں گا؛ مگر اس وقت تک بوڑھا قبر میں جاچکا ہوگا۔

ایک بوڑھے کی چیخ وپکار

ایک بوڑھا چیختا ہوا حکیم کے پاس آیا۔ یوں لگتا تھا کہ ابھی مرجائے گا۔ کہنے لگا: مجھے دیکھئے

کیا ہوا ہے کہ پاؤں بھی نہیں اپنی جگہ سے اُٹھتے گویا کیچڑ میں پھنس گئے ہیں۔

حکیم نے کہا: اب دنیا سے ہاتھ اُٹھالے؛ کیوں کہ اس کیچڑ سے اب تو قیامت کو ہی نکلے گا۔ اگر تو جوانی میں ہاتھ پاؤں مارتا رہا ہے تو اب خرمستی چھوڑ کر عقل سے کام لے۔ چالیس سال کے بعد انسان کو بے احتیاطیاں چھوڑ دینی چاہئیں۔

سر کے بال سفید ہو جائیں تو نامۂ اعمال سیاہ کرنے سے رُک جانا چاہیے؛ کیوں کہ یہ عمر ہوس بازی کی نہیں ہوتی۔ جس کا دل بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو جائے وہ سبزہ زار میں بھی رہے تو پریشان ہی رہے گا۔

جیسے ہم سیر وتفریح کے دوران لوگوں کی قبروں سے گذر جاتے ہیں اسی طرح جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے، وہ ہماری قبروں سے گذریں گے۔ افسوس کہ جوانی کھیل کود میں گذر گئی اور ہم کچھ بھی نہ کر سکے۔

جوانی کا دور بھی کیسا روح پرور ہوتا ہے جو برق یمانی کی طرح آناً فاناً ختم ہو جاتا ہے۔ یہ کھاؤں وہ پہنوں کی فکر ہوتی ہے؛ مگر دین کا غم کھانے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ باطل میں مشغول رہ کر حق سے دور رہنا اس جوانی کا دھوکہ ہے، ایک استاد نے بچے کو کیا خوب کہا۔

کارے نہ کردیم و شد روزگار

زمانہ گزر گیا اور ہم کوئی کام نہ کر سکے

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری ☆ وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

یعنی جوانی میں توبہ کرنا نبیوں کا طریقہ ہے، بوڑھا ہو کر تو بھیڑیا بھی پرہیزگار ہو جاتا ہے، اور بکریوں کی جان چھوڑ دیتا ہے۔ بڑھاپے کا علاج صرف موت ہے۔

حاتم طائی کی آزمائش

یمن کا بادشاہ جو خود بڑا سخی تھا، اگر اس کو سخاوت کا بادل کہا جائے تو درست ہے کہ بارش کی طرح درہم برساتا تھا۔ کوئی اگر اس کے سامنے حاتم کا نام لیتا تو غصے میں آجاتا کہ اس بے

چارے نے کیا سخاوت کرنی ہے کہ اس کے پاس حکومت کا خزانہ ہی نہ تھا۔

ایک دن بادشاہ نے شاہانہ جشن منایا، اور خوب دولت لٹائی۔ کسی نے اس موقع پر حاتم کا ذکر کر دیا تو بادشاہ کو شدید غصہ آیا اور ایک بندہ حاتم کے قتل پر مقرر کر دیا کہ حاتم کے ہوتے ہوئے میری سخاوت تو بے کار ہو کر رہ گئی ہے۔

وہ شخص حاتم کو قتل کرنے کے اِرادے سے چل پڑا، تو راستے میں ایک نوجوان جس سے محبت واُلفت کی بو آ رہی تھی سامنے آیا، انتہائی خوبصورت، عقل مند اور شیریں زبان تھا۔ وہ جوان اسے لے کر اپنے گھر کی طرف چلا، اور ایسی مہربانی کی کہ دشمن کا دل اپنی نیکی سے لوٹ لیا۔

صبح کو جب یہ جانے لگا تو نوجوان نے ایک رات اور ٹھہرنے کی درخواست کی۔ اس نے کہا میں ایک بڑی مہم پہ ہوں؛ اس لیے اس سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ نوجوان نے کہا: اگر تو مجھے بتائے کہ وہ مہم کیا ہے تو میں بدل و جان تیرے ساتھ تعاون کروں گا۔

اس نے کہا: تو جواں مرد، سمجھ دار اور راز کا امین معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے تجھے بتائے دیتا ہوں۔ اس ملک میں حاتم نامی کوئی شخص رہتا ہے جو نیک سیرت اور بابرکت ہے۔ خدا جانے یمن کے بادشاہ کو کیا ٹھانی ہے کہ اس نے حاتم کا سر مانگا ہے اور بدقسمتی سے ڈیوٹی میری لگائی ہے۔ اگر تو اس تک میری راہ نمائی کر دے تو تیرا احسان ہوگا۔

نوجوان نے ہنستے ہوئے سر آگے جھکا دیا اور کہا: سر حاضر ہے، تلوار نکال اور اُتار لے، میں ہی حاتم ہوں؛ کیوں کہ جب صبح روشن ہو جائے گی تو ہوسکتا ہے کوئی رکاوٹ پڑ جائے یا تجھے کوئی تکلیف پہنچے۔

حاتم کی یہ مردانگی دیکھ کر وہ شخص قدموں پہ گر گیا اور اس کی چیخ نکل گئی۔ کبھی اس کے ہاتھ چومتا، کبھی پاؤں۔ تلوار پھینک دی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا: اگر میں تیرے جسم پہ پھول بھی ماروں تو مرد نہیں ہوں، بلکہ عورت ہوں؛ پھر اس نے فرطِ محبت میں حاتم کی آنکھوں کو چوما اور پھر یمن واپس آ گیا۔

بادشاہ نے چہرہ دیکھ کر پہچان لیا کہ کوئی کام کیے بغیر ہی واپس آ گیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا: کیا خبر لائے ہو اور سر کہاں ہے؟، کیا اس نے اُلٹا تیرے اوپر تو حملہ نہیں کر دیا کہ جس کی تو تاب

نہ لاکر واپس خالی بھاگ آیا ہے؟۔

اس نے کہا: اے بادشاہ! میں حاتم کے پاس گیا، اس کی میں کیا کیا خوبیاں تیرے سامنے بیان کروں، اس کے اِحسانات نے میری کمر دوہری کر دی ہے۔ اس نے مہربانی کی تلوار سے مجھے مار دیا ہے۔ پھر اس نے ایک ایک خوبی بیان کی اور ایسے انداز سے کہ خود بادشاہ بھی اس کی تعریف کرنے لگا۔ بادشاہ نے بہت کچھ خرچ کیا اور حاتم کی سخاوت کا اِعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اگر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو وہ بے شک اس کا حق دار ہے۔(۱)

آنکھوں کا زِنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے

حضرت محمد بن سلیمان المراکشی علیہ الرحمہ (م ۷۱۷ھ) سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ یمن جاتے ہوئے راستے میں مجھے ایک خوبصورت نوجوان نظر آیا، اس کے کانوں میں بالیاں تھیں، جن کی عمدہ و خوش نما موتیوں کی چمک سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہوئے یوں کہہ رہا تھا:

آسمانوں کے بادشاہ کی وجہ سے میری عزت و وقار ہے۔ وہ غالب و قدرت والا ہے، اس میں کچھ نقص نہیں، اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

میں نے قریب جا کر سلام کیا۔ اس نے کہا: میں اس وقت تک سلام کا جواب نہیں دوں گا جب تک آپ میرا حق اَدا نہ کریں۔ میں نے کہا: کیا حق ہے تمہارا؟، اس نے کہا: میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاتا جب تک ایک دو میل چل کر مہمان تلاش نہ کرلوں۔ آج آپ میرے مہمان ہیں۔

نوجوان کی یہ بات سن کر میں اس کے ساتھ چل دیا۔ کچھ دور بالوں کا بنا ہوا ایک خیمہ نظر آیا، اس نے قریب پہنچ کر بلند آواز سے کہا: اے میری بہن! اے میری بہن! اندر سے کسی لڑکی کی آواز آئی: لبیک میرے بھائی! نوجوان نے کہا: مہمان کی تعظیم کرو۔

(۱) بوستانِ سعدی انسائیکلوپیڈیا: ۱۰۷، ۱۰۸۔

لڑکی نے کہا: ٹھہرو، پہلے میں اس پاک پروردگار کا شکر اَدا کرلوں جس نے ہمارے ہاں مہمان بھیجا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے نماز پڑھی۔ نوجوان مجھے خیمے میں بٹھا کر جانور ذبح کرنے چلا گیا۔ میری نظر اس لڑکی پر پڑی تو مجھے اس کا چہرہ سے کچھ زیادہ ہی حسین نظر آیا۔

لڑکی نے کہا: میری طرف نہ دیکھئے، تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہم تک پہنچا ہے کہ آنکھوں کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے۔ سنیے! میں آپ کی بے عزتی نہیں کر رہی ہوں اور نہ ہی آپ کو ڈانٹ رہی ہوں بلکہ میرا مقصد آپ کو اَدب سکھانا ہے؛ تاکہ آپ دوبارہ ایسی حرکت نہ کریں۔ لڑکی کی یہ بات سن کر میں بہت شرمندہ ہوا۔

پھر جب رات ہوئی تو میں اور نوجوان خیمہ سے باہر آ گئے اور لڑکی خیمے میں ہی رہی، میں ساری رات خیمے کے اندر سے قرآن پاک کی تلاوت سنتا رہا، اور آواز میں بلا کا سوز گداز تھا۔ صبح میں نے نوجوان سے پوچھا: قرآنِ پاک کی تلاوت کون کر رہا تھا؟۔ کہا: میری بہن اسی طرح ساری ساری رات عبادت کرتی ہے۔

میں نے کہا: وہ عورت ہے اور تو مرد، تجھے تو اس سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے، نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا آپ نہیں جانتے کہ وہی پروردگار نیک اَعمال کی توفیق دینے والا ہے اور وہی عزت وذلت کا مالک ہے۔(۱)

پاکباز طالبعلم اور عفت مآب دوشیزہ

سلطان جہانگیر (م۱۰۳۷ھ) کے زمانے میں ایک دفعہ شاہی مستورات حضوری باغ میں تقریب کی تاریخ پر آئیں۔ حضوری باغ قلعے کے سامنے تھا، اور ہر سال ایک مقررہ تاریخ پر اس باغ میں رات کے وقت مستورات، شاہی محلات سے آتیں اور سیر وتفریح کی صورت میں چند گھنٹوں بعد چلی جاتی تھیں۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۳۸۴، ۳۸۵۔

اسی باغ کے اندرونی جانب طلبہ کے کمروں کی قطار تھی، اس وقت طلبہ اور دیگر ہر قسم کے مردوں کو باہر جانے کا حکم ہوگیا اور سب چلے گئے، معمول کے مطابق مستورات اندر آ گئیں اور سیر و تفریح کے لیے باغ میں مقررہ وقت گزارا، تو بادشاہ کی لڑکی جو نیک طینت اور صوفیانہ مزاج رکھتی تھی اس نے -جب واپسی سے چند منٹ باقی تھے- نماز کی نیت باندھ لی تاکہ کچھ نفل یہاں بھی پڑھ لے۔

واپسی کی نوبت (نقارہ) نماز پڑھتے ہوئے بج گئی؛ لیکن اسے معلوم نہ ہوا اور اس کی دو خاص خادمہ بھی یہ سمجھیں کہ شاید وہ چلی گئی ہے، اس خیال سے وہ بھی جلدی جلدی دوسری مستورات کے ساتھ نکل گئیں۔ نوبت بجتے ہی تمام طلبہ اپنے اپنے کمروں میں آ گئے اور گیٹ بند کر دیا گیا؛ کیوں کہ رات کو گیٹ بند رہتا تھا۔

لیکن لڑکی نماز سے فارغ ہو کر جب گیٹ پر پہنچی تو اسے بند پایا، بہت گھبرائی چونکہ سردی کا موسم تھا اور شاہی مزاج تھا، حیرانگی کے عالم میں ٹھٹھری ہوئی محفوظ جگہ کی تلاش میں پھرنے لگی، گیٹ کے قریب ایک کمرے میں ایک نوجوان طالب علم مٹی کے دیے کی لو میں مطالعہ کر رہا تھا۔ طالب علم اسے سردی سے کانپتا ہوا دیکھ کر سمجھ گیا کہ شاہی محلات کی کوئی حسین و جمیل لڑکی باہر رہ گئی ہے اور اضطراب کے عالم میں ہے۔

(طالب علم) کتابوں والی چٹی اور چراغ اُٹھا کر باہر برآمدہ میں آ گیا اور اِشارہ سے لڑکی کو کہا کہ کمرہ تمہارے لیے خالی ہے اور درویشانہ بستر میں سردی سے امن حاصل کرو۔ لڑکی سردی کی وجہ سے فوراً اندر چلی گئی۔

نوجوان طالب علم باہر چراغ کے سامنے مطالعہ کر رہا تھا کہ دل میں شیطانی وسوسہ پیدا ہوا کہ حسن و جمال میں ڈوبی ہوئی ایک لڑکی تنہائی میں تیرے پاس موجود ہے، کم سے کم اس سے کوئی نہ کوئی بات چیت تو کر لے؛ لیکن دوسری طرف خوفِ خدا کے تحت یہ خیال آیا کہ اگر فعلِ شنیع کا ارتکاب ہو گیا تو اس کی سزا جہنم ہے اور جہنم کی آگ کون برداشت کرے گا!۔

تو پھر دل میں سوچا کہ پہلے انگلی کو دیے پر رکھ کر اس پر آزمائش کر لی جائے، اگر انگلی نے

برداشت کرلیا تو پھر مزید کام کروں گا۔اس خیال سے اپنی انگلی دیے پر رکھی اور انگلی جلانے لگا، اندر سے لڑکی بھی یہ ماجرا دیکھ رہی تھی، جب تمام انگلی جل گئی، اور درد برداشت سے باہر ہوگیا تو دل میں کہنے لگا یہ عذاب برداشت نہیں ہوگا؛ لہٰذا بدکاری سے باز رہنا بہتر ہے۔کچھ دیر آرام لیا تو پھر وہی وسوسہ دل میں پیدا ہوا، پھر اس نے دوسری انگلی دیے پر جلادی، پھر کچھ دیر کے بعد تیسری، چوتھی، پانچویں انگلی بھی جلادی۔گویا کہ اس نے موقعہ پانے کے باوجود بدکاری سے بچنے کے لیے ایک ایک کرکے اپنی ساری انگلیاں جلانا شروع کردیں۔

یہ تمام ماجرا لڑکی بھی دیکھتی رہی۔اتنے میں تلاش کرنے والے آدمی بھی پہنچ گئے اور انھوں نے طالب علم سے شہزادی کے متعلق پوچھا تو اس نے اندر اِشارہ کیا۔انھوں نے لڑکی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر دو طمانچے لگادیے اور برا بھلا کہتے ہوئے نہایت بے دردی کے ساتھ گھر لے گئے۔شاہی محلات میں کہرام مچ گیا کہ شہزادی طالب علم کے کمرے سے نکالی گئی ہے جس کی وجہ سے والدہ نے بھی اسے گلے نہ لگایا۔صبح جب دربار سجایا گیا تو سب سے پہلے یہ ماجرا جہانگیر کے سامنے پیش ہوا۔

جہانگیر نے لڑکی کو حکم دیا کہ اپنی سزا خود تجویز کرے۔لڑکی نے جواب دیا: بتاؤ مجھے کس جرم کی سزا دینے کی بات کی جارہی ہے؟۔جرم ثابت کرو، پھر جو چاہو سزا دے دینا۔بادشاہ نے کہا: ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ تجھے ایسی حالت میں لایا گیا ہے کہ ہر خاص و عام میں تیری بدکرداری کی شہرت ہوچکی ہے۔

شہزادی نے کہا: میں اپنی پاک دامنی اور عفت وعصمت میں دو ثبوت پیش کرسکتی ہیں۔
اوّل: میری دونوں خادماؤں سے پوچھیے کیا وہ مجھے نماز کی حالت میں چھوڑ گئی تھیں یا میں خود آنکھ بچاکر کہیں بھاگ گئی تھی، اگر انھوں نے مجھے اس حالت میں چھوڑا تو پھر میرا کیا قصور ہے؟۔

دوم: اس طالب کا شیطانی حملہ سے بچنے کے لیے تمام انگلیوں کا جلادینا میری اور اس کی پاک دامنی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔لڑکی کے اس ثبوت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقلمند لڑکی بھی طالب علم کے انگلیاں جلانے والے معاملے کو سمجھ گئی تھی کہ وہ نفس پر قابو پانے کے لیے اپنے آپ کو اس

مشقت میں ڈالے ہوئے تھا؛ تاکہ وہ فعل شنیع سے بچ جائے۔

جب طالب علم کو شاہی دربار میں بلا کر انگلیاں جلانے کا حال پوچھا گیا تو طالب علم نے تمام واقعات سچ سچ بیان کر دیے اور شہزادی کی پاک دامنی روزِ روشن کی طرح ثابت ہوگئی۔ پھر ان کی ایمان داری اور پاکبازی پر آفرین کہتے ہوئے بادشاہ نے انھیں معاف کر دیا۔ (سبحان اللہ! ایسے طلبہ اور نیک طینت لڑکیاں اس وقت بھی موجود تھیں)۔

فائدہ: یہ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم کا ایک طالب علم تھا، وہ اپنے تقویٰ اور پرہیز گاری سے اس فعل بد سے بچ گیا اور سعادتِ ابدی و جنت و جنان کے مزے پا گیا۔(۱)

بیٹے کی بغاوت باپ کا اِنصاف

عبداللہ کی وفات کے بعد ۹۱۲ء میں اس کا پوتا عبدالرحمٰن سوئم اسپین کا حکمران بنا۔ وہ زہد و تقوی اور عدل و انصاف کا شیدائی تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام الحکم اور دوسرے کا عبداللہ تھا۔ عبدالرحمٰن سوم بڑھاپے کی عمر کو پہنچا تو اس نے دونوں بیٹوں میں سے الحکم کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ عبداللہ کی فطری خودسری نے اس کی عقل پر پردہ ڈال دیا اور تخت و تاج کی ہوس نے اسے باؤلا اور اندھا کر دیا۔

ایک روز وہ گھر سے غائب ہوگیا۔ عبدالدار- جو کہ اپنے وقت کے مفتی تھے- کے کچھ لوگ معتقد بھی تھے۔ اس نے ان میں سے چند آدمی ساتھ لے لیے اور اس نے کسی عیسائی قبیلے تک بھی رسائی حاصل کر لی۔ انہیں عبدالدار اور عبداللہ نے بغاوت پر آمادہ کر لیا وہ لوگ اس لیے فوراً آمادہ ہوگئے کہ بادشاہ کا اپنا بیٹا بغاوت میں شریک تھا۔

ایک طرف تو بغاوت شروع کر دی گئی۔ باغیوں نے قرطبہ کے گرد و نواح میں فوجی چوکیوں پر چھاپے مارے۔ دوسری طرف عبدالرحمٰن سوئم اور الحکم کے قتل کی اسکیم بنائی گئی۔ یہ کام

(۱) جوانی کی بربادی: ۱۹۔

ان مسلمانوں کو سونپا گیا جو عبدالدار کے معتقد تھے۔ وہ قتل کے لیے چل پڑے لیکن دن کے وقت عبدالرحمٰن سوم کے دربار میں جا پہنچے۔

ان میں سے ایک نے عبدالرحمٰن سوم سے کہا: فرمانروائے ہسپانیہ کا اقبال بلند ہو! ہم آپ کو اور آپ کے بیٹے ولی عہد الحکم کو قتل کرنے آئے ہیں۔

دربار پر سناٹا طاری ہو گیا۔ عبدالرحمٰن سوم دور اندیش انسان تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اس سازش کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے جو اسپین کے کسی نہ کسی گوشے سے سر اٹھاتی رہتی ہے اور یہ لوگ کوئی راز فاش کرنے آئے ہیں۔

عبدالرحمٰن سوم نے پوچھا تمہیں ہمارے اور ہمارے بیٹے کے قتل کے لیے کس نے بھیجا ہے؟ اور کیا سبب ہے کہ تم نے بھرے دربار میں آ کر ہمیں للکارا ہے؟۔

اس شخص نے جواب دیا: ہمیں آپ کے بیٹے عبداللہ اور مفتی عبدالدار نے بھیجا ہے؛ ورنہ ہم میں فرمانروائے ہسپانیہ کو للکارنے کی جرأت کہاں ہے!۔ ہم عبدالدار کو ایک عالم سمجھتے تھے جس کے فتوے مستند ہوتے تھے۔ یہی باعث تھا کہ ہم اس کے معتقد تھے مگر اس نے ہم پر ثابت کر دیا ہے کہ علم اور ایمان کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ جو علم ایک عادل بادشاہ کو قتل کرنے کی اجازت دے اس سے ہم بے علم اچھے۔

ہم نے آپ کے بیٹے عبداللہ اور عبدالدار سے کہا کہ ہم آپ کو قتل کر آئیں گے لیکن ہم نے دل سے اس اقدام کو مانا نہیں۔ ہم کسی انعام کے لالچ میں مخبری نہیں کر رہے۔ ہم اسلام کی عظمت کی خاطر یہ راز فاش کر رہے ہیں کہ قرطبہ کے گردونواح میں سلطنت کے خلاف بغاوت شروع ہو چکی ہے اور یہ بغاوت اس تخت کے لیے ہے، جس پر آپ بیٹھے ہیں۔

بغاوت ابھی شروع ہی ہوئی تھی۔ باغیوں کی نفری ابھی کم تھی۔ فوج نے انہیں بے خبری میں جا لیا۔ باغیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ عبداللہ اور عبدالدار پکڑے گئے۔ عبدالرحمٰن نے دونوں کو قید خانے کے الگ الگ کمروں میں بند کرنے کا اور ان کے جرم کی تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔

عبدالدار نے قید خانے میں پہلی رات ہی خودکشی کر لی۔ عبداللہ کے خلاف بغاوت اور

فوج کے متعدد افراد کے قتل کا جرم ثابت ہو گیا۔ قاضی نے اس کے لیے سزائے موت لکھ دی۔ عبدالرحمٰن نے اپنے بیٹے کی سزائے موت پر اپنی مہر ثبت کر دی۔

عبداللہ کے چھوٹے بھائی الحکم نے اپنے باپ سے التجا کی کہ وہ آخر آپ کا بیٹا اور میرا بھائی ہے اسے بخش دیا جائے۔

عبدالرحمٰن سوم نے کہا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنے نادان بیٹے کو جلاد کے حوالے کر کے خوش رہوں گا؟ کل جب جلاد کی تلوار اس کا سر اس کے دھڑ سے جدا کر دے گی تو میرا دل کٹ جائے گا؛ لیکن اگر میں نے اسے زندہ رہنے دیا تو یہ سلطنت کٹ کر ختم ہو جائے گی۔ عبداللہ کے مرنے پر صرف میں روؤں گا، تم روؤ گے، تمہاری ماں اور تمہاری بہنیں روئیں گی؛ لیکن اگر وہ زندہ رہا تو پوری ملت اسلامیہ کی تاریخ روئے گی۔

اگر میں اسے بخش دوں تو میرے مرنے کے بعد تم دونوں کے درمیان یہ مسندِ وجہِ پیکار بنی رہے گی۔ تم دونوں کی توجہ ملک اور قوم سے ہٹ جائے گی۔ تم ایک دوسرے کے تختے الٹو گے۔ زبردستی ایک دوسرے سے بادشاہی چھینو گے۔ ایسی قومیں ہو گزری ہیں جنہیں چند ایک آدمیوں کی ہوسِ تاج وتخت نے تباہ کیا ہے۔ سزا صرف ان لوگوں کو نہیں ملتی جو حکومت کے لالچی ہوتے ہیں، پوری قوم تباہ ہوتی ہے۔ ان ہوس کاروں کے باہم تصادم میں دشمن بھی در پردہ شامل ہو جاتا ہے اور وہ جلتی پر تیل ڈالتا ہے، ہم کفار میں گھرے ہوئے ہیں۔ پورا عالم اسلام کفار میں گھرا ہوا ہے۔

اور پھر الحکم! یہی جرم جو عبداللہ نے کیا ہے کوئی اور کرتا تو اسے فوراً جلاد کے حوالے کر دیا جاتا۔ تو کہتا ہے کہ میں تیرے بھائی کا یہ گناہ معاف کر دوں۔ کیا تو اپنے خاندان کی تاریخ میں یہ ذلت شامل کرنا چاہتا ہے کہ اس خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کو بغاوت کے جرم میں معاف کر دیا تھا؟۔ میں ملک اور قوم کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کرتا ہوں۔

دوسری صبح عبداللہ کو جلاد کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ ۹۴۹ء کا واقعہ ہے۔ یہ اس عبدالرحمٰن سوم کا فیصلہ تھا جو اسپین کا فرمانروا، سلطان اور بادشاہ تھا؛ لیکن یہ عبدالرحمٰن سوم باپ بھی تھا۔ اس کے

بیٹے کا سر جلاد نے تن سے جدا کر دیا تھا۔ اسے اتنا دکھ تھا کہ سلطنت کے کاموں کے سوا خاموش اور اُداس رہتا۔ اسے غم نڈھال کرتا گیا۔ گیارہ سال بعد وہ غم سے اتنا نحیف ہو گیا کہ اس نے سلطنت اپنے بیٹے الحکم کے حوالے کر دی اور گوشہ نشین ہو گیا۔ پھر اس کے اگلے ہی سال ۹۶۱ء میں وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔

مقصودِ کونین ﷺ کا پسندیدہ درود

ڈاکٹر محمد افسر الحق دہلوی ایم ایس سی (علیگ) ایسوس آئی اے آر ٹی، پی ایچ ڈی (نئی دہلی) ایف ای ایس آئی، سابق اسسٹنٹ سسٹیمیٹک انٹامالوجسٹ، ڈویژن آف انٹامالوجی انڈین اگیری کلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی' حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۵۳ء میں جب میں دہلی میں قیام پذیر تھا ایک دن رات کو اچانک مجھے دل کی تکلیف ہوئی، میرا دل ڈوبنے لگا، گھبراہٹ اور بے چینی برداشت سے باہر ہو گئی اور مجھے یقین ہو چلا کہ میری موت واقع ہو رہی ہے، یہ عالم سکرات ہے اور میں چند لمحوں سے زیادہ نہ جیوں گا۔

عین اس پریشانی، بے کسی اور لاچارگی کے نقطۂ عروج کے موقع پر میری نگاہ ایک دم اوپر اُٹھی، کیا دیکھتا ہوں کہ دو اِنسان میرے سامنے ہوا میں معلق ایستادہ ہیں، ایک پُر عظمت انسان کو میں فوراً پہچان گیا وہ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ میرے روحانی پیشوا تھے جو میری سیدھی جانب تھے، وہ مسکرا رہے تھے، اُن کی مسکراہٹ میں انتہا درجہ کی تشفی و تسکین تھی، اُن کے بدن اطہر پر وہی لباس تھا جو وہ معمولاً پہنا کرتے تھے، سفید بڑا عمامہ، لمبا ڈھیلا گھٹنوں کے نیچے تک سفید کُرتا، پنجابی شلوار، ایک سفید شال کندھوں پر لپٹی ہوئی تھی۔

دوسری پُر انوار شخصیت ان کی داہنی طرف تھوڑے فاصلہ پر قیام پذیر تھی یعنی میری بائیں جانب، وہ مقدس ہستی جسم پر ایک سیاہ عبا پہنے ہوئی تھی جو شانوں سے قدموں تک تھا، اُن کا پاکیزگی میں دُھلا ہوا چہرۂ انور ایک سیاہ نقاب میں ڈھکا ہوا تھا، اُن کا قد متوسط تھا اُن کا جسم بھرا

ہوا تھا، اُن کا چہرہ اگرچہ نقاب میں چھپا ہوا تھا کہ روشنی کی شعاعیں نقاب کے باہر صاف صاف آرہی تھیں اور اَطراف کے اندھیرے ماحول کو جگمگا رہی تھیں، وہ ایک انتہائی پروقار اور پُر عظمت ہستی تھی جو میری نگاہوں کے سامنے سے گزری۔

کئی مہینے گزر گئے ایک دن ایک انوکھے طریقے سے میری رہنمائی ہوئی میں آنکھیں بند کیے رات کو بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ درود پڑھ رہا تھا کہ معاً میرے سامنے وہی پُرعظمت شخصیت آگئی جو اُس خطرناک اور مہیب رات کو میرے پیرومرشد کے دائیں جانب تھوڑے فاصلہ پر قدم رنجہ تھی۔ میں نے غور سے دیکھا بالکل وہی تھی، وہی کالی عبا شانوں سے قدموں تک، وہی چہرہ مبارک، وہی نقاب اور وہی متوسط بھرا ہوا جسم، میرا درود پڑھنا تھوڑی دیر کے لیے موقوف ہوگیا اور میرے دل میں آپ کے پروقار انداز اور آپ کی تیز مگر متین نگاہوں کو دیکھتے ہوئے جو مجھ پر مرکوز تھیں' بے پناہ عقیدت ومحبت کا ایک سمندر موجزن ہوگیا، میں سوچنے لگا یا اللہ! یہ کون صاحب ہیں جن کی پاک توجہ میرے وجود کا تزکیہ کررہی ہے اور یہ اپنی اصلیت، پتہ ونشان سے مجھے کیوں مطلع نہیں فرماتے؟۔

تھوڑی دیر سکون رہا اور میں نے پھر درود شریف پڑھنا شروع کردیا، جیسے ہی درود کا ورد شروع کیا اسی لمحہ ان کے نقاب میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور چہرۂ مبارک کے خط وخال بہت مبہم مبہم میرے سامنے جھلکے اور مجھے اندازہ ہوا کہ آپ مسکرا رہے ہیں، ایک دم مجھے خیال آیا کہ کہیں آپ ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نہ ہوں، جیسے ہی خیال آیا میں دیوانہ وار اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لیے اٹھنا چاہا؛ مگر میری آنکھیں کھل گئیں اور محویت ختم ہوگئی۔

میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں درود ہزارہ کے علاوہ اور درودوں کا ورد شروع کردوں جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسرت کا موجب ہو؛ چنانچہ میں اُردو بازار جامع مسجد دہلی گیا اور درود شریف کے متعلق کتابوں کی تلاش کی، مجھے بہت سے چھوٹے چھوٹے کتابچے مل گئے جن میں طرح طرح کے درود لکھے ہوئے تھے، میں نے وہی پڑھنے شروع کردیے، ہر جگہ ہر وقت

درود شریف پڑھنے لگا اور سوچتا تھا کہ درود شریف پر کوئی ایسی مبسوط کتاب مل جائے جس کا ورد میں با قاعدہ کر سکوں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ یاد کرنے کا یہی طریقہ سب سے بہتر ہوسکتا ہے، اور آپ کی خوشی کا باعث بن سکتا ہے، اس مقصد کو پانے کے لیے دہلی کا کونہ کونہ چھان مارا مگر سب سے بے سود ہوا۔

ایک دن میں اپنے برساتی فلیٹ میں مغرب کے بعد بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا کہ یکایک میرے سامنے ایک ہاتھ دکھائی دیا، میں فوراً ساکت ہو گیا، یہ سیدھے ہاتھ کا سایہ تھا، مجھے فوراً یقین ہو گیا کہ حضرت رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میری پشت پر کسی اونچی جگہ رونق افروز ہیں اور اپنا دست مبارک میرے اوپر اٹھائے ہوئے ہیں، اس عظیم الشان حقیقت کو بھانپ کر میں مبہوت ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست مبارک سے اِشارہ فرمایا جس کو میں فوراً سمجھ گیا کہ کہیں جانے کا حکم ہو رہا ہے، پس میں اُٹھ کھڑا ہوا اور چلنا شروع کر دیا، جدھر جدھر آپ کا اشارہ ہوتا گیا میں چلتا گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک ایسی جگہ آیا جہاں ایک نورانی شکل کے بزرگ سفید داڑھی، ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے ہوئے مشفق انداز میں تشریف رکھتے تھے۔

میں نے ان کو سلام کیا، وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کا جواب دیا، ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جو فوراً انہوں نے مجھے دے دی، اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور اس کا نام و پتہ نوٹ کر لیا، پھر تھوڑی دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست کا اِشارہ ہوا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ان بزرگ کو سلام کیا، اُن سے مصافحہ کا شرف حاصل کیا، واپس ہوا اور اپنے مقام پر آ گیا، جب پرچہ کو غور سے پڑھا تو لکھا تھا: 'اَوائل الخیرات ڈاکٹر محمد عبدالمعید خاں دائرۃ المعارف حیدر آباد' آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے سے اِشارہ فرمایا کہ یہ تیرے لیے ہے، تو اسے پڑھ اور اس پر عمل کر، میں انتہائی خائف اور معطل ہو چکا تھا، میں نے اَدب کے ساتھ آنکھیں بند کیں اور اِثبات میں سر جھکا لیا۔

اس واقعہ کے فوری بعد میں نے ڈاکٹر عبدالمعید خاں صاحب کو خط لکھا کہ آنحضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ ناچیز اَدنیٰ واسفل وگنہگار کو اطلاع دی ہے کہ آپ نے کوئی کتاب 'اوائل الخیرات' کے نام سے چھاپی ہے، مجھے حکم ہوا ہے کہ اس کتاب کو پڑھوں اور اس پرعمل کروں، اوران سے مندجہ بالا کتاب طلب کی۔ ان کا جواب میرے پاس آیا جس میں انہوں نے بڑی حیرت کا اظہار کیا اور لکھا کہ کتاب ابھی مکمل طور پر چھپ کر تیار بھی نہیں ہوئی ہے اور اس کی تقسیم بھی شروع نہیں ہوئی۔

کچھ دنوں بعد میں دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ڈاکیہ ایک پارسل لے کر آیا جو کتابوں کا تھا، وصول کر کے کھولا تو خوشی کی انتہا نہ رہی؛ کیونکہ اس میں کتاب ''اوائل الخیرات' 'مؤلفہ حضرت سید محمد عبد الغفور النامی رحمۃ اللہ علیہ کے نسخے تھے۔

ڈاکٹر افسر الحق دہلوی کے خط سے متعلق پروفیسر عبد المعید خاں لکھتے ہیں :

ڈاکٹر افسر الحق کے خط کا 'اوائل الخیرات' سے حیرتناک تعلق ہے، جس کے سمجھنے سے میری عقل ابھی تک قاصر ہے؛ شاید صاحب دل وصاحب نظر اس گتھی کو سلجھا سکیں اور اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس خط کے آنے سے پہلے نہ میں افسر الحق صاحب کو جانتا تھا نہ وہ مجھے پہچانتے تھے، خود خط کی عبارت بتاتی ہے کہ انہیں اس خط کے مجھ تک پہنچنے کا بھی یقین نہیں تھا، حیرتناک امر یہ ہے کہ ڈاکٹر افسر الحق صاحب کو میرا نام اور میرا پتہ کس طرح معلوم ہوا اور اس سے بڑھ کر تعجب انگیز بات یہ ہے کہ 'اوائل الخیرات' جس کو چھاپنے کا میں نے اپنی والدہ محترمہ اور عزیز نوجوان بھتیجے کی وفات کے بعد اِرادہ کیا اور ان دونوں کے ایصال ثواب کے لیے چاہا کہ چہلم تک وہ چھپ جائے؛ تاکہ چہلم میں آنے والوں کو تقسیم کی جاسکے۔

جلدی میں اس کتاب کی طباعت تو ہو چکی تھی؛ لیکن اس کی سلوائی اور جلد بندی ابھی مکمل نہ ہوسکی تھی، جس قدر اس کتاب کے نسخے تیار ہوسکے اس کے تقریباً سوا سو نسخے چہلم میں اَحباب واَقارب میں تقسیم ہوگئے، اور چہلم کے دوسرے روز میں دہلی میں ایک کمیٹی میں شرکت کے لیے چلا گیا، ابھی میں دہلی کے اندر ہی تھا کہ میرے نام دائرۃ المعارف کے پتے پر میرے غیاب میں ڈاکٹر افسر الحق صاحب کا متذکرہ بالا خط موصول ہوتا ہے، دو چار روز کے بعد میں جب دہلی

سے واپس آتا ہوں تو یہ خط دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ آخر اس کتاب کا نام 'اوائل الخیرات' اور اس کے میری نگرانی میں طبع ہونے کا علم اور اس دائرۃ المعارف کے مطبع میں چھپنے کی اطلاع ایک دہلی میں رہنے والے ناواقف کار کو کیونکر ہوئی جو ابھی مطبع سے پوری طرح باہر بھی نہیں نکل سکی تھی۔

والسلام علیٰ خیر الانام

محمد عبدالمعید خاں، ۱۰رشوال ۱۳۸۷ھ/ ۱۱رجنوری ۱۹۶۸ء

پروفیسر وصدر شعبہ عربی۔ جامعہ عثمانیہ وناظم دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن

علامہ سید محمد عبدالغفور النامی علیہ الرحمہ (حیدرآباد دکن) اپنی تالیف 'اوائل الخیرات' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: میں بچپن ہی سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود وسلام پڑھا کرتا تھا، اور خواب میں دیکھنے کا بہت مشتاق تھا؛ لیکن سالہا سال تک میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت تھی؛ لہٰذا دیکھنے کا شوق دن رات بڑھتا ہی گیا؛ یہاں تک کہ میں مختلف علما ومشائخ رضی اللہ عنہم کی درود پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، اور درود کے وہ صیغے جو مجھے زیادہ پسند تھے مدت دراز تک اُن کو پڑھتا رہا۔

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیدار سے مشرف فرمایا اور میں نے خواب میں دیکھنے کی سعادت حاصل کی؛ لیکن مختلف صورتوں میں اور عجیب طریقوں سے دیکھا، حتیٰ کہ ان صورتوں کو جن کو خواب میں دیکھا تھا ان کی تعبیر سے عاجز آ گیا؛ حالانکہ میں 'دکن' میں فن تعبیر میں کافی مشہور تھا۔

اس کے بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب و بیداری اور مراقبہ میں دیکھنے لگا؛ لیکن میں اس کی تاویل نہ کر سکا، جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیداری میں دیکھا تو پھر مجھے گمان ہونے لگا کہ یہ میرا وہم وخیال ہے؛ کیونکہ میں ہمیشہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورتِ مبارک کا تصور کیا کرتا تھا، ہر گھڑی اور ہر حالت میں، خواہ باطہارت رہوں یا بے طہارت، نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور حاضر رہتا تھا۔

اِنتہا یہ کہ مجھے اس تصور میں ایک لذت آنے لگی اور یہ ایسی لذت تھی کہ دنیا کی کوئی دوسری لذت اس کے مقابل نہ آسکتی تھی، پھر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرف تکلم سے بھی سرفراز فرمایا؛ لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مخاطبت خواب میں ہوتی تھی یا بیداری میں، ایسی حالت مجھ پر دس سال تک طاری رہی اور مجھے اس تصور کی تصدیق وتکذیب میں برابر تأمل ہوتا رہا، کبھی میں اس کی تصدیق کرتا اور کبھی تکذیب، پھر اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی۔

میں اسی تذبذب کی حالت میں تھا کہ ایک روز نبی اُمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا...... میں نے بڑی خوشی سے اپنے سر کو آپ کے قدموں پر رکھا اور خواب سے بیدار ہوگیا۔ اللہ کی حمد وثناء کی اس فضل ونعمت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت پر مجھے خوب رونا آگیا اور پشیمان ہوا کہ ناحق میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی کثرت کو کم کردیا؛ حالانکہ اس سے قبل شب وروز بکثرت درود پڑھا کرتا تھا۔

چنانچہ اس واقعہ کے بعد سے میں نے پھر درود کی کثرت حسب سابق ہر فرض نماز کے بعد شروع کردی اور پہلے سے بھی زیادہ پڑھنے لگا۔ پھر ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور بعض اہل بیت بھی ساتھ ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما ہیں اور شیخ عبدالقادر جیلانی سے مخاطب ہوکر میرے متعلق یہ فرما رہے ہیں کہ :

'میں اس بچے کے درود کے صیغے کو بہت پسند کرتا ہوں'۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس صیغے کی نسبت مجھ سے دریافت فرمایا، تو میں نے عرض کیا کہ وہ یہ ہے :

بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیِ صَلّٰی اللهُ عَلَیکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ .

حضرت شیخ جیلانی رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ میں بھی تمہاری طرح پڑھتا ہوں کہہ کر خود آپ نے بھی بار بار پڑھا اور وجد کرنے لگے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم پڑھو، میں نے بھی اس درود کو پڑھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

پھر پڑھو، میں نے پھر پڑھا۔ پھر ارشاد مبارک ہوا: دوبارہ پڑھو، پھر میں نے اس کو کئی مرتبہ حالت سرور میں پڑھا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بازو کو پکڑ کر اپنے قریب کھینچا اور بڑے لطف وکرم کے ساتھ مجھے ایسا ملاحظہ فرمایا جیسا کوئی اپنے بچے کو دیکھا کرتا ہے، پھر مجھ سے دریافت فرمایا: تم نے اس درود کے الفاظ کہاں سے حاصل کیے؟۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ان الفاظ کو صحابہ کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں پایا ہے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی میرے لیے اور ان سب کے لیے جو اس درود کو پڑھیں اور ان سب کی شفاعت کا بھی وعدہ فرمایا، نیز فرمایا کہ یہ درود اللہ کے پاس مقبول ہوگا۔

میں فرطِ مسرت سے رونے لگا اور آپ کے پائے مبارک کو بوسے دینے لگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک سے میرے آنسو پونچھے اور فرمایا: بچے کیوں روتا ہے؟، پھر شیخ جیلانی رضی اللہ عنہٗ سے مخاطب ہو کر اِرشاد فرمایا: اے عبدالقادر! اس لڑکے کو میں اپنی راست نگرانی میں تربیت دوں گا۔ حضرت شیخ جیلانی نے فرمایا: مرحبایارسول اللہ۔

حضرت جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ طریقہ بیعت میں میرے مرشد ہیں؛ کیونکہ میں نے طریقہ قادریہ میں حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: اے بچے میں تجھے اپنے خاص طریقے پر چلاؤں گا۔ میں نے عرض کیا: میری جان آپ پر قربان یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا: 'مجھ پر درودوسلام کی ایک کتاب تم لکھو، اور اس کا نام 'اوائل الخیرات' رکھو جو سات حزب پر مشتمل ہو جیسے کہ جزولی نے 'دلائل الخیرات' لکھی ہے'۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ میں تو اس کارِ عظیم کا اہل نہیں ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لکھو اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائے گا، اور تمہاری یہ کتاب اللہ کی بارگاہ اور میرے نگاہ میں مقبول ہوگی۔

میں نے عرض کیا: مرحبایارسول اللہ، اور اس کتاب کو بہ تعمیل حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا۔ اس کتاب کو قرآنی آیت 'لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ الخ' سے ابتدا کرنے کی سعادت

حاصل کی ۔ پہلا، دوسرا، تیسرا، اسی طرح سات حزب لکھے اور ان میں سے بعض کو خواب میں بعض کو مراقبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں پڑھا، پھر خواب ومراقبہ سے بیدار ہو کر اللہ اور اس کے رسول کا شکر ادا کیا کہ مجھ پر یہ فضل وکرم فرمایا گیا۔(۱)

درود کا عادی نوجوان

امیر دعوتِ اسلامی، پیر طریقت مولانا محمد الیاس عطار قادری لکھتے ہیں کہ میں دعوت اسلامی کے ایک قافلے کے ساتھ سکھر (سندھ) گیا تو وہاں میری برادری کے ایک معمر بزرگ حاجی احمد فتانی نے محبت رسول کی چاشنی سے بھرپور یہ واقعہ سنایا کہ بمقام 'کتیانہ' (ریاست جونا گڑھ، بھارت) میں ایک نوجوان سنگ تراش رہا کرتا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت عاشق اور مدینہ منورہ کا دیوانہ تھا۔ درود وسلام سے بڑی محبت رکھتا تھا، درود شریف کا مشہور مجموعہ ''دلائل الخیرات'' اس کو زبانی یاد تھا۔ اس کا معمول تھا کہ جب کوئی پتھر تراشتا تو اس دوران دلائل الخیرات شریف پڑھتا رہتا۔

ایک بار حج کے پُر بہار موسم میں جب عاشقوں کے قافلے حرمین شریفین کی طرف رواں دواں تھے، اس کی قسمت کا ستارہ چمکا، ایک رات جب سویا تو خواب میں دیکھا کہ مسجد نبوی شریف میں حاضر ہے اور والیٔ بیکساں، رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جلوہ افروز ہیں، سبز سبز گنبد کے انوار سے فضا منور ہو رہی ہے اور نورانی مینار بھی نور برسا رہے ہیں؛ مگر مینار شریف کا ایک کنگرہ شکستہ تھا، اتنے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لب ہائے مبارک میں جنبش ہوئی گویا پھول جھڑنے لگے فرمایا: 'میرے دیوانے وہ دیکھو ہمارے مینارہ کا ایک کنارہ ٹوٹ گیا ہے، تم ہمارے مدینہ میں آؤ اور اس کنگرے کو پھر سے بنا دو'۔

(۱) ڈاکٹر محمد افسر الحق دہلوی، ابتدائیہ کتاب 'اوائل الخیرات' میری زندگی کا اہم ترین واقعہ'۔ مطبوعہ کرماں والا پبلی کیشنز کراچی، ص ۳ تا ۲۷...... مقدمۃ المصنف، علامہ سید محمد عبد الغفور النامی، کتاب ''اوائل الخیرات'' مطبوعہ کراچی، ص ۳ تا ۶، بحوالہ: تم پہ کروڑوں درود، از: خلیل احمد رانا: ۱۹ تا ۲۵۔

جب آنکھ کھلی تو تنہائی تھی اور کانوں میں والی مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک کلمات گونج رہے تھے، مدینہ کا بلاوا آچکا تھا مگر یہ سوچ کر آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے کہ میں بہت غریب آدمی ہوں، میرے پاس مدینہ منورہ کی حاضری کے وسائل نہیں۔

ادھر عشق نے کہا: وسائل نہیں تو کیا غم ہے، تمہیں تو خود سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلایا ہے، تم وسائل کی فکر کیوں کرتے ہو؟ چنانچہ دیوانے نے رختِ سفر باندھا، اپنے اوزاروں کا تھیلا کندھے پر چڑھایا اور 'پوربندر' (مہاراشٹر، انڈیا) کی بندرگاہ کی طرف چل پڑا۔

ادھر بندرگاہ پر سفینہ مدینہ تیار کھڑا تھا، مسافر تیار ہو چکے تھے، لنگر اُٹھا دیے گئے تھے؛ لیکن سفینۂ مدینہ جنبش کرنے کا نام نہیں لیتا تھا، دیر ہو رہی تھی، اتنے میں جہاز کے عملے میں سے کسی کی نظر دور سے جھومتے ہوئے جوان دیوانے پر پڑی، عملہ کے لوگ سمجھے کہ شاید کوئی زائرِ مدینہ سوار ہونے سے رہ گیا ہے، جہاز چوں کہ گہرے پانی میں کھڑا تھا؛ لٰہذا جہاز والوں نے ایک کشتی ساحل کی طرف بھیجی، عاشقِ مدینہ اس کشتی کے ذریعہ جہاز میں پہنچ گیا، اس کے سوار ہوتے ہی سفینہ جھومتا ہوا سوے مدینہ چل پڑا۔ اس کے پاس ٹکٹ نہیں تھا اور نہ ہی کسی نے اس سے ٹکٹ پوچھا، بالآخر دیوانہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

دیوانہ بے تاب ہو کر روضۂ انور کی طرف بڑھا، کچھ خدام حرم کی نظر جونہی دیوانے پر پڑی تو بولے: اَرے یہ تو وہی ہے جس کا حلیہ ہمیں دکھایا گیا ہے، دیوانہ اشک بار آنکھوں سے سنہری جالیوں کے سامنے حاضر ہوا، پھر باہر آکر خواب میں جو جگہ دکھائی گئی تھی اس کو بغور دیکھا تو واقعی ایک کنگرہ شکستہ تھا؛ چنانچہ اپنی کمر میں رسی بندھوا کر خدام کی مدد سے دیوانہ گھٹنوں کے بل اوپر چڑھا اور حسب الارشاد کنگرہ شریف کو تراش کر از سرِ نو بنا دیا۔

جب دیوانے نے سبز گنبد کا اتنا قرب پایا تو بے تاب روح نے واپس جانے سے اِنکار کر دیا، جب دیوانے کا وجود نیچے اُتارا گیا تو دیکھنے والوں کے کلیجے پھٹ گئے؛ کیوں کہ دیوانے کی روح تو کب کی سبز سبز گنبد کی رعنائیوں پر نثار ہو چکی تھی۔(۱)

(۱) فیضانِ سنت مولانا محمد الیاس قادری: ۱۴۳ تا ۱۴۵۔

شقاوت سے سعادت تک

صومالیہ کے مشہور شہر مقدیشو کے ایک پرائمری اسکول میں اساتذہ اور کلرک بڑی حیرت اور تعجب سے اس کی خوبصورت آواز میں نغمے سن رہے تھے۔ ''غضب کی آواز ہے''۔ ایک نے کہا۔

ہیڈ ماسٹر نے کہا: اتنی خوبصورت آواز تو میں نے زندگی میں نہیں سنی!، اس کے پاس لحن داؤدی ہے۔ اس نے ایک نغمہ ختم کیا۔ اب وہ پرانی شاعری سنا رہا تھا۔ ایک کہنے لگا: منحنی سی شکل وصورت کا عبداللہ...... جب بڑا ہوگا تو کیا غضب ڈھائے گا۔ ہمارے لیے باعث فخر ہے کہ یہ ہمارے اسکول کا طالب علم ہے۔

خوبصورت آواز اور اس کے ساتھ صحیح تلفظ ایک نعمت خداوندی ہے جو چھوٹے سے عبد اللہ کو بڑی کم عمری میں میسر آ گئی تھی۔ وہ جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا اس میں خود اعتمادی بڑھتی چلی گئی۔ اب وہ بڑے بڑے اجتماعات کے سامنے اپنی آواز کا جادو جگاتا اور لوگ اسے سن کر مبہوت سے ہوجاتے!۔ ان دنوں صومالیہ پر صیاد بری کی حکومت تھی۔ ایک دن وزارتِ تعلیم کے ایک بڑے افسر نے اس کے قصائد سنے۔ اگر یہ ہمارے صدر کی مدح میں اشعار پڑھے تو مزہ آجائے۔ اس نے سوچا۔

چنانچہ عبداللہ کے لیے خصوصی تعلیم اور اساتذہ کا بندوبست کیا گیا۔ اب وہ گانے کے ساتھ ساتھ موسیقی کا بھی ماہر بن گیا۔ میٹرک کے بعد اس کی شہرت بڑھتی چلی گئی۔ اس وقت کے وزیر تعلیم نے اس کی آواز سنی تو گرویدہ ہوگیا۔ اس نے خصوصی قانون پاس کروایا۔ اسکولوں میں موسیقی کے شعبے کا قیام عمل میں آیا، اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے موسیقی اور رقص وسرود کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز سرکاری سرپرستی میں شروع ہوا۔ اس کا چیف عبداللہ کو بنایا گیا۔

اسکولوں اور کالجوں میں موسیقی کی تعلیم شروع ہوگئی۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک ثقافت کے نام پر ثقافتی طائفے جانے لگے۔ عبداللہ کی شہرت بڑھتی چلی گئی۔ صومالیہ میں ہی نہیں، ہمسایہ ملک جبوتی میں بھی لوگ اس کی آواز کے دیوانے تھے۔ اسے متعدد بار ایوارڈوں سے نوازا گیا۔

عبداللہ جہاں جاتا لوگ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اکٹھے ہوجاتے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں ہفتوں پہلے اس کی بکنگ کی جاتی۔ جب وہ اسٹیج پر آتا تو کئی منٹ تک مسلسل تالیاں بجتی رہتیں۔ جب گانا ختم ہوتا تو دلوں کی دھڑکنیں ٹھہر جاتیں۔اب وہ شہنشاہِ ترنم کے لقب سے مشہور تھا۔

۱۹۷۷ء میں صومالیہ میں انقلاب برپا ہوا۔ روسی اقتدار اور اَثر ورسوخ کا خاتمہ ہوگیا۔ حکومت تبدیل ہوگئی، اس کا رخ مغرب کی طرف ہوگیا۔ ملک میں اشتراکیت کی بجائے جمہوریت کا غلغلہ ہوا۔ایک اچھے بزنس مین کی طرح عبداللہ نے بھی اپنا رخ تبدیل کیا۔ پہلے وہ اشتراکیت کے گن گاتا تھا،اوراس کے نغمہ وگیت اُس نظام کی مدح سرائی میں ہوا کرتے تھے۔

نظام بدلا تو وہ بھی بدل گیا۔اب اس کی زبان پر جمہوریت کے لیے نغمے تھے۔ملک میں اقتصادی اصلاحات ہونے لگیں تو اس نے بھی اپنی کمائی کومحفوظ کرنے کا سوچا۔اور پھر وہ ایک عدد نائٹ کلب کا مالک بن گیا۔مقدیشو میں اول درجے کا نائٹ کلب جہاں راتیں جاگتیں اور دن سوتے تھے۔نوجوان لڑکوں اورلڑکیوں کا ایک بڑا گروہ اس کے گرد جمع ہوگیا۔اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک اس کی شہرت برابر تھی،اب وہ مختلف مما لک کے دوروں پر بھی جانے لگا تھا۔

عبداللہ نے ایک مرتبہ کسی انٹرویو میں کہا: جب میں نائٹ کلب کا مالک بن گیا تو پھر وہاں گانے گاتا......مقدیشو کے ہوٹل اور نائٹ کلب میری بکنگ کے لیے زیادہ سے زیادہ رقومات پیش کرتے۔ راتوں کو زندہ کرنے کے لیے،لوگوں کوخوش کرنے اور اپنے آپ کومزید پاپولر بنانے کے لیے میں نت نئے ناٹک رچاتا۔عریاں ڈانس،فحش مکالمات، اورعشقیہ گیتوں کے ذریعہ پیسہ کمانا ہمارا مقصدِ حیات بن چکا تھا۔

جب یہ چیزیں میسر ہوں تو شیطان خوب خوش ہوتا ہے۔ بگڑے ہوئے گھرانے ان کی امیرلڑکیاں اورلڑکے شراب،نشہ، ہیروئن سب کچھ میسر تھا۔رقص گاہیں ہماری وجہ سے آباد تھیں۔

شیطان کے اہداف حاصل کرنے کے لیے ہمارے اردگرد بدکار لوگوں کا ایک بڑا گروہ تھا۔اس دوران ملک میں اسلام کے خلاف حکومتی لابی دن رات کام کررہی تھی۔ علما،صلحا، اور

مساجد کو نشانہ بنایا جارہا تھا۔ جب کفر اور اسلام کے درمیان کشمکش جاری ہو تو طاغوت اور زیادہ خوبصورت چہرے کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ ہم نے بھی اسلامی اقدار کو ختم کرنے اور شیطانی مجالس کو فروغ دینے میں ساری قوتیں صرف کردیں۔ ہم صرف نام کے مسلمان تھے، اسلامی روح کے بغیر......ظاہری حد تک......۔

میں نے کتنے ہی یورپی ممالک کا سفر کیا۔ وہاں نائٹ کلبوں میں گاتا رہا۔ صومالیہ کے آرٹ کو اجاگر کرتا رہا۔ مغرب کو خوش کرنے کے لیے کہ ہم ترقی پسند قوم ہیں۔ اس طرح میرے ایمان کا اسلام کا اور اخلاق کا نکلتا گیا؛ تاہم میری جیب بھرتی چلی گئی۔

۱۹۸۳ء میں میرے والد نے مجھ پر شادی کرنے کے لیے زور دیا۔ والدین کے لیے اپنی اولاد کی شادی بہت بڑی خوشی ہوتی ہے۔ والدین نے اپنے ہی خاندان میں سے ایک لڑکی کا انتخاب کیا۔ یوں تو صومالیہ کی بہت سی لڑکیاں میرے ساتھ شادی کی تمنا میں شب و روز کاٹ رہی تھیں مگر یہ لڑکی میرے خاندان سے تھے۔ خوب صورت، نیک سیرت اور خاصی پڑھی لکھی تھی؛ لہٰذا میں نے ہزاروں لڑکیوں پر اس کو ترجیح دی اور شادی پر فوراً رضامند ہو گیا۔

کچھ ہی دنوں کے بعد شادی کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ ایک گلوکار کی شادی، یقیناً بہت یادگار تھی۔ پورے صومالیہ سے گلوکار آئے، خوب ہلا گلا ہوا۔ ٹیلی ویژن، اخبارات، اور ذرائع ابلاغ کے نمائندے جمع ہوئے۔ یقیناً یہ ایک یادگار شادی تھی۔

شادی کے دوران میں نے محسوس کیا کہ میری بیوی اتنی زیادہ خوش و خرم نہیں ہے جتنا کہ مجھ جیسے معروف آدمی سے شادی کے بعد کسی لڑکی کو خوش اور فخر ہونا چاہیے۔ میں اس کو اس کی فطری حیا پر محمول کیا۔ شادی کے بعد ہم ہنی مون منانے کے لیے چلے گئے۔ یہ دن اتنی تیزی سے گزرے کہ اندازہ ہی نہ ہوسکا۔ میں نے دوبارہ اپنی ڈیوٹی سنبھال لی۔

میرا کاروبار رات کو شروع ہوتا اور فجر سے ذرا پہلے میں گھر آتا۔ پھر سو جاتا اور عصر کے وقت اُٹھتا۔ میں نے کئی مرتبہ دیکھا کہ جب صبح گھر آتا ہوں کہ تو میر بیوی جاگ رہی ہوتی ہے اور عموماً اس کے ہاتھ میں قرآن پاک ہوتا ہے جسے وہ پڑھ رہی ہوتی ہے۔

میں آ کر اسے بڑے جوشیلے انداز میں اس رات کی کارکردگی سناتا۔ اپنے پرستاروں کی چاہت سے آگاہ کرتا۔ آج کتنی لڑکیوں اور لڑکوں کے فون آئے جو میرے فن کے شیدائی ہیں۔ میری بیوی ان باتوں کو ناگواری سے سنتی اور میرے لیے ہدایت کی دعا کرتی۔ اس دوران فجر کی اَذان ہوجاتی اور وہ مصلے کی طرف بڑھ جاتی، جب کہ میں نماز پڑھے بغیر ہی سوجاتا۔

اس طرح میں جب بھی اس سے نائٹ کلب کا ذکر کرتا، وہاں کی باتیں سناتا، اپنی کمائی کا ذکر کرتا، بینک بیلنس کا رعب جماتا تو وہ جواباً کہتی: 'رازق تو صرف اللہ کی ذات ہے'۔

ہماری شادی کو کوئی پانچ سال گزر چکے تھے۔ میں مسلسل اپنے فن میں مبتلا اور فسق وفجور میں ڈوبا ہوا، نماز وعبادت سے عاری زندگی گزارتا رہا۔ پھر اچانک ہماری زندگی میں ایک ہنگامہ برپا ہوا۔

یہ کوئی ۱۹۸۸ء کی بات ہے۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا: میں اس شخص کے ساتھ ہرگز زندگی نہیں گزار سکتی جو اپنے رب کا باغی ہے، جو رسول اللہ کا وفادار نہیں اور جو نمازوں سے غافل ہے۔ اس کی کمائی حرام کی ہے اور جو فجر کے وقت گھر آتا ہے۔

میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ میری بیوی میرے لیے ایسا سوچ سکتی ہے۔ بہرحال! گھر میں لڑائی شروع ہوگئی۔ میں نے اس کی باتیں سنی ان سنی کردیں۔

کچھ دن گزرے، ایک دن جب میں گھر میں داخل ہوا تو فجر کی اَذان ہو رہی تھی۔ شہر کی مسجد میں اَذانیں بلند ہو رہی تھیں۔ ہر طرف اللہ اکبر......اشہدان لا الٰہ الا اللہ......حی علی الصلوٰۃ کی گونج تھی۔

جب میں سونے کے لیے اپنے کمرے میں جانے لگا تو میری بیوی نے کہا: آپ مسجد میں نماز کے لیے کیوں نہیں جاتے؟ کیا آپ نے اَذان کی آواز نہیں سنی؟؟۔

میری زندگی کا یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے مجھ سے نماز کے لیے کہا تھا۔ اس لمحے میں نے خود بھی نماز پڑھنے کے بارے میں سوچا۔ میرے جسم پر جھرجھری سی آئی۔ بیوی کی آواز بار بار کانوں میں گونج رہی تھی: اس وقت مسلمان مسجد کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ کیوں مسجد کا رخ

نہیں کرتے؟ یہ رحمٰن کا بلاوا ہے۔ یہ مالک الملک کی طرف سے دعوت ہے۔ اور پھر میرے ذہن میں خیر اور شر کی کشمکش شروع ہوگئی۔

فطرت کی آواز بلند ہوئی کہ اے نوجوان! ذرا سوچ تو سہی کہ تیرا نام کتنا خوبصورت ہے......عبداللہ......تم اللہ کے بندے ہو۔ اور اسی کی دعوت پر کان نہیں دھرتے!۔ افسوس کب تک تم شیطان کے چیلے بنے رہوگے۔ آج تک تم نے کبھی اپنے مالک و مولیٰ کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ تم کب تک زندہ رہوگے، کب تک یہ زندگی رہے گی، کب تک جوانی رہے گی۔

پھر میرے سامنے ماضی آتا گیا۔ ضمیر نے ملامت شروع کی؛ مگر فوراً ہی کلب کی رعنائیاں، ٹیلی ویژن کی اسکرین، اسٹیج، شہرت، عزت......کیا میں بیوی کی بات مان لوں؟ یہ کام چھوڑ دوں؟ نہیں ایسا ممکن نہیں۔ یہ مقام حاصل کرنے کے لیے میں نے بے حد محنت اور جدوجہد کی ہے۔ یہی سوچتے سوچتے میں حسب عادت سو گیا۔

شام کے وقت میں نے کپڑے تبدیل کیے۔ کلب جانے کے لیے تیاری کی۔ میری بیوی نے میرے کان میں سرگوشی کی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ کہہ رہی تھی: ذرا بیٹھ جائیں......ذرا میری بات تو سنیں......کیا ہمارا رازق اللہ نہیں ہے؟ حلال کا ایک لقمہ حرام کے ہزاروں لقموں سے بہتر ہے۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ بیوی کی آواز......اس کی گفتگو......اس کے کلمات......یقیناً درست ہیں۔ ان میں صداقت ہے...... یہ فطرت کی آواز ہے......مگر میرا فن......میری آواز......میری شہرت؟ میں تیزی سے باہر بھاگا کہ کہیں میں بیوی کے پھندے میں نہ آجاؤں!۔

راستے میں بیوی کے کلمات میرا پیچھا کر رہے تھے کہ میں نائٹ کلب کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس دوران عشا کا وقت ہو چکا تھا۔ میرے کانوں میں موذن کی خوبصورت اور دل میں اُتر جانے والی آواز گونجی: حی علی الصلوٰۃ......حی علی الفلاح......۔

بیوی کی نصیحت یاد آئی......اللہ کی رحمت جوش میں آ گئی۔ فسق و فجور اور کفر کے غبار کی تہ بیٹھنے لگی۔ ایمان کی حرارت اور اسلام کی قوت زور پکڑنے لگی۔ اور پھر میرا رخ نائٹ کلب سے

مسجد کی طرف ہو گیا۔

میں مسجد میں داخل ہوا، وضو کیا۔ جماعت ہو رہی تھی۔ میں نے نماز اَدا کی۔ بعض نمازیوں نے مجھے پہچان لیا۔ کوئی ہاتھ ملا رہا ہے، کوئی دور سے سلام کر رہا ہے۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹ ہے اور میرا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے کہ الحمدللہ! میں نے فطرت کو پالیا ہے۔

کسی نے مجھے صحیح بخاری کا نسخہ تحفے میں دیا۔ یہ اب میرے لیے متاعِ حیات تھی۔ میں اپنی نئی ماڈل کی قیمتی گاڑی میں سوار ہوا۔ اس کا رخ نائٹ کلب کی بجائے گھر کی طرف تھا۔ میری بیوی جو مجھے فجر کے وقت گھر آتے دیکھا کرتی تھی۔ آج عشا کے بعد گھر میں دیکھ رہی تھی۔

میں بیوی کی طرف بڑھا۔ بیگم! تمھیں مبارک ہو۔ میں نے آج سے گانوں سے توبہ کر لی ہے۔ میں نے فسق و فجور اور لہو و لعب کی زندگی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ میں نے سچی توبہ کر لی ہے، اور الحمدللہ ان چیزوں سے صمیم قلب سے تائب ہو چکا ہوں۔

پھر میں نے محسوس کیا گویا میں نے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا ہے۔ سب سے پہلا کام...... وہ اسٹوڈیو جس کا میں مالک تھا، جس میں گانے ریکارڈ کراتا تھا، جس میں دنیا بھر کی جدید مشینیں تھیں، جن کو میں دنیا کے کونے کونے سے جمع کرتا رہا تھا...... میں نے اس اسٹوڈیو کو دعوت الی اللہ کے لیے وقف کر دیا کہ اب یہاں قرآن پاک کی کیسٹیں، علمائے کرام کی تقریریں اور اسلامی ترانے اور نعتیں وغیرہ ریکارڈ ہوں گی۔

پھر میں نے وہ قیمتی گاڑی فروخت کر دی، خوبصورت محل نما کوٹھی بھی بیچ ڈالی، اور ایک اوسط درجے کے مکان میں منتقل ہو گیا۔ اب میرا وقت اپنے گھر میں گزرنے لگا۔ میری ایک ہی تمنا تھی، اور ایک ہی جستجو کہ میں حلقہ قرآن سے وابستہ ہو جاؤں، اور کلام اللہ کو اپنے سینے میں محفوظ کر لوں۔

کچھ عرصہ ٹھیک سے گزرا؛ مگر جب کوئی اسلام کی راہ پر چلے گا تو آزمائشیں لازماً آئیں گی۔ یہ تو سنت الٰہیہ ہے۔ حق کی راہ میں یقیناً بہت سی مشکلات آتی ہیں۔ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔ یہ پھولوں کی سیج نہیں، یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔

عبداللہ کے لیے سب سے پہلی آزمائش مال کی کمی کی تھی۔ وہ گانے بجانے کے علاوہ کوئی کام نہیں جانتا تھا۔ یہ گانا بجانا ختم ہوا تو مصدرِ رزق بھی ختم ہوگیا۔ پہلے کا کمایا ہوا مال چوں کہ حرام راستے سے آیا تھا لہٰذا اس میں برکت سرے سے تھی ہی نہیں۔ اب کئی دن، کئی راتیں، کئی ہفتے گزر گئے۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ بن سکا۔ جس شخص نے ساری زندگی عیش وعشرت میں گزاری ہو، اب اس کے لیے فاقہ کشی کتنی مشکل ہوگی اندازہ نہیں کیا جاسکتا!۔

شیطان نے کئی بار بہکایا۔ ماضی کی یاد دلائی کہ تو کس طرح مال ودولت میں کھیلتا تھا، اور اب نانِ شبینہ کو ترس گیا ہے۔ بھلائی اسی میں ہے کہ اُسی پہلی زندگی کی طرف لوٹ جاؤ۔

مگر ایمان کے تقاضے کچھ اور تھے۔ اور پھر ایک دن اس کے پرانے رفقا آگئے۔ موجودہ صورت حال پر افسوس کا اِظہار کیا اور دامِ تزویر پھیلایا: عبداللہ! ایک رات ہمیں دے دو، صرف ایک رات، اور معاوضہ؟ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ جو پہلے ایک رات میں کماتے تھے اس سے دوگنا۔ تین گنا زیادہ، پانچ، سات، نو، ہم دس گنا زیادہ دینے کے لیے تیار ہیں، بس ایک مرتبہ ہاں کردو۔

مگر جب ایمان باللہ پختہ ہو جائے تو پھر انقلابات برپا ہوتے ہیں، سخت پہاڑ بھی راستہ چھوڑ دیتے ہیں، ایمان اور اس کے مقابلے میں دنیا بھر کی دولت، دنیا بھر کی سیادت اور حکمرانی پرِ کاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔

عبداللہ کے دل میں محبت الٰہی اور عشق رسالت پناہی راسخ ہو چکا تھا۔ ہرطرح کی مراعات، لالچ اور فوائد کے باوجود اس نے کچھ بھی منظور نہ کیا، بس اتنا کہا کہ میں عبداللہ ہوں اور میں نے اللہ کو راضی کرنے کا عزم مصمم کرلیا ہے۔

آزمائش کا اگلا دور شروع ہوا...... حکومت کو معلوم ہوا کہ عبداللہ نے گانا گانے سے توبہ کرلی ہے۔ اس کی یہ مجال؟ اس کو بلایا گیا، پوچھا گیا، تنبیہ کی گئی، منع کیا گیا کہ یہ تمہارا فیصلہ نہایت نامعقول اور احمقانہ ہے۔

بعض نے کہا کہ چھوڑ دو، چند دن کی بات ہے، پھر خود ہی واپس آجائے گا۔ ازاں بعد

متعدد نام نہاد دانش وروں سے عبداللہ کا مناقشہ ومناظرہ ہوا تو انھیں معلوم ہوگیا کہ اب یہ وہ عبد اللہ نہیں رہا جس نے اٹھارہ برس فن کاری کی ہے۔ یہ وہ مشہور مغنی اور گلوکار نہیں کوئی اور عبداللہ ہے۔ان کو خوب معلوم ہوگیا تھا کہ اب عبداللہ گویّا نہیں بلکہ داعی الی اللہ ہے۔

اب طاغوتی قوتوں نے اپنا آخری حربہ استعمال کیا کہ شاید اس سے حق کی آواز پر بند باندھا جاسکے۔ چنانچہ عبداللہ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے پھینک دیا گیا کہ صرف اس 'جرم' میں کہ اس نے علی الاعلان یہ کہہ دیا تھا کہ میرا رب اللہ ہے۔اور اگر عبداللہ ان کی بات مان لیتا۔رقص وغنا اور راگ وساز کو اپنا مقصد حیات قرار دے لیتا تو اس کی عزت وتوقیر اور دولت وشہرت سب برقرار رہتے اور وہ اس کو کندھوں پر بٹھاتے۔

عبداللہ ایک مدت تک قید میں رہا۔اس دوران اس کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں کہ ترکِ غنا سے رجوع کرلے؛ مگر وہ اللہ کا بندہ اپنے عزائم پر ثابت قدم رہا۔جیل میں ایک مدت گزارنے کے بعد بھی اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی تو حکمران اس سے مایوس ہوگئے اور اس کا رہا کردیا۔

جیل سے نکلنے کے بعد معاشی حالات بہت پریشان کن ہوگئے ؛ مگر ان مشکل حالات ،اور کٹھن اوقات میں اس کی بیوی اس کا مکمل ساتھ دیتی رہی۔اس کا حوصلہ مزید بڑھاتی رہی کہ دنیا کے مال ومتاع بالکل ناپائیدار ہیں۔حقیقی طور پر امیر کون ہے؟ وہ نہیں جس کے پاس مال ودولت کے انبار ہوں بلکہ حقیقت میں امیر وہ ہے جس کا دل اَمیر ہے۔حقیقی قوت کیا ہے؟ عقیدہ وایمان کی قوت۔حقیقی خوشی ،سعادت اور خوش بختی کس چیز کا نام ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی اِطاعت، رحمت عالم ﷺ کی غلامی اور ان کی رضا میں ہے۔

۱۹۹۰ء میں عبداللہ نے اپنے وطن کو چھوڑنے کا اِرادہ کرلیا۔یوں بھی صومالیہ کے حالات خاصے خراب ہوچکے تھے، خانہ جنگی شروع ہوچکی تھی۔مختلف قبائل ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے اور قتل وغارت گری میں مبتلا تھے۔اور پھر وہ پہلی مرتبہ اس گھر کی زیارت کے لیے

آیا جس کی زیارت اور جس کے گرد چکر لگانے کی تڑپ دنیا کے ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے۔ وہ مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ نیک بخت بیوی بھی ہمراہ تھی۔ عمرہ اَدا کیا تو اس کے ایمان میں مزید اِضافہ ہوگیا۔ مکہ معظّمہ میں بعض اہل خیر کو معلوم ہوا، وہ اس سے پہلے ہی سے واقف تھے۔ تو انھوں نے عبداللہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اس کی تکریم کی، اس کی کفالت کی اور کچھ ہی عرصہ میں اس نے قرآن پاک کے دس پارے حفظ کر لیے۔

اس کے وطن عزیز میں خانہ جنگی عروج پر تھی۔ ان حالات میں اس نے ایک مصلح کا کردار اَدا کیا، وہ وطن واپس گیا۔ قبائل کے درمیان صلح کی کوشش کی، فساد کو ختم کرنے کے لیے اپنے اَثر ورسوخ اور شہرت کو استعمال کیا۔ اب وہ ایک مبلغ تھا۔ عقیدے کا، اسلام کا، اور قرآن وحدیث کا۔

پھر اس دوران اسے کئی مرتبہ عمرہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور بالآخر وہ وہیں بلد اللہ الحرام میں کسی مسجد کا موذن مقرر کردیا گیا۔

محترم قارئین! بلاشبہ ہدایت' اللہ ہی کی طرف سے ہے؛ مگر وہ اپنا نظامِ ہستی وسیلہ وسبب کے ذریعہ چلاتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ اس واقعے میں عبداللہ کی ہدایت کا سبب اس کی بیوی بنی، جس کی استقامت نے اسے صراطِ مستقیم پر چلنے پر مجبور کیا۔

سرورِ کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کتنا سچا ہے :

الدنيا متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة .(۱)

یعنی دنیا ایک پونجی (فائدہ اٹھانے کی چیز) ہے اور دنیا کی بہترین پونجی نیک بیوی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۳۸۲/۹ حدیث: ۳۷۱۶...... سنن نسائی: ۴۰۲/۱۰ حدیث: ۳۲۴۵...... مسند احمد بن حنبل: ۲۵۳/۱۴ حدیث: ۶۷۲۴...... شعب الایمان بیہقی: ۱۴۰/۱۰ حدیث: ۴۴۴۱...... صحیح ابن حبان: ۶۶/۱۷ حدیث: ۴۱۰۶...... مستخرج ابی عوانہ: ۲۴۷/۹ حدیث: ۳۶۵۴۔

نوجوانوں کو کیسا ہونا چاہیے!

حضرت سعید حربی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے: کچھ نوجوان ایسے ہیں کہ اپنی نوجوانی اور کم عمری کے باوجود اَدھیڑ عمر کے دکھائی دیتے ہیں، ان کی نظریں حرام کی طرف بھولے سے بھی نہیں اُٹھتیں، ان کے کان لہوولعب کی باتیں سننے سے ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں، ان کے قدم حرام وعبث اشیا کی طرف نہیں اُٹھتے بلکہ بہت زیادہ بوجھل ہو جاتے ہیں، ان کے پیٹ میں کبھی بھی حرام نوالہ نہیں جاتا، اور ایسے لوگ دراصل اللہ کے محبوب ہوتے ہیں۔

آدھی رات کو وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ جب وہ رکوع وسجود کرتے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان پر رحمت بھری نظر فرماتا ہے، ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ قرآن پاک پڑھتے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ جب کبھی وہ ایسی آیت سے گزرتے ہیں جس میں جنت کا ذکر ہو تو اس جنت کی طلب میں سسکیاں بھرنے لگتے ہیں اور جب ایسی آیت تلاوت کرتے ہیں جس میں جہنم کا تذکرہ ہو تو جہنم کے خوف سے چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ جہنم کی چنگھاڑ کو سن رہے ہیں اور آخرت بالکل ان کی نظروں کے سامنے ہے۔

یہ پاکیزہ نوجوان اتنی کثرت سے نمازیں پڑھتے ہیں کہ زمین ان کی پیشانیوں اور گھٹنوں کو کھا گئی ہے۔ شب بھر قیام کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے کی وجہ سے ان کے رنگ متغیر ہو گئے ہیں، یہ لوگ موت کی تیاری میں مشغول ہیں اور ان کی یہ تیاری کتنی عظیم ہے، اور ان کی کوششیں کتنی عمدہ ہیں، ساری ساری رات آہ وبکا کرتے گزار دیتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو لذتِ نیند سے دور رکھتے ہیں۔

ان کا دن اس حالت میں گزرتا ہے کہ یہ روزہ رکھتے ہیں اور آخرت کی فکر میں غلطاں وپیچاں نظر آتے ہیں۔ انھیں ہر وقت غم آخرت لاحق رہتا ہے۔ جب کبھی ان کے سامنے دنیا کا تذکرہ ہوتا ہے تو ان کی دنیا سے بے رغبتی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ دنیا کی حقیقت کو جانتے ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے۔ پھر جب ان کے سامنے آخرت کا تذکرہ ہوتا ہے تو آخرت کی

طرف انھیں مزید رغبت پیدا ہوتی ہے؛ کیوں کہ یہ جانتے ہیں کہ آخرت کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ دنیا ان کی نگاہوں میں بہت حقیر ہوتی ہے اور یہ اس سے شدید نفرت کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک دنیوی زندگی مصیبت کا گھر ہے؛ کیوں کہ اس میں فتنے ہی فتنے ہیں، اور راہِ خدا میں شہید ہونا ان کے لیے سرمایۂ افتخار ہوتا ہے؛ کیوں کہ انھیں اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ شہادت کے بعد راحت وآرام اور عیش وعشرت کی زندگی نصیب ہوگی۔ یہ کبھی ہنستے نظر نہیں آتے، یہ اپنے لیے نیک اعمال کا ذخیرہ اکٹھا کررہے ہیں؛ کیوں کہ انھیں آخرت کی ہولنا کیوں کا اندازہ ہے!۔

جہاد کا اِعلان سن کر یہ فوراً اپنے کجاوے درست کرتے ہیں اور اپنی سواریوں پر چڑھ کر میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں؛ گویا پہلے ہی سے انھوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لیے تیار کررکھا ہے۔ پھر جب صف بندی ہوتی ہے اور لشکر آپس میں ملتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ دشمنوں کی طرف سے نیزہ بازی شروع ہوگئی ہے، تیر برسنے لگے ہیں، تلواریں آپس میں ٹکرانے لگی ہیں، ہر طرف موت کی گرج سنائی دے رہی ہے اور لاشوں پر لاشیں گررہی ہیں تو یہ لوگ موت کی گرجتی ہوئی آواز سے نہیں ڈرتے بلکہ میدانِ کارزار میں بے دھڑک مردانہ وار کود پڑتے ہیں اور انھیں موت سے بالکل ڈر نہیں لگتا بلکہ انھیں تو اللہ رب العزت کے عذاب کا خوف دامن گیر رہتا ہے۔

یہ بے خوف وخطر دشمن پر جھپٹ پڑتے ہیں اور لڑتے لڑتے ان میں سے بعض کے سرتَن سے جدا ہوجاتے ہیں اور ان کے گھوڑے لشکروں میں گم ہوجاتے ہیں، ان کی لاشوں کو گھوڑوں کی سُموں سے روند دیا جاتا ہے، پھر جب جنگ ختم ہوجاتی ہے اور لشکر واپس چلے جاتے ہیں تو ان میں سے جن کی لاشیں میدانِ جنگ میں باقی رہ جاتی ہیں ان پر درندے اور آسمانی پرندے ٹوٹ پڑتے ہیں اور انھیں کھا جاتے ہیں، یہ عظیم لوگ بالآخر اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔

یہ لوگ خوش قسمت اور کامیاب ہیں؛ کیوں کہ انھوں نے عظیم سعادت حاصل کرلی ہے اور جیسے ہی ان کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے فوراً ان کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں، اور

ان کے جسم قبر میں پھٹنے اور گل سڑ جانے سے محفوظ ہیں۔ پھر جب بروزِ قیامت یہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تو بہت زیادہ مسرور ہوں گے اور اپنی تلواروں کو لہراتے ہوئے میدانِ حشر کی طرف جائیں گے، اور یہ اس حال میں وہاں پہنچیں گے کہ عذاب سے نجات پا چکے ہوں گے۔ انھیں حساب و کتاب کے سخت مرحلے سے بھی نہیں گزرنا پڑے گا اور بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

وہ جنتیں کتنی عظیم ہیں جہاں ان عظیم لوگوں کی مہمان نوازی ہوگی اور وہ نعمتیں کیسی دائمی اور عظیم ہیں جن کی طرف انھوں نے سبقت کی ہے۔ اب جنت میں ان پر نہ تو کوئی مصیبت نازل ہوگی، نہ ہی انھیں آفات و بلیات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ جنت میں اَمن وسکون کے ساتھ رہیں گے، پھر ان کا نکاح حورِعین سے کیا جائے گا (جو جنت کی سب سے حسین ترین حوریں ہیں) ان کی خدمت کے لیے ہر وقت خدام حاضر ہوں گے جو اُن کے بلانے سے پہلے ہی ان کے پاس پہنچ جائیں گے، وہاں کی نعمتیں ایسی دائمی نعمتیں ہوں گی کہ جو شخص ان کی معرفت حاصل کرلے وہ ہر وقت ان کی طلب میں سرگرم رہے۔

اے لوگو! اگر تم موت کو ہر وقت پیش نظر رکھو گے اور اپنی اصلی منزل (جنت) کو یاد رکھو گے تو پھر کبھی بھی تمھیں نیک اعمال میں سستی محسوس نہ ہوگی اور نہ ہی تم دنیا کے دھوکے میں پڑو گے۔(۱)

واقعہ تین بہادر بھائیوں کا

حضرت علی بن یزیدی علیہ الرحمہ کے والد گرامی فرماتے ہیں: ملک شام سے مجاہدین اسلام کا لشکر دین حق کی سربلندی کے مقدس جذبہ سے سرشار دلوں میں شہادت کا شوق لیے روم کے عیسائیوں سے جہاد کرنے روانہ ہوا۔ اس عظیم لشکر میں تین سگے بھائی بھی شامل تھے۔ تینوں شجاعت و بہادری، جنگی مہارت، حسن و جمال اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ جامِ شہادت نوش کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۲۱۵ تا ۲۱۷۔

لشکرِاسلام' کفار کی سرکوبی کے لیے منزلوں پر منزلیں طے کرتا روم کی سرحد کی جانب بڑھتا چلا جارہا تھا۔ ان تینوں بھائیوں کا انداز ہی نرالا تھا، وہ لشکر سے علاحدہ ہوکر چلتے، جب لشکر اسلام کسی جگہ قیام کرتا تو وہ لشکر سے کچھ دور قیام کرتے۔ اگر کہیں ان کے ہم پلہ یا ان سے زیادہ طاقتور دشمن نظر آجاتے تو یہ تین اَفراد پر مشتمل مختصر سا قافلہ آن کی آن میں انھیں ختم کر دیتا۔

جب مجاہدین کا لشکر رومی سرحد کے قریب پہنچ گیا تو اچانک مسلمانوں کے ایک دستے پر رومی سپاہیوں کے ایک دستے نے حملہ کر دیا۔ رومیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ اسلام کے جیالے اپنی جانوں سے بے فکر مجاہدانہ وار روم کی عیسائی فوج سے برسرِ پیکار تھے۔ مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ اچانک رومیوں نے مسلمانوں پر شدید حملہ کر دیا اور بہت سے مسلمان جامِ شہادت نوش کر گئے اور کچھ قید کر لیے گئے۔ جب ان تین بھائیوں کو یہ خبر ملی تو وہ تڑپ اُٹھے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: اب ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کو پہنچیں اور راہِ خدا میں جانوں کا نذرانہ پیش کریں۔

چنانچہ اِسلام کے یہ تینوں شیر' غیظ وغضب کی حالت میں میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں مسلمان بہت سختی کی حالت میں تھے۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا: اے ہمارے مسلمان بھائیو! اب تم نہ گھبراؤ، ہم تمہاری مدد کو پہنچ چکے ہیں۔ سب کے سب جمع ہو جاؤ اور ہمارے پیچھے پیچھے رہو۔ ان شاء اللہ ان رومی کتوں کے لیے ہم تینوں شیر ہی کافی ہیں۔

یہ سن کر مسلمانوں کا جذبہ بڑھا اور وہ ایک جگہ جمع ہونے شروع ہوگئے۔ ان تینوں بھائیوں نے آندھی وطوفان کی طرح رومیوں کی فوج پر حملہ کیا جس طرف جاتے لاشوں کے ڈھیر لگا دیتے، ان کی تلواروں اور نیزوں نے ایسے جنگی جوہر دکھائے کہ رومیوں کو اس معرکے میں منہ کی کھانی پڑی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور اپنے لشکر سے جا ملے۔

وہ رومی جو اس بات پر خوش ہو رہے تھے کہ آج ہم مسلمانوں پر غالب آجائیں گے جب ان پر اسلام کے بپھرے ہوئے ان شیروں نے حملہ کیا تو رومی' لومڑی کی طرح میدانِ جنگ سے بھاگ گئے۔ جب روم کے عیسائی بادشاہ کو یہ خبر ملی کہ اسلام کے تین شیروں نے جنگ کا پانسہ ہی

پلٹ دیا تو بادشاہ کو ان کی بہادری پر بڑا تعجب ہوا اور اس نے اعلان کر دیا: جو کوئی ان تینوں میں سے کسی کو گرفتار کر کے لائے گا میں اسے اپنے خاص عہدے داروں میں شامل کرلوں گا اور اسے گورنر بناؤں گا۔ جب رومیوں نے یہ اعلان سنا تو روم کے بڑے بڑے بہادروں نے ان تین نوجوانوں کو قید کرنے کا اِرادہ کیا اور بہت سے لوگ ان جاں نثاروں کو قید کرنے کے لیے میدانِ کارزار کی طرف نکل پڑے۔

دوسرے دن دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ یہ تینوں بھائی سب میں نمایاں تھے جس طرف رخ کرتے رومیوں کی شامت آجاتی۔ ان کی گردنیں تن سے جدا ہوکر زمین پر گر پڑتیں۔ جب لالچی رومیوں نے دیکھا کہ یہ تینوں نوجوان اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر مصروفِ جنگ ہیں تو بہت سے رومیوں نے مل کر پیچھے سے ان تینوں بھائیوں کو گھیرے میں لے لیا اور پھندا ڈال کر ان شیروں کو قید کر کے بادشاہِ روم کے دربار میں لے گئے۔ جب بادشاہ نے ان تینوں مجاہدوں کو دیکھا تو کہنے لگا: ان سے بڑھ کر نہ تو ہمارے لیے کوئی مالِ غنیمت ہے اور نہ ہی ان کی گرفتاری سے بڑھ کر کوئی فتح ہے۔

پھر ان تینوں مجاہدوں کو 'قسطنطنیہ' لے جایا گیا اور بادشاہ نے ان کو اپنے دربار میں بلا کر کہا: تمہاری بہادری قابلِ تعریف ہے؛ لیکن تم نے ہمارے خلاف جنگ کی جرأت کی؛ لٰہذا تمہاری سزا موت کے سوا کچھ نہیں۔ ہاں! اگر تم اپنے دین اسلام کو چھوڑ کر نصرانی ہوجاؤ تو ہم تمہاری جان بخشی کر دیں گے۔ تمہیں شاہی دربار میں اعلیٰ مقام دیا جائے گا اور میں اپنی شہزادیوں کی تم سے شادی کردوں گا، بس تم اپنا دین چھوڑ کر ہمارا مذہب قبول کرلو۔

بادشاہ کی یہ بات سن کر اسلام کے ان عظیم مجاہدوں نے بہت جرأت مندی کا مظاہرہ کیا اور بڑی بے خوفی اور بہادری سے جواب دیا: ہم اپنے دین کا قلادہ کبھی بھی اپنی گردن سے اُتارنے کے لیے تیار نہیں، اس دین کی خاطر سر کٹانا ہمارے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔ تم ہمارے ساتھ جو چاہے کرو ان شاءاللہ ہمارے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے گا۔

یہ کہہ کر تینوں بھائی بیک وقت شاہِ روم کے دربار میں کھڑے ہوکر اپنے پیارے نبی

تاجدارِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ بےکس پناہ میں اِستغاثہ کرتے ہوئے: یا محمداہ، یا محمداہ، یا محمداہ، کی صدائیں بلند کرنے لگے۔

جب بادشاہ نے یہ دیکھا تو پوچھا: یہ کیا کہہ رہے ہیں؟۔ لوگوں نے بتایا: یہ اپنے نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اِستغاثہ کررہے ہیں۔ اس بدبخت بادشاہ کو بہت غصہ آیا کہ انھیں اپنے نبی سے اتنی محبت ہے کہ اپنی جان کی پرواہ نہیں بلکہ ایسی حالت میں بھی ان کی توجہ اپنے نبی کی طرف ہے، پھر اس بدبخت نے ان مجاہدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: کان کھول کر سن لو، اگر تم نے میری بات نہیں مانی اور دینِ عیسوی قبول نہ کیا تو میں تمھیں ایسی دردناک سزا دوں گا جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ ابھی موقع ہے کہ تم میری پیشکش قبول کرلو اور خوب عیش وعشرت کی زندگی گزارو۔

اُن عاشقانِ مصطفٰے نے اپنی غیرتِ ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے بڑی بہادری سے جواب دیا: ہم ایسی عیش وعشرت بھری زندگی پر لعنت بھیجتے ہیں جو ہمیں اسلام کی عظیم دولت سے محروم کردے۔ تم لاکھ کوشش کرلو؛ لیکن ہمارے دلوں میں اسلام کی جو شمع روشن ہے تم اسے کبھی بھی بجھا نہیں سکتے، ہمارے دلوں میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو محبت ہے تم اسے ہمارے دلوں سے کبھی بھی نہیں نکال سکتے؛ اس لیے کان کھول کر سن لو کہ ہم کبھی بھی اللہ کی وحدانیت کے منکر نہیں ہوں گے، اور ہمیں اپنی جانوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے جلادوں کو حکم دیا کہ تین بڑے دیگوں میں تیل ڈال کر ان کے نیچے آگ جلادو، جب تیل خوب گرم ہوجائے اور کھولنے لگے تو مجھے اِطلاع کردینا۔ جلاد حکم پاتے ہی دوڑے اور تین دیگوں میں تیل ڈال کر ان کے نیچے آگ لگادی۔ مسلسل تین دن تک دیگیں آپ پر رکھی رہیں۔ ان مجاہدوں کو روزانہ نصرانیت کی دعوت دی جاتی اور لالچ دیا جاتا کہ تمھیں شاہی عہدہ بھی دیا جائے گا اور شاہی خاندان میں تمہاری شادی کرادی جائے گی؛ لیکن ان کے قدم بالکل نہ ڈگمگائے۔ چوتھے دن بادشاہ نے پھر انھیں لالچ اور دھمکی دی؛ لیکن وہ اپنے مذموم اِرادے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

اَب بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اُس نے سب سے بڑے بھائی کو مخاطب کر کے کہا: اگر تو نے میری بات نہ مانی تو تجھے اس کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دوں گا۔ مگر اس عاشق رسول، اور جرأت مند مجاہد پر بادشاہ کی دھمکی کا کچھ اَثر نہ ہوا۔ بادشاہ نے جلادوں کو حکم دیا کہ اسے ابلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا جائے۔ حکم پاتے ہی جلاد آگے بڑھے اور انھیں اس مردِ حق کو اُبلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ آن کی آن میں اس راہِ خدا کے عظیم مجاہد کا سارا گوشت جل گیا اور تیل میں اس کی ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ بظاہر تو یہ نظر آ رہا تھا کہ اس کا گوشت جل گیا لیکن درحقیقت اس مجاہد نے اس گرم تیل میں غوطہ لگایا اور جنت کی نہروں میں پہنچ گیا اور اسے دائمی حیات کی دولت نصیب ہوگئی اور اس کی جامِ شہادت نوش کرنے کی خواہش پوری ہوگئی۔

پھر بادشاہ نے اس سے چھوٹے بھائی کو بلایا اور اسے بھی لالچ اور دھمکی دیں اور کہا: اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تمہارا حشر بھی تمہارے بھائی جیسا ہی ہوگا۔ اس مردِ مجاہد نے جواب دیا: ہم تو کب سے جامِ شہادت نوش کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ ہمیں نہ تو دولت وشہرت چاہیے اور نہ ہی ملک وحکومت؛ بلکہ ہمارا مطلوب تو راہِ خدا میں جان دے دینا ہے، ہمیں موت تو بخوشی قبول ہے لیکن دین اسلام سے اِنحراف ناممکن!۔

بالآخر اس مجاہد نوجوان کی دلیرانہ گفتگو سن کر بادشاہ نے حکم دیا: اسے بھی اس کے بھائی کے پاس پہنچادو۔ حکم پاتے ہی جلاد آگے بڑھے اور اس عظیم مجاہد کو بھی اُبلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا اور اس کی روح بھی عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی، اس کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہوگیا؛ کیوں کہ اس کی جان رائیگاں نہ گئی بلکہ دین اسلام کی سربلندی اور اللہ کی رضا کی خاطر اس نے جامِ شہادت نوش کیا۔

بہرحال! جب بادشاہ نے ان مجاہدین کا صبر و اِستقلال، بے خوفی و جرأتمندی اور دین اِسلام پر اِستقامت دیکھی تو اسے اپنے اس فعل پر بڑی ندامت ہوئی اور کہنے لگا: مسلمانوں سے زیادہ بہادر اور عظیم قوم میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ پھر بادشاہ سب سے چھوٹے مجاہد کی طرف متوجہ ہوا جس کا چہرہ عبادت وریاضت کے نور سے چمک رہا تھا اور وہ بالکل وقار واِطمینان سے

کھڑا تھا۔ بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلایا، اسے خوب لالچ دیا اور ہر طرح کے حیلے اِستعمال کر لیے کہ کسی طرح یہ اپنے دین سے منحرف ہو جائے؛ لیکن بادشاہ کی کوئی تدبیر بھی اس نوجوان کے ایمان کو متزلزل نہ کرسکی۔

بادشاہ کو پھر غصہ آنے لگا وہ اس مجاہد کے خلاف بھی کچھ فیصلہ کرنے ہی والا تھا کہ ایک گورنر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: بادشاہِ سلامت! اگر میں اس نوجوان کو دین اسلام سے منحرف کردوں تو مجھے کیا انعام ملے گا؟۔ بادشاہ نے کہا: میں تمہیں مزید ترقی دے دوں گا اور تجھے خوب اِنعام واِکرام سے نوازا جائے گا؛ مگر یہ بتاؤ کہ تم اس نوجوان کو کس طرح بہکاؤ گے، جب یہ موت سے بھی نہیں ڈرتا تو پھر ایسی کون سی چیز ہے جو اس مجاہد کو اس کے دین سے پھسلا دے گی!۔

وہ بے غیرت گورنر بادشاہ کے قریب گیا اور سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگا: بادشاہِ سلامت! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یہ عرب لوگ حسین عورتوں کے بہت شیدائی ہوتے ہیں اور ان کی طرف بہت جلد مائل ہو جاتے ہیں۔ بادشاہِ سلامت! پورے روم میں کوئی لڑکی میری بیٹی سے زیادہ حسین نہیں، یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میری بیٹی کے حسن و جمال کے چرچے پورے روم میں ہو رہے ہیں۔ آپ اس نوجوان کو میرے حوالے کردیں میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گا، مجھے امید ہے کہ میری بیٹی اسے ضرور اپنے حسن و جمال کے ذریعہ گھائل کردے گی اور یہ اپنے دین سے ضرور منحرف ہو جائے گا۔

بادشاہ نے کہا: ٹھیک ہے، میں تمہیں چالیس دن کی مدت دیتا ہوں اگر تم اسے عیسائی بنانے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں اتنا بڑا انعام دیا جائے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے!۔ چنانچہ وہ گورنر جو ملک و دولت کی لالچ میں اپنی بیٹی کی عزت کا سودا کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا، اس عظیم نوجوان کو لے کر اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔ گھر جا کر گورنر نے اس نوجوان کو اپنے گھر کے سب سے اچھے کمرے میں رہایش دی اور اپنی بیٹی کو سارا واقعہ بتا دیا۔ اس کی بیٹی نے کہا: ابا جان! آپ بے فکر ہو جائیں، میں اس نوجوان کے لیے کافی ہوں، میں چند ہی دنوں میں اسے اپنے دامِ محبت کا اَسیر کرلوں گی۔

چنانچہ گورنر نے اپنی بیٹی کو اس نوجوان کے پاس بھیج دیا۔ وہ حسین دوشیزہ روزانہ اپنے حسن و جمال کا جال ڈال کر اس شرم وحیا کے پیکر عظیم مجاہد نوجوان کو پھنسانا چاہتی؛ لیکن صد ہزار آفرین اس نوجوان کی پاک دامنی اور شرم وحیا پر! اس نے کبھی بھی نظر اُٹھا کر اس فتنے باز ہوش ربا حسینہ کو نہ دیکھا، جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے روم کے ہزاروں رومیوں کی نگاہیں ترستی تھیں۔ بس یہ سب دین اِسلام کا فیضان، والدین کی تربیت اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ کرم تھی کہ اس کی نظریں ہر وقت حیا سے جھکی رہتیں۔

الغرض! اس لڑکی نے اِسلام کے اس مجاہد کو بہکانے کی خوب کوشش کی؛ لیکن وہ سارا دن نماز پڑھتا رہتا۔ اسی طرح پوری رات تلاوت کرتے کرتے اور قیام وسجود میں گزر جاتی۔ اس نوجوان نے کبھی بھی لڑکی کی طرف نہ دیکھا، بس ہر وقت یادِ الٰہی میں مگن رہتا۔ اسی طرح کافی دن گزر گئے۔ مقررہ مدت ختم ہونے والی تھی۔ بادشاہ نے اس گورنر کو بلوایا اور پوچھا: اس نوجوان کا کیا حال ہے؟ کیا اس نے دین اسلام چھوڑ دیا ہے؟ گورنر نے کہا: میں نے اپنی بیٹی کو اسی کام پر لگا رکھا ہے، میں اس سے معلوم کر لیتا ہوں کہ اسے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے!۔

گورنر اپنی بیٹی کے پاس آ کر پوچھتا ہے: بیٹی! اس نوجوان کا کیا حال ہے؟۔ لڑکی نے جواب دیا: ابا جان! یہ تو ہر وقت گم سُم رہتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شہر میں اس کے دو بھائیوں کو مار دیا گیا ہے، یہ ان کی یاد میں غمگین رہتا ہے اور میری طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو جائے کہ ہمیں اس شہر سے کسی دوسرے شہر میں منتقل کر دیا جائے اور بادشاہ سے مزید کچھ دنوں کی مہلت لے لی جائے، تو مجھے یقین ہے کہ نئے شہر میں جانے سے اس نوجوان کا غم' کم ہو جائے گا، پھر میں اسے ضرور اپنی طرف مائل کر لوں گی۔

اپنی بیٹی کی یہ بات سن کر وہ گورنر سیدھا بادشاہ کے پاس گیا اور اسے ساری صورتحال بتا کر مدت میں طوالت اور ان دونوں کے لیے کسی دوسرے شہر میں رہائش کے اِنتظام کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے دونوں باتیں منظور کر لیں۔ اور ان دونوں کو ایک دوسرے شہر میں بھیج دیا، اور کچھ دنوں کی مزید مہلت دے دی۔

اب ایک ہی کمرے میں ایک حسین وجمیل دوشیزہ اور یہ متقی وپرہیزگار نوجوان ایک ساتھ رہنے لگے۔ وہ لڑکی روزانہ نئے نئے انداز سے بناؤ سنگھار کرکے نوجوان پر اَثر انداز ہونے کی کوشش کرتی لیکن اللہ کے اس نیک بندے کو نماز وتلاوت ہی سے فرصت نہ ملتی کہ اس کی طرف متوجہ ہوتا، سارا دن عبادت میں گزر جاتا اور اس کی راتیں اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری اور نیاز مندی میں بیت جاتیں۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا، مقررہ مدت ختم ہونے میں صرف تین دن باقی رہ گئے تھے۔ اس لڑکی نے جب دیکھا کہ گناہ کے تمام تر مواقع میسر ہونے کے باوجود یہ عظیم نوجوان اپنے رب کے خوف سے اور اپنے دین اسلام کے اُحکام پر عمل کرنے کے لیے میری طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اور اپنے پروردگار کی محبت میں مگن رہتا ہے تو وہ لڑکی اس عظیم مجاہد سے بہت متاثر ہوئی اور دین اسلام کی عظمت اس کے دل میں بیٹھ گئی۔

چنانچہ ایک رات وہ اس نوجوان کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے شرم وحیا کے پیکر پاکدامن نوجوان! میں تمہاری عبادت وریاضت اور پاکدامنی سے بہت متاثر ہوئی ہوں اور اَب میں تمہارے دین سے محبت کرنے لگی ہوں کہ جس کی تعلیمات ہی ایسی ہیں کہ کسی غیر عورت کو نہ دیکھا جائے تو جس دین میں ایسے اچھے اچھے اُحکامات ہوں یقیناً وہی دین حق ہے۔ میں آج اور ابھی عیسائیت سے توبہ کرتی ہوں اور تمہارے دین میں داخل ہوتی ہوں۔ چنانچہ اس لڑکی نے سچے دل سے توبہ کیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئی۔

اب نوجوان نے اس لڑکی سے کہا: ہمیں اس ملک سے نکل جانا چاہیے؛ ورنہ جیسے ہی تمہارے اِسلام کی خبر بادشاہ کو پہنچے گی وہ تمہاری جان کا دشمن ہوجائے گا۔ کیا کوئی ایسا طریقہ ہے کہ ہم اس ملک سے دور چلے جائیں؟۔ اس لڑکی نے کہا: آپ بےفکر رہیں، میں آج رات ہی سارا اِنتظام کرلوں گی۔ آپ تیار رہیں، ہم آج رات ہی یہاں سے اسلامی ملک کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔

جب رات نے اپنے پَر پھیلائے تو نوجوان بالکل تیار تھا کیوں کہ آج رات اسے اپنے ملک کی طرف روانہ ہونا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی آئی اور کہنے لگی: جلدی کیجیے! باہر ہمارے لیے دو گھوڑے تیار ہیں، ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہے۔ نوجوان کے ترغیب دلانے پر گورنر کی اس لڑکی

نے جو مسلمان ہو چکی تھی اپنے آپ کو سر سے لے کر پاؤں تک چادر میں چھپایا اور نوجوان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اسلامی سرحد کی طرف بڑھنے لگے۔

وہ مجاہد آگے آگے یادِ الٰہی میں مصروف بڑی تیز رفتاری سے جانب منزل بڑھتا جا رہا تھا۔ پیچھے یہ نومسلم لڑکی تھی۔ چلتے چلتے جب کافی رات بیت گئی تو ایک مقام پر انھیں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ آواز سن کر وہ نومسلم لڑکی گھبرا گئی۔ اس نے سمجھا شاید دشمن ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں، وہ کہنے لگی: اے نیک سیرت نوجوان! اس پاک پروردگار کی بارگاہ میں دعا کرو جس پر ہم ایمان لائے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے دشمنوں سے چھٹکارا عطا فرما دے۔

ابھی لڑکی یہ بات کہہ ہی رہی تھی کہ چند شہسوار اُن کے قریب آ گئے۔ انھیں دیکھ کر یہ دونوں بہت حیران ہوئے؛ کیوں کہ آنے والے شہسوار اس نوجوان کے بھائی تھے اور ان کے ساتھ چند اور نورانی چہروں والے شہسوار بھی تھے۔ جب نوجوان نے اپنے بھائیوں کو دیکھا تو فرطِ محبت سے ان کی طرف لپکا، انھیں سلام کیا اور پوچھا: اے میرے بھائیو! تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟۔

انھوں نے جواب دیا: جب ہمیں اُبلتے ہوئے تیل میں غوطہ دیا گیا تو ہم سیدھے جنت الفردوس میں جا کر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنا قربِ خاص عطا فرمایا۔ اب ہمیں حکم ملا ہے اور ہمارے ساتھ فرشتوں کی جماعت آئی ہوئی ہے کہ اس نومسلم کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیں۔ چنانچہ فرشتوں کی نورانی بارات کی موجودگی میں اس عظیم نوجوان اور خوش قسمت نومسلم لڑکی کا نکاح کر دیا گیا۔ پھر وہ دونوں بھائی ملائکہ کی جماعت کے ساتھ ایک سمت روانہ ہو گئے۔

دولہا اور دلہن حسرت بھری نگاہوں سے اس نورانی قافلے کو دیکھتے رہے۔ جب یہ قافلہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو انھوں نے ملک شام کی طرف کوچ کیا۔ ملک شام پہنچ کر انھوں نے وہیں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ لوگوں میں ان کا واقعہ بہت مشہور ہو چکا تھا، اور پورے شام میں اس نوجوان کی پاکدامنی، اس کے بھائیوں کی شجاعت و بہادری، اس نیک سیرت نومسلم لڑکی کی قربانی اور اس کے دین اسلام سے محبت کے چرچے ہونے لگے اور آج تک ان کا واقعہ لوگوں میں مشہور ہے۔(۱)

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۳۷۷ تا ۳۸۰۔

کمسن عارف باللہ

حضرت شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ جب سے حج بیت اللہ سے لوٹے تھے ان کا عالم ہی عجیب تھا، ملاقات کرنے والے ان کی قربت میں ایک کشش اور روحانی لذت پاتے تھے۔ خاص طور سے ان کے ہاتھوں کی خوشبو سے لوگ دیر تک محظوظ ہوتے رہتے تھے۔ وہ ایسی پاکیزہ، لطیف اور دلنواز خوشبو تھی جس کے نام اور ندرت سے عطار بھی ناواقف تھے۔ عطر گلاب، خس، کیوڑہ، اور مجموعہ ان کے ہاتھ کی خوشبو دریافت شدہ تمام عطریات سے ممتاز تھی، ہر مصافحہ کرنے والا ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر الگ کرتا تو اس جاں افروز خوشبو کو دیر تک محسوس کرتا۔

ایک روز لوگوں نے دریافت کیا کہ شیخ ابراہیم! آپ کے دست مبارک میں یہ غیر معمولی خوشبو کہاں سے آئی، اس کا راز کیا ہے؟۔ آپ نے فرمایا: ہوا یہ کہ سفر حج کے دوران وسطِ حجاز میں میں اپنے قافلہ سے بچھڑ گیا۔ میں سو رہا تھا، میری آنکھ جب کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ قافلہ جا چکا ہے۔ صحرائی علاقہ اور تیز لو کا موسم، گرم گرم ہوا چلنے لگی، میں وہاں تنہا سخت پریشان۔ نہ کوئی آبادی تھی، نہ انسان۔ لو کی تپش الگ جھلسا رہی تھی۔

اتنے میں مجھے ایک لڑکا نظر آیا، میں جلدی سے اس کی طرف لپکا یہ سوچ کر کہ کہیں یہ بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے، وہ ایسا حسین تھا جیسے چودھویں کا چاند یا دوپہر کا دمکتا سورج۔ قریب جا کر میں نے اسے سلام کیا۔

لڑکا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا ابراہیم۔

شیخ ابراہیم: سبحان اللہ! تم میرا نام بھی جانتے ہو، کوئی سابقہ دید وشنید تو مجھے معلوم نہیں، تم نے مجھے پہچانا کیسے؟۔

لڑکا: اے شیخ! میں نے جب سے پہچانا بھولا نہیں، اور جب سے ملا جدا نہیں ہوا۔

شیخ ابراہیم: تم اس شدید گرمی کے موسم میں بیابان کے اندر کیسے قیام پذیر ہو؟۔

لڑکا: میں نے اس کے علاوہ کسی سے دوستی نہیں کی، اور نہ کسی کی رفاقت اختیار کی اور سب سے کٹ

کراسی کی طرف جارہاہوں۔بس اسی کے معبود ہونے کا اقرار ہے۔

شیخ ابراہیم: کہاں سے کھاتے پیتے ہو؟۔

لڑکا: میرا محبوب میرا ضامن ہے۔

شیخ ابراہیم: بخدا مجھے اس تیز لو، اور شدت گرمی کے باعث تیری جان کے تلف ہونے کا خوف ہے۔

لڑکا یہ بات سن کر رونے لگا اور کچھ اشعار پڑھنے لگا، جن کا منظوم مفہوم یہ ہے :

مجھ کو ناصح نہ ڈرا راہ کی کٹھنائی سے — میں ہوں بے خوف مجھے یار کے گھر جانا ہے

عشق تڑپاتا ہے شوق حوصلہ اُکساتا ہے — دوست اللہ کا انسانوں سے بیگانہ ہے

بھوک لگتی ہے تو کر لیتا ہوں اس سے سیری — ذکر پانی ہے مرا، شکر میرا دانہ ہے

دہر میں کچھ بھی نہیں اس کی عنایت کے سوا — وہی ساقی وہی ساغر وہی میخانہ ہے

قوتِ عشق مری دیکھ! مرا جسم نہ دیکھ — ناصحا! لگتا ہے تو عشق سے بیگانہ ہے

عشق ہی کوہ کن و عشق ہی طوفاں بردار — عشق سے شوق بکف دشت ہے ویرانہ ہے

بے پروبال اُڑا کر مجھے لے جائے گا — جس کو میں جان گیا جس نے مجھے جانا ہے

شیخ ابراہیم: میں تجھے خدائے ذوالجلال کی قسم دیتا ہوں مجھے اپنی عمر صحیح صحیح بتا؟۔

لڑکا: بخدا میری عمر بارہ سال ہے، بھلا آپ میری عمر کیوں دریافت کررہے ہیں؟۔

شیخ ابراہیم: تیری باتوں نے مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

لڑکا: اللہ تعالیٰ کا بیحد شکر و احسان ہے کہ اس نے مجھے بہت سے ایمان والوں پر فضیلت بخشی۔

شیخ ابراہیم کہتے ہیں میں اس بارہ سالہ عارفِ ربانی کی شیریں کلامی میں کھو گیا اور رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے لگا جس نے اس کمسنی میں پھول جیسے لڑکے کے دل کو اپنی محبت اور عرفان کا گہوارہ بنا دیا۔

میری مناجات سن کر لڑکے نے چند ثانیے کے لیے اپنا سر جھکایا پھر سر اُٹھا کر مجھے تیکھی نظروں سے دیکھا اور گویا ہوا :

اے شیخ! حقیقتاً جدا وہ ہے جسے دوست ترک کردے، اور واصل وہ ہے جو اس کا اطاعت گزار رہے؛ مگر آپ تو صرف قافلہ حجاج سے جدا ہوئے ہیں۔

شیخ ابراہیم: صاحبزادہ تو نے بالکل سچ کہا۔ میں ایسا ہی ہوں، میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر دعا کرنے کی درخواست کرتا ہوں؛ تاکہ میں اپنے قافلہ سے جاملوں۔

لڑکے نے آسمان کی جانب نگاہ اُٹھا کر زیرلب کچھ پڑھا (شیخ ابراہیم کہتے ہیں) اچانک مجھ پر غنودگی طاری ہوئی، اور مجھے ہوش اس وقت آیا جب میرے قافلہ کے ساتھی نے مجھے مخاطب کر کے کہا: شیخ ابراہیم! سواری پر سنبھل کر بیٹھو کہیں گر نہ جانا مجھے معلوم نہیں وہ لڑکا آسمان کی جانب پرواز کر گیا یا کہاں چلا گیا؛ مگر میں اپنے قافلے میں پہنچ چکا تھا، یہ سب کیسے ہوا خود میرے لیے باعث تعجب ہے؟۔

ہمارا قافلۂ مکہ معظّمہ میں داخل ہوا تو ایک دن خانۂ کعبہ کے قریب میری نگاہ ایک لڑکے پر پڑی جو دیوانہ وار طوافِ حرم کر رہا تھا اور غلافِ بیت اللہ شریف سے لپٹ کر رو رہا تھا، میں نے پہچان لیا یہ وہی لڑکا ہے، میرے قریب پہنچتے پہنچتے اس نے غلافِ کعبہ کو چھوڑ کر سر سجدہ میں رکھ دیا۔ میں نے اس کے سر اٹھانے کا انتظار کیا مگر اس نے سر نہیں اٹھایا، بہت دیر بعد میں نے اس کے بدن کو جنبش دی تو وہ بے جان تھا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں لڑکے کا جنازہ وہیں چھوڑ کر اپنی قیام گاہ گیا، کفن دفن کا انتظام کرنے کے لیے کچھ کپڑے وغیرہ لیے اور واپس حرم شریف میں آیا تو وہاں اسے نہیں پایا۔ لوگوں سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی کوئی خبر نہیں دی گویا میرے سوا کسی نے اس لڑکے کو زندہ یا مردہ دیکھا ہی نہیں، اور مصلحت خداوندی کے تحت اس کے اَحوال لوگوں سے پوشیدہ رہے۔ مجھے اس واقعہ نے بہت فکر مند کر دیا۔

اسی رات کی بات ہے کہ میں نے خواب میں لڑکے کو دیکھا جو ایک عظیم جلوس کے آگے آگے چل رہا ہے۔ ایک نورانی بیش قیمت عبا زیب تن کیے ہوئے ہے۔ میں نے پوچھا کیا میں وہی نہیں جس کی تم سے ملاقات ہوئی تھی؟۔

لڑکا: آپ بے شک وہی ہیں!۔

شیخ ابراہیم: کیا تمہارا اِنتقال نہیں ہو چکا؟۔

لڑکا: بے شک میں وفات پا چکا ہوں۔

شیخ ابراہیم: تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے کفن دفن اور نماز جنازہ کی فکر میں میں کتنا پریشان ہوا؟۔

لڑکا: شیخ ابراہیم! میری تجہیز و تکفین اس ذات نے کی جس نے مجھے میرے شہر سے نکالا، اپنی محبت کا شیدا بنایا۔ مجھے میرے گھر والوں سے الگ کر کے مسافرت بخشی۔ تو میری تمام حاجتوں کا تا حیات وہی کفیل رہا۔

شیخ ابراہیم: اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ رب تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟۔

لڑکا: مجھے اپنے حضور کھڑا کیا، اور پوچھا: تیری مراد کیا ہے؟۔ میں نے عرض کیا مولا! تو ہی میری منزل اور تو ہی میرا مقصود ہے۔ تیرے سوا میری اور کوئی مراد نہیں، ارشاد فرمایا: تو میرا مخلص بندہ ہے۔ تیرا اِنعام یہ ہے کہ جس کا تو طالب ہے وہ تجھ سے پوشیدہ نہ رہے۔ میں نے عرض کیا: بارِ الٰہا! میرے اہل زمانہ کے حق میں میری سفارش قبول کر، تو رب تعالیٰ نے میری یہ التجا قبول فرمالی۔

شیخ ابراہیم فرماتے ہیں اسی عالم خواب میں لڑکے نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں جب نیند سے بیدار ہوا تو میرے ہاتھوں میں اس عارفِ کامل لڑکے سے مصافحہ کی یہ برکت باقی رہ گئی کہ ان سے دلنواز خوشبو نکلتی ہے۔

امام ابومحمد عبداللہ بن اسعد یمنی یافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابراہیم کے ہاتھوں میں وہ خوشبو تا حیات باقی رہی اور اُن سے مصافحہ کرنے والے کمسن عارف کے فیضانِ عشق سے متمتع ہوتے رہے۔(۱)

(۱) روض الریاحین: ۱۰۷ تا ۱۱۰ بحوالہ بزم اولیا: ۱۸۲ تا ۱۸۶۔

گنہ گار جب پرہیز گار بن گیا

حضرت ابو ہاشم الصوفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بصرہ جانے کا اِرادہ کیا اور ایک ساحل پر آیا تا کہ کسی کشتی میں سوار ہو کر جانب منزل روانہ ہو جاؤں۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ کشتی موجود ہے، اور اس میں ایک لونڈی اور اس مالک سوار ہے۔ میں نے بھی کشتی میں سوار ہونا چاہا تو لونڈی کے مالک نے کہا: اس کشتی میں ہمارے علاوہ کسی اور کے لیے جگہ نہیں، ہم نے یہ ساری کشتی کرایہ پر لے لی ہے؛ لہٰذا تم کسی اور کشتی میں بیٹھ جاؤ۔

لونڈی نے جب یہ بات سنی تو اس نے اپنے آقا سے کہا: اس مسکین کو بٹھا لیجیے۔ چنانچہ اس لونڈی کے مالک نے مجھے بیٹھنے کی اِجازت دے دی اور کشتی جھومتی ہوئی بصرہ کی جانب سطح سمندر پر چلنے لگی۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ میں ان دونوں سے الگ تھلگ ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں خوش گپیوں میں مشغول خوشگوار موسم سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔

پھر مالک نے کھانا منگوایا اور دستر خوان بچھا دیا گیا۔ جب وہ دونوں کھانے کے لیے بیٹھے تو انھوں نے مجھے آواز دی: اے مسکین! تم بھی آجاؤ اور ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ مجھے بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی تھی اور میرے پاس کھانے کو کچھ تھا بھی نہیں؛ چنانچہ میں ان کی دعوت پر ان کے ساتھ کھانے لگا۔

جب ہم کھانا کھا چکے تو اس شخص نے اپنی لونڈی سے کہا: اب ہمیں شراب پلاؤ۔ لونڈی نے فوراً شراب کا جام پیش کیا، اور وہ شخص شراب پینے لگا، پھر اس نے حکم دیا کہ اس مسکین کو بھی شراب پلاؤ۔ میں نے کہا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے، میں تمہارا مہمان ہوں اور تمہارے ساتھ کھانا کھا چکا ہوں، اب میں شراب ہرگز نہیں پیوں گا۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی!۔

پھر جب وہ شراب کے نشے میں مست ہو گیا تو لونڈی سے کہا: سارنگی لاؤ اور ہمیں گانا سناؤ۔ لونڈی ساز لے کر آئی اور اپنی پرکشش آواز میں گانے لگی۔ اس کا مالک گانے سنتا رہا اور جھومتا رہا۔ لونڈی بھی سارنگی بجاتی رہی اور اپنے مالک کا دل خوش کرتی رہی۔

یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا، وہ دونوں اپنی ان رنگینیوں میں بدمست تھے اور میں اپنے رب کے ذکر میں مشغول رہا۔ جب کافی دیر گزر گئی اور اس کا نشہ کچھ کم ہوا تو وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: کیا تو نے پہلے کبھی اس سے اچھا گانا سنا ہے؟ دیکھو، کتنے پیارے انداز میں اس حسینہ نے گانا گایا ہے!، کیا تم بھی ایسا گا سکتے ہو؟۔

میں نے کہا: میں ایک ایسا کلام آپ کو سنا سکتا ہوں جس کے مقابلے میں یہ گانا کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ اس نے حیران ہو کر کہا: کیا گانوں سے بہتر بھی کوئی کلام ہو سکتا ہے!۔ میں نے کہا: ہاں! اس سے بہت بہتر کلام ہے۔ اس نے کہا: اگر تمہارا دعویٰ درست ہے تو سناؤ، ذرا ہم بھی تو سنیں کہ گانوں سے بہتر کیا چیز ہے؟ تو میں نے سورۂ تکویر کی تلاوت شروع کر دی :

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ، وَ اِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ، وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ٥ (سورۂ تکویر:۸۱/۱تا۳)

جب سورج لپیٹ کر بے نور کر دیا جائے گا۔ اور جب ستارے (اپنی کہکشاؤں سے) گر پڑیں گے۔ اور جب پہاڑ (غبار بنا کر فضا میں) چلا دیے جائیں گے۔

میں تلاوت کرتا جا رہا تھا اور اس کی حالت تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ بڑی توجہ و عاجزی کے ساتھ وہ کلامِ الٰہی کو سنتا رہا۔ ایسا لگتا تھا کہ کلامِ الٰہی کی تجلیاں اس کے سیاہ دل کو منور کر چکی ہیں اور یہ کلام تاثیر کا تیر بن کر اس کے دل میں اُتر چکا ہے، اب اسے عشقِ حقیقی کی لذت سے آشنائی ہوتی جا رہی تھی۔ تلاوت کرتے ہوئے جب میں اس آیت پر پہنچا :

وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ٥ (سورۂ تکویر:۸۱/۱۰)

اور جب اَعمال نامے کھول دیے جائیں گے۔

تو اس نے اپنی لونڈی سے کہا: جا! میں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی خاطر آزاد کیا۔ پھر اس نے اپنے سامنے رکھے ہوئے شراب کے سارے برتن سمندر میں انڈیل دیے۔ سارنگی، باجا، اور آلاتِ لہو و لعب سب توڑ ڈالے، پھر وہ بڑے مودبانہ انداز میں میرے قریب آیا اور مجھے سینے

سے لگا کر ہچکیاں لے لے کر رونے لگا اور پوچھنے لگا: اے میرے بھائی! میں بہت گنہ گار ہوں، میں نے ساری زندگی گناہوں میں گزار دی، اگر میں اب توبہ کروں تو کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے گا؟۔

میں نے اسے بڑی محبت دی اور کہا: بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے۔ وہ توبہ کرنے والوں سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کوئی مایوس نہیں لوٹتا، تم اس سے توبہ کرو، وہ ضرور قبول فرمائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ (سورۂ بقرہ:۲/۲۲۲)

بیشک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

چنانچہ اس شخص نے میرے سامنے اپنے تمام سابقہ گناہوں سے توبہ کی اور خوب رو رو کر معافی مانگتا رہا۔ پھر ہم بصرہ پہنچے اور دونوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے دوستی کرلی۔ چالیس سال تک ہم بھائیوں کی طرح رہے۔ چالیس سال کے بعد اس مردِ صالح کا اِنتقال ہوگیا۔ مجھے اس کا بہت غم ہوا، پھر ایک رات میں نے اسے خواب میں دیکھا تو پوچھا: اے میرے بھائی! دنیا سے جانے کے بعد تمہارا کیا بنا؟ اور تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے؟۔ اس نے بڑی دل رُبا اور شیریں آواز میں جواب دیا :

دنیا سے نکلنے کے بعد مجھے میرے رب ذوالجلال نے جنت میں جگہ عطا فرمادی۔ میں نے پوچھا: اے میرے بھائی! تمہیں جنت کس عمل کی وجہ سے ملی؟ اس نے جواب دیا: جب آپ نے مجھے یہ آیت سنائی تھی :

وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ (سورۂ تکویر:۸۱/۱۰)

اور جب اعمال نامے کھول دیے جائیں گے۔

تو اُسی آیت کی برکت سے میری زندگی میں اِنقلاب آگیا تھا۔ بس اسی وجہ سے میری مغفرت ہوگئی اور مجھے جنت عطا کردی گئی۔(۱)

---

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:۱/۳۰۵ تا ۳۰۷......درۃ الناصحین:۲۱۶ تا ۲۱۷۔

ہاں، مولا اَب وقت آ گیا ہے!

حضرت جعفر بن حرب پہلے پہل بہت مالدار شخص تھے اور اسی کے بل بوتے پر بادشاہ کے وزیر بھی بن گئے اور لوگوں پر ظلم وستم ڈھانا شروع کر دیا۔ ایک دن آپ نے کسی کو یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے سنا :

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ٥ (سورۂ حدید:۱۶)

کیا ایمان والوں کے لیے (ابھی) وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لیے رِقت کے ساتھ جھک جائیں۔

یہ سن کر آپ نے چیخ ماری اور کہا: اے میرے پروردگار! کیوں نہیں!۔ آپ بار بار یہی کہتے جاتے اور روتے جاتے۔ پھر اپنی سواری سے اُتر کر اپنے کپڑے اُتارے اور دریائے دجلہ میں چھپ گئے۔

ایک شخص جو آپ کے حالات سے واقف تھا، دریائے دجلہ کے قریب سے گزرا تو آپ کو پانی میں کھڑے ہوئے پایا؛ چنانچہ اس نے آپ کو ایک قمیص اور تہبند بھجوایا۔ آپ نے ان کپڑوں سے اپنا بدن ڈھانپا اور پانی سے باہر نکل آئے۔ لوگوں سے ظلماً لیا گیا مال واپس کر دیا اور بچ رہنے والا مال صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد آپ تحصیل علم اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے؛ اور اسی حالت میں اپنے مالک و مولیٰ سے جا ملے۔(۱)

جسے لذتِ مناجات مل گئی ہو

حضرت ضحاک بن مزاحم علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ ایک رات میں مسجد کی طرف چلا۔ جب مسجد کے قریب پہنچا تو ایک نوجوان کو سجدے میں گرا ہوا پایا۔ وہ ساری دنیا سے کٹ کر

(۱) کتاب التوابین:۱۶۳، ۱۶۴۔

یادِ مولا میں زاروقطار رورہا تھا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر فوراً میں سمجھ گیا کہ ہونہ ہو یہ کوئی اللہ والا معلوم ہورہا ہے۔ میں اس نوجوان کے قریب گیا تا کہ سن سکوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؛ چنانچہ میں نے اسے یہ اشعار گنگناتے ہوئے پایا :

علیک یاذاالجلال معمدي ☆ طوبیٰ لمن کنت أنت مولاہ

طوبیٰ لمن بات خائفا وجلا ☆ یشکوالی ذی الجلال بلواہ

و بــــه عــلــة و لا سقم ☆ اکـثر مـــن حـبـه لمـولاہ

إذاخلا فی ظلام اللیل مبتھلا ☆ أجـــــابـــه اللّٰه ثـم نبــاہ

ومـــن ینل ذا من الإلٰه فقط ☆ فـــاز بــقـرب تقـر عیناہ

یعنی اے رب ذوالجلال! میرا اِعتماد و بھروسہ تجھ ہی پر ہے۔ بڑا خوش بخت ہے وہ شخص جس کا تو مددگار ہے۔

خوش خبری ہے اس کے لیے جو خوفِ خدا میں رات گزارتا ہے۔ اور اپنی آفات وبلیات کی فریاد اسی بارگاہِ ذوالجلال میں پیش کرتا ہے۔

اسے کوئی بیماری یا تکلیف اپنے مولاعزوجل کی محبت سے بڑھ کر نہیں ہے۔

جب رات کے اندھیرے میں تنہا عاجزی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی (دعاومناجات) سنتا اور قبول فرماتا ہے۔

اور جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ سعادت ارزانی ہوگئی، تو سمجھو وہ ایسا قرب پالینے میں کامیاب ہوگیا جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی۔

حضرت ضحاک بن مزاحم فرماتے ہیں کہ وہ مسلسل ان اشعار کی تکرار کر کے روئے جارہا تھا۔ اس کی گریہ وزاری پر ترس کھا کر میری آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ اسی اثنا میں میرے سامنے نظریں اُچک لینے والی کڑک دار بجلی جیسی روشنی چمکی تو میں نے فوراً اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ پھر میں نے اپنے سر پر ایک منادی کو یہ ندا دیتے ہوئے سنا جو انسانوں کے کلام کے مشابہ نہ تھی۔

لبیک عبدي وأنت في کنفي ☆ و کل مــا قـلـت قـد قبلناہ

صوتک تشتاقه ملائكتي ☆ وحسبک الصوت قد سمعناه

إن هبت الريح من جوانبه ☆ خــر صريعا لمـا تغشاه

ذاک عبدي يجول إلى حجبي ☆ و ذنبک اليوم قد غفرناه

یعنی اے میرے بندے! میں موجود ہوں اور تو میرے حفظ واَمان میں ہے۔ اور تو نے جو بھی دعا کی ہے ہم نے اسے قبول کرلیا ہے۔

میرے فرشتے تیری آواز سننے کا اِشتیاق رکھتے ہیں، اور تجھے یہ صدا (اور اعزاز) کافی ہے کہ ہم نے اسے سن لیا ہے۔

اگر اس صدا کے گرداگرد ہوا چل پڑے تو اس میں پچھاڑنے والے کی طرح آواز پیدا ہوجائے؛ کیوں کہ تو نے (اس صدا میں ایسی ہی کیفیت چھپارکھی ہے)۔

اور سنو! میرا یہ بندہ میرے قرب کے پردوں میں رہتا ہے، اور آج ہم نے تیرا گناہ معاف کردیا ہے۔

حضرت ضحاک بن مزاحم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہا: رب کعبہ کی قسم! یہ تو حبیب کی اپنے حبیب سے مناجات ہے۔ پھر میں اس کی ہیبت سے غش کھا کر اوندھے منہ گر پڑا۔ جب اِفاقہ ہوا تو میں فضا میں فرشتوں کے اُترنے کی آواز سن رہا تھا اور مجھے زمین وآسمان کے درمیان ان کے پَروں کی پھڑ پھڑاہٹ محسوس ہورہی تھی۔

میں نے سمجھا کہ شاید آج آسمان، زمین کے قریب ہوگیا ہے اور اس وقت میں نے ایسا نور دیکھا جو چاند پر غالب آچکا تھا؛ حالاں کہ وہ تیز روشنی والی ایک چاندنی رات تھی۔ پھر میں اس نوجوان کے قریب ہوا، اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ تو میں نے اس سے پوچھا: اللہ آپ کی سعادتوں میں اِضافہ فرمائے اور تم پر اپنی رحمت وبرکت اُتارے، یہ بتاؤ کہ تم ہو کون؟۔ اس نے جواب دیا: میں راشد بن سلیمان ہوں۔

تو پھر میں نے اسے پہچان لیا؛ کیوں کہ اس کے بارے میں میں پہلے بہت کچھ سن چکا تھا۔ میں نے کہا: اللہ آپ کو سلامت رکھے، کیا آپ مجھے اپنی صحبت میں رہنے کی اِجازت دیتے ہیں

تا کہ میں آپ سے کچھ انس حاصل کرسکوں؟۔

یہ سن کر اس نے کہا: افسوس! ہائے افسوس! جو اپنے رب ذوالجلال کی مناجات کی لذت پا چکا ہے، وہ مخلوق سے کیا اُنس حاصل کرے گا۔ پھر وہ مجھے تنہا چھوڑ کر چلا گیا۔(۱)

شانِ درویش

شیخ ابومحمد حریری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: شہباز میرے دروازے پر آیا؛ لیکن میں اسے دام میں نہ لا سکا۔ پھر اس کے بعد چالیس سال ہو گئے، اس انتظار میں ہوں کہ وہ یا اس جیسا کوئی دوسرا شہباز میسر آئے؛ مگر اب تک نامراد ہوں۔

لوگوں نے شیخ سے اس بات کی توضیح چاہی تو فرمایا: میرے مہمان خانے میں ایک بار عصر کی نماز کے بعد ایک جوان شخص آیا۔ اس کا رنگ زرد، بال بکھرے ہوے، ننگے سر، پاؤں برہنہ تھے۔ وضو کر کے نماز ادا کی، اور مغرب کے وقت تک گریبان میں سر ڈالے بیٹھا رہا۔

اس روز خلیفہ کے دربار میں ہم لوگوں کی دعوت تھی۔ وہاں سے ایک بلانے والا آ گیا۔ میں نے اس جوان سے کہا کہ جماعت کے ہمراہ تم بھی خلیفہ کی دعوت پر چلو۔ اس نے گریبان سے سر نکال کر جواب دیا۔ میرے پاس خلیفہ کے دربار تک جانے کا دل نہیں اور اپنی اشتہا کا اظہار کیا کہ اس وقت میرا گرم حلوہ کھانے کو جی چاہتا ہے اس نے چونکہ جماعت کی معیت سے انکار کیا؛ اس لیے میں نے بھی اس کی بات پر توجہ نہیں دی، اور خیال کیا کہ ابھی راہِ سلوک میں یہ جلدی داخل ہوا ہے اَدب نہیں جانتا پھر میں دعوت میں چلا گیا۔

رات کے پچھلے پہر وہاں سے واپسی ہوئی۔ مہمان خانہ میں میں نے اس نوجوان کو اسی حالت میں سر بگریباں دیکھا۔ میں نے بھی کچھ دیر مصلے پر ذکر و فکر کیا۔ پھر مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ بہت سے حضرات کا اجتماع ہے۔ ایک شخص مجھے بتا رہا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جملہ انبیا علیہم السلام کے درمیان۔

(۱) بحر الدموع ابن الجوزی، مترجم: ۱۶۔

میں نے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سلام عرض کیا؛ مگر آپ نے مجھ سے روے انور پھیر لیا۔ میں نے پھر دوسری جانب سے جا کر سلام کیا؛ مگر آپ نے توجہ نہیں فرمائی اور نہ سلام کا جواب دیا۔ میں نہایت پریشان ہوا، اورعرض کیا: یارسول اللہ! مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی کہ حضور روے انور پھیر لیتے ہیں۔ فرمایا:

ہماری اُمت کے ایک درویش نے تم سے اپنی ایک خواہش کا اظہار کیا اور تم نے اس کی تکمیل میں لاپرواہی کی۔

یہ سن کر میری غنودگی ختم ہوگئی۔ (میں بیدار ہوگیا) مجھ پر ہیبت طاری تھی۔ فوراً اس فقیر کے پاس گیا؛ مگر وہاں وہ نہیں ملا۔ میں نے دروازہ کھلنے کی آہٹ سنی۔ اس کی تلاش میں باہر پہنچا، تو اسے نکل کر جاتے دیکھا۔ میں نے آواز دی۔ اے نوجوان! میری بات سنو، جو کچھ تم طلب کرتے تھے میں ابھی حاضر کرتا ہوں۔

اس نے مڑ کر جواب دیا: فقیر نے تم سے ایک شے طلب کی تو تو نے نہیں دی۔ اب ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کی سفارش ہوئی تو تم اس کے لیے تیار ہو۔ مجھے اَب حاجت نہیں، یہ کہا اور مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔(۱)

اُس کی پلکیں ہمیشہ بھیگی رہتیں

حضرت ابو ماجد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں صوفیہ سے بہت محبت رکھتا تھا، اور میرے دل میں ان کے لیے بہت عقیدت و احترام تھا۔ ایک دن میں ان کے پیچھے پیچھے ایک عالم کی مجلس میں پہنچا تو میں نے اس مجلس میں ایک نوجوان کو دیکھا جس کی زیارت کرنے کے لیے لوگ بے تاب تھے۔ اس نوجوان کی عادت یہ تھی کہ جب وہ 'اللہ اللہ' کی صدائیں سنتا تو اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھتا تھا۔ عین عالم شباب میں اسے اس طرح روتے تڑپتا دیکھ کر مجھے از حد تعجب ہوا۔

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۲۸۹ تا ۲۹۰۔

میں نے ایک بزرگ سے اس نوجوان کے بارے میں معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ یہ توبہ کے بعد اسی طرح اشک باری کرتا اور نوافل کی اَدائیگی میں مصروف ہوجاتا ہے۔اس کا دل بہت ہی نرم وگداز ہے، محبت الٰہی کی کوئی بات سننے کے بعد وارفتہ وبیخود ہوجاتا ہے۔اسی اثنا میں کسی قاری نے یہ آیت تلاوت کی :

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ o (سورۂ بقرہ:۲/۱۵۲)

تم میری یاد کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا۔

اس آیت کریمہ کو سننے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے میرے پروردگار! وہ ذلیل ورُسوا ہوگیا جس کے دل میں تیری یاد کے علاوہ کچھ اور بھی سمایا ہوا ہے۔اے دلوں کے تسکین! اس بھری کائنات میں تیرے سوا ہے کون جسے یاد کیا جائے!۔(۱)

ایک نوجوان کی قبر سے

حضرت ابونصر نیشاپوری- جو کہ ایک نیک وصالح گورکن تھے-فرماتے ہیں کہ ایک بار میں قبر کا گڈھا کھود رہا تھا کہ اچانک ایک دوسری قبر کھل گئی، جب اس میں جھانک کر دیکھا تو میری نظر چارزانو بیٹھے ہوئے ایک خوش لباس وخوبرو اور خوشبو پوش نوجوان پر پڑی جس کی گود میں نہایت خوش خط ایک کتاب تھی کہ اپنی زندگی میں نے اس جیسی عمدہ کتابت کبھی نہیں دیکھی تھی، اور وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا: کیا قیامت برپا ہوگئی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہا: پھر وہ اینٹوں کو اُن کی جگہوں پر رکھ دو؛ چنانچہ میں نے اینٹیں درست کر کے دیوار برابر کردی۔(۲)

(۱) بحرالدموع ابن الجوزی مترجم:۲۳۔

(۲) بشری الکئیب بلقاء الحبیب:۸۔

اُس کے دَر پے پڑ رہو

حکایت ہے کہ ایک نوجوان حضرت دینوری سے ملنے آیا تو دیکھا کہ آپ لوگوں کو وعظ ونصیحت کررہے ہیں۔اس نے عرض کیا: اے شیخ! میری حالت زار کی خبر لیں اور دیکھیں کہ میرے ساتھ کیا ہورہا ہے جب بھی میں مالک ومولا کے دروازے پر کھڑا ہوا ہوں اس نے مزید مشکلات وآزمائش کی چکی میں پسنے کے لیے مجھے واپس لوٹا دیا ہے،اور جب جب وہاں سے نامراد پلٹا ہوں (اس کے پاس دوبارہ جاتے وقت) اِحساسِ حیا دامن گیر ہوتا ہے۔

شیخ نے فرمایا: اپنے مولا کے در پر خود کو ایسا محسوس کرو جیسے چھوٹا بچہ ماں کی آغوش میں ہوتا ہے کہ جب بھی وہ اسے دھتکارتی ہے کہ وہ چمٹ کر اسے دبوچ لیتا ہے، پھر اس کی حرکتیں یوں ہی جاری رہتی ہیں کہ ایک دن اس کی شفقت آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیتی ہے۔

میرے دوست! (تو یہ کیوں نہیں سوچتا کہ) اگر تجھے اس در سے پھیر دیا گیا تو کیا اس کے علاوہ کوئی اور بھی در ہے جو تمھیں پناہ عطا کرے گا؟ پھر انھوں نے یہ اشعار اس کے گوش گزار کیے:

قم واعتذر عن قبائح سلفت
و سله يعفو عن الذي كانا

فإن مولى الجميع ذو كرم
يبدل السيئات غفرانا

یعنی خواب غفلت سے اُٹھ اور عہد ماضی میں ہوئے گناہوں کی معذرت طلب کر،اس کے سامنے اپنا کاسۂ طلب ڈال تو سہی وہ تیری ناکردنیوں کو آب عفو سے دھل نہ دے تو کہنا۔

کیوں کہ پروردگار عالم بڑا کریم وسخی ہے، برائیوں کو نیکیوں سے بدل دینا اور پھر مژدۂ مغفرت سنا دینا اس کے لیے کوئی بات ہی نہیں۔(۱)

(۱) الزہرالفائح فی ذکرمن تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۲۸۔

دنیادار خطیبوں کے لیے تازیانۂ عبرت

امام قرطبی اپنی مشہور کتاب ’تذکرہ‘ میں حکایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابن ابی جمرہ کی ’شرح بخاری‘ میں لکھا دیکھا تھا کہ ایک بزرگ جو اپنے وقت کے زبردست خطیب ومقرر تھے، جب اُن کا اِنتقال ہوا تو انھیں خواب میں دیکھ کر پوچھا گیا: آپ کی قبر میں فرشتوں کا آپ کے ساتھ سلوک کیسا رہا؟ فرمایا: جس وقت انھوں نے سوال کیا کچھ دیر کے لیے میں ہکا بکا سا ہوکر رہ گیا۔ اتنے میں ایک حسین وخوبرو نوجوان نمودار ہوا اور پاس آکر اس نے مجھے جواب بتادیے۔

میں نے پوچھا: تم کون ہو؟۔ کہا: آپ کا عمل ہوں۔ میں نے پوچھا: پھر اِتنی دیر کیوں کی؟۔ کہا: آپ جو سلطانِ وقت سے اپنی خطابت کی اُجرت لیا کرتے تھے!۔ میں نے کہا: لیکن میں نے اُس میں سے کبھی کچھ کھایا تو نہیں بلکہ اسے اوروں میں تقسیم کردیا کرتا تھا۔ کہا: اگر آپ اسے کھالیتے پھر تو میں آتا ہی نہیں!۔(۱)

اللہ کے رنگ میں رنگا ہوا جوان

رقی،ابن دراج سے نقل کرتے ہیں کہ میں اور ابن فوطی بصرہ اور ابلہ کے درمیان دجلہ کے کنارے چلے جارہے تھے۔ راستے میں ایک عالیشان محل پر نظر پڑی، محل کے بیرونی حصے میں ایک شخص بیٹھا ہوا اپنی باندی کا گانا سن رہا تھا۔ باندی اس وقت یہ شعر پڑھ رہی تھی :

كل يوم تتلون غير ❁ هٰذا بك أحسن

یعنی ہر روز ایک نیا رنگ بدلتا ہے۔ اگر تو ایسا نہ کرے تو یہ تیرے لیے زیادہ اچھا ہے۔

اسی دوران ایک خوبصورت نوجوان اُدھر آنکلا۔ اس کے جسم پر پھٹا پرانا لباس تھا۔ یہ شعر سن کر وہ ٹھٹک گیا اور باندی سے کہنے لگا: اے باندی! تجھے رب کعبہ کی قسم! یہ شعر دوبارہ سنا۔

(۱) نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس:۱/۲۵۸۔

باندی نے اس کی فرمائش پوری کی ۔ وہ نوجوان کہنے لگا: بخدا! اپنے رب کے ساتھ میرے قافلوں کی یہی کیفیت ہے۔ میں ہر روز ایک نیا رنگ اختیار کرتا ہوں، اس اظہارِ حال کے بعد اس نے سرد آہ بھری اور جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

ہم یہ منظر دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ میں نے اپنے رفیق سے کہا کہ اب ہمیں آگے چلنے کی بجائے اس فرض (میت کی تدفین) کی تکمیل کرنی چاہیے جو ہمارے کاندھوں پر آپڑا ہے۔ کچھ لوگ بصرہ سے یہ واقعہ سن کر آگئے۔ سب نے مل کر نمازِ جنازہ پڑھی اور اس کی تدفین کا فریضہ انجام دیا۔

مالک مکان کی حالت زیادہ دگرگوں تھی، اس نے باندی کو اللہ کی راہ میں آزادی کا پروانہ دیا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ اے اہل بصرہ! تم لوگ گواہ رہنا میں نے اپنی تمام چیزیں اللہ کی راہ میں وقف کردی ہیں اور اپنے تمام غلاموں اور باندیوں کو آزاد کردیا ہے۔

اس شخص کی عجیب کیفیت تھی۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھا، اپنے کپڑے اُتارے، دو چادریں لیں، ایک جسم پر لپیٹی اور دوسری کاندھے پر ڈالی، اور لوگوں کے دیکھتے دیکھتے جنگل کی راہ ہولیا۔ بہت سے لوگ اس کی جدائی سے غمزدہ تھے اور اس منظر کی تاب نہ لاکر زاروقطار رورہے تھے۔ بعد میں اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کدھر گیا اور اب کس حال میں ہے!۔

اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد امام غزالی فرماتے ہیں: اس سے ثابت ہوا کہ وہ نوجوان ہر وقت اپنے حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستغرق تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں اس معاملہ میں حسنِ اَدب کے ساتھ ثابت قدم رہنے سے عاجز وقاصر ہوں، وہ اپنے دل کے عدم استقلال اور جادۂ حق سے اِنحراف پر انتہائی متاسف تھا؛ چنانچہ جب اس نے وہ شعر سنا جو اس کی حالت کا غماز تھا تو اس نے یہ خیال کیا کہ گویا پروردگار عالم اس سے مخاطب ہے اور اسے تلون مزاجی پر تنبیہ فرمارہا ہے کہ تو ہر دفعہ نئے نئے رنگ بدلتا ہے۔ تیرے لیے بہتری اسی میں ہے کہ تو صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں رنگ جائے اور کوئی دوسرا رنگ تجھ پر نہ چڑھے۔(۱)

(۱) احیاء علوم الدین:۲/۲۵۳۔

آخرت کا سرور و اِنبساط

حضرت کلاب بن جری کہتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس کے اندر ایک نوجوان کو دیکھا، کثرتِ بکا کے باعث جس کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ میں نے اس سے کہا: اے جوان! اگر اتنا روؤگے تو پھر یہ تمہاری آنکھیں بہت جلد جواب دے جائیں گی۔

یہ سن کر وہ اور تیز رو پڑا۔ پھر اس نے کہا کہ جب تک میرا رب چاہے انھیں سلامت رکھے اور جب چاہے لے جائے، صرف آنکھ کی کیا حقیقت ہے، سارا بدن اسی کی ملکیت ہے، میرا اس میں کیا ہے؟۔ میں تو اس لیے رو رہا ہوں تاکہ کل آخرت میں فرحت و سرور نصیب ہو؛ کیوں کہ اگر آخرت میں یہ چیز نصیب نہ ہوسکی پھر تو بڑی بدبختی کی بات ہوگی۔ میں ان آنسوؤں کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں، اور غفلتوں کو دھل رہا ہوں اور نفس کی پلیدی دور کر رہا ہوں۔ اتنا ہی کہہ سکا تھا، پھر وہ بے ہوش ہوکر زمین پر پڑا۔(۱)

جان و دل تم پہ فدا

حضرت محمد سلام جمحی بیان کرتے ہیں کہ میں نے خارجہ بن زیاد کو کہتے ہوئے سنا کہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک خوبرو نوجوان اپنی داستانِ محبت یوں بیان کرتا تھا کہ محلے کی ایک عورت پر میرا دل آگیا؛ مگر اس کا باطن پہلے ہی سے عشق الٰہی سے سرشار تھا۔ وہ جب بھی گھر سے مسجد جانے کے لیے نکلی، میں اس کے پیچھے ہولیتا۔ اس کو میری حرکتوں کا علم ہوگیا تو اس نے مجھ سے ایک رات کہا: جوان! ہر وقت میں تجھے سائے کی طرح اپنے پیچھے پیچھے دیکھتی ہوں، کیا تیری مجھ سے کوئی حاجت ہے؟۔ میں نے کہا: ہاں!۔ اس نے پوچھا: وہ کیا؟۔

میں نے کہا: جان و دل تم پر فدا ہے۔ مجھے تمہاری محبت درکار ہے؟۔

(۱) الرقۃ والبکاء: ۱/۳۵...... صفۃ الصفوۃ: ۱/۴۷۵۔

اس نے کہا: اس محبت کو قیامت کے دن کے لیے چھوڑ دو۔

وہ نوجوان کہتا ہے کہ اس کی اس نصیحت میں اتنا درد تھا کہ میں وہیں بے ساختہ رو پڑا اور اس دن سے لے کر آج تک کبھی اس کا پیچھا نہ کیا۔(۱)

مہمان نوازی کے صدقے

ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ معن بن زائدہ - جو ایک بڑا سردار تھا - اس کے پاس کسی جگہ سے تین سو قیدی لائے گئے۔ معن نے ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اُسیروں کے درمیان سے ایک نوجوان جو ابھی سن بلوغ تک نہیں پہنچا تھا اس نے کہا :

اے امیر! تجھے خدا کا واسطہ، جب تک ہمیں تھوڑا تھوڑا پانی نہ پلا دے اس وقت تک ہمیں قتل نہ کر۔ معن نے کہا: سب کو پانی پلا دو۔

جب اسیروں نے پانی پی لیا، تو اس نوجوان نے کہا: اے امیر! اب ہم تیرے مہمان ہو گئے ہیں، اور مہمان نوازی کرنا شرافت و بزرگی کی نشانی ہے۔

چنانچہ اس وقت معن نے کہا: تو نے سچ کہا: اور پھر اسی وقت ان سب کو آزاد کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

آتش جہنم کا خوف

ابن عمیر کے واسطہ سے حضرت امام صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلمانؓ کوفہ کے بازار سے گزر رہے تھے، دیکھا کہ ایک جوان زمین پر پڑا ہوا ہے اور لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہیں، (سوال کرنے پر) جناب سلمان کو بتایا گیا کہ یہ جوان غش کھا کر گر پڑا ہے، کچھ دعائیں پڑھ دیجئے تا کہ اس کو ہوش آ جائے، جیسے ہی سلمان اس کے سرہانے پہنچے تو اس جوان نے کہا :

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۲۲/۲۔

اے سلمان! جو کچھ میرے بارے میں ان لوگوں نے کہا وہ صحیح نہیں ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ میں اس بازار سے گزر رہا تھا تو اچانک نگاہ پڑی کہ ایک لوہار ہتھوڑے کے ذریعہ لوہے کو پیٹ رہا ہے، یہ دیکھ کر مجھے قرآن مجید کی یہ آیت یاد آ گئی :

وَ لَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍo (سورۂ حج:۲۲/۲۱)

اوران کے لیے لوہے کے گرز مہیا کیے گئے ہیں۔

عذابِ خدا کے خوف کی وجہ سے میری عقل پریشان ہوگئی۔سلمان نے اس جوان سے کہا: واقعتاً تم ایک عظیم انسان ہو آج سے تم میرے (دینی) بھائی ہو، اور پھر ان دونوں کے درمیان دوستی اور رفاقت پیدا ہوگئی۔

ایک روز جوان' مریض ہوا، اس کی زندگی کے آخری لمحات تھے، سلمان اس کے سرہانے پہنچے، سلمان نے کہا: اے ملک الموت! میرے بھائی کے ساتھ حسن سلوک کرنا، جواب آیا: میں ہر مومن کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں۔

ہزار بار توبہ شکنی باز آ

ابوعمرو حضرت جنید سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے پہلی بار حضرت ابوعثمان حیری کی مجلس میں توبہ کی اور چند دن میں اس پر قائم رہا، پھر میرے دل نے گناہ کرنے کا تقاضا ظاہر کیا اور میں دوبارہ گناہ کرنے میں مشغول ہوگیا، اوران بزرگوں کی صحبت سے مکمل دور ہوگیا، اور جب بھی ان بزرگوں کو دور سے دیکھتا تو میں راستہ چھوڑ کر پریشانی کی حالت میں دور بھاگ جاتا تا کہ وہ مجھے نہ دیکھیں۔

ایک دن اچانک وہ بزرگ میرے سامنے آ گئے، اور مجھ سے فرمایا: اے بیٹا! اپنے دشمنوں کے ساتھ نشست نہ کیا کر جب تک کہ تو معصوم نہ ہو جائے؛ اس لیے کہ دشمن تیرے عیب کو دیکھے گا اور جب تو عیب دار ہوگا تو تیرا دشمن خوش ہوگا اور جب تو گناہ سے محفوظ ہو جائے گا پھر جب دشمن تمہیں دیکھے گا تو غمگین ہوگا۔

حضرت ابوعثمان حیری نے اس لڑکے کو کہا: اگر تمہارا دل گناہ کرنے پر ہی زور دیتا ہے تو تو ہمارے پاس آ تا کہ ہم تیرے دل سے اس مرض کو باہر نکال دیں؛ تاکہ تو دشمن کو خوش نہ کرے، اور ابوعمرو حضرت جنید سے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرا دل گناہ سے دور ہو گیا، اور میری توبہ صحیح و درست ہو گئی۔(۱)

حضرت علی ہجویری علیہ الرحمہ آگے لکھتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے توبہ کی اور پھر گناہ کی طرف رجوع کرلیا، ایک دن بڑا پریشان ہوا، تو اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اگر میں توبہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں واپس آ جاؤں تو میرا کیا حال ہوگا؟ غیب سے کسی نے آواز دی: تو نے ہماری اطاعت کو اختیار کیا، ہم نے تیری قدر کی، پھر تو نے بے وفائی کی اور ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے تمہیں مہلت دی، اب اگر تو واپس آ جاؤ تو ہم تمہیں قبول کرلیں گے۔

دنیا' بندگانِ حق کی باندی

فرماں روائے کرمان شیخ ابوالفوارس بن شجاع علیہ الرحمہ ایک بار شکار کے اِرادے سے نکلے۔ جنگل میں شکار کی تلاش کرتے کرتے تنہا دور نکل گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان خونخوار درندے کی پشت پر سوار ہے، اور اس کے اِردگرد بہت سے درندے اور بھی ہیں۔ بادشاہ کو دیکھ کر درندے اُن پر جھپٹے؛ مگر نوجوان نے انہیں روک دیا۔

نوجوان نے سلام کے بعد کہا: اے بادشاہ! تم رب تعالیٰ سے کتنے غافل ہو!۔ دنیا کے لیے آخرت کو بھولے بیٹھے ہو۔ لذت وخواہشات کی پیروی میں اپنے مالک سے روگرداں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دولت اس لیے دی کہ اس کے ذریعہ اس کی اطاعت میں سعی کرو؛ مگر تم نے تو اسے عیش وعشرت کا ذریعہ بنالیا ہے!۔

نوجوان ابھی یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ اچانک ایک بڑھیا ہاتھ میں پانی کا پیالہ لیے ہوئے نمودار ہوئی اور نوجوان کو تھما دیا۔ نوجوان نے اس میں سے پہلے خود پیا، پھر شاہ کو پینے کے لیے دیا۔ اس کے بعد بڑھیا وہاں سے غائب ہو گئی۔

(۱) کشف المحجوب ہجویری۔

شاہ کرمان کہنے لگا: میں نے تو آج تک اتنی لذیذ اور مزیدار شئے عمر میں نہیں پی!۔

نوجوان کہتا ہے: وہ بڑھیا جسے تم نے دیکھا وہ 'دنیا' تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے میری خدمت کے لیے متعین فرمایا ہے۔ جب بھی مجھے کسی چیز کی حاجت ہوتی ہے، دل میں خیال کرتے ہی حاضر ہوجاتی ہے۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کو تخلیق فرمایا تھا تو اسے حکم دیا تھا کہ جو میری خدمت کرے تم اس کی خدمت کرنا۔ اور جو تمھاری خدمت کرے اس سے مزید اپنی خدمت لینا۔ شاہِ کرمان نے جب یہ حکیمانہ بات سنی تو دنیاداری سے کلیۃً توبہ کرلی۔ اور پھر ان کا حال ومقام کچھ اور ہی ہوگیا۔(۱)

توکل ہو تو ایسا ہو

شاہ شجاع کرمانی کی ایک بیٹی تھی، حسن وجمال میں یکتائے زمانہ۔ اس کے اسی حسن بے پناہ کے باعث اس کا رشتہ ایک بادشاہ نے مانگا؛ لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا۔ ایک دن شاہ شجاع نے ایک غریب نوجوان کو دیکھا کہ نہایت رقت وخشوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ اسے اپنے ہمراہ شاہی محل میں لائے اور اسی وقت اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کردیا۔ شہزادی رخصت ہوکر شوہر کے گھر آئی، تو اس نے ایک سوکھی روٹی رکھی ہوئی دیکھ کر پوچھا: یہ کیا ہے؟ لڑکے نے کہا: رات بچ گئی تھی اور روزہ اِفطار کرنے کے لیے رکھ لی ہے۔

یہ سن کر وہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹی۔ نوجوان بولا: میں پہلے ہی جانتا تھا، بھلا بادشاہ کی بیٹی میری غربت وناداری پر کیوں راضی ہوگی؟۔ وہ بولی: بادشاہ کی بیٹی غربت وناداری پر ناراض نہیں ہے؛ بلکہ اس لیے ناراض ہے کہ تم کو خدا پر بھروسہ نہیں ہے۔ اور مجھے اپنے والد پر بھی تعجب ہے کہ مجھ سے تمہارے متعلق یہ کہا کہ یہ لڑکا بڑا نیک اور پارسا نوجوان ہے۔ بھلا جس کو خدا پر بھروسہ نہ ہو وہ نیک اور پارسا کیسے ہوسکتا ہے؟۔

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۲۹۴ تا ۲۹۵۔

نوجوان عذر کرنے لگا، تو وہ بولی: عذر تو میں جانتی نہیں، یا تو گھر میں 'میں' رہوں گی یا یہ روٹی رہے گی۔ نوجوان اُٹھا اور فوراً وہ روٹی خیرات کردی۔ اور دونوں نے پرہیزگاری کی زندگی گزاری۔(۱)

جب خبیث جن دھواں بن گیا

حضرت ابواسحٰق محمد بن رشید معتصم باللہ بیان کرتے ہیں: بحری جہاز سمندر کے سینے کو چیرتا ہوا اور قدرتِ الٰہی کا مظاہرہ کرتا ہوا جانب منزل جھومتا چلا جارہا تھا۔ اس جہاز میں ایک نوجوان شخص کے پاس دس ہزار سونے کی اشرفیاں تھیں۔ بحری جہاز کے مسافر اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔ اچانک کسی کہنے والے نے کہا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اسے کیسی ہی بڑی مصیبت میں پڑھے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس مصیبت کو ان پاکیزہ کلمات کی برکت سے دور فرمادے گا۔ کیا کوئی شخص مجھ سے وہ کلمہ سیکھنا چاہتا ہے؟۔ جو شخص سونے کی دس ہزار اشرفیاں خرچ کرے گا میں اسے یہ پاکیزہ کلمہ سکھاؤں گا۔

چنانچہ جس نوجوان کے پاس دس ہزار اشرفیاں تھیں اس نے سن کر کہا: میں یہ عمل آپ سے سیکھنا چاہتا ہوں۔ کہنے والے نے کہا: اپنی ساری رقم سمندر میں ڈال دو۔ اس مردِ صالح نے ساری رقم سمندر میں ڈال دی، کہنے والے نے کہا: پڑھو، وہ کلمہ یہ آیت مبارکہ ہے :

وَ مَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً، وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْراً o (سورۂ طلاق:۲،۳)

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے (دنیا وآخرت کے رنج وغم سے) نکلنے کی راہ پیدا فرمادیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رِزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ (اللہ) اسے کافی ہے، بیشک اللہ اپنا کام پورا کرلینے والا ہے، بیشک اللہ نے ہر شے کے لیے اندازہ مقرر فرما رکھا ہے۔

---

(۱) روض الریاحین فی حکایات الصالحین: ۱۱۱۔

اس نوجوان نے یہ آیاتِ مبارکہ یاد کرلیں اور اسے یقین ہوگیا کہ میں نے بہت بڑی دولت حاصل کرلی ہے، اور میری رقم رائیگاں نہیں گئی۔ جب باقی مسافروں نے اس شخص کا یہ طرزِ عمل دیکھا تو کہنے لگے: اے مسافر! یہ تو نے کیا کیا؟۔ تو نے خواہ مخواہ اپنی رقم سمندر میں پھینک دی اور اپنی ساری دولت سے محروم ہوگیا۔

ابھی ان مسافروں کی یہ بات مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ہر طرف سے کالی گھٹائیں چھانے لگیں، سمندر میں طغیانی آ گئی، سرکش موجوں نے آن کی آن میں بحری جہاز کو تباہ و برباد کر ڈالا اور سارے مسافر غرق ہو گئے۔ آیاتِ مبارکہ سیکھنے والا جوان کہتا ہے کہ جب جہاز طوفان کی نذر ہونے لگا تو میں نے یقین کامل کے ساتھ انھیں آیات کو وِرد کیا تو اچانک مجھے ایک تختہ نظر آیا، میں نے اس کا سہارا لیا، میری زبان پر مسلسل وہی آیات مبارکہ جاری تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا اور میں اس تختے کے سہارے ساحل تک پہنچ گیا۔

میں سمندر سے باہر نکلا اور آس پاس کا جائزہ لیا تو مجھے قریب ہی ایک خوبصورت محل نظر آیا۔ میں اس میں داخل ہوا تو وہاں ایک حسین وجمیل دوشیزہ موجود تھی۔ میں نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟۔ اس نے جواب دیا: میں بصرہ کی رہنے والی ہوں اور مجھے ایک جن نے اَغوا کر کے یہاں قید کر رکھا ہے۔ اس سمندر میں جو بھی جہاز غرق ہوتا ہے، وہ خبیث جن اس کا تمام مال واَسباب یہاں اس محل میں لے آتا ہے۔ شاید تمہارا جہاز بھی غرق ہوگیا ہے، اب وہ خبیث جن آنے ہی والا ہے، تم فوراً کہیں چھپ جاؤ؛ ورنہ وہ تمہیں دیکھتے ہی قتل کردے گا، جلدی کرو، اس کے آنے کا وقت ہوگیا ہے۔

وہ نوجوان کہتا ہے کہ ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک ایک جانب سے شدید کالا دھواں نظر آیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ وہی جن ہے، میں نے فوراً بلند آواز سے انھیں آیات مبارکہ کا وِرد شروع کردیا۔ جب آیت مبارکہ کی آواز فضا میں بلند ہوئی تو وہ سارا دھواں خاک ہو کر ہوا میں اُڑ گیا، اب وہاں کسی جن کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ الحمد للہ! ان آیات کی برکت سے ہمیں اس ظالم جن سے نجات مل گئی۔ میں نے اس دوشیزہ سے کہا: چلو اُٹھو، اب تم آزاد ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس خبیث جن کا کام تمام کردیا ہے۔

چنانچہ ہم دونوں وہاں سے اُٹھے اور محل کے خزانے سے بہت ساری دولت جمع کی۔ جتنا ہم سے ہوسکا ہم نے وہاں سے خزانہ اُٹھایا؛ یہاں تک کہ ہمارے پاس مزید کوئی ایسی چیز نہ بچی جس میں ہم مال و دولت رکھتے۔ پھر ہم ساحل سمندر پر آئے اور کسی جہاز کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد ہمیں دور سے ایک جہاز دکھائی دیا، ہم نے کپڑا لہرا کر اسے اپنی طرف بلایا۔ الحمد للہ! جہاز ہماری طرف آیا اور اتفاق کی بات تھی کہ وہ جہاز بصرہ ہی کی جانب جارہا تھا۔ چنانچہ ہم دونوں اس میں سوار ہوگئے، بصرہ پہنچ کر اس دوشیزہ نے کہا: تم فلاں جگہ جاؤ اور ان سے میرے متعلق پوچھو کہ وہ کہاں ہے؟۔ میں مطلوبہ جگہ پہنچا اور لوگوں سے اس لڑکی کی بابت دریافت کیا تو انھوں نے کہا: وہ بیچاری تو تقریباً تین سالوں سے لاپتہ ہے، ہم اس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔

میں نے کہا: تم میرے ساتھ آؤ، میں اس سے تمہاری ملاقات کراتا ہوں۔ وہ لوگ حیرانی وخوشی کے عالم میں میرے ساتھ ہولیے۔ جب انھوں نے اس لڑکی کو دیکھا تو انھیں یقین نہیں آرہا تھا، پھر بڑی عقیدت سے اس کے سامنے مؤدبانہ کھڑے ہوگئے۔ آج وہ لوگ بہت زیادہ خوش وخرم تھے؛ کیوں کہ انھیں ان کی گمشدہ ملکہ مل چکی تھی۔ پھر اس لڑکی نے اپنے خادموں اور دوسرے عزیز واَقارب سے درخواست کی کہ اس نوجوان نے مجھ پر بڑا اِحسان کیا ہے؛ لہٰذا میری خواہش ہے کہ میری اسی کے ساتھ شادی کردی جائے۔ اس طرح وہ دونوں شادی کے بندھن میں بندھ گئے اور ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔(۱)

تو اَچانک موت کا شکار ہوگیا

حضرت عبداللہ بن محمد قرشی فرماتے ہیں: کسی شہر میں ایک بہت دولتمند نوجوان رہتا تھا۔ اسے ہر طرح کی دنیاوی نعمتیں میسر تھیں۔ اس کے پاس ایک انتہائی حسین وجمیل کنیز تھی جس سے وہ بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ خوب عیش وعشرت میں اس کے لیل ونہار گزر رہے تھے، اسے ہر

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲۵۷ تا ۲۵۹۔

طرح کی دنیاوی نعمتیں حاصل تھیں مگر وہ اولاد جیسی میٹھی نعمت سے محروم تھا، اس کی بڑی خواہش تھی کہ اس لونڈی کے بطن سے اس کی اولاد ہو۔

کافی عرصہ تک اسے یہ خوشی نصیب نہ ہوسکی، پھر اللہ کے فضل وکرم سے اس لونڈی کو استقرارِ حمل ہوا۔ اب تو مالدار نوجوان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا، انتظار کی گھڑیاں اس کے لیے بہت صبر آزما تھیں۔ بالآخر وہ وقت قریب آ گیا جس کا اسے شدت سے انتظار تھا لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اچانک وہ مالدار نوجوان بیمار ہوگیا اور کچھ ہی دنوں بعد اولاد کے دیدار کی حسرت دل ہی میں لیے اس بے وفا دنیا سے کوچ کر گیا۔ جس رات اس نوجوان کا اِنتقال ہوا، اسی رات کنیز کے بطن سے ایک خوبصورت بچے نے جنم لیا؛ لیکن مقدر کی بات ہے کہ اس کا باپ اسے نہ دیکھ سکا۔ سچ ہے کہ 'وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے'۔(۱)

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن ☆ دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

بلبل کو باغباں سے نہ صیاد سے گلہ ☆ قسمت میں قید لکھی تھی فصل بہار میں

اِسلام کی ایک اہم خوبی

حضرت محمد بن داؤد دینوری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر مصری کو فرماتے ہوئے سنا: ایک مرتبہ جب میں 'عسویہ' سے 'رملہ' کی طرف جارہا تھا تو راستے میں ایک ایسا شخص ملا جو ننگے پاؤں، ننگے سر تھا۔ اس کے پاس دو چادریں تھیں، ایک کا تہبند باندھ رکھا تھا اور ایک کندھوں تک اوڑھ رکھی تھی۔ موسم گرما عروج پر تھا میں اس شخص کو دیکھ کر بہت حیران تھا کہ اس قدر گرمی میں اس کی یہ حالت! اس کے پاس نہ تو زادِراہ تھا اور نہ ہی کوئی ایسا برتن یا پیالہ وغیرہ جسے بوقت ضرورت اِستعمال کر سکے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اگر اس شخص کے پاس رسی اور ڈول ہوتا جس کے ذریعہ یہ پانی نکال کر وضو وغیرہ کرسکتا تو یہ اس کے لیے بہتر تھا۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۱/۱۷۲،۳۷۳۔

میں دوپہر کے وقت اس کے پاس گیا اور کہا: اسے نوجوان! تو نے جو چادر اپنے کندھوں تک اوڑھی ہوئی ہے، اگر اسے سر پر اوڑھ لیتا تو سورج کی تپش سے بچ جاتا۔ میری بات سن کر وہ خاموش رہا اور آگے چل دیا۔ کچھ دیر بعد میں نے پھر کہا: تم اتنی سخت گرمی میں ننگے پاؤں ہو، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ کچھ دیر میں جوتے پہن لوں اور کچھ دیر تم؟ اس نے کہا: تم بہت فضول گو ہو، کیا تم نے کبھی حدیث پاک لکھی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! بولا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مصطفٰے جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی شخص کے اِسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو بات کام کی نہ ہو اسے چھوڑ دے۔ (ترمذی: حدیث: ۲۳۱۷)

یہ حدیث پاک سنا کر وہ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر آگے چل دیا۔ اب میرے پاس پانی ختم ہو چکا تھا۔ جب میں ساحل سمندر کے پاس پہنچا تو پیاس لگنے لگی۔ وہ میری طرف آیا اور کہنے لگا: کیا تم پیاسے ہو؟ میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ یہ دیکھ کر وہ آگے چل دیا، چلتے چلتے مجھے بہت زیادہ پیاس محسوس ہونے لگی۔ وہ پھر میری طرف آیا اور کہا: کیا تمہیں بہت زیادہ پیاس لگی ہے؟۔ میں نے کہا: ہاں! لیکن تم یہاں میٹھا پانی کہاں سے لاؤ گے؟۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا، اور میرا ڈول اُٹھا کر سمندر میں ڈال دیا اور اسے بھر کر میرے پاس لے آیا پھر کہا: پانی پی لو۔ میں نے پیا تو سمندر کا وہ کھارا پانی دریائے نیل کے میٹھے اور صاف پانی سے زیادہ شیریں اور عمدہ تھا۔ اس ڈول میں تھوڑی گھاس پڑی ہوئی تھی۔ میں نے کہا: یہ شخص اللہ کا ولی معلوم ہوتا ہے، میں ضرور اس کی صحبت اختیار کروں گا۔

چنانچہ منزل پر پہنچ کر میں نے اس سے کہا: میں تمہارے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہوں۔ کہا: اچھا تمہیں کیا پسند ہے، تم آگے چلو گے یا میں؟۔ میں نے کہا: اگر تم آگے چلو گے تو مجھے بہت پیچھے چھوڑ دو گے۔ چنانچہ میں آگے آگے چلنے لگا۔ میں تھوڑی دور چل کر آرام کے لیے رُک جاتا پھر چلنے لگتا۔ میں اسی طرح چلتا رہا۔ جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے کہا: میں تمہارے ساتھ چلنا چاہتا ہوں، مجھے اپنے ساتھ رکھ کرلو۔

اس نے کہا: اے ابوبکر! اگر تم اس بات پر راضی ہو کہ تم چلتے رہو اور میں بعض جگہ بیٹھ

جاؤں پھر تو ٹھیک ہے؛ ورنہ تم میرے رفیق نہیں بن سکتے۔ پھر وہ مجھے چھوڑ کر چل دیا اور منزل پر پہنچ کر قیام کیا۔ وہاں میرے کچھ دوست رہتے تھے۔ ان کے پاس ایک بیمار شخص تھا، میں نے ان سے کہا: اس بیمار پر ڈول میں موجود پانی کے کچھ چھینٹے ڈالو۔ انھوں نے جیسے ہی پانی اس کے اوپر ڈالا وہ فوراً صحت یاب ہوگیا اور اس کی بیماری دور ہوگئی۔ پھر میں نے اپنے دوستوں سے اس شخص کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہے تو انھوں نے جواب دیا: ہمیں تو وہ کہیں بھی نظر نہیں آرہا۔ میں حیران تھا کہ نہ جانے وہ باکرامت نوجوان بزرگ کہاں چلا گیا تھا۔(۱)

شیطان میرا خادم ہے

حضرت ایوب حمال علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ ہمارے علاقے میں ایک متوکل نوجوان رہتا تھا، وہ عبادت و ریاضت اور توکل کے معاملے میں بہت مشہور تھا۔ لوگوں سے کوئی چیز نہ لیتا، جب بھی کھانے کی حاجت ہوتی، اپنے سامنے سکوں سے بھری ایک تھیلی پاتا۔ اسی طرح وہ اپنے شب و روز عبادتِ الٰہی میں گزارتا اور اسے غیب سے رزق مل جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے اس سے کہا: اے نوجوان! تو سکوں کی وہ تھیلی لینے سے ڈر! ہوسکتا ہے شیطان تجھے دھوکہ دے رہا ہو اور وہ تھیلی اسی کی طرف سے ہو۔

نوجوان نے کہا: میری نظر تو اپنے پاک پروردگار کی رحمت کی طرف ہوتی ہے، میں اس کے علاوہ کسی سے کوئی چیز مانگتا ہی نہیں، جب میرا مولا مجھے رزق عطا فرماتا ہے تو میں قبول کر لیتا ہوں۔ بالفرض اگر وہ سکوں کی تھیلی میرے دشمن شیطان کی طرف سے ہو تو اس میں میرا کیا نقصان بلکہ مجھے فائدہ ہی ہے کہ میرا دشمن میرے لیے مسخر کر دیا گیا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے میرا خادم بنائے رکھے۔

اس سے زیادہ اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ میرا سب سے بڑا دشمن خادم بن کر میری خدمت کرے اور میں اس کی طرف نظر نہ رکھوں بلکہ یہ سمجھوں کہ میرا پروردگار مجھے دشمن کے

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۴۷تا۴۹۔

ذریعہ رزق عطا فرما رہا ہے، اور واقعی تمام جہانوں کو وہی خالق کائنات رزق عطا فرماتا ہے جو میرا معبود ہے۔ متوکل نوجوان کی یہ بات سن کر لوگ خاموش ہوگئے اور سمجھ گئے کہ اس کو واقعی غیب سے رزق دیا جاتا ہے۔(۱)

ایک مجاہد کی دعائے شہادت

حضرت حمید بن بلال علیہ الرحمہ سے منقول ہے: حضرت اَسود بن کلثوم بہت ہی باحیا اور صالح نوجوان تھے۔ چلتے وقت آپ کی نگاہیں ہمیشہ اس طرح جھکی رہتیں کہ پاس سے گزرنے والوں کی بھی خبر نہ ہوتی۔ اس وقت گھروں کی دیواریں اِتنی بلند نہ ہوتی تھیں۔

ایک مرتبہ آپ گھروں کے قریب سے گزر رہے تھے کہ کسی عورت نے دوسری عورتوں سے کہا: جلدی سے گھروں کے اندر چلی جاؤ، ایک نوجوان آرہا ہے۔ یہ سن کر دوسری عورتوں نے کہا: ارے، یہ تو حضرت اسود بن کلثوم ہیں، ان کی نظریں تو زمین سے کبھی اُٹھتی ہی نہیں، پھر یہ کسی غیر عورت پر نظر کیوں ڈالیں گے!۔

ایک مرتبہ حضرت اسود بن کلثوم مجاہدین اسلام کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ ہوئے، چلتے وقت آپ نے اس طرح دعا کی: اے میرے پاک پروردگار! میرا نفس گمان کرتا ہے کہ اسے تیری ملاقات بہت عزیز ہے۔ اگر یہ اپنے دعوے میں سچا ہے تو اس کی اس خواہش کو پورا فرمادے، اور اگر یہ جھوٹا ہے تو اسے اپنے دعویٰ میں سچا ہونے کی توفیق عطا فرما، اگرچہ یہ اس بات کو ناپسند کرے۔ اے میرے مالک ومولا! اسے اپنی راہ میں شہادت کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! شہادت کے بعد میرے گوشت کو پرندوں کی خوراک بنادے۔

یہ دعا کرنے کے بعد آپ لشکر کے ساتھ دشمن کی جانب روانہ ہوگئے، لشکر ایسے باغ کے قریب جا کر رُکا جس کے چاروں طرف دیوار تھی اور دیوار میں ایک بڑا سوراخ تھا۔ سارا لشکر اس سوراخ کے ذریعہ اندر داخل ہوگیا۔ اتنے میں دشمنوں کا لشکر بھی اس سوراخ کے قریب آکر

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۱۰۵، ۱۰۶۔

کھڑا ہوگیا۔حضرت اسود بن کلثوم اپنے گھوڑے سے اس حالت میں اُترے کہ آپ کا چہرہ گرد آلود تھا۔آپ دوڑتے ہوئے باغ میں موجود ایک تالاب کے پاس آئے، وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر آپ دشمنوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی،مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔

اس لشکر میں حضرت اسود بن کلثوم کے بھائی بھی موجود تھے۔جب لشکر اسلام واپسی کے لیے کوچ کرنے لگا تو کچھ اَفراد نے دیوار پر چڑھ کر پکارا: اے اسود بن کلثوم کے بھائیو! یہاں آکر دیکھو،تمہارے بھائی کے گوشت اور ہڈیوں کے ساتھ کیا سلوک ہورہا ہے۔یہ سن کران کے بھائی غمگین ہوگئے اور مغموم لہجے میں کہا: ہمارے بھائی نے جو دعا کی تھی وہ قبول ہوگئی،ہم میں ایسی دعا کرنے کی ہمت نہیں۔(۱)

کاشانۂ فرحت وسرور

اپنے زمانے کے بہت ہی متقی وصالح بزرگ حضرت سالم بن زرعہ بن حماد ابومرضی سے منقول ہے: ہم جس علاقے میں رہتے تھے،وہاں کا پانی تقریباً ساٹھ سال سے نمکین تھا۔وہاں سے گزرنے والی نہر کا پانی بھی انتہائی کڑوا تھا۔نہر کے قریب ہی ایک عبادت گزار نوجوان رہتا تھا۔ اس کے گھر میں نہ تو کوئی پانی کی ٹینکی وغیرہ تھی اور نہ ہی کوئی ایسا بڑا برتن جس میں پانی رکھا جاسکے۔

ایک مرتبہ سخت گرمی کے دن رمضان کے مہینے میں اِفطار کے وقت میں نے اس نوجوان کو نہر کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا۔میں بھی اس نوجوان کے ساتھ ہولیا۔اس نے نماز کے لیے وضو کیا، پھر اس طرح اِلتجا کی: اے میرے پاک پروردگار! کیا تو میرے اعمال سے خوش ہے کہ میں تجھ سے سوال کروں؟ اے میرے مولا! گرم اور کھولتا ہوا پانی اس کے لیے ہوگا جس نے تیری نافرمانی کی ہوگی۔اگر مجھے تیرے غضب کا خوف نہ ہوتا تو میں کبھی بھی اِفطار نہ کرتا، بے شک پیاس کی شدت نے مجھے مشقت میں ڈال دیا ہے۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:۲/۲۲۹تا۲۳۰۔

یہ دعا کرنے کے بعد اس نوجوان نے اپنا ہاتھ بڑھا کر نہر سے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ میں حیران تھا کہ یہ اس کڑوے پانی پر کس طرح صبر کر رہا ہے!۔ جب وہ وہاں سے چلا گیا تو میں نے بھی اسی جگہ سے پانی پیا، میری حیرت کی انتہا نہ رہی؛ کیوں کہ وہاں کا پانی انتہائی لذیذ اور شکر کی طرح میٹھا تھا۔ میں نے خوب جم کر پیا یہاں تک کہ سیر ہو گیا۔

حضرت ابومرضی فرماتے ہیں کہ پھر اس نوجوان نے مجھ سے کہا: آج رات میں نے ایک خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا تھا: ''ہم تیرے گھر کی تعمیر سے فارغ ہو چکے ہیں، وہ گھر ایسا خوبصورت ہے کہ اسے دیکھ کر تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، اب ہم نے اس کی آرائش کا حکم دے دیا ہے، ایک ہفتے بعد مکمل تیار ہو جائے گا، اس کا نام 'سرور' ہے، تجھے اچھائی و بھلائی کی خوش خبری ہو''۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔

حضرت ابومرضی فرماتے ہیں کہ اس نوجوان کا یہ خواب سن کر میں واپس آ گیا۔ ساتویں دن جمعہ تھا، نوجوان نمازِ فجر کے لیے وضو کرنے نہر پر گیا، اس کا پاؤں پھسلا تو نہر میں ڈوب گیا، ہم نے اسے نکالا تو اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد ہم نے اسے دفنا دیا۔ تین دن بعد میں نے اسے خواب میں ایک پُل کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے بہترین سبز لباس زیبِ تن کر رکھا تھا، اور بلند آواز سے 'اللہ اکبر، اللہ اکبر' کہہ رہا تھا۔

میرے پوچھنے پر کہ اللہ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا اس نے کہا: اے ابومرضی! میرے رحیم و کریم پروردگار نے 'دار السرور' میں میری مہمانی فرمائی اور مجھے وہ بہترین گھر بھی عطا فرما دیا۔ تم جانتے ہو اس میں میرے لیے کیا کیا نعمتیں تیار کی گئی ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، ذرا وہاں کی نعمتوں کی صفات بیان کرو۔

وہ نوجوان کہنے لگا: اللہ آپ کا بھلا کرے! تعریف کرنے والوں کی زبانیں اس سے عاجز ہیں کہ وہاں کی نعمتوں کی صفات بیان کریں۔ اگر آپ کو وہاں کی نعمتیں چاہئیں تو آپ بھی میری طرح عبادت و ریاضت میں جٹ جائیں۔ اے کاش! میرے گھر والے جانتے کہ ان کے لیے میرے ساتھ کیا کیا نعمتیں تیار کی گئی ہیں؟ یہاں پر ایسے خوبصورت و مزین گھر ہیں کہ ان کے دل

جن چیزوں کی خواہش کریں گے وہ تمام اَشیا وہاں موجود ہوں گی، اور ان شاء اللہ آپ بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔اس کے بعد پھر اَچانک میری آنکھ کھل گئی۔(۱)

شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مؤمن

حضرت ابوامیہ عبداللہ بن قیس غفاری فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم لشکرِ اسلام کے ساتھ جہاد کے لیے گئے۔ جب دشمن سامنے آیا تو لوگوں میں شور برپا ہوگیا۔اس دن ہوا بہت تیز تھی۔ تمام مجاہدین دشمن کے سامنے صف بہ صف سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہوگئے۔ اچانک میرے سامنے ایک نوجوان آیا جس کا گھوڑا اچھل کود رہا تھا، اور وہ اسے دشمن کی طرف دوڑا رہا تھا اور اپنے آپ سے یوں مخاطب تھا :

اے نفس! کیا تو فلاں حاضر ہونے کی جگہ حاضر نہ ہوگا؟ کیا تو مرتبہ شہادت کا طلب گار نہیں کہ تو کہہ رہا ہے: تیرے بچوں اور اہل وعیال کا کیا بنے گا؟، کیا ایسی چیزوں کی طرف توجہ دِلا کر تو مجھے واپس لے جانا چاہتا ہے؟، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔اے نفس! کیا تو مرتبہ شہادت سے منہ موڑتا ہے؟ تیرا کیا خیال ہے کہ میں تیرے بہکاوے میں آ کر اہل وعیال کی فکر میں جہاد سے پیٹھ پھیرلوں گا؟ ہرگز نہیں! تیری یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی۔خدا کی قسم! آج تو میں ضرور تجھے اللہ کی بارگاہ میں پیش کروں گا، اب چاہے تو وہ تجھے قبول کر کے مرتبہ شہادت سے نواز دے، چاہے چھوڑ دے۔

وہ نوجوان یہ کہتا ہوا دشمن کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نے کہا: آج میں اس کی نگرانی کروں گا اور دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتا ہے؟ اب میری توجہ اسی نوجوان کی طرف تھی۔اسلام کے شیروں نے دشمن پر بڑھ چڑھ کر حملہ کیا تو وہ نوجوان صف اوّل میں بڑے دلیرانہ انداز میں حملے کر رہا تھا، اُدھر سے دشمن بھی شدید حملے کر رہے تھے۔میدانِ کارزار میں ہر طرف چیخ وپکار اور تلواروں کے ٹکرانے کا شور برپا تھا۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم:۲/۲۳۰ تا ۲۳۱۔

میں نے اس نوجوان پر اپنی نظر جمارکھی تھی۔ وہ بڑی بے جگری اور ہمت سے لڑ رہا تھا، دشمن کی تلواریں اس کے جسم کو زخمی کر رہی تھی، اس کا گھوڑا بھی زخموں سے نڈھال ہو چکا تھا لیکن وہ مردانہ وار بڑھ بڑھ کر دشمن پر حملہ کر رہا تھا۔ بالآخر لڑتے لڑتے زخموں سے چور چور ہو کر زمین پر گر پڑا اور اس کی روح قفسِ عنصری سے عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔ جب میں نے دیکھا تو اس کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے ساٹھ (۶۰) سے بھی زائد گہرے زخم تھے۔(۱)

لکڑیاں سونا کیسے بنیں......!

حضرت داؤد بن رشید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ملک شام میں دو حسین وجمیل عبادت گزار نوجوان رہتے تھے۔ کثرتِ عبادت اور تقویٰ وپرہیزگاری کی وجہ سے انھیں 'صبیح اور ملیح' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

انھوں نے اپنا ایک واقعہ کچھ یوں بیان کیا: ایک مرتبہ ہمیں بھوک نے بہت زیادہ تنگ کیا۔ میں نے اپنے رفیق سے کہا: آؤ، فلاں صحرا میں چل کر کسی شخص کو دین متین کے کچھ اَحکام سکھا کر اپنی آخرت کی بہتری کے لیے کچھ اِقدام کریں؛ چنانچہ ہم دونوں صحرا کی جانب چل پڑے، وہاں ہمیں ایک سیاہ فام شخص ملا جس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ ہم نے اس سے کہا: بتاؤ! تمہارا رب کون ہے؟۔

یہ سن کر اس نے لکڑیوں کا گٹھا زمین پر پھینکا اور اس پر بیٹھ کر کہا: مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ تیرا رب کون ہے؟ بلکہ یہ پوچھو: ایمان تیرے دل کے کس گوشے میں ہے؟۔ اس دیہاتی کا عارفانہ کلام سن کر ہم دونوں حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ وہ پھر مخاطب ہوا: تم خاموش کیوں ہو گئے، مجھ سے پوچھو، سوال کرو، بے شک طالب علم سوال کرنے سے باز نہیں رہتا۔

ہم اس کی باتوں کا کچھ جواب نہ دے سکے اور خاموش رہے۔ جب اس نے ہماری خاموشی دیکھی تو بارگاہِ خداوندی میں اس طرح عرض گزار ہوا :

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۲۴۴، ۲۴۵۔

اے میرے پاک پروردگار! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے کچھ ایسے بندے بھی ہیں کہ جب وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں تو تو انھیں ضرور عطا فرماتا ہے۔ میرے مولا! میری اِن لکڑیوں کو سونا بنا دے۔

ابھی اس نے یہ الفاظ اَدا ہی کیے تھے کہ ساری لکڑیاں چمک دار سونا بن گئیں۔ اس نے پھر دعا کی: اے میرے پروردگار! بے شک تو اپنے اُن بندوں کو زیادہ پسند فرماتا ہے جو شہرت کے طالب نہیں ہوتے۔ میرے مولا! اس سونے کو دوبارہ لکڑیاں بنا دے۔ اس کا کلام ختم ہوتے ہی وہ سارا سونا دوبارہ لکڑیوں میں تبدیل ہوگیا۔ اس نے لکڑیوں کا گٹھا اپنے سر پر رکھا اور ایک جانب روانہ ہوگیا۔

ہم اپنی جگہ ساکت وجامد کھڑے رہے اور کسی کو اس کے پیچھے جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس نیک بندے کا ظاہری رنگ اگرچہ سیاہ تھا؛ لیکن اس کا باطن نورِ معرفت وایمان سے منور وروشن تھا۔(۱)

مرحوم والدین پر اولاد کے اَعمال کی پیشی

حضرتِ صدقہ بن سلیمان جعفری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میرا عنفوانِ شباب تھا اور میں بری عادتوں اور دنیا کی رنگینیوں میں گھرا ہوا تھا؛ مگر جب والد گرامی کا انتقال ہوا تو میرا دل چوٹ کھا گیا۔ میں نے اپنی سابقہ خطاؤں پر شرمندہ ہوتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں توبہ کرلی اور اعمالِ صالحہ کی طرف راغب ہوگیا۔

پھر بدقسمتی سے ایک دن میں کسی برے کام کا مرتکب ہوا تو اسی رات والد گرامی خواب میں آئے اور فرمایا: اے میرے بیٹے! تیرے اَعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو مجھے بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے؛ کیونکہ وہ نیک لوگوں کے اَعمال جیسے ہوتے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ جب تیرے اَعمال پیش کیے گئے تو مجھے بہت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ خدارا! مجھے میرے فوت شدہ

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۲۴۶، ۲۴۷۔

دوستوں کے سامنے رُسوا نہ کیا کرو۔ بس اس خواب کے دیکھنے کے بعد میری زندگی میں انقلاب آ گیا، میں ڈر گیا اور توبہ پر استقامت اختیار کر لی۔

راوی کہتے ہیں: تہجد کی نماز میں ہم آپ کو اس طرح التجائیں کرتے ہوئے سنتے تھے: اے صالحین کی اِصلاح کرنے والے! اے بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر چلانے والے! اے گناہ گاروں پر رحم فرمانے والے! میں تجھ سے ایسی توبہ کا سوال کرتا ہوں جس کے بعد کبھی گناہ کی طرف نہ جاؤں۔ کبھی برائی وظلم کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھوں۔ اے خالق و مالک! مجھے سچی توبہ کی توفیق عطا فرما۔(۱)

بہشتی حور اور مدنی نوجوان

حضرت اِدریس علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ہمارا لشکر دشمنانِ اسلام کی سرکوبی کے لیے 'روم' کی جانب رواں دواں تھا۔ راستے میں مدینہ منورہ سے ایک نوجوان آیا اور مجاہدین کی صف میں شامل ہو گیا۔ دشمن کے علاقے میں پہنچ کر ہم نے ایک شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ہم تین مجاہد ایک ساتھ تھے، ایک میں اور دوسرا 'زیاد' نامی مدنی نوجوان، اور تیسرا دوست بھی مدینہ منورہ کا ہی رہنے والا تھا۔

ایک دن ہم پہرا دے رہے تھے کہ صبح کے وقت ہم میں سے ایک شخص کھانا لینے چلا گیا۔ اب میں اور زیاد نامی مدنی نوجوان ایک ساتھ تھے، اتنے میں منجنیق سے پتھر پھینکا گیا جو زیاد کے قریب آ گرا، پتھر کا ایک ٹکڑا زیاد کے گھٹنے پر لگا جس سے اتنی شدید چوٹ لگی کہ وہ تاب نہ لا کر فوراً بیہوش ہو گیا۔ ہم کافی دیر اس کے قریب کھڑے رہے؛ لیکن اس نے حرکت نہ کی، پھر بے ہوشی کی حالت میں یکا یک اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، وہ اتنا ہنسا کہ داڑھیں ظاہر ہونے لگیں، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے دوبارہ ہنسا، اس کے بعد رونے لگا، پھر خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا تو اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا: یہ مجھے کیا ہوا؟ میں کہاں ہوں؟ ہم نے کہا: کیا تجھے یاد نہیں کہ منجنیق کا ایک پتھر تجھے لگا تھا۔ اس نے کہا: کیوں نہیں! مجھے یاد ہے۔ ہم

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۳۴۳۔

نے کہا: اس کے بعد تجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور ہم نے بیہوشی کے عالم میں تجھے اس طرح دیکھا۔ ہمیں بتاؤ آخر معاملہ کیا ہے؟۔

وہ نوجوان کہنے لگا: ہاں! میں تمہیں ساری بات بتاتا ہوں، سنو! جب راہِ خدا میں مجھے پتھر لگا اور میں بے ہوش ہوگیا تو میں نے دیکھا کہ مجھے ایک ایسے وسیع وعالیشان کمرے میں لے جایا گیا جو زبرجد اور یاقوت سے بنا ہوا تھا۔ پھر ایک ایسے بستر پر لے جایا گیا جس میں ہیرے جواہرات سے مزین بہترین چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ وہاں عمدہ قسم کے قیمتی تکیے رکھے ہوئے تھے۔

ابھی میں اس بستر پر بیٹھا ہی تھا کہ میں نے زیورات کی جھنکار سنی، مڑکر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ ایک انتہائی حسین وجمیل دوشیزہ بہترین لباس میں ملبوس اور عمدہ زیورات سے مزین میرے سامنے موجود تھی، میں نہیں جانتا کہ وہ زیادہ خوبصورت تھی یا اس کے لباس وزیورات!۔

وہ میرے سامنے آکر بیٹھی، خوش آمدید کہا، اور بڑے پیار بھرے انداز میں میری جانب دیکھتے ہوئے یوں گویا ہوئی: اے میری راحت وسکون! اے میرے سرتاج! مرحبا، میں تمہاری دنیوی بیوی کی طرح نہیں ہوں، پھر اس نے میری بیوی کا اس انداز میں ذکر کیا کہ میں ہنسنے لگا۔ پھر وہ میری دائیں طرف میرے پہلو میں آکر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا: تو کون ہے؟ کہنے لگی: میں تیری جنتی بیویوں میں ایک ناز والی بیوی ہوں۔

میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو بولی: کچھ دیر رُک جاؤ، ان شاء اللہ آج ظہر کی نماز کے وقت تم ہمارے پاس آجاؤ گے۔ اس کی یہ بات سن کر میں رونے لگا، ابھی میں رو ہی رہا تھا کہ اپنی بائیں جانب زیورات کی جھنکار سنی، مڑکر دیکھا تو اسی کی طرح ایک اور خوبصورت دوشیزہ موجود تھی۔ اس نے بھی وہی کچھ کہا جو پہلی نے کہا تھا۔

جب میں نے ہاتھ بڑھانا چاہا تو بولی: تھوڑی دیر رُک جاؤ، انشاء اللہ ظہر کے وقت تم ہمارے پاس پہنچ جاؤ گے۔ میں پھر رونے لگا۔ بس اس کے بعد مجھے ہوش آگیا اور اب میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔

ہم اس کی بات سن کر بہت حیران ہوئے اور وقت کا اِنتظار کرنے لگے، جیسے ہی ظہر کا وقت

ہوا اور مؤذن نے اَذان کہی، وہ نوجوان یکا یک زمین گرا اور اس کی روح عالم بالا کی طرف پرواز کرگئی۔(۱)

مردے زندوں کے اَحوال سے باخبر

حضرت ابوحمزہ انصاری علیہ الرحمہ حضرت ابومصرخی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں جہاد کے لیے گیا تو میرا گزر ملک شام کے ایک قلعے کے قریب سے ہوا جس کا دروازہ بند تھا۔ دروازہ کے ساتھ ہی ایک قبر تھی۔ رات ہوچکی تھی؛ لہٰذا میں نے یہیں رات گزارنے کا فیصلہ کیا اور قبر کے قریب لیٹ گیا۔

میں سویا ہوا تھا کہ ایک غیبی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے اُمیمہ! تو ہمارے پاس آ، اللہ تجھ سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی کرے۔ آواز سن کر میں خوفزدہ ہوگیا اور نماز پڑھنے لگا۔ پھر جب صبح کا اُجالا پھیلنے لگا تو میں دوبارہ سو گیا، میں نے پھر وہی آواز سنی: اے اُمیمہ! ہمارے پاس آ، اللہ دونوں حالتوں میں تجھ سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی کرے، ہماری قبروں کے اندھیرے سے تعجب نہ کر، تو مٹی کے نیچے ہمارے پاس آجا۔

میں پھر گھبرا کر اُٹھ بیٹھا، قلعے کے دروازے کی طرف دیکھا، وہ کھل چکا تھا اور لوگ ایک جنازہ لیے آرہے تھے۔ ان کے آگے ایک بوڑھا شخص تھا، میں نے پوچھا: یہ جنازہ کس کا ہے؟۔ کہا: یہ میری بیٹی کا جنازہ ہے۔ میں نے پوچھا: اس کا نام کیا ہے؟، کہا: اُمیمہ۔ میں نے قبر کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ قبر کس کی ہے؟ کہا: میرے بھتیجے کی، یہ میری بیٹی کا شوہر تھا، فوت ہوگیا تو ہم نے اسے دفنا دیا، اب میری بیٹی بھی انتقال کرگئی ہے ہم اسے دفن کرنے آئے ہیں۔

میں نے یہ سنا تو وہاں موجود لوگوں کو اس غیبی آواز کے بارے میں بتایا جو میں نے رات کو دو مرتبہ سنی تھی، لوگ یہ سن کر حیران رہ گئے۔ حضرت علامہ ابن الجوزی علیہ الرحمہ اس حکایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس سے ثابت ہوا کہ 'مردے زندوں کے اَحوال جانتے ہیں'۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۳۴۶، ۳۴۷۔

چنانچہ حضرت محمد بن عباس ورّاق علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنے والد کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا، راستے میں دَوم (یعنی سیب کی طرح سرخ رنگ کے پھلوں والے خاص درخت) کے پاس اس کے والد کا انتقال ہوگیا۔ بیٹا اسے درخت کے قریب ہی دفنا کر سفر پر روانہ ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد جب اس نوجوان کا گزر اس درخت کے قریب سے ہوا تو اپنے والد کی قبر کا اسے خیال نہ رہا، اور وہاں ٹھہرے بغیر آگے بڑھ گیا۔ یکایک ہاتف غیبی کی آواز نے اسے چونکا دیا، فضا میں آواز گونجنے لگی :

میں نے تجھے رات کے وقت دَوم کے درخت کے قریب سے گزرتا ہوا پایا، تجھ پر لازم ہے کہ دوم والے سے گفتگو کر، دوم کے درخت کے قریب ایک شخص رہتا ہے، کاش! تو اس کی جگہ ہوتا، کچھ دیر دوم والے کے پاس ٹھہر اور اسے سلام کر۔(۱)

انگور کا باغ

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے: ایک مرتبہ ہمارا قافلہ 'روم' کی جانب جہاد کے لیے جا رہا تھا، قافلے میں ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ جب ہمارا گزر انگوروں کے ایک باغ کے قریب سے ہوا تو ہم نے ایک نوجوان کو ایک ٹوکری دیتے ہوئے کہا: جاؤ، اس باغ سے ہمارے لیے انگور لے آؤ، ہم چلتے ہیں، تم انگور لے کر ہمارے ساتھ مل جانا۔

وہ نوجوان انگوروں کے باغ میں چلا گیا، وہاں پہنچا تو اس نے انگور کی بیل کے نیچے سونے کے تخت پر ایک حسین وجمیل دوشیزہ بیٹھی دیکھا۔ نوجوان نے فوراً نگاہیں نیچی کر لیں اور دوسری طرف چلا گیا۔ وہاں بھی ویسی ہی خوبصورت دوشیزہ تخت پر بیٹھی ہوئی پائی، اس نے پھر نگاہیں جھکا لیں۔ یہ دیکھ کر وہ حسین وجمیل دوشیزہ مسکراتے ہوئے یوں گویا ہوئی: ہماری طرف دیکھئے! آپ کو ہماری طرف دیکھنا جائز ہے؛ کیوں کہ ہم 'حورِعین' میں سے آپ کی جنتی بیویاں ہیں، اور آج آپ ہمارے ہاں پہنچ جائیں گے۔

(۱) عیون الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۲/۱۸۹، ۱۹۰۔

اس کے بعد وہ انگور لیے بغیر اپنے رفقا کی طرف واپس آ گیا۔ وہ خالی ہاتھ تھا، اور اس کے چہرے سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، ہم نے حیران ہوکر ماجرا دریافت کیا؛ مگر اس نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ جب دوستوں نے بہت اِصرار کیا تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ سب لوگ اس واقعہ سے بہت حیران ہوئے، پھر جیسے ہی ہمارا لشکر دشمن کے سامنے پہنچا وہ نوجوان بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑا اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کر گیا۔ اس دن مسلمانوں کے لشکر میں سب سے پہلے شہید ہونے والا وہی نوجوان تھا۔(۱)

بوسیدہ ہڈیوں کی نصیحت

ایک شخص جسے دینار 'عیار' کہا جاتا تھا، اس کی ماں اسے بری حرکتوں سے منع کرتی لیکن وہ باز نہ آتا تھا۔ ایک دن اس کا گزر ایک قبرستان سے ہوا جہاں بہت سی بوسیدہ ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک ہڈی اُٹھائی تو وہ اس کے ہاتھ میں بکھر کر رہ گئی۔

یہ دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گیا اور خود سے کہنے لگا: تیری ہلاکت ہو! ایک دن تو بھی ان میں شامل ہو جائے گا اور تیری ہڈیاں بھی اسی طرح بوسیدہ ہو جائیں گی جب کہ جسم مٹی میں مل جائے گا، اس کے باوجود تو گناہوں میں مشغول ہے؟ اس کے بعد اس نے توبہ کی اور کہنے لگا: اے میرے رب! میں خود کو تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں، مجھ پر رحم کر اور مجھے قبول فرمالے۔

پھر وہ نوجوان زرد چہرے اور شکستہ دل کے ساتھ اپنی ماں کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: امی جان! بھاگا ہوا غلام جب پکڑا جائے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟۔ ماں نے جواب دیا: اسے کھردرا لباس، سوکھی روٹی دی جاتی ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جاتے ہیں۔

اس نے عرض کی: آپ میرے ساتھ وہی سلوک کریں جو بھگوڑے غلام کے ساتھ کیا جاتا ہے، شاید میری اس حالت کو دیکھ کر میرا مالک مجھے معاف فرمادے۔ اس کی ماں نے اس کی یہ خواہش پوری کی۔ اب جب رات ہوتی تو یہ روتا اور آہ وزاری شروع کر دیتا اور کہتا: اے

(۱) عیونُ الحکایات ابن الجوزی مترجم: ۳۵۶/۲۔

دینار! تو ہلاک ہوجائے، کیا تجھے اپنے آپ پر قابو نہیں ہے، تو کس طرح اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ سکے گا؟ یہاں تک کہ صبح ہوجاتی۔

ایک رات اس کی ماں نے کہا: بیٹا! اپنے آپ پر ترس کھاؤ اور اتنی مشقت مت اُٹھاؤ۔ اس نے جواب دیا: مجھے اسی حال پر رہنے دیں، تھوڑی سی مشقت کے بعد شاید مجھے طویل آرام نصیب ہوجائے۔ امی جان! میری نافرمانیوں کی ایک طویل فہرست رب تعالیٰ کے سامنے موجود ہے، اور میں نہیں جانتا کہ مجھے مقامِ رحمت میں جانے کا حکم ہوگا یا وادیِ ہلاکت میں ڈال دیا جاؤں گا؟ مجھے اُس تکلیف کا خوف ہے جس کے بعد کوئی راحت نہیں اور مجھے ایسی سزا کا ڈر ہے جس کے بعد پھر معافی نہیں ملنے والی!۔

ماں نے یہ سن کر کہا: اچھا! تھوڑا سا تو آرام کرلے۔ وہ کہنے لگا: میں کیسے آرام کرسکتا ہوں، کیا آپ میری مغفرت کی ضمانت دیتی ہیں؟ کون میری بخشش کی ضمانت دے گا؟ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں! ایسا نہ ہو کہ کل لوگ جنت کی جانب جارہے ہوں اور میں جہنم کی طرف گھسیٹا جارہا ہوں......۔

نوجوان کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کی ماں نے یہ آیت تلاوت کی:

فَوَرَبِّکَ لَنَسْأَلَنَّھُمْ أَجْمَعِیْنَ، عَمَّا کَانُوا یَعْمَلُوْنَ○ (سورۂ حجر:۹۲،۹۳)

سوآپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پرسش کریں گے، ان اعمال سے متعلق جو وہ کرتے رہے تھے۔

اس آیت کا اس کے کانوں میں پڑنا تھا کہ وہ سانپ کی طرح لوٹنے لگا، بالآخر بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑا، اس کی ماں نے اسے پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ وہ کہنے لگی: میری آنکھوں کی ٹھنڈک، اب کہاں ملاقات ہوگی؟۔ نوجوان نے کمزور سی آواز میں جواب دیا: اگر میں عرصہ قیامت میں آپ کو نہ مل سکوں تو داروغہ جہنم سے پوچھ لینا۔ پھر اس نے ایک چیخ ماری اور اس کی روح پرواز کرگئی۔(۱)

(۱) کتاب التوابین:۲۵۶۔

دنیا بہت تھوڑی ہے!!!

فارس کے یکتائے روزگار بزرگ حضرت عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ شاہی خاندان کے چشم وچراغ ہونے کے باوجود بیس سال تک ٹاٹ کے کپڑے استعمال کرتے رہے۔ وہ اپنی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس وقت مجھے یہ علم ہوا کہ مصر کے اندر ایک نوجوان اور معمر شخص محوِ مراقبہ ہیں، تو میں بطورِ خاص اُن کی زیارت کے لیے گیا۔

وہاں پہنچ کر میں نے انہیں سلام کیا لیکن میری طرف کوئی التفات نہیں کیا۔ جب دو مرتبہ کے بعد بھی انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا تو میں نے تیسری مرتبہ انہیں قسم دے کر کہا کہ خدارا! میرے سلام کا جواب دے دیں۔

یہ سن کر نوجوان نے سر اٹھایا اور جواب دیتے ہوئے کہا کہ اے خفیف! دنیا بہت تھوڑی سی ہے؛ لہٰذا اِس قلیل عرصہ میں کثیر حصہ حاصل کرو۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ تم دنیا سے بےفکر ہو جب ہی تو ہمارے سلام کے لیے حاضر ہوئے ہو۔

یہ کہہ کر وہ پھر مراقبہ میں مشغول ہو گیا اور اس کی یہ باتیں تاثیر کا تیر بن کر میرے دل میں اُتر گئیں، میں اس سے اتنا متاثر ہوا کہ شدت بھوک کے باوجود میری تمام بھوک غائب ہوگئی۔ پھر انھیں دونوں کے ہمراہ میں نے ظہر وعصر کی نماز اَدا کی۔

اَب میں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے نوجوان سے مزید کچھ نصیحت کرنے کی درخواست کی تو اس نے جواب دیا کہ ہم لوگ تو خود ہی گرفتارِ بلا ہیں جس کی وجہ سے ہماری زبان نصیحت کے قابل ہی نہیں ہے؛ بلکہ ہماری تمنا تو یہ ہے کہ ہمیں خود کوئی دوسرا شخص نصیحت کرے۔ لیکن جب میرا اِصرار بڑھا تو میری شدید خواہش پر اس نے کہا کہ ُاے خدا کے بندے! ایسے لوگوں کی صحبت اپنے اوپر لازم کرلے جو تجھے خدا کی یاد دلاتے رہیں، اور زبانی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں اپنے علم پر عامل بنا دیں۔(۱)

(۱) تذکرۃ الاولیاء مترجم: ۲۲۷۔

ایسے قاضی کے لیے ہلاکت!

یعقوب بن یوسف کوفی کہتے ہیں کہ میں نے خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کچھ اس طرح دعا مانگ رہا ہے :

اللّٰهم اغفر لي وما أراک تفعل .

اے اللہ! مجھے معاف فرمادے؛ مگر لگتا نہیں ہے کہ تو مجھے معاف کرے گا۔

اس کی یہ دعا مجھے بڑی عجیب لگی؛ چنانچہ اس کے قریب جا کر میں نے کہا :

ما أعجب يأسک من عفو اللّٰه .

(اللہ کے گھر میں کھڑے ہوکر) اللہ کی بخشش اور معافی سے نا اُمید ہوتے ہو، یہ تو بہت ہی تعجب کی بات ہے!۔

کہنے لگا: میں ایک بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں ؛ اس لیے مجھے اپنی معافی کی قطعاً امید نہیں ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: ذرا مجھے بھی بتاؤ۔ چنانچہ اس نے اپنا قصہ غم کچھ اس طرح بیان کیا :

میں یحییٰ بن محمد کے ساتھ موصل کی بغاوت کو فرو کرنے والوں میں شامل تھا۔ جمعہ کا دن تھا۔ ہم نے بہت سارے لوگوں کو قتل کیا اور شہر پر قبضہ کرلیا۔ اب ایک منادی کرنے والے نے حاکم کی طرف سے اعلان کیا کہ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور اطاعت قبول کرے اس کو اَمان دی جاتی ہے۔ اس کے گھر اور اس میں جو کچھ بھی ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی جاتی ہے؛ لہٰذا کوئی شخص گھر سے نہ نکلے۔

بے شمار لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے، میں اس وقت نوجوان تھا۔ اقتدار اور قوت کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ میں نے ایک گھر کا انتخاب کیا اور تلوار لہراتا ہوا اس میں جا گھسا۔ اس گھر میں میاں بیوی اور ان کے دو بیٹے تھے۔

خاوند سامنے آیا۔ اس نے مجھ سے سوال و جواب کرنے چاہے تو میں نے دفعتاً اسے قتل

کردیا۔اس کی بیوی چیخنے اور چلانے لگی اور مجھ سے امن کی طالب ہوئی۔ میں نے کہا: گھر میں جو کچھ نقدی اور سونا چاندی ہے میرے حوالے کردو، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ گھرانہ مجھے میں خاصا امیر کبیر نظر آتا تھا۔ مجھے یہاں سے خاصی دولت ہاتھ لگنے کی اُمید تھی۔ وہ عورت اندر گئی اور سات دینار لے کرآ گئی۔

میں نے اس سے کہا: یہ بہت تھوڑے ہیں، اور لے کر آؤ۔عورت نے کہا: گھر میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جو میں تمہیں دوں۔ میں نے تلوار اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی اور کہا: بدبخت! فوراً اندر سے مزید مال لے کر آؤ؛ ورنہ میں تمہارے ایک بیٹے کو اس کے باپ کے پاس پہنچادوں گا۔عورت نے ہاتھ جوڑ دیے اور لگی قسمیں کھانے کہ گھر میں صرف یہی کچھ ہے۔ میں نے اس کا اعتبار نہ کیا۔اس دوران اس کا بیٹا آگے بڑھا تو میں نے اس پر تلوار کا وار کیا اور اسے بھی قتل کردیا۔اب میں نے دوبارہ اس عورت سے کہا :

اب بھی تمہارے پاس وقت ہے، جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ؛ ورنہ تمہارے دوسرے بیٹے کو بھی قتل کردوں گا۔ جب اس عورت نے میری جفا کو دیکھا تو کہنے لگی: مجھ پر رحم کھاؤ۔میرے پاس اپنے خاوند کا عطا کردہ ایک عطیہ ہے، میں وہ لے کرآتی ہوں۔

چنانچہ وہ اندر گئی اور تھوڑی دیر کے بعد سونے کی ایک زرہ لے کرآ گئی۔ میں نے آج تک اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت زرہ نہیں دیکھی تھی۔ میں نے اسے ہاتھوں میں لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔اس زرہ پر سونے کے پانی سے یہ لکھا ہوا تھا :

إذا جـــار الأميـــر و حاجبـــاه
وقاضی الأرض أسرف فی القضاء

فـويـل ثم ويـــل ثــــم ويـــل
لقـاضی الأرض من قاضی السماء

یعنی جب امیر اور اس کے حاشیہ بردار ظلم وستم کرنے پر اُتر آئیں، اور دنیا کے قاضی اپنے فیصلوں میں زیادتی کرنے لگیں تو پھر اس دنیا کے قاضی کے لیے آسمانوں کے حاکم اور قاضی کی طرف سے ہلاکت ہے، ہلاکت ہے۔

یہ شعر پڑھنے کے بعد وہ تلوار میرے ہاتھوں سے گر پڑی، میرے جسم پر رعشہ طاری ہوگیا، اور میں نہایت شرمندہ اور ذلیل وخوار ہوکر وہاں سے نکل آیا۔(۱)

قصہ کامیاب عابد نوجوان کا

اس واقعے کے راوی امام ابن حزم ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو ثقہ اور سچا انسان ہے: اہل قرطبہ (اسپین) میں ایک نوجوان نہایت خوبصورت تھا، جو بھی اس کو ایک نظر دیکھتا، اس کا ہوجاتا۔ یہ نوجوان خوبصورتی کے ساتھ ساتھ نہایت عبادت گزار اور متقی وپرہیزگار بھی تھا۔

اس نوجوان کا ایک دوست تھا جس کے ساتھ اسے گہری محبت تھی، اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسری بستی میں مقیم تھا۔ ایک مرتبہ یہ عابد اس سے ملنے کے لیے گیا۔ شام ہوچکی تھی، اس کے دوست نے کہا کہ وہ آج کی رات اسی کے یہاں قیام کرلے؛ چنانچہ وہ مان گیا۔

اتفاق سے رات کے وقت اس کے دوست کو ساتھ والی بستی سے کسی اہم کام کے لیے بلاوا آگیا اور وہ اسے یہ کہہ کر چلا گیا کہ تم میرا انتظار کرو میں تھوڑی ہی دیر میں واپس آجاؤں گا۔

اب گھر میں اس کی بیوی اور یہ خوبصورت نوجوان اکیلے تھے۔ سردی کا موسم تھا، بارش بھی ہورہی تھی، اور پورا ماحول بھیگا بھیگا سا تھا۔ یوں بھی اس علاقے میں سردیوں کی راتیں بڑی لمبی اور تاریک ہوتی ہیں۔ گھر میں نوجوان اپنے دوست کا انتظار کرتا رہا؛ مگر وہ نہ آیا۔ حتیٰ کہ شہر کا دروازہ بند کرنے کا وقت ہوگیا۔ اس کو کوئی ایسی مجبوری آن پڑی کہ وہ نہ آسکا۔

ادھر اس کی بیوی کو بھی یقین ہوگیا کہ اس کا خاوند رات کو واپس نہیں آسکے گا؛ چنانچہ اس نے بناؤ سنگھار کیا اور اس نوجوان کے پاس آگئی، اور اپنے آپ کو پیش کیا۔ نوجوان نے انکار کیا؛ مگر عورت نے بار بار اس کو دعوتِ گناہ دی۔ نوجوان تھوڑی دیر کے لیے بہکا؛ مگر فوراً ہی

(۱) امالی الزجاجی: ۱/۱۳۱۔

سنبھل گیا۔ چراغ جل رہا تھا، اس نوجوان نے اپنا ہاتھ چراغ کے اوپر کیا اور ذرا سا ہاتھ جلنے کے بعد پیچھے کھینچ لیا۔

اب اس نے اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: دنیا کی معمولی سی آگ برداشت کرنے کی طاقت نہیں جب کہ جہنم کی آگ کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں ہے!؛ مگر اس عورت پر شہوت کا بھوت سوار تھا، اس نے پھر دعوتِ گناہ دی، نوجوان نے پھر اپنے جسم کو آگ کے قریب کیا۔ جسم جلا تو اس نے پھر پیچھے کر لیا۔ اسی طرح جب بھی اس کو گناہ کا خیال آتا، وہ اپنے آپ کو آگ کے شعلے کے قریب کر دیتا اور ذرا سی حدت برداشت کر کے اپنے آپ کو پیچھے کر لیتا۔

غرضیکہ ساری رات اس نے اسی طرح جاگتے ہوئے اور توبہ واستغفار کرتے ہوئے گزار دی۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ اس کا انگوٹھا آگ کی لپٹ سے سیاہ ہو چکا تھا۔

داستان ناکام عابد نوجوان کی

راوی بیان کرتا ہے: ہم لوگوں نے ایک کشتی میں سوار ہو کر مختلف شہروں کا چکر لگانے کا فیصلہ کیا تاکہ اللہ کی زمین کے کسی حصے میں ذریعہ معاش تلاش کریں۔ ہمارے ساتھ ایک صالح، پاک طینت اور خوش اخلاق نوجوان بھی آ گیا۔

اس کے چہرے پر تقویٰ اور للّٰہیت کے آثار نمایاں تھے۔ جب بھی دیکھتے وہ باوضو ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مگن رہتا۔ مہلت پاتا تو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتا۔ نماز کا وقت ہوتا تو خود اذان دیتا اور ہماری امامت وہی کرتا۔ ہم میں سے جو نماز سے پیچھے رہ جاتا یا تاخیر کرتا تو اسے سرزنش کرتا۔ الغرض! ہمارے پورے سفر میں اس نوجوان کا کچھ یہی معمول رہا۔

ہم بحری سفر طے کرتے ہوئے ہند کے ایک جزیرے پر جا پہنچے۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کے لیے کشتی سے اُترے۔ ہم لوگ یہاں پر خرید وفروخت کرتے اور رات کو کشتی کی طرف لوٹ آتے۔ کشتی والوں میں کچھ گمراہ لوگ بھی تھے۔ وہ لہو ولعب اور خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لیے فسق وفجور کے اڈوں اور طوائف خانوں کے پھیرے لگایا کرتے تھے۔

ان کے برعکس اِدھر یہ نیک بخت نوجوان ہمیشہ کشتی ہی میں رہتا۔ کشتی سے اُتر کر باہر گھومنے پھرنے بھی نہ جاتا بلکہ اس مدت میں اپنا سارا وقت کشتی کی مختلف چیزوں کی اصلاح ومرمت میں گزارتا تھا۔ وہ رسی بٹتا تھا اور اس سے کشتی کی لکڑیاں درست کرکے باندھتا تھا۔ بقیہ اوقات ذکراذکار، قراءتِ قرآن اور نماز میں صرف کرتا تھا۔

راوی آگے نہایت افسوس سے بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ کشتی سے نکلے۔ وہ نوجوان معمول کے مطابق اپنے نیک اعمال میں مشغول تھا۔ کشتی میں اس کے ایک دوست نے اس سے کہا: ارے بھئی! تم ہر وقت کشتی سے چمٹے رہتے ہو، کبھی باہر نکلو۔ گھومو پھرو، باہر کیوں نہیں جاتے؟۔

کشتی سے کیوں نہیں اترتے تاکہ دنیا کی حقیقت سے آگاہ ہوسکو اور اُن دنیاوی چیزوں میں غوروفکر کرسکو جو تمہارے دل کا دریچہ کھولنے اور نفس کو مانوس کرنے میں معاون ثابت ہوں؟ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ سرکشی میں مبتلا کرنے والے اَڈوں اور اللہ کی نافرمانی کے لیے مخصوص ٹھکانوں پر چلو، نہ میں یہ تقاضا کرتا ہوں کہ ان مقامات کی سیر کرو جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں؛ مگر مباح چیزوں کو دیکھنے میں تو کوئی حرج نہیں۔ پھر اس نے وہاں کے بازاروں اور طرح طرح کے کھیل تماشوں کا نقشہ کچھ اس خوبصورتی سے پیش کیا کہ نوجوان لٹو ہوگیا اور بے اختیار ہوکر کہنے لگا: کیا اس دنیا میں واقعی ایسی دلچسپ چیزیں بھی ہیں جو تم بیان کررہے ہو؟۔

برے ساتھی نے کہا: ہاں ہاں! دنیا تو دور کی بات ہے، اسی جزیرے میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں۔ کنویں کے مینڈک نہ بنو، ذرا کشتی سے اُترو تو سہی، پھر دیکھنا کتنا مزہ آتا ہے اور تمہیں کتنی خوشی نصیب ہوتی ہے!۔

صالح نوجوان اپنے ساتھی کے اِصرار پر کشتی سے اُتر آیا۔ دونوں بازاروں کا چکر لگانے لگے۔ چلتے چلتے دونوں ایک ایسے راستے پر ہولیے جو بہت تنگ اور چھوٹا سا تھا۔ وہ اس راستے پر چلتے رہے، راستے کے آخر میں ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ برا ساتھی اس گھر میں گھس گیا اور نوجوان سے کہا: تھوڑی دیر انتظار کرو، میں جلد ہی واپس آرہا ہوں؛ لیکن خبردار! تم اس گھر کے

قریب نہ بھٹکنا!۔

یہ نیک نوجوان اس گھر کے دروازے سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا اور ذکر واذکار اور قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہوگیا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک آوارہ قہقہہ گونجا۔ نوجوان حیران ہوا، نظر اُٹھائی تو سامنے ایک نہایت خوبصورت لڑکی نظر آئی، نوجوان نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

پھر اس کا نفس اَمارہ حرکت میں آیا، وہ آگے بڑھا۔ دروازے کے قریب پہنچا اور دھیان سے گھر کے اندر کی گفتگو سننے لگا۔ اتنے میں پھر ایک نقرئی قہقہے کی آواز سنائی دی، جس نے اس کے جذبات میں ہلچل مچادی۔ اب وہ لپک کر دروازے سے چمٹ گیا اور سوراخ سے جھانکا تو ہکا بکا رہ گیا۔ اس کی نگاہ ایسے مناظر پر پڑی جو اس کے لیے بالکل نئے تھے۔ وہ ایسے عریاں مناظر کا مشاہدہ کرتا رہا جنھیں پہلے دیکھنا اسے ہرگز گوارا نہ تھا، نہ اس قسم کی چیزیں اس نے پہلے کبھی دیکھی تھیں، پھر وہ اپنی جگہ واپس آکر بیٹھ گیا۔

جب اس کا براساتھی دروازے سے باہر آیا تو نوجوان نے اسے لتاڑا: ارے بدبخت! تو کیسے گھناؤنے فعل میں مبتلا تھا، تیرا ستیاناس ہو! تیری یہ حرکت اللہ تعالیٰ کا غصہ بھڑکانے والی ہے۔

راوی آگے بیان کرتا ہے: ہم رات کو دیر سے کشتی کی طرف آئے اور آتے ہی سوگئے۔ ادھر نوجوان رات بھر جاگتا رہا جو کچھ اس نے دن میں دیکھا تھا، اس کے خیالوں کا رُخ بار بار انھیں مناظر کی طرف مڑ جاتا تھا۔ اگلی فجر طلوع ہوئی اور روشنی نے تاریکی کا پردہ چاک کیا تو سب سے پہلے کشتی سے اُترنے والا وہی نوجوان تھا۔ وہ سیدھا فحاشی والے مکان کے پاس پہنچا اور بلا تردد اس میں داخل ہوگیا۔ پھر وہ سب بھول کر اگلے دو دن تک شراب وشباب میں ڈبکیاں لگاتا رہا۔

اِدھر کشتی ران نے کشتی سے نوجوان کو غائب پایا تو پوچھا: موذن کدھر گیا؟ ہمارا امام کہاں ہے؟ کیا وہ نوجوان چلا گیا؟، کشتی میں موجود لوگوں میں سے کسی نے کشتی ران کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اس نے لوگوں کو نوجوان کی تلاش کے لیے مختلف مقامات پر بھیجا۔ جب کشتی ران کو

اطلاع ملی کہ فلاں شخص نے نوجوان کو بہکا کر ایک بدنامِ زمانہ مکان کی سیر کرائی تھی تو اس نے اسے ڈانٹ پلائی اور کہا: تجھے اللہ تعالیٰ غارت کرے! تجھے کوئی خوف نہیں، کیا تجھے اس کی درد ناک سزا سے ڈر نہیں لگتا؟ جا اور نوجوان کو جلد سے جلد بلا کر لا!۔

بہکانے والا شخص نوجوان کو بلانے گیا؛ لیکن نوجوان نے واپس آنے سے انکار کر دیا۔ اس بہکانے والے آدمی نے اس سے بڑی منت سماجت سے بار ہا کہا کہ کشتی کا کپتان تمہیں بلا رہا ہے، اب تمہیں واپس چلنا چاہیے؛ لیکن نوجوان نے اس کی ایک نہ سنی۔ اب وہ اس رنگین دنیا سے جدا ہونے کو تیار نہ تھا۔ اس نے واپسی کا ہر تقاضا مسترد کر دیا۔

جب جہاز ران کو اس کے واپس آنے سے انکار کی اطلاع ملی تو اس نے چند لوگوں کو بھیجا اور کہا کہ نوجوان کو زبردستی پکڑ لاؤ؛ چنانچہ وہ لوگ آئے اور نوجوان کو زبردستی کشتی پر لے گئے۔

راوی آگے بیان کرتا ہے: جب کشتی اپنے شہر روانہ ہوئی اور اس میں سوار لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تو وہ نوجوان کشتی کے ایک گوشے میں جا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی آہ و بکا سن کر یوں لگتا تھا جیسے اب اس کے دل کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

لوگ اس کے سامنے کھانا پیش کرتے لیکن وہ کھانے کو ہاتھ نہ لگاتا، اور کسی سے کوئی بات نہ کرتا۔ وہ کئی دنوں تک اسی طرح بھوکا پیاسا آہ وزاری کرتا رہا۔ ایک رات اس کی آہ و بکا بہت تیز ہو گئی، اس کے پھوٹ پھوٹ کر رونے اور سسکیاں بھرنے کی وجہ سے کشتی میں سوار تمام لوگوں کی نیند اُڑ گئی۔

بالآخر کشتی ران آیا اور اس نوجوان سے کہا: ارے! کیا تجھے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں، آخر تجھے کیا ہو گیا؟ تیرے رونے دھونے کی صداؤں نے ہماری نیند اُڑا کر رکھ دی ہے۔ تیرا ناس ہو، آخر ایسی کیا چیز ہے جس نے تجھے بدل کر رکھ دیا ہے، آخر تجھ پر کون سی آفت آن پڑی ہے؟ نوجوان نے انتہائی افسوس کے ساتھ مریل لہجے میں جواب دیا: مجھے میری حالت پر چھوڑ دو، تم نہیں جانتے کہ مجھے کس آفت نے گھیر رکھا ہے؟۔

کشتی ران نے پوچھا: بتاؤ تو سہی، تمہیں کون سی مصیبت لاحق ہو گئی؟۔ نوجوان نے اپنی

شرم گاہ کھول کر کشتی ران کو دکھائی، تو اس کی شرمگاہ سے نہایت کریہ کیڑے گر رہے تھے۔ کشتی ران نے یہ گھناؤنا منظر دیکھا تو اس پر کپکپی طاری ہوگئی، اور بے ساختہ بولا: ہم ایسی حالت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یہ کہہ کر کشتی ران اس کے ہاں سے اُٹھ کر چلا گیا۔

فجر سے کچھ پہلے ایک زبردست چیخ نے کشی والوں کی آنکھیں کھول دیں۔ لوگ چیخ مارنے والے کی طرف لپکے تو دیکھا کہ وہ نوجوان موت کے شکنجے میں جا چکا ہے، اور اپنے دانتوں سے کشتی کی لکڑی پکڑے ہوئے ہے۔ کشتی والوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اللہ تعالیٰ سے حسن خاتمہ کی دعائیں کرنے لگے۔ اس کے بعد اس نوجوان کا قصہ درسِ عبرت کے طور پر باقی رہ گیا۔(۱)

یکے از مردانِ غیب

ایک بزرگ ابوالجوال مغربی کا بیان ہے کہ وہ ایک صالح انسان کے ساتھ بیت المقدس میں بیٹھے تھے۔ اتنے میں قریب سے ایک نوجوان آنکلا، اس کے پیچھے شریر بچوں کی ٹولیاں تھیں جو اسے کنکریاں اور ڈھیلے مار رہے تھے اور شور مچا رہے تھے کہ یہ پاگل ہے۔

نوجوان مسجد میں چلا آیا اور پکارا: یا اللہ! مجھے اس دارِ فانی سے راحت دے۔ ابوالجوال یہ سن کر اس کے پاس گئے، اور اس سے کہا۔ یہ بات تو تو نے دانشمندی کی کہی۔ یہ کہاں سے سیکھی؟۔

نوجوان: جو انسان خالص اللہ تعالیٰ کے لیے خدمت وعبادت کرتا ہے تو اللہ اسے حکمت کی نایاب باتیں سکھا دیتا ہے۔ اور اَسبابِ عصمت سے اس کی حمایت فرماتا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ مجھے جنون ہے بلکہ مجھے اضطراب وخوف ہے۔ اس کے بعد اس نے درد وشوق میں ڈوبے ہوئے اشعار پڑھے۔

ابوالجوال: تم نے تو نہایت عمدہ اشعار پڑھے۔ بڑے غلط اندیش ہیں وہ لوگ جو تمہیں پاگل کہتے ہیں۔ ابوالجوال کی یہ بات سن کر وہ آبدیدہ ہوگیا۔ اور بولا۔

(۱) مائۃ قصۃ وقصۃ للشہاوی: ۲۷۰۔

نوجوان: آپ جانتے ہیں اہل طریقت مرتبۂ وصل کو کس طرح پہنچے؟۔

ابوالجوال: بتائیے۔

نوجوان: ان حضرات نے اپنے اخلاق کو ساری نجاستوں سے پاک کر کے مختصر روزی پر قناعت کی، اور حبِّ اللہ سے سرشار ہو کر آفاق میں سرگرداں رہے۔ پھر سچائی کے اِزار اور خوفِ خدا کی رِدا سے نوازے گئے اور اس عالم فانی کو عالم باقی کے بدلے فروخت کر دیا۔ اور ہمت وعزم کو مضبوط پکڑا۔ پھر ان کی یہ کیفیت ہوئی کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور بیابانوں میں اپنی عمریں بسر کیں۔ خلقِ خدا سے چھپ گئے۔ ان کی یہ شان ہے کہ اگر وہ موجود بھی ہوں تو انہیں کوئی پہچان نہ سکے۔ اور غائب ہوں تو ان کی کسی کو تلاش نہ ہو، مر جائیں تو کوئی جنازے پر نہ آئے۔

ابوالجوال کہتے ہیں کہ یہ عرفانی بیان سن کر میں دنیا کو فراموش کر بیٹھا، اور وہ نوجوان چلا گیا۔(۱)

سردار ہو تو ایسا ہو!

ایک مرتبہ مہلب بن ابی صفرہ کا گزر قبیلہ ہمدان کے ایک محلے سے ہوا۔ یہ بڑے مخیّر اور رئیس آدمی تھے۔ محلے کے ایک نوجوان نے انھیں دیکھ کر کسی سے پوچھا :

کیا یہی مہلب بن ابی صفرہ ہے؟۔ لوگوں نے کہا: ہاں!۔ نوجوان بولا: اللہ کی قسم! ان کی قیمت تو پانچ سو درہم کے برابر بھی نہیں!۔

مہلب نابینا تھے، انھوں نے اس نوجوان کی بات سن لی۔ جب رات ہوئی تو مہلب نے اپنی آستین میں پانچ سو درہم رکھے اور اس محلے میں آ کر نوجوان کو تلاش کرنے لگے۔ معلوم ہونے پر وہ نوجوان کے گھر آئے اور دروازہ کھولنے کو کہا: نوجوان نے دروازہ کھولا تو مہلب اس کے آگے پانچ سو درہم ڈالتے ہوئے گویا ہوئے :

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۱۳۵ تا ۱۳۶۔

مہلب کی قیمت پکڑو، اللہ کی قسم! اے میرے بھتیجے! اگر تم مجھے پانچ ہزار دینار کے مساوی قرار دیتے تو میں پانچ ہزار دینار بھی تیری خدمت میں لاکر رکھ دیتا!۔ یہ گفتگو محلے کے ایک بزرگ نے سن لی تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگیا :

واللّٰه ما أخطأ من جعلک سیداً .

اللہ کی قسم! تجھے سردار بنانے والے بالکل خطا نہیں کی ہے!۔

صاحبِ کشف نوجوان

حضرت شیخ ابو یزید قرطبی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے بعض آثار کے سننے سے پتا چلا کہ جو شخص 'لا الٰہ الا اللہ' ستر ہزار بار پڑھ لے تو اسے دوزخ سے نجات ہوجائے گی۔ میں نے اس وعدے کی خوش خبری کے پیش نظر یہ عمل اپنے لوگوں کے لیے بھی کیا، اور اپنے واسطے چند نصاب مکمل کیے جنہیں میں آخرت کا توشہ خیال کرتا تھا۔

اس زمانے میں ایک گھر میں ہمارا اور ایک جوان کا ساتھ ہوگیا۔ لوگ کہتے تھے کہ اس جوان کو جنت اور دوزخ کا کشف ہوتا ہے، اور کم عمر ہونے کے باوجود سب لوگ اس کی تکریم کرتے تھے؛ مگر مجھے اس کے بارے میں شبہہ تھا۔ چنانچہ ایک روز کچھ لوگوں نے ہماری دعوت کی اور اپنے گھر لے گئے۔ کھانے کے دوران وہ نوجوان اچانک خوفناک آواز سے چیخنے لگا۔ اس کی سانس پھولنے لگی۔ وہ اتنی زور سے چیخ رہا تھا کہ ہر شخص کو یقین ہوگیا کہ یہ بات بلا وجہ نہیں ہوسکتی۔ اس نے کہا: اے چچا! میری ماں دوزخ میں ہے۔

اس کی پریشانی دیکھ کر میں نے سوچا آج اس کی صداقت کی جانچ کروں۔ چنانچہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ ستر ہزار با کلمہ شریف کا ایک نصاب جو میں نے پڑھ رکھا ہے جسے میرے اور میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس کی ماں کے لیے ایصال ثواب کروں اور اس کی بات کو بھی جانوں کہ کیا اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں؟۔

چنانچہ میں نے ستر ہزار پڑھے ہوئے 'لا الٰہ الا اللہ' نوجوان کی ماں کے لیے بخش دیے۔

ابھی میں نے اپنے خیال سے فراغت بھی نہیں پائی تھی کہ نوجوان کہنے لگا۔ چچا جان! میری ماں کو جہنم سے نکال کروادیِ بہشت میں ڈال دیا گیا۔

شیخ ابو یزید قرطبی فرماتے ہیں کہ الحمد للہ! مجھے اس واقعے سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک تو حدیث مذکورہ کے راویوں کی صحت پر یقین ہو گیا۔ اور دوسرے اس نوجوان کے کشف کی سچائی معلوم ہوگئی اور میں اس کی تکذیب سے سلامت رہا۔(۱)

مُسبِّبُ الاسباب کی کارفرمائی

علی بن حرب بیان کرتے ہیں: میں ضروریاتِ زندگی خریدنے کے لیے اپنے وطن موصل سے سامرَّ اجانے کے لیے نکلا۔ دجلہ میں چند کشتیاں موصل سے سامرا تک چلتی تھیں، اور اجرت پر سواریوں اور ان کے سازوسامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی تھیں۔ میں بھی ایک کشتی میں سوار ہو گیا۔ کشتی ہمیں لے کر سامرا کی طرف سطحِ آب پر چل پڑی اور دریائے دجلہ کی مسافت طے کرنے لگی۔

کشتی میں لدے سامان کے علاوہ ہم صرف پانچ آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت تھی۔ دن بڑا پر لطف تھا اور بادل کا دور دور تک کوئی نام ونشان تک نہ تھا۔ فضا بالکل صاف ستھری اور انتہائی خوشگوار تھی۔ دریائے دجلہ بھی بالکل پرسکون تھا۔

کشتی بان بڑی مستی میں خوبصورت گانے جھوم جھوم کر گائے جارہا تھا اور کشتی بڑے سکون سے سطحِ آب پر تیزی کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں تھی۔ کشتی میں سوار اکثر لوگوں کو ہلکی ہلکی نیند آنے لگی؛ لیکن میں دجلہ کے دونوں جانب کے حسین وجمیل ساحل کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

اچانک میری نگاہ پانی میں ایک بڑی سی مچھلی پر پڑی جو اچھل کر کشتی کے اندر آپڑی۔ میں نے جلدی سے مچھلی کو پکڑ لیا کہ مبادا دوبارہ دریا میں چھلانگ نہ لگا دے۔

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۵۰۷تا۵۰۸۔

مچھلی کو پکڑنے کے لیے جو میں دوڑا تو کشتی ہچکولی کھانے لگی جس کی وجہ سے لوگوں کی نیند اُڑ گئی اور وہ نیند کی غنودگی سے باہر آ گئے۔ جب انھوں نے مچھلی دیکھی تو ایک آدمی نے کہا: یہ مچھلی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بھیجی ہے؛ اس لیے ہم کیوں نہ آگے ساحل پر اُتریں اور اسے بھون کر کھائیں؟۔ یہ اتنی بڑی ہے کہ ہم سبھوں کو کفایت کر جائے گی۔

ہمیں اس کی رائے بھلی لگی۔ کشتی بان نے بھی اس سے موافقت کی اور کشتی کا رُخ ساحل کی طرف موڑ دیا۔ ہم لوگ ساحل پر اُترے اور گھنے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئے تاکہ لکڑیاں اکٹھی کر کے مچھلی بھونیں۔ جوں ہی ہم گھنے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئے، ایک خوفناک منظر نے ہمارے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ ایک مقتول زمین پر ڈھیر تھا، اس کے قریب ایک تیز دھار چاقو پڑا ہوا تھا۔ پاس ایک دوسرا آدمی بھی تھا جس کی مشکیں کس دی گئی تھیں اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کچھ بولنے اور چیخنے چلانے سے عاجز تھا۔

یہ خوف ناک منظر دیکھ کر ہمارے اوپر دہشت طاری ہوگئی، ہم جلدی سے آگے بڑھے اور اس جوان کی رسی کھول کر اس کے منہ سے کپڑا نکالا، وہ حد درجہ خوف زدہ اور نا اُمید کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اس پھندے سے آزادی کے بعد وہ گویا ہوا: مہربانی کر کے پہلے مجھے کچھ پانی پلاؤ۔ ہم نے اسے پانی پلایا۔ جب وہ پانی پی چکا تو اپنی داستانِ غم خود ہی بیان کرنے لگا :

میں اور یہ مقتول دونوں ایک قافلے میں تھے جو کہ موصل سے بغداد کی طرف بغرضِ تجارت جا رہا تھا۔ یہ مقتول بھانپ گیا کہ میرے پاس کافی مال ہے؛ چنانچہ اس نے مجھ سے دوستی کر لی اور پیار و محبت کا اِظہار کرنے اور میرے قریب قریب رہنے لگا، بہت ہی کم میرا ساتھ چھوڑتا۔ میرا بھی اس پر کافی اعتماد قائم ہو گیا۔

قافلہ منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں تھا لیکن تھوڑا آرام کرنے کی غرض سے اس ساحل پر قافلے نے پڑاؤ ڈالا۔ رات کے آخری حصے میں قافلہ روانہ ہو گیا؛ لیکن میں سویا ہی رہ گیا؛ اور مجھے قافلے کی روانگی کی خبر تک نہ ہو سکی۔

قافلے کی روانگی کے بعد اس مقتول نے میری نیند کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے مجھے

رسیوں سے باندھ دیا؛ جیسا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو اور اس نے میرے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تا کہ میں چیخ پکار نہ کرسکوں۔ پھر اس نے میرے پاس جو مال تھا وہ چھین لیا اور مجھے زمین پر پٹخ دیا۔ اور مجھے قتل کرنے کے لیے میرے سینے پر بیٹھ کر کہنے لگا :

إن تركتك حيا فإنك ستلاحقني وتفضحني،لذالك لابد من ذبحك .

یعنی اگر میں تجھے زندہ چھوڑ دوں تو بعد میں تو مجھ سے مل کر مجھے ذلیل ورسوا کرسکتا ہے؛ اس لیے تمہیں قتل کردینا ضروری ہے۔

اِس مقتول کے کمربند سے بندھی ہوئی یہ تیز چھری تھی جو زمین پر پڑی ہوئی تم لوگ دیکھ رہے ہو۔ اس نے مجھے قتل کرنے کے لیے کمربند سے چھری کھینچی؛ لیکن چھری اس میں پھنس گئی جس کی وجہ سے نکل نہیں رہی تھی، اس نے چھری نکالنے کی بڑی کوشش کی، جب ناکام ہوگیا تو اس نے پوری طاقت لگا کر چھری کمربند سے کھینچی، اس کی دھار اوپر کی جانب تھی، چھری زور سے نکلی اور جا کر اس کی گردن میں گھس گئی، اور چمڑے کے ساتھ گوشت کو چیرتے ہوئے شہ رگ کا بھی کام تمام کرگئی۔ شہ رگ کے کٹتے ہی خون کا فوارہ جاری ہوگیا اور جب طاقت نے جواب دے دیا تو یہ مردہ حالت میں زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

پھر نوجوان کہنے لگا: یہ مجرم میری آنکھوں کے سامنے کیفرکردار تک پہنچ گیا؛ لیکن اس کے باوجود مجھے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا؛ کیوں کہ ہم جس جگہ ہیں بہت ہی کم لوگ یہاں سے گزرتے ہیں۔ اس لیے میں سوچ رہا تھا کہ کون میرے ہاتھ پاؤں کھولے گا؟ کون مجھے اس آفت سے نجات دلائے گا؟ پھر میں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پکارنا شروع کردیا۔ میں نے خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعا کی اے اللہ! میرے پاس کسی کو بھیج دے جو تیرے اس آفت رسیدہ بندے کو اس پھندے سے نجات دلائے۔

میں برابر یہی دعا کرتا رہا۔ میں مظلوم تھا اور مظلوم کی دعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو میری طرف بھیجا اور آپ نے آ کر میری جان بچالی۔ ذرا آپ لوگ مجھے بتائیں کہ آخر وہ کون سے محرکات تھے جن کی وجہ سے آپ لوگ اس بے آباد

جگہ آنے پر مجبور ہوئے؟۔

قافلے والوں نے اسے یوں بتلایا: تمہارے پاس آنے کی جو چیز محرک بنی وہ ایک مچھلی ہے جو ہماری کشتی میں سمندر سے اچھل کر آ پڑی تھی۔ اور ہم لوگ دراصل اس مچھلی کو بھوننے کے لیے اس جگہ آئے ہوئے تھے۔ مظلوم نے قافلے والوں کی گفتگو سن کر بڑا تعجب کیا اور کہنے لگا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو تمہاری کشتی میں بھیجا ہے؛ تاکہ تم اس سنسان جگہ آؤ اور مجھے اس آفت سے بچاؤ۔ میں زیادہ تھکا ہوا ہوں؛ اس لیے میری آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ براہِ کرم مجھے کسی قریبی شہر میں لے چلیں۔

مچھلی کو بھون کر کھانے کی بات قافلے والوں کے ذہن سے یکسر نکل ہی گئی تھی۔ اور پھر جب وہ لوگ مظلوم کو اس کے مال سمیت لے کر کشتی کے پاس واپس ہوئے تو دیکھا کہ مچھلی کشتی سے کود کر سمندر میں جا چکی ہے۔ قافلے والوں کو یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو کشتی کے اندر اسی لیے بھیجا تھا تاکہ وہ اس مظلوم کی جان بچانے کا سبب بن سکے۔ اس طرح جب اللہ تعالیٰ کچھ چاہتا ہے تو اس کے لیے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ .

یعنی مظلوم کی بددعا سے بچو؛ کیوں کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی!۔(۱)

ایسا بھی ہوتا ہے......!

شیخ ابوالوفا ابن عقیل کہتے ہیں: میری ایک دوست نے مجھے بتلایا کہ ایک عورت شام کے وقت ایک نوجوان کنوارے کپڑا فروش کی دکان کے دروازے کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ جب وہ دوکان بند کرنے لگا تو اسے وہ عورت نظر آ گئی۔

(۱) صحیح بخاری: ۸/۳۲۱ حدیث: ۲۲۶۸...... طبقات الاولیاء، ابن الملقن: ۱۸۰...... روض الریاحین فی حکایات الصالحین: ۱۳۸۔

دکاندار: اللہ کی بندی! شام کے وقت تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کیا پریشانی ہے؟۔

عورت: میں کسی سہارے کی تلاش میں ہوں، میرے پاس کوئی رہائش نہیں۔

دکاندار: تم میرے ساتھ گھر چل سکتی ہو، جہاں تمھیں آج کی رات گزارنے کا موقع مل جائے گا۔

عورت: ٹھیک ہے، بہت خوب!۔

دکاندار اُس عورت کو لے کر اپنے گھر گیا، بات چیت ہوئی اور نوجوان نے خود ہی پیشکش کردی؛ کیوں نہ میں تم سے شادی کرلوں؟۔ عورت نے اس کی پیشکش قبول کرلی۔ گواہوں کو بلایا گیا۔ امام مسجد آیا، اس نے نکاح پڑھا اور دونوں کی شادی ہوگئی۔

شادی کے بعد تین دن گزرے تھے کہ چوتھے دن دکاندار کے گھر ایک آدمی چند عورتوں کو لے کر آیا۔ دکاندار نے پوچھا: آپ لوگ کون ہیں؟، کہاں سے آئے ہیں، کیا مقصد ہے؟۔

آنے والوں نے بتایا: ہم سب اس لڑکی کے قریبی رشتہ دار ہیں، اور اس کے چچازاد بھائی بہن ہیں۔ جب ہمیں آپ کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ نے ہماری رشتہ دار لڑکی کی زندگی کو سہارا دیا ہے اور اس کو اپنی شریک حیات بنالیا ہے تو ہمیں بہت زیادہ خوشی ہوئی، اور آپ کی شرافت اور اعلیٰ کردار سے ہم بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

ہمارے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے گھر ایک شادی ہے جس میں آپ کی بیوی کی شرکت ناگزیر ہے؛ اس لیے ہم اسے چند دنوں کے لیے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ اگر اسے ہمارے ساتھ جانے دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔

دکان دار اُن کی باتیں سن کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور اسے ان کی خواہش سے آگاہ کیا۔ بیوی نے کہا: ان کو واپس کردو، مجھے ان کے ہمراہ ہرگز نہ بھیجنا، ان کے سامنے یہ کہہ کر قسم کھالو کہ اگر میری بیوی ایک ماہ سے پہلے میرے گھر سے نکلی تو میں اس کو طلاق دیتا ہوں؛ کیوں کہ یہ لوگ مجھے واپس لے جائیں گے تو تمہارے خلاف ورغلائیں گے؛ چونکہ میں نے ان کی اجازت کے بغیر تم سے شادی کرلی ہے اور ان کا گھر چھوڑ کر آئی ہوں، نہ معلوم انھیں ہمارا پتا کس نے بتادیا!۔

بیوی کی بات سن کر دکان دار گھر سے باہر نکلا اور مہمانوں کے سامنے بیوی کے مشورے کے مطابق طلاق کی قسم بھی کھالی کہ اگر یہ ایک ماہ سے پہلے گھر سے نکلی تو اس کو تین طلاقیں۔ مہمان لوگ مایوس ہوکر واپس چلے گئے۔

نوجوان حسب معمول اپنی دکان پر چلا گیا؛ مگر اس کا ذہن اور خیال مسلسل اپنی بیوی کی طرف تھا۔اس کا کاروبار میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ادھراس کی بیوی اس کی عدم موجودگی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کے گھر سے کچھ لیے بغیر اپنے گھر چلی گئی۔ جب دکان دار گھر واپس آیا تو دیکھا کہ بیوی گھر میں موجود نہیں ہے۔ جب وہ ڈھونڈنے لگا تو کسی نے اسے بتایا کہ عورت اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی۔

شیخ ابوالوفا ابن عقیل کہتے ہیں: شاید اس عورت نے اپنے شوہر کے لیے حلال ہونے کی خاطر یہ ڈرامہ کیا تھا جس نے اسے تین طلاقیں دے دی تھیں۔لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس قسم کے مکروفریب سے ہوشیار رہیں اور لوگوں کے حیلوں اور بہانوں کے اَسرار ورموز کو سمجھنے کی کوشش کریں۔(۱)

ظالم بادشاہ سے نجات

طبرستان میں ایک ظالم بادشاہ تھا جو شہر کی دوشیزہ لڑکیوں کی آبروریزی کیا کرتا تھا۔ایک مرتبہ ایک بڑھیا حضرت شیخ ابوسعید قصاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گریہ وزاری کرتی ہوئی آئی، اور فریاد کی کہ حضور! میری دستگیری فرمائیں، بادشاہ نے مجھے کہلوایا ہے کہ آج وہ میری بیٹی کی عزت لوٹنے آنے والا ہے۔ یہ منحوس خبر سن کر میں آپ کی خدمت میں بھاگ کر آئی ہوں کہ شاید آپ کی دعا سے اس بلا کو ٹالا جاسکے۔

شیخ ابوسعید قصاب رضی اللہ عنہ نے ضعیفہ کی بات سن کر چند ثانیہ کے لیے سر جھکائے رکھا۔ اس کے بعد سر بلند کر کے فرمایا: بوڑھی ماں! زندوں کے اندر تو ایسا کوئی مستجاب الدعوات نہیں

(۱) کتاب الاذکیاء، ابن الجوزی: ۱/۱۰۹۔

رہا۔ ہاں! تو فلاں قبرستان جا، وہاں تجھے ایسا ایسا شخص ملے گا وہ تیری حاجت پوری کرے گا۔

ضعیفہ قبرستان میں پہنچی تو وہاں ایک شکیل و رعنا، خوش پوش نوجوان سے اس کی ملاقات ہوئی، جس کے لباس سے خوشبوؤں کے فوارے اُبل رہے تھے۔ ضعیفہ نے سلام کیا، اور جواب دینے کے بعد نوجوان نے ضعیفہ کے اَحوال پوچھے۔ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔

نوجوان نے ضعیفہ کی پوری بات غور سے سننے کے بعد اس سے کہا: تو پھر شیخ ابوسعید کی خدمت میں جا اور اُن سے دعا کے لیے کہہ، ان کی دعا قبول ہوگی۔ ضعیفہ نے جھنجھلا کر کہا: عجیب بات ہے زندہ مجھے مردوں کے پاس بھیجتا ہے، اور مردہ مجھے پھر زندہ کے پاس لوٹاتا ہے، اور میری حاجت روائی کوئی نہیں کرتا۔ بھلا اب میں کہاں جاؤں؟۔

نوجوان نے پھر ضعیفہ سے کہا: تو شیخ ابوسعید کی خدمت میں جا۔ ان کی دعا سے تیرا مقصد پورا ہوگا۔ ضعیفہ پھر شیخ ابوسعید کے پاس آئی اور سارا قصہ عرض کیا۔ شیخ ابوسعید نے فکر میں سر جھکایا، اور ان کا پورا جسم پسینہ سے شرابور ہوگیا پھر ایک چیخ ماری اور منہ کے بل گر پڑے۔

اسی لحہ شہر میں شور و ہنگامہ کی آواز بلند ہوئی۔ لوگ کہہ رہے تھے: بادشاہ فلاں ضعیفہ کی بیٹی کی آبروریزی کی نیت سے جارہا تھا۔ راستہ میں اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، اور وہ گھوڑے سے گرا تو اس کی گردن ٹوٹ گئی اور فوراً مر گیا۔ اس طرح شیخ کی دعا سے اہلِ شہر سے یہ بلا ہمیشہ کے لیے ٹل گئی۔

بعد میں لوگوں نے شیخ سے دریافت کیا کہ آپ نے ضعیفہ کو قبرستان کیوں بھیجا؟، اور پہلے ہی آپ نے دعا کیوں نہ فرمادی۔ شیخ نے فرمایا: میں اس چیز کو ناپسند کرتا تھا کہ میری دعا سے وہ ہلاک ہو؛ اس لیے میں نے بڑھیا کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا، اور انہوں نے پھر میرے پاس بھیجا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ایسے پلید انسان کے لیے بددعا کرنا جائز ہے۔(۱)

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۴۶۲ تا ۴۶۴۔

راہِ وفا کا ایک مسافر

حضرت عبدالصمد بغدادی فرماتے ہیں: میں بغداد سے یمن سمندر کے راستے سفر کرتا تھا اور ہر سال حج کیا کرتا۔ ایک سال منی وعرفہ کے درمیان راستے میں خوبصورت، صاف ستھرے لباس میں ملبوس ایک نوجوان کو دیکھا گویا اس کا چہرہ روشن چراغ تھا۔ وہ سر کے نیچے پتھر رکھ کر ریت پر لیٹا ہوا موت سے لڑ رہا تھا یعنی مرنے کے قریب تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور پوچھا: کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟۔

تو اس نے جواب دیا: ہاں! آپ میرے پاس کھڑے رہیں یہاں تک کہ میں سانس پورے کر کے اپنے رب عزوجل سے جاملوں۔ میں نے عرض کی: آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟۔

اس نے کہا: جب میں مرجاؤں تو مجھے دفن کر دینا اور میرے کندھے سے یہ تھیلی لے لینا، جب آپ یمن میں مقامِ صنعا پر پہنچیں تو 'دارالوزارۃ' کے متعلق پوچھنا۔ وہاں سے ایک بڑھیا اور اس کی بیٹیاں نکلیں گی، ان کو یہ تھیلی دے کر کہنا کہ مسافر عثمان نے آپ کو سلام بھیجا ہے۔ پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد جب ہوش میں آیا تو یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کر رہا تھا :

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ (سورۂ شوریٰ:۳۶/۵۲)

یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا۔

پھر اس نے ایک چیخ ماری اور دنیا سے کوچ کر گیا۔ میں نے اس کو غسل دیا اور کفن پہنایا، اس کا چہرہ نور سے دمک رہا تھا۔ میں نے لوگوں کے ساتھ مل کر نمازِ جنازہ پڑھی اور اسے دفن کر دیا۔

اس کے بعد تھیلی لی اور یمن پہنچ کر جب اس کے بتائے ہوئے گھر کے متعلق پوچھا تو ایک بوڑھی عورت اور اس کی بیٹیاں باہر آئیں۔ میں نے ان کو وہ تھیلی دی تو وہ اسے دیکھ کر رونے لگیں۔ بڑھیا بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب اسے ہوش آیا تو مجھ سے پوچھنے لگی: اس تھیلی کا مالک کہاں ہے؟۔

میں نے اس کے متعلق سب کچھ بتا دیا تو وہ کہنے لگی: اللہ عزوجل کی قسم! وہ میرا بیٹا عثمان تھا اور یہ اُس کی بہنیں ہیں، اس نے اپنے گھر والوں، عزیزوں اور خادموں کو چھوڑا اور چہرے پر نقاب کر کے نکل گیا، معلوم نہیں کہاں گیا؟۔ اللہ عزوجل تمہیں میری اور میرے بیٹے کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

نہ معلوم میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟

ملکِ کندہ کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عیش وعشرت کا دلدادہ اورلہوولعب کا شوقین تھا۔ شکار کھیلنے یا کسی اور اِرادہ سے ایک روز محل سے نکلا، اور ویرانہ وبیابان میں ساتھیوں سے جدا ہوکر تنہا رہ گیا۔ وہاں اس نے ایک جوان شخص کو دیکھا جو بوسیدہ انسانی ہڈیوں کو الٹ پلٹ کررہا ہے۔ اس کا جسم کمزور، چہرہ اُداس اور رنگ پھیکا ہے۔ بادشاہ نے اسے اس حال میں دیکھا تو پوچھا :

بادشاہ: بھئی! کیا حال ہے؟، اور اس سنسان بیابان میں اکیلے کیا کررہے ہو؟۔

جوان: میرا یہ خراب حال اس وجہ سے ہے کہ مجھے ایک طویل سفر درپیش ہے۔ دو موکل مجھ پر لگے ہوئے ہیں جو مجھے خوفزدہ کرکے آگے کو دوڑا رہے ہیں۔ سامنے تنگ وتاریک تکلیفوں بھرا مکان ہے۔ مجھے زیرِ زمیں سڑنے گلنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ وہاں تنگی اور پریشانی کے باوجود مجھے کیڑوں کی خوراک بننا ہوگا۔ اور میری ہڈیاں بوسیدہ اور الگ الگ ہوجائیں گی۔ اتنے ہی پر بس نہیں، اس کے بعد عرصہ محشر کی جانب جانا ہوگا، اور وہ نہایت کٹھن مرحلہ اور سنگین مقام ہوگا۔ معلوم نہیں بعد ازاں مجھے کس گھر میں جانا ہو۔ تم ہی بتاؤ! جس کا انجام کار یہ ہو وہ کیسے خوشی منائے؟۔

یہ باتیں سن کر بادشاہ فکر سے نڈھال ہوکر گھوڑے سے نیچے آیا، اور بولا :

بادشاہ: اے بندۂ خدا! تیری باتوں نے میرا چین وسکون چھین لیا، اور دل کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ذرا ان باتوں کو وضاحت کے ساتھ پھر کہہ۔

جوان: یہ میرے سامنے جو ہڈیاں جمع ہیں انہیں دیکھ رہے ہو۔ یہ ایسے بادشاہوں کی ہڈیاں ہیں جنہیں دنیا نے اپنی زینت میں الجھا کر فریب دیا، اور ان کے دلوں پر حکمرانی کی۔ آخرت سے غافل رہے؛ یہاں تک کہ انہیں اچانک موت آگئی۔ اس وقت آرزوئیں ناتمام رہ گئیں۔ نعمتیں سلب کرلی گئیں۔ عنقریب ان کی ہڈیوں کو پھر زندگی ملے گی، اور یہ

مکمل جسم ہو جائیں گی۔ پھر ان کے کاموں کا بدلہ انہیں ملے گا۔ پھر نعمتوں والے گھر بہشت میں جائیں گے، یا عذاب والے گھر دوزخ میں۔

اتنا کہنے کے بعد وہ نوجوان بادشاہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ معلوم نہیں کہاں چلا گیا، اور ادھر بادشاہ کے خدم وحشم اس کے پاس پہنچے تو اس کا چہرہ اُداس اور آنکھوں سے اشک رواں تھا۔ رات آئی تو بادشاہ نے لباسِ شاہی کو خیر باد کیا، اور دو چادریں جسم پر ڈال کر راہِ فقر میں چلا گیا۔ پھر اس کا پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔(۱)

پاک باز ماں کا شفاف دامن

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ دہلی میں شدید قحط پڑا، لوگ بارش کے ایک ایک قطرے سے محروم ہو گئے۔ درخت خشک ہونا شروع ہو گئے، دریاؤں اور نہروں کا پانی ان کی تہوں میں چلا گیا، لوگوں کے چہروں پر پریشانی کے آثار ہویدا ہیں کہ فصلیں نہیں ہو رہیں؛ حتی کہ قحط سالی کی وجہ سے چرند پرند اور جانور بھی پریشان ہو گئے۔ لوگوں نے نمازِ استسقا پڑھی، دعاؤں پر دعائیں کیں؛ مگر پھر بھی بارش کے آثار نمودار نہ ہوئے۔

اسی اثنا میں ایک نوجوان اپنی والدہ کو لے کر قریبی راستہ سے گزر رہا تھا۔ اس نے لوگوں کو اِکٹھا دیکھا تو قریب آیا اور سواری سے اُتر کر پوچھا کہ لوگ یہاں کیوں جمع ہیں؟۔ اسے بتایا گیا کہ قحط سالی کا دور دورہ ہے، تو لوگ یہاں اکٹھا ہو کر رحمت کی بارش کا سوال کر رہے ہیں، اپنے گناہوں سے معافی مانگ رہے ہیں پھر بھی بارش کے آثار نظر نہیں آتے۔

وہ کہنے لگا: اچھا ایسی بات ہے!۔ پھر وہ گیا اور اپنی والدہ کی چادر کا کونہ پکڑ کر اس نے چند اَلفاظ کہے۔ الفاظ کا اس کے منہ سے نکلنا تھا کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور خوب بارش برسنا شروع ہو گئی۔

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۳۴۶ تا ۳۴۷۔

علما وصلحا اور دوسرے لوگ حیران ہوئے کہ اتنے لوگوں نے توبہ کی؛ مگر رحمت مولا متوجہ نہ ہوئی؛ اور اس نوجوان کے چند الفاظ نے سارا موسم ہی بدل دیا۔ چنانچہ وہ اس نوجوان کے پاس جا کر پوچھنے لگے کہ اے نوجوان! ہمیں بتا کہ تو کون ہے، اور تو نے وہ کون سے الفاظ اَدا کیے ہیں جو رحمت الٰہی کو ہماری طرف کھینچ لانے کا سبب بن گئے۔

وہ کہنے لگا: لوگو! میں اُس عظیم ماں کا بیٹا ہوں جو تقیہ ونقیہ اور پاک صاف زندگی گزار چکی ہے، وہ تقویٰ وطہارت کی اعلیٰ منزل پر فائز ہے۔ میں نے جا کر اس کی چادر کا کونہ پکڑا اور کہا: اے پروردگار! یہ میری وہ ماں ہے جس نے عفت و پاکدامنی کی زندگی گزاری ہے، تو میں تجھے اس کی پاکدامنی کا واسطہ دیتا ہوں کہ تو ابھی یہاں رحمت کی بارش برسا دے۔ اور اب آپ لوگ دیکھ ہی رہے ہیں کہ کس شان سے بارش برس رہی ہے!۔

وفاداری اور بے وفائی کا انجام

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ اپنے نوکروں کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک بچہ نظر آیا۔ بادشاہ کو بچہ بڑا پیارا لگا۔ حکم دیا کہ اسے میرے گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے، اس کی تربیت کی جائے؛ چنانچہ وہ بچہ شاہی نگرانی میں پلنے لگا۔

گھر والوں کو بھی بچہ بڑا محبوب تھا۔ اس کا نام احمد یتیم رکھا گیا۔ بچہ بڑا ذہین وفطین نکلا۔ پڑھائی اور فرماں برداری میں یکتا تھا۔ جب بادشاہ کی وفات کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹے کو بلوایا اور کہا کہ میرے مرنے کے بعد اس بچے کی خوب دیکھ بھال کرنا، اس کا خیال رکھنا اور اسے کسی بھی محرومی کا شکار نہ ہونے دینا۔

اپنے والد کی وفات کے بعد بیٹے نے والد کی وصیت پر پوری طرح عمل کیا۔ احمد یتیم کو اور زیادہ اہمیت دی۔ اس کی پڑھائی لکھائی کے لیے بطورِ خاص استاد مقرر کیا جس سے احمد یتیم کی صلاحیتوں میں اور زیادہ اِضافہ ہوا۔

احمد خداداد صلاحیتوں کا مالک تھا۔ وہ بتدریج ترقی کی منزلیں طے کرتا گیا۔ نئے بادشاہ کو

اس پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔ اس نے اسے اپنے خاص خادموں میں شامل کرلیا اور تمام شخصی اور ذاتی معاملات میں اس سے مشورہ کرنے لگا۔

کچھ عرصہ گزرا۔ احمد یتیم کی کارکردگی اور بہتر نظر آئی تو اسے محل کے تمام نوکروں کا نگران مقرر کردیا۔ اب احمد یتیم تمام محل کے نوکروں کا ذمہ دار تھا اور آزادی سے محل کے کسی بھی حصے میں جاسکتا تھا۔

ایک دن بادشاہ نے احمد سے کہا: میرے خاص کمرے سے فلاں چیز لے آؤ۔ احمد جب اس کمرے میں گیا تو وہاں بادشاہ کی خاص لونڈی کو ایک نوکر کے ساتھ نہایت قابل اعتراض حالت میں دیکھا۔

فسق وفجور میں مبتلا اس لونڈی نے احمد یتیم کی منت وسماجت کی کہ اس پر رحم کرے اور اس کی پردہ پوشی کرے۔ لونڈی خوبصورت تھی، وہ اسے ورغلانے لگی کہ میں تمہاری ہر قسم کی خدمت سرانجام دینے کو تیار ہوں۔

احمد نے کہا: معاذ اللہ! تم کس قسم کی حرکتیں کررہی ہو۔ میں اپنے امیر کی خیانت کس طرح کرسکتا ہوں، اس نے میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا ہے، مجھے فرش سے عرش تک لے گیا ہے۔ یہ کام ذلیل اور گندے لوگوں کا ہوتا ہے۔ پھر اس نے لونڈی کو نصیحتیں کیں اور توبہ واستغفار کی تلقین کرکے وہاں سے رخصت ہوا اور اسے یقین دلایا کہ فکر نہ کرو، میں تمہاری پردہ پوشی کروں گا۔

ادھر اس لونڈی کو مسلسل فکر کھائے جارہی تھی کہ کہیں احمد میرا پردہ چاک نہ کردے۔ شام کے وقت حسب دستور جب امیر اندر آیا تو اس نے روتے ہوئے اپنے کپڑوں کو چاک کرلیا اور چہرے پر تھپڑ مارتے ہوئے امیر کے پاس پہنچ گئی۔ امیر اس وقت اکیلا تھا۔ اپنی خاص لونڈی کو روتے دیکھا تو کہنے لگا: تمہیں کس نے مارا ہے اور کیوں رورہی ہو؟۔

لونڈی نے مکروفریب کے ساتھ اَداکاری کرتے ہوئے کہا: احمد یتیم نے میرے ساتھ دست درازی کی کوشش کی ہے۔ میں بمشکل اپنی جان بچا کر بھاگی ہوں؛ ورنہ وہ تو زبردستی منہ

کالا کرنا چاہتا تھا۔

امیر نے سنا تو غصے سے بے قابو ہوگیا۔ بولا: ایسے شخص کی سزا' موت کے سوا کچھ نہیں، اسے فوراً قتل کردینا چاہیے۔ رات ہوچکی تھی؛ لہٰذا اس نے اپنے اِرادے کو صبح تک ملتوی کرنا مناسب سمجھا۔

ادھر احمد محل میں بے حد مقبول تھا۔ سب لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ مصلحت کے خلاف تھا کہ اسے سرِعام قتل کروایا جاتا۔ اس سے محل میں خواہ مخواہ چہ میگوئیاں ہوتیں۔ امیر نے سوچا کہ اسے خفیہ طور پر قتل کروادیا جائے؛ تاکہ لوگوں کو اس کے جرم کا پتا چلے نہ قتل کا۔

خیر! امیر نے خود ہی منصوبہ بندی کی۔ اس نے اپنے خاص آدمی کو بلوایا اور اس سے کہا: میں جس شخص کے ہاتھ ایک تھال بھجواؤں، اس کو قتل کر کے اسی تھال میں اس کا سر رکھ کر اسے کپڑے میں لپیٹ دینا اور پھر میرے پاس لے آنا۔ خادم خاص نے حکم کی تعمیل میں سر ہلا دیا۔

چند دن گزرے، امیر نے احمد یتیم کو بلایا اور کہا: اسٹور میں جاؤ، وہاں سے تھال لے کر فلاں شخص کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ مجھے امیر نے بھیجا ہے اور جو وہ دے اسے لے کر آؤ۔

احمد یتیم اپنے امیر کے حکم کی تعمیل میں تھال لے کر جلاد کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اسے بعض نوکر ملے۔ ان کا آپس میں جھگڑا ہوا تھا۔ انھوں نے اس سے فیصلہ کرنے کی درخواست کی۔

اس نے کہا کہ میں امیر کے کام سے جارہا ہوں، واپسی پر فیصلہ کردوں گا۔ انھوں نے کہا: آپ کا ابھی فیصلہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کام کے لیے ہم کسی اور نوکر کو بھجوا دیتے ہیں۔ جب وہ تھال لے کر آئے تو آپ اسے امیر کے پاس لے جائیں۔

بات معقول تھی۔ انھوں نے ایک نوکر کو اِشارہ کیا کہ وہ تھال لے کر فلاں شخص کے پاس جائے اور وہ جو چیز دے وہ واپس یہاں لے آئے۔

اتفاق دیکھئے کہ یہ وہی شخص تھا جو لونڈی کے ساتھ بدکاری کا مرتکب ہوا تھا؛ چنانچہ وہ تھال لے کر اس خادم خاص کے پاس چلا گیا۔ اس خادم خاص نے قتل کرنے کے لیے پہلے ہی ایک خاص جگہ کا انتخاب کر رکھا تھا تا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

چنانچہ اس نے اس نوکر کو ساتھ لیا اور وہاں پہنچ گیا۔ اس نے اس کی گردن ماری اور سر تھال میں رکھ کر خوب ڈھانپا اور امیر کے پاس لے آیا۔

امیر نے جب تھال سے کپڑا ہٹایا تو وہاں احمد یتیم کے سر کی بجائے کسی اور نوکر کا سر تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس نے پوچھا: احمد یتیم کہاں ہے؟۔ بتایا گیا کہ وہ فلاں جگہ ہے۔ امیر نے احمد یتیم کو بلانے کا حکم دیا۔

جب احمد یتیم حاضر ہوا تو پوچھا: میں نے تمہیں ایک کام دے کر بھیجا تھا اور کہا تھا کہ تھال خود لے کر جاؤ، تو تم خود کیوں نہیں گئے؟۔

احمد یتیم جو تمام حالات سے بے خبر تھا۔ اس نے نوکروں کے درمیان جھگڑے اور پھر ان کے درمیان صلح کا ذکر کیا کہ میں وہاں مشغول تھا۔ اچانک امیر کو ایک خیال آیا اور اس نے اس خادم کے بارے میں پوچھا کہ کیا تم اسے اور اس کے گناہ کو جانتے ہو؟۔

احمد یتیم کہنے لگا: ہاں، اس کے فلاں لونڈی کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے، اور اس نے مجھے اللہ کا واسطہ دے کر چپ کرا دیا تھا کہ میں اس کی پردہ داری کروں۔

امیر کو جب سارے واقعے کا علم ہوا تو اس نے لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور احمد یتیم کو مزید اختیارات عطا کیے اور اس کے لیے اس کے دل میں محبت و عقیدت اور عزت و احترام مزید بڑھ گیا۔ یہ تھا انجام ایک وفادار کی وفا کا، اور ایک خائن کی خیانت کا۔ بلا شبہ اللہ رب العزت کا فرمان حق اور سچ ہے :

وَ لَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ o (سورۂ فاطر:۳۵/۴۳)

اور بری چالیں اُسی چال چلنے والے ہی کو گھیر لیتی ہیں۔

دوسعادت مندروحیں

شیوخِ مکہ میں سے ایک شیخ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک غار میں تنہا رہتا تھا۔ بسا اوقات کم وبیش ایک ماہ تک وہاں اردگرد کسی انسان کی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ مباح چیزوں سے میں اپنا شکم بھرتا، بھوک لگنے پر غار سے باہر نکلتا، اور ضرورت کے مطابق کھا پی کر واپس اپنی جگہ پہنچ جاتا۔ حسب عادت ایک دن غار سے باہر آیا تو ایک سوار کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ معاً چھپ کر پھر غار میں چلا آیا؛ تاکہ وہ مجھے نہ دیکھ سکے؛ مگر تھوڑی دیر بعد وہ شخص غار کے دہانے پر آپہنچا، اور اس نے میرا نام لے کر آواز دی۔

میں اس کے پاس آیا تو اس نے مجھے سلام کیا۔ جوابِ سلام کے بعد

شیخ مکہ: کیا تم آدمی ہو؟۔

جی ہاں!۔

شیخ مکہ: کہاں کے باشندے ہو، اور تمہیں میرا نام کس نے بتایا؟۔

میں شہزادہ ہوں، تین روز قبل شکار کے لیے نکلا تھا، احباب سے الگ ہوکر جنگل میں بھٹک گیا، اور بھوک پیاس سے ایسا لگتا تھا کہ میری جان نکل جائے گی۔ ایسے عالم میں اچانک ایک چادر پوش بزرگ ظاہر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک کوزہ تھا، انھوں نے اس سے مجھے سیراب فرمایا، اور ایک مشت گھاس مجھے عنایت فرمائی۔ میں نے اسے کھالیا، وہ گھاس تمام ترکاریوں سے زیادہ لذیذ تھی۔ جب میں آسودہ ہو چکا تو فرمایا: اے محمد! کیا اس سے قبل تم توبہ کر چکے ہو؟۔

میں نے عرض کیا: نہیں تاہم میں آپ کے دست مبارک پر ابھی توبہ کرتا ہوں؛ چنانچہ ان کی دست بوسی کر کے میں نے توبہ کی، اور اٹھ کھڑا ہوا، اور عرض کیا: حضور! میرے حق میں دعا فرمایئے کہ اللہ مجھے قبول فرمالے، تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دعا فرمائی :

یَارَبَّ محمّد بِحُرُمتِ بنیک محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِرحَمْ محمَّدًا وَتُبْ عَلیٰ مُحمَّد وَّاقْبل محَمَّدًا .

یعنی اے رب محمد! اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل محمد پر رحم فرما۔ اس کی توبہ قبول کر اور اسے اپنی بارگاہ میں پذیرائی بخش۔

جس وقت وہ یہ دعا فرما رہے تھے ان کی آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ ان کی دعا کی حلاوت میں نے اپنے قلب میں محسوس کی اور میں نے رب تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ میں جس دنیا سے باہر آ چکا ہوں، مرتے دم تک اس میں واپس نہیں جاؤں گا۔ اس کے بعد بزرگ نے فرمایا: اپنی سواری پر بیٹھو۔

میں نے عرض کیا: اب میں سواری استعمال نہیں کروں گا۔ اس پر انہوں نے مجھے قسم دے کر سوار کیا۔ خود میرے آگے آگے چل رہے تھے۔ اس کے بعد آپ کا نام مسکن بتانے کے بعد فرمایا: ان کی مصاحبت اختیار کرو، وہ تمہیں نیکی کا سبق دیں گے۔

شیخ مکہ: اب یہ گھوڑا کیا ہوگا؟۔

شہزادہ محمد: اب مجھے اس کی حاجت نہیں۔

شیخ مکہ: اپنا گھوڑا پھر اس نے جنگل میں چھوڑ دیا، اور میرے ہمراہ غار میں چلا آیا۔

میں نے اپنے کھانے کی چیزیں اس کے سامنے پیش کیں تو اس نے کچھ کھایا اور رات ہونے تک ہم ایک ساتھ بیٹھے رہے۔ پھر میں نے اس سے کہا: اے بیٹے! عبادت میں شرکت ٹھیک نہیں ہوتی۔ پھر قریب کے دوسرے غار کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ تم وہاں بیٹھ کر عبادت کرو۔

وہ چلا گیا۔ میں ہر تین دن کے بعد جا کر اس سے ملتا تھا۔ اسے جب بھوک لگتی تو وہی مباح چیزیں غار سے نکل کر کھا لیتا تھا، اور ہمارے قریب جو چشمہ تھا اس کا پانی پی لیتا تھا۔ گھوڑا بھی دن بھر چرنے کے بعد شام کو وہیں آ بیٹھتا۔

ایک روز وہ نوجوان حیران و پریشان میرے پاس آیا، میں نے خیریت پوچھی، کہنے لگا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے والدین میری جستجو میں ایک مقام سے دوسرے مقام کا چکر کاٹ رہے ہیں، اور ان کے ہاتھوں میں دو چراغ جل رہے ہیں۔

والدین جب میرے نزدیک آتے ہیں تو ایک شخص ان سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں سے خدا کے لیے عرض کرتا ہوں کہ اپنے فرزند کو اللہ کی راہ میں چھوڑ دو؛ کیونکہ وہ اللہ کی جانب چل پڑا ہے۔ان بزرگ کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہیرا ہے، وہ میرے والدین سے فرماتے ہیں کہ یہ ہیرا میری طرف سے قبول کرلو۔

بزرگ کے پیہم اِصرار پر میرے باپ ماں نے رضا مندی ظاہر کردی،اور بزرگ نے مجھ سے فرمایا کہ تیرے حق میں خوشخبری ہے،اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔

میں نے شہزادہ محمد سے کہا: فرزند! یہ تیری توبہ کا ثمرہ ہے جو تجھے اللہ کی طرف سے دکھایا گیا ہے۔میری بات سن کر وہ خوش ہو گیا،اور ایک مدت تک ہم لوگ اسی حالت میں رہتے رہے۔

ایک شب میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا،آپ تشریف لائے، اور ارشاد فرمایا:تم دونوں شہر کے اندر جاؤ؛ تاکہ لوگ تم سے نفع اندوز ہوں،اور تمھیں لوگوں سے فائدہ ہو۔صبح ہوئی تو میں شہزادہ محمد کے پاس گیا اور اسے خواب بتایا۔

شہزادہ محمد نے کہا: حضرت میں نے بھی آج شب میں خواب دیکھا ہے کہ میرے ہاتھ میں ایک رسی ہے اور ایک حسین وجمیل انسان میرے دائیں جانب کھڑا اس رسی کی گرہ کھول رہا ہے،اور کہتا ہے تمھیں جو حکم دیا جائے اس پر عمل کرنا۔

شیخ مکہ نے فرمایا: فرزندار جمند! یہ تو شکر وحمد کا مقام ہے۔

اس کے بعد ہم لوگ غاروں سے روانہ ہو کر دیارِ بکر کے ایک شہر میں گئے۔گھوڑا بھی ہمارے پیچھے پیچھے چلا۔ایک خانقاہ میں وارد ہوئے،اس کے شیخ کا دو روز قبل اِنتقال ہو چکا تھا۔ ان لوگوں نے جب مجھے دیکھا تو کہنے لگے: وہ شخص یہی ہے۔

ان لوگوں نے مجھ سے کہا: یا شیخ! کیا آپ یہاں قیام فرمائیں گے؟۔

اس کے بعد ایک نورانی شکل والے شیخ تشریف لائے اور مجھے سلام کرکے کہا: حضرت! خدا کے واسطے آپ ہمارے یہاں قیام فرمائیں۔

میں نے جواب دیا: اللہ کو اختیار ہے۔

اسی دن ہمارے پاس ایک فقیر آیا ہم نے اپنا گھوڑا اُسے دے دیا، اور گھوڑے کا قصہ بھی بتایا۔ میں اور نوجوان شیخ محمد بیس سال تک اسی خانقاہ میں مقیم رہے۔ شہزادہ محمد کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوا، اور نہ ہی کسی کو یہ خبر ہوسکی کہ وہ کہاں کا باشندہ ہے؟۔ یہاں تک کہ شہزادہ محمد کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے بعد میں حج کے لیے نکلا اور میرا اِرادہ تھا کہ بیت اللہ شریف کی مجاورت اختیار کرلوں۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت شیخ مکہ تین برس تک مکہ معظّمہ میں رہے۔ اس کے بعد وصال ہوگیا اور وہیں بطحا میں آسودۂ خاک ہوئے۔(۱)

اہل توکل

ایک درویش فرماتے ہیں کہ میں خراسان کے ایک شہر میں گیا۔ بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک خوبصورت جوان ملا، سلام کیا اور میرے پیچھے چلنے لگا۔ جب میں بازار سے باہر آ گیا تو کہنے لگا: خدا کے لیے میرے مہمان ہو جایئے۔ میں اس کے ساتھ ایک عالیشان مکان میں داخل ہوا، جہاں نیکی کے آثار ظاہر تھے۔ اس نے مجھے اچھے اچھے کھانے کھلائے اور غایت درجہ تکریم کے ساتھ تین روز اپنے دولت کدے پر روکے رکھا۔

وہیں جوان کے بزرگ باپ سے بھی ملاقات ہوئی، چوتھے روز جوان کے بزرگ باپ نے مجھے اپنا مہمان بنایا۔ پانچویں روز جوان مجھ سے شہر پناہ کے باہر تک الوداع کہنے آیا۔ روٹی اور حلوہ' زادِ سفر کے علاوہ اس نے ایک بٹوا بھی مجھے پیش کیا، اور منت وسماجت کی کہ یہ قبول فرمالیں۔ میں نے لے لیا۔ پھر دو روز سفر کر کے دوسرے شہر میں آیا؛ تاکہ فقرا کو یہ سب چیزیں دے دوں۔ اتنے میں ایک نورانی خوبصورت بزرگ ملے۔ میں نے دل میں کہا: یہ اللہ کے ولی ہیں۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا؛ اس لیے مسجد میں گیا، اور نماز کے بعد بیٹھا تھا کہ نیند کا غلبہ ہوا۔ خواب میں کوئی کہہ رہا تھا: بٹوہ اس شیخ کو دے دو۔

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۵۶۵ تا ۵۶۹۔

جب بیدار ہوا تو شیخ غائب، ان کی تلاش میں نکلا۔ نہر کے کنارے پہنچا تو وہی شیخ نہر سے لوٹے میں پانی لیے میرے سامنے آ گئے۔ میں نے ان کی دست بوسی کی، اور بٹوہ کے اندر جو پانچ دینار اور پانچ درہم تھے، ان کے ہاتھ میں دے دیا۔

انہوں نے قبول کرلیا اور فرمایا: اے فرزند! جو غیر اللہ پر نظر رکھتا ہے، اسے اللہ کے پاس سے کچھ نہیں ملتا۔ میں نے دعا کی درخواست کی تو کہا :

یحفظ اللّٰہ ویحفظ علیک ویحفظ بک .

نصیحت کی استدعا کی تو فرمایا :

اخلاص کو لازم پکڑو، اور تمہارے اور اللہ کے درمیا جو عہد ہے اس کا خیال کرو۔

پھر وہ چلتے بنے۔(۱)

بدکاری کی جگہ نیکوکاری

ایک نوجوان تھا جس کا معمول یہ تھا کہ وہ جب بھی کوئی گناہ کرتا تو اسے اپنے دفتر میں لکھ لیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے کوئی گناہ کیا، جب لکھنے کے لیے دفتر کھولا تو دیکھا اس میں اس آیت کے سوا کچھ بھی نہیں لکھا ہوا تھا :

فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ o (فرقان:۲۵؍۷۰)

تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

یعنی شرک کی جگہ ایمان، بدکاری کی جگہ بخشش، گناہ کی جگہ عصمت اور نیکوکاری لکھ دی جاتی ہے۔(۲)

---

(۱) روض الریاحین، بحوالہ بزم اولیاء: ۵۷۷تا۵۷۸۔
(۲) مکاشفۃ القلوب امام غزالی: ۱۸۸۔

والدین کی خدمت کا صلہ

ایک بزرگ رات دن عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ایک دفعہ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی دوست سے ملاقات کرنی چاہیے۔انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نوجوان اپنی بکریوں کو چرارہا ہے اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ یہ نوجوان اللہ کا دوست ہے،تم اس سے ملاقات کرلو۔

وہ بزرگ بیدار ہوئے تو انھیں اس نوجوان سے ملاقات کی جستجو ہوئی۔ایک دن انھوں نے دیکھا کہ وہ نوجوان اپنی بکریوں کا ریوڑ لے کر راستے سے گزر رہا ہے۔وہ بزرگ اس نوجوان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں چند دن آپ کے گھر مہمان بن کر رہنا چاہتا ہوں۔نوجوان نے بھی خوشی کا اِظہار کیا اور اس بزرگ کو اپنے گھر لے آیا۔

رات کے وقت دونوں آپس میں گفتگو کررہے تھے کہ اس بزرگ نے نوجوان سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا اور پوچھا کہ تمہارا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا ہے کہ تمہیں اس پروردگار نے اپنے دوستوں میں شامل کرلیا ہے؟۔یہ سن کر وہ نوجوان آب دیدہ ہوگیا۔پھراس نے قریب کا کمرہ کھول کر دکھایا کہ اس میں دومسخ شدہ چہروں والے انسان بندھے ہوئے تھے۔ وہ بزرگ حیرت زدہ رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟۔

نوجوان نے کہا کہ یہ میرے غافل اور گنہ گار والدین ہیں۔ایک مرتبہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی گستاخی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کو مسخ کردیا۔میں سارادن بکریوں کا ریوڑ چراتا ہوں اور جب گھر واپس آتا ہوں تو پہلے والدین کو کھانا کھلاتا ہوں،بعد میں خود کھاتا ہوں۔گو انھوں نے اپنے جرم کی سزا دنیا ہی میں پائی مگر میرا فرض بنتا ہے کہ ان کی خدمت کروں، آخر میرے تو والدین ہیں۔

وہ بزرگ حیران ہوئے اور انھوں نے نوجوان کو سینے سے لگا کر کہا کہ ہم نے ساری ساری رات عبادت کی اور سارا سارا دن روزہ رکھا مگر اس مقام تک نہ پہنچ سکے جس مقام پر آپ کو والدین کے اَدب اور ان کی خدمت کی وجہ سے پہنچنا نصیب ہوا۔

خدمت والدین کے تعلق سے ایک واقعہ یہ بھی بڑا مشہور ہے کہ ایک نوجوان اپنے والدین کا بڑا اَدب کرتا تھا، اور ہر وقت ان کی خدمت میں مشغول رہتا تھا۔ جب والدین کافی عمر رسیدہ ہوگئے تو اس کے بھائیوں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ اپنی جائیداد کو والدین کی زندگی میں تقسیم کرلیا جائے؛ تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا نہ کھڑا ہو۔

اس نوجوان نے کہا کہ آپ جائیداد کو آپس میں تقسیم کرلیں اور اس کے بدلے مجھے اپنے والدین کی خدمت کا کام سپرد کردیں۔ دوسرے بھائیوں نے برضا ورغبت یہ کام اس بھائی کے سپرد کردیا۔ یہ نوجوان سارا دن محنت مزدوری کرتا پھر گھر آکر بقیہ وقت اپنے والدین کی خدمت اور بیوی بچوں کی دیکھ بھال میں گزارتا۔ وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ اس کے والدین نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ایک مرتبہ یہ نوجوان رات کو سو رہا تھا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا اسے کہہ رہا ہے، اے نوجوان! تم نے اپنے والدین کا اَدب کیا، ان کو راضی وخوش رکھا، اس کے بدلے تمہیں انعام دیا جائے گا۔ جاؤ فلاں چٹان کے نیچے ایک دینار پڑا ہے وہ اُٹھا لو، اس میں تمہارے لیے برکت رکھ دی گئی ہے۔

یہ نوجوان صبح کے وقت بیدار ہوا تو اس نے چٹان جاکر دیکھا تو اسے ایک دینار پڑا ہوا مل گیا۔ اس نے دینار اُٹھالیا اور خوشی خوشی گھر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک مچھلی فروش کی دکان کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے خیال آیا کہ اس دینار کے بدلے میں ایک بڑی مچھلی خرید لی جائے تاکہ بیوی بچے آج اس کے کباب بنا کر کھائیں۔

چنانچہ اس نے دینار کے بدلے ایک بڑی مچھلی خرید لی۔ جب گھر واپس آیا تو اس کی بیوی نے مچھلی کو پکانے کے لیے کاٹنا شروع کیا۔ پیٹ چاک کیا تو اس میں سے ایک بہت قیمتی ہیرا نکلا۔ نوجوان اس ہیرے کو دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ جب بازار جاکر اس ہیرے کو بیچا تو اتنی قیمت ملی کہ اس کی ساری زندگی کا اس سے خرچہ پورا ہوگیا۔(۱)

(۱) حقوق والدین بحوالہ با اَدب بانصیب: ۱۰۸۔

آقا کا بھگوڑا غلام

ایک مردِ صالح بیان کرتے ہیں کہ میں نے پہاڑ کی چوٹی پر ایک جوان کو دیکھا جس کی پیشانی پر قلق واضطراب کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں، اوراس کی آنکھوں سے سیل اشک ایسے ہی بہہ رہا تھا جس طرح کہ موجیں ساحل سمندر سے اپنا سر ٹکرا کر واپس جارہی ہوں۔ میں نے پوچھا: تم کون ہو، کیا ہو؟ کہا: اپنے آقا کا بھگوڑا غلام۔ میں نے کہا: واپس جا کر آقا سے معافی مانگ لو۔

کہا: عذرخواہی کے لیے کسی معقول دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، اورحد سے گزرجانے والا ہر حجت سے عاری ہوجاتا ہے۔ تو میں نے کہا: پھر کوئی چارہ جوڈھونڈ لو۔ کہا: ہر پیروی کرنے والا اس کے خوف سے لرزاں ہے۔

میں نے کہا: وہ ہے کون؟ کہا: میرا آقا ومولا۔ عالم صغر میں اس نے میری بہترین تربیت کی مگر میں نے اس کی خوب جم کے نافرمانی کی۔ وہ میرے ساتھ حسن تدبیر سے پیش آیا مگر میرا اس کے ساتھ برتاؤ سیہ کاریوں کا سارہا۔ اتنا کہنا تھا کہ ایک زوردار چیخ فضا میں بلند ہوئی اور وہ وہیں بے ہوش ہوکر گرپڑا۔

اتنے میں ایک بوڑھی خاتون آکر کہنے لگی: اس (یائس وحیران) درشت رونا اُمید کا اس کی موت میں کس نے تعاون کیا ہے۔ میں نے کہا: آپ کا یہ بیٹا (اس کی تجہیز وتکفین میں) آپ کی مدد کرنے کے لیے تیار ہے۔ تو اس نے کہا: میرے آگے اسے یوں ہی ذلیل پڑا رہنے دو، ممکن ہے اس کے قاتل کو رحم آجائے اور وہ اس پر اپنے عفو وکرم کی نگاہ فرمادے۔

کسی نے اس منظر کی عکاسی ان اشعار میں یوں کی ہے :

إلٰهي لا تعذبني فإني ❁ مقر بالذي قد كان مني

و مالي حيلة إلا رجائي ❁ وعفوک إن عفوت وحسن ظني

وكم من زلة لي في الخطايا ❁ و أنت علي ذوفضل ومن

إذا فكرت في جرمي عليها ❁ قرعت أناملي غيظا بسني

يظن الناس بي خيرا و إني ۞ أشر الناس إن لم تعف عني

یعنی مجھ پر عذاب کے کوڑے نہ برسا کیوں کہ جو کوتاہیاں مجھ سے ہوئی ہیں اس کا مجھے کھلے بندوں اعتراف ہے۔

اور اب میرے پاس سوائے میری امید ورجا اور حسن ظن کے کوئی اور بہانہ نہ رہا۔تو اگر تو مجھے بخش دے تو تیری بڑی مہربانی ہوگی۔

میری لغزش وخطا کیسی بے شمار ہیں،مگر اس کے باوجود تیرے فضل وکرم کا مینہ مجھ پر کیسا ٹوٹ کر برستا ہے۔

جب کبھی میں اپنے جرم وخطا پر غور کرنے لگتا ہوں تو غصے سے انگلیاں دانتوں تلے چٹخنے لگتی ہیں۔

لوگ مجھے کتنا اچھا سمجھے بیٹھے ہیں حالاں کہ اگر مجھے تیرے عفو وکرم کی بھیک نہ ملی تو روئے زمین پر موجود انسانوں میں مجھ سے زیادہ گھٹیا اور کمینہ شاید ہی کوئی ہو۔(۱)

دل کے جھکاؤ کے ساتھ توبہ

ایک مردِ صالح کا بیان ہے کہ میں نے ایک نوجوان کو یہ کہتے ہوئے سنا :

يا قديم الإحسان إحسانک القديم .

یعنی اے ہمیشہ سے احسان وانعام فرمانے والے!احسان کرتے رہنا تیری عادت ہے۔

مجھ سے رہا نہ گیا تو ایک دن میں نے اس سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ میں تمھیں ہمیشہ اسی ایک دعا کی تکرار کرتا ہوا پاتا ہوں۔تو اس نے کہا: دراصل اس کی ایک بڑی انوکھی وجہ ہے،اور وہ یہ کہ میری عادت تھی کہ جب بھی کہیں کوئی دعوت یا شادی کا پروگرام ہوتا میں عورتوں کا روپ دھارتا اور خوب سج سنور اور ٹھن بن کر مٹکتا ہوا اُن عورتوں کے بیچ میں جا کر بیٹھ جاتا۔اتفاق دیکھئے کہ ایک بار اُمیر شہر کے گھر شادی تھی،اور میں اپنی دیرینہ عادت کے مطابق (عورتوں کی شکل بنا کر) وہاں بھی پہنچ گیا۔اب نہ معلوم کیسے اُمیر کے گھر سے کوئی ہیرا غائب ہوگیا۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح:۱۰۔

امیر نے جملہ عورتوں کی تلاشی لینے کا فرمان جاری کردیا۔ تو ان عورتوں نے اپنے اپنے دوپٹے کھول کر دکھادیے (اور اپنی براءت ظاہر کردی) اب میرے پاس بجز اُس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ یہ دعا پڑھوں: ''**یا قدیم الاحسان احسانک القدیم**''۔ نیز میں نے اللہ کے لیے نذر مانی کہ اگر اس نے آج میری عزت پر پردہ رکھ لیا تو پھر کبھی ایسا نہ کروں گا۔ چنانچہ تلاشی لینے والے مجھ تک پہنچے ہی تھے کہ لوگوں کے درمیان یہ اعلان ہونے لگا کہ بس کرو اَب بقیہ عورتوں کو ٹٹولنے کی حاجت نہیں موتی ہاتھ آ گیا ہے۔ کہا: اس دن سے توبہ کرکے میں نے اللہ سے عہد صادق کیا کہ اب پھر کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا۔(۱)

اور وسیلہ کام آ گیا

حکایت نقل کی جاتی ہے کہ کسی شخص نے اپنا دامن گناہوں سے آلودہ کرلیا تو اسے اس کی خلوت میں آواز دی گئی: چلو اُٹھو اور اپنے لیے کوئی ایسا شفیع تلاش کرو جو مولا عزوجل کے حضور تمہاری سفارش کرسکے۔ چنانچہ جب وہ نکلا تو سرراہ ایک شخص سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ پوچھا: اللہ کے بندے! کہاں کا اِرادہ ہے؟۔ کہا: نکلا تو اس اِرادے سے ہوں کہ اپنا کوئی سفارشی ڈھونڈوں اور وہ مجھے پروردگار تک پہنچادے تاکہ میری توبہ قبول ہوجائے۔

اس نے مشورہ دیا کہ سیدھے اس سے رابطہ کیوں نہیں کرتے کہ اس سے زیادہ رحم وکرم تم پر کوئی اور نہیں کرسکتا۔ کہا: نہیں مجھے اس کے لیے وسیلہ درکار ہے۔ پھر کچھ اور آگے بڑھا تو اللہ کے کسی ولی سے اس کی ملاقات ہوجاتی ہے، وہ کہتا ہے: مرحبا اے اللہ کے دوست! خوش آمدید اے اپنے گناہ کی عذرخواہی کرنے والے، اور گناہوں کے بوجھ سے بوجھل! اب تجھے یقین کرلینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول کرلی ہے، اور آسمان کی بلندیوں سے تین مرتبہ ''**قبلتُ**'' کی صدا آچکی ہے۔(۱)

کسی شاعر نے کیا خوب بات کہی ہے ؎

---

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱۱۔

ما اعتذاري وما يكون جوابي ❁ ما اعتذاري إذا قرأت كتابي

عن معاص أتيتها باغتراري ❁ بعد موتي بموقفي للحساب

يا عظيم الجلال ما لي عذر ❁ فاعف عن زلتي و عظم مصابي

یعنی اب میں کیا بہانے بناؤں، اور کیا جواب دوں۔ جس وقت مجھے نامہ اعمال پڑھنے کو دیا جائے گا اس وقت میں کیا جواز پیش کروں گا!...

اپنے ان گناہوں کا جنہیں میں نے ہوش وحواس کے ساتھ سرانجام دیا ہے۔ اور پھر پس مرگ حساب وکتاب کے لیے میں کیا منہ لے کر کھڑا ہوں گا!۔

اے عظمت وجلالت کے مالک پروردگار! میرے پاس اب کوئی عذر و بہانہ نہیں بچا لہٰذا میری لغزشوں کو معاف کر اور میرے اَجر کو فزوں فرما۔(۱)

اندازِ دعا کی ندرت

ایک جوان طوافِ خانہ کعبہ کے دوران غلافِ کعبہ پکڑے بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار تھا، اے پروردگار! اس گھر کی زیارت کو شرعاً حج کہتے ہیں، اور کلمہ حج میں دو حرف ہیں: ح اور ج۔ اے میرے مالک ومولا! اگر ح سے تیرا حلم اور ج سے میرے جرم مراد ہیں تو تو اپنے حلم سے میرے جرم کو معاف فرمادے۔

آواز آئی اے میرے بندے! تو نے کیسی عمدہ مناجات کی، پھر سے دعا مانگو۔ وہ جوان دوبارہ نئے انداز سے یوں عرض پرداز ہوا: اے میرے غفار! تیری مغفرت کا دریا گنہ گاروں کی مغفرت وبخشش کے لیے ہمہ وقت رواں دواں ہے، اور تیری رحمت کا خزانہ ہر سوالی کے لیے ہر آن کھلا ہے۔

الٰہی! اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور حج میں دو حرف ہیں: ح اور ج۔ اگر ح سے میری حاجت اور ج سے تیرا جود مراد ہے تو تو اپنے جود وکرم سے اس مسکین وفقیر کی حاجت ومراد پوری فرمادے۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۲۹۔

آواز آئی اے جواں مرد تو نے کیا خوب حمد وثنا کی۔ پھر سے دعا مانگو، تمہارا اندازِ دعا بڑا منفرد ہے۔ اس نے کہا: اے خالق کائنات! تیری ذات وہ ذات ہے جس نے عافیت کا پردہ اہل اسلام کو مرحمت فرمایا۔ اس گھر کی زیارت کو حج کہتے ہیں اور حج میں دو حرف ہیں: ح اور ج۔ اے میرے پالنہار! اگر ح سے میری ایمانی حلاوت اور ج سے تیری جہاں داری کی جلالت مراد ہے تو تو اپنی جہانداری کی جلالت کی برکت سے اس ضعیف وناتواں کے ایمان کی حلاوت کو شیطان کی گھات سے محفوظ فرما دے۔

آواز آئی اے میرے مخلص اور عاشق صادق بندے! میرے حلم، میرے جود، اور میری جہان داری کی جلالت سے جو کچھ تو نے طلب کیا، میں نے تجھے عطا کیا، ہمارا تو کام ہی یہی ہے کہ ہر مانگنے والے کا دامن مرادا بھر دیں مگر کوئی جی لگا کے مانگے تو سہی ۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دِکھلائیں کسے راہ روِ منزل ہی نہیں

شیطانی محفل میں پروانۂ ہدایت

یہ قصہ نہایت ہی عجیب وغریب ہے۔ یہ قصہ اس جگہ پیش آیا تھا جہاں شیطان اپنے پورے لاؤلشکر کے ساتھ موجود رہتا ہے، جہاں بے گناہ انسانوں کو گناہ کی دلدل میں پھنسانے کے لیے نت نئے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں، جہاں رقص وسرور کی محفلیں برپا کی جاتی ہیں اوران مجالس میں بے ہودگی اپنے عروج پر ہوتی ہے۔

جی ہاں! یہ قصہ اسی جگہ پیش آیا جہاں ایمان اس بے غیرتی کی تاب نہ لا کر بندے کے دل سے نکل کر معلق ہو جاتا ہے۔ اس عجیب وغریب قصے کا راوی خود وہی ہے...... وہی جو کچھ دیر قبل ڈانسنگ ہال کے رنگ برنگ پروگراموں سے اپنی ذہنی عیاشی کا سامان کر رہا تھا اوراب چند لمحے بعد توبہ کی توفیق پا چکا ہے۔ یہ قصہ شیخ علی الطنطاوی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

میں شہر حلب کی ایک مسجد میں داخل ہوا، وہاں میری نظر ایک نوجوان پر پڑی، بے ساختہ

میری زبان سے نکلا: سبحان اللہ! یہ نوجوان تو وہی لگتا ہے جو انتہائی شریر تھا، شراب نوشی اس کی عادت تھی اور زنا کاری اس کا محبوب مشغلہ تھا، سود و رشوت کی چکی میں وہ لوگوں کو پیستا تھا اور والدین کا نہایت نافرمان تھا۔ والدین نے اس سے تنگ آکر اسے گھر سے نکال باہر کیا تھا...... میں سخت حیران وششدر تھا کہ یہ نوجوان کیسے مسجد کے اندر آگیا ہے؟۔

میں نے اس سے قریب ہو کر پوچھا: تم فلاں نوجوان تو نہیں ہو؟۔ نوجوان نے جواب دیا: ہاں میں وہی نوجوان ہوں۔ میں نے کہا: تمہاری ہدایت پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ذرا مجھے بتانے کی زحمت کرو گے کہ آخر تمہیں ہدایت کیسے نصیب ہوئی؟۔ نوجوان بولا: میری ہدایت کا سہرا اس بزرگ کے سر جاتا ہے جس نے محفل رقص میں جا کر ہم حاضرین کے سامنے وعظ ونصیحت فرمائی تھی۔

میں نے تعجب سے کہا: محفل رقص (ڈانسنگ ہال) میں پروانہ ہدایت؟!۔

نوجوان بولا: جی ہاں! محفل رقص میں۔ میں نے پوچھا: وہ کیسے؟۔ نوجوان گویا ہوا :

ہمارے محلّہ میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی، اس میں ایک عمر رسیدہ بزرگ لوگوں کی امامت کراتے تھے۔ ایک روز امام صاحب مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ لوگ کہاں ہیں؟۔ کیا بات ہے اکثر لوگ، خصوصا نوجوانوں کا طبقہ مسجد میں حاضر نہیں ہوتا بلکہ مسجد کے قریب تک نہیں آتا؟۔

مقتدیوں نے جواب دیا: وہ محفل رقص میں ہیں۔ امام نے پوچھا: یہ محفل رقص کیا بلا ہے؟.

ایک مقتدی نے جواب دیا: محفل رقص ایک کشادہ کمرہ میں برپا ہوتی ہے جس میں لکڑی کا ایک بلند اسٹیج بنا ہوتا ہے، اس پر نوجوان لڑکیاں برہنہ جسم یا نیم عریاں لباس پہن کر ایمان سوز گیت گاتی ہیں اور رقص کرتی ہیں اور لوگ ان کے اِردگرد اکٹھے ہوتے ہیں اور ان سے لذت اُٹھاتے ہیں۔

امام نے کہا: کیا جو لوگ یہ منظر دیکھتے ہیں وہ مسلمان ہوتے ہیں؟۔ جواب ملا: ہاں!۔

امام صاحب نے کہا: ''لاحول ولاقوۃ اِلا باللہ'' آؤ ہم اس محفل میں چلتے ہیں اور لوگوں کو

نصیحت کرتے ہیں۔ مقتدیوں نے کہا: امام صاحب! آپ کون سی دنیا میں ہیں۔ آپ ایسے لوگوں کو نصیحت کریں گے، اور وہ بھی محفل رقص میں؟!۔ امام نے کہا: ہاں ہاں بالکل۔

مقتدیوں نے بڑی کوشش کی کہ امام صاحب کو ان کی رائے سے پھیر دیں اور انھوں نے امام صاحب کو بتایا کہ جب آپ اس محفل میں تماشہ بینوں کو نصیحت کرنے جائیں گے تو وہ لوگ آپ کا خوب خوب مذاق اڑائیں گے، ہنسیں گے اور ان کی طرف سے آپ کو تکلیف دہ باتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امام صاحب نے فرمایا :

و هل نحن خير من محمد صلى الله عليه وسلم؟!.

کیا ہم لوگ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بہتر ہیں۔

یہ کہہ کر امام صاحب نے ایک مقتدی کا ہاتھ پکڑا اور ساتھ لے کر چل پڑے تا کہ وہ ڈانسنگ ہال تک رہنمائی کر سکے۔ جب امام صاحب اور ان کے ساتھ مقتدی حضرات ڈانسنگ ہال میں پہنچے تو اس کے ذمہ دار نے پوچھا: تم لوگ یہاں کس نیت سے آئے ہو؟!۔ امام صاحب نے جواب دیا: ڈانسنگ ہال میں جو لوگ موجود ہیں ہم انھیں کچھ نصیحت کرنا چاہتے ہیں۔ امام صاحب کی بات سن کر ذمہ دار بڑے تعجب میں پڑ گیا اور انھیں غور سے اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ان لوگوں کو اندر داخل ہونے سے منع کر دیا۔

امام صاحب اور ان کے ساتھ گئے ہوئے لوگوں نے ذمہ دار کو بڑا سمجھایا بجھایا اور اس سے اپیل کی کہ وہ اندر داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائے۔ بالآخر ان لوگوں نے ڈانسنگ ہال کے ذمہ دار کو اس کی ایک دن کی آمدنی دے کر اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کر لی۔ ذمہ دار نے ان کی تجویز قبول کرنے کے بعد کہا: آج جاؤ، کل جب پروگرام کا افتتاح ہو تو تم لوگ آجانا......۔ نوجوان آگے بیان کرتا ہے :

میں اگلے دن ڈانسنگ ہال میں موجود تھا۔ اسٹیج پر ایک نوجوان دوشیزہ نمودار ہوئی اور اس نے رقص کرنا شروع کیا۔ جب اس کا رقص ختم ہوا تو اسٹیج کا پردہ گرا...... جب پردہ دوبارہ اُٹھا تو اچانک سامنے اسٹیج پر ایک باوقار بزرگ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے...... بزرگ (امام

صاحب) نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کے بعد لوگوں کو پند ونصائح شروع کیے۔

لوگوں پر دہشت طاری ہوگئی اور انھیں بڑا تعجب ہوا کہ یکایک یہ کیا شروع ہوگیا؛ کیوں کہ پہلی لڑکی جب اسٹیج پر سے ڈانس کر کے گئی تھی اور پردہ گرا تھا تو ناظرین کسی اور لڑکی کا شوق لگائے ہوئے تھے؛ لیکن جب دوبارہ پردہ اُٹھا تو ان کی توقع کے خلاف اسٹیج پر پند ونصائح کرتے ہوئے بزرگ نظر آئے جس سے ان کی حیرانی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

ناظرین نے سمجھا کہ شاید یہ بھی پروگرام کا کوئی مزاحیہ حصہ ہے......لیکن جب ناظرین نے دیکھا کہ سامنے اسٹیج پر بیٹھے ہوئے بزرگ امام صاحب ہیں جو نصیحت کرنے کی غرض سے ڈانسنگ ہال میں تشریف لائے ہیں تو انھوں نے امام صاحب کا مذاق اُڑانا شروع کیا اور استہزا کرتے ہوئے اپنی آوازیں بلند کرنے لگے جب کہ امام صاحب ان کی ہنسی مذاق اور استہزا کی پروا کیے بغیر پند ونصائح میں مگن تھے۔

اس شور وغل اور ہنسی مذاق کے دوران ہی حاضرین میں سے ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے سامعین کو خاموش رہنے اور امام صاحب کی گفتگو سننے کا حکم دیا...... یکایک ڈانسنگ ہال میں سناٹا چھا گیا۔ اب ہمیں صرف اور صرف امام صاحب کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔

امام صاحب نے ایسا پُر اَثر تاثیر کلام سنایا کہ اس جیسا ہم نے اس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا......انھوں نے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سنائیں اور پھر بعض صالحین کی توبہ کے قصے بتائے۔ ان کی تقریر کا ایک حصہ یہ تھا :

اے لوگو! تم نے ایک طویل زندگی پائی ہے لیکن زندگی کے اکثر حصوں میں تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو دعوت دی ہے۔ تمہاری معصیت ونافرمانی کی لذت کہاں گئی؟۔ لذت وقتی تھی، اب وہ غائب ہوچکی ہے؛ لیکن تمہارے سیاہ نامہ اعمال باقی رہ گئے ہیں اور عنقریب قیامت کے روز تم سے اس سلسلے میں باز پرس ہوگی، اور وہ دن دور نہیں جس میں اس کائنات میں کوئی زندہ نہ رہے گا، سب مرجائیں گے، صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات بابرکات

باقی رہے گی......۔

اے لوگو! کیاتم نے کبھی اپنے نامہ اعمال میں جھانکنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تمہارے سیاہ اعمال تمہیں کس ڈگر پر لیے جا رہے ہیں؟! جب تمہارے اندر دنیوی آگ برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے کہ پل بھر میں یہ آتش تمہاری چمڑی اُدھیڑ کر رکھ دیتی ہے جب کہ یہ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، پھر جہنم کی آگ تم کیسے برداشت کر سکتے ہو؟۔لوگو! ایک لحہ بھی ضائع کیے بغیر اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرو۔

یہ خطاب سنتے ہی تمام لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں، اوروہ زاروقطار رونے لگے۔ پھر امام صاحب ڈانسنگ ہال سے باہر نکل پڑے اوران کے پیچھے لوگوں کا اجتماع بھی باہر آ گیا۔سبھوں نے امام صاحب کے ہاتھ پرتوبہ کی حتیٰ کہ ڈانسنگ ہال کا مالک بھی تائب ہوگیا اوراپنے گزشتہ کردار پر بڑا نادم ہوا۔(۱)

اورنوجوان بخشا گیا

ایک نوجوان ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہوگیا، وہ عورت کسی قافلے کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوئی۔نوجوان کو جب معلوم ہوا کہ تو وہ بھی اس قافلے کے ساتھ چل پڑا۔ جب قافلہ جنگل میں پہنچا تو رات ہوگئی، رات کوانھوں نے وہیں قیام کیا۔ جب قافلے والے سوگئے تو وہ نوجوان چپکے سے اس عورت کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: میں تجھ سے بے انتہا محبت کرتا ہوں اوراسی وجہ سے میں قافلے کے ساتھ آ رہا ہوں۔ یہ سن کر اس عورت نے نوجوان سے کہا جا کر دیکھو کوئی جاگ تو نہیں رہا ہے؟۔

نوجوان نے فرطِ مسرت سے سارے قافلے کا چکر لگایا اورواپس آ کر کہنے لگا کہ سب لوگ غافل پڑے سو رہے ہیں۔عورت نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، کیا وہ بھی سو رہا ہے؟ نوجوان نے کہا: اللہ عزوجل نہ تو کبھی سوتا ہے، نہ ہی کبھی اسے اونگھ آتی ہے۔

(۱) التائبون الی اللہ حازمی: جلداول: ۲۲۵۔

اس کے منہ سے یہ بات سن کر عورت گویا ہوئی: لوگ سو گئے تو کیا ہوا، اللہ جل مجدہ تو جاگ رہا ہے، اور ہمیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے؛ لہٰذا اس سے ڈرنا ہمارا فرض ہے۔ نوجوان نے جوں ہی یہ بات سنی خوفِ خدا سے لرز اُٹھا اور اپنے برے اِرادے سے تائب ہو کر گھر واپس لوٹ آیا۔

کہتے ہیں کہ جب اس نوجوان کا انتقال ہوا تو کسی نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا، سناؤ کیا گزری؟ نوجوان نے جواب دیا: میں نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے ایک گناہ کو چھوڑا تھا، سو اللہ تعالیٰ نے بس اسی سبب سے میرے تمام گناہ بخش دیے۔(۱) سچ کہا کسی نے ؎

رحمتِ حق 'بہا' نہ می جوید رحمتِ حق 'بہانہ' می جوید

(یعنی اللہ کی رحمت دولت و بہا سے حاصل نہیں کی
جاسکتی بلکہ اللہ کی رحمت تو بہانہ تلاش کرتی ہے۔)

رہے سلامت مری یہ نسبت

کسی مشہور عالم دین کی ایک خصوصی مجلس ہوا کرتی تھی۔ ایک دن بیٹھ کر آپ وعظ کہہ رہے تھے، اپنے اِردگرد کا جب جائزہ لیا تو لوگوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا مجمع تھا اور آپ کے وعظ سے متاثر ہو کر ہر کسی کا دل نرم پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے اشکوں کے نالے بہہ رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر انھوں نے اپنے نفس سے کہا: ذرا سوچو اس وقت تمہارا کیا بنے گا اگر یہ لوگ بخشے گئے اور تم ہلاک ہو گئے۔ پھر جی ہی جی میں یہ دعا کی: اے اللہ! اگر تو نے کل میرے تعلق سے عذاب کا فیصلہ کر لیا ہے تو میرے گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنے فضل و کرم سے ان لوگوں کو میرے عذاب پر باخبر نہ ہونے دینا ورنہ کہیں یہ نہ کہیں: جو دنیا میں خیر کی باتیں کرتا رہا وہ آخرت میں خود مارا گیا۔

مولا! تیرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ ابن ابی منافق کو قتل کیوں نہیں کر دیتے تو آپ نے فرمایا: ڈر ہے کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ محمد اپنے

(۱) مکاشفۃ القلوب: ۴۵۔ مترجم: علامہ تقدس علی خاں۔ نوریہ رضویہ پبلشنگ، لاہور۔

دوستوں کو قتل کر دیتے ہیں؛ تو آپ اسے سزا دینے سے رک گئے کیوں کہ بظاہر یک گونہ اس کا تعلق آپ کے ساتھ تھا۔ اور میں نے تو ہر حال میں تیرے ساتھ اپنا رابطہ و تعلق استوار رکھا ہے!۔

ایک شخص کسی معاملے کا استغاثہ لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا، بادشاہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اسے بلوایا اور اس کی حاجت معلوم کی، اس نے حالات بتائے اور آخر کار اسے اپنے معاملے میں کامیابی مل گئی۔

اب اس شخص سے کہا گیا: جو ہم سے امیدیں لگا کر آئے ہم اسے نامراد نہیں لوٹاتے بلکہ اسے پورا پورا فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پروردگار! تو تو کریموں کا کریم اور سب سے بڑا مہربان ہے؛ لہٰذا جس نے تیرے ساتھ اپنی امیدوں کا رشتہ جوڑ رکھا ہے، تجھی سے خیر کا طلب گار ہے، خود کو تجھی سے منسوب کرتا ہے، اور تیرے بندوں کو پکڑ پکڑ کر تیری بارگاہ میں لاتا ہے اسے نامراد نہ فرمانا، اگر چہ وہ تیرے کرم و احسان کو نہیں سمجھ پاتا اور تیرے اور تیرے بندوں کے درمیان وکالت کرنے کا اہل نہیں لیکن تیری بے انتہا جود و عطا اور فضل و کرم کا وہ جویاں و خواہاں ہے، اصل سخی و کریم تو تو ہی ہے، اور کریموں کی یہ شان نہیں ہوتی کہ بچوں کی طرح رو رو کر مانگنے والوں کو اپنے درِ جود سے ٹھکرا دیں۔

إن كنت لا أصلح للقرب فشأنكم صفح عن الذنب

یعنی اگر چہ میں اس لائق نہیں کہ تیرے قرب کی دولت پا سکوں؛ تاہم گناہوں سے چشم پوشی کر لینا اور بندوں کو بخش دینا یہ تیرا شیوہ ہے۔(۱)

باپ کی شفقت اور بیٹے کی بے رخی

ایک کمسن بچہ دیوار پر ایک کوے کو بیٹھا ہوا دیکھ کر پوچھنے لگا: ابا جان! دیوار پر بیٹھے ہوئے پرندے کا کیا نام ہے؟ باپ نے جواب دیا: بیٹا! وہ کوا ہے۔ بیٹے نے پھر پوچھا: ابا! اس دیوار پر کوا بیٹھا ہے؟ باپ نے کہا: ہاں بیٹا! وہ کوا ہے۔ بچوں کی فطرت کے مطابق وہ بچہ بار بار یہی کہتا

(۱) لطائف المعارف: ۱۷۔

کہ ''ابا جان دیوار پر کوا بیٹھا ہے'' اور باپ ہر بار شفقت سے جواب دیتا کہ ''ہاں! بیٹا وہ کوا ہے''۔ حتیٰ کہ بچے نے کوئی سومرتبہ یہی سوال کیا اور باپ بھی ہر بار یہی جواب دیتا رہا۔لیکن ساتھ ساتھ باپ ایک کاغذ پر نوٹ بھی کرتا رہا کہ بچہ ایک ہی بات کتنی بار دہرار ہا ہے۔

ایک زمانہ وہ بھی آ گیا کہ بچہ جوان ہوگیا اور باپ ضعیف وعمر رسیدہ ہوگیا۔ بوڑھے باپ نے ایک دن اپنے جوان بیٹے سے کہا کہ بیٹا! دیکھو وہ دیوار پر کوا بیٹھا ہے؟۔ یہ سن کر بیٹے نے کہا: ہاں! ابا جان وہ کوا ہے۔ دوسری بار باپ نے پھر پوچھا: بیٹا! وہ دیوار پر کوا بیٹھا ہے۔تو بیٹے نے بڑے ترش لہجے میں جواب دیا: ہاں وہ کوا ہے۔ پھر تیسری بار جب باپ نے وہی سوال کیا تو بیٹے کو غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگا: اجی بابا! کیا کائیں کائیں لگا رکھے ہیں۔ جب ایک بار کہہ دیا کہ وہ کوا ہے تو اب بات کو ختم کریں۔

بوڑھے باپ نے وہ لکھا ہوا پرانا کاغذ نکالا اور کہا: بیٹا! یہ پڑھو۔تم نے کمسنی میں سومرتبہ کہا تھا کہ 'ابا جان وہ کوا ہے؟' تو میں نے ہر بار بڑے پیار وشفقت سے تمہیں یہ جواب دیا تھا کہ 'ہاں بیٹے وہ کوا ہے' اور جب میری باری آئی تو افسوس کہ دو مرتبہ ہی میں تم مجھ پر برہم ہو گئے۔(۱)

توبہ کی برکتیں

ایک بزرگ بیان فرماتے ہیں کہ میں دریاے دجلہ کے کنارے کنارے جارہا تھا کہ کھجور کے درخت دیکھے، میں آرام کرنے کے لیے وہاں بیٹھ گیا، ایک درخت خشک تھا اور دوسرا ہرا بھرا۔ وہاں میں نے عجیب منظر دیکھا کہ ایک پرندہ تازہ کھجوریں لے کر خشک درخت پر جاتا ہے۔فرماتے ہیں کہ میں سوچنے لگا یہ ماجرا کیا ہے؟ آخر میں درخت پر چڑھ گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اندھا سانپ ہے جسے پرندہ تازہ کھجوریں لا کر کھلا رہا ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے وہیں قلب صادق سے توبہ کی اور اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا۔انھوں نے میری اچانک تبدیلی پر سوال کیا کہ تو مردود تھا، چند ثانیے میں منظور کیسے بن گیا؟

(۱) عظمت والدین، قاضی صوفی اعظم: ۷۳۔

بد تھا، نیک کیسے بن گیا؟؟ برا تھا، صالح کیسے بن گیا؟؟؟ میں نے سارا واقعہ سنا دیا جسے سن کر میرے ساتھی بھی تائب ہو گئے (معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے ڈاکو تھے) پھر ہم نے ناپاک کپڑے اُتار دیے اور مکہ معظّمہ کی طرف نکل پڑے۔

چلتے چلتے ہم ایک ایسے گاؤں میں جا پہنچے جہاں ایک خاتون ہمارا اِنتظار کر رہی تھیں، جب ہم ان کے قریب گئے تو پکار اُٹھیں، کیا تم میں کوئی کُردی نوجوان ہے؟ چنانچہ میں آگے آیا اور کہا: ہاں میں ہوں کردی نوجوان۔ وہ بولیں: یہ میرے بیٹے کے ایصال ثواب کے کپڑے ہیں جو میں کسی کو دینا چاہتی تھی۔ پھر کیا ہوا کہ جب رات میں سوئی تو قسمت بیدار ہو گئی اور خواب میں زیارتِ مصطفےٰ ہوئی۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس طرح کا ایک کردی نوجوان تیرے پاس سے گزرنے والا ہے، تو یہ لباس اسے دے دینا۔

یہ ہیں توبہ کی برکتیں کہ جوں ہی توبہ کی مدینے والے آقا نے کرم فرما دیا۔(۱)

یہ دنیا، عالم اسباب ہے

کسی نوجوان زاہد کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آبادی سے نکل کر پہاڑی کی کھوہ میں جا بیٹھا اور سات روز تک بھوکا پیاسا وہیں مقیم رہا۔ دراصل اس نے یہ عہد کیا تھا کہ میں کسی سے بھی کچھ نہیں مانگوں گا، وہاں رہ کر اپنے رزق کا انتظار کروں گا۔ لیکن رزق نہیں آیا اور بھوک و پیاس کی شدت نے اسے نڈھال و بے حال کر دیا، قریب تھا کہ ہلاک ہو جائے۔

اچانک اس کے دل میں خیال آیا اور کہنے لگا: یا اللہ! اگر تو مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو وہ رزق بھیج جو تو نے میری قسمت میں لکھا ہے؛ ورنہ میری روح قبض کر لے۔ ندا آئی کہ مجھے میری عزت کی قسم! میں تجھے اس وقت تک رزق نہیں دوں گا جب تک تو آبادی کا رخ نہیں کرے گا اور لوگوں میں جا کر نہیں بیٹھے گا۔

---

(۱) نزہۃ المجالس: ۱۹۲/۲۔

چنانچہ وہ نوجوان شخص شہر گیا اور لوگوں کے پاس جا کر بیٹھا، کوئی اس کے لیے کھانا لے کر آیا اور کسی نے پانی پیش کیا۔ اس نے کھایا پیا اور دل میں وسوسے کا شکار ہو گیا۔ آواز آئی کہ کیا تو اپنے زہد سے میری حکمت کو ضائع کرنا چاہتا ہے۔ کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ میں اپنے بندوں کو بندوں ہی کے ذریعہ رزق پہنچانا اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ اپنے دست قدرت سے پہنچاؤں۔(۱)

راہِ خدا میں نکلا ہوا مال!

ایک جوان کے بارے میں آتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں وہ کسی شخص کے برابر میں سو رہا تھا، اس کے پاس دینار کی ایک تھیلی تھی۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو اس تھیلی کو اپنے پاس نہ پا کر وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے برابر والے شخص کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کی تھیلی واپس کرے۔ اس شخص نے دریافت کیا کہ اس کی تھیلی میں کس قدر مال موجود تھا۔ اس نے مال کی مقدار بتلائی۔ وہ شخص اسے اپنے گھر لے گیا اور اس کی بتلائی ہوئی مقدار کے مطابق اس نے اسے مال واپس کر دیا۔

بعد اس نوجوان کے دوستوں نے بتلایا کہ تمہاری تھیلی تو ہم نے مذاق میں غائب کر دی تھی۔ یہ سن کر وہ نوجوان بڑا نادم ہوا اور اپنے دوستوں کے ساتھ اس شخص کے پاس پہنچا جس پر اس نے تھیلی چرانے کا الزام لگایا تھا اور جو مال اس نے دیا تھا وہ اسے واپس کرنا چاہا؛ لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ یہ مال حلالِ طیب ہے اسے پاس رکھو، میں تمہیں خوشی سے دیتا ہوں، اور جو مال میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نکال دیتا ہوں پھر اسے واپس نہیں لیتا۔ لیکن جب ان لوگوں نے واپسی پر بہت زیادہ اصرار کیا تو اس شخص نے اپنے بیٹے سے کہا کہ وہ اس مال کو مختلف تھیلیوں میں رکھ کر فقرا کو بھجوا دے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی یہاں تک کہ تمام مال ختم ہو گیا۔(۲)

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۲۲۶/۴۔

(۲) احیاء علوم الدین: ۲۸۲/۴۔

عشق کا بھوت

کہتے ہیں کہ ایک نوجوان کسی خوبصورت لڑکی کے عشق میں گرفتار ہوگیا۔ اس نے اپنے ایک سچے دوست کو اس کیفیت سے آگاہ کیا اور اسے اختیار دیا کہ وہ چاہے تو مجھ گنہ گار سے تعلق ختم کرلے، اس گناہ کے بعد میں واقعتاً تمہاری دوستی کے قابل نہیں رہا۔ دوست نے اسے تسلی دی اور یہ یقین دلایا کہ میں دوستی برقرار رکھوں گا۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی سے اس کی غلطیوں کی بنا پر ترکِ تعلق کرلیتے ہیں۔

اپنے گنہ گار دوست کو یقین دلانے کے بعد اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور یہ عہد کیا کہ جب تک میرا بھائی سابقہ حالت پر واپس نہیں آجاتا میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں اور نہ پیوں گا۔ اس وقت سے اس نے کھانا ترک پینا ترک کردیا۔ لیکن دوست کو اس کی اطلاع نہیں دی کہ میں تیرے لیے اِتنا زبردست مجاہدہ کررہا ہوں؛ البتہ وہ روزانہ یہ ضرور دریافت کرلیتا کہ اب تمہارے جذبۂ عشق میں کمی ہوئی یا نہیں۔ وہ نفی میں جواب دیتا۔

اِدھر عشق عروج پر تھا اور اُدھر غم اور بھوک وپیاس کی شدت سے جاں کنی کا عالم تھا۔ بالآخر چالیس روز کے بعد یہ اطلاع ملی کہ اب عشق کا بھوت اُتر گیا ہے، تب جاکر بے گناہ دوست نے کھانا کھایا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ یہ ہے کہ دو دوستوں میں سے ایک راہِ راست سے منحرف ہوگیا۔ لوگوں نے دوسرے شخص سے کہا کہ اب جب کہ تمہارا بھائی غلط کاریوں میں مبتلا ہوچکا ہے، کیا تم اس سے تعلق رکھنا پسند کروگے؟۔

اس نے جواب دیا کہ یہی وہ وقت ہے جب کہ اسے میری ضرورت زیادہ ہے۔ بھلا میں اسے پریشانی کے اس عالم میں تنہا کیسے چھوڑ دوں۔ اگر وہ غلط کار رہے تو میں اس پر ناراض ہوں گا، اسے تنبیہ کروں گا۔ اگر وہ راہِ راست سے بھٹک گیا ہے تو میں اس کا ہاتھ پکڑ کر صحیح راستے پر لانے کی کوشش کروں گا اور یہ دعا کروں گا کہ وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئے۔ (۱)

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۲۹۴۔

خاموشی میں نجات

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم کشتی پر سوار تھے، اس سفر میں ایک علوی نوجوان بھی ہمارے ساتھ تھا لیکن وہ مہر بہ لب خاموش محوِسفر تھا۔ سات دن کے بعد ہم نے اس نوجوان سے کہا کہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ تم نہ ہم سے بات کرتے ہو اور نہ ہمارے پاس اُٹھتے بیٹھتے ہو؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تقریباً سات روز سے اس ایک کشتی پر یکجا کررکھا ہے۔ جواب میں اس نے یہ دوشعر پڑھے :

قلیل الھم لا ولـد یموت ☆ و لا أمـر یحاذرہ یفوت

قضی وطرا بصبا و افار علما ☆ فغایتہ التفرد و السکوت

یعنی تفکرات کم ہیں، نہ بچہ ہے کہ اس کی موت کا غم ہو اور نہ ایسی کوئی چیز ہے جس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ بچپن کا شوق پورا کیا اور یہ علم حاصل کیا جس کی انتہا تنہائی اور سکوت ہے۔(۱)

دل کا علاج

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں شام کے کسی شہر میں گھوم رہا تھا کہ اچانک میں نے غار کے اندر سے ایک نوجوان عابد کو نکلتے ہوئے دیکھا۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، وہ درخت کی آڑ میں ہوگیا۔ میں نے کہا: اللہ کے بندے! کیا اپنی صورت دکھانے میں بھی بخل کروگے؟ کہنے لگا: میرے بھائی! حقیقت یہ ہے کہ یہاں پہاڑوں میں ایک عرصہ سے مقیم ہوں اور اپنے دل کا علاج کررہا ہوں۔ میں نے اپنے قلب کو دنیا سے منقطع کرنے پر بڑی محنت کی ہے، بڑی مشقت اور مصیبت برداشت کی ہے۔ یہ خدائے پاک کا انعام ہے کہ اس نے میری محنت قبول فرمائی، مجھ پر رحم کیا، میرا اضطراب دور کیا، میرے دل سے دنیا کی محبت نکالی، اور مجھے تنہائی سے مانوس کردیا۔

---

(۱) احیاء علوم الدین: ۳۵۶/۲۔

اب جب تم پر نظر پڑی تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں میری یہ تمام تر محنت اور جد وجہد رائیگاں نہ چلی جائے اور میری وہی حالت ہو جائے جو پہلے تھی؛ اس لیے میں تمہارے شر سے رب العارفین کی پناہ چاہتا ہوں، پھر اس نے ایک نعرہ لگایا اور دنیا میں اپنے طویل قیام پر غم کا اِظہار کیا، میری طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنے دونوں ہاتھ جھٹک کر یہ اَلفاظ کہے :

اے دنیا! مجھ سے دور ہو، کسی اور کو زینت بخش۔ اس شخص کو دھوکہ دے جو تجھے چاہتا ہو۔ پاک ہے وہ ذات جس نے عارفین کے دلوں کو خدمت کی لذت اور عزلت کی حلاوت عطا کی اور اپنی ذات کے علاوہ انھیں ہر چیز سے غافل کر دیا، انھیں صرف اپنے ہی ذکر میں سکون عطا کیا، ان کے نزدیک مناجات اور تلاوت سے بڑھ کر کوئی لذت بخش اور لطف انگیز چیز نہیں ہے۔

اتنا کہہ کر وہ نوجوان عابد اپنی کٹیا میں چلا گیا۔(۱)

خوفِ خدا کا عالم

حکایت ہے کہ ایک شخص نے خلوت میں ایک عورت سے ملاقات کر کے کہا کہ گھر کے دروازے بند کر دو اور پردہ کھینچ دو۔ اس عورت نے اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اَب جب وہ مرد اُس سے قریب ہوا تو وہ کہنے لگی :

إنه بقي باب لم أغلقه، فقال لها: و أي باب هو؟ فقالت له: الذي بينک و بين اللّٰه تعالیٰ، فصاح الرجل صيحة، فخرجت روحه فيها .

یعنی ایک دروازہ تو بند ہونے سے رہ ہی گیا۔ مرد نے پوچھا: وہ کون سا دروازہ؟ کہنے لگی: جو تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ اتنا سننا تھا کہ مرد نے ایک زور کی چیخ لگائی اور اس کی روح راہی ملک بقا ہوگئی۔(۱)

(۱) احیاء علوم الدین: ۲/۳۵۶۔
(۲) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۸۔

رِزقِ حلال کی برکتیں

روایتوں میں آتا ہے کہ کسی نے ایک صاحب وجد اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے والے نوجوان کی بہت تعریف و توصیف کی؛ ایک بزرگ نے جب یہ سنا تو انھیں اس سے ملاقات کا اِشتیاق ہوا۔

چنانچہ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے آپ سے تین دن کے لیے اپنے یہاں مہمان رکنے کی اِستدعا کی، آپ رک گئے، اور جب آپ نے تین دن میں اس کے اَحوال کا مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ اس کی جتنی تعریف سنی تھی وہ تو اس سے کہیں زیادہ کا سزاوار ہے۔

حتیٰ کہ اسے دیکھ کر انھیں اپنی حالت ابتر معلوم ہونے لگی؛ چنانچہ آپ نے نادم ہوکر فرمایا کہ ہم کس قدر کاہل وجود ہیں اور یہ شب بیداری کرکر کے مراتب و مدارج طے کرتا رہتا ہے؛ لیکن پھر انھیں خیال آیا کہ کہیں یہ ابلیس کے کسی فریب میں تو مبتلا نہیں ہے!۔

چنانچہ انھوں نے اس کی آزمائش کرنا چاہی، اور یہ دیکھنا چاہا کہ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے اور وہ رزق کہاں سے حاصل کرتا ہے؟۔ بالآخر جب آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کی روزی حلال نہیں، اور اور یہ رزقِ حلال اِستعمال نہیں کرتا، تو آپ نے اس سے اپنے یہاں تین دن مہمان رکنے کے متعلق فرمایا۔

چنانچہ اس نے دعوت قبول کرلی اور اُن کے ہمراہ ان کے غریب خانے پر پہنچا۔ آپ نے اسے جب کھانا کھلایا تو اس کے بعد اس کی پہلی سی حالت باقی نہیں رہی۔ جب اس نے پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کردیا ہے؟؛ تو فرمایا کہ بیٹے! رزقِ حلال حاصل نہ ہونے کی وجہ سے تجھ پر شیطان کی کارفرمائیاں جاری تھیں اور اب میرے یہاں کے رزقِ حلال نے تیری باطنی حالت کو تبدیل کرکے رکھ دیا ہے اور تجھے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تمام عبادت و ریاضت کا تعلق صرف رزقِ حلال پر موقوف ہے۔(۱)

(۱) تذکرۃ الاولیاء مترجم: ۵۷، ۵۸۔

اور نوجوان لرز اُٹھا

ایک مردِ صالح کا بیان ہے کہ میں نے ایک لوہار کو دیکھا کہ وہ لوہے کو آگ کے اندر سے (بالکل سرخ) نکالتا ہے اور اپنی انگلیوں سے اُلٹ پلٹ کر رہا ہے۔ تو میں نے جی میں سوچا: ہو نہ ہو یہ کوئی اللہ کا نیک بندہ ہے۔ میں نے اس کے قریب جا کر سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا: جناب والا! یہ بتائیں کہ آپ اس مقام ومنزل پر کیوں کر فائز ہوئے، آپ میرے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے ترقی درجات کی دعا کیوں نہیں کر دیتے؟ تو وہ روتے ہوئے گویا ہوا: میرے دوست! میں ان لوگوں میں سے نہیں جن میں سے تو مجھے سمجھ رہا ہے مگر جب تو نے پوچھ ہی دیا ہے تو لو حقیقت امر واضح ہی کر دیتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ میں بڑا سیہ کار اور گنہ گار تھا، ایک مرتبہ ایک لالہ رُخ حسینہ سے میرا واسطہ پڑ گیا، جس نے مجھ سے کہا: تیرے پاس کچھ ہو تو اللہ واسطے مجھے عطا کر، تو میں دل پکڑ کر رہ گیا۔ میں نے اس سے کہا ایسا کرو میرے ساتھ گھر چلو وہیں تمہاری ضرورت کا ہر سامان کر دوں گا؛ مگر وہ راضی نہ ہوئی اور اپنا راستہ ناپتی بنی۔ پھر ایک دن روتی ہوئی آئی اور کہا: قسم بخدا! وقت نے ایسا مجبور کر دیا ہے کہ مجھے بار بار تیری طرف آنا پڑ رہا ہے۔ اب میں اسے پکڑ کر اپنے گھر لے آیا اور ایک جگہ بٹھا دیا، جب اس کی طرف بڑھا تو وہ ایسے کانپنے لگی جیسے کوئی کشتی سخت آندھیوں میں ہچکولے کھاتی ہو۔

میں نے پوچھا: یہ اضطراب اور کپکپاہٹ کیسی ہے؟۔ تو کہنے لگی: محض اللہ کے خوف سے کہ وہ ہمیں اس حال میں دیکھے۔ اگر تو نے مجھے آج بخش دیا اور مہربانی کر دی (تو تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ) اللہ کی آگ دنیا و آخرت میں کہیں تم پر اَثر انداز نہیں ہوگی۔ اب میں فوراً اُس سے دور ہٹ گیا اور جو کچھ میرے پاس موجود تھا اللہ واسطے اس کے حوالے کر دیا۔ اس طرح وہ (آبرومندانہ طریقہ پر) مجھ سے چلی گئی۔

پھر مجھ پر ذرا سی غنودگی طاری ہوگئی تو میں نے خواب میں اس سے کہیں زیادہ حسین و

جمیل عورت دیکھا۔ میں نے پوچھا: تم کون ہو؟ تو کہتی ہے: میں تمہارے پاس آنے والی وہی اُم صبیہ ہوں اور آل بیت رسول سے ہوں۔ تاہم برادرِ گرامی! اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو میری طرف سے بہترین صلہ عطا فرمائے۔ اور دنیا وآخرت میں آپ کو آگ سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اب جب میں بیدار ہوا تو میرے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور میرا پورا وجود خوشیوں میں نہایا ہوا تھا۔ بس اسی دن سے میں ہر قسم کے گناہوں سے اپنا تعلق منقطع کر کے اللہ کی طرح رجوع ہو گیا۔ (۱)

جتنی تیاری کر سکتے ہو کرلو

ایک آدمی تھا جو موت سے بہت زیادہ ڈرا کرتا اور اس کے خوف وہراس سے ہمیشہ متفکر وغمگین رہتا اور خوب خوب گریہ وبکا کرتا رہتا تھا۔ ایک بار احساسِ خوف اسے بلاضرورت کسی میدان میں لے کر چلا گیا جہاں اس کی ملاقات ملک الموت سے ہو جاتی ہے۔ فرشتہ موت نے پوچھا: اے شخص مجھے پہچانتا ہے؟۔ کہا: نہیں مجھے تمہاری کوئی معرفت نہیں۔ فرمایا: میں ملک الموت ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ وہ شخص بے قراری کے عالم میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔

جب ہوش آیا، تو ملک الموت نے کہا: اب ایسا کرو تم اپنے گھر چلے جاؤ اور مریضوں کی عیادت کرتے رہا کرو۔ اگر تم مجھے مریض کی پائنتی کے پاس دیکھو تو اس کی دوا دارو کرنے کی کوشش کرو؛ کیوں کہ ابھی اس کے افاقے کا اِمکان ہے۔ اور اگر مجھے اس کے سرہانے کے قریب دیکھو تو سمجھ جانا کہ بس اس کا وقت اجل آ گیا ہے، پھر اس کے لیے کسی دوا وغیرہ کی تشخیص نہ کرنا۔ اور میں بتائے دیتا ہوں کہ تم مجھے عنقریب اپنے سرہانے دیکھنے والے ہو؛ لہٰذا اُس دن کی جتنی تیاری کر سکتے ہو کرلو!۔

اب وہ شخص ناصبوری کے عالم میں اپنے اہل خانہ کو چیخ کر بلانے لگا: میرے پاس جلدی سے ایک کاغذ لے کر پہنچو تاکہ میں تمہیں کچھ وصیت لکھ دوں؛ کیوں کہ میں نے وہ سب کچھ اپنے

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۸۔

سر کی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے جن کے ڈر سے میں مارا مارا پھرتا تھا اور لوگوں کے دلوں میں ان کی ہیبت چھائی رہتی ہے۔ ملک الموت نے کہا: حاکم حقیقی تم سے کہیں زیادہ حکم میں جلدی فرمانے والا ہے۔ اور میں نے تم کو کل تنبیہ کیا تھا تاکہ تم اپنے لیے کچھ کر سکو لیکن اب وہ مدت مہلت ختم ہوئی، اور تیری زندگی کے دن گنے جا چکے؛ لہٰذا وصیت لکھنے سے پہلے ہی ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی۔ اسی مفہوم کو کسی نے بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے :

یـا ساهيا يا غـافلاً عمـا يراد لـه ۞ حان الرحيل فما أعددت من زاد

تضن أنک تبقـى سـرمدا أبدا ۞ هيهات أنت غدا فيمن غدا غادي

مالي سوى أنني أرجو الإلٰه لما ۞ أهـمـني فـهـو أرجـو يوم معاد

یعنی اے غافل ولا پراہ! کبھی تو نے سوچا بھی کہ تیرا مقصد زندگی ہے کیا؟ اب تو اس دنیا سے کوچ کرنے کا وقت آ پہنچا ہے تو تو نے کچھ زادِ راہ جمع کیا ہے؟؟۔

تم اس گھمنڈ میں اتراتے پھرتے تھے کہ اس دنیا میں تمھیں ہمیشہ ہمیش موج و مستی کرتے ہوئے باقی رہنا ہے۔ تف ہے تیری سوچ پر، تو آئندہ کل ان لوگوں میں شامل ہونے والا ہے جو گزشتہ کل یہاں سے رخصت ہو گئے۔

میری اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس کے سوا کوئی اور خواہش و التجا نہیں ہے کہ جب عرصہ محشر کے لیے اُٹھنا ہو تو اللہ کی مجھ پر خاص عنایت ہو جائے۔(۱)

ذکرِ اِلٰہی سے غافل مچھلی

کسی مردِ صالح کا بیان ہے کہ میں ساحل سمندر سے گزر رہا تھا کہ اچانک نظر ایک شکاری پر پڑ گئی جو مچھلیوں کا شکار کر رہا تھا جس کے بازو میں اس کا بیٹا بیٹھا ہوا تھا۔ جب بھی کوئی مچھلی مارتا اسے اپنے جھولے میں رکھ لیتا؛ مگر بچہ اسے نکالتا اور دوبارہ سمندر میں پھینک دیتا۔ (شام کو) جب شکاری نے جھولے کو دیکھا تو اس میں ایک بھی مچھلی نظر نہ آئی۔ اپنے بیٹے سے پوچھا :

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۱۹۔

یہ تم نے کیا کیا، ساری مچھلیاں اُلٹی سمندر میں چھوڑ دی؟۔ تمھیں ایسا کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟؟ کس نے تمھیں یہ سبق سکھایا ہے؟؟؟۔

کہا: ابا جان! کیا میں نے آپ کے منہ سے یہ بات نہیں سنی کہ کوئی بھی مچھلی اس وقت تک شکاری کے جال میں نہیں پھنستی جب تک کہ وہ اللہ کے ذکر میں لگی رہتی ہے، تو ہمیں ایسی مچھلیوں سے کیا غرض جنھیں ذکراللہ سے کوئی سروکار نہ ہو۔ چنانچہ وہ شخص اپنے چہرے پر ندامت برساتے ہوئے نکلا اور اللہ کی بارگاہ میں سچی توبہ کی۔(۱)

معروف شاعر اختؔر شیرانی

اختر شیرانی اُردو کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ لاہور کے عرب ہوٹل میں ایک دفعہ کمیونسٹ نوجوانوں نے جو نہایت ذہین تھے اختر شیرانی سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی۔ اس وقت تک وہ دو بوتلیں چڑھا چکے تھے اور ہوش قائم نہ تھے۔ تمام بدن پر رعشہ طاری تھا حتی کہ الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے۔ اِدھر 'اَنا' کا شروع سے یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔

جانے کیا سوال زیر بحث تھا، فرمایا: 'مسلمانوں میں تین شخص اب تک ایسے پیدا ہوئے ہیں جو ہر اعتبار سے جینیس بھی ہیں اور کامل الفن بھی۔ پہلے ابوالفضل، دوسرے اسداللہ خاں غالب، تیسرے ابوالکلام آزاد۔ شاعر وہ شاذ ہی کسی کو مانتے تھے۔ ہم عصر شعرا میں جو واقعی شاعر تھا اسے بھی اپنے سے کمتر خیال کرتے تھے۔

کمیونسٹ نوجوانوں نے 'فیضؔ' کے بارے میں سوال کیا۔ طرح دیے گئے۔ 'جوشؔ' کے متعلق پوچھا کہا وہ ناظم ہے۔ 'سردار جعفری' کا نام لیا، مسکرائے۔ 'فراق' کا ذکر چھیڑا 'ہوں ہاں' کرکے چپ ہوگئے۔ 'ساحر لدھیانوی' کی بات کی، سامنے بیٹھا تھا۔ فرمایا: مشق کرنے دو۔ 'ظہیر کاشمیری' کے بارے میں کہا: نام سنا ہے۔ 'احمد ندیم قاسمی'؟ فرمایا: میرا شاگرد ہے۔

(۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح: ۲۰۔

نوجوانوں نے دیکھا کہ ترقی پسند تحریک ہی کے منکر ہیں تو بحث کا رُخ پھیر دیا۔ حضرت فلاں پیغمبر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آنکھیں سرخ ہورہی تھیں، نشہ میں چور تھے، زبان پر قابو نہیں تھا، لیکن چونک کرفرمایا: کیا بکتے ہو؟ ادب و اِنشایا شعروشاعری کی بات کرو۔

کسی نے فوراً ہی افلاطون کی طرف رُخ موڑ دیا۔ ان کے مکالمات کی بابت کیا خیال ہے؟ ارسطو اور سقراط کے بارے میں سوال کیا مگر اس وقت وہ اپنے موڈ میں تھے فرمایا: اجی پوچھو یہ کہ ہم کون ہیں۔ یہ ارسطو، افلاطون یا سقراط آج ہوتے تو ہمارے حلقے میں بیٹھتے۔ ہمیں ان سے کیا کہ ان کے بارے میں رائے دیتے پھریں۔

اس لڑکھڑاتی ہوئی آواز سے فائدہ اٹھا کر ایک ظالم قسم کے کمیونسٹ نے سوال کیا: آپ کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اللہ اللہ ایک شرابی جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلّور کا گلاس اُٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا۔

'بدبخت! ایک عاصی سے سوال کرتا ہے، ایک سیہ رو سے پوچھتا ہے! ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟ تمام جسم کانپ رہا تھا، یکا یک رونا شروع کیا، گھگھی بندھ گئی۔ ایسی حالت میں تم نے یہ نام کیوں لیا؟ تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ گستاخ! بے ادب 'با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار'۔ اس شریر سوال پر توبہ کرو۔ تمہارا خبث باطن سمجھتا ہوں، خود قہر وغضب کی تصویر ہوگئے۔

اس نوجوان کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس نے بات کو موڑنا چاہا مگر اختر کہاں سنتے تھے۔ اسے اٹھوا دیا۔ پھر خود اُٹھ کر چلے گئے، تمام رات روتے رہے، کہتے تھے: یہ لوگ اتنے نڈر ہوگئے ہیں کہ آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ میں گنہگار ضرور ہوں لیکن کافر نہیں اور یہ لوگ مجھے کافر بنا دینا چاہتے ہیں۔(۱)

دیکھا آپ نے ایک گنہ گار امتیِ ختم الرسل علیہ السلام کا عشق والہانہ۔ نام محمد ﷺ آتے ہی دل کی دنیا زیروزبر ہوگئی۔ اختر شیرانی کی نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مجھے ہے حکم اذاں: ص ۱۷، ۱۸۔

اگر اے نسیم سحر ترا گذر ہو دیارِ حجاز میں
مری چشم تر کا سلام کہنا حضور بندہ نواز میں
نہ جہاں میں راحت جاں ملی نہ متاع امن واماں ملی
جو دوائے دردِ نہاں ملی تو ملی بہشت حجاز میں
عجب اک سرور سا چھا گیا، مری روح و دل میں سما گیا
ترا نام خیر سے آ گیا مرے لب پہ جب بھی نماز میں
کروں نذر، نغمہ جاں فزا میں کہاں سے اخترؔ بے نوا
کہ سوائے نالہ دل نہیں مرے دل کے غمزدہ ساز میں

موت سا واعظ کوئی نہیں!

ایک اعرابی نوجوان نے اپنے علاقہ میں طاعون پھیلا ہوا دیکھ کر اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے علاقہ کا رخ کیا، راستہ میں تھک کر ایک درخت کے نیچے سو گیا کہ اچانک وہاں موجود ایک سانپ نے اسے ڈس لیا اور وہیں اس کی موت واقع ہوگئی تو اس کے باپ نے یہ رجزیہ اَشعار کہے ۔

طاف یبغی نجوة ☆ من ھلاکٍ فھلک
و المنایا راصدات ☆ للفتی حیث سلک
کل شـــی قــاتل ☆ حتی تلقی أجلک

یعنی اس نے چاہا یہ تھا کہ وبا کی ہلاکت خیزی سے بچ جائے، اس کے باوجود وہ ہلاک ہوگیا۔

اور موت تو نوجوان کی تاک میں رہتی ہے، چاہے جہاں بھی جائے اس کا پیچھا کرتی رہتی ہے۔

(اور سچی بات یہ ہے کہ) جب موت آ جائے تو دنیا کی ہر چیز ہی اِنسان کے لیے قاتل بن جاتی ہے۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ اگر عبرت بیں نگاہ ہو تو تنہا موت کا تصور ہی انسان کی اصلاح وہدایت کے لیے کافی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی لیے اپنی انگوٹھی کا نقش 'کفی بالموت واعظا' اختیار فرمایا تھا یعنی موت سے بڑا واعظ آخر ہو بھی کون سکتا ہے؟۔

موت کے لیے نہ عمر کی قید ہے اور نہ جگہ کی، بچے بھی مرتے ہیں اور بوڑھے اور جوان بھی۔ پھر زندگی مختصر ہو یا طویل، آدمی کو اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی، ہزار سال کی زندگی کے بعد بھی حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زندگی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہی فرمایا تھا :

ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ایک گھر کے دو دروازے ہوں: ایک سے میں اس میں داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا۔

سچی بات یہ ہے کہ جب موت کا وقت آ جاتا ہے تو ڈاکٹروں اور حکیموں کے نسخے بھی کارگر نہیں ہوتے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

إن الطبيب لـــه عـلـم يدل به ☆ ما دام فى أجل الإنسان تأخير

حتى إذا ما انقضت أيام مهلته ☆ حـار الطبيب وخانته العقاقير

یعنی جب تک اِنسان کی زندگی باقی ہوتی ہے طبیب اپنے علم سے لوگوں کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔

لیکن جب کسی کی زندگی کے دِن پورے ہو جاتے ہیں تو پھر طبیب حیرت زدہ رہ جاتا ہے، اور اس کی ساری دوائیں بھی بے اثر ہو جاتی ہیں۔

موت کے لیے کسی متعین سبب کا پایا جانا بھی ضروری نہیں ہے۔

(۱) العقد الفرید: ۱/۳۵۴......شرح دیوان حماسہ: ۲۸۴......لباب الآداب اسامہ بن منقذ: ۵۵......الزہرۃ: ۱۶۳......دیوان الحماسہ: ۳۷۹......القسطاس فی علم العروض: ۱/۷۔

من لم یمت بالسیف مات بغیرہ

تعددت الأسباب والموت واحد

یعنی جوتلوار سے نہیں مرتا اس کی موت کسی اور ذریعہ سے واقع ہوجاتی ہے۔اسباب تو بہت سے ہیں؛ لیکن موت تو ایک ہی ہے۔

انسان کا وجود اس دنیا میں عارضی اور فانی ہے اور یہاں کی ہر نعمت کا نقص یہی ہے کہ وہ دائمی اور جاودانی نہیں ہے۔اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو آئینہ میں اپنی صورت اچھی لگی تو اس نے چاہا کہ اس کی تعریف ہو؛ لیکن اس کی ایک ہوشمند باندی نے اس کی خواہش کو محسوس کرتے ہوئے برجستہ کہا ؎

أنت نعم المتاع لو کنت تبقی ☆ غیر أن لا بقاء للإنسان

لیس فیما رأیته فیک عیب ☆ کان فی الناس غیر أنک فان

یعنی آپ کی خوبیوں کا کیا کہنا! کاش کہ آپ کوئی باقی رہنے والی چیز ہوتے؛ لیکن انسان کے لیے بقا تو ہے ہی نہیں۔

آپ کی ذات میں جہاں تک میں نے دیکھا ہے عام انسانوں والے عیوب تو نہیں پائے، بس ایک ہی کمی ہے کہ آپ کے لیے دوام نہیں اور آپ ایک فنا ہوجانے والی چیز ہیں۔(۱)

ایک مجاہد کا ذوقِ عبادت

عبادت و ریاضت سے قلبی لگاؤ رکھنے اور اس کے لیے چاک چوبند رہنے کی ایک زبردست مثال ہمیں کوکاس (کوہِ قاف) کے عظیم مجاہد شیخ شامیل کی شکل میں ملتی ہے۔بتایا جاتا

(۱) وفیات الاعیان: ۴۲۱/۲...... تاریخ الطبری:۳۰۵/۵......تاریخ دمشق:۳۹۶/۳۱......تہذیب الکمال مزی:۳۶۵/۱۵......مروج الذہب: ۴۲۵/۱......الفخری فی آداب السلطانیہ:۴۶......البدایۃ والنہایۃ: ۳۱۹/۱۴......البیان والتبیین :۴۵۸......موسوعۃ الدفاع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:۲۶۵/۲۔

ہے کہ ۱۸۲۹ء میں غمری کے دفاع کے دوران ان پر نیزوں، تلواروں اور گولیوں کی بوچھار ہوگئی، اور اس محاذ پر انھیں بہت سے گہرے زخم کھانے پڑے۔ ایک چھوٹا سا نیزہ ان کے سینے میں آکر ایسا لگا کہ جو نہ صرف پھیپھڑوں کو چھلنی کرتا ہوا پشت کی طرف سے باہر نکل آیا بلکہ اندر کی ہڈیاں اور بائیں پسلی بھی چور چور کرگیا۔

ان کے خسر جو خود ایک اچھے سرجن تھے انھوں نے ان کا علاج معالجہ کیا اور کوئی چھ ماہ کے بعد جا کر انھیں کچھ افاقہ نصیب ہوا۔ اس نوجوان مجاہد کو زخم لگنے کے بعد کوئی ۲۵/دن تک مسلسل کومہ میں رکھا گیا۔ پچیس دن کی طویل مدت کے بعد جب اپنی آنکھیں کھولتا ہے، تو بغل میں اپنی ماں کو بیٹھی پاتا ہے، اِس مردِ مجاہد نے ان سے سب سے پہلی جو بات پوچھی وہ یہ تھی :

امی جان! کہیں مجھ سے کوئی نماز تو قضا نہیں ہوئی ؟۔(۱)

اللہ واسطے کیے گئے عمل انمول ہیں

ایک مرتبہ کسی خدا رسیدہ بزرگ سے پوچھا گیا کہ اگر آپ کی زندگی میں اخلاصِ عمل کے حوالے سے کوئی ایسا اہم واقعہ رونما ہوا تو ہمیں ضرور بتلائیں۔ انھوں نے فرمایا: یقیناً ہوا ہے۔ اور پھر اس کی تفصیل بیان کرنی شروع کی :

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مکہ معظّمہ کے اندر میرا بٹوہ غائب ہوگیا، پھر جب مجھے واپس ملا تو اس میں ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ بصرہ سے مجھے کچھ پیسوں کے آنے کی توقع تھی؛ مگر کسی وجہ سے وہ بھی نہ آسکے۔ میرے سر کے بال اور داڑھی کچھ زیادہ ہی بڑھ گئے تھے تو حجامت کی غرض سے میں نے ایک حجام کی دکان پر پہنچ کر کہا :

میرے پاس اس وقت بالکل پیسے نہیں ہیں، کیا آپ اللہ واسطے میرے بال درست کرسکتے ہیں؟۔ حجام اس وقت ایک آدمی کے بال تراش رہا تھا۔ اپنے بغل میں پڑی ہوئی ایک کرسی کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہتا ہے: اس پر بیٹھ جائیے۔ اور پھر اس نے اس شخص کو چھوڑ

(۱) Civilization of Virtues, By: Usman Noori Topbash:112. 2010

کر میری حجامت بنانی شروع کردی۔آدمی نے جب اعتراض کیا تو حجام نے جواب دیتے ہوے کہا :

جناب! معاف کیجیے گا،آپ کی حجامت میں معاوضہ لے کر بنا رہا تھا؛مگر اِس شخص نے محض رضاے مولا کا واسطہ دے کر مجھ سے حجامت کی درخواست کی ہے۔اور یہاں اللہ واسطے کیے جانے والے کاموں کو ہمیشہ اوّلیت دی جاتی ہے،اوران کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا جاتا۔بندوں کو کیا خبر کہ رِضاے الٰہی کے لیے سرانجام دیے گئے کاموں کی کیا قیمت ہے،اور پھر ایک بندہ اس کی قیمت دے بھی کیا سکتا ہے!۔

جب نائی حجامت سے فارغ ہوا تو اس نے سونے کی کچھ اَشرفیاں میری جیب میں ڈالیں اور معذرت خواہانہ انداز میں کہنے لگا: آپ اپنی اہم ضرورتیں اِن سے پوری کرسکتے ہیں۔مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں جس سے آپ کی خدمت کرسکوں؛ لہٰذا اِس سلسلہ میں مجھے معذور رکھیں۔اس کے اس مخلصانہ عمل نے مجھے پریشان بھی کیا اور پشیمان بھی!۔

میں وہاں سے لوٹ آیا۔ابھی کوئی چند ہی روز گزرے ہوں گے کہ بصرہ سے مجھے جن پیسوں کا انتظار تھا وہ آگئے۔اب کیا تھا سونے کی ایک تھیلی لے کر سیدھا میں اس حجام کے پاس پہنچا؛مگر ہزار اِصرار کے باوجود اس نے ایک پیسہ لینے سے انکار کردیا اور کہنے لگا :

میں اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔اس بھری دنیا میں ہے کوئی اللہ کا بندہ جو خالص رضاے الٰہی کے لیے کیے گئے کام کی اُجرت چکا سکے!۔آپ اپنی راہ لیں۔اللہ آپ کو امن ورحمت کے شامیانے تلے رکھے۔

میں نے وہیں سے اپنی زندگی کی اِصلاح کی اور (بادلِ نخواستہ) اس کے پاس سے رخصت ہوگیا؛مگر آج کوئی چالیس سال ہونے کو ہیں،میں آدھی رات میں اٹھ اٹھ کر اس بندۂ خدا کے لیے دعائیں کرتا رہتا ہوں۔

ندامت ہو تو ایسی ہو

بصرہ میں رضوان نامی ایک نوجوان رہتا تھا۔ وہ اکثر کھیل کود اور نافرمانیوں میں مبتلا رہتا، آوارہ گردی اور سرکشی میں وہ اپنی مثال آپ تھا، اچھے کاموں میں اس کا سایہ تک نظر نہیں آتا، اور برے کاموں میں وہ بالکل پیش پیش ہوتا۔ عالم یہ تھا رات بھر شراب کے نشے میں مست رہتا، گویا اس پر بدبختی غالب تھی اور شیطان نے اسے پورے طور پر گمراہ کر رکھا تھا۔ ایک دن جب وہ شراب کے نشے میں مدہوش تھا اور نافرمان دوست بھی اس کے ساتھ تھے کہ اس نے ایک فقیر دیکھا جو راستے پر چلتے چلتے چند اشعار گنگنا رہا تھا، جن کا مفہوم کچھ یوں ہے :

جب تو کسی دن اہلِ زمانہ سے تنہائی میں ہو تو یوں نہ کہہ کہ میں خلوت میں ہوں بلکہ یوں کہہ کہ مجھ پر ایک نگہبان ہے اور اللہ پاک کو لمحہ بھر بھی غافل نہ جان اور نہ یہ گمان کر کہ اس پر کوئی چھپی بات پوشیدہ ہے۔

یہ نصیحت بھرا کلام سنتے ہی نوجوان رونے لگ گیا، اس نے فقیر کو اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ یہ اشعار دوبارہ پڑھے۔ فقیر نے دوبارہ پڑھے۔ نوجوان نے اسے اپنی مجلس میں آنے کا اِصرار کیا۔ چنانچہ، وہ چلا آیا، نوجوان کہنے لگا: یا سیدی! اللہ عزوجل کی قسم! آپ کی زیارت ہمارے لیے باعثِ سعادت ہے، ہمیں آپ کی آواز اور نغمہ بھلا لگا؛ لٰہذا اپنے نغموں سے ہماری زندگی کو پاکیزہ فرمادیں۔ چنانچہ، فقیر نے چند اشعار پڑھنا شروع کر دیے، جن کا مفہوم کچھ اس طرح ہے :

اللہ عزوجل کا رزق کھا کر بھی تو اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ جب تو اس کی مخلوق سے چھپتا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اے انسان! اللہ عزوجل کی نافرمانی سے بچ۔ تو جو بھی گناہ کرتا ہے وہ تجھے دیکھ رہا ہوتا ہے اور جانتا ہے۔

نوجوان پھر رونے لگا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے شراب کے

برتن توڑ ڈالے اور فقیر کی طرف متوجہ ہو کر عرض کی: یاسیدی! کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟۔

اس نے جواب دیا: یہ رب عزوجل سے صلح کی گھڑی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تجھے نیکی کے دروازے پر لوٹنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، آج تیرے گناہ معاف کر دیے جائیں تو تیرے لیے کتنی بڑی سعادت ہے؛ لہٰذا تم بارگاہِ الٰہی میں سچی توبہ کر لو۔

نوجوان نے پھر چیخ ماری، اس پر غشی طاری ہوگئی اور زمین پر گر گیا۔ جب افاقہ ہوا تو عرض کرنے لگا: یا سیدی! کیا مجھ سے گذشتہ گناہوں کا مؤاخذہ ہوگا؟۔ فقیر نے کہا: نہیں، اللہ عزوجل کی قسم! خالص محبت کتنی عمدہ ہے! محبّین کے لیے دوری کے بعد لذتِ قرب کتنی اچھی ہے! پھر قرب کے بعد ہجر و فراق کی گھڑی کتنی شدید ہے!۔

اے اللہ سے کیے ہوئے عہدِ محبت کو بھولنے والے! تو نے اپنے رب عزوجل سے معاملہ کیا پھر غفلت کی میٹھی نیند سو گیا۔ تو کس فضول کام میں مشغول ہے؟ اس سے تو نے کیا پایا؟ نہیں، بلکہ تو نے تو اپنا مقصود ضائع کر دیا۔ آج ہی نیکیوں پر کمر بستہ ہو جا اور گذشتہ گناہوں کو ترک کر دے اور درویشی اختیار کر لے۔ تیرے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

یہ سن کر نوجوان کے آنسو بہہ پڑے اور اس کے دوست بھی رونے لگے پھر انہوں نے توبہ کی اور لباسِ زیب و زینت اُتار پھینکا۔ نوجوان نے رب عزوجل کے حضور سچی توبہ کی اور اپنے پچھلے برے افعال پر بے حد شرمسار ہوا۔ اس نے ساری رات آہ و بکا، گریہ وزاری اور حسرت وندامت سے پچھاڑیں کھاتے ہوئے فقیر کے پاس گزاری۔

جب سحری کا وقت ہوا تو اسے پھر اپنے گناہ اور نافرمانیاں یاد آ گئیں؛ چنانچہ اس کے منہ سے ایک زور دار چیخ نکلی اور آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا اور اس پر غشی طاری ہو گئی۔ جب فقیر نے اسے حرکت دے کر دیکھا تو وہ دنیائے فانی سے رخصت ہو چکا تھا۔ (1)

---

(1) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق مترجم: ۴۳۳، ۴۴۴۔

ایک خردمند باپ کی بیٹے کو نصیحت

منقول ہے کہ ایک عقلمند شخص کا انتقال ہونے لگا تو اس نے اپنے بیٹے کو بلوایا اور اسے الوداعی نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹے! اگر کبھی تیرا شراب پینے کو دل چاہے تو پہلے شراب خانے جا کر کسی شرابی کو دیکھ لینا...... اگر جوا کھیلنے کو جی چاہے تو پہلے کسی ہارے ہوئے جواڑی کا مشاہدہ کر لینا...... اور اگر کبھی زنا کو دل کرے تو بالکل صبح کے وقت طوائف خانے جانا۔

کہا جاتا ہے کہ باپ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد لڑکے کے دل میں شراب پینے کا خیال پیدا ہوا۔ باپ کی نصیحت کے مطابق وہ نوجوان ایک شرابی کے پاس پہنچا جو نشے میں دُھت ایک نالی میں گرا پڑا تھا۔ اس کی یہ عبرت ناک حالت دیکھ کر اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر میں نے بھی شراب پی لی تو میرا بھی یہی حشر ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے شراب پینے کا اِرادہ ترک کر دیا۔

پھر ایک مرتبہ شیطان نے اسے جوئے کی ترغیب دلائی۔ حسب وصیت یہ پہلے ایک ہارے ہوئے جواری کے پاس پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ ہار جانے کے باعث وہ جواری شدید رنج وغم میں گرفتار تھا اور اس کی حالت نہایت قابل رحم ہو رہی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اسے بھی اپنے بارے میں یہی خوف پیدا ہوا اور یوں جوئے سے بھی باز آ گیا۔

پھر کچھ عرصہ بعد نفس نے زنا کی خواہش کا اِظہار کیا، اس مرتبہ بھی یہ حسب نصیحت صبح کے وقت طوائف خانے جا پہنچا۔ جب دروازہ بجایا تو کچھ دیر کے بعد ایک طوائف باہر آئی، نیند سے بیدار ہونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں گندگی بھری ہوئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے، بغیر سرخی پاؤڈر کے چہرہ بالکل بے رونق نظر آ رہا تھا اور اس پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔

تروتازگی نام کو نہ تھی، منہ سے بدبو کے بھبکے اُڑ رہے تھے۔ اس نے میلا کچیلا لباس پہن رکھا تھا جس سے پسینے کی بو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ گویا کہ شام کو ملمع کاری کر کے 'شکار' کو اپنی جانب راغب کرنے والی 'حور پری' اس وقت غلاظت کا ایک ڈھیر نظر آ رہی تھی۔ طوائف کا یہ

بھیانک حلیہ دیکھ کر اس نوجوان کے دل میں زنا سے گِھن اور کراہیت پیدا ہوگئی اور اس نے اپنے اِرادے سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی۔(۱)

میرے مولا! میں حاضر ہوں

کسی مردِ صالح کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں جب صحت مند ہوتا ہوں تیری نافرمانی کرتا ہوں۔ اور جب کمزور ہوتا ہوں تو تیری تابعداری میں لگ جاتا ہوں۔ یوں ہی طاقت کے زعم میں تجھے ناراض کر بیٹھتا ہوں اور ناتوانی کے عالم میں تیری فرماں برداری کرنے لگتا ہوں۔ ہائے میری عقل کو کیا ہوگیا ہے۔ کاش! میں جان سکوں کہ تو میری ندامت قبول کرلے گا یا مجھے میرے جرم کی وجہ سے دُھتکار دے گا۔

یہ کہنے کے بعد وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑے جس سے آپ کی پیشانی زخمی ہوگئی۔ ان کی والدہ ان کے پاس آئیں، پیار سے ان کے ماتھے کو بوسہ دیا اور روتے ہوئے ان کی پیشانی صاف کی، پھر کہنے لگیں: اے دنیا میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک، اور آخرت میں میرے کلیجے کا چین، اپنی رونے والی بوڑھی ماں سے کلام کر اور شکستہ دل ماں کی بات کا جواب دے۔ جب انھیں کچھ اِفاقہ ہوا تو انھوں نے اپنا دل تھام لیا؛ مگر روح، جسم میں بے چین ہونے لگی اور آنسو رخساروں سے ہوتے ہوئے ان کی داڑھی کو نم کر گئے۔ انھوں نے اپنی ماں سے کہا: پیاری ماں! یہ وہی ہولناک دن ہے جس سے آپ مجھے ڈرایا کرتی تھیں۔

ہائے! ضائع ہوجانے والے دنوں پر اَفسوس۔ اور ان لمبے دنوں پر حسرت! جن میں میں کوئی بلندی نہ پاسکا۔ اے ماں! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھے طویل مدت کے لیے جہنم میں نہ ڈال دیا جائے۔ ہائے وہ وقت کتنا غمناک ہوگا اگر مجھے سر کے بل جہنم میں پھینک دیا گیا، اور وہ عالم کتنے افسوس کا ہوگا اگر جہنم میں میرے جسم کو تپایا گیا۔ اے میری ماں! میں جیسا کہوں تم ویسے ہی کرنا۔

ماں نے کہا: بیٹے! میری جان تجھ پر قربان، یہ بتا تو چاہتا کیا ہے؟۔ بیٹے نے کہا: میرا رخسار مٹی پر رکھ دیجیے اور اسے اپنے پاؤں سے روندیے؛ تاکہ میں دنیا ہی میں ذلت کا مزا چکھ

(۱) توبہ کی روایات وحکایات:۵۹۔

لوں، اور اپنے آقا ومولا کی بارگاہ میں لذت وسرور پاؤں۔ اور ممکن ہے اس کے باعث وہ رحم فرما کر مجھے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ سے نجات دیدے۔

ان کی والدہ کہتی ہیں کہ میں دل کڑا کر کے اُٹھی اور اپنے بیٹے کے رخسار کو مٹی سے لتھڑ دیا، اس وقت اس کی آنکھوں سے پرنالے کی طرح آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر میں نے اس کے رخسار کو اپنے قدموں سے روندا تو وہ کمزور آواز سے کہنے لگا: گنہ گار اور نافرمان کی سزا یہی ہے۔ خطا کار اور بدکار کا بدلہ یہی ہے۔ اپنے مولا کے در پر کھڑا نہ ہونے والے کا صلہ یہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے والے کی جزا یہی ہے۔ پھر وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے کہنے لگا :

لبیک ! لبیک ! لا إلٰہ إلا أنت سبحٰنک إنی کنت من الظالمین.

یعنی میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ اور (اپنے اوپر) ظلم وزیادتی میں نے ہی کی ہے۔

پھر اسی حالت میں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

ان کی والدہ فرماتی ہیں کہ میں نے اسے خواب میں دیکھا تو اس کا چہرہ بادلوں میں گھرے ہوئے چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ میں نے پوچھا: بیٹا! تیرے پروردگار نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو اس نے جواب دیا: اس نے میرے درجات بلند فرما کر مجھے خاتم پیغمبراں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرب میں جگہ عطا فرمادی ہے۔

میں نے پوچھا: بیٹا! میں نے تیری وفات کے وقت تجھ سے جو کچھ سنا تھا وہ کیا تھا؟ کہنے لگا: امی جان! ہاتف غیب سے مجھے آواز آئی کہ اے عمران! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرلو تو میں نے اس دعوت پر لبیک کہا تھا۔(۱)

نوجوان کی توبہ کا مقام ومرتبہ

روایتوں میں ہے کہ جب کوئی نوجوان اپنے مالک عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے تو فرشتے ایک دوسرے کو خوشخبریاں دیتے ہیں۔ دیگر فرشتے پوچھتے ہیں: کیا ہوا؟، تو ان کو کہا جاتا ہے

(۱) بحر الدموع ابن الجوزی مترجم: ۲/۱۱۱۔

کہ ایک نوجوان نے خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں توبہ کرلی ہے۔ پھر ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے: اس نوجوان کی توبہ کے استقبال میں جنتوں کو سجادو۔

حدیث میں ہے کہ جب کوئی نوجوان گناہوں کی وجہ سے روتا ہے اور اپنے مالک ومحبوب حقیقی کی بارگاہ میں خطاؤں کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے: یااللہ! میں نے برائی کی۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشادفرماتا ہے: میں نے پردہ پوشی کی۔ پھر عرض کرتا ہے: میں نادِم ہوں۔ جواب ملتا ہے: میں جانتا ہوں۔ پھر عرض کرتا ہے: میں توبہ کرتا ہوں۔ جواب آتا ہے: میں قبول کرتا ہوں۔

اے نوجوان! جب تو توبہ کرکے توڑ ڈالے تو ہماری طرف رجوع کرنے سے حیا نہ کرنا، اور جب دوسری مرتبہ توبہ توڑ دے تو تیسری مرتبہ ہماری بارگاہ میں حاضر ہونے سے شرمندگی تجھے نہ روکے، اور جب تیسری مرتبہ توڑ دے تو چوتھی مرتبہ بھی ہماری بارگاہ میں لوٹ آنا؛ کیونکہ میں ایسا جواد ہوں جو بخل نہیں کرتا، میں ایسا حلیم ہوں جو جلد بازی نہیں کرتا۔ میں ہی نافرمان کی پردہ پوشی کرتا، اور تائبین کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ میں ہی خطائیں معاف کرتا ہوں، اور ندامت کرنے والوں پر سب سے زیادہ رحم کرتا ہوں۔

کون ہے جو ہمارے دروازے پر آیا اور ہم نے اسے خالی واپس لوٹا دیا؟ کون ہے جس نے ہماری جناب میں اِلتجا کی اور ہم نے اسے دھتکار دیا؟ کون ہے جس نے ہم سے توبہ کی اور ہم نے قبول نہ کی؟ کون ہے جس نے ہم سے مانگا اور ہم نے عطا نہ کیا؟ کون ہے جس نے گناہوں سے معافی چاہی اور ہم نے اسے دھتکار دیا؟ کیونکہ میں سب سے بڑھ کر خطاؤں کو بخشنے والا، سب سے بڑھ کر عیبوں کی پردہ پوشی کرنے والا، سب سے بڑھ کر مصیبت زدوں کی مدد کرنے والا، گریہ وزاری کرنے والے پر سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ غیبوں کی خبر رکھتا ہوں۔

اے میرے بندے! میرے در پہ کھڑا ہوجا میں تیرا نام اپنے دوستوں میں لکھ دوں گا، سحری میں میرے کلام سے لطف اندوز ہو میں تجھے اپنے طلب گاروں میں شامل کردوں گا، میری بارگاہ میں حاضری سے لذت حاصل کر میں تجھے لذیذ اور پاکیزہ شراب پلاؤں گا، غیروں کو چھوڑ دے، فقر کو لازم پکڑ لے، اور سحری کے وقت عاجزی واِنکساری کی زبان کے ساتھ مناجات کر۔

عزیزانِ گرامی! میزان پر کھڑے ہوکر اعمال کا حساب دینا بہت دشوار ہے، اور اللہ

عزوجل کے سامنے اپنے گناہوں بھرے وجود کو لے کر کھڑا ہونا انتہائی مشکل ہے۔ لہٰذا ذرا سوچیں کہ کب تک کھیل کود میں وقت برباد کرتے رہیں گے؟ زندگی تو بہت مختصر ہے۔ ابھی تو آپ ان ہولناکیوں سے بے خبر ہیں جن کا آپ کو سامنا کرنا ہوگا۔ جب قبر والوں کو اٹھایا جائے گا اور صور پھونکا جائے گا اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے سب ظاہر ہو جائے گا تو اس وقت آپ کو سخت ندامت وشرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اُس وقت جب دِل گلے کے پاس آ جائیں گے، اور حسرت وندامت خنجر کی طرح کلیجے پھاڑ دے گی، اور نافرمانوں کی پیاس سخت گرمی کی وجہ سے جوش مارے گی۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ گناہوں کی نحوست سے نکل کر ہم از جلد اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اور نفع کی بہاروں کو حاصل کر لے اس سے پہلے کہ وہ بہاریں گزر جائیں اور صور پھونک دیا جائے۔

افسوس ہے ان دلوں پر جو لوہے سے زیادہ سخت ہیں۔ افسوس ہے ان جانوں پر جو ہدایت کے راستے سے بھٹکی ہوئی ہیں۔ افسوس ہے ان آنکھوں پر جو چٹانوں کی سختی سے زیادہ جمی ہوئی ہیں کہ خوفِ الٰہی سے آنسو نہیں بہاتیں۔ عنقریب خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی کرنے والے پیپ کی شراب پئیں گے، جب ان کے برے اعمال ظاہر ہوں گے تو ان کے ہوش وحواس اُڑ جائیں گے۔ کاہلی وسستی نے کتنے نوجوانوں کو خائب وخاسر کر دیا۔ اور کتنے غافلوں کے دل غفلت نے بیکار کر دیے۔ اور کتنے اُمید باندھنے والوں کی آنکھوں پر ان کی امیدوں نے پردہ ڈال دیا۔ اور کتنے خوفِ الٰہی رکھنے والوں کے دلوں کو اسباب نے کمزور کر دیا، ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ بن گئے۔

کیا موت کی تکالیف سن کر آپ کی آنکھیں نہیں بہتیں؟ کیا موت کی وحشت سے آپ کے دل نہیں گھبراتے؟ کیا وعظ ونصیحت کی طرف آپ کے کان متوجہ ہو کر کچھ نہیں سنتے؟ کیا فنا ہونے والی شئے کی طلب سے آپ کے پیٹ سیر نہیں ہوتے؟ اللہ کی قسم! آپ سے آپ کے کاموں کی بابت ضرور پوچھا جائے گا۔ لہٰذا ہوش کے ناخن لیں اور کل کی تیاریوں میں جٹ جائیں۔(۱)

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق مترجم: ۳۰۰ تا ۳۰۲۔

حُسن کے ایک وار نے....

منقول ہے کہ بغداد میں ایک شخص بہت بڑا عالم تھا۔لوگ حصولِ علم اور شوقِ اصلاح میں اس کے پاس کشاں کشاں کھنچے چلے آتے تھے۔ایک مرتبہ اس نے حج بیت اللہ اور روضہ رسول کی زیارت کا قصد کیا تو اپنے طلبہ کو بھی ساتھ چلنے پر آمادہ کرلیا اور ان سے عہد لیا کہ وہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے چلیں گے۔دورانِ سفر جب یہ لوگ ایک گرجا گھر کے قریب پہنچے تو گرمی اور پیاس کی شدت سے نڈھال تھے۔طلبہ نے عرض کیا: استاذ گرامی قدر! ہم دن ٹھنڈا ہونے تک اس گرجا کے سائے میں آرام کر لیتے ہیں پھر ان شاء اللہ دوبارہ سفر پر روانہ ہوجائیں گے۔ استاذ نے کہا: جیسے تمہاری مرضی۔

چنانچہ یہ لوگ اس گرجا کی طرف چل دیے اور اس کی دیوار کے سائے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ گرمی سے بے حال لوگوں کو سایہ نصیب ہوا تو وہ جلد ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے؛ مگر استاذ نہ سویا۔وہ انھیں سوتا چھوڑ کر وضو کے لیے پانی کی تلاش میں نکل پڑا۔اس وقت اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا کہ کسی طرح پانی مل جائے۔ابھی وہ گرجا گھر کے سائے میں پانی تلاش کررہا تھا کہ اس کی نظر ایک کمسن لڑکی پر پڑی جو چمکتے ہوئے چاند کی طرح خوبصورت تھی۔اس پر نگاہ پڑتے ہی شیطان اس استاذ پر غالب آ گیا اور وہ لڑکی اس کے دل ودماغ پر اس طرح چھا گئی کہ وہ پانی اور وضو کو بھول کر اس کی فکر میں لگ گیا۔

اس نے آہستگی سے گرجا کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک راہب باہر نکلا اس نے پوچھا: تم کون ہو؟۔اس نے اپنا تعارف کروایا کہ میں فلاں عالم ہوں۔راہب نے پوچھا: اے مسلمانوں کے فقیہ! آپ کو کیا چاہیے؟۔جواب دیا: اے راہب! مجھے گرجا کی چھت سے ابھی ایک لڑکی دکھائی دی تھی، وہ تمہاری کیا لگتی ہے؟۔راہب نے کہا: وہ میری بیٹی ہے مگر تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟۔

استاذ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی شادی میرے ساتھ کردو۔ راہب بولا: مگر ہمارے دین میں ایسا کرنا جائز نہیں، اگر جائز ہوتا تو اس میں سے پوچھے بغیر اسے تمہاری زوجیت

میں دے دیتا؛ حالاں کہ میں نے اپنے آپ سے عہد کیا ہے کہ اس کی شادی اسی کی پسند سے کراؤں گا۔ اچھا! میں اسے تمہارے بارے میں بتاتا ہوں اگر وہ تمہیں اپنے لیے پسند کرے تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ استاذ نے کہا: یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے، مہربانی فرما کر اس کے پاس جائیے اور پوچھیے۔

وہ راہب اپنی بیٹی کے پاس گیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ ادھر یہ استاذ ان کی باتیں سن رہا تھا وہ لڑکی بولی: ابا جان! آپ میرا نکاح اس سے کس طرح کر سکتے ہیں حالاں کہ میں عیسائی ہوں اور وہ مسلمان ہے۔ یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ نصرانیت میں داخل ہو جائے۔ راہب نے پوچھا: اگر وہ نصرانی ہو جائے تو کیا تم اس سے شادی کر لوگی؟ لڑکی بولی: ہاں بالکل کر لوں گی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ استاذ کی بیتابی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ادھر اس کے طلبہ بے خبر سو رہے تھے۔ آخر کار استاذ لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر بولا: میں دینِ اسلام چھوڑ کر نصرانی ہو گیا ہوں۔ لڑکی بولی: چوں کہ یہ عزت و وقار کی شادی ہے؛ لہٰذا حقوقِ زوجیت اور مہر کی اَدائیگی ضروری ہے، تم حق کہاں سے اَدا کرو گے؛ کیوں کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم فقیر ہو، پھر بھی اگر تم ان خنزیروں کو پورا ایک سال چراؤ تو یہی میرا مہر ہوگا۔

وہ بولا: ٹھیک ہے مگر میری بھی ایک شرط ہے کہ تم اس دوران اپنا چہرہ مجھ سے نہیں چھپاؤ گی؛ تاکہ میں صبح و شام اسے دیکھتا رہوں۔ لڑکی بولی: مجھے منظور ہے۔ تو اس نے خطبہ دینے والا عصا اُٹھایا اور خنزیروں کی طرف چل دیا؛ تاکہ عصا کے ذریعہ انھیں چراگاہ تک لے جائے۔

جب طلبہ نیند سے بیدار ہوئے تو اپنے استاذ کو نہ پا کر بہت حیران ہوئے۔ اس کی تلاش شروع کر دی، تلاشِ بسیار کے باوجود جب وہ نہ ملا تو انھوں نے راہب سے اس کے بارے میں پوچھا تو جواباً اس نے ساری کہانی سنا دی۔ یہ افسوسناک خبر سن کر طلبہ میں کہرام مچ گیا۔ کچھ غش کھا کر گر گئے اور کچھ آہ و بکا کرنے لگے۔ پھر انھوں نے راہب سے پوچھا کہ اب وہ کہاں ہے؟۔ راہب نے بتایا کہ وہ خنزیر چرا رہا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر ہم اس کی طرف چل دیے تو اسے اسی عصا سے سہارا لیے دیکھا جس کے سہارے وہ خطبہ دیا کرتا تھا، اور وہ خنزیروں کو اِدھر اُدھر جانے سے روک

رہا تھا۔ہم نے اس سے کہا کہ اے ہمارے سردار! یہ تم پر کیسی آزمائش آ گئی؟ پھر ہم نے اسے قرآن پاک، اِسلام اور حضور علیہ السلام کے فضائل یاد دلانے لگے؛ مگر اس نے ہر بار یہی کہا کہ مجھ سے دور ہو جاؤ، تم جو کچھ مجھے یاد دلا رہے ہو وہ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں؛ مگر مجھ پر اللہ کی طرف سے آزمائش نازل ہوئی ہے۔ہم نے اسے اپنے ساتھ لے جانے پر بہت زور دیا مگر ناکام رہے۔

آخرکار ہم اس کے حال پر کف افسوس ملتے ہوئے مکہ مکرمہ کی طرف چل دیے اور حج اَدا کرنے کے بعد واپس بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم اسی مقام پر پہنچے تو ہم نے ایک دوسرے سے کہا کہ آؤ دیکھتے ہیں کہ استاذ پر کیا گزری، شاید وہ نادم ہوکر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر چکا ہو اور اپنی حالت سے لوٹ آیا ہو۔

چنانچہ ہم اس کے پاس پہنچے تو اسے اسی حالت پر پایا کہ وہ ابھی تک خنزیروں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ ہم نے اسے سلام کیا اور نصیحت یاد دلائی اور قرآن پڑھ کر سنایا؛ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ہم ایک بار پھر حسرت زدہ دل لیے واپس ہو لیے۔

جب ہم گرجا گھر سے تھوڑی دور پہنچے تو ہم نے گرجا کے پیچھے سے ایک سائے کو اپنی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا، وہ شخص چیخ چیخ کر ہمیں ٹھہرنے کا کہہ رہا تھا۔ ہم رک گئے، قریب آنے پر معلوم ہوا کہ ہمارے وہی استاذ ہماری جانب آ رہے ہیں۔ جب وہ ہم سے آکر ملے تو بولے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

اس نے مزید کہا کہ میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر چکا ہوں اور اپنی پچھلی حالت سے رجوع کر چکا ہوں۔ یہ آزمائش میری ایک ایسی خطا کے سبب تھی جو میرے اور میرے ربّ کریم کے درمیان تھی۔اس نے میری خطا کے سبب مجھ پر عتاب فرمایا تھا۔ یہ آزمائش جو تم نے دیکھی وہ اسی سبب سے تھی۔ہم اس کی یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوئے اور بغداد لوٹ آئے۔ اور ہمارے استاذ پہلے سے زیادہ عبادت وریاضت میں منہمک ہو گئے۔

ایک دن ہم ان کے گھر پر ان سے علم دین حاصل کر رہے تھے کہ ہم نے ایک عورت کو دروازہ کھٹکھٹاتے دیکھا تو ہم باہر نکلے اور پوچھا کہ اے خاتون! تم کس مقصد سے یہاں آئی

ہے۔تو کہنے لگی: میں شیخ سے ملنا چاہتی ہوں، ان سے کہو کہ فلاں راہب کی بیٹی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے آئی ہے۔تو شیخ نے اسے اندر آنے کی اِجازت دے دی۔ وہ گھر میں داخل ہوکر بولی: اے میرے سردار! میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے آئی ہوں۔

شیخ نے پوچھا: تمہارا قصہ کیا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ جب آپ وہاں سے چلے آئے تو مجھ پر نیند کا غلبہ طاری ہوا اور میں سوگئی۔خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔آپ فرما رہے تھے کہ دین محمدی کے علاوہ کوئی دین سچا نہیں۔اور آپ نے تین مرتبہ یہ بار اِرشاد فرمائی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ذریعہ اپنے ایک بندے کو آزمایا ہے۔ چنانچہ اب میں آپ کے پاس آگئی ہوں اور آپ کے سامنے گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ شیخ اس عورت کے اپنے ہاتھ پر مسلمان ہونے کی وجہ سے بہت خوش ہوئے۔ پھر انھوں نے اس سے اللہ کے رسول علیہ السلام کے دین کے مطابق نکاح فرمایا۔

جب ہم نے ان سے اس خطا کے بارے میں پوچھا جو ان کے اور اللہ کے درمیان راز تھی تو انھوں نے بتایا کہ میں کسی جگہ سے گزر رہا تھا کہ ایک نصرانی آکر مجھ سے لپٹ گیا۔ میں نے اس سے کہا: تجھ پر اللہ کی لعنت ہو مجھ سے دور ہوجا۔تو اس نے پوچھا: کیوں؟۔ میں نے کہا: میں تجھ سے بہتر ہوں۔تو نصرانی میری طرف متوجہ ہوکر بولا کہ تمھیں کیا پتا کہ تم مجھ سے بہتر ہو۔کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا اللہ کے یہاں کیا مقام ہے کہ تم یہ بات کہہ رہے ہو؟۔

پھر مجھے بعد میں خبر ملی کہ وہ نصرانی مسلمان ہوچکا ہے اور مومن کامل ہوکر عبادت گزار بن چکا ہے۔ جب کہ مجھے میری خطا کے سبب وہ سزا دی گئی جو تم دیکھ چکے ہو۔(۱)

جب دل خلوص آشنا ہوجائے

حضرت ابوالشہل سائح رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: میں نے مکہ مکرمہ-زادہا اللہ تعالی شرفا وتکریما- سے چند میل کے فاصلے پر ایک نوجوان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، وہ قافلہ سے بچھڑ گیا تھا۔ میں اُس کے نماز سے فارغ ہونے کا اِنتظار کرنے لگا؛ لیکن اس کی نماز طویل ہو

(۱) بحرالدموع ابن الجوزی مترجم:۲۶ تا ۲۸۔

گئی۔ جب اس نے سلام پھیرا تو میں نے اسے 'السلام علیک' کہا۔ اس نے 'وعلیک السلام' کہتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔

میں نے اس سے پوچھا: معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے ہم سفروں سے پیچھے رہ گئے ہیں، کیا آپ کا کوئی رفیق ہے جو آپ کو ان سے ملانے میں مدد کرے؟، تو وہ رو دیا اور کہنے لگا: ہاں ہے۔ میں نے پوچھا: کہاں ہے؟، تو اس نے جواب دیا: وہ میرے آگے پیچھے اور دائیں بائیں موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے پہچان لیا کہ یہ عارف ہے۔

پھر میں نے اس سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی توشہ ہے؟۔ تو اس نے جواب دیا: ہاں ہے۔ میں نے پوچھا: کہاں ہے؟، تو اس نے جواب دیا: میرے دل میں میرے مالکِ حقیقی عزوجل کے لیے اخلاص ہے۔

میں نے کہا: کیا میں آپ کا رفیق بن سکتا ہوں؟، تو اس نے کہا: رفیق اللہ عزوجل سے غافل کر دیتا ہے اور میں کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا: آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟، تو اس نے جواب دیا: وہ خدا جس نے مجھے ماں کے پیٹ کی تاریکی میں اور بچپن میں غذا دی وہی جوانی میں بھی میرے رزق کا کفیل ہے، جب مجھے کھانے پینے کی حاجت ہوتی ہے تو کھانا میرے سامنے حاضر ہو جاتا ہے۔

میں نے عرض کی: کیا آپ کو کسی قسم کی حاجت ہے؟، تو اس نے جواب میں کہا: میری حاجت یہ ہے کہ آج کے بعد آپ مجھے سلام نہ کریں۔ میں نے عرض کی: میرے لیے دعا فرمائیں۔ تو وہ مجھے دعا دینے لگا کہ اللہ عزوجل آپ کو ہر گناہ سے محفوظ فرمائے اور اپنا قرب بخشنے والے اعمال میں مشغول فرمادے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا: آج کے بعد کہاں ملاقات ہوگی؟، جواب ملا: آج کے بعد ہماری ملاقات نہیں ہوگی، اگر آپ مقربین میں سے ہیں تو مجھے کل بروزِ قیامت مقربین کے مراتب میں تلاش کرنا۔ پھر وہ غائب ہو گیا اور اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا، اس کے اچانک نظروں سے اوجھل ہو جانے پر میں عرصہ دراز تک افسوس کرتا رہا۔(۱)

(۱) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق مترجم: ۱۷۶، ۱۷۷۔

قرآن اور صفائے قلب

پہاڑوں میں ایک بزرگ اپنے نوجوان پوتے کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ ہر روز صبح قرآن کی تلاوت کرتے تھے، ان کا پوتا ہمیشہ ان جیسا بننے کی کوشش کرتا تھا۔

ایک دن پوتا کہنے لگا۔ دادا! میں بھی آپ کی طرح قرآن پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں؛ لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی، اور جو سمجھ آتی ہے جیسے ہی میں قرآن بند کرتا ہوں بھول جاتا ہوں۔ ایسے قرآن پڑھنے سے ہم کیا سیکھتے ہیں، مجھے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا، دادا نے خاموشی سے کوئلوں والی ٹوکری میں سے کوئلہ نکال کر انگیٹھی میں ڈالا، اور جواب میں ٹوکری پوتے کو دے کر کہا: جا پہاڑ کے نیچے ندی سے مجھے پانی کی ایک ٹوکری بھر کر لا دے۔

لڑکے نے دادا کی بات پر عمل کیا؛ لیکن گھر واپس پہنچنے تک تمام پانی ٹوکری میں سے بہ گیا۔ دادا نے مسکرا کر کہا: تم اس دفعہ اور زیادہ تیز قدم اُٹھانا اور جلدی کرنا اور اس کو واپس بھیج دیا۔

اگلی بار لڑکا بہت تیز بھاگا؛ لیکن گھر پہنچنے تک ٹوکری پھر خالی تھی۔ پھولی ہوئی سانسوں سے اس نے دادا سے کہا کہ ٹوکری میں پانی لانا ناممکن ہے، وہ بالٹی میں پانی لے آتا ہے۔ داد نے کہا: مجھے پانی کی بالٹی نہیں پانی کی ٹوکری چاہیے، تم ٹھیک سے کوشش نہیں کر رہے ہو، اور اسے پھر سے نیچے بھیج کر دروازے میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا کہ وہ کتنی کوشش کرتا ہے۔

لڑکے کو پتہ تھا کہ یہ ناممکن ہے؛ لیکن دادا کو دکھانے کے لیے اس نے ٹوکری پانی سے بھری اور اِنتہائی سرعت سے واپس دوڑا، واپس پہنچنے تک ٹوکری میں سے پانی پھر بہ چکا تھا اور وہ خالی ہو چکی تھی۔

لڑکے نے کہا: دیکھا دادا، یہ بے سود ہے۔

دادا نے کہا: ٹوکری کی طرف دیکھو، لڑکے نے ٹوکری کی طرف دیکھا اور اسے پہلی بار احساس ہوا کہ ٹوکری پہلے سے مختلف تھی۔ اب وہ پرانی اور گندی ٹوکری کی جگہ اندر اور باہر سے

صاف ستھری ہو چکی تھی۔

دادا نے کہا: بیٹا! جب ہم قرآن پڑھتے ہیں چاہے ہم اس کا ایک لفظ بھی سمجھ نہ پا رہے ہوں، یا یاد نہ کر پا رہے ہوں، پھر بھی اس کی تلاوت ہمیں اندر اور باہر سے ایسے ہی پاک صاف کر دیتی ہے۔ اور پھر یوں ہی اللہ تعالیٰ ہماری زندگی بدل دیتا ہے۔

کیا عجیب تھا یہ نوجوان!

ایک شخص نے یوں قصہ سنایا کہ میں اور میرے ماموں نے حسب معمول مکہ حرم شریف میں نمازِ جمعہ ادا کی، اور گھر کو واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔ شہر سے باہر نکل کر سڑک کے کنارے کچھ فاصلے پر ایک بے آباد سنسان مسجد آتی ہے، مکہ شریف کو آتے جاتے سپر ہائی وے سے بارہا گزرتے ہوئے اس جگہ اور اس مسجد پر ہماری نظر پڑتی رہتی ہے، اور ہم ہمیشہ ادھر سے ہی گزر کر جاتے ہیں؛ مگر آج جس چیز نے میری توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی وہ تھی ایک نیلے رنگ کی فورڈ کار جو مسجد کی خستہ حال دیوار کے ساتھ کھڑی تھی۔

چند لمحے تو میں سوچتا رہا کہ اس کار کا اس سنسان مسجد کے پاس کیا کام؛ مگر اگلے لمحے میں نے کچھ جاننے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی کار کی رفتار کم کرتے ہوئے مسجد کی طرف جاتی کچی سائڈ روڈ پر ڈال دیا، میرا ماموں جو عام طور پر واپسی کا سفر غنودگی میں گزارتا ہے اس نے بھی اپنی اپنی آنکھوں کو وا کرتے ہوئے میری طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا: کیا بات ہے، ادھر کو کیوں جا رہے ہو؟۔

ہم نے اپنی کار کو مسجد سے دور کچھ فاصلے پر روکا اور پیدل مسجد کی طرف چلے۔ مسجد کے نزدیک جانے پر اندر سے کسی کی پرسوز آواز میں سورۃ الرحمٰن تلاوت کرنے کی آواز آ رہی تھی، پہلے تو یہی ارادہ کیا کہ باہر رہ کر ہی اس خوبصورت تلاوت کو سنیں؛ مگر پھر یہ سوچ کر کہ اس بوسیدہ مسجد میں جہاں اب پرندے بھی شاید نہ آتے ہوں، اندر جا کر دیکھنا تو چاہیے کہ کیا ہو رہا ہے؟

چنانچہ ہم نے اندر جا کر دیکھا، ایک خوبصورت نوجوان مسجد میں جانماز بچھائے ہاتھ میں

چھوٹا سا قرآن شریف لیے بیٹھا، تلاوت میں مصروف ہے، اور مسجد میں اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے تو احتیاطاً ادھر ادھر دیکھ کر اچھی طرح تسلی کر لی کہ واقعی کوئی اور موجود تو نہیں ہے۔ میں نے اسے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ اس نے نظر اٹھا کر ہمیں دیکھا، صاف لگ رہا تھا کہ کسی کی غیر متوقع آمد اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی، حیرت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

اس نے ہمیں جواباً وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔

میں نے اس سے پوچھا: عصر کی نماز پڑھ لی ہے کیا تم نے؟۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے، اور ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔

اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر میں نے اذان دینا شروع کی، تو وہ نوجوان قبلہ کی طرف رخ کیے مسکرا رہا تھا، کس بات پر، یا کس لیے یہ مسکراہٹ!، مجھے پتہ نہیں تھا۔ عجیب معمہ سا تھا۔

پھر اچانک ہی اس نوجوان نے ایک ایسا جملہ بولا کہ مجھے اپنے اعصاب جواب دیتے نظر آئے۔

نوجوان کسی کو کہہ رہا تھا: مبارک ہو، آج تو باجماعت نماز ہوگی۔

میرے ماموں نے بھی مجھے تعجب بھری نظروں سے دیکھا جسے میں نظر انداز کرتے ہوئے اقامت کہنا شروع کر دی۔

جبکہ میرا دماغ اس نوجوان کے اس فقرے پر اٹکا ہوا تھا کہ مبارک ہو، آج تو باجماعت نماز ہوگی۔

دماغ میں بار بار یہی سوال آ رہا تھا کہ یہ نوجوان آخر کس سے باتیں کرتا ہے، مسجد میں ہمارے سوا کوئی بندہ وبشر نہیں ہے، مسجد فارغ اور ویران پڑی ہے۔ کیا یہ پاگل تو نہیں رہے؟

میں نے نماز پڑھا کر نوجوان کو دیکھا جو ابھی تک تسبیح میں مشغول تھا۔

میں نے اس سے پوچھا: بھائی کیا حال ہے تمہارا؟ جس کا جواب اس نے بخیر واللہ الحمد کہہ کر دیا۔

میں نے اس سے پھر کہا: اللہ تیری مغفرت کرے، تو نے میری نماز سے توجہ کھینچ لی ہے۔

وہ کیسے؟ نوجوان نے حیرت سے پوچھا۔

میں نے جواب دیا کہ جب میں اقامت کہہ رہا تھا تو نے ایک بات کہی، مبارک ہو، آج تو باجماعت نماز ہوگی۔

نوجوان نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ اس میں ایسی حیرت والی کون سی بات ہے؟

میں نے کہا: ٹھیک ہے کہ اس میں حیرت والی کوئی بات نہیں ہے؛ مگر تم بات کس سے کر رہے تھے آخر؟۔

نوجوان میری بات سن کر مسکرا تو ضرور دیا؛ مگر جواب دینے کی بجائے اس نے اپنی نظریں جھکا کر زمین میں گاڑلیں؛ گویا سوچ رہا ہو کہ میری بات کا جواب دے یا نہ دے۔

میں نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ مجھے نہیں لگتا کہ تم پاگل ہو۔ تمہاری شکل بہت مطمئن اور پرسکون ہے، اور ماشاءاللہ تم نے ہمارے ساتھ نماز بھی ادا کی ہے۔

اس بار اس نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا اور کہا؛ میں مسجد سے بات کر رہا تھا۔

اس کی بات میرے ذہن پر بم کی کی طرح لگی، اب تو میں سنجیدگی سے سوچنے لگا کہ یہ شخص ضرور پاگل ہے۔

میں نے ایک بار پھر اس سے پوچھا: کیا کہا ہے تم نے؟ تم اس مسجد سے گفتگو کر رہے تھے؟ تو پھر کیا اس مسجد نے تمہیں کوئی جواب دیا ہے؟۔

اس نے پھر مسکراتے ہوئے ہی جواب دیا کہ مجھے ڈر ہے تم کہیں مجھے پاگل نہ سمجھنا شروع کردو۔

میں نے کہا، مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے، یہ فقط پتھر ہیں ا، اور پتھر نہیں بولا کرتے۔

اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ آپ کی بات ٹھیک ہے یہ صرف پتھر ہیں۔

اگر تم یہ جانتے ہو کہ یہ صرف پتھر ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ بولتے ہیں تو باتیں کس سے کیں؟۔

نوجوان نے نظریں پھر زمین کی طرف کرلیں جیسے سوچ رہا ہو کہ جواب دے یا نہ دے۔

اور اب کی بار اس نے نظریں اٹھائے بغیر ہی کہا کہ میں مسجدوں سے عشق کرنے والا انسان ہوں، جب بھی کوئی پرانی، ٹوٹی پھوٹی یا ویران مسجد دیکھتا ہوں تو اس کے بارے میں سوچتا ہوں، مجھے اُن ایام کا خیال آ جاتا ہے جب لوگ اس مسجد میں نمازیں پڑھا کرتے ہوں گے۔

پھر میں اپنے آپ سے ہی سوال کرتا ہوں کہ اب یہ مسجد کتنا شوق رکھتی ہوگی کہ کوئی تو ہو جو اس میں آ کر نماز پڑھے، کوئی تو ہو جو اس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے۔ میں مسجد کی اس تنہائی کے درد کو محسوس کرتا ہوں کہ کوئی تو ہو جو ادھر آ کر تسبیح و تہلیل کرے، کوئی تو ہو جو آ کر چند آیات پڑھ کر ہی اس کی دیواروں کو ہلا دے۔

میں تصور کر سکتا ہوں کہ یہ مسجد کس قدر اپنے آپ کو باقی مساجد میں تنہا پاتی ہوگی۔ کس قدر تمنا رکھتی ہوگی کہ کوئی آ کر چند رکعتیں اور چند سجدے ہی اَدا کر جائے اس میں۔

کوئی بھولا بھٹکا مسافر، یا راہ چلتا انسان آ کر ایک اَذان ہی بلند کر دے۔

پھر میں خود ہی ایسی مسجد کو جواب دیا کرتا ہوں کہ اللہ کی قسم! میں ہوں جو ترا شوق پورا کروں گا۔

اللہ کی قسم! میں ہوں جو تیرے آباد دِنوں جیسے ماحول کو زندہ کروں گا۔

پھر میں ایسی مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت پڑھتا ہوں، اور قرآن شریف کے ایک سپارہ کی تلاوت کرتا ہوں۔

میرے بھائی! تجھے میری باتیں عجیب لگیں گی؛ مگر اللہ کی قسم! میں مسجدوں سے پیار کرتا ہوں، میں مسجدوں کا عاشق ہوں۔

نوجوان کی یہ وجدانی باتیں سن کر میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس بار میں نے اپنی نظریں زمین میں ٹکا دیں کہ کہیں نوجوان مجھے روتا ہوا نہ دیکھ لے۔

اس کی باتیں......اس کا احساس......اس کا عجیب کام......اور اس کا عجیب اسلوب......کیا عجیب شخص ہے جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہے۔

میرے پاس کہنے کے لیے اب کچھ بھی تو نہیں تھا۔

صرف اتنا کہتے ہوئے کہ، اللہ تجھے جزائے خیر دے، میں نے اسے سلام کیا، مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا؛ مگر ایک حیرت ابھی بھی باقی تھی۔

نوجوان نے پیچھے سے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا تو میں دروازے سے باہر جاتے جاتے رک گیا۔

نوجوان کی نگاہیں ابھی بھی جھکی تھیں اور وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ جانتے ہو جب میں ایسی ویران مساجد میں نماز پڑھ لیتا ہوں تو کیا دعا مانگا کرتا ہوں؟۔

میں نے صرف اسے دیکھا تا کہ بات مکمل کرے۔

اس نے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا: میں دعا مانگا کرتا ہوں کہ اے میرے پروردگار! اے میرے رب! اگر تو سمجھتا ہے کہ میں نے تیرے ذکر، تیرے قرآن کی تلاوت اور تیری بندگی سے اس مسجد کی وحشت و ویرانگی کو دور کیا ہے تو اس کے بدلے میں تو میرے باپ کی قبر کی وحشت و ویرانگی کو دور فرما دے؛ کیوں کہ تو ہی رحم و کرم کرنے والا ہے۔

نوجوان کی یہ رقت انگیز بات سن کر مجھے اپنے جسم میں ایک سنسناہٹ سی محسوس ہوئی، میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

پیارے دوست! کیا عجیب تھا یہ نوجوان، اور کیسی عجیب محبت تھی اسے والدین سے!۔

کس طرح کی تربیت پائی تھی اس نے!، اور ہم کس طرح کی تربیت دے رہے ہیں اپنی اولاد کو؟۔ ہم کتنے نافرض شناس ہیں اپنے والدین کے، چاہے وہ زندہ ہوں یا فوت شدہ؟

آگ سے کھیلنے والا نوجوان

بغداد میں ایک نوجوان تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھا، اور اس کا کام نعل سازی تھا۔ وہ نعل بناتا بھی تھا اور گھوڑی کے سموں پر چڑھاتا بھی تھا۔ نعل بناتے وقت تپتی بھٹی میں سرخ شعلوں کے اندر وہ نعل رکھتا اور پھر آگ میں اسے کسی جمور یا کسی اُوزار کے ساتھ نہیں پکڑتا تھا بلکہ آگ

میں ہاتھ ڈال کے اس تپتے ہوئے شعلے جیسے لعل کو نکال لیتا اور اپنی مرضی کے مطابق اسے (shape) شکل دیتا تھا۔

لوگ اسے دیکھ کر دیوانہ کہتے اور حیران بھی ہوتے تھے کہ اس پر آگ کا کوئی اَثر نہیں ہوتا۔ وہاں موصل شہر کا ایک شخص آیا۔ جب اس نے ماجرا دیکھا تو اس نے تجسس سے اس نوجوان سے پوچھا کہ اسے گرم گرم لوہا پکڑنے سے کیوں کچھ نہیں ہوتا؟۔

اس نوجوان نے جواب دیا کہ وہ جلدی میں لوہے کو اٹھالیتا ہے اور اب اس پر ایسی کیفیت طاری ہوگئی ہے کہ میرا ہاتھ اسے برداشت کرنے کا عادی ہوگیا ہے، اور اسے کسی جمور یا پلاس کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اس شخص نے کہا کہ میں اس بات کو نہیں مانتا۔ یہ تو کوئی اور ہی بات ہے۔

اس نے نوجوان سے کہا کہ مجھے اس کی حقیقت بتا؟۔

اس نوجوان نے بتایا کہ بغداد میں ایک نہایت حسین وجمیل لڑکی تھی اور اس کے والدین عمرے کے لیے گئے، اور کسی حادثے کا شکار ہوکے وہ دونوں فوت ہوگئے، اور یہ لڑکی بے یارو مددگار اس شہر میں رہنے لگی۔

وہ لڑکی پردے کی پلی ہوئی، گھر کے اندر رہنے والی لڑکی تھی، اب اس کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ زندگی کیسے گزارے۔

آخر کار نہایت غمزدہ اور پریشانی کی حالت میں وہ باہر سڑک پر نکل آئی۔

اس نے میرے دروازے پر دستک دی اور کہا: کیا ٹھنڈا پانی مل سکتا ہے۔

میں نے کہا: ہاں اور اندر سے اس لڑکی کو ٹھنڈا پانی لاکر پلایا، اور اس لڑکی نے کہا: خدا تمہارا بھلا کرے۔

میں نے اس سے پوچھا: کیا تم نے کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں؟۔

اس لڑکی نے کہا: نہیں، میں نے کچھ نہیں کھایا۔

میں نے اس سے اکیلے اس طرح پھرنے کی وجہ پوچھی، تو اس لڑکی نے اپنے اوپر گزرا

سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ مجھے سمجھ نہیں آتی میں زندگی کیسے بسر کروں؟۔

میں نے اس سے کہا کہ تم شام کو یہیں میرے گھر آ جانا، اور میرے ساتھ کھانا کھانا۔ میں تمھیں تمہاری پسند کا ڈِنر کھلاوں گا وہ لڑکی چلی گئی۔

اس نوجوان نے بتایا کہ میں نے اس کے لیے کباب اور بہت اچھی اچھی چیزیں تیار کیں۔ وہ شام کے وقت میرے گھر آ گئی، اور میں نے کھانا اس کے آگے چن دیا۔

جب اس لڑکی نے کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میں نے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی اور میری نیت بدل گئی؛ کیوں کہ وہ انتہا درجے کا ایک آسان موقع تھا جو میری دسترس میں تھا۔

جب میں نے دروازے کی چٹخنی چڑھائی تو اس لڑکی نے پلٹ کر دیکھا اور اس نے کہا کہ میں بہت مایوس اور قریب المرگ اور اس دنیا سے گزر جانے والی ہوں۔

اس نے مزید کہا: اے میرے پیارے بھائی تو مجھے خدا کے نام پر چھوڑ دے۔

وہ نوجوان کہنے لگا: میرے سر پر برائی کا بھوت سوار تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ ایسا موقع مجھے کبھی نہیں ملے گا میں تمھیں نہیں چھوڑ سکتا۔

اس لڑکی نے کہا کہ 'میں تمھیں خدا اور اس کے رسول کے نام پر درخواست کرتی ہوں کہ میرے پاس سوائے میری عزت کے کچھ نہیں ہے، اور ایسا نہ ہو کہ میری عزت بھی پامال ہو جائے اور میرے پاس کچھ بھی نہ بچے اور پھر اس حالت میں اگر میں زندہ بھی رہوں تو مردوں ہی کی طرح جیئوں۔

اس نوجوان نے بتایا کہ لڑکی کی یہ بات سن کر مجھ پر خدا جانے کیا اَثر ہوا۔ میں نے دروازے کی چٹخنی کھولی اور دست بستہ اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ 'مجھے معاف کر دینا، میرے اوپر ایک ایسی کیفیت گزری تھی جس سے میں نبرد آزما نہیں ہو سکا تھا؛ لیکن اب وہ کیفیت دور ہو گئی ہے، تم شوق سے کھانا کھاؤ اور اب سے تم میری بہن ہو'۔

یہ سن کر اس لڑکی نے کہا کہ 'اے اللہ میرے اس بھائی پر دوزخ کی آگ حرام کر دے'۔

یہ کہہ کر وہ رونے لگی اور اونچی آواز میں روتے ہوئی کہنے لگی کہ 'اے اللہ! نہ صرف دوزخ

کی آگ حرام کردے بلکہ اس پر ہر طرح کی آگ حرام کردے۔

نوجوان نے بتایا کہ لڑکی یہ دعا دے کر چلی گئی۔ ایک دن میرے پاس زنبور (جمور) نہیں تھا اور میں دھونکنی چلا کر نعل گرم کر رہا تھا، میں نے زنبور پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ دہکتے ہوئے کوئلوں میں چلا گیا؛ لیکن میرے ہاتھ پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔

میں حیران ہوا اور پھر مجھے اس لڑکی کی وہ دعا یاد آئی اور تب سے لے کر اب تک میں اس دہکتی ہوئی آگ کو آگ نہیں سمجھتا ہوں بلکہ اس میں سے جو چاہے بغیر کسی ڈر کے نکال لیتا ہوں۔

اور لوٹا ٹوٹ گیا

حضرت مولانا احمد مکرم عباسی چریا کوٹی نے اپنی جاندار کتاب 'الاخلاق' میں ایک نہایت ہی دلچسپ، سبق آموز اور عبرت خیز واقعہ نقل کیا ہے۔ ایک نوجوان کی زندگی سے متعلق ہونے کی وجہ سے ہم اسے یہاں من وعن درج کر رہے ہیں :

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ صفی اللہ نامی ایک متوسط الحال نوجوان تھا۔ ماں باپ اُس کے مر چکے تھے، کوئی لڑکا بھی نہیں تھا۔ صرف وہ تھا اور اس کی خوبصورت بیوی ستارہ عمر میں سولہ سترہ برس کی ہی ہوگی۔ بہت تمیز دار، سلیقہ شعار اور باشعور عورت تھی۔ جوان کو اپنی خوب رو بیوی سے بے حد محبت اور ضرورت سے زیادہ الفت تھی۔ ایک دم کی جدائی اس پر گراں تھی، اور اسی بے پایاں محبت نے جوان کو تلاشِ معاش میں نکلنے سے ہمیشہ باز رکھا تھا۔

ایک روز ستارہ نے شوہر سے کہا کہ باپ دادا کی پیدا کی ہوئی جائداد کب تک ساتھ دے گی۔ اگر یہی خانہ بدوشی رہی، اور یہی رات دن رہا تو ایک دن افلاس وفلاکت آ کر رہے گی۔

جوان نے کہا: کیا کروں! تمہاری محبت اور گھر کی تنہائی باہر جانے کی اجازت نہیں دیتی۔ پیاری! دل نہیں گوارا کرتا کہ تم جیسی بھولی اور نوعمر بیوی کو ایسے بڑے گھر میں اکیلا چھوڑ جاؤں۔

ستارہ نے ذرا چیں بجبیں ہو کر کہا کہ زمانہ کا یہی رنگ ہے، جو لوگ گھر کے اکیلے رہتے ہیں وہ کیوں کر تلاشِ معیشت میں خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ تمہارا جیسا خیال سب کا ہو تو دنیا

کاروبار بند ہوجائے۔ ہر چند گھر چھوڑنے کو جوان کا جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن بیوی کی عاقلانہ گفتگو پوری طرح اس کے دل میں اُتر چکی تھی۔

صفی اللہ کے چچا نعیم اللہ خان کان پور میں ملازم تھے۔ تیسرے دن جوان نے سفر کا تہیہ کیا، دوست آشنا سے رخصت ہولیا اور ایک دن جمعرات کو پیاری بیوی کو روتا ہوا چھوڑ کر اسٹیشن پہنچا، پھر نہیں معلوم کہ صفی اللہ کان پور گیا یا کیا ہوا!۔

پورے ایک سال ستارہ شوہر کی جدائی میں جلتی رہی۔ اتنے عرصے میں اس نے بڑے صبر وتحمل سے کام لیا، لیکن آخر کب تک؟۔ عورت جوان تھی، اور نفس امارہ تعاقب میں۔ ایک روز نمازِ عشا پڑھ کر سوئی تھی کہ حضرت ابلیس اپنے قاعدے کے مطابق تشریف لائے، بہکانے میں تو آپ کو کمال حاصل ہے۔ بیچاری ستارہ کو طرح طرح سے بہکانا شروع کیا۔

الغرض! ستارہ کے نفس صالحہ اور نفس امارہ میں جنگ ہونے لگی۔ ابلیس نے نفس امارہ کی طرف داری کی اور نفس صالحہ کو شکست دے دی۔

ستارہ کے پڑوس میں مکان سے متصل ایک بڑھیا رہتی تھی، جو فن اسپائی وقحبہ گری میں دور دور مشہور تھی۔ اسی وقت ستارہ نے اپنی ایک ہم راز خادمہ کو بھیج کر بڑھیا کو بلوایا۔ اور خلوت میں لے جا کر اسے دیر تک کچھ سرگوشی کرتی رہی۔

بڑھیا تو بلانے کے ساتھ ہی سمجھ گئی کہ میں کس مقصد کے لیے بلائی گئی ہوں؛ کیوں کہ اس کا پیشہ ہی یہ تھا۔ ستارہ نے پردۂ شرم وحیا اُٹھا کر اس سے ایک ایسا نوجوان لانے کی خواہش ظاہر کی جو اُس کی آتش شہوت کو بجھا سکے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جوان قوی ہو، متحمل ہو، اور عالی ظرف ہو تاکہ میرے راز کو دوسروں پر افشا نہ کرے۔

بڑھیا نے سر سے پاؤں تک ستارہ کی بلائیں لی۔ ترقی حسن وجمال کی دعائیں دی، اور وعدہ کر کے رخصت ہوئی۔ چلتے ہی چلتے راستے میں بڑھیا نے ایک نوجوان کو دل میں تجویز کرلیا، اور سیدھے ایک دروازے پر پہنچ کر کواڑ کو کھٹکھٹایا اور منتظر کھڑی رہی۔

دیر کے بعد ایک نوجوان دروازہ کھول کر باہر آیا۔ پوچھا: کون؟ بڑھیا نے کہا: میاں! میں

ہوں، آپ کی لونڈی۔ جوان نے قندیل اُٹھا کر غور سے بڑھیا کی صورت دیکھی، اور کہنے لگا: آخر تو ہے کون میں نہیں پہچانتا۔ بڑھیا نے کہا: صاحب زادے! ذرا اندر چلیے تنہائی میں عرض کروں گی۔ جوان بڑھیا کو لیے ہوئے اندر آیا۔

بڑھیا نے جوان کو تنہا پا کر پہلے تو جیسا کہ ایسے پیشہ وروں کا قاعدہ ہے کہ ایک طول طویل تمہید بیان کی۔ تمہید کے بعد ستارہ کے حسن و جمال کی بے حد تعریف وستائش کے گیت گاتی رہی۔ جب دیکھا کہ جوان پر اس کے جادو نے اَثر کرلیا، اور وہ دام میں گرفتار ہو گیا تب اصلی مقصد بیان کیا۔

جوان تھوڑا سکوت کر کے بولا کہ بوڑھی! میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا۔ تمہاری باتوں نے مجھے خوشی سے مبہوت کر دیا ہے۔ بھلا ایسے موقع کو ہاتھ سے جانے دینا کون سی دانشمندی ہے!۔

یہ نوجوان کو مستعد پا کر اپنی کامیابی پر خوشی سے بھولنے لگی۔ جوان اسی وقت کمرہ کے اندر گیا، مٹی کا ایک پرانا لوٹا ہاتھ میں لے کر چل کھڑا ہوا۔ بڑھیا بھی فی الفور جوان کو ساتھ لے کر ہنستی کھیلتی آگے آگے چلنے لگی۔

کچھ دور جا کر جوان نے بڑھیا سے کہا: مجھ کو استنجا کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ تم پانچ منٹ یہی ٹھہرو میں فارغ ہو کر پھر اس جگہ آجاؤں گا۔ چنانچہ بڑھیا وہیں رک گئی، اور جوان لوٹے میں پانی لے کر قریب ہی کھیت میں پیشاب کرنے چلا گیا۔

جب پیشاب وطہارت سے فارغ ہو کر واپس چلا تو اتفاقاً اس کے پاؤں میں پتھر سے ٹھوکر لگی اور لوٹا ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ مٹی کا لوٹا تھا، پتھریلی زمین پر گرتے ہی چکنا چور ہو گیا۔ جوان نے لوٹے کو ٹوٹا دیکھ کر زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

بڑھیا نے جو نوجوان کے رونے کی آواز سنی، بدحواس ہو کر دوڑی۔ نزدیک آ کر رونے کا سبب پوچھا۔ جوان نے کہا: میرا لوٹا ٹوٹ گیا ہے۔ یہ سن کر بڑھیا قہقہہ مار کر ہنسی اور کہا کہ میاں! یہ رونے کی کون سی بات ہے؟ مٹی ہی کا لوٹا تھا، اگر پھوٹ گیا تو کیا ایسا بڑا طوفان آ گیا۔ تم میری

خاتون کی خدمت میں چلو اس سے عمدہ عمدہ نظام آبادی لوٹے جس قدر چاہو گے دلوا دوں گی۔

جوان غضب ناک ہو کر بولا کہ اے احمق بڑھیا! کیا میں نقصان کا خیال کر کے روتا ہوں؟ بڑھیا نے کہا: پھر نہیں تو اور کیا بات ہے؟۔ جوان نے ایک دردناک چیخ ماری اور بولا: آج بارہ برس سے یہ لوٹا میرا ہمراز تھا، پاخانہ اور پیشاب کے بعد اسی لوٹے سے میں طہارت کرتا تھا۔ آج تک سوائے اس لوٹے کے کسی ذی روح اور غیر ذی روح نے میرے ستر کو نہیں دیکھا۔ ورنہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ بازار میں اچھے سے اچھا لوٹا مل سکتا ہے، اور مجھے خریدنے کی استطاعت بھی ہے؛ لیکن افسوس! رونا تو اس امر کا ہے کہ بارہ برس کے بعد آج دوسرا لوٹا میرے ستر کو دیکھے گا۔

اتنا کہہ کر نوجوان نے پہلے سے زیادہ رونا شروع کر دیا، اور اتنا رویا کہ غشی طاری ہوگئی۔ اب بڑھیا کبھی نوجوان کی صورت دیکھتی اور کبھی اپنی ناکامی پر نظر کر کے غمگین ہوتی تھی۔ جب وہ جوان کو دیکھتی تو اس پر رحم آتا اور اس کے رونے کے سبب پر غور کرتی تو اسے ہنسی آتی تھی۔

کچھ دیر کے بعد جوان کو ہوش آیا۔ طبیعت کو سکون ہوا تو بولا کہ بوڑھی! اسی وقت مجھ کو معاف رکھو، تم جاؤ اگر کل موقع ملا تو میں ضرور آجاؤں گا۔ اتنا کہہ کر وہ ایک طرف چلتا بنا اور ناکامی کی تصویر بنی بڑھیا نے دوسری راہ لی۔

جب مکان پر پہنچی تو ستارہ بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بڑھیا کو دیکھ کر خوشی کے مارے بستر پر اُچھل پڑی؛ کیوں کہ وہ سمجھتی تھی کہ بڑھیا میرے لیے خوب عمدہ شکار کر کے میرے لے لائی ہوگی۔

بڑھیا نے کہا: بیوی صبر کے ساتھ اطمینان رکھو، کل اسی وقت تمہارا مطلوب تمہارے پہلو میں ہوگا۔ آج تو میں کامیاب ہو چکی تھی؛ لیکن کیا کروں تقدیر نے رہنمائی نہ کی۔

ستارہ نے پوچھا، بتا تو سہی ہوا کیا؟۔ چنانچہ بڑھیا نے شروع سے آخر تک سارا قصہ کہہ سنایا۔ یہ عجیب وغریب قصہ اور حیرت ناک کہانی سن کر ستارہ کا دل بھر آیا اور ایسا پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ بڑھیا جوان کا رونا بھول گئی۔ اس نے ایسا تماشا اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا، اور

بالکل ہکا بکا ہو کر ہر طرف دیکھنے لگی۔

جب ستارہ کا رونا ذرا کم ہوا تو بڑھیا نے پوچھا کہ بی بی! اب آپ کے رونے کا سبب مجھ کو نہیں معلوم ہوتا۔ ستارہ نے جواب دیا: بوڑھی! میں اپنی قابل نفرت زندگی پر روتی ہوں، مجھ کو شیطان اور نفس امارہ نے مبتلائے گناہ کیا، بے حیائی کی شہوت نے میرے دل کو سیاہ کر دیا۔ آہ! بے حیا زندگی سے تو مرجانا ہی بہتر تھا۔ افسوس! نوجوان مرد نے مٹی کے لوٹے کو اپنا ستر دکھانا پسند نہیں کیا اور لعنت ہو مجھ پر کہ میں غیر مرد کو اپنا ستر دکھانے پر اس خوشی سے راضی ہو گئی۔ خاوند کا بھی خیال نہ آیا، اور اس کے سالہا سال کی صحبت اور محبت کو ایک دم میں ایسا محو کر دیا۔

بڑھیا ستارہ کی گفتگو سن کر دم بخود ہ گئی، اور اس پُر اثر تقریر نے اس کو مدہوش کر دیا، اور اسی وقت بڑھیا نے ستارہ کے ہاتھ پر دلالی اور قحبہ گری سے توبہ کر لی۔ بڑھیا پاک وصاف ہو کر اور نصوحی توبہ کر کے گھر کو روانہ ہو گئی۔ اور ستارہ نے بھی صدق دل سے توبہ واستغفار کر کے نماز وتسبیح میں مشغول ہو گئی، اور رات بھر دربارِ الٰہی میں گڑ گڑا گڑ گڑا کر دعا والتجا کرتی رہی۔ ایک ہفتہ کے بعد شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ مشہور قحبہ گر بڑھیا نے توبہ کر لی اور ستر چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بھی ان دونوں پر رحم آ گیا۔ اس واقعہ کے پورے ایک مہینہ بعد ستارہ کا شوہر صفی اللہ بہت کچھ مال ودولت لے کر سفر سے واپس آیا، اور پاک باز میاں بیوی ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

بڑھیا کی روزی اُسی دلالی اور قحبہ گری پر تھی۔ جب ادھر سے اسے توبہ کر لی تو اللہ کریم نے غیب سے اس کے رزق کا انتظام یوں کیا کہ صفی اللہ چونکہ کافی مال دولت کما کر لایا تھا، اور اس کا شمار شہر کے امیروں میں ہونے لگا، گھر کا چلن دوسرا ہو گیا اس لیے اس کو ایک تمیز دار عورت کی ضرورت ہوئی جو امورِ خانہ داری میں ستارہ کی مدد کرے اور اس کا ہاتھ بٹائے۔

بڑھیا سے اچھی اب کون عورت ستارہ کو ملتی، اس نے غنیمت جان کر بڑھیا کو بلا لیا اور بڑھیا نے اسی کو غنیمت جان کر اپنی ساری عمر نہایت عزت وخیر خواہی کے ساتھ یہیں گزار دی۔

نتیجہ: شرم وحیا بالعموم ہر مرد وعورت میں پائی جاتی ہے؛ لیکن بہ نسبت مردوں کے

عورتوں میں حیا کا ہونا زیادہ ضروری سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ برادرِ محترم مولوی احمد معظم سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی کتاب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ 'شرم عورتوں کا خاصہ ہے، گو کسی مانع کے پیش آجانے سے کبھی مفقود ہو جائے۔ (ورنہ) کیسی ہی بدچلن اور آوارہ عورت کیوں نہ ہو لیکن غیر مرد کو بے حجابانہ دیکھ کر ایک مرتبہ جھجک ضرور جائے گی'۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے؛ لیکن ایسی حیا جو مرضیِ الٰہی کے موافق ہو اور انسانی کاروبار میں خلل نہ ڈالتی ہو۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی اپنا ستر آپ نہیں دیکھا۔ اب تو شرم وحیا کی حد ہوگئی۔ پھر کیوں نہ ہو کہ ایسے ہی بزرگانِ اسلام رسول خدا کے صحابہ اور اخلاقِ محمدی کے پتلے تھے۔(۱)

ایک مسلمان بچی کی ناموس

دمشق شہر میں ایک مسلمان بچی اکیلی گھر میں رہتی تھی۔ ایک طرف اس کے پڑوسی صحابہ رسول حضرت عبد اللہ بن سبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسری طرف ایک یہودی طبیب کا مکان تھا۔ وہ طبیب اس مسلمان بچی کو گاہے بگاہے تنگ کیا کرتا تھا، اور اس کی عزت کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔

ایک دن لڑکی نے تنگ آکر کہا کہ اے خبیث! تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک بے چاری لڑکی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے، کاش! میرے پڑوسی عبد اللہ بن سبرہ ہوتے تو تمہیں کبھی اس حرکت کی جرأت نہ ہوتی۔

ادھر وہ صحابی آرمینیا اور آذربائیجان میں جہاد کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔ اللہ کی شان کہ انھیں کسی طرح اس واقعے کی خبر ہوگئی کہ میری پڑوسن وہ مسلمان بچی مجھے یاد کر رہی ہے؛ کیوں کہ اس کی عزت داؤں پر لگی ہوئی ہے۔

(۱) الاخلاق، احمد مکرم عباسی چریا کوٹی: ۱۰۳ تا ۱۰۷۔ مطبوعہ قومی پریس، دہلی۔

آپ گرچہ دمشق سے ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر تھے؛ مگر ایک مسلمان بچی کی عزت وناموس بچانے کے لیے وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔مہینوں کا سفر طے کرکے بالآخر ایک رات وہ دمشق پہنچ ہی گئے۔لیکن غیرتِ ایمانی دیکھیں کہ بغل میں اپنا گھر اور بال بچے موجود تھے وہاں نہ جا کر سیدھے اورلڑکی کے گھر کا رخ کرتے ہیں۔

دروازے پر دستک دی،لڑکی باہر نکلی تو آپ نے پوچھا: بیٹی مجھے پہچانا۔کہا جی یقیناً پہچان لیا آپ میرے پڑوسی عبداللہ بن سبرہ ہی تو ہیں۔فرمایا: بیٹی! تم نے مجھے یاد کیا تھا تو بس میں تمہاری بے چارگی دور کرنے آ گیا ہوں۔

لڑکی کہنے لگی کہ یہ میرا یہودی پڑوسی مجھے کافی تنگ کرتا ہے اور میری عزت کو خاک میں ملانے کے درپے ہے۔فرمایا: خدا کی قسم! میں آرمینیا سے صرف تمہاری عزت بچانے کی خاطر آیا ہوں۔تم جاؤ اور اس طبیب کو اپنے گھر میں بلاؤ۔اور آپ اس لڑکی کے گھر میں چھپ گئے۔

لڑکی کا پیغام سنتے ہی وہ یہودی ناچتا اور دوڑتا ہوا آیا کہ آج تو اس نے مجھے خود یاد کیا ہے شاید آج دل کی مراد پوری ہو جائے۔چنانچہ جیسے وہ یہودی گھر کے اندر آیا۔آپ نے اسے پیچھے سے پکڑا اور اس کی گردن کا بوجھ ہلکا کر دیا، پھر اس کی لاش باہر پھینک دی۔

اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے گھوڑے کی لگام تھامی اور ایڑ لگا کر آمادۂ سفر ہونا چاہا تو اس لڑکی نے آپ کا دامن پکڑ کر پوچھا کہ حضرت اب آپ کدھر جا رہے ہیں،ساتھ میں آپ کا اپنا مکان ہے،رات بچوں کے ساتھ گزار لیں، پھر سفر پر نکل جایئے گا۔

فرمایا: بیٹی! میں جس مقصد کے لیے آیا تھا، خدا کا شکر ہے کہ وہ پورا ہو گیا۔اب میں دوبارہ میدانِ جنگ میں جا رہا ہوں۔ان شاء اللہ بچوں کو ملنے کے لیے پھر کسی وقت آ جاؤں گا۔چنانچہ آپ پھر آرمینیا کی طرف نکل پڑے۔(۱)

(۱) الاصابة فی معرفة الصحابة :۳۶۰/۲۔

پُراسرار بندے

مجاہدین اسلام جب کابل کا گھیراؤ کیے ہوئے تھے۔ اسی دوران ظہر کا وقت آن پہنچا۔ مسلمانوں کے نوجوان سپہ سالار قتیبہ بن مسلم نے نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں گڑگڑا کر یہ دعا کی: 'اے اللہ! ہمیں فتح ونصرت سے ہمکنار کر؛ کیوں کہ فتح ونصرت تیری ہی جانب سے نصیب ہوا کرتی ہے'۔

اس جنگ میں لشکر اسلام کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ کیا گیا ہے۔قتیبہ بن مسلم نے نماز کے بعد جنگی کارروائی سے پہلے ایک نیک اور مستجاب الدعوات شخص کو-جن کا نام محمد بن واسع تھا- تلاش کرنے کا حکم دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب جانوں کی تجارت ہونے والی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب جنت کے دروازے کھولے جارہے تھے اور فرشتوں کی آمد ہورہی تھی؛ مگر سپہ سالار اپنے اصحاب سے کہہ رہا تھا: محمد بن واسع کی تلاش کرکے میرے پاس لاؤ۔

مجاہدین اسلام اسلامی لشکر نے محمد بن واسع کی تلاش شروع کردی۔ دیکھا کہ وہ اپنے نیزے پر ٹیک لگائے زاروقطار رورہے ہیں اور اپنی انگلی آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے کہہ رہے ہیں: یاحی، یاقیوم!۔

لوگوں نے آکر قتیبہ بن مسلم کو اس بات کی خبر دی تو ان کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور فرمایا :

والذي نفسي بيده! لأصبع محمد بن واسع خيرٌ عندي من مائة ألف سيفٍ شهيرٍ ومن مائة ألف مقاتل طرير .

یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! محمد بن واسع کی (آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی) انگلی میرے نزدیک ایک لاکھ نامور چمکدار تلواروں اور ایک لاکھ خوش منظر لشکر جرار سے بہتر ہے۔

پھر جنگ شروع ہوئی۔خوب گرما گرم جنگ ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم سے

نوازا، اور دشمنوں کو شکست فاش سے دوچار کیا؛ چنانچہ عصر کا وقت ہوتے ہوتے مسلمانوں نے کابل کا فتح کرلیا اور عصر کی نماز کابل کے اندر اَدا کی۔

نابینا کی گود میں حور

یہ واقعہ شیخ عبدالعزیز عقیل نے اپنے پرسوز لیکچر بعنوان 'عبرت انگیز واقعات' میں بیان کیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ میرے ایک قریبی عزیز نابینا حافظ اور بہت صالح انسان تھے۔ میں ان سے اکثر ملنے جاتا۔ بچے بڑے بھی ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ میں زندگی کی سترہ بہاریں دیکھ چکا تھا۔ ایک روز میں ان سے ملنے گیا تو انھوں نے مجھ سے کہا: میاں! تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟۔

میں نے معاشی مسائل کا ذکر کیا تو کہنے لگے: بیٹے! صدق دل سے دعا کرو، رب تعالیٰ کے در پر دستک دو، اور آسانی کی امید رکھو۔ پھر انھوں نے مجھ سے اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا۔ میں نے گوش برآواز ہوکر سنا۔ وہ کہہ رہے تھے :

میرا گھرانہ بے حد غریب تھا۔ ہم بڑی کسم پرسی کی زندگی گزارتے تھے۔ میں ٹھہرا پیدائشی نابینا اور بدصورت۔ مجھ میں تھا کیا جو کوئی مجھے اپنی لڑکی دیتا۔ اس کے باوجود میں شادی کرنا چاہتا تھا۔ والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ابا جان! میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔

والد صاحب میری بات سن کر پہلے تو خوب ہنسے، پھر کہنے لگے: برخوردار! ہمیں بھلا کون اپنی بیٹی دے گا۔ تم جانتے ہو کہ تم پیدائشی نابینا ہو۔ اس پر ہماری یہ غربت اور بے مائیگی ایک اور بڑی مصیبت ہے۔

میرا اور اپنا مذاق اُڑا کر وہ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر بولے: خیر! صبر کا دامن تھامے رکھو، ہماری حالت زار تو تمہارے سامنے ہے، دیکھو اللہ تعالیٰ کیا سبیل نکالتا ہے۔

والد صاحب کی باتوں سے میں بہت دل برداشتہ ہوا۔ ان کا صاف جواب پا کر میں والدہ محترمہ کی خدمت میں گیا۔ میری عمر اس وقت یہی کوئی چوبیس پچیس کے قریب رہی ہوگی۔ ارادہ

تھا کہ والدہ سے بات کرتا ہوں، وہ شاید والد صاحب کو اپنے طریقے سے سمجھائیں گی۔

والدہ سے بات کی تو انھوں نے بھی میری عقل کا ماتم کیا۔ اور بولیں: لڑکے! دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا!۔ شادی کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے۔ رقم کی تو خود ہمیں اشد ضرورت ہے۔ قرض خواہوں نے روز روز کے مطالبات سے ناک میں دم کر رکھا ہے اور تمھیں شادی کی پڑی ہے۔

غرض والدہ نے بھی ایسی ایسی دکھ دینے والی باتیں کہیں کہ میں تو باقاعدہ رونے لگا۔ پھر خود ہی حوصلہ کیا اور چپ ہو رہا۔ سوچا ابھی یہ دونوں غصے میں ہیں۔ چند دنوں میں پھر بات کرتا ہوں۔ شاید یہ دونوں ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں۔ چند روز ٹھہر کر پھر بات کی لیکن کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہو سکا۔

اب میں نے سوچا کہ میں بھی کتنا احمق ہوں!۔ رب تعالیٰ کے دروازے پر دستک کیوں نہیں دیتا۔ میں نے رات کے پچھلے پہر نماز پڑھی اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ میں نے عرض کی: اے میرے مالک و مولیٰ! لوگ کہتے ہیں کہ میں اندھا ہوں۔ میرے رب! میری بصارت تو تو نے ہی لی ہے۔

لوگ باتیں کرتے ہیں کہ میں بدصورت ہوں۔ یارب! یہ شکل بھی تو تیری ہی بنائی ہوئی ہے۔ تو ہی تو میرا خالق و مالک ہے، تیرے سوا میرا ہے ہی کون!۔ الٰہی! تو جانتا ہے کہ میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح شادی کی خواہش رکھتا ہوں؛ لیکن کوئی حیلہ وسیلہ نہیں۔

میرے ماں باپ عاجز و درماندہ ہیں؛ اس لیے انھوں نے معذوری ظاہر کر دی ہے۔ میں نے بھی ان کا عذر قبول کر لیا ہے؛ کیوں کہ وہ واقعی عاجز و بے مایہ ہیں؛ لیکن اے میرے اللہ! تو تو ہرگز عاجز نہیں ہے۔ مجھ پر نظرِ کرم کر دے، اور میرے لیے شادی کرنا آسان کر دے۔

دعا کرنے کے بعد مجھے نیند آ گئی۔ میں لیٹا اور سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ نہایت گرم تپتی ہوئی جگہ کھڑا ہوں۔ یکا یک آسمان سے ایک خیمہ اُترا اور اس نے مجھے ڈھانپ لیا۔ مجھے ایک عجیب ٹھنڈک اور آسودگی کا اِحساس ہوا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں بہت خوش تھا۔

صبح سویرے ہی تعبیر کرنے والے ایک عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب بیان کیا۔ انھوں نے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے وجہ دریافت کی تو میں نے اپنی حالت زار کا ذکر کر دیا۔

عالم نے کہا: تم نے رات گڑگڑا کر دعا کی ہے؟ میں نے کہا: ضرور کی ہے۔ کہنے لگے: تو جاؤ اور خاندان بھر کی سب سے زیادہ خوبیوں والی لڑکی کا رشتہ طلب کرو۔ جاؤ! دروازہ کھلا ہے۔

خاندان بھر میں جس لڑکی کے بارے میں لوگوں کی سب سے اچھی رائے تھی، میں نے اس کے متعلق سوچا اور والد صاحب سے کہا کہ اس کے ہاں جایئے اور میرے لیے اس کا رشتہ طلب کیجیے۔ مگر اب کے والد نے تو مجھے پہلے سے بھی زیادہ ڈانٹا اور سختی سے انکار کر دیا۔

تب میں نے خود اس لڑکی کے والد کے پاس جانے کا اِرادہ کرلیا۔ میں ان کے گھر پہنچا۔ جب اس کے والد سے ملاقات ہوئی تو سلام ودعا کے بعد میں نے دل کڑا کر کے اپنا مدعا بیان کیا۔ انھوں نے بجائے ناراض ہونے کے خوشی کا اظہار کیا اور کہا: تم قرآن کے حافظ وقاری ہو۔ ہمیں اپنی بیٹی کے لیے تم سے اچھا شوہر کہاں ملے گا! ۔ لیکن لڑکی کی رضا مندی بھی تو ضروری ہے۔

چنانچہ وہ لڑکی کے پاس گئے۔ میرا ذکر کیا اور کہا کہ بیٹی! یہ درست ہے وہ نابینا ہے؛ مگر یہ بھی تو دیکھو کہ وہ قرآن کا حافظ وقاری ہے۔ پھر بھی میں تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ اگر تم چاہو تو رب تعالیٰ کے بھروسے پر بات آگے بڑھاؤں۔

لڑکی نے سعادت مندی سے بس اتنا کہا کہ ابا جان! جیسے آپ کی خوشی۔

یوں بات طے ہوگئی، اور ہفتے بھر میں وہ نیک سیرت لڑکی میری اہلیہ بن کر ہمارے گھر کی رونق بن گئی۔

انقلابی تبدیلی

ایک امام مسجد نے مجھے بتایا: ایک دن میرے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: میرے بیٹے

نے عجیب وغریب بہکی بہکی باتیں کرنی شروع کردی ہیں۔شاید کسی نے اس پر جادو کردیا ہے، یا جنات کا سایہ ہے۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ میں نے کہا: آپ اسے میرے پاس بھیجیں۔ دیکھتے ہیں مسئلہ کیا ہے۔

جب وہ لڑکا میرے پاس آیا تو میں نے ملاحظہ کیا کہ وہ ایک نوعمر لڑکا ہے۔ میں نے انتہائی مشفقانہ انداز میں بات چیت شروع کی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اس نے بتایا: میں نے ایک ایسے گھر میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی جہاں کے باسیوں کو دین سے کوئی سروکار نہیں۔ نماز، نہ روزہ، تلاوت نہ دیگر عبادات۔ ہم سرتاپا لغویات اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ میرے والد نے کبھی نماز نہیں پڑھی۔ کبھی کبھار بادل نخواستہ جمعہ کی نماز پڑھ لیتا ہے۔

میں نے اسے اپنے والد کے ساتھ احسان کرنے کی تلقین کی۔ میں نے اسے بتایا: تمہارا اپنے والد پر سب سے بڑا احسان یہ ہوگا کہ تم رات کی تنہائیوں میں اپنے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوکر اپنے والد کی ہدایت کے لیے دعا کرو۔ لڑکے نے بہت ذوق وشوق سے یہ کام شروع کردیا۔ جب سارے گھر والے خوابِ غفلت میں پڑے ہوتے یہ اُٹھ کر وضو کرتا۔ نماز تہجد اَدا کرتا اور اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کر رہا ہوتا۔ یہ سلسلہ کئی دنوں تک چلتا رہا۔ ایک دن اتفاق سے اس کا والد کہیں سفر پر گیا ہوا تھا۔ وہ رات کو تاخیر سے لوٹا تو اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس کا ایک بیٹا ایک تاریک کمرے میں اللہ سے دعا کر رہا تھا۔ اس نے قریب جا کر سنا وہ کہہ رہا تھا :

يا رب اهدِ والدي .

اے پروردگار! میرے والد کو ہدایت نصیب فرما۔

يا رب افتح علىٰ قلبه ولا تجعله من أهل النار .

اے مالک ومولا! اس کے دل کو دین کے لیے کھول دے اور اسے اہل جہنم میں سے نہ کرنا۔

باپ حیرت واستعجاب کی تصویر بنا کچھ دیر کھڑا رہا......

پھر وہ باتھ روم میں گیا، غسل کیا اور اپنے بیٹے کے پیچھے نماز پڑھنے لگا۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور آئندہ سے اپنی اس روش کو بدلنے کا عہد کیا۔ اپنے بیٹے کا ذوقِ عبادت دیکھ کر وہ حسرت وندامت سے زاروقطار رونے لگا۔ اس طرح یہ نوجوان لڑکا اپنے والد اور سارے خاندان کی ہدایت کا باعث بن گیا۔

بے بس وزیر!!!

ابوغیاث اپنے وقت کے بہت بڑے عالم دین، عابد اور زاہد تھے۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالانے والے اور دنیا کے کسی حکمران سے نہ ڈرنے والے تھے۔ وہ کثرت سے دعائیں مانگتے اور ہر مرحلہ پر اپنے رب سے مدد طلب کرتے تھے۔ بخارا شہر کے رہنے والے ابوغیاث ایک دن اپنے بھائی سے ملنے جارہے تھے۔ راستے میں ان کا سامنا بخارا کے گورنر نصر بن احمد کے بعض غلاموں سے ہوگیا۔ وہ گورنر کی ایک پرشکوہ دعوت کے انتظامات میں مصروف تھے۔

ابوغیاث نے خودکلامی کے انداز میں کہا: اگر تم نے آج بھی حق گوئی کا موقع ضائع کردیا تو تم بھی ان کی زیادتیوں میں شریک سمجھے جاؤ گے۔ انھوں نے آسمان کی طرف منہ اُٹھایا۔ اللہ سے دعا کی۔ اس سے مدد طلب کی اور لاٹھی لے کر ان غلاموں پر چڑھ دوڑے۔ یہ لوگ اس ناگہانی آفت سے گھبرا کر محل کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے جاکر گورنر کو ساری صورت حال بتائی۔ گورنر نے ابوغیاث کو بلا بھیجا۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوئے تو گورنر ان سے مخاطب ہوکر بولا :

آپ کو پتا ہے جو شخص خلیفہ کے خلاف بغاوت کرتا ہے اس کا ناشتہ قید خانے میں ہوتا ہے۔
ابوغیاث کہنے لگے: تمھیں پتا ہے جو اللہ کے خلاف بغاوت کرتا ہے اس کا کھانا جہنم میں ہوتا ہے۔
گورنر نے پوچھا: آپ کو کس نے محتسب بنایا ہے؟۔

انھوں نے جواب دیا: جس نے آپ کو گورنر بنایا ہے۔ گورنر نے کہا: مجھے تو خلیفہ نے گورنر بنایا ہے۔ ابوغیاث نے کہا: مجھے خلیفہ کے رب نے محتسب بنایا ہے۔

گورنر کہنے لگا: میں آپ کو سمرقند کا محتسب مقرر کرتا ہوں۔ ابوغیاث کہنے لگے: میں خود کو اس عہدہ سے معزول کرتا ہوں۔ گورنر نے کہا: آپ عجیب آدمی ہیں۔ جب آپ کو محتسب نہیں بنایا گیا تو آپ محتسب بن گئے اور جب سرکاری طور پر آپ کو محتسب بنایا جارہا ہے تو آپ بننے کے لیے تیار نہیں!۔ انھوں نے کہا: اگر آپ مجھے محتسب بنائیں گے تو آپ مجھے معزول بھی کرسکتے ہیں؛ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مجھے محتسب بنایا ہے تو کوئی مجھے معزول نہیں کرسکتا۔

گورنر نے لاجواب ہوکر بات کا رخ موڑتے ہوئے کہا: اگر کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ۔ ابوغیاث کہنے لگے: آپ مجھے میری جوانی لوٹا دیں۔ گورنر کہنے لگا: یہ تو میرے بس میں نہیں، اگر کوئی اور ضرورت ہو تو بتائیں۔ ابوغیاث کہنے لگے: آپ جہنم کے داروغے 'مالک' کے نام ایک تحریر لکھ دیں کہ وہ مجھے جہنم میں داخل نہ کرے۔

گورنر کھسیانا ہوکر کہنے لگا: یہ بھی میرے بس میں نہیں۔ کوئی اور ضرورت ہو تو بتائیں۔ ابوغیاث کہنے لگے: پھر آپ جنت کے نگران 'رضوان' کے نام ایک تحریر لکھ دیں کہ وہ مجھے جنت میں داخل کرلے۔ گورنر شرمندہ ہوکر کہنے لگا: یہ بھی میرے بس میں نہیں۔

ابوغیاث کہنے لگے: تو پھر آپ جیسے بے بس آدمی سے کیا مانگنا!، میں اپنی ساری حاجتیں اس ذاتِ باری کے سامنے کیوں نہ پیش کروں جس نے کبھی مجھے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔ گورنر کہنے لگا: آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔(۱)

بڑھیا کی دعا

ایک بہت سرمایہ دار جوان عارضۂ قلب میں مبتلا ہوا تو علاج کے لیے بیرونِ ملک چلا گیا۔ جس ہسپتال میں اس نے علاج کروانا شروع کیا وہ اس ملک کا سب سے اعلیٰ اور مہنگا ترین ہسپتال

(۱) تربیۃ الاولاد فی الاسلام، عبداللہ صلوان: ۱؍۷۷۔

تھا؛ مگر یہاں پر بھی علاج کے باوجود اسے افاقہ نہ ہوا اور حالت دن بدن بگڑتی چلی گئی۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ سرجری کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں اور اس آپریشن کی کامیابی کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا؛ لیکن فوری آپریشن کے سوا کوئی چارۂ کار بھی نہیں۔

جب اس نے یہ بات سنی تو ڈاکٹروں سے کہا مجھے کچھ دنوں کی مہلت دیں، میں اپنے ملک میں جا کر اپنے گھر والوں، اعزہ واقارب اور احباب سے ملنا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں آپریشن کے بعد انھیں دیکھ سکوں گا یا نہیں۔ ڈاکٹروں نے اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اجازت تو دے دی؛ لیکن اسے بتایا کہ آپ جتنی جلدی واپس آجائیں گے اتنا ہی آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔

وہ اپنے ملک لوٹ آیا۔ یہاں اپنے گھر والوں کے ساتھ کچھ وقت گزارا......احباب سے ملا۔ کچھ ضروری اُمور نپٹانے اور سفر پر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ سفر پر جانے سے پہلے وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ قریبی مارکیٹ میں گیا۔ اس کا گزر ایک قصاب کی دکان کے پاس سے ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بڑھیا گوشت کے بچے کھچے ٹکڑے اور ہڈیاں اکٹھی کر رہی ہے۔ اس بڑھیا کی غربت اور ناداری دیکھ کر اس کے دل کو دھچکا سا لگا۔

اس نے عورت کو آواز دی اور نہایت احترام سے پوچھا: اماں جان! یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ وہ کہنے لگی: میں ایک غریب عورت ہوں اور اپنی تین بیٹیوں کے ساتھ انتہائی تنگی اور عسرت سے گزارا کرتی ہوں۔ کئی کئی دن ہمیں کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ گوشت تو مدتوں سے چکھا ہی نہیں۔

جب اس نے یہ بات سنی تو کہنے لگا: اماں میرے ساتھ چلیں۔ وہ اسے ساتھ لے کر اسی قصاب کی دکان پر گیا اور قصاب سے کہا: اس عورت کو جتنے گوشت کی ضرورت ہے اسے دے دو۔ عورت نے کہا: ہمارے لیے بس ایک کلو گوشت کافی ہوگا۔

اس نے کہا کہ اس اماں کو دو کلو گوشت دے دو، اور ہر ہفتے اسے دو کلو گوشت دے دیا کرو۔ پھر اس نے ایک سال کی رقم اڈوانس میں یکمشت ادا کردی۔ اس مسکین بڑھیا نے اسی وقت اپنے ہاتھ اُٹھائے اور اس کے لیے دعا کرنی شروع کردی۔ جتنی دعائیں اس بڑھیا کے دل ودماغ میں آسکتی تھیں وہ سب اس نے کر ڈالیں۔ اس شخص کے لیے بڑھیا کے دل کی اتھاہ

گہرائیوں سے دعائیں نکل رہی تھیں۔

بڑھیا کی دعاؤں کا سلسلہ ابھی منقطع نہیں ہوا تھا کہ اس شخص نے اپنے اندر تبدیلی محسوس کی۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کا مرض کم ہو رہا ہے اور اس کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ جب وہ گھر واپس آیا تو اس کا اپنی بیٹی سے سامنا ہوا۔ اس کی بیٹی اسے دیکھ کر کہنے لگی: ابا جان! آج تو آپ بڑے تر و تازہ اور صحت مند نظر آ رہے ہیں۔ اس نے اپنی بیٹی کو پیش آنے والا واقعہ بتایا۔ بیٹی بہت خوش ہوئی اور اپنے والد کے لیے دعا کرنے لگی۔

یا اللہ! میرے والد کو صحت عطا فرما جس طرح میرے والد نے اس بڑھیا کی مشکل دور کی میرے والد کی مصیبت بھی دور فرما۔

پھر اس نے دوبارہ رختِ سفر باندھا اور ہسپتال پہنچ گیا۔ آپریشن سے پہلے جب اس کا میڈیکل چیک اپ کیا گیا تو ڈاکٹروں کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میڈیکل کی تاریخ میں عجوبہ ہو چکا تھا۔ اس کا دل بالکل ٹھیک کام کر رہا تھا، اور اس کا مرض بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ڈاکٹروں کی زبانوں پر بے شمار سوال تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟۔ اس کیفیت میں مبتلا شخص بغیر آپریشن کے کیسے صحت یاب ہو گیا؟۔

سب کے جواب میں اس نے آسمان کی طرف نظریں اُٹھائیں۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ وہ رقت انگیز لہجے میں کہنے لگا: اس ارحم الراحمین نے مجھے شفا دی ہے۔

اللہ تعالیٰ بے شک ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ شخص زندگی کی نسبت موت کے زیادہ قریب تھا۔ اپنے گھر والوں اور عزیز و اقارب کو الوداع کہنے آیا تھا کہ بڑھیا کا واقعہ پیش آ گیا۔ جب مسکین بڑھیا کے لیے اس کا دل نرم ہو گیا تو عرشِ عظیم کے اوپر ایسی ذات ہے جو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والی اور سخی ہے۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شفقت فرماتے ہوئے اس کی بیماری کو دور کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے:

ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء .(۱)

(۱) سنن کبریٰ بیہقی: ۹/۴۱۔

یعنی آپ زمین والوں پر رحم کریں، آسمان والا آپ پر رحم کرے گا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ o

بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ ہدایت بنیاد ہے :

من أراد أن تستجاب له دعوته وأن تكشف كربه، فليفرج عن معسر .

یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی دعائیں قبول ہوں اور اس کے مصائب دور ہوں اسے مصیبت زدگان کی مدد کرنی چاہیے۔(۱)

جیسی کرنی ویسی بھرنی

مکہ کے باسیوں میں اُم انمار انتہائی سنگ دل خاتون تھی۔نوجوان صحابی خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اس کے غلام تھے۔جب خباب نے اسلام قبول کرلیا تو یہ انھیں طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتی تھی۔ایک مرتبہ اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خباب کی دکان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان سے بات چیت کر رہے ہیں۔

یہ منظر دیکھ کر ام انمار آگ بگولہ ہوگئی۔اس نے بھٹی سے لوہے کا ایک گرم ٹکڑا نکالا اور خباب بن ارت کے سر پر رکھ دیا۔سیدنا خباب بن ارت درد کی شدت سے بے ہوش ہوگئے۔ پھر وہ یہ عمل بار بار دہراتی تھی۔خباب بن ارت کے لیے جب یہ اذیت نا قابل برداشت ہونے لگی تو آپ نے ام انمار کے خلاف بددعا کر دی۔

(۱) مسند امام احمد بن حنبل: ۳۷۲/۸۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی گئی تو سیدنا خباب بن ارت بھی ہجرت مدینہ کے لیے رخت سفر باندھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہجرت سے پہلے ہی ام انمار کا انجام دکھا دیا۔ اس کے سر میں اتنا شدید درد ہوتا جیسا کہ پہلے کبھی کسی کو نہیں ہوا تھا۔ وہ درد کی شدت سے کتوں کی طرح چلاتی۔

اس کے بیٹے ہر جگہ اس کا علاج کروانے کے لیے لے جاتے؛ لیکن کوئی اِفاقہ نہ ہوتا۔ پھر کسی نے بتایا، اسے سر میں اس طرح لوہا گرم کر کے داغا جائے جس طرح جانوروں کو داغا جاتا ہے۔ شاید اس سے افاقہ ہو۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ گرم لوہے کے ساتھ داغنے سے اسے اتنی اذیت ہوتی کہ اسے اپنا سر درد بھول ہی جاتا!۔()

اور ملک الموت آ پہنچا

قارئین باتمکین! یہ واقعہ جو آپ پڑھنے جا رہے ہیں بالکل سچا ہے، اور ایک عرب ملک میں پیش آیا تھا۔ اس واقعہ کو قریباً دس بارہ سال گزرے ہوں گے۔ جب یہ رونما ہوا تھا تو اس کی بازگشت مقامی اخبارات اور مجالس میں سنائی دی تھی۔ بعض اوقات انسان تکبر کے باعث، جوانی کے نشے میں یا دولت واقتدار کے گھمنڈ میں بے حد غلط باتیں منہ سے نکال دیتا ہے۔ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ عین ممکن ہے وہ قبولیتِ دعا کا وقت ہو۔

ایک نوجوان لڑکی ایک سپر مارکیٹ میں اپنے جسم کی نمایش کرتے ہوئے فتنہ انگیز انداز میں جا رہی تھی۔ اس کے انداز میں ایسی خودنمائی اور خودستائی تھی جیسے دنیا اسی کی وجہ سے پیدا کی گئی ہو۔ وہاں سے ایک نیک اور صالح نوجوان گزر رہا تھا، اس نے از راہِ ہمدردی کہا: میری بہن! اپنی اس روش سے باز آ جاؤ۔ اگر اسی حالت میں ملک الموت تمہارے پاس آ پہنچا تو اللہ کو کیا جواب دو گی؟۔

(۱) نہایۃ الظالمین، ابراہیم حازمی۔

اس کے جواب میں وہ مغرور لڑکی کہنے لگی: اگر تم میں جرأت ہے تو ابھی اپنا موبائل نکالو اور اپنے رب سے کال ملاؤ کہ وہ ملک الموت کو بھیجے۔

وہ نوجوان کہتا ہے: اس نے ایسی ہولناک بات کہی تھی کہ مجھے ڈر ہوا کہیں اس بازار کو ہی نہ ہم پر اُلٹا دیا جائے۔ میں ڈرتا ہوا جلدی سے وہاں سے نکلا۔ جب میں بازار کے کنارے پر پہنچا تو میں نے اپنی پیچھے چیخ وپکار اور آہ وبکا کی آوازیں سنیں۔

میں واپس مڑا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ لوگ اکٹھے ہیں۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں میری اس لڑکی سے بات ہوئی تھی۔ میں وہ منظر دیکھ کر ٹھٹک گیا کہ وہ لڑکی ٹھیک اس جگہ پر مردہ حالت میں پڑی ہوئی تھی، جہاں اس نے ملک الموت کو بلانے کا چیلنج کیا تھا۔ میں تو اس چیلنج کے بعد فوراً وہاں سے نکل گیا؛ لیکن لڑکی اسی وقت منہ کے بل گری اور دم توڑ دیا۔(۱)

اور میری کایا پلٹ گئی

ایک مراقشی نوجوان جو مغربی ماحول میں پلا بڑھا۔ مسلمان ہونے کے باوجود اسلام کے ساتھ اس کا تعلق محض رسمی سا تھا۔ اسلامی تعلیمات کو اس نے کبھی اپنی زندگی کا حصہ نہیں بنایا۔ نماز بھی کبھی کبھار ہی پڑھتا تھا۔ نیکی اور بدی کے چکر میں وہ کم ہی پڑتا تھا۔ پھر یکا یک ایسا ہوا کہ اس کی کایا ہی پلٹ گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک بدلا ہوا انسان تھا۔ یہ کیسے ہوا خود اس کی اپنی زبانی سنیے:

میں ایک مرتبہ ۲۷ر رمضان المبارک کو اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹیلیویژن پر حرم مکی سے نشر ہونے والی نمازِ تراویح دیکھ رہا تھا۔ حرم پاک کا ماحول اور ائمہ حرمین کی دل نشین تلاوت نے ایک سماں باندھ دیا تھا۔ ہر ہر لفظ دل ودماغ میں اُترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک آیت پر تو میں چونک ہی اُٹھا اور میرے دماغ سے غفلت کے سارے بادل چھٹ گئے۔ امام صاحب بھی

(۱) انین القلوب، مصطفیٰ کمال۔

انتہائی پرسوز انداز میں اس آیت کو بار بار پڑھ رہے تھے۔شاید انھیں بھی احساس تھا کہ مجھ جیسے کئی گنہ گاروں کی روحیں اس سے گھائل ہو رہی تھیں۔وہ آیت یہ تھی :

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ، اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ o (سورۂ زمر:۳۹/۵۳)

آپ فرمادیجیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کرلی ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ سارے گناہ معاف فرمادیتا ہے، وہ یقیناً بڑا بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ یہ آیت میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر گئی ہے۔اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت انتہائی وسیع ہے۔اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔مجھے بھی اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔جس لمحے میں نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔میں نے ایسی راحت اور طمانینت محسوس کی کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کا متبادل نہیں ہوسکتی۔(۱)

اور زنگ اُتر گیا

ایک نوجوان کا بیان ہے کہ میں نے ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جس میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں تھی۔شراب ہمارے دسترخوان پر دیگر مشروبات کی طرح موجود ہوتی۔سودی لین دین میں بھی ہمیں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی تھی۔مسجد میں جانے کی ہم نے کبھی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ہمارے پڑوس میں ایک بہت بڑی مسجد تھی۔اس مسجد میں شیخ ابراہیم خطیب تھے۔لوگ ان کی شخصیت اور خطابت کو بہت پسند کرتے تھے؛ لیکن ہمارے گھر والوں کو ان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

(۱) المجلۃ العربیۃ۔

ایک دن میں اپنے گھر کے بالا خانے پر موجود تھا اور مسجد سے شیخ ابراہیم کی آواز آرہی تھی۔ مجھے ان کی آواز میں بڑی کشش محسوس ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں بے اختیار مسجد کی طرف جارہا تھا۔ شیخ کی باتیں میرے دل و دماغ میں سرایت کررہی تھیں۔ مجھے ایسے محسوس ہورہا تھا کہ میرے اندر کا سالوں کا زنگ اُتر رہا ہے اور میں بالکل ایک بدلا ہوا انسان ہوں۔

شیخ ابراہیمؒ رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سنا رہے تھے :

أیما جسدٍ نبت من حرامٍ فالنار أولیٰ به .

یعنی جو جسم مالِ حرام سے پرورش پاتا ہے، جہنم ہی اس کے لیے سب سے مناسب جگہ ہے۔

مجھے یہ سن کر دھچکا سا لگا کہ ہم بے خیالی میں تباہی کی طرف جارہے ہیں۔ اپنے لیے جہنم میں جانے کے اسباب کے ڈھیر لگا رہے ہیں۔ میرے دل میں آیا کہ اپنا گھر چھوڑ دوں، کسی اور جگہ چلا جاؤں، وہاں یہ راحت و آرام تو نہیں ہوگا، مشکلات کا سامنا ہوگا لیکن جہنم کی آگ سے تو بچ جاؤں گا۔ بہر حال! یہ کوئی چھوٹا فیصلہ نہیں تھا۔ ابھی مجھ میں ایسا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

چنانچہ میں نے اپنا گھر تو نہیں چھوڑا؛ لیکن اپنے گھر سے کھانا پینا ضرور ترک کردیا۔ اب کیفیت یہ تھی کہ میرے گھر والے تو اپنے من پسند کھانے کھا رہے ہوتے اور میں دہی، پنیر اور روٹی وغیرہ لے کر کم سے کم پیسوں میں گزارا کررہا ہوتا؛ کیوں کہ میں اپنے والدین کے پیسے استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا۔

میری اس بدلی کیفیت پر والدہ بہت دکھی تھیں۔ میرے بغیر وہ بھی بادل نخواستہ ہی چند لقمے کھاتی تھیں۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ میں بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا کروں۔ وہ مجھے بڑے لاڈ پیار سے سمجھانے کی کوشش کرتیں۔ میں انھیں بڑے احترام و محبت بھرے انداز میں جواب دیتا: امی جان! آپ بھی جانتی ہیں کہ میرے باپ کا مال حرام ہے۔ اس میں سود کی آمیزش ہے۔ شراب ہمارے دسترخوان پر عام مشروب کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہ روش ہمیں جہنم میں لے جائے گی۔

آہستہ آہستہ والدہ بھی میرے ساتھ شامل ہوگئیں۔ اب انھوں نے نمازیں بھی پابندی سے اُدا کرنی شروع کردی۔ پھر میری بہن بھی ہمارے ساتھ آملی؛ لیکن میرے والد کا تکبر، ضد اور انا برقرار رہا۔ وہ اپنی اس روش کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

ہم نے ان کے ساتھ کبھی کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ ہمارا رویہ انتہائی مودبانہ تھا۔ ہم انھیں قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کے لیے رات کے آخری حصوں میں، قبولیت کی گھڑیوں میں دعائیں بھی کرتے رہے۔ آج بھی میرے کانوں میں اپنی والدہ اور بہن کی وہ التجائیں اور آہ وزاریاں گونج رہی ہیں۔

ایک دن صبح کے وقت میرے والد نے ہمارے سامنے آکر زاروقطار رونا شروع کردیا۔ پھر انھوں نے مجھے سینے سے لگالیا اور کہا: بیٹے! میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہر وہ کام چھوڑ دوں گا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

جب نماز کا وقت ہوا تو میں اور میرے والد دونوں مسجد میں گئے۔ پھر ہم نے باقاعدگی سے مسجد جانا شروع کردیا۔ ہم بڑی توجہ اور دلچسپی سے شیخ ابراہیم کے دروس وخطبات سنتے، جن کی تقاریر ہمارے لیے ہدایت اور رہنمائی کا باعث بنی تھیں۔ الحمدللہ! آج ہمارے گھر سے شراب کی نحوست، سود کی خباثت اور ناپسندیدہ چیزوں کا سایہ دور ہو چکا تھا۔ اب ہر کام میں ہمارا گھرانہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو مقدم رکھتا ہے۔

ماں کی دعا جنت کی ہوا

ایک بوڑھی عورت اپنے بیٹے کے ساتھ اکیلی رہتی تھی۔ وہ اکلوتا بیٹا ہی اس کی متاعِ حیات تھا۔ وہ بڑی نیک صالحہ خاتون تھی۔ نماز، نفلی روزے، قیام اللیل اور تلاوتِ قرآن ہی اس کے مشاغل تھے۔ وہ اپنے بیٹے کو بھی نیک وصالح دیکھنا چاہتی تھی؛ لیکن بیٹا اس کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ اس کی ساری پند ونصائح ایک کان سے سنتا اور دوسرے سے نکال دیتا۔ اس کا بیشتر وقت فلمیں اور ڈرامے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔

ماں بیاری ہر وقت کڑھتی رہتی۔ وہ جوان بیٹے کو کوئی سزا تو نہیں دے سکتی تھی۔ اس کے لیے سب سے کارگر ذریعہ دعا تھا، سو وہ اسے استعمال کر رہی تھی۔ وہ ہر نماز کے وقت اور رات کی تنہائیوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر اپنے بیٹے کی رشد و ہدایت کے لیے دعا کرتی رہتی۔

حسب معمول وہ ایک رات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور التجائیں کر رہی تھی۔ اسے اپنے بیٹے کے کمرے سے آواز سنائی دی۔ وہ جلدی سے اپنے بیٹے کے کمرے میں پہنچی۔ اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس کا بیٹا ٹی وی بند کر کے اسے کمرے سے باہر پھینک رہا تھا اور کہہ رہا تھا: یہ شیطان کا پھندا تھا جس میں پھنسا کر شیطان نے مجھے دین سے دور کر دیا۔

یہ سارا منظر دیکھ کر اس کی ماں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ یہ پہلے کی طرح پریشانی اور اضطراب کے آنسو نہیں تھے بلکہ یہ جذبۂ سپاس گزاری اور تشکر کا اظہار تھا، اور روحانی مسرت اور خوشی سے اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آج اس کی التجائیں سن لی تھیں۔ آج اسے اپنی شب بیداریوں اور ریاضتوں کا صلا مل رہا تھا۔ کیا خوب فرمایا ہے پروردگارِ عالم نے :

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○ (سورۃ بقرہ:۱۸۶/۲)

اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہیے کہ میری فرماں برداری اِختیار کریں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تاکہ وہ راہِ (مراد) پا جائیں۔

سات تسبیحات کا اِعجاز

سلیمان بن عبدالملک بنواُمیہ کا مشہور خلیفہ گزرا ہے۔ رجا بن سفیان بیان کرتے ہیں کہ سلیمان کو کسی نوجوان شخص کے بارے میں رپورٹ ملی کہ وہ اس کا شدید مخالف اور باغی ہوگیا ہے، اوراس کے خلاف بغاوت کی قیادت کرسکتا ہے۔

سلیمان نے اس کے قتل کا حکم صادر کردیا۔ پولیس کو حکم ملا کہ اسے زیادہ یا مردہ گرفتار کرلیا جائے۔ ادھر اس نوجوان کو بھی اطلاع مل گئی کہ اس کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوچکا ہے؛ چنانچہ وہ روپوش ہوگیا اور پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکنے لگے۔ ادھر پولیس بھی اس کی تلاش میں مختلف جگہوں پر چھاپے مارتی پھرتی تھی۔ وہ جہاں بھی جاتا اس کے واقف کار اسے بتاتے کہ پولیس تمہاری تلاش میں یہاں بھی آئی تھی۔

اب اس نے ایک ایسے علاقے میں جانے کا فیصلہ کرلیا جہاں پر امویوں کی علم داری ختم ہوجاتی تھی۔ وہ صحرا میں سفر کررہا تھا۔ دوراس نے دیکھا کہ ایک شخص مصلّٰی بچھائے نماز پڑھ رہا ہے۔ پہلے تو وہ ڈرا کہ کہیں یہ شخص اسے نقصان نہ پہنچائے۔ پھر اپنے آپ سے کہنے لگا کہ نہ تو تمہارے پاس سواری ہے نہ ہی نان ونفقہ جس کے چھن جانے کا تمہیں ڈر ہو۔

اس کی خشوع وخضوع والی لمبی نماز دیکھ کر اس کے ساتھ شریک ہوگیا، اوراس کی اقتدا میں دو رکعت نماز اَدا کرنے لگا۔ جو شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے جب سلام پھیرا تو اس کی طرف مڑکر کہنے لگا: اللہ کے بندے تم کون ہو؟ اور کہاں مارے مارے پھر رہے ہو؟۔ اس نے کہا: خلیفہ کی پولیس میرے پیچھے لگی ہوئی ہے، کوئی مجھے پناہ دینے کی حامی نہیں بھر رہا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں کمزور نوجوان اور بے وسائل انسان ہوں۔ کہنے لگا: تمہیں سات تسبیحات سے کس نے روکا ہے؟۔ میں نے پوچھا: سات تسبیحات سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کہنے لگا: تم یوں کہو:

سُبْحَانَ الْوَاحِدِ الأَحَدِ الَّذِيْ لَيْسَ غَيْرُه اِلٰهٌ ، سُبْحَانَ الدَّائِمِ الَّذِيْ لاَ نَفَادَ لَهُ ، سُبْحَانَ الْقَدِيْمِ الَّذِيْ لاَ بَدْءَ لَهُ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ يُحْيِيْ

وَيُـمِيـتُ ، سُبْـحَـانَ الـلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأنٍ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ خَلَقَ مَا يُرىٰ وَمَا لا يُرىٰ ، سُبْحَانَ الَّذِيْ عَلِمَ كُلَّ شَيْءٍ بِغَيْرِ تَعْلِيْمٍ .

یعنی پاک ہے وہ جو ایک اکیلا ہے اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ پاک ہے وہ جو ہمیشہ رہنے والا ہے، اسے کبھی فنا نہیں۔ پاک ہے وہ جو ازل سے ہے اور اس کی کوئی ابتدا نہیں۔ پاک ہے وہ جو زندگی عطا کرتا اور موت دیتا ہے۔ پاک ہے اللہ جو ہر روز ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔ پاک ہے اللہ جس نے ہر نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی شے کو پیدا فرمایا۔ پاک ہے وہ جس نے ہر چیز کو بغیر کسی سے سیکھے ہوئے جان لیا۔

میں اس کے پیچھے پیچھے دعا کے ان الفاظ کو دہراتا رہا حتیٰ کہ یہ مجھے حفظ ہو گئے۔ وہ شخص وہاں سے روانہ ہو گیا اور یہ دعا مسلسل مانگنے سے مجھے اطمینان اور سکون میسر آ گیا۔ دل سے خوف اور ڈر ختم ہو گیا۔ حوصلہ پا کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے ہر حالت میں اپنے گھر والوں کے پاس واپس جانا ہے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں نے واپسی کا سفر اختیار کیا۔ جب میں اپنے گھر واپس پہنچ گیا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ چلو تم خلیفہ سلیمان بن عبدالملک سے ملاقات کرو جو ہو گا دیکھ لیں گے۔

اب میں دل کڑا کر کے سلیمان بن عبدالملک کی ملاقات کے لیے دیوان میں آیا تو وہ ایسا دن تھا جس روز کوئی بھی خلیفہ سے عام ملاقات کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں ایک ملاقاتی کے روپ میں اس کے دربار میں پہنچ گیا۔

خلیفہ ایک اونچی جگہ پر مسند لگائے بیٹھا ملاقاتیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں اس کے قریب آ جاؤں۔ میں اس کے قریب ہوا تو اس نے اشارہ کیا کہ مزید قریب آ جاؤ۔ میں اپنی جگہ سے کھسکتا رہا اور وہ مسلسل مجھے اشارے سے مزید قریب کرنے کے لیے کہتا رہا حتیٰ کہ میں اس کی مسند کے پاس پہنچ گیا۔ اب اس نے اشارہ کیا کہ آگے بڑھو اور میرے ساتھ مسند پر بیٹھ جاؤ۔ میں ہمت کر کے اس کی مسند پر بیٹھ گیا۔

خلیفہ مجھ سے کہنے لگا: لگتا ہے کہ تم جادوگر ہو جس نے مجھ پر جادو کر دیا ہے اور اس کے

ساتھ ساتھ مجھے تمہارے بارے میں خطرناک اطلاعات ملی ہیں کہ تم میرے باغی ہو۔ میں نے کہا: امیرالمومنین! میں نہ تو جادوگر ہوں، نہ جادو سے میرا کوئی واسطہ ہے، نہ ہی میں نے آپ پر کوئی جادو کیا ہے!۔

خلیفہ کہنے لگا: یہ کیسے ممکن ہے؟ میں تمہیں قتل کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا تھا۔تم میرے باغی ہو اور باغی کی سزا قتل ہے؛ مگر جب تمہیں اپنے دربار میں دیکھا تو صبر نہ کرسکا اور تمہیں مسلسل اپنے قریب بلاتا رہا حتیٰ کہ تم اب میرے ساتھ مسند پر بیٹھے ہو۔ یہ جادو نہیں تو اور کیا ہے؟۔

خلیفہ کہنے لگا: سچ سچ بتاؤ کہ ماجرا کیا ہے؟۔تب میں نے اسے صحرا میں ملنے والے شخص اور اس کی دعا کے بارے میں بتایا اور کہا کہ یہ دعا کی برکت وقبولیت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے لیے مسخر کردیا ہے۔خلیفہ نے یہ سن کر نہ صرف مجھے معاف کردیا بلکہ ڈھیروں انعام اور خلعتِ شاہی دے کر روانہ کیا۔

بوسیدہ ہڈیاں

ایک نوجوان لوگوں میں 'دینار العیار' کے نام سے معروف تھا۔ دھوکہ دہی، فراڈ اور فسق وفجور ہی اس کے مشاغل تھے۔اس کی والدہ ہر وقت اسے سمجھاتی رہتی؛ لیکن وہ والدہ کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتا۔

ایک دن اس کا گزر ایک قبرستان سے ہوا۔ اسے ایک بوسیدہ ہڈی نظر آئی۔ اس نے بوسیدہ ہڈی کو پکڑا تو وہ بکھر گئی۔اسے یہ دیکھ کر دھچکا سا لگا کہ یہ بھی میری طرح ایک انسان تھا۔ یہ بھی میری طرح سانس لیتا، چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا تھا۔آج یہ خاک بن چکا ہے۔کل مجھے بھی اسی طرح مرکر مٹی میں مل جانا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ دوبارہ اس خاک میں روح ڈال کر اٹھائے گا اور گزری ہوئی زندگی کے متعلق پوچھے گا تو میں کیا جواب دوں گا۔ یہ تو ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔

اس نوجوان کو اپنی سابقہ زندگی پر بڑی سخت ندامت ہوئی اور اس نے توبہ کرنے کا پختہ

عزم کرلیا۔اس نے آسمان کی طرف اپنا منہ اُٹھایا اور کہا :

إلٰهي إليک مقاليد أمري، فاقبلني وارحمني .

اے اللہ! میرا سارا معاملہ تیرے سپرد ہے۔میری توبہ قبول فرما اور مجھ پر رحم فرما۔

پھر وہ اپنی والدہ کے پاس گیا۔اس کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔اپنی والدہ سے پوچھنے لگا: اماں جان! اگر کسی بھاگے ہوئے غلام کو اس کا مالک پکڑ لے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ اس کی والدہ نے بتایا کہ وہ اسے بیڑیوں میں باندھ کر رکھتا ہے۔اسے کمتر لباس اور کھانا فراہم کرتا ہے۔اس نے اپنی والدہ سے کہا: میں بھی خود کو ایک بھاگے ہوئے غلام کی طرح اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں تا کہ وہ میری نافرمانی اور سرکشی سے درگزر کردے۔مصطفٰی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس گناہ گار کے آنے سے کتنی خوشی ہوتی ہے۔فرمایا :

> ایک بندہ کسی بیابان ریگستان میں سفر کررہا ہے۔اس کے پاس محدود سا کھانے پینے کا سامان اور ایک سواری ہے۔ایک جگہ وہ آرام کے لیے ٹھہرتا ہے۔جب وہ سو کر اُٹھا تو اس کی سواری سامان سمیت غائب ہوتی ہے۔اب وہ فکرمند ہوجاتا ہے۔میں سواری کے بغیر اس لق ودق صحرا کو کیسے عبور کروں گا۔کھائے پیے بغیر کیسے زندہ رہوں گا؟۔شاید اب اس صحرا میں سسک سسک کر مرنا ہی میرا مقدر ہے۔
>
> وہ شخص انتہا درجے کی مایوسی کا شکار ہوجاتا ہے۔آپ اس کیفیت پر غور کریں اور سوچیں اگر اس شخص کو اچانک کھانے پینے کا سامان بھی مل جائے، سواری بھی مل جائے تو وہ کس قدر خوش ہوگا!۔تو اسی طرح جب کوئی نافرمان بندہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے!۔(۱)

وہ شمع کیا بجھے جسے......!!!

دنیا میں حاسدین کی کمی نہیں، بعض لوگوں کو دوسروں کی خوشیاں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔وہ

(۱) موقع مجلة الشباب۔

ان سے کسی طریقے سے ان نعمتوں اور آسایشوں کو چھیننا چاہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل واقعہ ایک اموی نوجوان رئیس کا ہے جو حاسدین کی نگاہ میں آ گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاؤں کو سن لیا اور اس سے آزمائش کو ہٹالیا۔ امر واقعہ یوں ہے :

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید کو اطلاع دی گئی کہ دمشق میں ایک آدمی کا سراغ ملا ہے جو بنو اُمیہ کی باقیات میں سے ہے۔ وہ نہایت دولت مند، صاحب ثروت اور علاقے کا بااثر رئیس ہے۔ غلاموں کی فوج اس کی خدمت کے لیے حاضر رہتی ہے۔ اس کے بیٹے گھڑسواری میں اور آلات حرب وضرب کے استعمال میں ماہر ہیں۔ غلاموں کی فوج ان کی قیادت میں آگے بڑھتی اور رومیوں پر حملہ آور ہوتی ہے۔ وہ آدمی نہایت دریادل اور شاہ خرچ بھی ہے۔ اس کا دسترخوان بے حد وسیع ہے۔ وہ دربارِ خلافت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

یہ اطلاع پا کر ہارون الرشید کو نہایت فکر لاحق ہوئی۔ یہ ۸٦ ہجری کی بات ہے۔ ہارون الرشید حج سے واپسی پر کوفہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ امین، مامون، اور موتمن کی ولی عہدی کی بیعت بھی اس نے وہیں لی تھی۔

'منارہ' - جو اس واقعے کا راوی ہے - کہتا ہے کہ ہارون الرشید نے مجھے تخلیہ میں یاد کیا۔ میں حاضر ہوا تو مجھ سے کہا: میں نے تمھیں بڑی اہم بات کے لیے بلایا ہے۔ مارے پریشانی کے میری تو راتوں کی نیند حرام ہوگئی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے بنو اُمیہ کے اس نوجوان رئیس کے متعلق پوری تفصیل بتائی۔

اس نے کہا: سو شتر سواروں کے ہمراہ ابھی دمشق روانہ ہو جاؤ۔ میرا یہ خط اس اموی رئیس کو دینا۔ یہ بیڑیاں بھی لیتے جاؤ۔ اس اموی کے ہاں جانا۔ وہ بات سنے اور تابع فرمان ہو تو اسے یہ بیڑیاں پہنانا اور میری خدمت میں حاضر کرنا۔ نہ مانے تو امیر دمشق کو ساتھ ملانا اور اسے اٹھا کر لے آنا۔

تمہارے پاس تیرہ دن ہیں۔ ان میں چھ دن جانے کے، چھ دن آنے اور ایک دن وہاں قیام کے لیے ہے۔ ہاں! یہ رہا محمل۔ اس کے ایک طرف تم خود بیٹھنا اور دوسری طرف اسے

بٹھانا۔ اس کی نگرانی بذاتِ خود کرنا، کسی اور کو مت سونپنا۔ یہاں سے روانگی کے بعد چودھویں دن تمھیں واپس یہاں ہونا چاہیے۔

اس کی حویلی میں جا کر ہر چیز غور سے دیکھنا۔ یہ دیکھنا کہ گھر میں کون کون رہتا ہے، اس کے حاشیہ بردار کتنے ہیں، نوکر چاکر، اور غلام کتنی تعداد میں ہیں۔ یہ بھی دیکھنا کہ وہ کتنی آسودگی میں ہے؟ وہ جو کچھ کہے، حرف بحرف یاد رکھنا۔ دیکھنا کوئی شے رہ نہ جائے۔

منارہ کہتے ہیں کہ میں نے ہارون الرشید کو الوداع کہا اور روانہ ہو گیا۔ ہم اونٹوں پر سوار ہوئے اور منزلیں طے کرتے ہوئے چلتے گئے۔ صرف نماز پڑھنے کے لیے سواریوں سے اُترتے، قضائے حاجت کے لیے پڑاؤ کرتے یا ستانے کے لیے۔

چھٹے روز دن ڈھلے ہم دمشق جا پہنچے۔ شہر کی فصیل کے دروازے بند تھے۔ ہم نے دستک دینی مناسب نہ سمجھی اور شہر کے باہر ہی پڑ رہے۔ صبح سویرے دروازہ کھلا تو ہم سفر کے لباس میں ہی شہر میں داخل ہو گئے۔

میں فوری طور پر شہر کے بیچوں بیچ واقع اموی کی حویلی پہنچا۔ حویلی کے اِرد گرد سائبان کھڑے تھے۔ سائبانوں میں اس رئیس کے حاشیہ بردار محو استراحت تھے۔ میں اجازت لیے بغیر حویلی میں جا گھسا۔ دربانوں نے مجھے روکنا چاہا تو میرے ہمراہیوں نے انھیں بتایا کہ یہ امیر المومنین کا ایلچی 'منارہ' ہے۔

اس پر دربانوں نے میرا راستہ چھوڑ دیا۔ حویلی کے آنگن میں پہنچا تو ایک طرف چند لوگ بیٹھے دکھائی دیے۔ میں ان کی طرف بڑھا۔ وہ مجھے اجنبی دیکھ کر میرے استقبال کو اُٹھے اور میرا خیر مقدم کیا۔ میں نے اموی کے بارے میں دریافت کیا کہ فلاں صاحب آپ میں موجود ہیں۔ وہ بولے نہیں، ہم تو ان کے بیٹے ہیں۔ وہ اس وقت حمام میں غسل کر رہے ہیں۔ میں نے کہا: انھیں ذرا بلا دیجیے۔ میں ان کی ملاقات کو بڑی دور سے آیا ہوں۔

ایک لڑکا اموی کو بلانے دوڑا۔ میں نے اتنے میں حویلی کا اور حویلی کے باسیوں کا گہرا جائزہ لیا۔ میں نے دیکھا کہ حویلی باشندوں سے بھری پڑی تھی۔

خاصی دیر بعد بنواُمیہ کا وہ رئیس باہر آیا۔ میں نے سمجھا کہ شاید ڈر کے مارے وہ چھپ گیا ہو؛ مگر میں نے دیکھا کہ وہ اس شان سے باہر آیا کہ نہایت خوبصورت کپڑوں میں ملبوس تھا اور نوکروں کی اچھی خاصی تعداد اس کے ہمراہ تھی۔ میں اس کے ٹھاٹ باٹ دیکھ کر ہی جان گیا کہ بنو امیہ کا یہی وہ رئیس ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ وہ میری طرف آیا۔ آہستہ سے سلام کیا اور شاہانہ انداز سے کرسی پر بیٹھ گیا اور مجھ سے امیر المومنین کا حال احوال دریافت کیا۔ میں نے رسمی جواب دیا۔

ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ پھلوں کی ٹوکریاں لا کر ہمارے سامنے رکھ دی گئیں۔ وہ بولا! منارہ! آگے آؤ، پھل کھاؤ۔ میں نے شکریہ کے ساتھ معذرت کر لی۔ اس نے بھی اصرار کرنے کی بجائے خود کھانا شروع کر دیا۔ اس کے حاشیہ بردار بھی کھانے لگے۔ پھل کھانے کے بعد اس نے ہاتھ دھوئے اور کھانا لگانے کا حکم دیا۔ پر تکلف خوانِ نعمت حاضر کیا گیا۔ رنگا رنگ کھانوں کے لحاظ سے اس کا دستر خوان کسی خلیفہ کے دستر خوان سے کم نہیں تھا۔

مجھ سے کہنے لگا: منارہ! آؤ بھئی، کھانے میں ہمارا ہاتھ بٹاؤ۔

خلیفہ کی طرح وہ بھی مجھے میرے نام سے پکارتا تھا۔

میں نے کھانے سے بھی معذرت کر لی۔ اس نے بھی اصرار نہیں کیا۔

وہ خود، اس کے نو بیٹے، ان کے بیٹے، مصاحبانِ خاص اور حاشیہ بردار کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے اس کا کھانے کا انداز ملاحظہ کیا تو دیکھا کہ وہ بادشاہوں کی طرح کھانا کھاتا ہے۔ وہ نہایت اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا۔ بظاہر اسے کچھ پریشانی نہیں تھی۔

کھانے کے شروع ہوتے ہی حویلی میں جو ہلچل سی مچی تھی وہ تھم گئی۔ میں جب حویلی میں آیا تھا تو حویلی کے غلاموں نے میرے اونٹوں کی نکیلیں پکڑ لی تھیں اور میرے ساتھیوں کو اونٹوں سمیت دوسری حویلی میں جا ٹھہرایا تھا۔ میں یہاں اکیلا رہ گیا تھا۔ میرے ساتھ محض چھ یا سات ہی لوگ تھے۔

میں نے سوچا: یہ رئیس تو بڑا زبردست آدمی ہے۔ میں بذاتِ خود اسے گرفتار نہیں کر پاؤں

گا، لگتا ہے امیر دمشق کی مدد لینی پڑے گی۔ اموی رئیس کو تو میری پرواہی نہیں تھی۔ وہ مجھے میرے نام سے پکارتا تھا۔ میں نے دوبار کھانے سے انکار کیا تو بھی اس نے کچھ توجہ نہیں کی اور اطمینان سے کھانے میں مصروف ہوگیا۔ نہ یہ پوچھتا ہے کہ میں اس کے پاس کس مقصد سے آیا ہوں۔ مجھے تو شدید گھبراہٹ ہونے لگی۔

میں انھیں سوچوں میں غلطاں و پیچاں تھا کہ اس نے کھانا کھا کر ہاتھ دھوئے اور لوبان منگایا۔ لوبان کی دھونی لے کر وہ نماز کے لیے جا کھڑا ہوا۔ اس نے نہایت خشوع وخضوع سے ظہر کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد دیر تک دعا کرتا رہا۔ محراب سے پلٹا تو میری طرف آیا۔ دریافت کیا: منارہ کس مقصد سے آئے ہو؟۔

میں نے کہا: امیر المومنین کا فرمان ہے آپ کے لیے۔ یہ کہہ کر میں نے خط نکالا اور اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے خط کی مہر اُتاری اور خط پڑھا۔ اپنے بیٹوں کو اور حاشیہ برداروں کو بلایا۔ میں نے سمجھا کہ اب یہ مجھے پٹوائے گا۔

وہ سب آ چکے تو اس نے حکم دیا کہ بکھر جاؤ۔ متفرق ہو جاؤ۔ دو آدمی ایک جگہ اکٹھے نہ رہیں۔ اپنے اپنے گھروں میں رہو۔ کوئی آدمی تا حکم ثانی گھر سے باہر نہ نکلے۔

پھر امیر المومنین کا خط دکھلا کر کہا: یہ امیر المومنین کا خط ہے۔ انھوں نے مجھے اپنے ہاں بلایا ہے۔ میں ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر روانہ ہو جانا چاہتا ہوں۔ میرے بعد تمام لوگوں کا خیال رکھنا۔ کوئی غلام میرے ساتھ نہ آئے۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا کہ منارہ! لاؤ، اپنی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں۔

میں نے بیڑیاں منگائیں۔ لوہار کو بلوایا گیا۔ اموی رئیس نے ٹانگیں پھیلائیں۔ لوہار نے بیڑیاں پہنا دیں۔ میں نے غلاموں کو حکم دیا کہ رئیس کو اُٹھا کر محمل میں بٹھا دیں۔ میں محمل کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ دوسری طرف رئیس کو بٹھا دیا گیا۔ ہم فوراً روانہ ہوگئے۔ میں نہ امیر دمشق سے ملا نہ کسی اور سے۔ ہم دمشق کے باہر پہنچے تو وہ بڑی خوش دلی سے باتیں کرنے لگا۔ غوطہ کا کوش نما باغ نظر آیا تو وہ کہنے لگا: یہ باغ دیکھ رہے ہو؟۔

میں نے کہا: ہاں! دیکھ رہا ہوں۔

اس نے مسکرا کر کہا: یہ باغ میرا ہے، اور اس میں بڑے نایاب درخت ہیں۔

میں حیران ہوا۔ چند قدم آگے ایک اور باغ تھا۔ وہ بھی اس کے بقول اسی کا تھا۔ موضع حسان کے کھیتوں اور سریہ کی بستیوں میں پہنچے تو بنو امیہ کے اس رئیس نے کہا کہ یہ سب کچھ بھی میرا ہے۔ اس نے ایک ایک کھیت اور بستیوں کی ایک ایک عمارت کا احوال بیان کیا۔

میری حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا: مجھے تو آپ کے طرزِ عمل بری حیرت ہو رہی ہے۔

وہ بولا: حیرت کیوں کر ہو رہی ہے؟۔

میں نے کہا: کیا آپ نہیں جانتے، آپ کے متعلق خبر پا کر امیر المومنین کو بے حد پریشانی ہوئی تھی۔ انھوں نے مجھے روانہ کیا کہ آپ کو ہر صورت گرفتار کر لاؤں۔ آپ پھر بھی بے فکر ہیں۔ مزے سے اپنے باغات اور اپنی اراضی کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ میں تو آپ کو بہت عقل مند سمجھا تھا۔

وہ ہنس کر بولا: منارہ! تم نے مجھے ٹھیک طرح سے نہیں پہچانا۔ میں نے سوچا تھا تم خلفا کے مصاحب رہے ہو، کامل العقل ہو گے؛ لیکن اب پتا چلا کہ عام آدمی کی عقل میں اور تمہاری عقل میں کچھ خاص فرق نہیں!۔

جہاں تک تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ امیر المومنین میری وجہ سے پریشان ہوئے تھے اور انھوں نے تمہیں مجھ کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا، مجھے اس معاملے میں اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ ہے۔ تمام معاملات کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس نے نہیں چاہا تو امیر المومنین میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ اگر اس نے چاہا ہے کہ امیر المومنین کے ہاتھ میرے خون سے رنگین ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے قتل ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ بس یہی بات مجھے اطمینان دلاتی ہے۔ اب جب کہ مجھے تمہارے مبلغ علم کا حال معلوم ہو چکا ہے تو میں تم سے راستہ بھر کوئی بات نہیں کروں گا۔

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔ اور اس نے واقعتاً راستہ بھر کوئی بات نہیں کی۔ راستہ بھر وہ قرآن کی تلاوت کرتا، تسبیح وتہلیل اور دعاؤں میں مصروف رہا۔ اپنے رب تعالیٰ سے عافیت کی دعائیں مانگتا رہا۔

تیرہویں روز ظہر کے بعد ہمیں شہر کوفہ کے مضافاتی مکان دکھائی دینے لگے۔ ہم امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ سارا ماجرا حرف بحرف سناؤ۔

چنانچہ میں نے تمام ماجرا اور اموی رئیس کی تمام باتیں حرف بحرف بیان کرڈالیں۔ محمل میں باتیں ہوئیں وہ بتائیں تو امیر المومنین نے کہا: ہاں، واقعی اس نے بالکل ٹھیک کہا۔ یہ آدمی بلاشبہہ قابل تکریم ہے۔ ہم نے اسے ناحق زچ کیا۔

بیڑیاں کھول کر اموی رئیس کو امیر المومنین کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ امیر المومنین شرمندہ شرمندہ سے تھے۔ اموی رئیس آگے بڑھا اور سلامِ خلافت پیش کیا۔ امیر المومنین نے اسے اپنے قریب بٹھایا۔ حال احوال دریافت کیے اور کہا: میں بے حد شرمندہ ہوں۔ ہم نے آپ کو ناحق تکلیف دی۔ آپ کی کوئی حاجت ہو تو بیان کیجیے۔

اموی رئیس نے جواباً بہت مناسب باتیں کہیں۔ امیر المومنین کا شکریہ اَدا کیا اور کہا: مجھے واپس اپنے علاقے میں جانے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔

امیر المومنین نے باصرار کہا: پھر بھی کوئی ضرورت ہو تو بتایئے۔ آپ علاقے کے رئیس ہیں، کوئی نہ کوئی ضرورت تو پڑ ہی سکتی ہے۔

اس نے کہا: امیر المومنین! آپ کے عامل بڑے منصف مزاج ہیں۔ وہ ہماری تمام ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

ہارون الرشید نے اسے الوداع کہتے ہوئے کہا کہ جایئے، صحیح سلامت اپنے وطن پہنچ جایئے۔ کبھی کوئی ضرورت ہو تو خط لکھ کر ضرور بتایئے گا۔

مجھ سے فرمایا: منارہ! اموی رئیس کو صحیح سلامت ان کے وطن پہنچا دو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور اموی رئیس کے ہمراہ ایک مرتبہ پھر دمشق روانہ ہوگیا۔(۱)

(۱) الفرج بعد الشدۃ، تنوخی: ۲/۳۴۔

سچی توبہ!

علامہ ابن جوزیؒ مسلم ابن ابراہیم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان شخص مشہور عابد وزاہد حبیب فارسی کے پاس آیا، اور بڑے تکبر اور رعب سے کہنے لگا: میری بات سنو! حبیب فارسی نے کہا: بتاؤ! کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میرے تین سو درہم تم پر واجب الادا ہیں، فوراً ادا کردو؛ ورنہ میں قاضی کی عدالت میں تمہارے خلاف مقدمہ دائر کروں گا، اور تمہیں لوگوں میں رسوا کردوں گا۔

حبیب فارسی کہنے لگے: میرے عزیز! میرے اور تمہارے درمیان آج تک کبھی کوئی ملاقات ہی نہیں ہوئی، کوئی لین دین ہوا نہ کبھی میں نے تم سے کوئی قرض لیا۔ تم مجھ سے تین سو درہم کیوں طلب کررہے ہو؟ تمہارا مطالبہ سراسر ظلم وزیادتی ہے۔

وہ شخص بولا: تمہیں یہ تین سو درہم دینے پڑیں گے، کان کھول کر سن لو، میں ہر صورت میں یہ رقم لے کر رہوں گا۔ حبیب فارسی نے اس سے کہا: تم کل تک اپنے مطالبے پر دوبارہ غور کرلو، کیا واقعی تمہیں مجھ سے یہ رقم لینی ہے۔ ادھر میں بھی سوچتا ہوں، گھر میں اپنے اوراق دیکھتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ میں بھول چکا ہوں اور مجھے میرے اوراق میں کوئی ایسی تحریر مل جائے جو تمہاری بات کی تصدیق کرے؛ تاہم میری یادداشت کے مطابق میرا تمہارا لین دین کا کبھی کوئی معاملہ نہیں ہوا۔

حبیب فارسی اپنے گھر تشریف لائے اور سارے حسابات کو دیکھا بھالا، ایک ایک ورق کی جانچ پڑتال کی مگر کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس شخص کے دعوے کی تصدیق ہوتی ہو۔ یہ مستجاب الدعوات شخص تھے۔ آدمی رات کے بعد انھوں نے وضو کیا، مصلے پر کھڑے ہوئے۔ دو رکعت نماز پڑھی، پھر اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا دیے اور دعا مانگی :

'اے اللہ! اگر یہ شخص اپنے قول میں سچا ہے تو پھر مجھے اس کا حق واپس کرنے کی توفیق عطا فرما، اور اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کے ہاتھ شل کردے تاکہ لوگوں کو میرا سچ اور

اس کا جھوٹ معلوم ہو جائے‘۔

اگلا دن طلوع ہوا تو اچانک ایک بھیانک منظر نظر آیا۔ اس نوجوان کو لوگوں نے اپنے کندھوں پر اُٹھایا ہوا تھا کیوں کہ اس پر فالج کا حملہ ہوا تھا اور اس کا آدھا جسم بالکل شل ہو گیا تھا۔ اس شخص نے آتے ہی حبیب فارسی سے کہا: کیا آپ نے پہچانا؟۔ میں وہی شخص ہوں جس نے کل آپ سے دھونس، دھاندلی اور زیادتی کرتے ہوئے تین سو درہم مانگے تھے۔ سچ مچ وہ میرا حق نہیں تھا جو میں آپ سے مانگ رہا تھا، نہ میں نے آپ کو بطورِ امانت دیے، نہ آپ نے مجھ سے کوئی قرض لیا، نہ میرا آپ سے کوئی لین دین تھا، بس میرے جی میں آئی کہ آپ چونکہ ایک معروف اور شریف آدمی ہیں، لوگوں میں آپ کی بڑی عزت وشہرت ہے؛ اس لیے آپ میری دھمکی میں آجائیں گے اور اپنی عزت بچانے کے لیے میرا مطالبہ پورا کردیں گے۔

حبیب فارسی نے اس سے کہا: کیا تم دوبارہ ایسی حرکت کرو گے؟ مجھے یا کسی اور مسلمان کو اسی طرح ناجائز تنگ کرو گے اور اس سے غلط اور ناحق مطالبہ کرو گے؟ اس نے کہا: ہرگز نہیں، میں توبہ کرتا ہوں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

حبیب فارسی نے دوبارہ بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھادیے اور نہایت لجاجت سے عرض کرنے لگے:

اللّٰهم إن كان صادقا فالبسه العافية .

اے اللہ! اگر یہ اپنے قول وقرار میں سچا ہے تو اسے شفایاب کردے۔

یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ وہ شخص یک دم اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کا مفلوج بدن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے کسی علاج کے بغیر ہی ٹھیک کردیا، پھر وہ یوں چلنے لگا جیسے اسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔(۱)

(۱) مختصر تاریخ دمشق: ۸۲۸/۱۔

اللہ! مجھے تنہا نہ چھوڑنا

ایک نوجوان اپنا حال بیان کرتا ہے کہ میری شادی کو سات برس بیت چکے تھے۔ میری بیوی بہت خوبصورت اور خوب سیرت تھی۔ مال و دولت کی بھی فراوانی تھی۔ زندگی بڑی آسودگی اور راحت کے ساتھ رواں دواں تھی؛ لیکن دل میں ایک کسک تھی۔ ایک شدید قسم کی محرومی کا احساس تھا۔ ہم اب تک اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ علاج کے لیے بہت سے ڈاکٹروں کے پاس گئے۔ بہت سی ادویات استعمال کیں، نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ بیرونِ ملک بھی علاج کروایا۔ کوئی ڈاکٹر اپنی تشخیص میں مجھے اس بانجھ پن کا ذمہ دار ٹھہراتا تو کوئی کہتا کہ میری بیوی بانجھ ہے۔ علاج کے دعوے تو بہت کیے گئے؛ لیکن مقصد حاصل نہ ہوسکا۔

یہ محرومی ہمارے اعصاب پر اس قدر سوار تھی کہ گھر میں ہماری گفتگو کا زیادہ تر حصہ اسی موضوع کے متعلق ہوتا۔ جو شخص بھی کسی ڈاکٹر یا طبیب کے متعلق ہمیں بتلاتا ہم بلا تاخیر اس کے پاس پہنچ جاتے؛ لیکن گوہر مقصود کہیں سے بھی ہاتھ نہ لگا۔ اب مجھے ایسے لگا کہ ہم دونوں میاں بیوی نفسیاتی مریض بنتے جارہے تھے۔

ایک شام میں سڑک پار کررہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک عمر رسیدہ شخص بھی سڑک پار کرنا چاہ رہا ہے۔ اس کی بینائی کمزور تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑلیا اور اپنے ساتھ اسے سڑک پار کروانے لگا۔ جب ہم نے ایک سڑک پار کرلی اور دو سڑکوں کے درمیان بنے ہوئے فٹ پاتھ پر کھڑے ہوکر اگلی سڑک کے خالی ہونے کا انتظار کرنے لگے تو اس بزرگ شخص نے مجھ سے پوچھ لیا: میاں! تمھاری شادی ہوئی یا نہیں؟ میں نے جواب دیا: جی ہاں ہوچکی ہے۔

تمھارے کتنے بچے ہیں؟ باباجی! میری شادی کو سات سال ہوچکے ہیں؛ لیکن ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہوں۔ میں نے علاج کے لیے دنیا جہان کی خاک چھان ماری ہے۔ کوئی ڈاکٹر اور حکیم نہیں چھوڑا؛ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

وہ بزرگ مشفقانہ لہجے میں بولے: بیٹا! تم نے اصل مقام پر تو رابطہ کیا ہی نہیں۔ میرا معاملہ

بھی تمہاری ہی طرح تھا۔شادی کے بعد کئی سال تک میرے ہاں بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی؛لیکن میں نے اُمید کا دامن نہیں چھوڑا،اور ہر نماز میں یہ دعا کرتا رہا جو حضرت زکریا علیہ السلام نے مانگی تھی تو انھیں حضرت یحیٰ علیہ السلام سے نوازا گیا تھا :

رَبِّ لاَ تَـذَرْنِیْ فَـرداً وَأَنْتَ خَیْرُ الْـوَارِثِیْنَ o

اے میرے رب! مجھے تنہا نہ چھوڑا اور تو ہی بہترین وارث ہے۔

بچی پیدا ہوئی تو ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔اب ہر وقت ہمارے ہونٹوں پر یہ دعا رہتی ہے :

رَبَّـنَـا هَـبْ لَـنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا o

اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقین کا امام بنا۔(۱)

میں اپنا ثواب نہیں بیچوں گا

یعقوب بن جعفر بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ عموریہ کی جنگ میں وہ معتصم کے ساتھ تھے۔عموریہ کی جنگ کا پس منظر بھی انتہائی دلچسپ ہے۔ایک پردہ دار مسلمان خاتون عموریہ کے بازار میں خریداری کے لیے گئی۔ایک عیسائی دکان دار نے اسے بے پردہ کرنے کی کوشش کی اور اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ وہاں پر موجود ایک مسلمان آگے بڑھا تو عیسائی دکانداروں نے مل کر اسے قتل کردیا۔عورت نے بے بسی کے عالم میں پکارا :

وا مُعْتَصِمَاه .

ہائے معتصم! میری مدد کے لیے پہنچو۔

(۱) الزمن القادم،عبدالملک القاسم:۶۱،۶۴۔

سب دکاندار ہنسنے لگے، اوراس کا مذاق اُڑانے لگے کہ سینکڑوں میل دور سے معتصم تمہاری آواز کیسے سنے گا؟۔ایک مسلمان یہ منظر دیکھ رہا تھا۔اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا: میں اس کی آواز کو معتصم تک پہنچاؤں گا۔وہ بغیر رکے دن رات سفر کرتا ہوا معتصم تک پہنچ گیا اور اسے یہ ماجرا سنایا۔یہ سننا تھا کہ معتصم کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔وہ بے چینی سے چکر لگانے لگا اور اپنی تلوار ہاتھ میں لے کر اونچی آواز میں چلانے لگا :

لبیک یا أختاه ، لبیک یا أختاه .

میری بہن میں حاضر ہوں۔میری بہن میں حاضر ہوں۔

اس نے فوراً لشکر تیار کرنے کا حکم دے دیا اور اتنا بڑا لشکر تیار کیا کہ اسلامی تاریخ میں اس سے پہلے اتنے بڑے لشکر کی مثال نہیں ملتی۔

یعقوب بن جعفر کہتے ہیں کہ فوجیوں کو پانی کی ضرورت پڑی تو معتصم نے چمڑے کے حوض بنا کر دس میل تک پھیلا دیے اور ان میں وافر مقدار میں پانی فراہم کردیا۔پھر پانی کی فراہمی کے اس سلسلے کو عموریہ تک وسعت دے دی۔مسلمانوں کی آمد سے خوف زدہ ہوکر رومی قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے۔

مسلمانوں نے عموریہ کا محاصرہ کرلیا۔ایک بدبخت رومی ہر روز فصیل پر نمودار ہوتا۔عربی زبان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ونسب ذکر کرکے گالیاں دیتا۔مسلمانوں میں شدید اشتعال پھیل گیا۔وہ اتنے فاصلے پر تھا کہ مسلمانوں کے تیر وہاں تک نہ پہنچ پاتے۔مجبوراً اسے اس کے انجام سے دوچار کرنے کے لیے قلعہ کے فتح ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔جب کہ مسلمانوں کی خواہش تھی کہ ایک لمحہ سے پہلے اسے جہنم رسید کردیا جائے۔

یعقوب بن جعفر کہنے لگے: ان شاءاللہ میں اس گستاخِ رسول کو واصلِ جہنم کروں گا۔انھوں نے تاک کر ایسا تیر مارا جو سیدھا اس کی شاہ رگ میں گھس گیا، وہ تڑپا، گرا اور واصلِ جہنم ہوگیا۔مسلمانوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، اور ان میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔معتصم بھی بہت خوش ہوا۔اس نے کہا: تیر مارنے والے کو میرے پاس لایا جائے۔

چنانچہ یعقوب بن جعفر معتصم کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: اپنا مکمل تعارف پیش کیجیے۔ یعقوب نے اپنا نام ونسب اور خاندانی پس منظر بتایا۔ یہ سن کر معتصم بہت خوش ہوا کہ یعقوب کا تعلق بھی بنوعباس سے ہے، اور کہا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس عظیم کام کا اجر بھی بنوعباس کے ایک فرد کے لیے مختص کیا ہے۔

پھر معتصم کہنے لگا: گستاخِ رسول کو جہنم رسید کرنے کے عمل کا ثواب مجھے فروخت کر دیں۔ میں نے کہا: امیر المومنین! ثواب بیچا نہیں جاتا۔ وہ کہنے لگا: اگر آپ آمادہ ہوں تو میں ایک لاکھ درہم دینے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے کہا: میں ثواب نہیں بیچوں گا۔ وہ مالیت بڑھاتا رہا، حتیٰ کہ اس نے مجھے پانچ لاکھ درہم کی پیشکش کر دی۔

میں نے کہا: اگر آپ مجھے ساری دنیا بھی دیں گے تب بھی میں ثواب فروخت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گا۔ البتہ میں آپ کو اس کا نصف ثواب تحفے میں دیتا ہوں، اور اس بات کا گواہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

معتصم کہنے لگا: اللہ تعالیٰ آپ کا اس کا اعلیٰ بدلا عطا فرمائے، میں راضی ہوں۔

پھر وہ کہنے لگا: تم نے تیر اندازی کہاں سے سیکھی ہے؟۔ میں نے جواب دیا: بصرہ میں اپنے گھر کے اندر۔ وہ کہنے لگا: چلو اس مہارت کے انعام کے طور پر مجھ سے کچھ لے لو۔ میں نے کہا: یہ تو جو بھی سیکھنا چاہے اسے مفت میں میسر ہے، پھر اس نے اصرار کر کے ایک لاکھ درہم دے ہی دیے۔(۱)

صبر کا میٹھا پھل

ایک شخص تھا تو غریب؛ لیکن انتہائی خوش بخت تھا۔ اس کا گھرانہ ایک بیوی، پانچ بچوں، اور بوڑھی والدہ پر مشتمل تھا۔ اس شخص کی ایک غریب علاقے میں سبزی کی دکان تھی۔ نہ تو اس کے پاس مال تھا کہ کسی اچھی جگہ دکان لے سکتا، نہ اتنے وسائل تھے کہ اس سے بہتر سامان رکھتا۔

(۱) رسالۃ فی الصید والرمایۃ والخیل۔

اس کا گھر بھی بوسیدہ اور ٹوٹا پھوٹا تھا۔ مجازی طور پر ہی اسے گھر کہا جارہا ہے؛ ورنہ صرف ایک کمرہ اور چھوٹا سا صحن تھا۔ سارا گھرانہ اسی ایک کمرے میں سوتا، بلکہ کچن نہ ہونے کے باعث وہ کھانا بھی اسی کمرے میں پکاتے تھے۔

جب وہ شام کو گھر لوٹتا، اس کے ہاتھ میں سبزی، گوشت اور روٹیاں ہوتیں۔ اس کے گھر والے خوش دلی اور خندہ پیشانی سے اس کا اِستقبال کرتے۔ اس کے ہاتھ سے سامان پکڑتے اور کھانا تیار کرنے میں لگ جاتے۔

ہر روز انھیں گوشت میسر نہیں آتا تھا۔ جب سیل اچھی ہوتی تو وہ گوشت خریدتے؛ ورنہ سبزیوں ہی پر گزارا کرتے۔ ان کے پڑوس میں اعلیٰ عدلیہ کے ایک قاضی صاحب رہائش پذیر تھے۔ وہ اس خاندان سے بہت متاثر تھے کہ یہ لوگ غربت اور تنگی کے باوجود انتہائی صابرو شاکر تھے۔

قاضی صاحب اکثر ان لوگوں کی مثال دیتے کہ میں نے زندگی میں ان سے زیادہ سعادت مند گھرانہ نہیں دیکھا۔ جب شام کو صاحب خانہ دکان سے لوٹتے ہیں تو سب گھر والے پُر جوش انداز میں ان کا استقبال کرتے ہیں۔ اس موقع پر اکثر ان کے گھر سے حمد وثنا کے کلمات کی آوازیں آتی ہیں۔

میری یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں اس خوشنما منظر سے محظوظ ہوسکوں۔ پھر یہ لوگ کھانا تیار کرتے ہیں اور بڑے برتن میں ڈال کر سب مل کر کھاتے ہیں۔ ان کے کھانے کا اختتام بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور مسنون دعاؤں پر ہوتا ہے۔ آخر میں یہ اپنے بوسیدہ لیکن صاف ستھرے بستروں پر بڑی خوشی اور قناعت کے ساتھ آرام کرتے ہیں۔ یہ کسی بڑی دنیاوی مال ومتاع کی تمنا نہیں رکھتے تھے۔ ان کی صرف یہی خواہش تھی کہ صحت وعافیت کے ساتھ ان کی زندگی گزرتی رہے اور انھیں کسی انسان کا محتاج نہ ہونا پڑے۔

موسم خزاں کی ایک شام تھی۔ یہ لوگ حسب معمول اپنے سربراہِ خانہ کے منتظر تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ ان لوگوں نے دروازہ کھولا تو سامنے تین چار پولیس والے کھڑے

تھے۔ان کے ساتھ ایک ایمبولینس بھی تھی۔ پولیس والوں نے انھیں یہ افسوس ناک خبر دی کہ صاحب خانہ ایک ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہو گئے ہیں۔ ہوا کچھ یوں کہ اس شخص نے شام کے وقت اپنی دکان بند کی۔ پڑوس میں قصاب کی دکان سے گوشت خریدا، نان بائی سے روٹیاں لیں اور سبزیوں کا تھیلا، گوشت اور روٹیاں لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔ سڑک عبور کرتے ہوئے ایک تیز رفتار گاڑی نے اسے کچل دیا اور یہ بے چارا موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا۔

اس دل خراش سانحہ کی وجہ سے قرب و جوار کے لوگ بھی جمع ہو گئے۔انھوں نے متوفی کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا۔ اگلے دن صبح کے وقت اس کی نمازِ جنازہ ادا کر کے اسے دفن کر دیا گیا۔سارے گھر کی کفالت کا اِنحصار اس اکیلے شخص کی آمدنی پر تھا۔اب سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ گھر کیسے چلایا جائے؟۔ اس شخص کے سب سے بڑے بیٹے کی عمر پندرہ سال تھی۔ یہ ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھا۔اس نے تعلیم کو خیر باد کہا اور اپنے باپ کی دوکان کھول لی۔زندگی پھر اسی روٹین سے گزرنے لگی۔لیکن اب ان کی مسکراہٹیں غائب ہو چکی تھیں۔سب لوگ افسردہ افسردہ رہتے، کھانا کھاتے وقت بھی اکثر ان کی آنکھیں بھیگی رہتیں۔اس گھر کی سعادت اس گھر کے محبوب کے ساتھ ہی دفن ہو گئی تھی۔

یہ انتہائی مشکل دن سست روی سے گزرتے رہے؛ یہاں تک کہ تین سال گزر گئے اور بڑے بیٹے کی عمر ۱۸ربرس ہو گئی۔ایک دن اچانک اسے حکومت کی طرف سے فوجی خدمات کے لیے طلب کر لیا گیا۔والد کے بعد گھر کا سارا اِنحصار اسی لڑکے پر تھا۔

گھر والے بہت پریشان ہوئے کہ اب کیا کرنا چاہیے وہ سب سوچ بچار کرنے لگے: کیا دوسرے بیٹے کو اسکول چھڑوا کر دکان پر بٹھا دیا جائے ایسی صورت میں اس کی تعلیم کا کیا بنے گا۔ اگر وہ اپنی تعلیم جاری رکھتا ہے تو گھر والوں کا گزارا کیسے چلے گا۔ بہت زیادہ سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ انھیں یہ گھر فروخت کر دینا چاہیے تاکہ اپنے بڑے بیٹے کی جبری فوجی خدمت کے عوض میں پیسے جمع کروائے جاسکیں۔

قارئین کرام! یہ لوگ عراق میں رہایش پذیر تھے۔ وہاں یہ قانون تھا کہ ہر گھر سے ایک

نوجوان کو حکومت زبردستی فوج میں بھرتی کر لیتی اور اس پر معاوضہ بھی کچھ نہ دیتی تھی۔ ہاں اگر کوئی اس جبری مشقت سے بچنا چاہتا تو اس کے لیے لازم تھا کہ وہ سرکاری خزانے میں چار ہزار دینار جمع کروائے۔ چنانچہ اس رقم کی فراہمی کے لیے گھر والوں نے مکان فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اگر چہ اس فیصلے میں بھی ان کی کیفیت اس بکری کی سی تھی جس کے بارے میں سوچا جا رہا ہو کہ اسے ذبح کر کے اس کی کھال اُتاری جائے یا ویسے ہی کھینچ لی جائے۔

فوجی خدمات کے لیے دھر لیے جانے والے بیٹے کو ایک قریبی شہر میں تربیت کے لیے ایک عسکری اِدارے میں بھیج دیا گیا۔ وہ بادلِ نخواستہ ہی ادھر آیا تھا۔ اسلحہ کی تربیت میں اس کا دل بالکل نہیں لگتا تھا۔ انسٹرکٹر بولتے رہتے؛ مگر یہ اپنے خیالوں میں گم رہتا۔ اس کے ذہن میں اپنے گھریلو حالات گھومتے رہتے۔ اساتذہ نے کئی مرتبہ اس کی توجہ دلائی، وارننگز دیں؛ لیکن اس کا جسم تو یہاں تھا، ذہن کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔

ایک دن استاد نے اسے بٹھا کر اس کا اصل مسئلہ پوچھا: اس نے جواب میں اپنی ساری بپتا کہہ سنائی۔ اب استاد نے اصرار کرنا چھوڑ دیا اور اس کا مسئلہ اپنے آفیسر کے سامنے پیش کیا۔ آفیسر نے اس کے مسئلے کا کوئی حل نکالنے کی بجائے اس کی ڈیوٹی کچن میں لگا دی۔ اب وہ یہاں برتن دھوتا، گوشت کاٹتا، آگ جلاتا اور کھانا تقسیم کرتا۔ شب و روز اس کی یہی مصروفیات تھیں۔

ادھر اس کی ماں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ وہ بظاہر تو چلتی پھرتی کھاتی پیتی اور سوتی جاگتی تھی لیکن اس کا ذہن کسی اور ہی دنیا میں گم رہتا تھا۔ اس نے اپنے گھر کی رجسٹری گروی رکھ کر ایک پراپرٹی ڈیلر سے کچھ رقم گھریلو اخراجات کے لیے ادھار لیے اور اپنا مکان فروخت ہونے کے لیے لگا دیا۔ مختلف خریدار ان کا مکان دیکھنے کے لیے آتے رہے، آخر بیس دن کے بعد ان کا مکان چار ہزار دینار میں فروخت ہو گیا۔ پھر مزید نو دن کاغذی کارروائی میں لگ گئے۔ صرف ایک دن باقی بچا تھا۔

ان کے یہاں یہ ضابطہ تھا کہ تیس دن کے اندر اندر اس جبری فوجی خدمت کے عوض میں

چار ہزار دینار جمع کروائے جاسکتے تھے۔تیس دن گزرنے کے بعد یہ معاوضہ بھی قبول نہیں کیا جاتا تھا۔اس خاتون نے یہ معاوضہ جمع کروانے کے لیے اس شہر جانا تھا جس میں اس کا بیٹا تھا۔

یہ شہر دوسو چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ جب وہ بس سٹاپ پر پہنچی تو اس شہر جانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور مسافر نہیں تھا۔اس نے کافی دیر تک سواریوں کا انتظار کیا؛ لیکن کوئی آنا تھا نہ آیا۔ وہ ہر پل انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔اس کے سارے خاندان کی زندگی اور ناموس داؤ پر لگی ہوئی تھی۔اس نے بس والے سے کہا: تم گاڑی لے کر چلو میں ساری بس کا کرایہ ادا کروں گی۔ڈرائیور اس اکیلی خاتون کو لے کر چل پڑا۔راستے میں باتوں باتوں میں اس نے سادہ لوح خاتون سے یہ معلوم کرلیا کہ اس کے پاس چار ہزار دینار ہیں۔

اب کیا تھا! ڈرائیور کی نیت بدل گئی۔راستے میں ایک ویران جگہ پر جا کر اس نے گاڑی کھڑی کرلی اور خنجر کی نوک پر اس خاتون سے نیچے اترنے کے لیے کہا۔اس نے خاتون پر پے در پے وار کیے اور اسے نیم مردہ حالت میں چھوڑ کر چلا گیا۔

اس نے خاتون کا بیگ اپنے قبضے میں لے لیا۔ پھر وہ واپس آنے کی بجائے اسی شہر کی طرف روانہ ہوگیا جدھر جا رہا تھا تا کہ شک کی کوئی گنجائش نہ رہے۔وہ گاڑی لے کر بس اسٹینڈ پر پہنچ گیا۔اس کے ساتھیوں نے سمجھا شاید اس بس میں آنے والی سواریاں راستے میں اُتر گئی ہیں، ایسا ہوتا رہتا تھا اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔واپسی پر ڈرائیور اسی راستے سے گزرا۔جب وہ اس جگہ کے قریب پہنچا جہاں اس نے جرم کا ارتکاب کیا تھا۔اس کے دل میں خیال آیا کہ ایک مرتبہ اس عورت کی لاش پر نظر ڈال لوں۔اس نے مسافروں سے بہانہ لگایا: میں قضائے حاجت کے لیے جانا چاہتا ہوں، چند منٹ بعد واپس آتا ہوں۔

وہ اس وادی کی طرف گیا، اسے کراہنے کی ایک نحیف سی آواز سنائی دی۔یہ دیکھ کر وہ غصے سے کہنے لگا: اے ملعون عورت! تم ابھی تک زندہ ہو۔ پھر وہ ایک بڑے پتھر کی طرف جھکا تا کہ اس کے ذریعہ اس خاتون کا سر کچل دے۔جب اس نے پتھر اُٹھایا تو پتھر کے نیچے سے ایک زہریلے سانپ نے اسے ڈس لیا۔اس کے منہ سے ایک دلخراش چیخ نکلی، اور اس نے تڑپنا

شروع کردیا۔

مسافر اس کی آواز سن کر بھاگے بھاگے وہاں آئے۔ انھیں دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ وہاں ایک جاں بلب خاتون بھی تھی۔ خاتون صرف اتنا ہی کہہ سکی: اس ڈرائیور سے میرا سامان واپس لو۔ وہ ڈرائیور اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ زیادہ مزاحمت کرسکتا، تو اس نے بتادیا کہ اس خاتون کا بیگ میں نے گاڑی میں فلاں جگہ پر چھپایا ہوا ہے۔

وہ بیگ وصول کرکے خاتون کے حوالے کردیا گیا۔ پھر مسافروں نے دوسری طرف سے آنے والی ایک بس کو روکا جو اسی شہر کو جارہی تھی جہاں خاتون جانا چاہتی تھی۔ انھوں نے اس گاڑی کے ڈرائیور سے درخواست کی کہ اس خاتون اور ڈرائیور کو ہسپتال پہنچادے۔ ڈرائیور خوش دلی سے اس کام کے لیے آمادہ ہوگیا۔ وہ مجرم ڈرائیور تو جسم میں زہر پھیلنے کی وجہ سے راستے میں ہی دم توڑ گیا۔

اس خاتون کو البتہ ہسپتال پہنچادیا گیا۔ خبر ملنے پر پولیس والے بھی پہنچ گئے۔ عورت مسلسل بے ہوش تھی۔ اس کے سامان میں پولیس والوں کو اس خاتون کے بیٹے کا ایڈریس مل گیا۔ پولیس نے بیٹے کو خبر دی وہ بھی فوراً ہسپتال پہنچ گیا۔

ڈاکٹر اس خاتون کو ہوش میں لانے کی سرتوڑ کوشش کررہے تھے؛ کیوں کہ زیادہ دیر بے ہوش رہنا اس کے لیے جان لیوا ہوسکتا تھا۔ اگلے دن اسے ہوش آیا اس نے ہلکی سی آنکھیں کھولیں۔ بیٹے پر نظر پڑی تو ماں کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے صرف اتنا کہا: بیٹا! میں رقم لے آئی ہوں۔ جبری فوجی خدمات کا معاوضہ اَدا کرکے فوری رخصت حاصل کرلو۔ پھر اس پر غنودگی سی طاری ہوگئی۔

لڑکے نے وہ رقم جمع کروادی اور اسے اجازت مل گئی۔ اس خاتون کی حالت آہستہ آہستہ سنبھلنے لگی۔ ایک دن آیا کہ وہ ہسپتال سے مکمل صحت یاب ہوکر فارغ ہوگئی۔

اس واقعے کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کئی مظاہر تھے۔ ڈرائیور پہلی مرتبہ اسے نیم مردہ حالت میں چھوڑ گیا۔ واپسی پر اگر ڈرائیور وہاں نہ رکتا تو

شاید کسی کو اس خاتون کے بارے میں بالکل پتا نہ چلتا؛ کیوں کہ اس وادی کی طرف کوئی جاتا ہی نہ تھا۔ زہریلے اور موذی جانوروں کی وجہ سے چرواہے بھی ادھر کا رخ نہیں کرتے تھے۔ اس عورت کی آواز اتنی نحیف تھی کہ کسی کو سنائی نہ دیتی۔ اگر ڈرائیور سانپ کے ڈسنے سے اتنی زور سے نہ چیختا تو کوئی اس عورت تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

اگر اس عورت کو اسی شہر میں جو اس کی منزل تھا نہ پہنچایا جاتا تو وہ اپنے بیٹے تک نہ پہنچ جاتی۔ اگر اسے چند لمحوں کے لیے ہوش نہ آتا تو وہ اپنے بیٹے کو یہ نہ بتا پاتی کہ رقم کا انتظار ہو گیا ہے۔ نتیجتاً اس کے بیٹے کو جبری فوجی خدمات سے رہائی نہ ملتی۔ یہ سب اس علیم وقدیر ذات کی تدبیریں تھیں کہ ہر گتھی سلجھتی چلی گئی۔

جب اس قصے کا چرچا ہوا تو یہ بات ان کے سابقہ پڑوسی جج صاحب تک بھی پہنچ گئی۔ انھوں نے اپنے دوست واحباب اور محلّہ داروں سے کہا کہ ضرورت اور آزمائش کی اس گھڑی میں ان لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔ ان لوگوں نے پیسے اکٹھے کر کے ان کا مکان خریدنے والے شخص سے رابطہ کیا۔ اس تک بھی یہ واقعہ پہنچ چکا تھا، وہ بھی خوشی خوشی یہ مکان واپس کرنے پر تیار ہو گیا۔ رقم اتنی جمع ہو چکی تھی کہ چار ہزار دینا جمع کروانے کے باوجود تین ہزار دینار بچ گئے۔ اس رقم کے ذریعہ مکان کی حالت کو بہتر بنایا گیا۔

لڑکے نے دوبارہ والد کی دکان سنبھال لی۔ اب صورتحال بدل چکی تھی۔ اس کے پاس دور دراز سے گاہک آنے لگے تھے۔ ہر وقت خریداروں کا تانتا بندھا رہتا۔ کچھ عرصے بعد اس نے اپنی دکان نسبتاً بہتر جگہ پر منتقل کر لی۔ اس کا کاروبار خوب چل نکلا۔ اب زندگی بڑی آسودگی سے گزر رہی تھی۔ عسرت وتنگی میں بھی وہ لوگ اللہ کے ذکر اور شکر کو نہیں بھولے تھے۔ اب آہستہ آہستہ فراخی آ رہی تھی تو اب بھی وہ سپاس گزاری کے جذبے سے سرشار رہتے تھے۔

کئی سال گزر گئے، ان کے بچے یکے بعد دیگرے تعلیم سے فارغ ہونے لگے۔ ایک بیٹا انجینئر بن گیا، دوسرا ڈاکٹر اور تیسرا آرمی آفیسر بن گیا۔ اب ان کا کھانا صرف چائے روٹی یا روٹی اور سبزی نہیں ہوتی۔ حالات اب ایسے نہیں رہے کہ انھیں کبھی کبھار گوشت میسر آتا ہو۔ ان کے

دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے ہوتے ہیں۔ یہ خاندان لوگوں کے لیے بہترین مثال ہے کہ یہ لوگ تنگی اور فراخی کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولے۔

۱۳۸۵ھ میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہ خاندان دجلہ کے کنارے بغداد کے بڑے پل کے قریب ایک بہت بڑے محل نما گھر میں منتقل ہوگیا۔ اب یہ خاندان چار خاندان بن چکے ہیں۔ تینوں بڑے بیٹوں کی شادیاں ہوچکی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں اولاد کی نعمت سے بھی نواز رکھا ہے۔ اب بھی اس گھر کے سب افراد محبت اور احترام کے اٹوٹ رشتے میں جڑے ہوئے ہیں۔ کبھی انھیں ایک دوسرے سے شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ والد کی وفات سے لے کر ان کی والدہ ہی گھر کی سربراہ ہیں۔ گھر کا ہر فرد ان کی رائے کا بے حد احترام کرتا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم اس واقعہ کو ختم کریں اس کے سب سے اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ اس خاتون سے پوچھا گیا: جب ڈرائیور نے خنجر کے پے درپے وار کرکے آپ کو ایک ویران بیابان میں پھینک دیا تھا۔ اس وقت آپ کی کیفیت کیا تھی۔ اتنا زیادہ خون بہہ جانے اور اتنے گہرے گھاؤ لگنے کے باوجود آپ کس طرح زندہ رہیں۔ خاتون نے بتایا: اس ساری مدت کے دوران میری زبان پر بس یہی الفاظ تھے :

> اے آسمان وزمین کے مالک! تو میری حالت کو جانتا ہے۔ اپنی قدرت سے میرے لیے بیٹے کی جبری فوجی خدمت کا معاوضہ صحیح وقت پر پہنچانے کے اسباب مہیا فرمادے تاکہ وہ گھر واپس آسکے اور اپنے گھر والوں کی کفالت کی ذمہ داری نبھا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس خاتون کی دعا قبول فرمالی۔ اس کا مال واولاد دونوں اسے مل گئے۔ مالک حقیقی نے اس کے دشمن سے انتقام بھی لے لیا، اور ان کی تنگی وعسرت بھی فارغ البالی اور آسودگی میں بدل گئی۔ سچ فرمایا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے :

اتق دعوةَ المظلوم، فإنه ليس بينها وبينَ اللّٰه حِجابٌ . (۱)

مظلوم کی بددعا سے بچ کر رہو کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

---

(۱) عدالة السماء، للواء الركن محمود شيث خطاب، قصص واقعية مؤثرة: ۶۴ تا ۴۷۔

صدقہ کیا ہوا مینڈھا

کسی بزرگ کے حوالے سے آتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی جوانی کے دنوں میں جہالت کی وجہ سے زکوٰۃ اَدا نہیں کرتا تھا، اور میرے پاس کافی بھیڑ، بکریاں تھیں۔ ایک دن کسی فقیر نے مجھ سے ضرورت وحاجت کی شکایت کی تو میں نے اسے ایک مینڈھا دے دیا۔ اس رات جب میں سویا تو خواب میں دیکھا کہ میری تمام بھیڑ بکریاں میری طرف آ کر مجھے سینگوں سے مار رہی ہیں اور میں روئے جا رہا ہوں۔ اب میں وہاں سے نہ کہیں بھاگ سکتا تھا اور نہ ہی وہاں کوئی مدد کرنے والا تھا۔

اتنے میں وہی مینڈھا آ گیا جسے میں نے فقیر پر صدقہ کیا تھا، وہ ان کو مجھ سے ہٹانے لگا۔ جب بھی اس ریوڑ میں سے کوئی مینڈھا مجھے سینگ مارنے کے لیے بڑھتا تو وہ مینڈھا سامنے کھڑا ہو جاتا اور اسے سینگ مار مار کر مجھ سے دور کر دیتا؛ لیکن چوں کہ وہ زیادہ تھے اور یہ اکیلا۔ اس لیے وہ اس پر غالب آ جاتے، قریب تھا کہ وہ مجھے ہلاک کر دیتے، اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی اور خوف سے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا۔

میں نے اسی وقت جزم کر لیا کہ اللہ کی قسم! میں ضرور اس صدقہ کیے ہوئے مینڈھے میں اِضافہ کروں گا۔ چنانچہ میں نے اپنے جانوروں میں سے دو تہائی صدقہ کر دیا اور زکوٰۃ اَدا نہ کرنے سے توبہ کر لی اور بے شک میں نے صدقہ نہ کی ہوئی بکریوں کی اپنے ساتھ عداوت اور صدقہ کی ہوئی بکریوں کا اپنے ساتھ عجیب معاملہ دیکھا۔(۱)

تقویٰ اور اس کا انعام

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک صالح و نیک لڑکا جسے تقویٰ و پرہیز گاری سے خاصا حصہ ملا تھا کسی دینی مدرسے میں پڑھتا تھا مگر حصولِ علم میں اسے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ ہاں اُستاد جو کہتا اس پر

(۱) قرۃ العیون ومفرح القلب المحزون سمرقندی: ۳۶۔

بہرحال عمل کرتا۔ جب اس نے اپنے استاد کی خدمت میں رہ کر ضرورت کے مطابق علم حاصل کرلیا تو استاد نے اسے اور اپنے دیگر شاگردوں کو نصیحت فرمائی :

لاتکونوا عالةً علی الناس، فإن العالم الذي یمد یدہ إلی أبناء الدنیا لایکون فیہ خیر، فلیذھب کل واحد منکم ولیشتغل بالصنعة التي کان أبوہ یشتغل بھا، ولیتق اللّٰہ فیھا .

یعنی اے طالبانِ علوم دینیہ! تم لوگوں کے محتاج نہ بنو؛ کیوں کہ دنیاداروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والا عالم خیروبھلائی سے محروم ہوتا ہے۔(اس لیے کہ جو کچھ دنیادار کہتے اور کرتے ہیں، عالم اس پر انکار کرنے کی جرأت نہیں کرے گا؛ کیوں کہ وہ ان کے احسان تلے دبا ہوتا ہے)۔لہٰذا تم میں سے ہر طالب علم جا کر اپنے باپ کا پیشہ اختیار کرلے (اور اس سے معاش پیدا کرے) اور اپنے پیشے میں اللہ کا خوف اور تقویٰ ملحوظِ خاطر رکھے۔

لڑکے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یہ لڑکا بھی استاد کی نصیحت سن کر اپنے گھر گیا اور اپنی ماں سے پوچھا: امی جان! ذرا مجھے بتائیں کہ میرے ابوجان کا پیشہ کیا تھا اور وہ کیا کام کرتے تھے؟۔ بیٹے کے اس سوال سے ماں گھبراسی گئی اور پوچھا: بیٹے! تیرے والد کا مدت ہوئی انتقال ہو چکا ہے، تمہیں اپنے باپ کے پیشہ سے کیا لینا دینا، جو یہ سوال کر رہے ہو؟۔

بیٹے نے اب اِصرار کے ساتھ اپنے باپ کا پیشہ جاننا چاہا اور ماں اس سے ٹال مٹول کرتی رہی۔ جب بیٹے نے ضد کی تو ماں نہ چاہتے ہوئے بھی گویا ہوئی: بیٹے! جب تم بار بار مجھ سے اپنے باپ کے پیشے کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو مجبوراً زبان کھولنی پڑ رہی ہے۔ اگر کوئی اچھا پیشہ تمہارے باپ کا ہوتا تو مجھے بتانے میں اس قدر تذبذب سے کام نہ لینا پڑتا لیکن جب تمہارا اِصرار ہی ہے تو سنو! تمہارا باپ چور تھا! اور چوری ہی اس کا پیشہ تھا۔

بیٹے نے ماں کا جواب سن کر کہا: امی جان! استادمحترم نے تمام طلبہ سے کہا ہے کہ جاؤ اور اپنے اپنے باپ کا پیشہ اختیار کرلو اور اس میں تقویٰ کا خیال رکھنا۔ ماں نے کہا: تیرا ناس ہو! بھلا چوری میں تقویٰ شعاری! یہ کیسی بات ہے؟۔ بیٹے نے ماں سے کہا: لیکن امی جان! استادمحترم نے یہی بات کہی ہے جو میں نے آپ کو بتائی ہے۔

پھر نوجوان لڑکے نے چوری سے متعلق معلومات حاصل کرنا شروع کیں۔ باقاعدہ ٹریننگ لی کہ چوری کیسے کرتے ہیں، اس کے لیے ضروری اَوزار مہیا کیے اور وہ دن بھی آ گیا جب اس کی ٹریننگ مکمل تھی اور اب وہ چوری کر سکتا تھا۔

پھر اس نے خاصے غور وخوض کے بعد پروگرام بنایا کہ آج سے اپنے والد کے پیشے پر عمل کرنا ہے۔ عشا کی نماز پڑھ کر وہ لوگوں کے سونے کا انتظار کرتا رہا۔ جب لوگ سو گئے اور چاروں طرف سناٹا چھا گیا تو اس نے سب سے پہلے پڑوسی ہی کے گھر سے چوری کا آغاز کرنے کا اِرادہ کیا۔ جب پڑوسی کے گھر میں داخل ہونا چاہا تو اسے اپنے استاد کی نصیحت یاد آ گئی کہ اپنے پیشے میں تقویٰ کا پاس ولحاظ رکھنا۔

اس نے دل میں کہا: پڑوسی کے گھر میں چوری کرنا اور اسے تکلیف دینا تو سراسر تقویٰ کے خلاف ہے، اس سے تو اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوگا؛ چنانچہ وہ پڑوسی کا گھر چھوڑ کر اگلے گھر کی طرف بڑھا۔ وہ یتیم بچوں کا گھر تھا۔ اس نے کہا: یہ یتیم بچوں کا گھر ہے، اس میں چوری کرنا تقویٰ کے خلاف ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے سے منع فرمایا ہے۔ وہ یہ گھر بھی چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

اسی طرح جب کوئی گھر آتا اور یہ چوری کرنے کا اِرادہ کرتا تو کوئی نہ کوئی بات اس کے ذہن میں آ جاتی جس کو تقویٰ کے خلاف کہہ کر وہ آگے بڑھتا چلا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک تاجر کا گھر آ گیا۔ یہ تاجر خاصا امیر کبیر آدمی تھا۔ اس کی صرف ایک ہی بیٹی تھی۔

چور نے کہا: ہاں! یہ گھر ہے جس میں چوری کی جا سکتی ہے۔ پھر اس نے بہت سی چابیاں نکالیں جو پہلے سے بنوا رکھی تھیں، اور دروازہ کھول لیا۔ جب گھر کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ گھر تو بہت بڑا ہے اور کمرے بھی بہت زیادہ ہیں؛ چنانچہ وہ گھر میں گھومنے لگا، جیسے کوئی چور نہیں مہمان ہو۔ بالآخر اس کی نگاہ اس جگہ پڑ گئی جہاں مال رکھا ہوا تھا۔

اس نے تجوری کھولی تو وہ سونے چاندی اور روپے پیسے سے بھر پڑی تھی۔ چور نے تجوری سے مال نکالنا چاہا لیکن اسے اپنے استاد کی نصیحت یاد آ گئی اور کہنے لگا: استادِ محترم نے تو تقویٰ

اختیار کرنے کی بات کہی تھی، ہاں! پتا نہیں اس تاجر نے اپنے کی زکوٰۃ نکالی ہے یا نہیں، کیوں نہ پہلے اس کی زکوٰۃ کا حساب کتاب کرلیا جائے۔

یہ سوچ کر اس نے حساب کتاب کے رجسٹروں کو نکالا، اپنے ساتھ لائی ہوئی چھوٹی سی لالٹین روشن کی اور اس کی روشنی میں رجسٹروں کی چھان بین کرنے لگا۔ وہ حساب کتاب کا بہت ہی ماہر تھا؛ چنانچہ اس نے جلدی جلدی پورے سال کا حساب کیا اور اس کی زکوٰۃ کا حصہ نکال کر الگ کر دیا۔ پھر وہ حساب کتاب میں اس قدر مستغرق ہوگیا کہ وقت کا اِحساس ہی نہ رہا۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ فجر کا وقت ہو چکا ہے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا: تقویٰ کا تقاضا ہے کہ پہلے نمازِ فجر اَدا کی جائے اور بعد میں اپنا کام کیا جائے۔

چنانچہ وہ گھر کے آنگن میں آیا اور اس سے پانی لے کر وضو کیا، پھر نماز کے لیے اِقامت کہنے لگا۔ گھر کے مالک نے جب اقامت کی آواز سنی تو گھبرا کر نیند سے بیدار ہوا۔ نیچے جھانکا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک چھوٹی سی لالٹین روشن ہے، تجوری کھلی ہوئی ہے، اور سامنے ایک نوجوان نماز کے لیے اِقامت کہہ رہا ہے۔

مکان مالک کی بیوی بھی جاگ گئی اور دیکھ کر شوہر سے پوچھا: یہ سب کیا ہے؟۔ مالک مکان نے بتایا: اللہ کی قسم! مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، پھر وہ گھر کی دوسری منزل سے نیچے اُتر کر اس نوجوان کے پاس گیا اور کہا: تمہارا ناس ہو! آخر تم ہو کون؟ اور یہ کیا کر رہے ہو؟۔

چور نے کہا: الصلوٰۃ اَوّلاثم الکلام۔ یعنی پہلے نماز پڑھ لیتے ہیں، بعد میں بات ہوگی۔

مالک خاصا گھبرایا ہوا تھا۔ نوجوان نے اسے حکم دیا، جلدی سے وضو کر کے آؤ۔ وہ وضو کر کے آیا تو نوجوان نے اس سے کہا: چلو تم جماعت کراؤ۔ اس نے نوجوان سے کہا: نہیں تم اِمامت کراؤ۔ نوجوان نے کہا: تم گھر کے مالک ہو اور زیادہ حق دار ہو کہ اِمامت کراؤ۔

مالک مکان کے لیے اس کی حکم عدولی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اسے اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے جماعت کرائی۔ اب نماز اس نے کیسے پڑھی؟ اللہ ہی کو اس کی کیفیت کا علم ہے! خوف اور رعب کے مارے اس کا برا حال تھا!۔ بہرحال! جب نماز ختم ہوئی تو

مالک مکان نے پوچھا: مجھے بتاؤ کہ تم ہوکون؟ اور یہاں کس نیت سے آئے ہو؟۔

نوجوان نے بتایا: میں چور ہوں، اور چوری کرنے کے لیے آیا ہوں؛ مگر تم بتاؤ کہ زکوٰۃ کیوں نہیں اَدا کرتے؟۔ میں نے تمہارے سارے رجسٹروں کو چیک کیا ہے۔تم نے چھ سالوں سے زکوٰۃ نہیں دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور فرض ہے۔ میں نے حساب کردیا ہے اور زکوٰۃ کا مال علاحدہ کردیا ہے؛ تاکہ تم اسے اس کے مستحقین تک پہنچادو۔

یہ سننا تھا کہ مکان مالک جیسے تعجب سے بوکھلا گیا اور گویا ہوا: تیرا ناس ہو، تو یہ کیا کہہ رہا ہے، کیا تو پاگل ہے؟۔اس نے کہا: میں پاگل نہیں، بالکل تندرست، صحت منداور توانا ہوں۔

مکان مالک نے پوچھا: تو پھر تم چوری کیوں کررہے ہو؟۔

اس کے جواب میں نوجوان چور نے اپنی ساری داستان اس تاجر سے کہہ سنائی۔ جب تاجر نے نوجوان کا بھولاپن اور اس کی بھولی بھالی پیاری شکل صورت اور حساب کتاب میں اس کی مہارت دیکھی تو اپنی بیوی کے پاس گیا اور نوجوان چور کے متعلق سب کچھ بتایا اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کے رشتے کے لیے پریشان تھیں، یہ لو دیکھو اللہ تعالیٰ نے رشتہ تمہارے گھر بھیج دیا ہے۔اس کی بیوی نے بھی موافقت کرلی۔

اب وہ اس نوجوان کے پاس آیا اور کہنے لگا: دیکھو! چوری کرنا نہایت بری بات ہے۔ اگر تمہیں مال و دولت چاہیے، تو میں تمہیں اپنے مال میں حصہ دار بنا سکتا ہوں۔نوجوان نے کہا: وہ کیسے؟۔تاجر کہنے لگا: میری ایک ہی بیٹی ہے، میں اس کی شادی تم سے کردیتا ہوں۔ میں تمہیں اپنا چیف اکاؤنٹنٹ بھی بنانے کے لیے تیار ہوں۔ رہنے کے لیے تمہیں گھر بھی دوں گا اور مال بھی۔بس! تم اپنی والدہ سے اس سلسلے میں مشورہ کرلو۔

نوجوان نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔اس کی والدہ نے بھی اس رشتے کو سراہا اور اگلے دن اس تاجر نے گواہوں کی موجودگی میں اپنی بیٹی کی شادی اس نوجوان کے ساتھ کردی......۔تو دراصل یہ ہے تقویٰ اور اس کا اِنعام..................۔(۱)

(۱) شیخ طنطاوی نے اپنی یادداشتوں میں اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔

فطری تقاضوں سے گریز

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے سخت دلی تکلیف اٹھائی جو اس کے کچھ دل و دماغ پہ چوٹ لگا گئی اور اسے اجتماعی طور پر عورت کے وجود سے نفرت ہوگئی۔ وہ اپنے نومولود بیٹے کو لے کر آبادی سے دور جنگل میں چلا گیا، اور وہاں ایک کٹیا بنالی اور اپنے ساتھ قسم کھالی کہ میں اپنے بیٹے کو عورت کی شکل تک دیکھنے نہیں دوں گا۔

بیس برس بیت گئے، ایک دن اس کا بیٹا جنگل میں شکار کر رہا تھا کہ وہاں سے کچھ لڑکیوں کا قافلہ گزرا، لڑکا انہیں مسلسل دیکھ رہا تھا کہ باپ نے اس کا بازو جھٹکتے ہوئے کہا کہ چلو گھر چلتے ہیں ، جب بیٹے نے بہت پوچھا کہ وہ کون سی مخلوق تھی جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، تو باپ نے تنگ آ کر اسے کہا کہ وہ دوسرے جنگل کا ایک جانور ہے جسے شتر مرغ کہتے ہیں۔

رات ہوئی تو نوجوان بیٹا کروٹیں بدلنے لگا، کبھی چھت کو دیکھے، کبھی باہر جائے، رات کے آخری پہر باپ نے تنگ آ کر پوچھا کہ سوتے کیوں نہیں ہو، کیا وجہ ہے؟۔ بیٹے نے آنکھیں جھکاتے ہوئے جواب دیا کہ 'ابا مجھے وہ شتر مرغ چاہیے'۔

کہنے کا مقصد یہ کہ انسانی فطرت کو بدلا نہیں جا سکتا، فطری خواہشات فطرت کے اصولوں کے مطابق جنم لیتی ہیں، انٹرنیٹ کے اس دور میں مرد و عورت کے تعلقات قائم ہونے کے لیے سیکنڈز بھی زیادہ ہو سکتے ہیں، ہم ذریعہ کو ختم نہیں کر سکتے، لیکن دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات کو آگہی، منطقی تربیت اور پاک تبدیلی سے ضرور ختم کیا جا سکتا ہے۔ پہاڑوں سے پگھلنے والی برف کا رخ دریاؤں کی طرف نہ موڑا جائے تو فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے، بچہ کو کوئلہ پکڑنے سے پہلے ہم اس کی تربیت کرتے ہیں کہ وہ اسے نقصان پہنچائے گا۔

مسلمانوں کا آج سب سے بڑا مسئلہ اپنی نوجوان نسل کے سامنے کھڑے ان کی ذہنی عمروں سے بڑے چیلنجز اور وقت کے تقاضوں کو نہ سمجھنا اور گھریلو تربیت کا فقدان ہے، چونکہ بقیہ ادیان تقریباً اعلانیہ اور غیر اعلانیہ الحاد کو اختیار کر چکے ہیں، اگر مسلمانوں نے اسلام سے وابستہ رہ کر اپنی نسلوں کی تربیت کرنا ہے تو پھر فطری تقاضوں اور زمانہ حال کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے اپنی اور اپنی آئندہ نسلوں کی تربیت کرنا ہوگی۔ تعلیم، تربیت اور شعور یہ لازم و ملزوم ہیں؛ ورنہ ہماری اجتماعی موت ہمارے در پہ کھڑی ہے۔

ہزاروں ماؤں سے شفیق 'اللہ'

حضرتِ سیدنا ابو غالب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں ابوامامہ کے پاس شام کے وقت جایا کرتا تھا۔ایک دن ان کے پڑوس میں ایک مریض کے پاس گیا تو وہ مریض کو جھڑک رہے تھے اور فرمارہے تھے: افسوس ہے تجھ پر، اے اپنی جان پر ظلم کرنے والے! کیا میں نے تجھے بھلائی کا حکم نہ دیا اور برائی سے نہ روکا تھا؟۔

تو وہ نوجوان آگے سے بولتا ہے: اے میرے محترم! اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ مجھے میری ماں کے سپرد کردے اور میرا معاملہ اُسی کے حوالے فرمادے تو میری ماں میرے ساتھ کیسا معاملہ فرمائے گی؟، تو انہوں نے جواب دیا: وہ تجھے جنت میں داخل کردے گی۔تو اس نے عرض کی: اللہ عزوجل مجھ پر میری والدہ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔پھر اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔

چنانچہ جب اس کے چچا نے اس کے ساتھ قبر میں اُتر کر اسے دفن کیا اور قبر کو برابر کردیا تو اس نے گھبرا کر چیخ ماری۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟، تو کہنے لگا: اس کی قبر وسیع کردی گئی اور نور سے بھردی گئی ہے۔(۱)

سبحان اللہ! ایسے ہوتے ہیں ذاتِ خداوندی پر ایمان وایقان رکھنے والے!۔ بے شک رب کا وعدہ سچ ہے: 'میں اپنے بندے کے ساتھ بالکل ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے'۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں بھی حسن ظن کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

نوٹ : ذیل میں دو بڑے ہی عام فہم ؛مگر پُر اَز تاثیر واقعات بیان کیے جاتے ہیں، جو معاشرے کی ہٹی ہوئی چول کو اپنی جگہ ٹھیک سے بٹھانے میں کافی حد تک معاون ہوں گے، اور اُمید کی جاسکتی ہے کہ اُن سے ہمارے بے راہ رو اور ناخواندہ نوجوانوں کو اپنی زندگی کی سمت متعین کرنے میں بھرپور موعظت وہدایت اور عبرت ونصیحت نصیب ہوگی۔ -چڑیا کوٹی-

(۱) شعب الایمان بیہقی: رقم حدیث: ۱۱۵۷، بحوالہ روض الفائق فی المواعظ والرقائق مترجم: ۶۳۹۔

سفر وسیلہ ظفر

پرانے زمانے کا واقعہ ہے کہ والد بھی خوش تھا اور والدہ بھی خوشی تھی؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کئی لڑکیوں کے بعد ایک لڑکا عطا کیا تھا۔ لڑکے کا نام اسکندر رکھا گیا لیکن گھر والے اسے پیار سے 'رومی' کہتے تھے۔

اس غریب اور مسکین شخص کی کوچہ اور محلّہ میں جتنی بھی جان پہچان تھی سب سے قرض لیا تا کہ بچہ پروان چڑھے اور ماں نے ہر ممکن کوشش سے بچے کے آرام و آسائش کے وسائل مہیا کیے۔ والد اور والدہ دونوں اَن پڑھ تھے اور شہر کے نزدیک نئی آبادی میں نہایت عزت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ والد مستری تھا جو مکانات تعمیر کرتا تھا اور والدہ خانہ داری میں لگی رہتی تھی۔

جب اسکندر پیدا ہوا تھا تو والدہ نے اپنی لڑکیوں سے کہا کہ بچے کی دیکھ بھال میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں اور نہ ہی مجھے یہ بچہ روتا ہوا دکھائی دے اور اس شخص پر افسوس ہوگا جو میرے بیٹے کا بدخواہ ہو۔

بہنیں اپنے بھائی کی دیکھ بھال میں لگ گئیں اور سب گھر والے کہنے لگے لڑکا لڑکا ہی ہوتا ہے جو چینی اور شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہنوں کو خواہش پوری کر دی تھی اور انھیں بھائی مل گیا تھا۔ جب تک بچہ شیر خوار رہا اپنی ماں اور بہنوں کی بغل میں وقت بسر کرتا رہا بلکہ اسے بغل میں اٹھانے کی ایسی عادت ہوگئی تھی کہ جوں ہی اسے بستر پر لٹایا جاتا اگر سویا ہوا نہ ہوتا تو اس کے رونے کی آوازیں آسمان پر پہنچ جاتی تھیں۔ اگر اتفاق سے اسی حالت میں اس کا باپ گھر میں موجود ہوتا تو قیامت برپا ہو جاتی، وہ کہتا کسی شخص کو بچے کی کوئی فکر نہیں ہے؟ دیکھو! میرے شمشاد جیسے بیٹے کو کس طرح رُلا رہے ہو؟ میرے بیٹے کے کرتے پر یہ کیسا داغ لگ گیا ہے؟ یہ مچھر کہاں سے آیا ہے؟ جس نے اس کے رخسار کو کاٹ کھایا ہے؟؟۔

دو سال کے بعد بچے نے اپنی خوراک کھانا شروع کر دی۔ گھر میں ہر چیز میسر نہ آتی تھی لیکن جو چیز میسر ہوتی والد کے گل ناز اور شاخِ شمشاد کے لیے حاضر کر دی جاتی۔ والدہ اس کا

لباس تیار کرتی اور اسے خوب کھلاتی پلاتی تھی۔ بہنیں ہر وقت بھائی پر فدا رہتیں اور اسے بہلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑتی تھیں۔ قصہ مختصر! بچہ کو اتنا کھلایا پلایا جاتا کہ اکثر و بیشتر بیمار رہنے لگا۔ جب طبیب اسے پرہیز بتاتا تو بچہ شور وغل کرتا اور باپ کہتا، بچے کو زیادہ سے زیادہ کھلایا جائے تاکہ جلد جوان ہو۔

ماں کہتی اس کا رونا خوراک کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اب بچہ بڑا ہونے لگا لیکن کوئی شخص اسے اتنا بھی کہنے کی جرأت نہ کرتا کہ اس کی آنکھوں کے اوپر بھنویں ہیں، اس کے سامنے جو چیز ہوتی اسے کھینچتا، گراتا اور توڑتا رہتا اور شور وغل کرتا رہتا تھا۔ اس کی حرکتوں سے گھر والے اور ہمسائے بھی پریشان رہنے لگے لیکن کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اس کی طبیعت کے خلاف کچھ کرتا بلکہ اس کے لیے کوئی چیز ممنوع نہ تھی۔

جب وہ ہمسایوں کے بچوں سے جھگڑتا تو اس کے والدین جنگی مرغوں کی طرح ہمسایوں کے سروں پر جا پہنچتے اور کہتے تم ہمارے بچے کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ ہمسائے کہتے آخر ہمارے بھی بچے ہیں لیکن تم نے تو اپنے بچے کو کھلا چھوڑ رکھا ہے اسے کچھ سکھاؤ پڑھاؤ۔ سوائے دنگا فساد کے اس کا کوئی کام ہی نہیں۔ اس کی تربیت کرو، ورنہ کل خود تمہارے لیے زحمت کا باعث بن جائے گا!۔

والدین کہتے ہیں اس کا تعلق تم سے نہیں ہے کہ ہم اسے سکھائیں پڑھائیں، جب بڑا ہوگا سب باتیں سمجھ جائے گا۔ ابھی بچہ ہے، اگر ابھی سے لکھنے پڑھنے میں لگ گیا تو اس کا دماغ جل جائے گا اور ذہن اندھا ہو جائے گا۔

ہمسایوں نے کہا: تمہیں شبہہ ہوا ہے بچے کی بچپن ہی سے قدم بہ قدم تربیت کرنی چاہیے اور ضروری ہے کہ بچہ 'نہ' کے معنی سمجھ لے، اسے اپنے اور دوسروں کے مال کی پہچان ہو، وگرنہ اس کا مستقبل نہ سنور سکے گا۔ تم نے تو اپنے بچے کو اتنا بھی نہیں سمجھایا کہ آدھی رات کو شور وغل نہیں کیا جاتا۔ تم نے اپنے بچے کو کبھی منع نہیں کیا کہ لوگوں کے گھروں کے شیشے توڑنے میں کتنی خرابی ہوتی ہے۔ ممکن ہے اس سے کسی کی موت واقع ہو جائے۔ تم تو صرف اس کا شکم بھرنے کی فکر میں لگے رہتے ہو۔ صرف یہی کافی نہیں ہے ایسی محبت تو جانور بھی اپنے بچوں سے کرتا ہے لیکن بچوں کے

لیے ضروری ہے کہ تین چار سال کی عمر میں 'ہاں' اور 'نا' کا مطلب سمجھ لے۔ والدین نے کہا: ہمارا 'رومی' 'نا' کو نہیں سمجھتا اس کا دل جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور بس۔ والدین کے علاوہ بچے کی عادات کوئی شخص پسند نہ کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بچہ پرلے درجے کا ضدی بن گیا۔

اب بچہ بڑا ہونے لگا اور گلی کوچوں میں آنے جانے کا راستہ یاد کر لیا تھا جب بھی اس کا دل چاہتا کھیل کود کے لیے نکل جاتا اس لیے کہ اسے روکنے والا کوئی نہ تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اس کی خواہش اور سمجھ ہی درست ہے۔

اس کوچے میں دوسرے بھی کئی لڑکے موجود تھے لیکن 'رومی' کے بغیر کوئی بچہ دوسروں کے دروازہ پر دستک دے کر نہ بھاگتا تھا اور نہ ہی 'رومی' کے بغیر کوئی بچہ دروازہ پر لگے قفل میں مٹی ڈالتا تھا بلکہ اس پر کسی نصیحت یا ڈانٹ ڈپٹ کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ محلے کے سب بچے رومی سے کتراتے تھے بلکہ اسے اپنے ہمراہ کھیل میں شامل کرنے سے بھی گریز کرتے تھے۔

ایک دن محلے کے ایک بچے نے کہا: آج کے بعد ہم رومی کے ہمراہ نہیں کھیلیں گے تو سنتے ہی رومی ناراض ہو گیا اور اسے مارنے پیٹنے لگا، ان کے والدین بھی آ گئے اور بات بڑھنے لگی اور رومی کے والدین سے کہنے لگے: تمہارا بیٹا نہایت ہی بے تربیت ہے۔ تمہاری لڑکیاں تو بڑی سمجھ دار ہیں لیکن لڑکے کی تربیت پر کیوں توجہ نہیں دیتے؟ کل یہی لڑکا تمہاری بدبختی کا سبب بن جائے گا۔ رومی کے والدین کہنے لگے: بدبخت تو تم خود ہو اور تمہارے باپ دادا بے تربیت ہوں گے، یہ بچے ہیں اور کھیلتے ہیں۔

انھوں نے کہا: آخر کھیل کا بھی قاعدہ اور قانون ہوتا ہے؛ لیکن تمہارا بچہ کچھ نہیں سمجھتا اور چاہتا ہے کہ زبردستی اپنی بات منوائے۔ اس نے ایسی بری عادات اپنا لی ہیں کہ کل جب جوان ہو گا تو کسی قانون کی پرواہ نہیں کرے گا اور ہر وقت دوسروں سے اُلجھتا رہے گا۔

رومی کے والدین نے کہا: ہمارا بچہ بے وجہ کسی سے نہیں لڑتا۔ ہاں! تم بھی اپنے بچوں کو طاقت ور اور زور آور بناؤ تا کہ کسی سے مار نہ کھائیں۔ انھوں نے کہا: یہ بدزبانی پر اُتر آتا ہے، اور گالی گلوچ سے بھی گریز نہیں کرتا۔ والدین نے کہا: خوب! جب اسے مارا پیٹا جاتا ہے تو

بدزبانی بھی کرتا ہوگا بچہ ہے اس لیے کسی کی بات برداشت نہیں کرتا۔

رومی جوان ہورہا تھا لیکن اس کے والدین بدستور کہتے تھے، ابھی بچہ ہے۔ اسے مدرسہ بھیجا گیا اور جب اس کی شکایت گھر آنے لگی تو والدین پھر بھی کہنے لگے کہ بچہ ہے۔ وہ جوں ہی مدرسہ سے لوٹتا تو کتابیں ایک طرف پھینک دیتا اور کھیل کود کے لیے گلی کوچوں میں نکل پڑتا۔ کسی نے اسے پڑھتے ہوئے کبھی نہ دیکھا تھا بلکہ امتحان میں اس کے فیل ہونے سے کسی کو تعجب بھی نہ ہوا۔ چندسالوں کے بعد اس نے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا۔ چوں کہ اس کے والدین خود بھی تعلیم سے بے بہرہ تھے؛ اس لیے انھوں نے بھی کوئی تردد نہ کیا۔ لڑکے نے سمجھا اب بہتر ہوگیا ہے اس لیے زورآزمائی میں لگ گیا۔

والدین بھی خوش تھے کہ لڑکا خوب کھاتا پیتا اور پہنتا ہے اس لیے کوئی بچہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا لیکن چندلوگوں نے رومی کے والدین سے کہا: اگر رومی اسی طرح بے ہنر رہا تو تمہاری غربت میں اِضافہ ہوجائے گا اس لیے اسے اپنے ہمراہ کام پر لے جایا کرو لیکن اس کی والدہ نے مخالفت کی اور کہا: میرے بیٹے سے اینٹوں جیسا مشکل کام نہیں ہوسکے گا؛ اس لیے کچھ عرصہ انتظار کرو تاکہ مزید طاقتور بن جائے۔

ایک مرتبہ تو ایسا اتفاق ہوا کہ اس نے کئی دن لڑکوں سے لڑائی جھگڑا کیا بلکہ ایک دن چاقو سے اپنے ساتھ کو زخمی کردیا تھا۔ جب اس کی شکایت لائی گئی تو اس کی والدہ، خالہ اور چچی نے زخمی لڑکے کی عیادت کی اور درخواست کی کہ اس واقعہ کا رومی کے والد کو علم نہ ہونے پائے۔

دوسرے دن کوچے کے کرانہ کی دوکان کے مالک نے رومی کے والد سے شکایت کی کہ تمہارا لڑکا سارادن بیکار لڑکوں کو جمع کرکے شوروغل کرتا ہے لیکن باپ نے اعتراض کیا اور کہا: تم خواہ مخواہ میرے لڑکے کے پیچھے پڑگئے ہو، حالاں کہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

تیسرے دن ایک دوسرے کوچے کے لوگ شکایت لے کر اس کے باپ کے پاس آئے کہ رومی نے سب کو پریشان کررکھا ہے اگر تم سے کچھ نہیں ہوسکتا تو صاف صاف بتاؤ تاکہ ہم خود اس کا تدارک کریں۔ باپ ابھی ابھی کام سے لوٹا تھا اور تھکا ہارا تھا اس لیے پریشان ہوگیا اور

بچے کو ڈانٹ کر کہا: آج کے بعد تمہاری شکایت نہ آنے پائے۔

دوسرے دن صبح ایک پڑوسی نے رومی کے باپ کا راستہ روک لیا اور کہا: دیکھو استاد عباس! ہم نے آج تک تمہیں کچھ نہیں کہا۔ تمہارا لڑکا صبح سے شام تک چھت پر موجود ہوتا ہے اور کبوتر اُڑاتا ہے جس سے ہمیں گھر بیٹھ کر بھی آرام نہیں ملتا۔ ہم نے آج تک تمہیں کچھ نہیں کہا لیکن اب اس کے ہاتھوں سے عاجز ہوگئے ہیں نہ تو یہ ہمارا کہنا مانتا ہے اور نہ ہی کسی کی نصیحت سنتا ہے۔ اگر کل سے اس نے ہمارے گھر پتھر پھینکے یا چھت اور دیواروں پر نظر آیا تو تمہارے لیے ایسی دردسری پیدا کریں گے کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔

باپ نے کچھ نہ کہا۔ وہ تھکا ہارا اور پریشان تھا اور سمجھ گیا تھا کہ ہمسایوں کی باتیں درست ہیں، وہ چپ چاپ گھر آیا اور بیوی سے کہا: میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ کبوتر بازی اچھا شغل نہیں ہے، کیا ہم نے پڑوسیوں سے نہیں کہا تھا کہ رومی اب چھت اور دیواروں پر نہیں جائے گا؟۔ پڑوسیوں نے اب دوبارہ کیوں شکایت کی؟ میں تو شرم سے زمین میں گڑنے کو تیار ہوں لیکن ان کا سامنا نہیں کرسکتا۔ میں سارا دن کام میں لگا رہتا ہوں اور محنت ومشقت کرتا ہوں تاکہ تمہارا پیٹ بھروں لیکن تم تو رومی کو نہیں سنبھال سکی۔

بیوی نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں ہر روز اسے نصیحت کرتی ہوں لیکن میری ایک بھی نہیں سنتا بلکہ آج بھی میری آوازیں سات گھروں تک پہنچتی رہی ہیں اور جتنے ہی نالے اور فریادیں کیں اس پر میرا زور نہیں چلتا۔ پس تم خود ہی جو کام بہتر سمجھتے ہو وہی کر گزرو۔

باپ سمجھ گیا تھا کہ ہماری تربیت شروع ہی سے غلط تھی اس لیے اب اسے سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بیوی نے پھر وہی باتیں دہرائیں اور کہنے لگی: ابھی بچہ ہے اور لاڈلا ہے۔ جب جوان ہوگا تو سمجھدار بن جائے گا۔

مرد نے کہا: تو ہمیشہ ایسی باتیں کرتی ہے، ایسا نہ کرو ہاتھ زخمی ہوجائے گا، ایسا نہ کرو گر جاؤ گے، ایسا نہ کرو کپڑے خراب ہوجائیں گے، تو نے کبھی یہ بھی کہا ہے کہ اس کام سے لوگوں کو تکلیف ہوگی۔ کبھی اسے یہ بھی کہا ہے کہ جس طرح ہم اپنا آرام چاہتے ہیں اسی طرح دوسروں کو

بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے لیے سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ ہمیں صرف اپنا بچہ دکھائی دیتا ہے گویا ہم صحرا میں رہ رہے ہیں۔ بہرحال! بچے کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کو سمجھ لے کہ اگر دوسرے لوگ اس کے ہاتھ سے آسودہ نہ ہوں گے تو وہ خود بھی آرام سے نہ رہ سکے گا۔ میں آج ہی سے اس کے پروگرام میں کچھ تبدیلی چاہتا ہوں اس لیے بہتر ہوگا کہ میرا ساتھ دو، میں لوگوں کی باتیں سن سن کر تھک گیا ہوں، اب ہر روز ان کی باتیں نہیں سن سکتا۔

بیوی نے کہا: تم جو کچھ کرو گے میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ مرد نے کہا: میں ابھی معاملہ درست کرتا ہوں۔ باپ نے رومی کو بلایا اور کہا: دیکھو میرے بیٹے! یہ میری آخری باتیں ہیں۔ میں صبح سے شام تک مزدوری کرتا ہوں تا کہ تم آرام سے رہ سکو؛ لیکن رات کو جب تھکا ہارا گھر لوٹتا ہوں تو لوگوں کی شکایتیں سن کر تنگ آ جاتا ہوں، اگر آج کے بعد کسی پڑوسی نے تمہاری شکایت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اپنے کبوتر بھی اپنے بازار لے جاؤ اور جو قیمت ملے فروخت کر دو اور خالی ہاتھ لوٹ آؤ۔ آج کے بعد دیواروں اور چھت پر تمہارے قدم نہیں جانے چاہئیں۔

لڑکے نے کہا: مجھے کسی سے کوئی واسطہ نہیں ہے، میں نے کبوتر اُڑانے کے لیے رکھے ہیں۔ باپ نے کہا: معلوم ہوتا ہے تم میری باتیں نہیں سمجھ رہے ہو۔ اس نے اپنی کمر سے چمڑے کا کمر بند کھولا اور چاہا کہ رومی کو کمر بند کی زبان سے سمجھائے لیکن لڑکا سمجھ گیا اور گھر سے بھاگ کر گلی کے سرے پر پہنچ گیا۔ باپ نے کمر بند رکھ دیا اور کبوتروں کی کوٹھری میں جا کر گیارہ کبوتر پکڑ لیے اور تھیلے میں ڈال کر دروازہ پر آ کر کہنے لگا: رومی انھیں اُٹھاؤ اور بیچ آؤ، ورنہ گھر میں ان کا نام ونشان بھی نہ ملے گا۔

لڑکے نے کہا: مجھ سے یہ کام نہ ہوگا۔ مجھے کبوتر بازی کا شوق ہے۔ باپ نے کہا: میں روز روز کی شکایتوں سے تنگ آ گیا ہوں، اب مجھے اپنا کام انجام دینا ہوگا۔ باپ نے باورچی خانہ سے چھری اُٹھائی اور تمام کبوتر باغیچے میں لا کر ذبح کر دیے اور چار رکابیوں میں دو دو کبوتر رکھ کر اپنے چار ہمسایوں کو بطورِ تحفہ بھیج دیے اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ کبوتروں کا گوشت بڑا خوش مزہ اور مقوی ہوتا ہے۔ آج کے بعد میرا بیٹا کبوتر بازی نہ کرے گا، اور یہ تحفہ تمہاری اس تکلیف

کے بدلے ہے جو تم نے رومی کی کبوتر بازی کی وجہ سے برداشت کی ہے۔

اس کے بعد باپ نے آخری تین کبوتر بھی صاف کر دیے اور بیوی سے کہا: کل رات ان کی یخنی تیار کرنا اور تہیہ کرو کہ معاملہ ختم ہو جائے۔ بیوی نے کہا: تم بہت پریشان ہو لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ ان بیچارے کبوتروں نے کیا گناہ کیا ہے؟۔ مرد نے کہا: وہی گناہ جو گائیں، دنبے، مرغ اور مچھلیاں کرتی ہیں جنھیں ہم روزانہ کھاتے ہیں لیکن یاد رکھو! رومی کے سامنے ایسا اعتراض ہرگز نہ کرنا۔

لڑکا شام تک گلی میں کھڑا رہا اور جب رات کا کھانا تیار ہوا تو ماں نے بڑی منت سماجت سے اسے بلا لیا اور بغیر کچھ کہے سنے سب گھر والے سو گئے۔ صبح کو بھی باپ نے رومی سے کوئی بات نہ کی اور اپنی محنت مزدوری پر چلا گیا۔

آج باپ ایک دوسرے محلے میں ایسے گھر میں کام کر رہا تھا جن کا مکان ان کے اپنے گھر سے بہتر نہ تھا۔ اس گھر کا مالک چاہتا تھا کہ اپنے مکان کی مرمت اور کچھ دیگر تعمیرات کرائے۔ صبح کو جب مالک مکان کے لڑکے نے استاد عباس کے سامنے دروازہ کھولا تو وہ اس لڑکے اور اپنے بیٹے کا مقابلہ کرنے لگا جو رومی کا ہم عمر اور ہم شکل تھا۔ استاد عباس کو اس گھر میں تیس چالیس دن کام کرنا تھا؛ اس لیے اس بچے کو اپنے لیے نیک فال خیال کیا۔

استاد عباس نے دیکھا کہ اس گھر میں ایک دوسرا لڑکا بھی موجود ہے اس لیے دونوں بھائی اپنا وقت اکٹھے گزارتے ہیں اور تعمیر کا کام نہایت شوق اور دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔ یہ دونوں لڑکے استاد عباس اور اس کے شاگرد کے لیے چائے لاتے اور تعمیر کے کام میں ان کی مدد کرتے تھے اور باقی وقت کتابیں پڑھنے لکھنے اور گھر کے کام میں مصروف رہتے تھے۔

استاد عباس کو پہلی ہی نظر میں ان بچوں کی شکل و شباہت پسند آ گئی تھی۔ اس لیے ان کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوا اور دل میں کہنے لگا: ان لڑکوں اور میرے لڑکے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ لڑکے کتنے مؤدب، خوش اخلاق اور خوش زبان ہیں۔ اپنے باپ سے کیسی تمیز، عزت اور احترام سے بات کرتے ہیں اور اس کے حکم تعمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں بلکہ ہمسایوں کے بچوں سے بھی ادب سے پیش آتے ہیں۔ یہ لڑکے تو مکان کی تعمیر میں استعمال

ہونے والے مصالحہ چونا اینٹوں لکڑی اور لوہے کے متعلق بھی معلومات رکھتے ہیں۔

استاد عباس نے پوچھا: تم معمار نہیں ہو لیکن تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہیں؟۔انھوں نے جواب دیا: ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے۔

دونوں لڑکے کافی دیر بیٹھے رہتے۔کتابیں پڑھتے اور جب تھک جاتے تو کھیل کود میں لگ جاتے تھے۔اگرچہ استاد عباس پڑھنا لکھنا نہ جانتا تھا اور مطالعہ سے محروم تھا لیکن جب انھیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کی خواہش ہوئی کہ کاش! اس کا لڑکا بھی لکھا پڑھا ہوتا۔جب اسی طرح تین چار دن گزر گئے تو ایک دن اس نے بچوں سے پوچھا کہ تمہارا باپ کیا کام کرتا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ وہ معلم ہیں۔استاد عباس کا دل ڈوب گیا اور کہا مجھے معلوم ہے۔

بچوں نے پوچھا: اگر تمہیں معلوم ہے تو پھر کس لیے پوچھتے ہو؟۔اس نے کہا: مجھے معلوم نہ تھا لیکن اب اتنا سمجھتا ہوں کہ اس میں اور مجھ میں کیا فرق ہے؟ بالکل اسی طرح جیسے تم میں اور میرے بیٹے میں فرق ہے بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ مجھے تربیت کے راز کا علم نہیں ہے؛ اس لیے اپنے بیٹے کی تمہاری طرح تربیت نہیں کر سکا۔یہی وجہ ہے کہ وہ سبق نہیں پڑھتا، کام نہیں کرتا اور نہ ہی میری باتوں پر توجہ دیتا ہے۔

بچوں نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو سدھر جائے گا۔عصر کے وقت جب استاد عباس اپنے کام سے فارغ ہوا تو اس نے مالک مکان سے خواہش کی کہ کچھ دیر بیٹھ کر اس کی باتیں سنے۔اس نے اپنے اور بیٹے کے حالات تفصیل سے بتائے اور خواہش ظاہر کی کہ کاش! میرا بیٹا بھی تمہارے بیٹوں کی طرح سعادت مند، با اخلاق اور تربیت یافتہ ہوتا۔کاش! اس نے بھی تعلیم حاصل کی ہوتی۔

گھر کے مالک نے کہا: تربیت تو بچپن ہی سے بلکہ روزِ پیدائش سے شروع ہوتی ہے لیکن تمہیں اپنی ذمہ داری کا احساس نہایت دیر سے ہوا ہے۔اس لیے اب تمہارے بیٹے کی تربیت میں زیادہ محنت کی ضرورت ہوگی نیز تمام برائیوں کی بنیاد بیکاری ہے، اگر تمہارا لڑکا سبق نہیں پڑھتا تو کم از کم اسے گلی کوچوں میں پھرنے سے منع کرو، اگر کسی دوسرے کا کہا نہیں مانتا تو اسے

اپنے ہمراہ کام پر لایا کرو، بہرحال میرے بچے بھی اسے پڑھنے پر آمادہ کریں گے اور اسے شوق دلائیں گے؛ کیوں کہ بچے ایک دوسرے کی زبان بخوبی سمجھتے ہیں۔

رات کو جب باپ گھر آیا تو اس نے ہر چند کوشش کی کہ کل صبح بیٹے کو اپنے ہمراہ کام پر لے جائے لیکن اس نے ایک بھی نہ سنی بلکہ اس کی ماں کہنے لگی: ایسے بچے کے لیے گارے اور اینٹوں کا کام ممکن نہیں ہے۔ کیا اس کے لیے مکہ باز اور پہلوان بننے میں کوئی برائی ہے؟۔

ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا ہم عمروں اور ہم جولیوں میں سب سے زیادہ طاقت ور ہو۔ لڑکے نے کہا: اب میں نے کبوتر بازی ترک کر دی ہے اور نہ ہی کسی ہمسائے کو مجھ سے شکایت ہے۔ مجھ سے گارے اور اینٹوں کا کام نہیں ہو سکتا۔ اب جب کہ میں پہلوان بننا چاہتا ہوں تو مجھے اس کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟۔

باپ نے ہنستے ہوئے کہا: پہلوانی اور مکہ بازی؟ یہ چیزیں کل تمہارے نان نفقہ کا انتظام نہ کر سکیں گی۔ لڑکے نے کہا: آپ کچھ عرصہ صبر کریں۔ میں اسی پہلوانی سے اپنی روٹی حاصل کروں گا۔ باپ نے کہا: میں صبر کروں گا اور دیکھوں گا۔ اس لیے کہ میں تو تمہاری خوش بختی چاہتا ہوں لیکن آج میں نے معلم سے بات چیت کی ہے، اس نے اپنے بیٹوں کی نہایت محنت سے تربیت کی ہے، وہ چاہتا ہے کہ تمہاری تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی برداشت کرے۔

لڑکے نے کہا: مجھے کسی تعلیم و تربیت کی ضرورت نہیں۔ میں نے جو پیشہ اختیار کیا ہے، وہی میرے لیے کافی ہے۔ باپ نے مزید کچھ نہ کہا۔

رومی کا معمول تھا کہ صبح سے شام تک گلی کوچوں میں پھرتا رہے، گھر میں اس کے آنے جانے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ اس کی بہنوں کی رخصتی ہو چکی تھی۔ اس کے ضعیف ماں باپ کام کرتے تھے تا کہ ان کا بیٹا کھائے پیے اور اسے کسی بات کا غم نہ ہو۔ لڑکا بھی اپنے دماغ کی پرورش کے بجائے اپنے جسم کی پرورش میں لگا ہوا تھا بلکہ اسے گھر میں جو کچھ میسر تھا اسے ناکافی سمجھتا تھا۔ گھر میں اسے عیش و عشرت کے وسائل میسر نہ تھے اور گھر کے باہر اس کے اخلاق کو پسند نہ کیا جاتا تھا۔ ہر جگہ رہنے سہنے کے لیے قاعدہ و قانون ضروری ہوتا ہے؛ لیکن یہ مغرور لڑکا اس کا پابند نہ تھا اس لیے

جب گلی میں نکلتا تو لوگ اپنے دروازے بند کر لیتے جس سے لڑکے کا دل ٹوٹ ٹوٹ جاتا لیکن اس نے تو آج تک 'نہ' کے معنی نہ سمجھے تھے بدقسمتی سے ایک دن وہ دوسرے محلے کے ایک لڑکے سے جھگڑ پڑا اور اسے ایسے زور سے مکہ رسید کیا کہ اس کے سینے کی ہڈی ہی ٹوٹ گئی۔

اب کیا تھا؟ معاملہ کوتوالی تک جا پہنچا اور رومی کی گرفتاری کا حکم جاری ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ آج یا کل گرفتار ہو جائے گا اور کوئی شخص اس کی مدد نہ کرے گا۔ اس لیے رات کو والد سے کہا: میں کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس شہر سے چلا جاؤں۔

باپ نے پوچھا: کہاں جاؤ گے؟ لڑکے نے جواب دیا: جہاں مجھے قسمت لے جائے گی۔

باپ نے کہا: ایک بیوقوفی اور بھی کر لو۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ شہر تمہارے لیے تنگ ہو گیا ہے اور دوسری جگہ تمہیں یہاں سے زیادہ آرام ملے گا تو ایسا کر کے بھی دیکھ لو۔ بہر حال! جہاں بھی جاؤ گے، آسمان کا رنگ یہی ہوگا، ہر جگہ مکہ بازی سے زندگی بسر نہیں کی جا سکتی۔ اگر تم شروع ہی سے میری باتوں.....

لڑکے نے باپ کی باتوں کو کاٹتے ہوئے کہا: آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی شخص مجھ سے سفر خرچ مانگنے کی جرأت نہ کرے گا؛ اس لیے مجھے کسی زادِ راہ کی ضرورت نہیں ہے۔

باپ نے کہا: ہاں! اگر تو نے ان لوگوں سے بھی ایسی حرکتیں کیں تو زندگی تجھ پر تنگ ہو جائے گی لیکن میرے بچے! دوسرے شہر میں ہماری کوئی واقفیت نہیں ہے، نہ ہی وہاں کوئی کام ہے اور نہ ہی تم کوئی ہنر جانتے ہو کہ جس کی بدولت محنت مزدوری کر سکو۔ اگر تو نے میری باتوں پر عمل کیا ہوتا اور میرا پیشہ ہی سیکھ لیا ہوتا تو جہاں بھی جاتے تمہیں یہی ہنر کام آتا۔ جو شخص بھی کوئی ہنر جانتا ہے وہ کسی جگہ مسافر نہیں کہلاتا بلکہ اس حال میں تجھے کہیں بھی جگہ نہ ملے گی۔ بیٹے نے کہا: میں پہلوان اور مکہ باز ہوں کوئی نہ کوئی ضرور ڈھونڈ لوں گا۔

باپ نے کہا: شاید تم چاہتے ہو گے کہ جنگل میں حیوانات سے پنجہ آزمائی کرو گے۔ شاید اس لیے کہ ہر وقت اپنے زور اور طاقت کی باتیں کرتے ہو۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس دنیا میں کوئی ہنر جانتا ہو جو اس کے کام آئے۔ صرف طاقت اور زور سے پیٹ نہیں بھرا جا سکتا۔

اسی دوران رومی کی والدہ نے روتے ہوئے کہا: میں تمہاری جدائی کسی حالت میں برداشت نہ سکوں گی۔تمہارا باپ سچ کہتا ہے۔اس شہر میں ہر طرح کے لوگ رہتے ہیں تجھے ابھی تک زندگی کی پہچان نہیں ہے اور جیسا کہ تم سوچتے ہو مسافری اتنی آسان نہیں ہے۔

لڑکے نے کہا: جدائی اور مسافری؟ یہ کیسی باتیں ہیں تم نے کبھی سفر نہیں کیا اور نہ ہی جانتے ہو کہ اس میں کتنے فائدے ہیں، انسان کو سفر میں کئی تجربات حاصل ہوتے ہیں۔

باپ نے کہا: زندگی اور تجربہ؟ تو نے مدرسہ میں زندگی کا سبق نہیں پڑھا۔تو نے کتاب میں یہ بھی نہیں پڑھا کہ محلّہ اور کوچے میں رہنے والے تجھ سے نالاں ہیں۔اب سوچتے ہو کہ سفر پر جاؤ اور مسافر کہلاؤ، جب کہ تمھیں کوئی شخص نہیں پہچانتا اور نہ ہی کسی کو تمہارا غم وفکر ہے۔کیا تم وہی شخص نہیں ہو کہ کوئی لڑکا تمھیں اپنے ہمراہ کھیل میں شامل نہیں کرتا تھا۔اب سفر پر جا کر کیا کروگے؟ میں تو ابھی سے سمجھتا ہوں کہ سفر میں تجھے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔آؤ اور ایک مرتبہ میری باتیں غور سے سنو اور کل سے میرے ہمراہ.........

لڑکے نے کہا: جو کچھ بھی ہو میں آج رات سفر پر روانہ ہو جاؤں گا البتہ اتنا کہوں گا کہ میرے جانے سے والدہ پریشان نہ ہو ورنہ بغیر اطلاع چلا جاؤں گا اور نہ ہی مجھ سے ایک دو کرو؟۔

باپ نے کہا: ایک دو کی بات نہی ہے البتہ ہمیں بھی کچھ سوچنے دو۔میں تمہارا بدخواہ نہیں ہوں اور جس طرح تم سمجھتے ہو سفر اتنا آسان نہیں ہوتا۔سفر تو پانچ قسم کے لوگوں کے لیے سودمند ہوتا ہے لیکن تم میں ان جیسی ایک صفت بھی موجود نہیں ہے۔پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو مالدار ہوتے ہیں اور سیر وسیاحت کے لیے سفر پر جاتے ہیں اور اپنی دولت کے سہارے کامیاب ہوتے ہیں۔دوسری قسم کے لوگ کاریگر اور ہنرمند ہوتے ہیں اور جہاں جاتے ہیں انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔تیسری قسم درویشوں اور اللہ والوں کی ہوتی ہے جن کا دل قناعت پسند ہوتا ہے اور شیریں زبان ہوتے ہیں ایسے لوگ زندگی کی سختیاں برداشت کرنے کے اہل ہوتے ہیں جن سے ہر ناواقف بھی دوستی کی رغبت کرتا ہے۔چوتھی قسم........

لڑکے کے لیے اتنی لمبی چوڑی باتیں سننے کی طاقت نہ رہی؛ اس لیے کہنے لگا: اب معاملہ

ان باتوں سے گزر گیا ہے مجھے یہ باتیں معلوم ہیں مجھے جانا ہے اور ہر حال میں جانا ہے۔

باپ نے کہا: تمہیں سختی برداشت کرنی پڑے گی، بھوک کا سامنا بھی کرنا ہوگا، اور دوسروں کے سامنے شاید ہاتھ بھی پھیلانے پڑ جائیں۔ میرے خیال میں تم بے ہنری اور بیکاری سے تنگ ہو، اگر کل سے میرے ہمراہ کام پر آؤ تو تمہیں کسی بات کی فکر نہ ہوگی۔ لڑکے نے کہا: میں مزدور نہیں ہوں، تمام دن کی محنت ومشقت کے بعد بہت کم مزدوری ملتی ہے۔

باپ نے کہا: ہاں! زندگی اسی طرح بسر ہوتی ہے۔ شاید تم چاہتے ہوگے کہ دس تومان کام کرو اور اس کے بدلے تمہیں سو تومان مزدوری دی جائے؟ شروع میں تو مزدوری اتنی ہی ملتی ہے لیکن جب کوئی شخص کام سیکھ لیتا ہے اور محنت سے کام کرتا ہے تو مالک اسے اچھی خاصی مزدوری دیتے ہیں۔

لڑکے نے کہا: بہرحال! مجھے سفر پر جانا ہے، میں تم سے کوئی چیز نہیں مانگتا میں جہاں بھی جاؤں گا اپنے زورِ بازو سے لوگوں کا عزیز بن جاؤں گا۔ اب میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ والسلام!

لڑکے نے اپنے کپڑے اور کچھ دیگر سامان اُٹھایا اور جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ ماں رونے لگی اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے؟ یہ حالت دیکھ کر باپ بھی بیوی سے کہنے لگا: سب تمہارا قصور ہے، اب تمہارا لاڈلا بیٹا کسی کی نصیحت سننے کے لیے تیار نہیں ہے، اب رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ماں نے کہا: میں کیا کرسکتی ہوں اور نہ ہی میرا کوئی اختیار ہے، مجھے اپنے بیٹے سے پیار ہے لیکن تم نے ایک مرتبہ بھی مدرسہ جانے کی تکلیف نہیں کی ہے کہ یہ سبق کیوں نہیں پڑھتا اور نہ ہی کبھی اس سے دریافت کیا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ جب وہ بچہ تھا تو اس وقت باپ کے لیے شمشاد کے درخت کی شاخ اور گل ناز تھا؛ اس لیے ہمیں کوئی بات کہنے کی جرأت نہ تھی۔ جب اس نے مدرسہ کو خیر آباد کہہ دیا تو اس کی کوئی فکر نہ کی گئی۔ جب تو نے اس کے کبوتروں کو ذبح کر دیا اور کبوتر بازی ختم کردی تو اسے ایک مرتبہ بھی اپنے ہمراہ کام پر نہ لے گئے تاکہ اسے محنت کی عادت ہوتی۔ کیا ہماری بچیاں گھر کا کام کاج نہ کرتی تھیں؟ الحمدللہ! اب وہ اپنے گھر والی

ہیں ورنہ تمہیں تو شاید ان کی فکر بھی نہ ہوتی۔ لیکن تم اس بات کو بھول رہے ہو کہ تم نے ان میں کتنا فرق رکھا ہوا ہے۔ یا الٰہی! میں مرجاؤں، میں نے اپنے بچوں کی کتنی تکلیف دیکھی ہے تم تو خیال کرتے ہو کہ بچیاں انسان کی اولاد نہیں ہیں لیکن میں جو بھی ہوں ان کی ماں ہوں، اب کہو! اس بےفکری کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

مرد نے کہا: تو سچ کہتی ہے، نہ تمہاری غلطی ہے اور نہ ہی میری بلکہ ہم دونوں قصوروار ہیں؛ اس لیے کہ ہم ان کی تربیت سے ناواقف تھے۔ ہم نے استاد نہیں دیکھا اور نہ ہی لکھے پڑھے ہیں۔ تمہیں یاد ہوگا جب رومی نے لڑکے کو زخمی کیا تھا تو اس واقعہ کو مجھ سے چھپائے رکھا اس وقت اس کی کتنی عمر تھی؟ ہمیں سوچنا تھا کہ کیا کرنا چاہیے؟ جب میں نے معلم کے بچوں کو دیکھا کہ اس کے ہم عمر ہیں اور کتنے مؤدب ہیں تو رومی کو میرے ہمراہ بھیجنے میں کوئی مدد نہ کی۔ اب زیادہ باتیں نہ بناؤ بلکہ میرا دل تو چاہتا ہے کہ بیٹھ کر روتا رہوں۔ جب تک میاں بیوی باتیں کررہے تھے، بیٹے اپنا سامان باندھ کر روانہ ہو چکا تھا۔ دوسرے دن صبح رومی کی تلاش میں سپاہی آئے لیکن رومی نہیں تھا اس کے والدین نے کہا: ہمیں تو کل سے اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔

باپ کو کوتوال کے پاس لے گئے لیکن اسے چھوڑ دیا گیا۔ رومی نے رات کو گھر سے نکل کر چند میل کے فاصلے پر ایک قہوہ خانہ میں قیام کیا اور دوسری رات بھی وہیں بسر کی لیکن ساری رات پریشان رہا جب صبح کو روانگی کا اِرادہ کیا تو اس سے رات کے کھانے اور قہوہ خانہ کے قیام کی رقم مانگی گئی۔ رومی نے جواب دیا: میں ان لوگوں سے نہیں ہوں جو کسی کو رقم دیتے ہیں بلکہ تمہیں تو میرا ممنون ہونا چاہیے کہ میرے جیسا آدمی گھٹیا قہوہ خانہ میں ٹھہرا ہے اور سادہ خوراک کھائی ہے۔ قہوہ خانہ کا مالک غریب اور مسکین شخص تھا۔ اس نے کچھ سوچا اور نہایت پیار سے کہا: ہم کسی کو نہیں جانتے اور اسی قہوہ خانہ کی آمدن سے پیٹ بھرتے ہیں۔

جوان نے کہا: پیٹ بھرو لیکن زیادہ باتیں نہ بناؤ، مجھے سب لوگ جانتے ہیں اور مجھے رومی مکہ باز کہتے ہیں۔ قہوہ خانہ کے مالک نے کہا: اس میں مجھ غریب کا کیا قصور ہے اگر میرے تمام گاہک مکہ باز ہوں تو چند دنوں میں میرا دیوالیہ ہو جائے گا۔ جوان نے کہا: نہیں سب لوگ مکہ باز

نہیں ہوتے ؛لیکن میں مکہ باز ہوں اور میرے پاس رقم کے بجائے یہی باز و اور مکہ ہے۔

قہوہ خانہ کے مالک نے کہا: بہت بہتر! کیا تم اپنی جواں مردی میرے لیے تحفہ لائے ہو؟۔

صبح کا وقت تھا اور قہوہ خانہ میں آمد و رفت نہ تھی؛ اس لیے قہوہ خانہ کا مالک اپنے اکیلے پن سے سہم گیا، جوان نے بھی اپنے آپ کو فاتح سمجھ لیا اور گٹھری اٹھا کر چل پڑا۔ وہ رستہ میں سوچنے لگا کہ بہت عمدہ جگہ تھی۔ اگر شہر کے نزدیک ہوتی تو چند دن قیام کرتا۔ وہ اسی بے خیالی سے چل رہا تھا، اسے منزل پر پہنچنے میں جلدی بھی نہ تھی اور نہ ہی اس کی کوئی منزل تھی۔ بہر حال اس نے چند دن منزل بہ منزل سفر کیا۔

ایک دن اتفاق سے وہ اپنی گٹھری سے کوئی چیز تلاش کر رہا تھا کہ اسے رومال میں بندھی ہوئی کچھ رقم دِکھائی دی وہ سمجھ لیا کہ ماں نے اسے میری خاطر رکھا ہوگا تا کہ ضرورت کے وقت اس کے کام آئے۔ تیسرے دن اسے ایک قہوہ خانہ دکھائی دیا اس نے وہاں دو دن قیام کیا جو بے حد عمدہ جگہ تھی اس لیے قہوہ خانہ کے مالک سے کہا: مجھے اپنے ہم سفر دوست کا انتظار ہے نیز اسے بتایا گیا کہ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر اس سے بھی عمدہ قہوہ خانہ موجود ہے۔

جوان نے جب روانگی کی تیاری کی تو وہی پرانا کھیل آزمانے لگا اور قہوہ خانہ کے مالک سے کہا: میں پہلوان اور مکہ باز ہوں اس لیے قیام اور طعام کی رقم دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اتنے میں چند سوار آ گئے جنھیں دیکھ کر جوان سمجھ گیا کہ ہوا مخالف ہے اس لیے رقم ادا کرنے میں اپنی سلامتی سمجھی اور کہا: میں تو تمہارا دل اور جرأت دیکھنا چاہتا تھا ورنہ میرا کام تو پانی کی طرح رقم بہانا ہے۔ اس لیے معاملہ خیریت سے گزر گیا۔

جب رستہ پر پہنچا تو وہاں سے دو راستے مختلف سمت کو جا رہے تھے؛ اس لیے شش و پنج میں پڑ گیا کہ کون سا راستہ اختیار کرے؟۔ اتفاق سے ایک بوڑھا دکھائی دیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کون سا رستہ اختیار کرے؟۔ بوڑھے نے کہا: یہ رستہ سرائے کی طرف جاتا ہے جہاں قافلے قیام کرتے ہیں اور وہاں سے شمال کی طرف جانے کا رستہ ہے لیکن دوسرا راستہ دریا کی طرف جاتا ہے جہاں مغرب کی طرف جانے کی کشتی ملتی ہے۔ جوان نے کہا: بہت خوب! اب مجھے یہ

بتائیں کہ سفر کے لیے کون سا راستہ بہتر ہوگا؟۔

بوڑھے نے کہا: تمہارا سفر کس مقصد کے لیے ہے؟۔ جوان نے کہا: میں بے کار ہوں اور بے مقصد سفر پر جارہا ہوں۔ بوڑھے نے کہا: مجھے معلوم نہیں ہے کہ تمہارے لیے کون سا راستہ مناسب ہوگا۔ جوان نے کہا: پس تم بڑے نادان ہو۔

بوڑھے نے جب جوان کو ایسا مغرور اور سرکش دیکھا تو جواب دیا، ہاں! میں تمہاری طرح نہیں ہوں، تم ماشاء اللہ جوان ہو اور خوش وخرم دکھائی دیتے ہو میری سوچ اور سمجھ تمہاری طرح نہیں ہے۔ بوڑھے نے ایسی باتیں کیں اور جوان سے اپنا پیچھا چھڑانے میں غنیمت جانا اور اپنے کام کاج کی طرف روانہ ہوگیا۔

جوان اپنے دل میں کہنے لگا: ہیں! واقعی سب لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں، اس نے دونوں رستوں میں سے ایک رستہ اختیار کرنے کے لیے شیر خط سے کام لیا اور دریا کا رستہ اختیار کرلیا اور دل میں کہا: خشکی تو ہمارے شہر میں بھی موجود تھی۔ معلوم ہوتا ہے کشتی اور دریا مجھے بلا رہے ہیں۔ وہ چلتا رہا اور دریا پر پہنچ گیا۔ کشتی مسافروں سے بھری تھی اور چلنے کے لیے تیار تھی؛ اس لیے ملاح ان سے کرایہ وصول کررہا تھا، جوان بھی ملاح کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: میں سفر پر جارہا ہوں لیکن میرے پاس رقم نہیں ہے اگر مجھے بھی اپنے ہمراہ سوار کرلو تو تمہارے کام آؤں گا۔

ملاح نے پوچھا: تم کس کام آسکتے ہو؟۔ جوان نے کہا: اگر تمہیں کسی دشمن کا سامنا ہوا تو میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ ملاح ہنسنے لگا اور کہا معاف کرو۔ ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے اور نہ ہی اس رستہ میں چور ڈاکو ہیں جن سے مقابلہ کرنا پڑے۔ دریا کے سفر کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اپنا زور اور طاقت اپنی خالہ اور چچی کے گھر خرچ کرنا۔ ملاح نے اتنا کہنے کے بعد دوسرے ملاحوں کو چلنے کا حکم دے دیا۔

جوان یہ سماں دیکھ کر پریشان ہوگیا اور چاہا کہ ملاح کو دندان شکن جواب دے لیکن کشتی تو کچھ فاصلے پر پہنچ گئی تھی اس لیے بلند آواز سے کہنے لگا: میرے پاس رقم کے بجائے کپڑوں کی گٹھری موجود ہے جسے بیچنے کے لیے جارہا ہوں۔ تمہیں جون سی پسند آئے لے لو اور مجھے ہمراہ لے جاؤ۔

ملاح کو لالچ نے گھیر لیا اور کشتی کنارے پر لے آیا اور کہا معلوم ہوتا ہے اب تمہاری سمجھ میں کچھ نہ کچھ آ گیا ہے؛ اس لیے آؤ اور سوار ہو جاؤ۔ جوان تو ملاح کی زبان کا زخم خوردہ تھا، جوں ہی اس کا ہاتھ ملاح کے دامن میں پہنچا تو اسے کنارے پر کھینچ لیا اور اس کے سینے اور پیٹھ پر مکے برسانے لگا اور کہا بد بخت! مجھ سے کرایہ مانگتے ہو؟۔

جب دوسرے ملاحوں نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ بھی نیچے اُتر آئے لیکن ان میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جو اس کا مقابلہ کر سکتا اور اس پر قابو پاتا؛ اس لیے مجبوراً انتقام کی بجائے صلح صفائی پر اُتر آئے۔ ملاح بھی مار کھانے کے باوجود قہقہہ لگانے لگا اور کہا: میرے بیٹے! صبر کرو، ہم نے تو مزاح کیا تھا لیکن تم تو اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے لگ گئے ہو؟ واقعی جوان اور باہمت ہو۔ مجھے اپنی جان کی قسم ہے تم وہی شخص ہو جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ اب ہمیں کوئی گلہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ تمہیں پہچان لیا ہے اور اس بات کے لیے تیار ہیں کہ تمہیں دنیا کے آخری سرے پر پہنچا دیں۔ تمہارے قدم ہماری آنکھوں پر۔ آؤ اور کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ ہم کرایہ بھی تمہارے سر پر قربان کرتے ہیں بلکہ دریا کے پار جانے تک تم ہمارے مہمان ہو گے، ہم اس حادثہ کو بھلانے کے لیے تیار ہیں بلکہ اس بات سے خوش ہیں کہ تم جواں مرد اور طاقت ور ہو۔

ملاحوں نے مل کر جوان کو رام کر لیا تھا اور اس سے صلح کر کے اس کا سر اور منہ چومنے لگے بلکہ معافی مانگ کر کشتی میں اسے سوار کر لیا۔ ملاح نے مسافروں سے کہا: تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم نے جھگڑا کیا ہے بلکہ ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ مسافر بھی ہنسنے لگے اور کشتی چل پڑی۔

مسافروں میں ایک بوڑھا شخص جہاں دیدہ اور مردم شناس تھا۔ وہ ملاحوں کے پاس آیا اور کہنے لگا: تو نے اس خودسر جوان کو اپنے ہمراہ سوار کر کے اچھا کام نہیں کیا، ممکن ہے راستے میں ہمارے لیے کوئی اور دردِ سر پیدا کرے۔ اس جوان کی حرکت سے سب مسافر رنجیدہ ہیں۔ اگرچہ ہم جھگڑا نہیں چاہتے لیکن لوگوں کو سر پر نہیں چڑھانا چاہیے۔

ملاح نے کہا: آپ تسلی رکھیں، ابھی یہ جوان ہمارے پنجے میں گرفتار ہے۔ میں نے اس لیے سوار کیا ہے کہ اسے اچھا سبق سکھایا جائے لیکن ہم کنارے پر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ آپ کچھ

دیر صبر کریں اور نتیجہ کو دیکھیں؛ اس لیے کہ مرغی کے چوزے پت جھڑ کے آخر میں گنے جاتے ہیں۔

ملاح اور اس کے ساتھیوں نے اِشاروں ہی سے نقشہ تیار کر لیا تھا اور اس کی قہوہ، شربت اور مٹھائی سے خاطر تواضع کر رہے تھے اس لیے آپس میں ایسے محوِ گفتگو ہوئے گویا مدتوں سے ایک دوسرے کے واقف ہیں۔ ملاح نے نوجوان سے ہر طرح کی باتیں کیں اور کہا: ہمیں دریا کے سفر میں کئی طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کبھی دریائی قذاقوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے لیکن اب تو ہمیں تمہارے دست و بازو پر فخر ہے، اگر تم بھی ہماری طرح دریا نوردی کرو تو یقین رکھو تمہارا وقت خشکی کے مقابلے میں اچھا گزرے گا۔ صرف ہمیں ہی دیکھ لو اللہ تعالیٰ کا تمام ملک ہمارے قدموں تلے ہے۔ یقین کرو، پانی کے مانند خوبصورت اور صاف جگہ زمین کے کسی حصہ میں نہیں ہے۔ ہم سے زیادہ خوش نصیب دنیا میں کوئی شخص نہیں ہے۔ اب تمہارے ملنے سے ہم ایسا محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے گمشدہ دولت حاصل کر لی ہے۔ بہرحال! امتحان کے طور پر یہ سفر ایک آزمائش سمجھو، اگر تمہیں پسند آئے تو ہمیشہ کے لیے ہمارے ہمراہ رہ جاؤ۔

ملاح کافی دیر تک ایسی باتیں کرتا رہا اور جوان خوشی اور غرور سے پھولوں نہ سماتا تھا اور دل ہی دل میں شہر، گاؤں، والدین، کوچہ اور محلّہ سے بیزار ہوتا گیا۔ کشتی مسلسل چل رہی تھی اور رات آ گئی۔ انھوں نے رات کا کھانا مل کر کھایا اور دوسرے دن صبح ساحل کے نزدیک ایک خطرے کے مینار کے قریب پہنچ گئے جہاں سے ایک شہر دکھائی دے رہا تھا، پرانے زمانہ میں ایسے مینار پتھریلی چٹانوں پر بنائے جاتے تھے تاکہ کشتیاں ان سے دور رہیں اور ٹکرانے نہ پائیں۔

ملاح نے کشتی روک لی اور کہا: بادبان کا کپڑا کام نہیں کر رہا ہے، اگر دریا میں طوفان آ گیا تو ہم آگے نہ بڑھ سکیں گے۔ بادبان کی مرمت کے لیے اس سے بہتر کوئی جگہ نہ ہوگی۔ اس لیے کسی حادثے یا مصیبت میں گرفتار ہونے سے بہتر ہے کہ کچھ دیر یہاں رک جائیں۔

ملاح نے بادبان کی مرمت کا حکم دیا اور کہا: جو شخص پانی سے نہیں ڈرتا وہ چٹان پر جا کر ستون کے پاس پہنچ جائے اور مضبوطی سے رسہ پکڑ لے تاکہ کشتی حرکت نہ کرے اور بادبان کی مرمت کر لی جائے۔ مددگار ملاح نے کہا: یہ تو میرا کام ہے، میں رسے کو مضبوطی سے پکڑ رکھوں

گا۔ ملاح نے کہا: تم نے تو چرخی گھمانی ہے تا کہ رسے کی گانٹھیں درست کی جائیں کیوں کہ کوئی دوسرا شخص اس کام سے واقف نہیں ہے؛ لیکن چٹان پر جا کر رسہ پکڑنا ایسے شخص کا کام ہے جو طاقت ور ہو اور ڈرپوک بھی نہ ہو ممکن ہے اسے آدھ گھنٹہ اپنی جگہ پر کھڑا رہنا پڑے۔

مکہ باز جوان تو پہلے ہی ملاحوں کی باتوں میں آ گیا تھا اس لیے کہنے لگا: ان مسافروں کو اس کام کا حوصلہ اور جرأت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شخص مجھ جیسا طاقتور ہے۔

ملاح نے کہا: نہیں نہیں! تم ہمارے مہمان ہو، ہم مہمانوں سے کام نہی لیتے حالاں کہ یہ کام تمہارے لیے مناسب ہوگا۔ جوان اور بھی خوش ہو گیا اور کہنے لگا: یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے چٹان اور مینار بھی قریب ہیں اور میں آسانی سے وہاں پہنچ سکتا ہوں۔

ملاح کے نائب نے کہا: میرے دوست! اگر ڈر محسوس کرو تو ہم تمہیں وہاں پہنچا سکتے ہیں، یہاں سے مینار تک دس قدم کا فاصلہ ہے اور چٹان پر سیڑھی بنی ہے۔ جوان نے کہا: اس کی فکر نہ کرو۔ اس نے رسی کا سرا پکڑا اور کشتی میں سیڑھی لگا کر مینار پہنچ گیا اور اسے پکڑ کر رسہ کھینچ لیا۔

ملاح نے کہا: ہاں! رسے کو مزید کھینچو۔ ہاں! کھینچتے رہو۔ اب درست ہے۔ بغیر حرکت کیے اسے تھامے رہو۔ اس وقت ملاح کے نائب نے سیڑھی کھینچ لی جو پانی میں گر گئی۔ ملاح نے جوان سے کہا: اب وہیں کھڑے رہو؛ اس لیے کہ یہ عمدہ جگہ ہے اور لوگ بھی تمہارے شر سے محفوظ رہیں گے البتہ یہاں تمہیں مکہ بازی کا موقع نہ ملے گا۔ اپنی کپڑوں کی گٹھری بھی لے لو تا کہ سردی سے محفوظ رہو۔ ملاح نے جوان کی گٹھری اس کی طرف پھینک دی اور رسی کا دوسرا سرا بھی چھوڑ دیا جو اس نے پکڑ رکھا تھا اور کشتی کو چلنے کا حکم دے دیا۔

جوان تیرنا نہ جانتا تھا؛ اس لیے سمجھ گیا کہ ملاح نے مجھ سے مکہ بازی کا انتقام لیا ہے، وہ جتنا ہی چیخا چلایا کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ جب کشتی چل پڑی تو تجربہ کار بوڑھا نہایت ہی ناراض ہوا اور ملاح سے کہا: میرے بھائی! تو نے بڑا سخت انتقام لیا ہے۔ بیچارہ پانی گر کر ڈوب مرے گا۔

ملاح نے کہا: اس کی فکر نہ کرو۔ وہ ایک رات بے خوابی میں گزار لے گا اور ڈرتا رہے گا

لیکن کچھ نہ کچھ نصیحت حاصل کرے گا۔کل صبح لوگ ساحل سے دیکھ کر اسے نجات دے دیں گے۔میں نے اس کی گٹھری بھی اس کے حوالے کردی ہے،اس کا سرمایہ اس کی طاقت ہے اور وہ بھی اس کے پاس موجود ہے۔اے بزرگ! مجھے بتاؤ کہ کیا میں نے کرایہ مانگ کر کوئی غلطی کی تھی؟ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اس نے ہم سے کیسا سلوک کیا تھا؟۔ بوڑھے نے کہا: اگر کل تک اسے نجات مل جائے تو بہتر ہوگا ایسے آدمی کے لیے یہ تجربہ بھی بہتر ہوگا۔

جوان حیران و پریشان چٹان اور مینار پر کھڑا تھا۔اس نے دوسرے دن دیکھا کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے پانی ہی پانی ہے اور کسی جگہ زندگی کے آثار نہیں ہیں۔سیڑھی بھی اس کے پاؤں کے نیچے پانی میں تیر رہی تھی اور مینار پر کھڑے ہونے یا بیٹھنے کے علاوہ زیادہ جگہ نہ تھی۔وہ بھوکا پیاسا تھا اور بے خوابی اور پریشانی سے سوچنے سمجھنے سے بھی قاصر تھا۔اسے بار بار ماں باپ،کوچہ،محلّہ،کام،بے کاری اور آوارگی یاد آ رہی تھی۔

جب کھڑے کھڑے تھک گیا تو سیڑھی کے پاس پہنچ گیا اور اس کے اوپر لیٹ گیا سیڑھی پانی کی لہروں کے ساتھ ساتھ ساحل کی طرف جا رہی تھی اور حسن اتفاق کنارے کے قریب پہنچ کر درختوں اور گھاس میں اَٹک کر رک گئی۔جب اسے ہوش آیا تو اس میں اُٹھ کر کھڑا ہونے یا چلنے کی طاقت نہ تھی لیکن جان کے خوف سے ساحل پر پہنچ گیا تا کہ تھکاوٹ دور کرے اور دھوپ میں کپڑے خشک کرے۔

جوان گھاس اور سبزہ کھود کر کھانے لگا،اس کے بخت نے مدد کی کہ موسم اچھا تھا اور جوں ہی اس کی جان میں جان آئی تو جنگل کی طرف چل پڑا،حالاں کہ اسے معلوم بھی نہ تھا کہ کس سمت کو جا رہا ہے۔وہ بھوکا اور پیاسا تھا کہ اتفاق سے ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں ایک چہار دیواری کے اندر کنواں تھا۔کنویں کا مالک بیٹھا تھا اور مسافروں سے رقم لے کر انھیں پانی پلا رہا تھا بلکہ مسافر تو اپنے کوزے اور مشکیزے بھی پانی سے بھر رہے تھے۔

جوان آگے بڑھا اور پانی کا پیالہ لے کر پی لیا اور دوسرا پیالہ لے کر منہ ہاتھ دھو لیے اور تازہ دم ہوگیا۔جوان کچھ دیر بیٹھا رہا اور شہر جانے کا رستہ دریافت کرتا رہا جب جانے کے لیے

تیار ہوا تو کنویں کے مالک نے اس سے پانی کی قیمت مانگی۔ جوان کو معلوم تھا کہ اس کے پاس رقم نہیں ہے لیکن اپنی کم عقلی اور طاقت کے گھمنڈ سے شیریں زبانی سے کام لینے پر بھی قادر نہ تھا؛ اس لیے کنویں کے مالک سے کہا: کیا تمھیں پانی کی قیمت لیتے ہوئے شرم نہیں آتی؟۔

کنویں کے مالک نے کہا: کیسی شرم؟۔ یہ زمین میری ہے، میں نے خرچ کیا ہے، محنت اور تکلیف برداشت کی ہے اور کنواں کھودا ہے، اب لق ودق صحرا میں مسافروں اور رہ گزروں کے لیے پانی مہیا کر رہا ہوں۔ ہر شخص کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے اور میرا کام یہی ہے۔ میں لوگوں سے ان کے باپ کی وراثت تو نہیں لے رہا، صرف معمولی سا سکہ لیتا ہوں اور پیاسوں کی پیاس بجھاتا ہوں۔

جوان نے کہا: تمہارا مطالبہ اور باتیں درست ہیں لیکن میں رقم دینے والوں میں سے نہیں ہوں، اس لیے جو چاہتے ہو وہی کر گزرو۔ کنویں کے مالک نے کہا: اگر تم کہتے کہ مسافر ہوں، رستہ سے بھٹک کر یہاں آنکلا ہوں، میرے پاس رقم نہیں ہے، ضرورت مند اور مہمان ہوں تو کچھ بات بھی بنتی لیکن تم کہہ رہے ہو کہ میں رقم دینے والوں میں سے نہیں ہوں اور جو چاہو کر گزرو؛ اس لیے ہمیں بھی کچھ کرنا پڑے گا۔ جوان نے کہا: میں نے جو کہا ہے وہی ہے۔ میں نے اپنے بازو میں طاقت جمع کر رکھی ہے اور.........

اتنے میں چند اشخاص اس کے گرد جمع ہو گئے اور اسے غور سے دیکھنے لگے۔ جوان نے کہا: کیا بات ہے؟ کیا تم نے آدمی نہیں دیکھے کہ مجھے اس طرح دیکھ رہے ہو؟ ایک شخص آگے بڑھا اور کہا: معلوم نہیں تم نے کون سے اصطبل میں پرورش پائی ہے؟ یہ کیسی باتیں بنا رہے ہو۔

جوان نے کہا: بس یہی کچھ ہے، اگر جھگڑے کے لیے تیار ہو تو آگے آجاؤ۔ ان نوجوانوں میں ایک شخص قدرے بے حوصلہ تھا وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا واقعی یہاں لڑنے کے ارادے سے آئے ہو تو برا کر رہے ہو اور برائی ہی دیکھو گے، اب جاؤ اور ہماری نظروں سے دور ہو جاؤ، ہم یہی سمجھیں گے کہ ایک گداگر آیا تھا اور گداگری کر رہا تھا۔

جوان نے ابھی ان اشخاص کی گنتی نہ کی تھی؛ اس لیے آگے بڑھا اور ایک شخص کو گلے سے

پکڑلیا اور پوچھا: کیا کہہ رہے ہو؟۔ اس کے ساتھیوں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو چند افراد اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کی خوب مرمت کی اور کہا: تو جو کچھ کہہ رہا ہے یہ باتیں تو ہماری ماں اور خالہ کے لیے بہتر ہیں، اس صحرا میں ایسی باتوں کا خریدار کوئی نہ ہوگا۔

قصہ مختصر! سب نے مل کر جوان کو خوب مارا پیٹا اور بے حال کر دیا۔ اب اس کے لیے سوائے برداشت کے کوئی چارہ نہ تھا؛ اس لیے کہ کئی افراد نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا لیکن اب بھی معلوم ہوتا تھا کہ اس سفر سے اس نے کچھ نہیں سیکھا۔

جوان نے کہا: خدا کے لیے مجھے معاف کر دو، میں مسافر اور بھوکا ہوں، کشتی سے دریا میں گر پڑا تھا اور کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ انھوں نے کہا: یہ تو بہت اچھا ہوا ہے کہ مسافر اور بھوکے ہو اور کشتی سے دریا میں گرے ہو اور چند دنوں سے کچھ نہیں کھایا، اگر تمہارا پیٹ بھرا ہوتا تو معلوم نہیں کیسے جانور ہوتے! معلوم نہیں تجھے کون سے کھنڈرے سے نکال کر لایا گیا ہے!۔

بہر حال! اسے کھانا دیا گیا۔ جب اس کی جان میں جان آئی تو آرام کے لیے لیٹ گیا اور چپ سادھ لی۔ اتفاق سے کچھ دیر بعد ایک قافلے کا وہاں سے گزر ہوا جنھوں نے رستہ کے لیے کافی پانی خریدا اور جوان بھی قافلے کے پیچھے روانہ ہو گیا اور ان کا ہم سفر بن گیا۔

رات کو جب قافلے کا گزر 'صحرائے نوگنبد' سے ہوا تو کہنے لگے یہاں راہزن کمین گاہوں میں ہوتے ہیں؛ اس لیے اہل قافلہ نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اونٹوں کی گھنٹیاں کھول دیں تاکہ ان کی آواز نہ آنے پائے۔ نیز چند جوانوں کو حفاظت اور دیکھ بھال پر مقرر کر دیا۔

ہمارے قصے کے جوان نے بھی موقع کو غنیمت سمجھا اور سالارِ قافلہ کے پاس جا کر کہا: تم چوروں سے نہ ڈرو، میں اکیلا ہی پچاس آدمیوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں، تم بھی میری مدد کرو گے اس لیے ہمارا پلہ بھاری ہوگا۔ مجھے امید ہے کوئی شخص ٹیڑھی آنکھ سے بھی ہمیں نہ دیکھ سکے گا۔

اہل قافلہ اس کی ہمرائی اور موافقت سے بہت خوش ہوئے، اسے ایک جوڑا لباس ہدیہ دیا۔ جب منزل پر پہنچے اور رات کو قیام کا اِرادہ کیا تو خطرے کے خوف سے جوان کی خوب خاطر تواضع کی، اسے کئی دنوں کی پریشانی کے عمدہ خوراک ملی تھی اس لیے خوب پیٹ بھر کر کھایا پیا بلکہ اب تو

اس میں ہلنے جلنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ اہل قافلہ جوں ہی آرام کے لیے لیٹے تو جوان نے بھی ایک چٹائی لی اور سب سے پہلے سو گیا۔ اس کے خراٹوں کی آواز نوگنبدوں سے بھی بلند ہوگئی۔

اس قافلے میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جس نے دنیا کے گرم و سرد حالات دیکھے تھے اور بڑا تجربہ کار تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میرے بھائیو! میں اس جوان کو پہچانتا ہوں۔ دو سال قبل میں اس کا پڑوسی تھا اور اسی جوان کے کرتوتوں سے تنگ آکر اپنا مکان بیچ دیا تھا۔ یہ ایسا نکما اور نکھٹو ہے کہ میں تو چوروں سے زیادہ اسی سے ڈر رہا ہوں۔ اس کا دعویٰ دیکھو! یہ کہتا ہے کہ پچاس ڈاکوؤں کا مقابلہ کر سکتا ہے جب کہ اس نے کھانا کھانے میں سب سے پہلے پیٹ بھر لیا ہے اور جاگنے اور پہرہ دینے کی بجائے سب سے پہلے سو گیا ہے!۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اگر سارے قافلے کو پانی بہا کر لے جائے تو یہ اپنی نیند سے سر نہ اُٹھائے گا اور اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ ڈاکوؤں نے حملہ کیا تو انہی کا ساتھ دے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ڈاکوؤں کا ساتھی ہو اور ہمیں دھوکہ دینے کے لیے ہمارے ساتھ شامل ہو گیا ہو۔ میرا تو یہی مشورہ ہے کہ اسے سوتا ہوا چھوڑ دیں اور یہاں کوچ کر لیں؛ اس لیے کہ اس شخص کے ہم سفر ہونے سے ایک رات کی بے خوابی بہتر ہے۔

اہل قافلہ نے یہ تجویز منظور کر لی۔ جب انھوں نے سامان باندھا تو پریشان حال جوان کو کسی شور اور زمزمہ نے بیدار نہ کیا اور قافلہ روانہ گیا۔ جوان اسی طرح پڑا رہا اور صبح کو چور بھی اس کے سر پر آ گئے جب اسے سویا ہوا دیکھا تو اسے بیدار کیا اور پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں قافلے کا ایک فرد ہوں۔ انھوں نے کہا: کون سا قافلہ؟۔

اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں ہے۔ جب میں جاگ رہا تھا تو اہل قافلہ یہاں موجود تھے، اب تم نے جگایا ہے تو قافلہ موجود نہیں ہے۔ ڈاکوؤں نے کہا: قافلہ کہاں سے آ رہا تھا اور کس سمت کو گیا ہے؟۔

جوان نے کہا: مجھے معلوم نہیں ہے۔ میں اکیلا سفر کر رہا تھا اور رستہ بھٹک گیا تھا، اتفاق سے قافلہ کے ہمراہ شامل ہو گیا۔ میں اہل قافلہ سے کسی کو نہیں پہچانتا۔ ایک چور نے کہا: یہ وہی شخص

ہے جس کے متعلق میں بتا رہا تھا ورنہ یہاں اکیلا نہ ہوتا۔ ڈاکوؤں نے اسے پکڑ لیا اور خوب مارا پیٹا، اس کے کپڑوں کی گٹھری لے لی اور ایک زیر جامہ کے علاوہ باقی کپڑے بھی اُتار لیے اور ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور قافلہ کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے چل پڑے۔

جوان درخت سے بندھا تھا اور نہایت نا اُمید تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ معلوم نہیں اہل قافلہ نے مجھ سے کون سی برائی دیکھی ہے کہ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ وہ ظہر تک بھوکا پیاسا رہا کہ اتنے میں شہزادہ شکار کی تلاش میں اُدھر آ نکلا۔ جب اس نے جوان کو درخت سے بندھا ہوا دیکھا تو اسے رحم آیا اور جوان کو آزاد کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کے پاس لے آیا۔ شہزادہ نے جوان کو نیا لباس دیا اور کھانا کھلا کر حال اَحوال دریافت کیا۔

جوان نے اپنی سرگزشت بیان کی تو شہزادے نہ کہا: میں نے جب شروع میں تمہیں دیکھا تو خیال کیا کہ تمہیں ایک دستہ کا سردار بناؤں گا لیکن تم سے بے لیاقتی کی بو آ رہی ہے۔ سرائے کے مالک کو کھانے کی قیمت اور ملاح کو کرایہ کا حق تھا۔ کنویں کا مالک بھی پانی کی قیمت وصول کرنے میں حق بجانب تھا اور اہل قافلہ کو بھی حق حاصل تھا کہ تجھے اکیلا چھوڑ کر تجھ سے اپنا پیچھا چھڑاتے؛ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل قافلہ میں کوئی ایسا شخص بھی موجود تھا جو تجھے پہچانتا تھا۔ ہاں! بتاؤ کہ قہوہ خانہ کا مالک، ملاح اور کنویں کے مالک کا کیا گناہ تھا؟۔

جوان نے کہا: اب میں سمجھ گیا ہوں کہ میں نے ہر ایک سے برا سلوک کیا ہے؛ اس لیے اپنے کام سے پشیمان ہوں اور توبہ کرتا ہوں، اب چاہتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں رہوں اور آپ پر اپنی جان فدا کروں۔ شہزادہ نے کہا: اس کا امتحان بھی آسان ہے۔ اگر میں تجھے ہزار دینار بخش دوں اور تجھے والدین کے پاس بھیج دوں تاکہ اپنے والدین سے اجازت لے آؤ تو کس طرح جاؤ گے اور کیسے واپس آؤ گے؟۔

جوان نے کہا: اجازت مجازت کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر آپ چاہتے ہیں تو انھیں اطلاع دے کر فوراً واپس آ جاؤں گا۔ شہزادہ نے کہا: کیا تم نہیں چاہتے ہو کہ قہوہ خانے کے مالک، ملاح اور کنویں کے مالک سے اپنے رویے کی معافی مانگو اور ان کی دل جوئی کرو۔ جوان

نے کہا: کیسی معافی اور کیسی دل جوئی؟ میں اس وقت مجبور تھا۔ اگر میری جگہ کوئی اور شخص بھی ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔

شہزادہ نے کہا: نہیں! جو شخص بھی تمہاری طرح برتاؤ کرتا، برائی ہی دیکھتا۔ دنیا کی رسم یہ ہے کہ ہر جگہ درست باتیں اور انصاف کو پسند کیا جاتا ہے اور کوئی شخص زور، ظلم اور زیادتی کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی تم دنیا کی رسم تبدیل کر سکتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تم اچھا انسان بننے کے لیے آمادہ نہیں ہو۔ اس لیے ہمارے پاس تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اے جوان! میں چاہتا ہوں کہ اپنی رعایا اور مصاحبوں کا عزیز بنوں۔ اگر میرے مصاحب تم جیسے بن گئے تو بجائے عزیز بننے کے اپنی عزت بھی کھو بیٹھوں گا۔

میرے عزیز! اب جب کہ تم اپنے والدین کی اجازت لینا بھی پسند نہیں کرتے تو میں تجھ پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں کہ میرے پاس ایمان داری سے کام کرو گے۔ رقم کی موجودگی کے باوجود بھی تم لوگوں کا حساب بے باق کرنے کے لیے تیار نہیں ہو اور اپنے رویہ پر اظہارِ ندامت کرنے اور معافی مانگنے کے لیے آمادہ نہیں ہو۔ پس سرداری اور اعلیٰ عہدہ کی خواہش کیسے کرتے ہو؟ تمہیں ہزار دینار دینا بھی رقم ضائع کرنی ہے البتہ تجھے والدین کے لیے کچھ تحفہ دیے جاتے ہیں اور اپنے سپاہیوں کے ہمراہ تجھے وطن بھیجتا ہوں اس کے بعد بھی تمہارے حالات دریافت کرتا رہوں گا۔ جب مجھے معلوم ہوگا کہ کوئی شخص تجھ سے آزردہ نہیں ہے اور جان لوگے کہ لوگوں کے حقوق کیسے ادا کیے جاتے ہیں تو شاید اس وقت تجھ سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ نیز یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ جو شخص صرف اپنے آرام اور آسائش کی فکر میں رہتا ہے اور دوسروں کے آرام و آسائش کو پسند نہیں کرتا وہ چاہے گھر پر ہو یا سفر میں ہو، لوگوں کی نظروں میں عزیز اور محترم نہیں بن سکتا۔

جوان کو اپنے وطن بھیج دیا گیا چوں کہ اس کی ظاہری حالت بہتر تھی اسے دیکھ کر والدین بے حد خوش ہوئے۔ رات کو جوان نے اپنے سفر کی داستان سنائی اور ملاح کا مکر و فریب بھی بتایا اور دوسرے حالات کے علاوہ یہ بھی بیان کیا کہ اگر شہزادہ وہاں نہ پہنچتا تو شاید اسی جنگل میں ہلاک ہو جاتا۔ بہرحال! اس نے بتایا کہ جب میں سفر پر روانہ ہوا تھا تو خالی ہاتھ لیکن اب تحفے

تحائف لے کر واپس آیا ہوں۔

جوان نے بتایا کہ اب میں مکہ بازی سے کنارہ کشی کروں گا اور سفر سے جو تجربہ حاصل کیا ہے اسے کام میں لاؤں گا اور اپنے آپ کو اچھا انسان بنانے کی کوشش کروں گا۔ باپ نے کہا: اب ایک تو درست ہو گیا ہے یعنی تم خیریت سے واپس آ گئے ہو اور تجربہ بھی حاصل کیا ہے اور اتفاق سے تحفے تحائف بھی لے آئے ہو اگر تمہاری ملاقات شہزادے کے بجائے اپنے مانند کسی شخص سے ہوتی تو نیک بختی کی بجائے بد بخت بن جاتے۔ ہاں! اب مجھے بتاؤ کہ کل سے کیا کام کرو گے؟۔

نوجوان کے ستائے ہوئے اہل محلّہ کو جب اس کی واپسی کا علم ہوا تو موقع کو غنیمت سمجھا اور مدعی کو اطلاع دی کہ نوجوان سفر سے لوٹ آیا ہے۔ مدعی نے فوراً کوتوال کو اطلاع دی اور سپاہی اسے پکڑنے کے لیے آ گئے۔ ماں نے چاہا کہ بیٹے کو چھپا دے لیکن جوان نے کہا: مجھے اپنے فعل کی تلافی اور معافی مانگنے سے انکار نہیں ہے؛ اس لیے امید ہے قاضی کی عدالت میں معاملہ طے ہو جائے گا۔

جوان کو پکڑ کر قاضی کی عدالت میں لے جایا گیا جب کہ سزا اور جرمانہ اس کی انتظار میں تھے لیکن اب اس نے سفر سے عمدہ تجربہ حاصل کر لیا تھا؛ اس لیے صدق دل سے پشیمانی کا اظہار کیا اور مدعی سے معافی مانگی اور خیریت سے واپس آ گیا۔

جوان دوسرے دن صبح اپنے باپ کے ہمراہ کام پر چلا گیا اور چند دنوں کے بعد رات کے مدرسہ میں داخل ہو کر سبق پڑھنے لگا۔ اب اسے گلی کوچوں میں کوئی شخص بے مقصد پھرتے ہوئے نہ دیکھتا تھا جب اسی طرح چند دن گزر گئے تو ایک دن اس کے ہمسائے نے اس کی والدہ سے پوچھا: کئی دنوں سے رومی دکھائی نہیں دیتا، کیا دوبارہ سفر پر چلا گیا ہے؟۔

اس کی ماں نے کہا: رومی یہیں ہے لیکن اب وہ پہلے جیسا رومی نہیں ہے۔ جب سے سفر سے لوٹا ہے بالکل تبدیل ہو گیا ہے، اب وہ کام کرتا ہے اور سبق پڑھتا ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔ یہ سن کر ہمسایوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔(۱)

(۱) سبق آموز کہانیاں، مہدی آذر یزدی۔

قلم گوید کہ من شاہِ جہانم

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب پڑھے لکھے بہت کم تھے۔ اکثر لوگ گھر میں چھوٹے بڑے مکتبوں میں قرآن پاک، دعائیں اور بعض مذہبی کتابیں یاد کر لیتے لیکن لکھنا نہیں سیکھتے تھے بلکہ ہاتھ سے لکھا ہوا خط بھی نہ پڑھ سکتے تھے۔

اس زمانہ میں جو شخص لکھ پڑھ لیتا تھا سب لوگ اس کی عزت اور قدر کرتے تھے اس کے بعد جب پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ زیادہ ہوا تو علم اور تعلیم کا درجہ بھی بڑھ گیا۔ جو شخص اپنی مادری زبان لکھ پڑھ لیتا تھا اسے 'خواندہ' کہا جاتا تھا لیکن ان کی بھی درجہ بندی ہوتی اور کہا جاتا یہ خواندہ ہے اور لکھنا پڑھنا سکھاتا ہے یعنی معلم اور دانشمند ہے۔ ہاں! ہماری حکایت کا تعلق پرانے زمانے سے ہے۔ ایک گاؤں میں صرف چار پانچ اَفراد خواندہ تھے۔ ایک مسجد کا پیش امام تھا، دوسرا مکتب کا معلم تھا، تیسرا علی درویش تھا جو اشعار لکھتا، چوتھا ایک حاجی تھا جو گاؤں کی نصف زمین کا مالک تھا اور پانچواں محلّہ کا بقال تھا۔

اس گاؤں کا مدرسہ ایک کمرے پر مشتمل تھا، جو ابھی ابھی بنا تھا۔ اس میں بچوں کو خط لکھنا اور تھوڑا بہت حساب کتاب سکھایا جاتا تھا۔ اسی گاؤں کا لوہار حسن علی جو گھوڑوں کے نعل، درانتیاں، آرے اور بیلچے بناتا تھا وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح اَن پڑھ تھا، اس کا ہمسایہ 'مشہد' جا رہا تھا جہاں اس کا لڑکا محنت مزدوری کرتا تھا۔ حسن علی چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے کو خط لکھے، اس کے کام کاج کا پوچھے اور وہاں سے کچھ سامان منگوائے جس کی اسے ضرورت تھی۔

حسن علی کو جب معلوم ہوا کہ اس کا ہمسایہ سفر کی تیاری کر رہا ہے تو وہ دوڑتا ہوا بقال کے پاس گیا اس سے کاغذ اور لفافہ خریدا اور چاہا کہ بقال سے خط لکھوائے لیکن بقال کے شاگرد سے معلوم ہوا کہ وہ تو شہر گیا ہوا ہے۔

حسن علی دوڑا ہوا علی درویش کے گھر گیا لیکن وہ بھی دوسرے گاؤں کے کھلیان سے غلہ مانگنے گیا تھا۔ حسن علی اپنے دل میں کہنے لگا: پیش امام، اس کی بیوی اور حاجی محمد بھی خط نہ لکھ سکیں گے اس لیے بہتر ہوگا کہ مکتب کے معلم کے پاس جاؤں۔

حسن علی نے دیکھا کہ معلم بیٹھا ہے اور اس کے شاگرد کندھے سے کندھا ملا کر سبق پڑھ رہے ہیں اور کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

حسن علی اجازت لے کر معلم کے پاس گیا اور کہا جناب معلم! میں تمہارے کام میں مخل نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن میرا ہمسایہ مشہد جا رہا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے ذریعہ اپنے لڑکے کو خط بھیجوں۔ بقال اور علی درویش ہمیشہ میری مدد کرتے ہیں لیکن اس وقت موجود نہیں ہیں۔ میں آپ کے ہاتھوں پر قربان جاؤں مجھے ایک مختصر سا خط لکھ دیں۔ آپ جو ہدیہ فرمائیں گے پیش کروں گا۔

معلم نے کہا: میں اس وقت بچوں کو پڑھا رہا ہوں، اگر مدرسہ کی تعطیل ہوتی تو مجھے کوئی عذر نہ ہوتا۔ خیر! کوئی بات نہیں، میں اب بھی کوئی انتظام کرتا ہوں۔

معلم نے ایک شاگرد کو آواز دی اور کہا: جواد! جاؤ اور اس کونے میں بیٹھ جاؤ اور دیکھو کہ حسن علی کیا کہتا ہے، اسے خط لکھ دو۔

حسن علی اور جواد بیٹھ گئے، اس نے جو باتیں کہیں جواد نے لکھ دیں۔ جب خط مکمل ہو گیا تو اس نے پوچھا کیا سب باتیں لکھ دی ہیں؟ جواد نے کہا: ہاں! میں ایک مرتبہ تمہیں سنا دیتا ہوں، اگر کوئی بات رہ گئی ہو تو وہ بھی لکھ دوں گا۔

جواد نے خط پڑھا تو حسن علی نے دیکھا کہ جواد نے نہایت عمدہ خط لکھا ہے اس لیے بہت خوش ہوا اور دل میں کہا: اس لڑکپن میں ہی یہ بچہ کتنا پڑھ لکھ گیا ہے؛ اس لیے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے پڑھنا لکھنا اسی مدرسہ میں سیکھا ہے؟۔

جواد نے کہا: یہ تو ظاہر ہے۔ ہمارے خاندان میں کوئی شخص پڑھا لکھا نہیں ہے۔ میں نے لکھنا پڑھنا اسی مکتب کے جناب معلم سے سیکھا ہے۔ میں گھر میں اپنی بہن کو بھی لکھا پڑھا رہا ہوں لیکن ابھی میری کافی تعلیم باقی ہے۔

حسن علی نے کہا: بارک اللہ!۔ تم اچھے خاصے پڑھ لکھ گئے ہو اس کے بعد معلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میں آپ کا ممنون ہوں، میرا کام مکمل ہو گیا ہے لیکن ایک اور کام بھی ہے، عصر کے وقت جب مدرسہ کی چھٹی ہو گی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ معلم نے حسن

علی سے خط لے کر دیکھا اور کہا: آفرین جواد! تمہاری لکھائی کتنی عمدہ ہے!۔

جواد نے سر جھکا لیا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ حسن علی بھی خط لے کر چلا گیا اور اپنے ہمسائے کے حوالے کر دیا اور معاملہ ختم ہو گیا لیکن حسن علی ابھی تک سوچ رہا تھا کہ جواد ابھی بچہ ہے اور ایسی عمدگی سے خط لکھ سکتا ہے کہ جناب معلم بھی اسے شاباش دیتا ہے حالاں کہ اس نے صرف چند ماہ تعلیم حاصل کی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے جواد اسی پالان دوز کا لڑکا ہے جو آخری محلّہ میں رہتا ہے۔ جواد تو گلی کوچوں میں کھیلا کرتا تھا اب اسے مکتب میں آئے ہوئے ایک سال بھی نہیں ہوا۔ اگر میں بھی ایک سال مدرسہ جاتا تو خواندہ بن سکتا تھا، کیا میں سات سالہ بچے سے کم فہم ہوں؟۔

حسن علی، عصر کے وقت معلم کے گھر آیا اور انگوروں کا ایک خوشہ بطورِ ہدیہ پیش کرتے ہوئے کہا: یہ ہدیہ آپ کی اس زحمت کی خاطر ہے جو آپ نے خط لکھواتے وقت برداشت کی ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں لیکن اب ایک چیز دریافت کرنے کے لیے آیا ہوں کہ کیا اس مکتب میں صرف بچے ہی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں یا جوانوں اور بوڑھوں کو بھی داخلہ مل سکتا ہے؟۔

معلم نے کہا: یہ کیسی باتیں ہیں؟ لکھنا پڑھنا بہت آسان ہے، جس شخص کی خواہش ہو تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ علم سیکھنے کی راہ میں عمر کبھی رکاوٹ نہیں بنی ہے۔ علاوہ ازیں بڑی عمر کے لوگ تو جلد خواندہ بن سکتے ہیں۔

حسن علی نے کہا: یہ تو عجیب بات ہے! بچے تو شروع میں نہیں چاہتے کہ مکتب جائیں بلکہ بزرگ انھیں مدرسہ لے آتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ انھیں شوق دلائیں اور خواندہ بنائیں۔ یہی بچے جب تعلیم حاصل کرتے ہیں تو انھیں خود معلوم نہیں ہوتا کہ تعلیم ان کے کس کام آئے گی؟ بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ کھیل کود میں اپنا وقت ضائع کریں لیکن جوانوں اور بزرگوں کو بہتر زندگی گزارنے کے لیے علم کی اَشد ضرورت ہوتی ہے اور انھیں علم کی قدر بھی ہوتی ہے؛ اس لیے دلجمعی اور شوق سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

حسن علی نے کہا: بہت خوب! میں نے آج سے تہیہ کر لیا ہے کہ خواندہ بنوں لیکن میں تو دن کے وقت دوکان پر کام کرتا ہوں؛ اس لیے مکتب نہیں آ سکتا۔ کیا میں رات کو آپ کے یہاں آ کر سبق پڑھ سکتا ہوں؟۔

معلم نے کہا: دن کو مکتب میں بچوں کو پڑھاتا ہوں اور رات کو میرا کام کتابیں لکھنا ہے؛ اس لیے رات کو میرے پاس وقت نہیں ہے کہ کسی کو پڑھا سکوں۔ یہ بچے جب لکھنے پڑھنے کے قابل اور خواندہ بن جائیں گے تو گاؤں میں ان کی تعداد زیادہ ہو جائے گی، پھر ہر ایک بچہ دوسروں کو پڑھا سکے گا، اور آہستہ آہستہ کئی بچے اور جوان خواندہ بن جائیں گے، بالکل اسی طرح جیسے یہی جواد اپنے گھر میں بہن کو پڑھا رہا ہے بلکہ اس کی بہن کا خط جواد سے بہتر اور خوبصورت ہے۔ مجھے کام کرنے اور مزدوری لینے سے انکار نہیں ہے لیکن رات کو مدرسہ قائم نہیں کر سکتا۔

حسن علی نے کہا: یہ تو بہت مشکل ہے کہ آدمی ایک روز میں یا ایک رات میں خواندہ بن سکے۔

معلم نے ہنستے ہوئے کہا: نہیں ایسا کوئی راستہ نہیں ہے۔ لکھنا پڑھنا نہ دعا سے آتا ہے اور نہ نذر و نیاز سے۔ ایک رات یا ایک دن میں بھی نہیں سیکھا جا سکتا۔ جو شخص پڑھنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ دو چار ماہ یا ایک سال تکلیف برداشت کرے اور محنت کرے، وقت خرچ کرے، اپنے حواس جمع کرے، تب کہیں جا کر خواندہ بن سکتا ہے۔ لکھنا پڑھنا علم کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں امیر اور غریب کو مساوی قرار دیا ہے۔ کئی چیزیں مال و دولت سے خریدی جا سکتی ہیں یا طاقت کے بل بوتے حاصل کی جاتی ہیں، یا دعا سے مانگی اور طلب کی جاتی ہیں لیکن علم کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تلاش کی جائے، وقت صَرف کیا جائے اور محنت کی جائے۔ جو بہتر طور پر یاد کرتا ہے جلد لکھ پڑھ لیتا ہے؛ ورنہ مال و دولت ہونے کے باوجود اگر سبق نہ پڑھے گا تو خواندہ نہ بنے گا۔

حسن علی نے کہا: اچھا ہے کہ اس کام میں بے انصافی نہیں ہے لیکن بابا طاہر ہمدانی کے بارے میں تم کیا کہو گے؟ میں نے سنا ہے کہ بابا طاہر سے کسی نے مذاق کیا تھا جس سے وہ رنجیدہ ہو گیا، اس نے ایک استاد سے پوچھا کہ انسان خواندہ کس طرح بنتا ہے؟ استاد نے بھی مزاحاً کہا کہ مدرسہ کے حوض کے ٹھنڈے پانی سے غسل کرو، اس نے بھی وہی کام کیا اور رات میں خواندہ اور شاعر بن گیا۔

معلم نے کہا: ایسی باتیں سننے میں تو کوئی حرج نہیں لیکن ان پر یقین نہ کرو۔ یہ روایت سینگوں والے اونٹ کی مانند ہے بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بابا طاہر خواندہ نہ تھے۔ اسے شعر کہنے کا

شوق تھا اس کے بعد اس نے لکھنا پڑھنا سیکھا اور کافی عرصہ تکلیف برداشت کی اور پھر کہیں جا کر اپنی بیاض مرتب کر سکا۔ لیکن لوگوں کو عجیب وغریب باتیں پسند آتی ہیں؛ اس لیے جو لوگ کسی کا مرتبہ بڑھانا چاہتے ہیں تو ایسی جھوٹی کرامتیں اس سے منسوب کر دیتے ہیں۔ شاید بابا طاہر ہمدانی کا حافظہ زیادہ ہو اور جو چیزیں سنتا ہو جلد یاد کر لیتا ہو۔ ہاں! اگر وہ خواندہ تھا تو لازمی طور پر دوسرے لوگوں کی طرح مدرسہ گیا ہوگا، سبق پڑھا ہوگا، مشق کی ہوگی اور یاد کیا ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے یہ بچے پڑھ رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں تا کہ خواندہ بنیں اس کے علاوہ تعلیم حاصل کرنے کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے؛ البتہ پیغمبروں کی باتیں جداگانہ ہیں، ان کی تعلیم براہِ راست بارگاہِ الٰہی سے ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ دنیا میں جو شخص بھی خواندہ ہے لازمی طور پر اس نے سبق حاصل کیا ہے اور یاد کیا ہے جو زیادہ لکھا پڑھا ہے اس نے زیادہ محنت کی ہے اور زیادہ وقت خرچ کیا ہے۔ جس نے کم عرصہ تعلیم حاصل کی ہے اس نے کم محنت کی ہے اور تھوڑا وقت خرچ کیا ہے۔

حسن علی نے کہا: اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ لکھنا پڑھنا سیکھ لوں۔ اگر کوئی شخص مجھے لکھا پڑھا سکے تو اس میں کتنا عرصہ درکار ہوگا؟۔ معلم نے کہا: یہ تمہاری محنت اور استعداد پر ہے۔ ایک شخص تین ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ میں خواندہ بن جاتا ہے اور کسی کے لیے ایک سال لگ جاتا ہے۔ اس لیے تم رات کو اسی جواد کے ہاں جاؤ، وہ تمہیں پڑھا دے گا، اس کے بعد اپنے گھر مشق جاری رکھنا تا کہ کتابیں پڑھنے اور خط لکھنے کی مہارت بھی حاصل کر سکو۔

حسن علی نے پوچھا: کیا جواد اس قابل ہے کہ مجھے پڑھا سکے؟۔

معلم نے کہا: کیوں نہیں! کیا میں نے تجھے بتایا نہیں کہ اس نے اپنی بہن کو لکھنا پڑھنا سکھا دیا ہے؟ کیا تم چھ سالہ بچی کے مانند استعداد نہیں رکھتے!۔ تمہارے بیٹے نے تجھ سے لوہاروں کا کام سیکھا ہے، اب کیا وہ کسی دوسرے آدمی کو یہ ہنر نہیں سکھا سکتا؟۔

حسن علی نے کہا: کیوں نہیں!۔ معلم نے کہا: لکھنے پڑھنے کی مثال بھی ایسی ہی ہے جو شخص جانتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو سکھائے، اگر تھوڑا جانتا ہے تو تھوڑا سکھائے، اگر زیادہ جانتا ہے تو زیادہ سکھائے۔ اسی جواد کو دیکھ لیں یہ ہر کتاب پڑھ سکتا ہے، ہر قسم کی تحریر نہایت عمدگی سے لکھ لیتا ہے، اگر مزید تعلیم جاری رکھے گا تو کمال حاصل کرے گا۔

حسن علی نے کہا: آپ نے اپنی عمدہ باتوں سے مجھے خوش حال کر دیا ہے اور مجھے اچھا راستہ دکھایا ہے اگر میں نے خط لکھنا سیکھ لیا تو یہ بھی بہت بڑا کام ہے بلکہ آپ کی رہنمائی کا مشکور ہوں گا۔

حسن علی، جواد کے باپ کے پاس پہنچا جو اس شہر کا عمدہ پالان دوز تھا اور کہا: داستان اور واقعہ یہ ہے۔ اب تم کیا کہتے ہو؟۔

پالان دوز نے کہا: جب میں جواد کو کتابیں پڑھتے اور لکھتے ہوئے دیکھتا ہوں تو لطف محسوس کرتا ہوں لیکن میں خود اپنے بچوں کے لیے صبح سے شام تک کام کرتا ہوں؛ اس لیے جواد کو مجبور نہیں کر سکتا کہ یہ رات کے وقت کسی کو درس دے بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود راضی اور آمادہ ہو جائے۔ ہاں! اگر اس نے قبول کر لیا تو تمہیں یہاں آنا ہوگا؛ اس لیے کہ میں نہیں چاہتا کہ غروبِ آفتاب کے بعد بچے گلی کوچوں میں آتے جاتے رہیں۔

حسن علی نے کہا: جیسے تمہاری خواہش ہوگی، مجھے تو تعلیم حاصل کرنی ہے۔ پالان دوز نے کہا: وہ سامنے سے جواد بھی آرہا ہے۔ ابھی اس سے پوچھ لیتے ہیں۔ جس وقت جواد کے سامنے موضوع لایا گیا تو وہ کہنے لگا مجھے کل تک سوچنے کی مہلت دو کہ میں اس کام پر پورا اُتر سکتا ہوں یا نہیں۔

دوسرے دن حسن علی آیا تو جواد بھی اپنے باپ کے پاس موجود تھا۔ اس لیے کہنے لگا: میں نے کافی سوچ و بیچار کے بعد ایک پروگرام بنایا ہے، اگر اسے قبول کرو تو بسم اللہ، ورنہ مجھ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

میں دن کو مکتب میں اَپنا سبق پڑھوں گا۔ کچھ دیر کھیل میں بھی مشغول رہوں گا اور باقی وقت گھر پر اپنا سبق یاد کروں گا۔ رات کو پڑھنے پڑھانے میں میرا کافی وقت خرچ ہوگا لیکن اس میں کئی فوائد بھی ہیں اس کے علاوہ میں صرف ایک فرد کو نہ پڑھاؤں گا؛ اس لیے کہ میرا وقت میرے اپنے لیے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر جناب حسن علی اپنی طرح کے مزید دس اَفراد تیار کر لے تو میں بھی جناب معلم کی طرح اسی جگہ رات کا مدرسہ بنالوں گا اور تمام اَفراد کو اپنی استعداد کے مطابق خواندہ بنالوں گا، جس سے ہر کتاب پڑھ لیں اور ہر قسم کی لکھائی کر لیں لیکن اس کام میں میری تین شرائط ہیں اور اس کے کئی فوائد ہیں۔

حسن علی کہنے لگا: میں دس افراد تلاش کر لوں گا۔ اگر تمہاری شرائط مشکل ہیں تو ہمارے لیے

بھی مشکلات پیدا ہو جائیں گی؛ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ جو شخص حاضر نہ ہوگا وہ زیادہ رقم دے گا۔

جواد نے کہا: زیادہ رقم؟ نہیں نہیں! میں کسی قسم کی رقم نہیں مانگتا بلکہ میری شرط یہ ہیں: میرا والد انہی دس افراد میں سے ہوگا۔

میں کسی بے ہنر شخص کو تعلیم نہ دوں گا۔ میرا والد پالان دوز ہے، تم لوہار ہو، اسی طرح باقی آٹھ اُفراد کے لیے بھی ضروری ہے کہ صنعتی کام میں استاد ہوں، مثلاً نجاری، بڑھئی، رنگریزی، خیاطی، کفاشی، کھیتی باڑی اور اس قسم کے دوسرے ہنر۔

میرے والد کے علاوہ دوسرے اُفراد کے لیے لازم ہوگا کہ میں جو ہنر چاہوں گا مجھے سکھانے اور یاد کرانے میں عذر نہ کریں گے؛ البتہ میں بھی عہد کروں گا کہ انھیں پڑھانے میں جتنا وقت خرچ کروں گا ان سے اس سے زیادہ وقت نہ لوں۔

حسن علی نے کہا: بہت بہتر! تمہارا پروگرام درست اور مناسب ہے، نیز تمہاری باتیں بھی بہت عمدہ ہیں۔ میری دعا ہے کہ ہمیشہ خوش بخت رہو۔ میں دوسرے آٹھ افراد کو بھی آمادہ کرلوں گا۔ تمہاری شرائط بھی عمدہ اور بہترین لیکن تم نے فائدے کا نہیں بتایا کہ اس میں کون سا بڑا فائدہ ہے؟۔

جواد نے کہا: اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ تم نے میری شرائط قبول کر لی ہیں، اب میں ان دس افراد کو ایک ماہ کے اندر اندر خواندہ بنا دوں گا۔

حسن علی نے حیرت سے کہا، ایک ماہ؟ بہت خوب!۔

جواد نے کہا: ہاں! ایک ماہ یا زیادہ سے زیادہ ۳۲ دن۔

جواد کا باپ کہنے لگا، میرے بیٹے! کیا اس سے کم عرصہ نہیں ہوسکتا؟۔

جواد نے کہا: ہرگز نہیں! آخر یہ لوگ خواندگی کو کیا سمجھتے ہیں؟۔

یہی کہ جو کچھ کہا جائے یا پڑھا جائے اسے لکھا جائے۔ بہر حال خواندگی کی کنجی یہی ہے کہ انسان لکھ پڑھ سکے اس کے بعد اسی حسن علی کو جو کچھ کہا جائے گا لکھ لے گا اور دوسری باتیں اس کی اپنی لیاقت پر منحصر ہیں، چاہے سلام لکھے یا زہر مار، یا پھر کتاب پڑھ اسے یاد کر لے اور صرف خط لکھنے پر قناعت کر لے۔

حسن علی نے کہا: میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ جو باتیں زبان سے ادا کرتا ہوں اسے لکھ لوں اور جو کچھ لکھوں اسے پڑھ لوں، میرے لیے یہی کافی ہے۔

جواد نے کہا: اب تم خود ہی کہہ رہے ہیں کہ تم واجبی طور پر لکھنا پڑھنا چاہتے ہو لیکن تم دیکھو گے کہ جتنا زیادہ پڑھو گے اتنا ہی زیادہ سمجھو گے اور اتنا ہی ہی فائدہ اُٹھاؤ گے۔ ہر شخص کے لیے تھوڑا بہت حساب اور جیومیٹری جاننا ضروری ہے۔ بہر حال میں کوشش کروں گا کہ خوانگی کی کنجی تمہارے ہاتھ دے دوں۔

کام کی ترتیب طے کر لی گئی، حسن علی نے دوسرے آٹھ اُفراد بھی تلاش کر لیے جن میں جواد کے مدرسہ کے دس شاگردوں کی ترتیب کچھ یوں تھی :

۱......جواد کا بوڑھا باپ، پالان دوز	۲......حسن علی لوہار
۳......حسین نانبائی	۴......استاد جعفر بنا
۵......شیر محمد قالین باف	۶......جوانمرد قصاب
۷......حاجی زینل کسان	۸......حرمحمد رنگریز
۹......غلام حسین کوزہ ساز	۱۰......استاد رحیم بڑھئی

تمام اُفراد کی عمریں پچاس ساٹھ سال کے درمیان تھی جو بوڑھے پالان دوز اور حسن علی سے واقف تھے اور چاہتے تھے کہ خواندہ بنیں؛ اس لیے انھوں نے جواد کی شرائط قبول کر لی تھیں۔

پہلی بار جب کہ مدرسہ کا افتتاح کیا گیا تو جواد نے اپنے شاگردوں کو اسی پالان دوزی کی دوکان میں ایک صف میں بٹھا دیا اس دوکان کا ایک رستہ ان کے گھر کی طرف جاتا تھا۔ جواد سامنے کھڑا ہو گیا بالکل اسی طرح جیسے اس نے جناب معلم سے سیکھا تھا اس کے بعد سبق شروع کر دیا۔ میرے بزرگو! اپنے حواس جمع رکھو، تم بچے نہیں ہو اور کھیل کود میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تم اس مدرسہ میں اس لیے آئے ہو کہ لکھنا پڑھنا سیکھو۔ پس اچھی طرح یاد رکھو کہ حسن علی تمہارا نمائندہ ہے؛ اس لیے تمہاری طرف سے میرے سوالات کا جواب دے گا لیکن سبق تو سب کے لیے برابر اور ایک جیسا ہے، اب میں تم سے چند سوال پوچھتا ہوں۔

مجھے بتاؤ کہ تم کتنے پھولوں درختوں اور گھاس کے نام جانتے ہو؟۔

حسن علی نے جواب دیا: بہت سے، سو بلکہ دو سو تک۔

جواد نے پوچھا: تم کتنے لوگوں کے نام جانتے ہو، کیا مجھے بتا سکتے ہو۔

حسن علی نے کہا: بہت سے جناب، سو بلکہ ہزار۔

جواد نے کہا: بہت خوب! تم کھانے کی کتنی چیزوں سے واقف ہو؟۔

حسن علی نے کہا: جناب! ہم کھانے کی ایسی چیزیں بھی جانتے ہیں جنھیں کھا چکے ہیں اور ایسی چیزوں سے بھی واقف ہیں جو ہم نے ابھی تک نہیں کھائیں۔

جواد نے پوچھا: ہم روزانہ جو کام انجام دیتے ہیں ان میں سے کون سی چیزیں گن سکتے ہو مثلاً کھڑا ہونا، بیٹھنا، سونا، اُٹھنا، چلنا، آنا، کہنا۔

حسن علی نے ہنستے ہوئے کہا: میں بھی اس طرح کے کئی کام شمار کر سکتا ہوں۔ مثلاً دوڑنا، گرنا، کھانا، خریدنا، بیچنا، دیکھنا، جاننا، دھونا، مارنا، باندھنا، توڑنا، بنانا اور کئی دوسرے کام۔

جواد نے پوچھا: خوب! جب تم میرا نام لینا چاہو تو کیا کہو گے؟۔

حسن علی نے کہا: میں کہوں گا: جواد۔

جواد نے کہا: خوب! میرے بزرگو! ہم کہنا سننا جانتے اور سمجھتے ہیں اسی طرح لکھنا بھی ایسے ہی ہے یعنی جو کچھ کہتے ہیں اسی کو کاغذ پر لکھ دیتے ہیں یا لکھا ہوا پڑھ لیتے ہیں جب تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ کہی ہوئی باتیں لکھ سکو یا لکھی ہوئی باتیں پڑھ لو تو گویا تم نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہے۔ دنیا میں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی نام ہے یا ہر کام کے لیے ایک نام مقرر ہے لیکن بعض نام لمبے اور بڑے ہوتے ہیں جیسے بنولے کا بیج۔ ان ناموں کی ادائیگی کے لیے دو تین مرتبہ زبان کھولی جاتی ہے۔ پس ہماری زبان اور منہ بھی ایک برتن کے مانند ہے جہاں تمام الفاظ سما سکتے ہیں اس لیے ہم اپنی زبان اور منہ سے تمام حروف اور الفاظ کہہ سکتے ہیں لیکن کاغذ کی زبان اور منہ نہیں ہوتے۔ ہم جو خط لکھتے ہیں یا پڑھتے ہیں ان کی زبان اور منہ قلم اور کاغذ ہے۔ ہم جو چاہتے ہیں وہی الفاظ اپنی زبان سے ادا کر لیتے ہیں، اسی طرح ہر جو کہتے ہیں اسے کاغذ پر لکھ لیتے ہیں تا کہ دوبارہ پڑھ لیں۔

بولتے وقت ہماری زبان اور منہ ۳۲ سے زیادہ مرتبہ حرکت نہیں کرتے یعنی ہم دنیا کے تمام الفاظ انہی ۳۲ حرکات سے ادا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح لکھنے میں بھی انہی ۳۲ علامات سے کام لیا جاتا ہے یعنی ہم تمام حروف اور الفاظ انھیں ۳۲ علامات کی مدد سے لکھ سکتے ہیں اور پڑھ لیتے ہیں۔

لکھنا بھی بولنے کی طرح ہے یعنی کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ ہم نے بولنا تو بچپن ہی سے سیکھ لیا ہے۔ جس کے لیے زبان اور منہ کی ۳۲ حرکات سے مدد لیتے ہیں جب ہم ان ۳۲ علامات کا لکھنا سیکھ لیں گے تو ہمارے لیے بولنے کی طرح لکھنا اور پڑھنا آسان ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ خواندگی کے لیے ضروری ہے کہ انہی ۳۲ علامات کی پہچان کریں۔

میں آج ہی سے ہر روز تمہیں ایک علامات لکھاؤں گا اور چند دن کے بعد دوسری علامتیں ہر روز سیکھنی ہوں گی۔ جب ۳۲ علامتیں پوری ہو گئیں تو چند دن ان کی مدد سے لکھتے اور پڑھتے رہو گے، اس طرح لکھنے پڑھنے کا کام مکمل ہو جائے گا۔

آج پہلا دن ہے؛ اس لیے ایک حرف یعنی ایک علامت یاد کریں جو 'ب' ہے۔ جب ہم اپنے دونوں لب آپس میں ملاتے ہیں 'ب' کی ادائیگی کر لیتے ہیں یہ علامت کاغذ پر لکھی ہے جسے غور سے دیکھ لو۔ جس کا ایک دندانہ اور اس کے نیچے ایک نقطہ ہے۔ یہ علامت بھی انہی ۳۲ علامتوں میں سے ہے جس کے ذریعہ ہم دنیا کے تمام الفاظ لکھ سکتے ہیں۔

میرے بزرگو! تمہارا آج کا سبق یہ ہے کہ میں کاغذ پر پچاس کلمے لکھ کر تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ انھیں غور سے دیکھنا اور کل رات مجھے بتانا کہ ان کلمات میں 'ب' کی علامت کتنی جگہ پر لکھی ہے۔ اس کے علاوہ یہ علامت اپنے اپنے کاغذ پر سو مرتبہ لکھ کر مجھے دِکھانا۔ جب تم کسی کاغذ یا کتاب میں یہ علامت دیکھو تو سمجھ لینا، یہ وہی 'ب' کی علامت ہے جس کی آواز دو لبوں کو ملا کر زبان اور منہ سے نکالی جاتی ہے۔

شاگرد چلے گئے اور اپنا سبق یاد کرتے رہے۔ دوسری رات جواد نے 'ت' سکھایا اور اس کے بعد شاگردوں نے سارے حروف سیکھ لیے اور الگ الگ لکھنے لگے تو اگلی راتوں کے اسباق میں ان علامات کو آپس میں ملانے اور ایک دوسرے سے الگ الگ کرنے بھی سکھا دیے۔ بہر حال! ایک ماہ کے بعد یہی دس افراد اس قابل ہو گئے کہ حرف اور علامات لکھ سکیں اور پڑھ لیں۔

تب جواد نے کہا: اب خوانگی کی کنجی تمہارے ہاتھ ہے، تم جتنا زیادہ پڑھو گے اور زیادہ لکھو گے، تمہاری لکھائی عمدہ اور بہتر بنے گی۔ تمام اَفراد نہایت خوش تھے کہ انھوں نے تھوڑے سے دنوں میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہے۔

جواد نے کہا: اب وقت آ گیا ہے کہ تم بھی اپنے وعدہ پر عمل کرو۔ انھوں نے کہا: ہم حاضر ہیں۔ جواد نے کہا: اب جاؤ اور اس سامان اور اوزاروں کے نام لکھ لاؤ، جن سے اپنے پیشے میں کام لیتے ہو، تمام اَفراد چلے گئے اور اپنے اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ بڑھئی نے لکھا تیشہ، آری، رندہ، چونسہ، برما، ہتھوڑی اور باقی اوزار جو بڑھئی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ دوسرے کاریگروں اور ہنرمندوں نے بھی اپنے اپنے کام آنے والے اوزاروں اور ہتھیاروں کے نام لکھ لیے اور لے آئے۔

دوسری رات جواد نے کہا: اب ان چیزوں کے نام لکھو، جنھیں تم اپنے اوزاروں سے بناتے ہو؟۔ تمام افراد اپنی جگہ پر چلے گئے اور لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ اینٹوں کے مستری نے لکھا: بنیاد، کھڑکی، کمرہ، باورچی خانہ، پلہ، حمام، دروازہ اور اس قسم کی دوسری چیزیں۔

دوسری رات جواد نے کہا: اب تعمیر میں کام آنے والے تمام مصالحہ جات اور دوسرے لوازمات لکھ لاؤ۔

بنا یعنی اینٹوں کے مستری نے لکھا: مٹی، چونا، رسی، اینٹیں، پتھر، رنگ، لکڑی اور باقی چیزیں۔ ہر ایک فرد نے اپنی سوچ کے مطابق اپنے اپنے کاغذ پر لکھا اور جواد نے دیکھ کر کہا: اب بیٹھ جاؤ اور میرے سوالات کا جواب دو۔

جواد نے ان سے چند سوالات پوچھے اور اس گفت وشنید سے کئی معلومات حاصل کیں: مثلا مستری سے پوچھا: تیفہ کیا ہوتا ہے؟ بنا نے کہا: تیفہ ایسی دیوار ہوتی ہے جس کی ساخت کے لیے باریک اینٹیں ایک دوسرے کے اوپر لگائی جاتی ہیں اس میں گارا چونا یا ملاط استعمال کیا جاتا ہے۔

جواد نے کہا: خوب! ملاط کسے کہتے ہیں؟۔ بنا نے کہا: ملاط نرم گارے کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اینٹیں اور پتھر آپس میں جوڑتے ہیں جو خشک ہونے کے بعد مضبوط ہو جاتے ہیں۔

تیفہ کی کتنی قسمیں ہیں؟۔ بنا نے کہا: تیفہ چار اَقسام کا ہوتا ہے: افقی، کوے کے پر والا، پنجرہ اور صندوقچہ وغیرہ۔

جواد ان اقسام کی تفصیل اپنی کاپی میں لکھتا جاتا تھا۔ اسی طرح قصاب، سنگریز اور دوسرے کاریگروں کی باتیں بھی لکھ لی گئیں۔ اس طرح تمام ہنرمندوں کے سامان اوزار، مصالحہ جات کی تفصیل لکھنے کے علاوہ ان میں سے چند اوزاروں کی تصویریں بھی بنالی گئیں۔

جواد اِن باتوں کا جاننا کس لیے ضروری سمجھتا تھا؟۔

جواد نے ایک دن دیکھا تھا کہ ہمارے مکتب کا معلم ایک کتاب لکھ رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کتاب کا نام فرہنگ مکتب خانہ ہے۔ اس کتاب میں تمام باتیں اور ضروری سامان کی تفصیل ہوگی جو پڑھنے پڑھانے میں کام آتے ہیں۔

معلم نے بتایا تھا کہ یہ کتاب یادگار ہوگی تاکہ آنے والے لوگ اسے پڑھ کر اندازہ لگا سکیں کہ آج کل کے مدرسے ان کا سامان، طریقہ تعلیم، اوقاتِ درس اور کتابیں کون کون سی ہیں۔ اس وقت تمام اشخاص کہیں گے ہمارے معلم پر آفرین ہے جس نے یہ عمدہ کتاب لکھی۔

جواد نے یہ تمام باتیں اپنے ذہن نشین کر رکھی تھیں بلکہ سب لوگ کہتے تھے، جواد پالان دوز پر آفرین ہے۔ وہ مکتب میں تعلیم بھی حاصل کرتا ہے اور ہنرمندوں کے لیے کتابیں بھی لکھ رہا ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے :

۱: فرہنگ بنائی — تالیف: جواد پالان دوز از رہنمائی استاد جعفر بنا

۲: فرہنگ پالان دوزی — تالیف: جواد پالان دوز از رہنمائی پیر پالان دوز

۳: فرہنگ قالین بافی — تالیف: جواد پالان دوز از رہنمائی استاد شیر محمد قالین باف

۴: فرہنگ کوزہ سازی — تالیف: جواد پالان دوز از رہنمائی غلام حسین کوزہ ساز

۵: فرہنگ آہن گری — تالیف: جواد پالان دوز از رہنمائی استاد حسن علی لوہار

اور باقی کتابیں بھی انہی جیسے ناموں سے لکھی گئیں۔ جواد پہلا شخص تھا جس نے اپنی کتابوں

کی بدولت محکمہ تعلیم وتربیت سے انعام حاصل کیا بلکہ اس کا نام دانشمندوں، محققوں اور مؤلفوں کی فہرست میں لکھا گیا۔

ایک دن اس کے کسی قریبی دوست نے جواد سے کہا: جواد! اب تم نے کئی کتابیں لکھ لی ہیں اور تمھیں شہرت اور بزرگی مل گئی ہے۔ اب تم اپنا خاندانی نام تبدیل کرلو۔ ایسا نام تجویز کرو جو خوبصورت ہو اور پالان دوز نہ ہو۔

جواد نے کہا: نہیں میرے عزیز! تمھاری سوچ نہایت بچکانہ ہے۔ خوبصورت یا بے فائدہ نام تو کئی ہیں میں تو ایسا کام کررہا ہوں کہ لوگ اسی نام کی عزت کریں گے۔ خیام بھی خیمہ ساز کا نام ہے، میرا نام بھی خیمہ دوز کے مانند ہے۔

میرے دوست! بزرگی اور افتخار خوبصورت نام میں نہیں ہے بلکہ خوبصورت اور عمدہ کام کی وجہ ہے۔ اگر میرے کام قیمتی اور کارآمد ہیں تو میرا پالان دوز ہونا بھی قیامت تک یادرہے گا اور جو لوگ میری کتابیں پڑھیں گے، یہی کہیں گے کہ جواد پالان دوز پر آفرین ہے۔ ہاں! اگر کسی کا کام معمولی اور کم قیمت ہوتو اس کا خوبصورت نام دو دِرہم کی قیمت بھی نہیں پاتا۔

اس کے دوست نے کہا: تم درست کہہ رہے ہو۔ بارک اللہ، جواد پالان دوز۔

جوں ہی جواد کی پہلی کلاس اختتام کو پہنچی تو اگلی کلاس میں بیس افراد کا داخلہ ہوگیا۔ جواد اَب بھی چاہتا تھا کہ مزید کتابیں لکھے اس کی کتابیں مکمل اور بے عیب نہ تھیں تاہم اہل علم، اہل فن اور اہل ہنر کے لیے قیمتی سرمایہ تھیں بلکہ ان افراد کے لیے پیش خیمہ تھیں جو اس سے بہتر لکھ سکتے تھے اور جانتے تھے۔

میرے دوستو! اس واقعے سے آپ نے محسوس کرلیا ہوگا کہ جب سب لوگ خواندہ ہوتے ہیں تو اپنے علم وتجربہ کی بنا پر ہر قسم کی یادداشتیں لکھ لیتے ہیں تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے بھی مفید ثابت ہوں اور دنیا کی خوش نمائی وزیب وزینت میں خاطر خواہ اِضافہ ہو۔(۱)

(۱) سبق آموز کہانیاں، مہدی آذر یزدی۔

نوجوانوں کے نام اَکابر کے پیغام

اسلام آباؤ واجداد کی اندھی تقلید سے پھیلنے والا جامد نظامِ حیات نہیں بلکہ تحقیق و تجربے کی بنیاد پر پھیلتی ہوئی اِرتقاے اِنسانیت کی علمی و فکری، تہذیبی و ثقافتی اور سیاسی واجتماعی تحریک کا نام ہے۔ اس ہمہ جہتی تحریک کی نشوونما میں جہاں انبیاے کرام کے علم و فضل اور علماے کرام کی جدوجہد کا عمل دخل ہے وہیں پر اسلامی نوجوانوں کے خون کے نذرانے بھی تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ بے شک کارِ دنیا کو انجام دینے میں جوانی کو سنگ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے لیکن اسلامی شریعت میں بھی جوانی ہی کی عبادت کو بہترین عبادت کہا گیا ہے۔ بقول شخصے ؎

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است

جوانی کا عہد بلند حوصلے، اعلیٰ ہمت اور جنون وعشق کا دور ہوتا ہے۔ اس لیے تاریخ عالم کو ہمیشہ جوانوں کے گرم لہو نے ہی انقلابات سے ہمکنار کیا ہے۔ چونکہ تحریکیں شفاف فکر، جواں ہمت اور بلند حوصلے کی مرہونِ منت ہوتی ہیں۔ اس لیے اگر کسی بھی تحریک سے جوانوں کو علیحدہ کر دیا جائے تو وہ تحریک، تحریک نہیں رہتی بلکہ پیکر جمود بن جاتی ہے۔

قوموں کی زندگی محض حال و مستقبل ہی سے وابستہ نہیں ہوتی، ان کا ماضی بھی ان کی پہچان اور راہ نمائی کا ایک مؤثر ذریعہ ہوتا ہے۔ زندہ و بیدار قومیں دوسروں کی نقالی میں اپنے ماضی کی نفی کرنے کی بجائے اس سے جڑی رہتی ہیں۔ ایسی قوموں کی سنہری روایات نسلِ جدید کی جانب منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ہماری تاریخ تو اللہ کے فضل سے شان دار ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے حکمران اِس سے بے خبر اور غیروں کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں۔ آج ہم امتِ مسلمہ کے نوجوانوں کو اپنے ماضی کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔

نوجوان کسی بھی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں، جو قومیں اپنی نوجوان نسل کی مناسب تعلیم وتربیت کا اہتمام نہ کرسکیں وہ اپنی عزت کھوبیٹھتی اوراپنے روشن مستقبل سے محروم ہوجاتی ہیں۔ بیدار مغز قیادت ہمیشہ نسل جدید کے لئے ایسا ماحول فراہم کرتی ہے، جس میں اپنے بنیادی عقاید ونظریات کی آبیاری ہو۔صحت مند معاشرہ اپنی منزل کاتعین کرکے یکسوئی کے ساتھ اس کی جانب گامزن ہوتااوراپنے تابناک ماضی سے آنے والی نسلوں کا رشتہ جوڑے رکھنے کا بھرپوراہتمام کرتاہے۔جن امتوں کا حال ان کے ماضی سے لاتعلق ہو،ان کا مستقبل ہمیشہ تزلزل اور بے یقینی کا شکار ہوا کرتاہے۔آج کے بچے کل جوان ہوں گے اور آج کے نوجوان کل معاملات ملکی وملی کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لیں گے۔

ہم اللہ کے فضل سے اتنا شاندار ماضی رکھتے ہیں کہ اس کی روشنی میں ہم مستقبل کی راہیں متعین کریں تو ہر جانب روشنی پھیل جائے۔ہمارے پاس ہدایت ربانی کے دوایسے سرچشمے موجود ہیں،جس کے ہوتے ہوئے ہم کبھی گمراہ وذلیل نہیں ہوسکتے۔لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ہم محض اپنے ورثے پرفخر ومباہات ہی میں گم ہوکر نہ رہ جائیں بلکہ اسے حرز جان بنائیں،اس کے اوامرنواہی کودل وجان سے تسلیم کریں اوراس کے جامع نظام کو بلاکم وکاست پورے اخلاص کے ساتھ زندگی کے ہرشعبے میں اپنالیں۔اپنے آباؤاجداد پرفخر کرنا بجاہےمگر وہ فخر باعث ننگ وعار ہوتاہے جس میں اخلاف اپنے اسلاف کی راہ سے ہٹے ہوئے ہوں۔سیدنا علی بن ابی طالب نے کیا خوب فرمایا تھا۔

إنمــا الفتى من يقول هــا أنا ذا
وليس الفتى من يقول كان أبي

یعنی جواں مردتو وہ ہے جو میدان میں نکل کر کہے کہ میں چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیےموجود ہوں، وہ کوئی جواں مردنہیں جومشکل گھڑیوں میں یہ ڈینگیں مارتا پھرے کہ میرے آباؤواجداد ایسے تھے اور ویسے تھے۔

عالم اسلام میں عالم کفر کے مقابلے میں نوجوانوں کا تناسب کہیں زیادہ ہے۔اپنی نوجوان نسل کی وجہ سے امت مسلمہ بہت بڑا سرمایہ اپنے دامن میں رکھتی ہے لیکن اغیار ہمیں ہماری

تاریخ سے کاٹنے پر تل گئے ہیں۔ واحسرتاہ! چوکیدار چوروں سے مل گئے ہیں بلکہ حقیقت میں چورہی چوکیدار بن گئے ہیں۔ ہمارا تحفظ اس بات میں ہے کہ ہم اپنی اصل کو پہچانیں، نہ کہ ہم دوسروں کی نقالی کی بھونڈی حرکتیں کریں۔ مغرب نے ہمارے نظریات کی بیخ کنی کے لیے خوب سوچ سمجھ کر یہ منصوبہ بندی کی ہے کہ امت مسلمہ کی نوجوان پود کو فحاشی وعریانی، بے حیائی واباحیت اور بدکاری وعیاشی کا رسیا بنادیا جائے۔ تفریح کے نام پر ایسا مسموم مواد ذہنوں میں انڈیلا جارہا ہے کہ جو زہر ہلاہل سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ ہمیں اپنی نوجوان نسل کو اپنے اسلاف سے جوڑنے کے لیے سنجیدہ کوشش کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر اقبال نے اپنی نظموں کو ہمیں خصوصاً نوجوانوں کو اپنے درخشندہ ماضی سے مربوط ہوجانے کی پُرزور وکالت کی ہے۔

یقیناً آج ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ نوجوان نسل کو اس دورِ سعید سے جوڑ دیا جائے جسے خیر القرون کہا گیا ہے۔ وہ دور کہ جب آسمان سے زمین پر براہ راست وحی کی روشنی اترتی تھی اور اس روشنی میں پروان چڑھنے والی نسل جیل القرآن کہلائی۔

بعض لوگ یہ بحث چھیڑ دیتے ہیں کہ جوان کون ہے۔ بلاشبہ عمر کا وہ حصہ جس میں صلاحیتیں مسلسل پروان چڑھتی چلی جاتی ہیں، جسم وجان اور دل ودماغ کی قوتیں جوبن پر ہوتی ہیں اور کچھ کر گزرنے کا سودا سر میں سمایا ہوتا ہے، اسی کو دورِ جوانی کہا جاتا ہے۔ اس معروف تعریف کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ بسا اوقات ماہ وسال کے پیمانوں سے ناپیں تو کوئی شخص نوجوان کہلانے کا مستحق ٹھہرے گا لیکن قلب وجگر اور جذبات وعزائم کو پرکھیں تو وہ جوان بوڑھا ثابت ہوگا۔ اس کے برعکس بعض سفید ریش، عمر رسیدہ افراد اپنی حرارت ایمانی اور حمیت دینی کی وجہ سے تازہ دم اور نوجوان کہلانے کے مستحق ٹھہریں گے۔ یوں بیس سالہ بوڑھے اور ستر سالہ جوان بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ ہم ان نوجوانوں کو مخاطب کرنا چاہ رہے ہیں کہ جن کی جوانیاں بھی بے داغ ہوں اور ضرب کاری کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں ؎

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا

شباب جس کا ہو بے داغ، ضرب ہو کاری

ذیل میں ایسے چند اساطین اُمت اور معلّمین اخلاق کے ولولہ انگیز پیغامات نوجوانوں کی سماعتوں کے حوالے کیے جارہے ہیں جنھوں نے براہِ راست نوجوانوں کو خطاب کیا اور انھیں اُمت مسلمہ کے لیے عظیم فرد اور بے مثال قائد ورہنما بننے کی تعلیم وترغیب دی۔

حضرت صلہ بن اشیم عدوی رضی اللہ عنہ

حضرت صلہ بن اشیم (م ۷۵ھ) وعظ ونصیحت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، اور نوجوان خصوصاً ان کی تبلیغ واصلاح کا موضوع ہوا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی نوجوانوں کو دیکھتے نصیحت کو کوئی دانہ ضرور ان کے آگے ڈال دیتے۔ ایک مرتبہ کچھ لاابالی نوجوانوں کے پاس سے آپ کا گزر ہوا، انھیں ہنسی مذاق اور کھیل کود میں مشغول دیکھ کر محبت بھرے انداز میں سلام پیش کیا اور بڑی نرمی سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا :

فرزندانِ اسلام! مجھے یہ تو بتاؤ کہ ایک قوم اگر کسی عظیم مقصد کے لیے سفر اختیار کرے؛ لیکن وہ راستے میں بھی دن بھر کھیل کود میں مشغول ہوجائے اور رات کو بھی آرام کے لیے سوئی رہے تو کیا یہ قوم کبھی اپنی منزل پر پہنچ سکتی ہے؟۔

اس بات کو آپ بار بار دہراتے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اسی طرح راستے میں نوجوانوں سے ملاقات ہوئی وہ کھیل میں مست تھے۔ آپ نے ان سے پھر پوچھا: تو ان میں سے ایک نوجوان اُٹھا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! جس قوم کے بارے میں یہ پوچھ رہے ہیں ہونہ ہو اس سے مراد ہم لوگ ہیں۔ کیوں کہ ہم ہی تو وہ ہیں جو دن بھر کھیلتے ہیں اور رات کو سوتے رہتے ہیں۔

چنانچہ وہ نوجوان دوستوں سے الگ ہوا اور حضرت صلہ بن اشیم کی صحبت میں رہ کر اہل اللہ میں شامل ہوگیا۔ اور مرتے دم تک ان کے دامن کرم سے وابستہ رہا۔(۱)

ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کا کوئی کام نپٹانے کے لیے کہیں جارہے تھے، ان کے سامنے سے ایک خوبصورت گھبرو جوان گزرا، اس کا تہبند زمین گھسٹتا جارہا

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۳/۲۱۶۔

تھا، اس کی چال ڈھال سے رعونت اور نخوت ظاہر ہو رہی تھی، ساتھی اس کا یہ انداز دیکھ کر بھڑک اُٹھے، قریب تھا کہ اس پر حملہ کر دیتے۔ لیکن آپ آڑے آئے، آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دیں اس کے لیے میں کافی ہوں۔

چنانچہ آپ نے شفقت بھرے انداز سے نوجوان کو بلایا جس طرح ایک شفیق باپ اپنے لاڈلے کو بلاتا ہے، یا کوئی مخلص دوست اپنے ساتھی سے محبت بھرے انداز میں مخاطب ہوتا ہے۔

فرمایا: بیٹا! مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ نوجوان ٹھہر گیا اور کہا: چچا جان! فرمایئے کیا کام ہے؟۔

آپ نے فرمایا: اپنا تہبند ٹخنوں سے اوپر کرلیں۔ اس سے کپڑا بھی صاف رہے گا۔ تیرا میرا رب بھی راضی ہوگا۔ اور تیرے میرے نبی ﷺ کی سنت پر عمل ہو جائے گا۔

یہ محبت بھرا انداز دیکھ کر نوجوان شرمندگی سے نہال ہوگیا اور عرض کی: چچا جان! چشم ما روشن دلِ ماشاد، اور فوراً اپنا تہبند ٹخنوں سے اوپر اُٹھالیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد حضرت صلہ بن اشیم نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کسی کو سمجھانے کے لیے یہ انداز کس قدر اچھا ہے۔ اگر تم اسے مارتے یا گالی دیتے تو وہ بھی تمہیں مارتا اور گالی دیتا اور وہ اپنی رعونت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کبھی بھی اپنی چادر کو اوپر نہ اُٹھاتا اور وہ بدستور زمین پر گھسٹتی رہتی۔

ایک مرتبہ بصرے کا ایک نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے ابوصہبا! (یہ حضرت صلہ بن اشیم کی کنیت تھی) مجھے وہ علم سکھلائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت صلہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا اور فرمایا: بیٹا! آج تو نے مجھے جوانی کی یاد دلا دی جب کہ میں تیری طرح کا جوان ہوا کرتا تھا۔ میں صحابہ کرام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان سے بالکل یہی عرض کیا کرتا تھا کہ مجھے وہ علم سکھلائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو عطا کیا ہے۔

یہ سن کر وہ فرماتے: قرآن مجید کو حرزِ جان اور اپنے دل کی بہار بنالو اس سے خود بھی نصیحت حاصل کرو اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کو بھی نصیحت کرو۔ جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہا کرو۔

نوجوان نے عرض کی: میرے لیے دعا کرتے رہیں اللہ آپ کو جزاے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل میں باقی رہنے والی چیزوں کی رغبت پیدا کرے، اور فنا ہونے والی چیزوں کا خیال دل سے نکال دے۔ تجھے وہ یقین نصیب ہو جس سے لوگوں کو سکون حاصل ہوتا ہے اور دین میں جسے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔(۱)

حضرت حفصہ بنت سیرین علیہا الرحمہ

حضرت حفصہ بنت سیرین (م۱۱۰ھ قریبا) نے جوانوں کو عہد شباب سے خوب خوب فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دیتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا:

يا معشر الشباب! خذوا من انفسكم و أنتم شباب، فإني ما رأيت العمل إلا في الشباب . (۱)

یعنی اے جوانو! جوانی کے زمانے میں اپنی جانوں سے جتنا فائدہ حاصل کرسکتے ہو کرلو؛ کیوں کہ میں نے جوانی کے عمل ایسا (بہترین) عمل کسی اور زمانے میں نہیں دیکھا!۔

حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ

حضرت محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ (جب ہم جوان تھے تو) حضرت سفیان بن ثوری رحمہ اللہ (م۱۶۱ھ) ہمیں راتوں میں اکثر جگا کر فرماتے، اور یہی نوجوانوں کے لیے ان کی نصیحت ہوا کرتی تھی:

اے نوجوانو! اُٹھو اور اپنی جوانی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے جتنی عبادت و ریاضت کرنی ہو کرلو؛ کیوں کہ بندگی کا سب سے بہتر وقت یہی ہوتا ہے۔ اگر آج عبادت ومناجات نہیں کروگے تو پھر کب کروگے؟۔(۲)

(۱) صفۃ الصفوۃ:۳/۲۱۷۔

(۲) موسوعۃ الخطب والدروس:۳/۲۰۔

حضرت اِبراہیم بن اَدہم علیہ الرحمہ

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ (م۱۶۲ھ) کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہوکر عرض کرنے لگا: اے ابواسحٰق! میں اپنے نفس پر بے حد زیادتی کرتا ہوں، مجھے کچھ نصیحت کیجیے جو میرے لیے تازیانۂ اصلاح ہو۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تم پانچ خصلتوں کو قبول کرلو اور اس پر قادر ہو جاؤ تو یقین ہے کہ گناہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا!۔

آدمی نے کہا: بتائیے وہ پانچ خصلتیں کیا ہیں؟۔ ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم اللہ کی نافرمانی کرنا چاہو تو اس کے رزق میں سے مت کھاؤ۔ آدمی نے کہا: تو پھر میں کہاں سے کھاؤں جبکہ زمین کی ساری اشیا اسی کی پیدا کردہ ہیں۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: اے شخص! کیا تجھے زیب دیتا ہے کہ تو اسی کے رزق سے کھائے اور اسی کی نافرمانی کرے؟۔

آدمی نے کہا: بالکل نہیں۔ اچھا دوسری خصلت بتائیے۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم اللہ کی نافرمانی کرنا چاہو تو اس کی زمین میں مت رہو۔ آدمی نے کہا: یہ تو بڑا مشکل معاملہ ہے، پھر رہوں گا کہاں؟۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: اے شخص! کیا تجھے زیب دیتا ہے کہ تو اسی کا رزق کھائے، اسی کی زمین پر رہے اور اسی کی نافرمانی کرے؟۔

آدمی نے کہا: بالکل نہیں۔ اب تیسری خصلت بتائیے۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم اللہ کی نافرمانی کا اِرادہ کرو تو ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں وہ تجھے نہ دیکھ رہا ہو۔ اس نے کہا: اللہ تو اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے، اس سے کون چھپ سکتا ہے!۔

---

(۱) مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی: ۱/۲۵...... صفۃ الصفوۃ: ۲۴/۴...... تفسیر روح البیان: ۹/۲۶۸۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: اے شخص! تو کیا تجھے زیب دیتا ہے کہ تم اسی کا رزق کھاؤ، اسی کی زمین پر رہو پھر اسی کی نافرمانی کرو جو تجھے دیکھ رہا ہے اور تیرے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے؟۔

آدمی نے کہا: بالکل نہیں۔ چلیے اب چوتھی خصلت بتایئے۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آئے تو اس سے کہو کہ ذرا مہلت دو کہ خالص توبہ کرلوں اور نیک عمل کا توشہ تیار کرلوں۔

آدمی نے کہا: (فرشتہ) میری گزارش کبھی قبول نہیں کرے گا۔

اِبراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تم توبہ کرنے کے لیے موت کو مؤخر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جان رہے ہو کہ موت کا فرشتہ آگیا تو ایک سکنڈ کے لیے بھی تاخیر نہیں ہوسکتی تو نجات کی اُمید کیوں کر رکھتے ہو؟۔

آدمی نے کہا: بہت خوب، اچھا اب پانچویں خصلت بتائیں۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: جب جہنم کے داروغے تجھے جہنم کی طرف لے جانے کے لیے آئیں تو اُن کے ہمراہ مت جانا۔ آدمی نے کہا: وہ تو میری ایک نہ سنیں گے!۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا: تو پھر نجات کی اُمید کیوں کر رکھتے ہو!۔

آدمی نے کہا: اے ابراہیم! آپ کی یہ نصیحت میرے لیے کافی ہے۔ میں آج ہی توبہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سچی توبہ کی اور پھر اپنی پوری زندگی عبادت و ریاضت میں گزاردی۔

☆ حضرت عبدالرحمٰن سلمی نے طبقات الصوفیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم نے خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران ایک ایسے شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا جو دیوانہ وار زمرۂ صالحین میں شامل ہونے کی دعا کیے جارہا تھا: عزیز بیٹے! جب تک چھ چیزیں اور چھ تکلیفیں تو اپنے اوپر لازم نہ کرلے، اس وقت تک صالحین کے زمرے میں شامل نہیں ہوسکتا۔ اگر صالحین میں

شامل ہونے کا آرزومند ہے تو تیرے لیے ضروری ہے کہ چھ دروازے اپنے اوپر بند کرلے اور چھ دروازے کھول لے۔

پہلا یہ ہے کہ نعمت وسہولت اور عیش وعشرت کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے۔ اور شدت ،مشقت اور تکلیف کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

دوسرا یہ کہ عزت اور شان وشوکت کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے۔ اور ذلت ومسکنت اور عاجزی وانکساری کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

تیسرا یہ کہ راحت وآرام کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے، راحت وآرام دوسرے کو دے، اور اپنے اوپر جہد اور بے آرامی کا دروازہ کھول لے۔

چوتھا یہ کہ نیند وغفلت کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلے اور بے خوابی کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

پانچواں یہ کہ مال ودولت اور غنا وثروت کا دروازہ بند کرلے۔ اور فقرو بے نیازی کا دروازہ اپنے اوپر کھول دے۔

چھٹواں یہ کہ لمبی اُمیدوں اور آرزوؤں کا دروازہ بند کرلے۔ اور موت کی طرف اپنا دھیان جمالے، اور راہِ آخرت کی مسافرت کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے۔

حضرت ابراہیم ادہم علیہ الرحمہ نے فرمایا: بیٹے! اگر تونے ان چھ نصیحتوں کو رنگ عمل دے دیا تو تو یقین رکھ کہ تجھے زمرۂ صالحین میں شمولیت نصیب ہوجائے گی۔(۱)

امام محمد بن اِدریس شافعی علیہ الرحمہ

حضرت امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی (م۲۰۴ھ) نے ایک موقع پر ایک نوجوان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :

بیٹے! جان لے! جس نے اللہ عزوجل کی معرفت پالی وہ نجات پاگیا۔ جس نے اپنے دین

(۱) طبقات الصوفیہ سلمی: ۲۹/۱۔

کے معاملے میں خوف کیا وہ تباہی سے بچ گیا۔ جس نے دنیا میں زہد اختیار کیا تو کل بروزِ قیامت جب وہ اللہ عزوجل کی طرف سے اس کا ثواب دیکھے گا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

پھر فرمایا: ......جس میں تین خوبیاں جمع ہوگئیں اس کا ایمان مکمل ہوگیا: جو نیکی کا حکم دے اور خود بھی اس پر عمل کرے۔ جو برائی سے منع کرے اور خود بھی اس سے باز رہے، اور جو حدودِ الٰہی کی حفاظت کرے۔

پھر ارشاد فرمایا: ......دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا شوق رکھنے والا ہو جا، اور اپنے ہر کام میں اللہ عزوجل سے سچ کا معاملہ کر نجات پانے والوں کے ساتھ نجات پا جائے گا۔(۱)

امام منصور بن عمار واعظ علیہ الرحمہ

حضرت امام منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲۵ھ) نے ایک جوان کو پند و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے جوان! تجھے تیری جوانی دھوکے میں نہ ڈالے!۔ کتنے جوان ایسے تھے جنہوں نے توبہ کو مؤخر اور اپنی اُمیدوں کو طویل کیا، اپنی موت کو بھلا دیا اور یہ کہتے رہے کہ کل توبہ کرلیں گے، پرسوں توبہ کرلیں گے؛ یہاں تک کہ اسی غفلت میں ملک الموت آگیا اور وہ اندھیری قبر میں جا سوئے۔ نہ انہیں مال نے، نہ غلاموں نے، نہ اولاد نے اور نہ ہی ماں باپ نے کوئی فائدہ دیا۔ یاد رکھ فرمان الٰہی ہے :

یَومَ لایَنفَعُ مَالٌ وَّلا بَنُونَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ٥ (سورۂ شعراء:۸۸/۲۶، ۸۹)

جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ اولاد؛ مگر وہی شخص (نفع مند ہوگا) جو اللہ کی بارگاہ میں سلامتی والے بے عیب دل کے ساتھ حاضر ہوا۔(۱)

(۱) احیاء علوم الدین، بحوالہ الروض الفائق مترجم: ۴۰۱۔
(۲) مکاشفۃ القلوب، امام غزالی: ۱۹۰۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ

شیخ سعدی رحمہ اللہ (م۶۹۱ھ) نے قلمے وسخنے ہر طرح درماندہ اِنسانیت کو جادۂ ہدایت پر گامزن کرنے کی جدوجہد کی۔ اور نوجوان جو دراصل معیارِ قوم اور معمارِ مستقبل ہوتا ہے اس کو اپنے زیورِ نصیحت سے آراستہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

اے نوجوان! آج جوانی میں عبادت کا راستہ اپنا؛ کیوں کہ بڑھاپے میں تو کوئی کام بھی نہ ہوسکے گا، عبادت کیا ہوگی؟ اب جب کہ تجھے اطمینانِ قلبی اور جسمانی قوت حاصل ہے، میدان صاف ہے، نیکی کی گیند جیت لے۔

میں نے تو قدر نہ کی تو ہی کرلے۔ اب جب میں زندگی کی بازی ہار گیا ہوں، اور زندگی بھی ایسی کہ جس کا ہر دن شب قدر جیسا تھا، اب بوجھ کے نیچے دبا ہوا بوڑھا گدھا کیا کوشش کرسکتا ہے؛ لیکن تو تو کوشش کر کہ تو جوانی کے تیز گھوڑے پر سوار ہے۔

ٹوٹا ہوا پیالہ اگر اچھی طرح سے بھی جوڑ لیا جائے تو نئے پیالے کی قیمت کا تو نہیں ہوسکتا۔ (بوڑھا جتنی عمدگی سے بھی عبادت کرے جوان کی طرح نہیں کرسکتا) اگر غفلت نے تیرے ہاتھ سے بھی پیالا گرادیا ہے (اور تو نے بھی جوانی ضائع کردی ہے) تو مرمت کے سوا چارہ نہیں (جس طرح گزرتی ہے گذارتا رہ)۔

اپنے آپ کو دریا میں نہیں گرانا چاہیے لیکن اگر گر جائے تو ہاتھ پاؤں ضرور مارنے چاہئیں۔ صاف پانی میسر نہ آئے تو تیمّم کرنا ہی پڑتا ہے اور اس کی اجازت بھی ہے۔ اگر تو دوڑ کر تیز رفتاروں سے آگے نہیں بڑھ سکتا تو گرتا پڑتا ہی چلے چل۔(۱)

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ مکہ کے راستے میں مقام فید پر ایک مرتبہ سفر کی تھکاوٹ سے ہلکان ہوکر میں سوگیا۔ ایک اونٹ والا بڑے رعب سے آیا اور اپنے اونٹ کی مہار میرے سر پر مار کر کہنے لگا: اُٹھ، اگر قافلے سے پیچھے رہ گیا تو مارا جائے گا۔ نیند تو مجھے بھی ستارہی ہے؛ مگر دیکھتا

(۱) بوستانِ سعدی انسائیکلوپیڈیا: ۳۱۰۔

نہیں خوفناک جنگل سامنے ہے جو نقارے اور کوچ کی آواز پر بھی نہ اُٹھے وہ منزل پہ نہیں پہنچ سکتا، بلکہ اس کے سر اُٹھانے سے پہلے ہی قافلہ منزل مقصود تک پہنچ چکا ہوگا۔ اسی طرح جب جوانی کے چہرے پہ بڑھاپا چھا جائے تو سمجھ لے رات ہوگئی ہے، آنکھیں کھول لینی چاہئیں۔

میں نے تو اسی دن زندگی کی اُمید ختم کرلی تھی جب میری سیاہی (کالوں میں) سفیدی آگئی تھی۔ جہاں اتنی گذر گئی ہے، یہ چند سانس بھی گذر ہی جائے گی۔ جو گناہوں میں گذری سو وہ تو گذر ہی گئی، ان بقیہ سانسوں کی تو حفاظت کرلے۔

اگر تو کھلیان اُٹھانے کا متمنی ہے تو بیج بونے کے وقت سستی سے کام نہ لے۔ بازارِ قیامت میں بھی خالی ہاتھ جانا حسرت وندامت کا باعث ہوگا۔ ابھی جب کہ تیری آنکھوں کو چیونٹیوں نے نہیں کھایا ہوا تو عقل کی آنکھ سے کام لے اور قبر میں جانے سے پہلے ہی چارا کرلے۔

نفع تو رقم سے ملتا ہے جو رقم اُڑا دے وہ نفع کی توقع کیوں رکھے!۔ اب پانی کمر تک ہے تو کوشش کرلے اگر سیلاب ہوکر سر سے گذر گیا تو کچھ نہ ہوسکے گا۔ آنکھوں سے آنسو بہالے، زبان سے عذر پیش کرلے؛ کیوں کہ نہ منہ میں زبان ہمیشہ رہے گی، نہ بدن میں جان۔

آج اہل علم کی بات سن لے تاکہ کل قبر میں فرشتوں کی نہ سننا پڑے۔ پیاری جان کی حفاظت کر؛ کیوں کہ پرندے کے بغیر پنجرا بے کار ہے۔ حسرت وافسوس میں عمر برباد نہ کر؛ اس لیے کہ فرصت نایاب اور وقت تلوار ہے۔(۱)

حضرت مغیرہ بن محمد علیہ الرحمہ

حضرت ابراہیم بن صبح البراد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مغیرہ بن محمد کے پاس ہمارا جانا ہوا، اور ان کا معمول یہ تھا کہ جب وہ گفتگو کرتے تو جہاں خود روتے اوروں کو بھی رلاتے تھے۔ نیز ان کی محفل میں دنیاوی گفتگو کا کہیں دور دور تک گزر نہ تھا، ان کی ساری باتیں آخرت بنانے اور عقبیٰ سنوارنے کے تعلق سے ہوا کرتی تھیں۔ نوجوان ان کا عنوانِ خطاب ہوتے، اور ان کی باتیں سن کر وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتے۔ اندازِ بیان ملاحظہ فرمائیں :

(۱) بوستانِ سعدی انسائیکلوپیڈیا:۳۱۱۔

ایک دن فرمایا: اے نوجوانو! روؤ اور رلاؤ، اور اِن آنکھوں اور دلوں کو جتنا رو سکیں رونے دو؛ کیوں کہ آج کا غمگین کل خوش وخرم ہوگا۔

آج گریہ وبکا کرنے والا کل ہنس رہا ہوگا۔

آج ڈرڈر کے رہنے والا کل بے خوف اور پر امن ہوگا۔

دنیا میں لمبے لمبے فاقے کرنے والا آخرت میں پورے طور پر آسودہ حال ہوگا۔

آج یہاں جتنے پیاسے رہوگے کل اللہ کے حضور اتنی ہی سیری نصیب ہوگی۔

سو لوگو! تمھیں اختیار ہے جسے چاہو اپنالو۔ دیکھنا دھوکے میں نہ آجانا ورنہ کل سوا پچتانے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اتنا کہہ کر آپ زار وقطار رونے لگے اور دوسرے لوگوں پر بھی گریہ وبکا طاری ہوگیا۔(۱)

محمود احمد عباسی اُمروہوی

مولوی محمود احمد ہاشمی عباسی امروہوی بڑے درد بھرے انداز میں نوجوانوں کو اپنے درخشندہ ماضی سے مربوط رہنے اور میراثِ دوشیں کی حفاظت کرنے نیز انھیں دنیا میں کچھ بن کر دکھانے کی ترغیب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں :

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
اُٹھو، تہذیب سیکھو! صنعتیں سیکھو، ہنر سیکھو!

بڑھاؤ تجربے، اطرافِ دنیا میں سفر سیکھو!
خواصِ خشک وتر سیکھو، علوم بحر وبر سیکھو!

خدا کے واسطے اے نوجوانو! ہوش میں آؤ!
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو، جوش میں آؤ

(۱) الرقۃ والبکاء ابن ابی الدنیا: ۱/۲۹۰ حدیث: ۲۷۳۔
(۲) تاریخ امروہہ، شرفِ انتساب۔ مطبوعہ تجلی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔

علامہ ڈاکٹر اِقبال

علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء) اپنے فارسی کلام جاوید نامہ میں اپنی نظم 'جاوید سے خطاب' میں نئی نسل سے یوں مخاطب ہوتے ہیں :

تیری ماں نے تجھے (لا الہ) کا پہلا سبق دیا۔ تیری کلی اس کی بادِ نسیم سے کھلی۔ لا الہ کہتا ہے تو دل کی گہرائیوں سے کہہ تاکہ تیرے بدن سے بھی روح کی خوشبو آئے۔ مؤمن اور دوسروں کی غلامی کرے! مومن ہو اور غداری، نفاق اور فاقہ مستی اختیار کرے۔

اس دور کے مسلمان نے معمولی قیمت پر دین وملت کو بیچ دیا۔ اس نے اپنا گھر بھی جلا دیا اور گھر کا سامان بھی۔ کبھی اس کی نماز میں لا الہ کا رنگ تھا مگر اب نہیں۔ کبھی اس کی نیاز مندی میں ناز تھا مگر اب نہیں۔ وہ جو اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتا تھا۔ آج کل حبِ مال اور خوفِ مرگ کے فتنہ میں مبتلا ہے۔

نماز روزے کی روح جاتی رہی تو فرد بے لگام ہو گیا اور ملت بے نظام۔ سینے حراتِ قرآن پاک سے خالی ہو گئے۔ ایسے لوگوں سے بھلائی کی کیا امید؟ مسلمان نے خودی ترک کر دی۔ اے خضر! مدد کو پہنچ، پانی سر سے گزر گیا۔

علم وفن ہو، دین وسیاست ہو یا عقل ودل ہو سب گروہ در گروہ مادّیت کے طواف میں لگے ہوئے ہیں۔ ایشیا جو آفتاب کی سرزمین تھی، اپنے آپ سے چھپا ہوا اور دوسروں کو دیکھنے میں مصروف ہے۔ وہ ملاؤں اور پادشاہوں کا شکار ہو چکا ہے اس کے فکر کا آہو لنگڑا لولا ہے۔

ہمارے نوجوان پیاسے ہیں مگر ان کے جام خالی ہیں، چہرے چمکدار، دماغ روشن مگر اندرون تاریک۔ کم نگاہ، بے یقین اور مایوس ان کی آنکھ کو دنیا میں کچھ

نظر ہی نہیں آتا۔غصہ میں ہو یا خوشنودی میں،عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور افلاس ہو یا امارت،میانہ روی نہ چھوڑ۔

اگر احکامِ الٰہی مشکل ہوں تو ان کی تاویل نہ ڈھونڈ۔صرف اپنے قلب سے روشنی حاصل کر۔ روح کی حفاظت بے حساب ذکر وفکر سے ہے اور بدن کی حفاظت جوانی میں ضبطِ نفس سے ہے۔ دین کا راز سچ بولنے، حلال کھانے اور خلوت وجلوت میں حق تعالیٰ کے جمال کا نظارہ کرنے میں ہے۔

علامہ اقبال نے مثنوی اَسرار ورموز میں ایک حکایت بیان کی جس میں ایک نوجوان نے سید علی ہجویری سے دشمنوں کا خوف دور کرنے کے لیے راہنمائی طلب کی،تو انہوں نے فرمایا :

اے رازِ حیات سے ناواقف نوجوان! تو زندگی کے آغاز اور انجام سے غافل ہے۔تو دشمنوں کا خوف دل سے نکال دے۔ تیرے اندر ایک قوتِ خوابیدہ موجود ہے،اسے بیدار کر۔جب پتھر اپنے آپ کو شیشہ سمجھنے لگتا ہے تو وہ شیشہ ہی بن جاتا ہے اور شیشے کی طرح ٹوٹنے لگتا ہے۔جب مسافر اپنے آپ کو کمزور سمجھتا ہے تو وہ اپنی جان کی نقدی بھی راہزن کے سپرد کر دیتا ہے۔تو اپنے آپ کو کب تک پانی اور مٹی کا پتلا سمجھتا رہے گا۔ تجھے چاہیے کہ اپنے اندر سے شعلۂ طور پیدا کرے۔یوسف کی طرح خود شناس ہو تاکہ اَسیری سے شہنشاہی تک پہنچے۔

اسی مثنوی اسرار ورموز میں نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں :

اے غافل جوان! قوم اپنے ماضی کی سرگزشت (تاریخ) سے روشن ہوتی اور اسے یاد رکھنے سے ہی خود کو پہچانتی ہے۔اگر وہ اپنی سرگزشت بھول جائے تو پھر وہ نیست ونابود ہو جاتی ہے۔

اے مردِ ہوشمند! ایام سے تعلق تیرے قومی وجود کی شیرازہ بندی کرتا ہے۔ ایام سے ربط وتعلق ہمارے لیے لباس کی مانند ہے اور قدیم روایات کا تحفظ اس

کی سوئی ہے۔

تاریخ کیا ہے؟ اے بے گانہ خود! کیا یہ کوئی داستان، قصہ یا افسانہ ہے؟ یہ (تاریخ) تجھے تیری ذات سے آگاہ کرتی ہے۔ تجھے عمل سے آشنا کرتی اور فعال بناتی ہے۔

یہ روح کی تازگی کا سرمایہ ہے، یہ جسد ملت کے لیے اعصاب کی مانند ہے۔ اس کے سوز میں شعلہ افسردہ دیکھ، گزرا ہوا کل اس کے آج میں دیکھ۔ اس کی شمع قوموں کے نصیب کے لیے ستارے کی مانند ہے۔

اس کے آج کی شب بھی روشن ہے اور کل کی شب بھی روشن تھی۔ صدیوں کی پرانی شراب اس کی صراحی میں ہے، اس کی شراب میں ماضی کی مستی ہے۔

وہ ایسا شکاری ہے جس نے اس پرندے کو جال میں پھنسالیا جو ہمارے بوستان سے پرواز کر گیا تھا۔

مستقبل کے معمار! اپنی تاریخ کو محفوظ کر اور پائندہ ہوجا، گزرے ہوئے سانسوں سے زندگی پاجا۔ گزرے ہوئے کل کو آج سے مربوط کر، زندگی کو سدھایا ہوا پرندہ بنالے، اَیام کے رشتے کو ہاتھ میں لے لے؛ ورنہ تو دن کا اندھا اور رات کا پجاری بن جائے گا۔

تیرے ماضی سے ہی تیرا حال وجود میں آتا ہے اور پھر حال سے تیرا مستقبل سنورتا ہے۔

اگر تو حیاتِ جادواں کا خواہاں ہے تو مستقبل اور حال سے ماضی کا رشتہ نہ توڑ۔ تسلسلِ ادراک کی موج ہی میں بقا ہے، مے کشوں کے لیے شورِ قلقل ہی میں زندگی ہے۔

ڈاکٹر اِقبال کا پیغام
جوانانِ اسلام کے نام

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟ — وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا؟

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

تمدن آفریں، خلاقِ آئینِ جہاں داری — وہ صحرائے عرب، یعنی شتر بانوں کا گہوارا

سماں ’الفقر فخری‘ کا رہا شانِ اِمارت میں — بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اِتنے — کہ مُنعم کو گدا کے در سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے؟ — جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں — مگر تیرے تخیّل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی! — کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا

گنوادی ہم نے جو اَسلاف سے میراث پائی تھی — ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی — جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

[بانگِ درا]

﴿اِرشاد نصیحت بنیاد﴾

’بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُس بیس سالہ نوجوان کو زیادہ محبوب رکھتا ہے جو (کسرنفسی اور تواضع میں) اَسّی سالہ بوڑھے جیسا ہو، مگر اُس ساٹھ سالہ بوڑھے کو بالکل پسند نہیں فرماتا جو (چال ڈھال میں) بیس سالہ نوجوان جیسا ہو‘۔

(جامع الاحادیث، سیوطی: حدیث: ۵۵۶۰)

یارب دلِ مسلم کو وہ......

یارب! دلِ مسلم کو وہ زِندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوے حرم لے چل
اِس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اِس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلیٰ دے

اِس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہم دوشِ ثریا کر
خودداریِ ساحل دے، آزادیِ دریا دے

بے لوث محبت ہو، بے باک صداقت ہو
سینوں میں اُجالا کر، دل صورتِ مینا دے

اِحساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
اِمروز کی شورش میں اَندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اِک اُجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

معمارِ جہاں تو ہے......

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو' زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، اَبد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو' جاوداں تو ہے

حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے' معمارِ جہاں تو ہے

تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

جہانِ آب وگل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے

یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے

سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی اِمامت کا

......متاعِ کارواں جاتا رہا

شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے

رشتۂ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے؟

شوق بے پروا گیا ، فکر فلک پیما گیا
تیری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانے رہے

وہ جگرسوزی نہیں ، وہ شعلہ آشامی نہیں
فائدہ پھر کیا جو گردِ شمع پروانے رہے

خیر تو ساقی سہی؛ لیکن پلائے گا کسے؟
اب نہ وہ میکش رہے باقی، نہ میخانے رہے

رو رہی ہے آج اِک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلا رہی، لیلا کے دیوانے رہے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے اِحساس زیاں جاتا رہا

اللہ رکھے تیری جوانی کو سلامت

اے پیرحرم! رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی، خود نگری کا

تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا

دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں میں ترے اَسرار
مجھ کو بھی صلہ دے مری آشفتہ سری کا

(ضربِ کلیم)

مناجات بہ بارگاہ مجیب الدعوات

حضرت سیدنا اِمام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرسوز دُعا پر کتاب اپنے اِختتام کو پہنچ رہی ہے، اللہ قبول فرمائے اور مزید خیر کی توفیق ہمارے رفیق حال کردے۔ آمین۔

اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْنَا طَاعَتَکَ، وَجَنِّبْنَا مَعْصِيَتَکَ، وَيَسِّرْ لَنَا بُلُوْغَ مَا نَتَمَنّٰى مِنْ ابْتِغَاءِ رِضْوَانِکَ، وَاَحْلِلْنَا بُحْبُوحَةَ جِنَانِکَ، وَاقْشَعْ عَنْ بَصَائِرِنَا سَحَابَ الارْتِيَابِ، وَاكْشِفْ عَنْ قُلُوْبِنَا أَغْشِيَةَ الْمِرْيَةِ وَالْحِجَابِ، وَازْهِقِ الْبَاطِلَ عَنْ ضَمَائِرِنا، وَأَثْبِتِ الْحَقَّ فِي سَرَائِرِنَا، فَإِنَّ الشُّكُوْکَ وَالظُّنُوْنَ لَوَاقِحُ الْفِتَنِ، وَمُكَدِّرَةٌ لِصَفْوِ الْمَنَائِحِ وَالْمِنَنِ .

اَللّٰهُمَّ احْمِلْنَا فِی سُفُنِ نِجَاتِکَ، وَمَتِّعْنَا بِلَذِيْذِ مُنَاجَاتِکَ، وَأَوْرِدْنَا حِيَاضَ حُبِّکَ، وَأَذِقْنَا حَلاوَةَ وُدِّکَ وَقُرْبِکَ، وَاجْعَلْ جِهَادَنَا فِيْکَ، وَهَمِّنَا فِي طَاعَتِکَ، وَأَخْلِصْ نِيَّاتَنَا فِي مُعَامَلَتِکَ، فَإِنَّا بِکَ وَلَکَ، وَلاَ وَسِيْلَةَ لَنَا إِلَيْکَ إِلَّاأَنْتَ .

إِلٰهِيْ اجْعَلْنِي مِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الأَخْيَارِ، وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِيْنَ الأَبْرَارِ، السَّابِقِيْنَ إِلَى الْمَكْرُمَاتِ الْمُسَارِعِيْنَ إِلَى الْخَيْرَاتِ، الْعَامِلِيْنَ لِلْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ، السَّاعِيْنَ إِلَى رَفِيْعِ الدَّرَجَاتِ، إِنَّکَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالإِجَابَةِ جَدِيْرٌ، بِرَحْمَتِکَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ .(۱)

(۱) مناجاتِ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ۔

یعنی اے معبود! ہمیں اپنی فرماں برداری کی تعلیم دے، اور اپنی نافرمانی سے بچائے رکھ۔ ہمارے لیے اُن تمناؤں تک پہنچنا آسان فرما جو تیری رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہوں۔ ہمیں اپنی جنت کے وسط میں جگہ دے۔

ہماری آنکھوں سے شک کے بادل دور کردے۔ ہمارے دلوں سے شبہہ وحجاب کی رکاوٹیں ہٹادے، اور ہمارے ضمیروں سے باطل کو مٹادے۔ ہمارے باطن میں حق کو قائم کردے؛ کیوں کہ شکوک اور گمان فتنہ پیدا کرتے ہیں، اور بخششوں اور اِحسانوں کی چمک پر داغ لگاتے ہیں۔

اے معبود! ہمیں نجات کی کشتیوں میں جگہ دے۔ اپنے حضور مناجات کی لذت نصیب فرما۔ ہمیں اپنی دوستی کے حوضوں میں داخل کر، اور اپنی محبت اور قرب کی مٹھاس چکھادے۔ ہمارا جہاد اپنی راہ میں قرار دے، اور اپنی اطاعت کی ہمت عطا کر۔ اپنے ساتھ معاملت میں ہماری نیتوں کو خالص فرما کہ ہم تیرے ساتھ اور تیرے لیے ہیں، تیری بارگاہ میں ہمارا کوئی وسیلہ نہیں مگر خود تو ہی ہے۔

اے میرے پروردگار! مجھے چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے قرار دے، اور مجھے نیکوکار پاک دل لوگوں میں شامل فرما جو خوبیوں میں آگے بڑھنے اور نیکیوں میں جلدی کرنے والے ہیں، جو اچھے آثار پر عمل کرنے والے اونچے درجوں کی طرف جانے میں کوشاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور قبول کرنے کا اہل ہے تیری رحمت کا واسطہ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے!۔

کتابیات:

اس کتاب کی تالیف وترتیب میں مندرجہ ذیل رسائل وکتب سے براہِ راست اِستفادہ کیا گیا۔

- قــران کـــریم . ابتدائے نزول: ۶۱۰ء- انتہائے نزول: ۹/ذی الحجہ۱۰ھ/۶۳۲ء
- تفسير الأحلام : ابوبکر محمد بن سیرین بصری [۱۱۰ھ]
- المناسک لابن أبي عروبة : حافظ ابونصر سعید بن ابی مہران بصری [۱۵۷ھ]
- مؤطا إمام مالک : امام مالک بن انس مدنی [۱۷۹ھ]
- الزهد و الرقائق لابن المبارک : عبداللہ بن مبارک [۱۸۱ھ]
- الزهد لوكيع بن الجراح : وکیع بن الجراح الرواسی [۱۹۷ھ]
- مسند الطيالسي : سلیمان بن داوٗد طیالسی [۲۰۴ھ]
- التاريخ والمبعث والمغازي : محمد بن عمر بن واقد واقدی [۲۰۷ھ]
- مصنف عبد الرزاق : ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی [۲۱۱ھ]
- تفسير صنعانی : ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی [۲۱۱ھ]
- مصنف ابن أبي شيبة : ابوبکر عبداللہ بن محمد بن احمد نسفی [۲۳۵ھ]
- مسند عبد بن حميد : ابومحمد عبد بن محمد حمید کشی [۲۳۸ھ]
- مسند امام احمد بن حنبل : امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [۲۴۱ھ]
- الزهد لأحمد بن حنبل : امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [۲۴۱ھ]
- تاريخ خليفه : ابوعمرو خلیفہ بن ہبیرہ شیبانی عصفری [۲۴۶ھ]

- سنن الدارمی: امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی [۲۵۵ھ]
- نوادر الأصول: محمد بن علی بن حسن حکیم ترمذی [۲۵۵ھ]
- الأدب المفرد للبخاري: امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
- التاریخ الکبیر: امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
- التاریخ الصغیر: امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]
- المعجم الکبیر: امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
- المعجم الأوسط: امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
- طرق حدیث من کذب علي متعمدا: امام سلیمان بن احمد طبرانی [۲۶۰ھ]
- صحیح مسلم: امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری [۲۶۱ھ]
- الجرح و التعدیل: احمد بن عبداللہ عجلی کوفی [۲۶۱ھ]
- تاریخ المدینة: عمر بن شبہ ابن رابطہ نمیری [۲۶۲ھ]
- سنن ابن ماجه: امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی [۲۷۳ھ]
- سنن ابی داؤد: امام ابوداوٗد سلیمان بن اشعث [۲۷۵ھ]
- الزهد لأبي داؤود: امام ابوداوٗد سلیمان بن اشعث [۲۷۵ھ]
- أخبار مکة للفاکهي: محمد بن اسحٰق بن عباس فاکہی [۲۷۵ھ]
- غریب الحدیث: عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کوفی دینوری [۲۷۶ھ]
- عیون الأخبار: عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کوفی دینوری [۲۷۶ھ]
- الزهد لأبي حاتم الرازي: محمد بن ادریس بن منذر ابوحاتم رازی [۲۷۷ھ]
- علل الترمذي الکبیر: امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]

- قوت القلوب : ابوطالب محمد بن علی مکی [۳۸۶ھ]
- العزلة للخطابي : ابوابراہیم محمد بن سلیمان خطابی بستی [۳۸۸ھ]
- الإمتاع و المؤانسة : علی بن محمد بن عباس واسطی ابوحیان التوحیدی [۴۰۰ھ]
- الصداقة و الصديق : علی بن محمد بن عباس واسطی ابوحیان التوحیدی [۴۰۰ھ]
- المستدرک : امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری [۴۰۵ھ]
- الأربعون في شيوخ الصوفية للماليني :احمد بن محمد ابوسعید مالینی [۴۱۲ھ]
- طبقات الصوفية : ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین بن محمد سلمی [۴۱۲ھ]
- فوائد تمام : تمام بن محمد بن عبداللہ حلبی [۴۱۴ھ]
- شرح أصول اعتقادأهل السنةوالجماعة للألكائي :ابوالقاسم بن حسن [۴۱۸ھ]
- نثر الدرر في المحاضرات : ابوسعید منصور بن حسین آبی [۴۲۲ھ]
- أخبار أصبهان : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- تاريخ أصبهان : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- حديث نعيم عن أبي على الصواف : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- حلية الأولياء : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- معرفة الصحابة : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- المجموع : حسین بن شعیب معروف بہ ابن سنجی [۴۳۰ھ]
- أمالي ابن بشران : ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن بشران [۴۳۲ھ]
- المعجم لابن أبار : ابوجعفر احمد بن محمد ابن اَبار اشبیلی مالکی [۴۳۳ھ]

- الإعجاز و الايجاز : احمد بن محمد بن ابراہیم ابواسحٰق ثعالبی [۴۳۷ھ]
- الحاوی الکبیر للماوردی : ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی [۴۵۰ھ]
- مسند الشهاب القضاعي : ابوعبداللہ محمد بن سلامہ قضاعی شافعی [۴۵۴ھ]
- حجة الوداع : ابومحمد ابن حزم علی ظاہری [۴۵۶ھ]
- الفصل فی الملل والأهواء و النحل : ابومحمد ابن حزم علی ظاہری [۴۵۶ھ]
- الاعتقاد للبيهقي :ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- ما ورد في حياة الأنبياء بعد وفاتهم :ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- حياة الأنبياء في قبورهم :ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- دلائل النبوة للبيهقي :ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الاعتقاد للبيهقي :ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- فضائل الأوقات :ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- السنن الكبرىٰ للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الأربعون الصغرىٰ للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- معرفة السنن و الآثار : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- شعب الايمان للبيهقي: ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الزهد الكبير للبيهقى: ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- المدخل إلى السنن الكبرىٰ للبيهقي :ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- الجامع لأخلاق الراوي و آداب السامع :ابوبکر احمد خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- اقتضاء العلم العمل للبغدادي : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]

- الفقه والفقيه : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- شرف أصحاب الحديث : ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی [۴۶۳ھ]
- جامع بيان العلم و فضله لابن عبد البر : ابوعمر یوسف بن عبدالبر [۴۶۳ھ]
- الإنصاف لابن عبد البر : ابوعمر یوسف بن عبدالبر نمری قرطبی [۴۶۳ھ]
- بهجة المجالس وأنس المجالس : ابوعمر یوسف بن عبدالبر نمری قرطبی [۴۶۳ھ]
- كشف المحجوب : حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری [۴۶۵ھ]
- الرسالة القشيرية : ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری شافعی [۴۶۵ھ]
- مسند إبراهيم بن أدهم الزاهد : حافظ ابوعبداللہ بن مندہ اصبہانی [۴۷۵ھ]
- فوائد ابن مندة : حافظ ابوعبداللہ بن مندہ اصبہانی [۴۷۵ھ]
- مجعم ما استعجم : ابوعبید عبداللہ بن عبدالعزیز بکری اندلسی [۴۸۷ھ]
- محاضرات الأدباء : ابوالقاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی [۵۰۲ھ]
- إحياء علوم الدين : ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- أيها الولـــــد : ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- كيمياء السعادة : ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- مكاشفة القلوب : ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- منهاج العابدين : ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی [۵۰۵ھ]
- تفسير ابوالسعود : ابومحمد حسین بن مسعود بغوی شافعی [۵۱۶ھ]
- شرح السنة للبغوی : ابومحمد حسین بن مسعود بغوی شافعی [۵۱۶ھ]
- مجمع الأمثال : ابوالفضل احمد بن محمد بن احمد میدانی نیساپوری [۵۱۸ھ]

- سراج الملوک : ابومحمد طرطوشی مالکی اندلسی معروف بابن ابی رندقہ [۵۲۰ھ]
- ربیع الأبرار : ابوالقاسم محمد بن عمرو جار اللہ زمخشری [۵۳۸ھ]
- القسطاس في علم العروض : ابوالقاسم محمد بن عمرو جار اللہ زمخشری [۵۳۸ھ]
- ترتیب المدارک وتقریب المسالک : قاضی عیاض بن موسیٰ [۵۴۴ھ]
- شرح البخاري ابن بطال : ابوالحکم بن زکریا بن بطال برہانی کوفی اشبیلی [۵۴۹ھ]
- الأنساب للسمعاني : عبدالکریم ابوسعد مروزی سمعانی شافعی [۵۶۲ھ]
- أدب الإملاء و الاستملاء : عبدالکریم ابوسعد مروزی سمعانی شافعی [۵۶۲ھ]
- تاریخ مدینة دمشق : علی بن حق دمشقی معروف ب ابن عساکر [۵۷۱ھ]
- الصلة : خلف بن عبدالملک ابن بشکوال ابوالقاسم قرطبی اندلسی مالکی [۵۷۸ھ]
- الروض الانف : عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد سہیلی [۵۸۱ھ]
- العاقبة في ذکر الموت : عبدالحق بن عبدالرحمٰن مالکی معروف بابن خراط [۵۸۲ھ]
- المنتظم في تاریخ الأمم : عبدالرحمٰن بن علی بن جوزی بغدادی [۵۹۷ھ]
- صفة الصفوة : عبدالرحمٰن بن علی بن جوزی بغدادی [۵۹۷ھ]
- لفتة الکبد فی نصیحة الولد : عبدالرحمٰن بن جوزی بغدادی [۵۹۷ھ]
- بر الوالدین : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی [۵۹۷ھ]
- الأذکیاء : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی [۵۹۷ھ]
- ذم الهویٰ : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی [۵۹۷ھ]
- المدهش : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی [۵۹۷ھ]
- صید الخاطر : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی [۵۹۷ھ]

❀ قصص الأنبیاء : حافظ عماد الدین ابوالفدا اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]

❀ جامع العلوم والحکم : عبدالرحمٰن ابن رجب دمشقی حنبلی [۷۹۵ھ]

❀ لطائف المعارف : عبدالرحمٰن ابن رجب دمشقی حنبلی [۷۹۵ھ]

❀ جامع العلوم والحکم : عبدالرحمٰن ابن رجب دمشقی حنبلی [۷۹۵ھ]

❀ فتح الباری : عبدالرحمٰن ابن رجب دمشقی حنبلی [۷۹۵ھ]

❀ طبقات المحدثین : سراج الدین عمر بن علی بن ملقن شافعی [۸۰۴ھ]

❀ تحفة المحتاج في شرح المنهاج : عمر بن علی بن احمد اندلسی [۸۰۴ھ]

❀ طبقات الأولیاء : ابوحفص عمر بن علی ابن ملقن انصاری مصری شافعی [۸۰۴ھ]

❀ تخریج أحادیث الإحیاء : حافظ ابوالفضل زین الدین العراقی [۸۰۶ھ]

❀ تاریخ ابن خلدون : عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون حضرمی [۸۰۶ھ]

❀ مقدمة ابن خلدون : عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون حضرمی [۸۰۶ھ]

❀ مجمع الزوائد و منبع الفوائد : حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی [۸۰۷ھ]

❀ موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان : نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی [۸۰۷ھ]

❀ بغیة الباحث عن زوائد مسند الحارث : نورالدین ابوبکر ہیثمی [۸۰۷ھ]

❀ غایة المقصد في زوائد المسند : نورالدین علی بن ابوبکر بن سلیمان ہیثمی [۸۰۷ھ]

❀ حیوة الحیوان الکبریٰ : کمال الدین ابوالبقا دمیری مصری شافعی [۸۰۸ھ]

❀ الزهر الفائح في ذکر من تنزه عن الذنوب والقبائح : ابوالخیر محمد ابن الجزری [۸۳۳ھ]

❀ غایة النهایة في طبقات القراء : ابوالخیر شمس الدین محمد ابن الجزری [۸۳۳ھ]

❀ معجم ابن المقریء : اسماعیل بن ابوبکر بن علی شرجی زبیدی [۸۳۷ھ]

❁ ثمرات الأوراق : علی بن عبداللہ ابن حجہ حموی حنفی [۸۳۷ھ]

❁ المستطرف في كل فن مستظرف : ابوالفتح بہاء الدین ابشیہی شافعی [۸۵۰ھ]

❁ إنباء الغمر بأبناء العمر : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۸۵۲ھ]

❁ لسان الميزان : شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی مکی [۸۵۲ھ]

❁ الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة : ابن حجر عسقلانی مکی [۸۵۲ھ]

❁ المطالب العالية : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۸۵۲ھ]

❁ تقريب التهذيب : حافظ شہاب الدین احمد بن ابن حجر عسقلانی مکی [۸۵۲ھ]

❁ تخريج أحاديث الإحياء : حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی مکی [۸۵۲ھ]

❁ مغاني الأخيار : ابومحمد محمود بن احمد بن محمد حسین غیتابی حنفی [۸۵۵ھ]

❁ فتح القدير : محمد بن عبدالواحد کمال الدین حنفی معروف بہ ابن ہمام [۸۶۱ھ]

❁ النجوم الزاهرة في ملوک مصر والقاهرة : ابن اتابکی تغری بردی [۸۷۴ھ]

❁ اللباب في علوم الكتاب : ابوحفص عمر بن علی بن عادل حنبلی دمشقی [بعد ۸۸۰ھ]

❁ الآداب الشرعية : ابومفلح ابراہیم بن محمد رامینی صالحی حنبلی [۸۸۴ھ]

❁ طبقات الحنابلة : ابومفلح ابراہیم بن محمد رامینی صالحی حنبلی [۸۸۴ھ]

❁ نظم الدرر في تناسب الآی والسور : ابراہیم بن عمر بقاعی [۸۸۵ھ]

❁ الإشارات في علم العبارات : خلیل بن شاہین ظاہری [۸۹۳ھ]

❁ الضوء اللامع : ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن محمد سخاوی مصری شافعی [۸۹۳ھ]

❁ نزهة المجالس و منتخب النفائس : عبدالرحمٰن بن عبدالسلام صفوری [۸۹۴ھ]

❁ بدائع السلک في طبائع الملک : محمد بن علی ابن ازرق غرناطی مالکی [۸۹۶ھ]

❁ شواهد النبوة : نورالدین عبدالرحمٰن بن احمد جامی [۸۹۸ھ]

❁ الروض المعطار في أخبار الأقطار : محمد بن محمد بن عبداللہ حمیری [۹۰۰ھ]

❁ تفسیر در منثور : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]

❁ تاريخ الخلفاء : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]

❁ الخصائص الكبرىٰ : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]

❁ جمع الجوامع للسيوطي : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]

❁ الحاوي للفتاوىٰ : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]

❁ الحبائک في أخبار الملائک : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]

❁ الديباج على مسلم : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]

❁ بشرى الكئيب بلقاء الحبيب : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]

❁ الأرج بعد الفرج : جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر سیوطی [۹۱۱ھ]

❁ الاستعداد للموت و سؤال القبر : زین الدین احمد ملیباری شافعی [۹۲۸ھ]

❁ سبل الهدىٰ و الرشاد : ابوعبداللہ محمد بن یوسف صالحی شامی [۹۴۲ھ]

❁ معارج النبوة في مدارج الفتوة : معین الدین ہروی حنفی معروف بہ منلا مسکین [۹۵۴ھ]

❁ لواقح الأنوار القدسية فى العهود المحمدية : عبدالوہاب شعرانی [۹۷۳ھ]

❁ الصواعق المحرقة على أهل الرفض والزندقة : شہاب الدین بن حجر [۹۷۴ھ]

❁ الزواجر عن اقتراف الكبائر : شہاب الدین احمد بن محمد بن حجر ہیتمی مکی [۹۷۴ھ]

❁ كنز العمال : علاء الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی برہانپوری [۹۷۵ھ]

❁ تفسير السراج المنير : محمد بن احمد خطیب شربینی مصری شافعی [۹۷۷ھ]

- طبقات الکبریٰ : شیخ عبدالوہاب بن احمد شعرانی [۹۸۳ھ]
- المراح في المزاح : شیخ رضی الدین غزی شافعی [۹۸۴ھ]
- الطبقات السنية في تراجم الحنفية : قاضی تقی الدین مصری حنفی [۱۰۱۰ھ]
- مرقاة شرح مشکوٰة : علی بن سلطان ملا علی قاری حنفی [۱۰۱۴ھ]
- فيض القدير : شمس الدین عبدالرؤف مناوی شافعی [۱۰۳۰ھ]
- الكشكول : بہاءالدین محمد بن حسین عاملی [۱۰۳۱ھ]
- النور السافر عن أخبار القرن العاشر : محی الدین عبدالقادر عیدروسی [۱۰۳۸ھ]
- الكواكب السائرة بأعيان المائة العاشرة : محمد بدرالدین نجم غزی دمشقی [۱۰۶۱ھ]
- الدر المختار : علاءالدین محمد بن علی حصکفی دمشقی حنفی [۱۰۸۸ھ]
- سمط النجوم العوالي ..... : عبدالملک بن حسین عصامی مکی شافعی [۱۱۱۱ھ]
- خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر : محمد فضل اللہ محبی [۱۱۱۱ھ]
- المحاضرات فی اللغة والأدب : ابوالوفا حسن بن مسعود یوسی مغربی [۱۱۱۱ھ]
- شرح المواهب اللدنية : محمد بن عبدالباقی زرقانی [۱۱۲۲ھ]
- الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد القيرواني : احمد بن غنیم نفراوی [۱۱۲۵ھ]
- تفسير روح البيان : اسماعیل حقی بن شیخ مصطفیٰ استانبولی بروسوی [۱۱۳۷ھ]
- تحفة المحبين و الأصحاب.......: ابوزید عبدالرحمٰن انصاری مدنی [۱۱۴۸ھ]
- كشف الخفاء و مزيل الألباس :ابوالفداء اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی [۱۱۶۲ھ]
- غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب :شمس الدین سفارینی حنبلی [۱۱۸۸ھ]
- سلك الدرر في أعيان القرن الثاني عشر : محمد خلیل مرادی دمشقی حنفی [۱۲۰۶ھ]
- حاشية البجيرمي على الخطيب : سلیمان بن محمد بجیرمی مصری شافعی [۱۲۲۱ھ]

- تفسیر روح المعاني : ابوالثنا سید شہاب الدین بن درویش آلوسی [۱۲۷۰ھ]
- البحر المديد : ابوالعباس احمد بن محمد بن مہدی ابن عجیبہ تطوانی [۱۲۲۴ھ]
- ایقاظ الهمم : ابوالعباس احمد بن محمد بن مہدی ابن عجیبہ تطوانی [۱۲۲۴ھ]
- تفسیر فتح القدیر : قاضی ابوعبداللہ محمد یمنی شوکانی [۱۲۵۰ھ]
- رد المحتار : سید محمد امین معروف بہ ابن عابدین شامی حنفی [۱۲۵۲ھ]
- أسنى المطالب : سید محمد بن سید درویش بیروتی حوت حنفی [۱۲۷۶ھ]
- نظم المتناثر من الحديث المتواتر : محمد بن جعفر کتانی [۱۳۴۵ھ]
- نور العرفان : حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی [۱۳۹۱ھ]
- تفسير أضواء البيان : محمد امین بن محمد مختار شنقیطی [۱۳۹۳ھ]
- الإعلام : خیر الدین زرکلی [۱۳۹۶ھ]
- المسند الجامع : ابوالفضل سید ابوالمعاطی النوری [۱۴۰۱ھ]
- جاوید نامه : ڈاکٹر سر اِقبال [۱۹۳۸ء]
- مثنوي أسرار ورموز : ڈاکٹر سر اِقبال [۱۹۳۸ء]
- بانگ درا : ڈاکٹر سر اِقبال [۱۹۳۸ء]
- ضربِ کلیم : ڈاکٹر سر اِقبال [۱۹۳۸ء]
- بالِ جبرئیل : ڈاکٹر سر اِقبال [۱۹۳۸ء]
- الأخلاق : ابوالجمال احمد مکرم عباسی چریاکوٹی [۱۹۵۲ء]
- إتحاف الخيرة المهرة : احمد بن اسماعیل بوصیری [ھ]
- اعلام الناس بما وقع للبرامكة مع بني عباس : محمد دیاب اتلیدی [ھ]
- روضة العقلاء و نزهة الفضلاء : ابن حبان بستی [ھ]
- روضة المحبين ونزهة المشتاقين : محمد بن ابوبکر ایوب زرعی [ھ]

- سلوة الأحزان للاجتناب عن مجالسة الأحداث والنسوان : مشتولی [ھ]
- التائبون الی اللّٰه : ابراہیم حازمی [ھ]
- نهاية الطالبين : ابراہیم حازمی [ھ]
- عاقبة عقوق الوالدين : ابراہیم حازمی [ھ]
- المحاسن والمساوي : ابراہیم بیہقی [ھ]
- دور الشباب : شیخ محمد الحسن ولد الددو [ھ]
- المسک والعنبر فی خطب المنبر : عائض قرنی [ھ]
- لا تحزن : عائض قرنی [ھ]
- إقتباس روحانية : محمود شیث خطاب [ھ]
- عدالة السماء للواء الركن : محمود شیث خطاب [ھ]
- قصص القرآن : شیخ محمد جاد، ابوالفضل ابراہیم، علی بجاوی، سید شامہ [ھ]
- تربية الأولاد في الإسلام : عبداللّٰہ صلوان [ھ]
- الزمن القادم : عبدالملک قادم [ھ]
- أبوبكر الصديق، شخصيته وعصره : دکتور علی محمد صلابی [ھ]
- عمر الفاروق، شخصيته وعصره : دکتور علی محمد صلابی [ھ]
- عثمان الغني، شخصيته وعصره : دکتور علی محمد صلابی [ھ]
- علي المرتضیٰ، شخصيته وعصره : دکتور علی محمد صلابی [ھ]
- المنتقیٰ من كتاب الطبقات : شیخ ابن عروبہ [ھ]
- قصص من التاريخ : شیخ الطنطاوی [ھ]

- أنين القلوب : مصطفیٰ کمال [ھ]
- مائة قصة وقصة : شیخ شہاوی [ھ]
- بريقه محموديه فى شرح طريقه محمديه : [ھ]
- موسوعة أطراف الحديث : [ھ]
- سلسلة أروح القصص : [ھ]
- قصص واقعية مؤثرة : [ھ]
- التبويب الموضوعي للأحاديث : [ھ]
- العاقبة في ذكر الموت : [ھ]
- موسوعة الدفاع عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : [ھ]
- موسوعة الخطب والدروس : [ھ]
- مناقب الإمام زين العابدين : [ھ]
- مجلة البيان : [ھ]
- مجلة العربية : [ھ]
- فتاوىٰ الأزهر : [ھ]
- قيمة الزمن : [ھ]
- قافلة الداعيات : [ھ]
- مقاصد الصالحين : [ھ]
- حكايات الصالحين : [ھ]
- سبق آموز کھانیاں : مہدی آذر یزدی [ھ]
- بوستانِ سعدی انسائیکلوپیڈیا : مترجم:مولانا مفتی غلام حسن قادری [ھ]
- تاريخ أمروهة : محمود احمد عباسی امروہوی [ھ]

- عجائب القرآن : مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی گھوسوی [ھ]
- غرائب القرآن : مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی گھوسوی [ھ]
- روحاني حكايات : مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی گھوسوی [ھ]
- اولياء رجال الحديث : مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی گھوسوی [ھ]
- فيضان سنت : مولانا محمد الیاس قادری عطار [ھ]
- پاكستان ميں ملحدانه ثقافت .... : نثار احمد خان فتحی [ھ]

Civilization of virtues. By, Shaykh Uthman Noori Topbosh

101 Steps in education.By, Shaykh Uthman Noori Topbosh

Muslim Views, Monthly News paper, Cape Town, R.S.A.

يقول أبو الرفقة **محمّد افروز القادری الجریاکوتی** – أدام اللّٰه له سلوک سبيل السنة و الجماعة – هٰذا ما وفقني اللّٰه تبارک و تعالیٰ و أعانني عليه من وضع هٰذا الكتاب الذي دأبتُ في ترتيبه و تحقيقه و تخريجه بكل ما في وسعي و طاقتي و ﴿ لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا مَا آتٰهَا﴾ [طلاق : ٧]

و إني أسئل اللّٰه سبحانه و تعالیٰ أن يجعل عملي هٰذا و جهدي خالصاً لوجهه الكريم و هدية الیٰ جناب سيدي رسول اللّٰه العظيم أنجو به من نار الجحيم و ما توفيقي إلا باللّٰه العظيم عليه توكلت و إليه أنيب . قد بدأت ع مل التأليف و الترتيب يوم الأحد ' الثامن وعشرين من جمادي الأوَّل عام – ١٤٣١ھ – الموافق شهر مايو – ٢٠١٠ء – و كان الفراغ منه –بفضل اللّٰه و منته و توفيقه و معونته– في ليلة يوم السبت ' الخامس من جمادى الآخر عام – ١٤٣٢ھ من الهجرة النبوية علیٰ صاحبها السلام و التحية – ، الموافق شهر مايو – ٢٠١١ء من ميلاد المسيح عليه الصلوة و التسليم–.

رَبَّنَا لاَ تُؤاخِذْنَا إنْ نَسِيْنَا أو أخْطَأنَا

﴿تمَّت و بالخير عمَّت﴾

مصنف کی کچھ مطبوعہ کتب

یارسول اللہ! آپ سے محبت اور آپ پر درود کیوں؟

ترجمہ و تحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

جدہ کے شیخ، محمد حسن بن عبید باحبیشی کی عقیدت و محبت کی خوشبوئیں لٹاتی، عظمتِ درود کے نغمات سناتی، اور عشق و اَدب کے آداب سکھاتی ایک ایمان اَفروز تحریر، جسے پڑھنا شروع کریں تو پڑھتے ہی چلے جائیں۔ صفحات: 80۔

اور مشکل آسان ہوگئی

ترجمہ و تحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

کرب و اِنتشار کے بادل کیسے چھنٹیں؟ غم روزگار کا مداوا کیسے ہو؟، اور غیبی نصرت و فتح کا حصول کیوں کر ہو؟، فتح مشکلات اور کشف مہمات کے لیے ایک تیر بہدف تحریر۔ امام جلال الدین سیوطی کی نایاب کتاب 'الارج بعد الفرج' کا سلیس ترجمہ و تلخیص۔ پڑھیے اور اکتسابِ فیض و نور کیجیے۔ صفحات: 96۔

کاش نوجوانوں کو معلوم ہوتا!

تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی

نوجوان ہی دراصل کسی معاشرے کا مستقبل اور گراں قدر سرمایہ ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں تو اپنے حُسنِ عمل اور جذبۂ خیر و صلاح سے دنیا کو رشکِ فردوس بنادیں، اور چاہیں تو نمونۂ جہنم۔ ملاحظہ فرمائیں ایک چشم کشا اور اِنقلاب آفریں تحریر دل پذیر۔ (اس کتاب کا مقدمہ) صفحات: 48۔

پیارے بیٹے

ترجمہ و تحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

یہ شیخ المشائخ حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمی کی نصیحتوں کا روح پرور مجموعہ ہے، جس میں انھوں نے زندگی کی بہت سی حقیقتوں کو بے نقاب کیا ہے۔اور دنیا و آخرت سنوارنے کے بہت سے زرّیں اصول بتائے ہیں۔ اگر ان نصیحتوں کو رنگ عمل دے دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ فوز و فلاح ہمارے ہم رکاب نہ ہو جائے۔ صفحات: 36۔

چالیس حدیثیں

تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی

بچے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور چمنستانِ ہستی کے رنگ برنگے پھول ہیں۔زندگی کے جس موڑ پر وہ کھڑے ہوتے ہیں وہ بڑا ہی نازک موڑ ہوتا ہے۔عادتیں وہیں سے بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اخلاقی تربیت کا یہ بے مثال تحفہ انھیں اسی لیے پیش کیا جارہا ہے تاکہ وہ قوم و ملت کے لیے قیمتی سرمایہ بن سکیں۔ صفحات: 96۔

وقت ہزار نعمت

تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی

وقت، ایک عظیم نعمت اور اللہ کی عطا کردہ بیش قیمت دولت ہے؛ لہٰذا وقت کو ضائع کرنا عمر گنوانے کے برابر ہے۔ ہر بڑے آدمی کی بڑائی اور مشہور شخصیات کی شہرت کا راز یہی وقت کی قدردانی ہے۔وقت کی قدر و قیمت کا اِحساس جگانے اور زندگی کو نظام الاوقات کا پابند بنا دینے والی ایک منفرد کتاب۔ صفحات: 184۔

مرنے کے بعد کیا بیتی؟

تالیف: محمد افروز قادری چریا کوٹی

یہ کتاب پس اِنتقال خواب میں دیکھے جانے والوں کے کوائف واَحوال پر مشتمل ایک منفرد المثال مجموعہ ہے۔ اِس کتاب کا ہر ہر واقعہ اور مرنے والوں کی ایک ایک بات' عبرت آموز و نصیحت خیز ہے۔ یہ واقعات جہاں ہمیں اپنی اِصلاح کی دعوت دیتے ہیں وہیں آخرت کی یاد بھی دلاتے ہیں۔ ہر گھر کی ضرورت۔ صفحات:264۔

موت کیا ہے؟

ترجمہ وتحقیق: محمد افروز قادری چریا کوٹی

یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ اِس دنیا سے چل چلاؤ کے وقت مومن کن کن نعمتوں اورانعامات سے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ مرنا چوں کہ ہرایک کو ہے اِس لیے یہ کتاب ہر کسی کے مطالعہ سے گزرنا چاہیے۔ کائنات کی ہر چیز میں اِختلاف ہوسکتا ہے؛ مگر موت ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ صفحات:88۔

لخت جگر کے لیے

ترجمہ وتحقیق: محمد افروز قادری چریا کوٹی

یہ کتاب 'کوزے میں سمندر' کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اپنے بیٹے کو کچھ نصیحتیں کی ہیں جو دین ودنیا کی سعادت وبرکات کو محیط ہیں۔ انداز یوں ہے: بیٹے! 'سبحان اللہ وبحمدہٖ' پڑھنے والے کے لیے جنت میں ایک باغ لگادیا جاتا ہے، تو ذرا سوچو کہ وقت برباد کرنے والا کتنے بہشتی باغات کھو بیٹھتا ہے!۔ صفحات:48۔

برکات الترتیل

تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی

ترتیل وتجوید کے موضوع پر یوں تو بہت سی کتابیں دستیاب ہیں؛ مگر ایک ایسی کتاب جو ترتیل وقراءت کے تقریباً سارے گوشوں پر اطمینان بخش دلائل ومباحث لائے، اُس کے اَسرار ورموز کھول کر رکھ دے، اوراس کی جملہ پیچیدگیوں کا محققانہ حل پیش کرے، یہ خوبی 'برکات الترتیل' کی سطر سطر سے عیاں ہے۔ ہرمسلمان کی ضرورت۔صفحات:216-

انوارِ ساطعہ دربیانِ مولود وفاتحہ

تسہیل وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

عقائد ومعمولاتِ اہلسنّت خصوصاً میلاد وفاتحہ وغیرہ کے موضوع پرلکھی گئی اپنی نوعیت کی منفرد کتاب۔ یہ وہی کتاب ہے جس کے جواب میں رسوائے زمانہ کتاب 'براہین قاطعہ' وجود میں آئی۔اہل سنت وجماعت کے جملہ معمولات ومعتقدات پراس سے جامع اورسہل کتاب ملنا مشکل ہے۔ ہرسنی اسے ضرور زیرمطالعہ رکھے۔ صفحات:820-

رسائل وکلیاتِ حسن

جمع وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی+محمد ثاقب رضا قادری

یہ دراصل برادراعلیٰ حضرت، اُستاذ زمن علامہ حسن رضاخان بریلوی کی قلمی کاوشوں کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔مولانا کی شعری ونثری خدمات کو بڑے سلیقے سے مرتب کیا گیاہے۔اہل سنت وجماعت کے لیےایک عظیم تحفہ۔ رسائل حسن:صفحات:786۔کلیاتِ حسن:450-

بستانُ العارفین

ترجمہ وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

دین اِسلام کے اِعتدال وتوازن (Balance) کی سچی ترجمانی کرنے والی، اور عوام وخواص ہرایک کے لیے یکساں اِفادیت کی حامل ایک لاجواب کتاب۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ دین کی تعبیر وتشریح-اس کے مزاج وتعلیم کے خلاف-سختی وتنگی کے ساتھ کی جارہی ہواور مسلمانوں کو ایک منظّم سازش کے تحت شریعت بیزاری اور تنفر دینی کے طوفانِ بدتمیزی کی طرف ڈھکیلا جارہا ہو، اِس قسم کے صالح لٹریچر اور سنجیدہ کتابوں کو فروغ دینے کی اہمیت وافادیت صد آتشہ ہوجاتی ہے۔ ہزار سال کے بعد شائع ہونے والا شاہکار۔ صفحات:510-

آئینۂ مضامین قرآن

تالیف وترتیب: محمد افروز قادری چریاکوٹی

قرآن کریم وہ صحیفہ ہدایت ہے جو انسان کو اپنے خالق و مالک حقیقی کا پتا دیتا ہے، مقام انسانیت سے آگاہ کرتا ہے اور معاملاتِ زندگی کو سنوارنے کا بہترین سلیقہ سکھاتا ہے۔ اگر ہم اپنی حیاتِ مستعار کو اس کے احکام و ہدایات کے تابع کرلے، تو بالکل گارنٹی ہے کہ ناکامی ہمارے قریب دم نہیں مارسکتی!۔ خلاصۂ مضامین قرآنی کا یہ تحفہ بس اِسی لیے پیش کیا جارہا ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر قرآنی تعلیمات سے اِکتسابِ فیض ونور کرکے بھولا ہوا اِنسان نہ صرف خود شناس بلکہ خداشناس بھی بن جائے۔ رمضان اور غیر رمضان قرآنی پیغامات سے آشنا ہونے کا اہل اسلام کے لیے ایک سنہرا موقع۔ -رہے نام اللہ کا- صفحات:352-

-: اِن کتابوں کے علاوہ مصنف کی یہ کتب بھی شائع ہو چکی ہیں :-

- آئیں دیدارِ مصطفیٰ کرلیں۔ ترجمہ: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ پاکستان
- تزکِ مرتضوی۔ تسہیل وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ پاکستان
- شیعہ' آستین کے سانپ'۔ تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ کیپ ٹاؤن
- اربعین مالک بن دینار۔ جمع وترتیب: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک
- مصطفیٰ جانِ رحمت پر الزام خودکشی، کیا غلط کیا صحیح۔ تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔
- تحفہ رفاعیہ۔ تسہیل وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک
- دولت بے زوال...۔ تسہیل وترتیب: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک
- چار بڑے اقطاب۔ ترجمہ وترتیب: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک
- جامع ازہر کا فتویٰ۔ ترجمہ وتقدیم: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک
- مناظرۂ راندیر۔ ترتیب وتقدیم: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک

لمحہ فکریہ: عصر حاضر کی مشینی زندگی میں اِنسان کے پاس فرصت کے لمحات کہاں؟، علمی ودینی محافل میں شرکت کی سعادت بھی کم ہی مل پاتی ہے، اور پھر بے لگام میڈیا کے اخلاق باختہ پروگرامز نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی، اِن حالات نے کتاب کے مطالعے کی اہمیت وافادیت کو اور بھی دوچند کردیا ہے۔

بے داغ اخلاق وکردار، صفت تحمل وبردباری، دانائی وزیرکی، سوچ میں پختگی، خوداعتمادی، برداشت ویادداشت میں اضافہ، اچھی رائے قبول کرنے کی صلاحیت اور بہترین اِنسان بننے کا حوصلہ۔ یہ سب اوصاف کتب بینی کے نتیجے میں ہمارے اندر پیدا ہوسکتے ہیں، تو پھر کیوں نہ ہم کتابوں کا مطالعہ اپنے لیے حرزِ جاں بنالیں اور اپنے نیز سارے معاشرے کے لیے سراپا رحمت واَمان بن جائیں۔ فقط والسلام

نوجوانوں کی حکایات

مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی
دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

ENCYCLOPEDIA OF YOUTH MORAL STORIES

نوجوان بلاشبہہ قوموں کا مقدر ہوتے ہیں، وہ چاہیں تو درخشندہ مستقبل اور روشن اُمیدوں کے سورج اُجال دیں اور چاہیں تو جہالت ورذالت کی کبھی نہ ختم ہونے والی شب تیرہ مسلط کردیں۔ عہد شباب دراصل بلند حوصلے، اعلی ہمت اور جنون وعشق کا دور ہوتا ہے۔ تاریخ عالم کو ہمیشہ جوانوں کے گرم لہو نے ہی اِنقلابات سے ہمکنار کیا ہے؛ چونکہ تحریکیں شفاف فکر، جواں ہمت اور بلند حوصلے کی مرہونِ منت ہوتی ہیں؛ اس لیے اگر کسی بھی تحریک سے جوانوں کو علیحدہ کردیا جائے تو سمجھ لیں کہ وہ تحریک، تحریک نہیں رہتی بلکہ پیکر جمود وخمود بن کررہ جاتی ہے۔

اس کتاب میں سینکڑوں اُمہات الکتب اور مصادرِ عربیہ کے گلشن ہائے رنگا رنگ سے مجاہدین اِسلام کے بے داغ کارنامے، اَسلافِ کرام کے عنفوانِ شباب کے ایمان اَفروز واقعات، اور اَخلاق وکردار کو چمک عطا کرنے والی ہزاروں سبق آموز حکایات کے گل چیدہ چن کر قوم وملت کے نوجوانوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ساتھ ہی کچھ ایسے واقعات ومشاہدات بھی قصداً بیان کردیے گئے ہیں جو ہمیں آئینۂ حقیقت دکھا سکیں کہ ہمارے نوجوان کبھی کیا تھے!، آج کیا ہیں!!، اور اُنھیں کیا ہونا چاہیے!!!۔

یارب! دلِ مسلم کو وہ زِندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
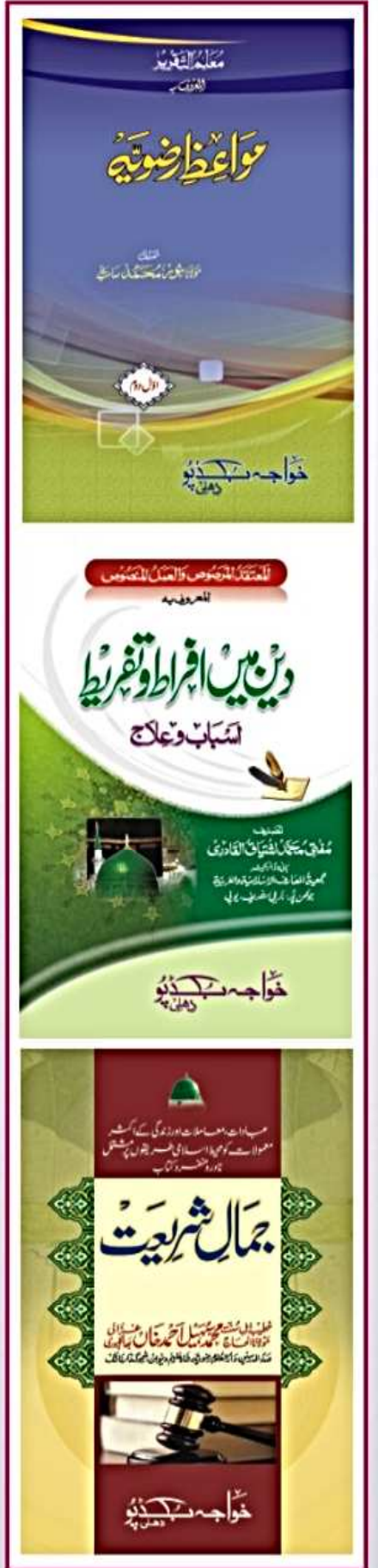
419/2, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Mob. +91-9313086318, +91-9136455121
E-mail: khwajabd@gmail.com

₹ 450/=